سونے چاندی کی تجارت

جدید شکلیں اور شرعی احکام

[اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے 26 ویں فقہی سمینار مؤرخہ 4 تا 6/ مارچ 2017ء منعقدہ
اجین (مدھیہ پردیش) میں پیش کئے جانے والے علمی و تحقیقی مقالات اور مباحثات کا مجموعہ]

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

D1

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : سونے چاندی کی تجارت جدید شکلیں اور شرعی احکام
صفحات : ۵۳۵
قیمت : ......روپئے
سن طباعت : نومبر 2017

ناشر
اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)
161-ایف، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر:9746
جامعہ نگر، نئی دہلی-110025
ای میل:fiqhacademy@gmail.com
فون:26981779 - 011

مجلس ادارت

۱- مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی

۲- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

۳- مولانا بدر الحسن قاسمی

۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۵- مولانا عتیق احمد بستوی

۶- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

پیش لفظ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۹

پہلا باب: تمہیدی امور

اکیڈمی کا فیصلہ		۱۳
سوالنامہ		۱۴
تلخیص مقالات	مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی	۱۷
عرض مسئلہ:		
سونے چاندی کے کاروبار سے متعلق مسائل: سوال نمبر (۱ تا ۵)	مفتی محمد اشرف قاسمی گونڈوی	۵۶
سونے چاندی کی ذخیرہ اندوزی، اسمگلنگ اور پلاٹین کا حکم (سوال نمبر ۶ تا ۸)	ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی	۸۲

دوسرا باب: تفصیلی مقالات

سونا چاندی کی تجارت - چند نئے مسائل	مولانا اختر امام عادل قاسمی	۹۳
سونا چاندی کی تجارت کے جدید مسائل اور ان کا حل	ڈاکٹر مفتی محمد شاہ جہاں ندوی	۱۰۱
سونا چاندی کی تجارت - شرعی نقطہ نظر	مفتی انور علی اعظمی	۱۲۰
سونا اور چاندی کی تجارت کے مسائل اور ان کا حل	مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی	۱۲۹
سونا چاندی کی تجارت کے شرعی احکام	مولانا محمد ظفر عالم ندوی	۱۳۵
سونے چاندی کی تجارت سے متعلق چند مسائل	مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی	۱۴۴
سونا چاندی کی تجارت سے متعلق چند مسائل	مولانا خورشید انور اعظمی	۱۶۳
سونا چاندی کی تجارت کے جدید مسائل	مولانا بدر احمد مجیبی ندوی	۱۷۱
سونے چاندی کی تجارت کی جدید شکلیں اور ان کے شرعی احکام	مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی	۱۷۶
سونے چاندی کی تجارت	مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی	۱۸۵
سونے چاندی کی تجارت اور کرنسی نوٹ کے مسائل	مولانا محمد ابوبکر قاسمی	۱۹۳
سونے چاندی کی تجارت	مولانا مفتی محمد عثمان بستوی	۱۹۸

سونے چاندی کی تجارت کا شرعی حکم	مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی	۲۲۰
سونا چاندی کی تجارت شریعت کی نگاہ میں	مولانا اشتیاق احمد اعظمی قاسمی	۲۳۳
سونے چاندی کی تجارت سے متعلق اہم مسائل	مولانا محمد اقبال قاسمی	۲۳۹
سونا چاندی کی تجارت شریعت اسلامی کی روشنی میں	مفتی روح الامین سعادتی	۲۴۹
سونا چاندی کی تجارت اور اس سے مربوط مسائل	مفتی عبداللہ خالد لوناواڑہ	۲۷۰
سونا چاندی کی تجارت فقہ اسلامی کی روشنی میں	مولانا محمد شاکر نثار اعظمی مدنی	۲۸۰
سونا چاندی کی تجارت کے اہم مسائل	مفتی محمد ابوالمکارم قاسمی	۲۸۷
سونے چاندی کی تجارت سے متعلق احکام شریعت	مفتی محمد شاہد حسین قاسمی	۲۹۴
سونا چاندی کی تجارت کے جدید مسائل	مفتی محمد روح اللہ قاسمی	۳۰۰
سونا چاندی کی تجارت کے احکام	مولانا ابوالکلام معروفی	۳۲۰
سونے چاندی کی تجارت کی شرعی حیثیت	مولانا محمد اشرف قاسمی گونڈوی	۳۲۶
سونا چاندی کی تجارت اسلامی تناظر میں	مولانا ابومحمد، محمد سعد نور القاسمی	۳۳۷
سونے چاندی کی تجارت کی موجودہ شکلیں اور ان کے شرعی احکام	مفتی محمد سعید اسعد قاسمی	۳۶۶
سونا چاندی کی تجارت سے متعلق مسائل موجوہ تناظر میں	مفتی عمران بن دین محمد فلاحی، پالنپوری	۳۷۴
سونا اور چاندی کی تجارت سے متعلق مسائل	مفتی سلمان پالنپوری	۳۸۵
سونا چاندی کی تجارت سے متعلق شرعی احکام	مولانا نعمان انور اعظمی	۳۹۵
سونے چاندی کی تجارت-فقہی نقطہ نظر	مفتی عمر امین الہی	۴۰۴
سونا چاندی کی تجارت سے متعلق جدید مسائل	قاضی عبدالجبار طیب ندوی	۴۲۵
سونا چاندی کی خرید وفروخت اور جدید مسائل	مفتی عبدالباسط قاسمی پالنپوری	۴۳۳
سونا چاندی کی تجارت سے متعلق چند اہم اور جدید مسائل	مفتی جنید محمد پالنپوری	۴۴۵
سونے چاندی کے احکام	مفتی فیاض احمد محمود برمارے حسینی	۴۵۱

چوتھا باب: مختصر تحریریں

سونا چاندی کی تجارت-صورتیں اور احکام	قاضی عبدالجلیل قاسمی	۴۵۹
سونے چاندی کی تجارت کے احکام	ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی	۴۶۱
سونے چاندی کی تجارت-اسلامی نقطہ نظر	مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی	۴۶۵
سونے چاندی کی تجارت شریعت کی نگاہ میں	مفتی محمد نعمت اللہ قاسمی	۴۶۸
سونے اور چاندی کی تجارت اسلام کی روشنی میں	مولانا عبدالحی مفتاحی	۴۷۲
سونے چاندی کی تجارت کے احکام	مفتی محمد اشرف (ساؤتھ افریقہ)	۴۷۷

سونا چاندی کی تجارت کے متعلق چند مسائل	مفتی محمد سلطان القاسمی	۴۸۷
سونا چاندی کی تجارت کا شرعی حل	مولانا ابوسفیان مفتاحی	۴۹۰
سونا چاندی کی تجارت اور شرعی طریقہ کار	ڈاکٹر مولانا محی الدین غازی فلاحی	۴۹۳
سونا چاندی کی تجارت کے نئے مسائل	مفتی عبدالرحیم قاسمی	۴۹۵
سونے چاندی کی تجارت سے متعلق سوالات کے جوابات	قاضی محمد ذکاء اللہ شبلی	۵۰۰
سونا چاندی کی تجارت سے متعلق اہم مسائل	مولانا عبدالحمید قاسمی دیناجپوری	۵۰۱
سونے چاندی سے متعلق مسائل	مفتی محمد مقصود فرقانی	۵۰۶
سونا اور چاندی کی تجارت سے متعلق چند مسائل	مفتی عبدالمنان آسام	۵۰۸
سونا چاندی کی تجارت سے متعلق مسائل کا شرعی حل	مفتی نثار احمد گودھروی	۵۱۰
سونا چاندی کی تجارت شرعی تناظر میں	مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی	۵۱۵
سونے چاندی کی تجارت سے متعلق مسائل	مفتی ظہیر احمد کانپوری	۵۱۷

چوتھا باب: اختتامی امور

مناقشہ ۵۲۱

☆☆☆

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے کائنات میں بے شمار چیزیں پیدا کی ہیں، ان میں بیشتر وہ ہیں جن سے براہ راست انسانی ضرورت پوری ہوتی ہے، جیسے غذائی اشیاء، جنھیں انسان کھاتا ہے، تعمیر میں کام آنے والی چیزیں، جن سے مکانات بنتے ہیں، سڑکوں اور پلوں کی تعمیر ہوتی ہے، جانور جو انسان کی سواری یا غذا کے کام آتا ہے، اسی طرح لوہا، تانبا، پیتل جن کا استعمال برتنوں، مشینوں اور مختلف کاموں میں ہوا کرتا ہے، ان سب کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی ایک اہم نعمت سونا اور چاندی ہے، جس سے اگرچہ براہ راست انسان کی کوئی ضرورت پوری نہیں ہوتی، انسان زیادہ سے زیادہ اسے زیب وزینت کے لئے استعمال کرتا ہے؛ لیکن یہ بالواسطہ انسان کو سب سے بڑھ کر فائدہ پہنچاتا ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں اس دھات کی ایسی وقعت پیدا کردی ہے کہ ہزاروں سال سے یہ اشیاء کے لئے ذریعہ تبادلہ بن رہا ہے، نہ اس کو کھایا جاسکتا ہے، نہ اس کو بطور لباس پہنا جاسکتا ہے اور نہ یہ سواری کے کام آتا ہے؛ لیکن اس کے ذریعہ تمام اشیاءِ ضرورت حاصل کی جاسکتی ہیں۔

اسی لئے سونا چاندی کی خرید وفروخت سے متعلق شریعت میں خصوصی احکام دیئے گئے ہیں، بعض ایسے امور جن کی دیگر اشیاء کی خرید وفروخت میں اجازت ہے، سونے چاندی کے تبادلہ میں اجازت نہیں ہے، نیز سونے چاندی کی خرید وفروخت میں بعض ایسی صورتیں بھی پیدا ہوگئی ہیں، جن کا ماضی میں کوئی تصور نہیں تھا، اکیڈمی کے چھبیسویں فقہی سمینار کی پیش کش برادران وطن کے مشہور مذہبی شہر 'اجین' کے احباب نے کی اور یہاں کے علماء اور دولت مند مسلمانوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ اس کا انعقاد عمل میں لایا، جس میں محترم مولانا مفتی محمد جنید فلاحی، مجلس اتحاد امت، اس کے صدر مولانا محمد طیب ندوی اور دوسرے رفقاء نیز مجلس کے دیگر ذمہ داران بے حد شکریہ کے مستحق ہیں، اس سیمنار کے لئے جن موضوعات کا انتخاب کیا گیا، ان میں ایک سونا چاندی کی تجارت بھی ہے؛ چنانچہ اس شعبہ کے تاجروں اور کاریگروں کے ساتھ گفتگو کر کے قابل غور نکات متعین کئے گئے، اور ان کو سامنے رکھتے ہوئے سوالنامہ مرتب کیا گیا، اللہ تعالیٰ جزاء خیر دے کہ ملک وبیرون ملک کے اہل علم نے اس موضوع پر توجہ دی، اور انہوں نے اپنے تفصیلی مقالات اکیڈمی کو بھیجے، جن کی تعداد ۵۰ ہے، پھر

سمینار کے دوران بھی اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث ہوئی اور باتفاق رائے تجاویز منظور کی گئیں۔

چنانچہ مقالات، مناقشات، سوالنامہ اور تجاویز پر مشتمل اس مجموعہ کی ترتیب کی ذمہ داری عزیز مکرم مفتی سعید الرحمٰن قاسمی (مفتی امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ) کو سونپی گئی، اللہ تعالیٰ انہیں جزاء خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے بہت توجہ اور ذمہ داری کے ساتھ اسے انجام دیا، اس کی فائنل ریڈنگ (آخری نظر ثانی) کا کام عزیزی مفتی امتیاز احمد قاسمی صاحب نے بڑے اہتمام کے ساتھ مکمل کیا، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ دیگر مجلّات کی طرح اس کو بھی قبولیت عطا فرمائے اور فکر و نظر کا یہ کارواں آگے بڑھتا رہے۔ **واللہ ھو المستعان۔**

16/ذوقعدہ 1438ھ
مطابق 9/اگست 2017

(خالد سیف اللہ رحمانی)
جنرل سکریٹری، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

پہلا باب

تمہیدی امور

اکیڈمی کا فیصلہ:

سونا چاندی کی تجارت سے متعلق مسائل

آج مؤرخہ ۶/مارچ ۲۰۱۷ء کوسونا چاندی کی تجارت سے متعلق چند مسائل کے سلسلہ میں تجویز ساز کمیٹی نے درج ذیل تجاویز پر اتفاق کیا:

۱-کرنسی سے سونا چاندی خرید اجائے تو یہ بیع صرف نہیں ہے،اس لئے بدلین میں سے کسی ایک کا ادھار ہونا درست ہے۔

۲-سونے چاندی کی مقررہ نرخ سے زیادہ یا کم قیمت پر خرید وفروخت درست ہے۔

۳-سونے چاندی کی زیور سازی میں نکلنے والے ذرات کو اجرت بنانا درست ہے، جبکہ مقدار میں ایسی جہالت نہ ہو جو نزاع کا سبب بنے، البتہ بہتر ہے کہ الگ سے اجرت متعین کی جائے۔

۴-سونے چاندی کے پرانے زیورات کا نئے زیورات سے کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ جائز نہیں ہے، اگر تبادلہ کرنا ہی ہے تو پرانے کو قیمتاً بیچ دے اور پھر اس قیمت سے نیا زیور خرید لے۔

۵-کیموڈ ٹیز ایکسچینج میں سونے چاندی کی اس طرح خرید وفروخت درست نہیں ہے کہ مبیع اور ثمن پر قبضہ ہی نہ ہو اور صرف خریداری اور ادائیگی کے وقت نرخ میں جو کمی بیشی آتی ہے، اس کا لین دین کر لیا جائے۔

۶-گراں فروشی کی نیت سے سونے کی ذخیرہ اندوزی احتکار کے دائرہ میں داخل نہیں ہے، البتہ اس کو روک کر رکھنے کی صورت میں دوسری ضروری اشیاء کی قیمتیں متاثر ہوتی ہوں تو اس سے بچنا چاہئے۔

۷-اسمگلنگ غیر قانونی عمل ہے، لہذا اس طریقہ پر سونے کی خرید وفروخت سے بچنا چاہئے، لیکن اس راہ سے کسی نے سونا خرید لیا ہے تو وہ اس کا مالک ہے۔

۸-پلاٹینیم سونا نہیں ہے، لہذا عقود، نیز زکاۃ وغیرہ میں اس پر سونے کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

☆☆☆

سوالنامہ:

سونا چاندی کی تجارت سے متعلق چند مسائل

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو قدرتی وسائل زمین میں چھپا کر رکھے گئے ہیں، ان میں سونا اور چاندی بھی ہے، یہ نہایت قیمتی دھات ہے، جہاں اس کا استعمال زیبائش وآرائش کے لئے ہوتا رہا ہے اور خواتین اس کے زیورات پہنتی رہی ہیں، وہیں یہ دولت اور قدر کو ناپنے کا ایک پیمانہ بھی ہے، اسی لئے قدیم زمانہ سے افراد ہوں یا حکومتیں، انہوں نے دولت کے ایک محفوظ ذخیرہ کے طور پر سونے کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، اور اس کی اسی اہمیت کی وجہ سے بہت ہی قدیم زمانہ سے کرنسی کی حیثیت سے اس کا استعمال کیا گیا ہے، جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو اس وقت روم میں سونے کی اور ایران میں چاندی کی کرنسی کا رواج تھا اور یہی اس وقت دنیا کی دو سب سے بڑی معاشی اور فوجی طاقتیں تھیں، عرب ان دونوں کرنسیوں کو استعمال کرتے تھے، سونے کی کرنسی دینار اور چاندی کی درہم کہلاتی تھی، اسلام نے اس کو اسی طرح باقی رکھا، البتہ درہم ودینار کے مختلف سکوں کے وزن میں جو فرق ہوجاتا تھا، اس خامی کو دور کیا اور اس میں یکسانیت پیدا کرنے کی کوشش کی، حضرت عمرؓ نے جہاں اور بہت سی اصلاحات فرمائیں، ان میں ایک یہ بھی ہے۔

اگرچہ اب سونے اور چاندی کی وہ حیثیت نہیں رہی، چاندی کی حیثیت تو اب ایک عام دھات کی سی ہوگئی اور کرنسی کی قدر میں سونے کی اہمیت بھی کم ہو کر رہ گئی، اور بظاہر بے قیمت نظر آنے والے کاغذی نوٹوں نے اس کی جگہ لے لی، لیکن پھر بھی سونے کی اپنی ایک اہمیت ہے، اس کی طلب ہے، افراد ہی نہیں حکومتیں بھی چاہتی ہیں کہ ان کے پاس سونے کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ ہو، آج بھی کسی ملک یا شخص کی دولت کو تولنے کے معیارات میں ایک سونا بھی ہے؛ اسی لئے بمقابلہ تمام دھاتوں کے اور خاص کر کاغذی نوٹوں کے سونے کی قیمت میں استحکام ہے؛ بلکہ صورتحال یہ ہے کہ کاغذی کرنسی کی قیمت تیزی سے گرتی جارہی ہے اور سونے کی قیمت گھٹتی کم اور بڑھتی زیادہ ہے۔

دنیا کے معاشی نظام میں جو تبدیلیاں آتی رہی ہیں، ان کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارے فقہاء نے بھی ثمن کے سلسلہ میں ایک نئی اصطلاح قائم کرتے ہوئے اس کی دو قسمیں کی ہیں، ایک: ثمن حقیقی، دوسری: ثمن اصطلاحی، ثمن حقیقی سے مراد سونا اور چاندی ہے، اور ثمن اصطلاحی سے مراد وہ شئ ہے جو لوگوں کے عرف اور اتفاق کی وجہ سے ثمن کے درجہ میں آگئی ہو، جیسے: سکے اور کاغذی نوٹ، دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب ثمن کا ثمن سے تبادلہ ہو تو اس بیع کے خصوصی احکام ہیں، جن کو فقہاء نے بیع صرف سے تعبیر کیا ہے اور جس میں بے احتیاطی عقد کو ربا کے دائرہ میں لے آتی ہے۔

کاروباری نقطہ نظر سے سونے چاندی کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور بالخصوص ابلاغ کے جدید ذرائع کی پیدائش، نیز ٹیلی فون اور ای میل کے ذریعہ بین ملکی تجارت نے شرعی اعتبار سے بہت سے پیچیدہ مسائل پیدا کردیئے ہیں، جن پر غور کرنے کی ضرورت ہے، اس پس منظر میں درج ذیل سوالات آپ کی خدمت میں پیش ہیں، امید کہ آپ قرآن وحدیث، نیز سلف صالحین کے اجتہادات سے استفادہ کرتے ہوئے جواب دینے کی زحمت فرمائیں گے۔

۱- اگر روپئے سے سونا خرید کیا جائے تو اس میں روپیہ کی کیا حیثیت ہوگی، کیا اس بیع کو بیع صرف تصور کیا جائے گا؟ اس پس منظر میں:

الف: کیا یہ بات درست ہوگی کہ سونا چاندی اور روپئے میں سے ایک نقد ہو اور دوسرا ادھار؟

ب: کیا یہ بات درست ہوگی کہ سونا اور چاندی کا جو نرخ حکومت نے یا سونے کی مارکیٹ جیسے انٹرنیشنل سطح پر کومیکس گولڈ مارکیٹ یا ہندوستان کی سطح پر یہاں کی مارکیٹ MC نے طے کیا ہو، اس سے زیادہ یا کم قیمت میں خرید وفروخت کی جائے، اور کیا اس صورت پر ربا تفاضل کا اطلاق ہوگا؟

۲- زیور بنانے والے کاریگر زیورات کے تاجروں سے ایک متعینہ وزن میں سونا لیتے ہیں اور چند دنوں میں اس کے بدلے سونے سے بنائے ہوئے زیورات انہیں واپس کرتے ہیں، انہیں الگ سے کوئی اجرت نہیں دی جاتی؛ بلکہ زیورات کی شکل میں سونے کی اتنی ہی مقدار انہیں واپس کرنی ہوتی ہے، جتنی انہوں نے لی تھی؛ البتہ سونے کا زیور بنانے میں دوسری دھاتوں کی آمیزش ضروری ہوتی ہے، اس آمیزش کے بقدر سونا ان کو بچ جاتا ہے اور زیور بنانے میں سونے کے کچھ ذرات نکل آتے ہیں، یہی ان کی اجرت ہوتی ہے، سوال یہ ہے کہ:

الف: سونے کے لین دین میں مقدار کا جو یہ فرق ہو رہا ہے، اسے بیع تصور کیا جائے گا یا اجارہ؟

ب: کیا اجرت کی یہ شکل درست ہوگی کہ زیورات کے بنانے میں جو ذرات بچ جائیں، وہی اجرت قرار پائے؟

۳- عام طور پر سونے کے تاجر حضرات پرانے زیور کی قیمت کم متعین کرتے ہیں، مثلاً: دس گرام سونے کو آٹھ گرام کے درجہ میں رکھتے ہیں، تو اگر سونے کے پرانے زیور کا سونے کے نئے زیور سے تبادلہ ہو اور اس کمی کو ملحوظ رکھتے ہوئے سونے کا پرانا زیور زیادہ وزن کا لیا جائے اور سونے کا نیا زیور کم وزن میں اس کے بدلہ ادا کیا جائے تو کیا یہ صورت جائز ہوگی؟

۴- آج کل کموڈیٹیز ایکسچینج میں دوسری اشیاء کے ساتھ سونے چاندی کی بھی خرید وفروخت ہوتی ہے، جس میں خریدار آرڈر دیتا ہے اور جو کچھ اس نے آرڈر دیا ہے، اس کے آرڈر کے بقدر وہ شئ اس کے نام سے محفوظ کردی جاتی ہے، اس سلسلہ میں چند باتیں قابل غور ہیں:

الف: اگر سونا فروخت کرنے والے ادارے کے پاس مثلاً ایک کلو سونا ہو اور وہ دوسو افراد کو پچاس پچاس گرام سونا فروخت کرے، لیکن ان سب کا خریدا ہوا سونا سونے کی اینٹ میں شامل ہو، ان کے الگ الگ بسکٹ یا سکے نہیں بنائے جاتے ہوں تو کیا اس کو

خریدار کا قبضہ سمجھا جائے گا؟

ب: اگر ہر خریدار کے لئے اس کی خریدی ہوئی مقدار کا سکہ الگ سے موجود ہو اور اس کو کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں اس کے نام سے درج کر دیا گیا ہو تو کیا اس اندراج کو قبضہ کے لئے کافی تصور کیا جائے گا؟

۵- ایکسچینج کے ذریعہ کاروبار کی ایک اور صورت جو آج کل رائج ہے، یہ ہے کہ مثلاً ایک مہینے کے لئے ادھار ایک مخصوص مقدار جیسے ۱۰ تولے سونے کا سودا کر لیا جاتا ہے، خریدار سونے پر قبضہ نہیں کرتا، جب ادائیگی کی تاریخ آتی ہے تو سونے کے اس دن کے نرخ کو دیکھ لیا جاتا ہے، خرید کے دن اور ادائیگی کے دن سونے کے نرخوں میں جو فرق ہوتا ہے، اس کی ادائیگی کر دی جاتی ہے، مثلاً خرید نے کے دن سونے کا نرخ پانچ ہزار روپے فی تولہ تھا، ادائیگی کے دن پانچ ہزار ایک سو روپے تولہ ہو گیا تو خریدار بائع کو ایک سو روپے دے گا، اور اگر اس دن چار ہزار نو سو تھی تو بائع خریدار کو ایک سو روپے ادا کرے گا، نہ تو مشتری سونے پر قبضہ کرتا ہے اور نہ بائع قیمت پر قبضہ کرتا ہے، بس نرخ میں کمی بیشی سے جو فرق آتا ہے، اس کا لین دین کر لیتے ہیں، اس صورت کا کیا حکم ہے؟

۶- بہت سی دفعہ سونے کی قیمت میں متوقع اضافہ کا سونے چاندی کے تاجروں کو علم ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں وہ سونے کو روک لیتے ہیں؛ تا کہ قیمت بڑھنے کے بعد اسے فروخت کریں، سونا اس پہلو سے اشیاء ضروریہ میں شامل ہے کہ ثمن خلقی ہونے کے لحاظ سے وہ ذریعہ تبادلہ ہے، اس کو روک لینے کی وجہ سے سونے کی قیمت تو بڑھتی ہی ہے، اس گرانی کا اثر دوسری اشیاء پر بھی پڑتا ہے، تو کیا سونے کی ذخیرہ اندوزی اور گراں فروشی کے لئے اس کو روک کر رکھنا احتکار کے دائرہ میں آئے گا؟

۷- ملک میں جو سونا آتا ہے، اس میں بڑا حصہ تو قانونی طریقہ پر آتا ہے، اور سونا لانے والا اس سے متعلق واجبات کو ادا کرتا ہے، دوسرا راستہ اسمگلنگ کا ہے، یہ طریقہ غیر قانونی ہے، اس میں سونا لانے والا ان واجبات کو ادا نہیں کرتا، جو حکومت نے سونے کی درآمد سے متعلق مقرر کئے ہیں، کیا یہ اسمگلنگ کا عمل جائز ہوگا، کیا اس طریقہ پر آنے والے سونے کا خریدنا اور پھر اس کو فروخت کرنا درست ہوگا؟

۸- آج کل 'پلاٹین' کو سفید سونا کہا جاتا ہے، اب اس کا شمار مہنگی دھاتوں میں ہوتا ہے، اور اس کے زیورات بھی بنائے جاتے ہیں، تو کیا لوگوں کے عرف کو دیکھتے ہوئے یہ حقیقی سونے کے حکم میں ہوگا اور عقود، نیز زکوۃ وغیرہ میں اس پر سونے کے احکام منطبق ہوں گے؟

☆☆☆

تلخیص مقالات:

سونا چاندی کی تجارت سے متعلق چند مسائل

مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی☆

اسلامک فقہ اکیڈمی کا چھبیسواں فقہی سمینار شہر اجین، مدھیہ پردیش میں مورخہ ۴/تا ۶/مارچ ۲۰۱۷ء کو منعقد ہورہا ہے، اکیڈمی نے اس سمینار کے لئے چار اہم موضوعات کا انتخاب کیا ہے، جن میں سے ایک اہم موضوع ''سونے چاندی کی تجارت سے متعلق چند مسائل'' بھی ہے، اس موضوع پر اکیڈمی کو ۴۳/مقالات موصول ہوئے جن کی تلخیص ذیل میں پیش کی جارہی ہے؛ تاکہ ہر ایک کی آراء سے استفادہ آسان ہوسکے، جن حضرات کے مقالے اکیڈمی کو موصول ہوئے ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا اشتیاق احمد اعظمی مئو، قاضی عبدالجلیل قاسمی پٹنہ، مولانا خورشید انور اعظمی بنارس، مفتی محمد نعمت اللہ قاسمی کھگڑیا، مولانا اختر امام عادل سمستی پور، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی مئو، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی کیرالا، مولانا انور علی اعظمی مئو، مولانا خورشید احمد اعظمی مئو، مولانا ظفر عالم ندوی لکھنو، مولانا محمد شاہجہاں ندوی کیرالا، مولانا محمد اشرف قاسمی گونڈوی، مفتی عبداللہ خالد لوناواڑہ، مفتی جنید محمد پالنپوری، مولانا روح الامین گجرات، مولانا عبدالباسط پٹن، مولانا عمران بن دین محمد، مولانا نثار احمد گودھرا، مولانا عبدالحئی مفتاحی،، مولانا محمد سلطان قاسمی، مولانا ابوالمکارم معروفی گورینی جونپور، مولانا ابومحمد محمد سعد نور القاسمی، مولانا عمر امین الٰہی کشمیر، مولانا ذکاء اللہ شبلی اندور، مولانا عبدالرحیم قاسمی بھوپال، مولانا عبدالمنان نوگاؤں آسام، مولانا عبدالحمید قاسمی اتر دیناجپور، مولانا محمد روح اللہ قاسمی مدھوبنی، مولانا محمد عثمان بستوی گورینی، مفتی محمد شاہد حسین قاسمی مدھوبنی، مولانا ظہیر احمد کانپور، مولانا فیاض احمد کرناٹک، مولانا کلیم اللہ عمری ندوی عمرآباد، مولانا شاکر نثار اعظمی مدنی، اعظم گڑھ، مولانا محی الدین غازی، مولانا عبدالجبار طیب ندوی، مولانا مقصود علی فرقانی رامپور، مولانا نعمان انور مئو، مفتی سلمان پالنپوری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، میرٹھ، مفتی سعید اسعد قاسمی، آسنسول وراقم (مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی پٹنہ)۔

اکیڈمی نے اس موضوع سے متعلق ۸/سوالات علماء کرام کی خدمت میں ارسال کئے تھے جن میں سے پہلا سوال تھا:

اگر روپے سے سونا خرید کیا جائے تو اس میں روپیہ کی کیا حیثیت ہوگی، کیا اس بیع کو بیع صرف تصور کیا جائے گا؟ اس پس منظر میں:

☆ مفتی امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ۔

(الف) کیا یہ بات درست ہوگی کہ سونا چاندی اور روپئے میں سے ایک نقد ہو اور دوسرا ادھار؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاروں کے دو نقطہائے نظر ہیں:

پہلا نقطۂ نظر:

روپئے سے سونا خرید کیا جائے تو اس میں روپئے کی حیثیت ثمن عرفی یا اصطلاحی کی ہوگی اور یہ بیع، بیع صرف متصور نہیں ہوگی، کیونکہ اس پر بیع صرف کی تعریف صادق نہیں آتی ہے، لہذا سونا چاندی اور روپئے میں سے ایک نقد ہو اور دوسرا ادھار تو یہ بیع جائز ودرست ہوگی، بشرطیکہ بدلین میں سے ایک پر قبضہ مجلس عقد میں ہوجائے۔

اور یہ نقطۂ نظر پینتیس مقالہ نگاروں کا ہے، جن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا محمد شاہجہاں ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا محمد اشرف قاسمی، مفتی عبداللہ خالد، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی جنید محمد، مفتی سلمان، مولانا روح الامین، مولانا عبدالباسط قاسمی، مولانا محمد سلطان قاسمی، مولانا ابوالمکارم معروفی، مولانا ابومحمد محمد سعد نور قاسمی، مفتی محمد نعمت اللہ قاسمی، مولانا عمر امین الہی، مفتی سعید اسعد قاسمی، مولانا ذکاء اللہ شبلی، مولانا عبدالرحیم قاسمی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا عبدالمنان، مولانا عبدالحمید قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا روح اللہ قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد عثمان، مولانا نعمان انور، مولانا شاکر نثار احمد اعظمی، مولانا فیاض احمد، مفتی محمد شاہد حسین، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا ظہیر احمد اور راقم الحروف (مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی)۔

ان حضرات کے مستدلات:

بیع صرف کی تعریف

"الصرف هو البيع إذاكان واحد من عوضيه من جنس الأثمان" (لسان العرب ۳/ ۲۴-۲۵) (مقالہ مولانا عمر امین الہی)۔

"الصرف فی متعارف الشرع اسم لبيع الأثمان المطلقة بعضها ببعض وهوبيع الذهب بالذهب والفضة بالفضة أوأحدالجنسين بالآخر" (بدائع الصنائع ۴/ ۴۵۳) (مقالہ: مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا روح اللہ قاسمی، مولانا عمر امین الہی، مفتی عبداللہ خالد)۔

"وهوبيع النقد بالنقد جنسابجنس أوبغير جنس أى بيع الذهب بالذهب أوالفضة بالفضة أوالذهب بالفضة مصوغاً أو نقدا" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۵/ ۳۶۵۹- فتح القدیر ۵/ ۲۸۸) (مقالہ: مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا عبدالحئی مفتاحی)۔

"بيع الثمن بالثمن أى ماخلق للثمنية ومنه المصوغ جنسا بجنس أو بغير جنس" (الدر المختار علی الرد ۷/ ۵۲۰)

(مقالہ: مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا روح اللہ قاسمی، مولانا عمر امین الہی، مولانا روح الامین، مفتی نثار احمد، مفتی عبداللہ خالد)۔

"الصرف بيع النقد بالنقد"(مجلۃ الاحکام العدلیۃ: مادہ:۱۲۱)(مقالہ: مولانا روح اللہ قاسمی)۔

"الصرف اسم لعقود ثلاثه: بيع الذهب بالذهب والفضة بالفضة وأحدهما بالآخر"(الجوہرۃ النیرۃ ۱/ ۲۶۱ کتاب البیوع باب الصرف، کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعۃ ۲/ ۲۷، المختصر القدوری/ ۸۵)(مقالہ مولانا روح اللہ قاسمی، مولانا عمر امین، مولانا عبدالباسط قاسمی)۔

"وفى الاصطلاح عرفه جمهور الفقهاء بأنه بيع الثمن بالثمن جنسا بجنس أو بغير جنس فيشمل بيع الذهب بالذهب والفضة بالفضة كما يشمل بيع الذهب بالفضة والمراد بالثمن ما خلق للثمنية فيدخل فى بيع المصوغ بالمصوغ أو بالنقد"(الموسوعة الفقهيه؟)(مقالہ: مولانا روح اللہ قاسمی)۔

"النقد بالنقد والمراد به الذهب والفضة مضروبا كان أو غير مضروب"(مغنی المحتاج ۲/ ۳۶۹)(مقالہ: روح الامین)۔

مولانا عمر امین الہی، مولانا ابومحمد محمد سعد نور القاسمی، مولانا روح الامین، مولانا عبدالحئی مفتاحی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی نے بیع صرف کی چار شرطوں کا بھی ذکر کیا ہے: عدم تاجیل۔ عدم خیار شرط، وزن کے لحاظ سے تماثل وتساوی، مجلس عقد میں تقابض۔

"والشرط عدم التأجيل والخيار والتماثل إلى التساوى وزنا والتقابض بالبراجم، لا بالتخلية قبل الافتراق"(الدر المختار مع رد المحتار ۴/ ۲۶۱)۔

"وشرائطه إجمالاالتقابض قبل افتراق المتعاقدين والتماثل أى التساوى وأن لا يكون فيه خيار ولاتأجيل"(الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۵/ ۳۶۶۰)(مقالہ: مولانا عبدالحئی مفتاحی)۔

بیشتر مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ روپئے ثمن خلقی نہیں بلکہ ثمن عرفی یا اصطلاحی ہیں اور یہ فلوس کے حکم میں ہیں۔

"أن صفة الثمنية فى الفلوس عارضة باصطلاح الناس فأما الذهب والفضة فثمن بأصل الخلقة"(المبسوط ۱۲/ ۱۳۷)(مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی)۔

مولانا ابوالمکارم معروفی ومولانا روح الامین نوٹ کی شرعی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں چار نظریات ہیں:

(۱) دین کی سند ہے: گزشتہ صدی کے بیشتر علماء ہند حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا مفتی شفیع عثمانی صاحبؒ وغیرہ کا موقف یہی ہے۔

(۲) مال اور سامان: علماء رامپور اور جناب مولانا احمد رضاخان بریلوی کی یہی رائے رہی ہے، اس موضوع پر ان کا ایک رسالہ کفل الفقیہ فی أحکام القرطاس والدراھم نام سے ہے، انہوں نے ثابت کیا ہے کہ نوٹ مال اور سامان ہے، سند دین یا خود ثمن نہیں۔

(۳) سونے و چاندی کے قائم مقام ہے:

نہ محض سند دین اور نہ عروض سامان ہے، بلکہ بذات خود ثمن ہے، عرف ورواج کی بنا پر اصل ثمن کے قائم مقام ہے اور اس کا بدل ہے لہذا جو احکام اصل اور مبدل کے ہیں وہی احکام نوٹ میں جاری ہوں گے، اکثر علماء عرب اسی کے قائل ہیں، اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ نے یہی تجویز منظور کی ہے، یہی مولانا فتح محمد لکھنوی صاحب عطر الہدایہ اور مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ کی رائے ہے۔

(۴) بذات خود ثمن عرفی ہے:

سونے چاندی کا بدل نہیں بلکہ ثمن ہے، اور فلوس کی طرح ثمن عرفی ہے، لہذا جو احکام فلوس پر جاری ہوتے ہیں وہی اس پر بھی منطبق ہوں گے، اکثر علماء اسی نظریے کے قائل ہیں، سعودیہ عربیہ کے علماء کبار کی مجلس نے اکثریت کے ساتھ یہی قرارداد منظور کی، یہی آخری نظریہ راجح معلوم ہوتا ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فقہ البیوع، فقہی مقالات، اسلام اور جدید معیشت وتجارت، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے فیصلے، جدید فقہی تحقیقات)۔

"اندفعوا إلى الاصطلاح على جوهر معدنية تبقى زمناطويلا أن تكون المعاملة بها أمر امسلماعندهم و كان الأليق من بينها الذهب والفضة لصغر حجمهما وتماثل أفرادهما وعظم نفعهما فى بدن الانسان ولتاتى التجمل بهما فكانا نقدين بالطبع و كان غيرهما نقدا بالاصطلاح" (حجۃ اللہ البالغۃ ۱/۹۰) (مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی)۔

مفتی روح اللہ قاسمی لکھتے ہیں کہ اب کاغذی نوٹوں کی شرعی حیثیت پر تقریباً علماء کرام کا اتفاق ہو چکا ہے کہ وہ اصطلاحی ثمن ہے، بطور وثیقہ وسند اب کسی ثمن کی نمائندگی نہیں کرتا اور اس کی پشت پر کوئی سونا وغیرہ نہیں ہے، بلکہ وہ خود اصلی حیثیت کا مالک ہے، اسے زر قانونی کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے (مقالہ: مولانا روح اللہ قاسمی)۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی محمد شاہجہاں ندوی لکھتے ہیں کہ کاغذی نوٹ کو مکمل طور پر زر خلقی یعنی سونا چاندی کے حکم میں قرار نہیں دیا جا سکتا ہے، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ سونا چاندی کی اپنی قیمت ہے، خواہ وہ ثمن ہوں یا نہ ہوں جبکہ کاغذی نوٹ کو اگر کوئی حکومت ثمن کی حیثیت نہ دے تو کاغذ کے ٹکڑے کے علاوہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے (مقالہ: مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی محمد شاہجہاں ندوی)۔

بدلین میں سے ایک پر قبضہ کافی ہے:

"وإن اشترى خاتم فضة أو خاتم ذهب فيه فص أو ليس فى فص بكذا فلسا وليست الفلوس عنده فهو جائز تقابضا قبل التفرق أم لم يتقابضا لأن هذا بيع ليس بصرف" (الفتاوی الھندیہ، المبسوط للسرخسی ۱۴/۲۵)

(مقالہ: مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا شاکر نثار اعظمی مدنی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مفتی محمد نعمت اللہ قاسمی، مولانا ابوالمکارم معروفی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا ابو محمد محمد سعد نور قاسمی، مولانا عمر امین الٰہی، مولانا سلمان، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا عبدالحیٔ مفتاحی، مفتی شاہد حسین، مفتی عبداللہ خالد، مفتی جنید محمد پالنپوری، راقم مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی)۔

”سئل الحانوتی عن بیع الذهب بالفلوس نسیئة فأجاب بأنه یجوز إذا قبض أحدالبدلین“(ردالمحتار ۷/ ۴۱۴)(مقالہ:مفتی محمد شاہجہاں ندوی،مولانا ظفرعالم ندوی،مولانا شاکرنثاراعظمی ندوی،ابومحمد محمد سعدنورقاسمی،مولانا عمرامین الٰہی،مولانا روح الامین،مولانا سلمان،مولانا عبدالحیٔ مفتاحی،مفتی محمد شاہد حسین،مفتی جنید محمد،مولانا عبدالباسط قاسمی،راقم مفتی محمد سعیدالرحمٰن قاسمی)۔

”وقیدبالذهب والفضة لأنه لوباع فضة بفلوس أو ذهب بفلوس فإنه یشترط قبض أحدالبدلین قبل الافتراق لا قبضهما“ (البحرالرائق۔کتاب الصرف ۶/۲۱۱،ردالمحتار ۵/ ۲۵۹)(مقالہ:مفتی شاہجہاں ندوی،مولانا ابومحمد محمد سعد نورقاسمی،مولانا سلمان،مولانا خورشیداعظمی مدنی)۔

”واذااشتری الرجل فلوسا بدراهم ونقد الثمن ولم تکن الفلوس عندالبائع فالبیع جاز،لأن الفلوس الرائجة ثمن کالنقود وقد بینا أن حکم العقد فی الثمن وجوبها وجودها معا ولایشترط قیامها فی ملک بائعها لصحة العقد کما لایشترط ذالک فی الدراهم والدنانیر“(المبسوط للسرخسی ۱۴/ ۲۴)(مقالہ:مولانا ظفرعالم ندوی،مفتی محمد سلطان قاسمی،مولانا روح الامین)۔

”وروی الحسن عن أبی حنیفة إذا اشتری فلوسا بدراهم ولیس هذا فلوس ولاعندالآخر دراهم ثم إن أحدهما دفع وتفرقا جاز وان لم ینقد واحد منهما حتٰی تفرقا لم یجز کذا فی المحیط“(الفتاوی الهندیہ ۳/ ۲۲۴)(مقالہ:مولانا عمران بن دین محمد،ابومحمد محمد سعدنورقاسمی،مولانا عمرامین الٰہی)۔

”غالب الغش لیس فی حکم الدراهم والدنانیر فیصح بیعها بجنسها متفاضلا والتبایع والاستقراض بما یروج عددا أو وزنا أو بهما ولایتعین بالتعیین لکونها أثمانا“(کنزالدقائق مع البحر ۶/ ۳۳۵)(مقالہ:مفتی محمد سلطان قاسمی)۔

”وکذا إذا تبایعافلسا بعینه بفلس بعینه فالفلسان لا یعینان وإن عینا الا أن القبض فی المجلس شرط حتی یبطل بترک التقابض فی المجلس لکونه افتراقا عن دین بدین ولو قبض أحد البدلین فی المجلس فافترقا قبل قبض الاٰخر ذکر الکرخی أنه لا یبطل العقد لأن اشتراط القبض من الجانبین من خصائض الصرف وهذا لیس بصرف فیکتفی فیه بالقبض من أحدالجانبین لأن به یخرج عن کونه افتراقا عن دین بدین وذکر فی بعض شروح المختصرالطحاویؒ أنه یبطل لا لکونه صرف بل لتمکن ربا النساء فیه لوجود أحد وصفی علة ربا الفضل وهو الجنس....وهو الصحیح“(بدائع الصنائع ۴/ ۴۸۷۔۴۸۸)۔

”منها ما یشترط فیه التقابض وهو القبض من الجانبین وهو الصرف......ومنها ما یشترط فیه القبض من أحد الجانبین کبیع الدراهم بالفلوس“(بدائع الصنائع ۴/ ۴۸۸)(مقالہ: مولانا محمد عثمان،مفتی روح اللہ قاسمی،مولانا روح الامین)۔

"ثم فرق بين بيع الدراهم بالدراهم وبين بيع الفلوس بالدراهم أوالدنانيرحيث لم يشترط فى بيع الفلوس بالدراهم أوالدنانير قبض البدلين قبل الافتراق ويكتفى قبض أحدالبدلين" (الفتاوی الہندیہ باب الصرف) (مقالہ: مفتی محمد روح اللہ القاسمی، مولانا عمر امین الہی)۔

مولانا محمد اشرف قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا سلمان لکھتے ہیں کہ اختلاف جنس وقدر کی وجہ سے سونا وچاندی کی خرید وفروخت روپے سے ادھار جائز ہے۔

"إذااختلف النوعان فبيعواكيف شئتم قال المحشى حفظه الله وروى مسلم عن عبادة بن الصامت أن رسول الله ﷺ قال......إذااختلف هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم" (الصحیح لمسلم کتاب المساقات باب الصرف)۔

"عن أنس بن مالک عن النبی ﷺ أنه قال....فإذا اختلف النوعان فلابأس به" (الدارقطنی کتاب البیوع ۱۸/۲، مختارات النوازل ۳۲۸/۳) (مقالہ: مولانا محمد اشرف علی قاسمی)۔

"إذاعدم الوصفان الجنس والمعنى المفهوم إليه حل التفاضل والنساء لعدم العلة المحرمة والأصل فيه الإباحة وإذا وجد أحدهما وعدم الأخرحل التفاضل وحرم النساء" (ہدایہ باب الربا ۷۹/۳) (مقالہ: مولانا سلمان)۔

"اشترى فلوسابدرهم ونقدالدرهم ولم تكن الفلوس حاضرة جاز" (الفتاوی البزازیہ علی ہامش الفتاوی الہندیہ ۵/۵) (مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

مولانا روح الامین لکھتے ہیں کہ عام بیوع میں قبضہ کے تحقق کے لئے تخلیہ کافی ہے لیکن بیع صرف میں قبضہ کے لئے بالاجماع تخلیہ کافی نہیں ہے بلکہ عملاً اور حقیقۃً قبضہ ضروری ہے۔

"والتقابض بالبراجم لا بالتخليه" (الدرالمختار)۔

"قوله لا بالتخليه أشارإلى أن التقييد بالبراجم للاحتراز عن التخليه واشتراط القبض بالفعل لا خصوص البراجم حتى لو وضعه له فى كفه أو فى جيبه صار قابضاً" (ردالمحتار باب الصرف ۲۵۱/۵) (مقالہ: مولانا روح الامین)۔

روپئے کے ذریعہ سونا چاندی کی خرید وفروخت میں بدلین میں سے ایک پر قبضہ مجلس عقد ضروری ہے تاکہ بیع الدین بالدین لازم نہ آئے جو حدیث کی رو سے ممنوع ہے (مقالہ: مولانا عمران بن دین محمد، مفتی سلمان، مفتی عبداللہ خالد، مولانا عبدالباسط قاسمی، مفتی محمد سلطان قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا نعمان انور، مولانا محبوب احمد فروغ قاسمی، مولانا روح الامین)۔

تائیدات:

پہلے نقطۂ نظر کی تائید اکابر علماء کرام کے فتاویٰ سے بھی ہوتی ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے: فقہ البیوع ۲/ ۷۲۰، اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/ ۴۷، فقہی مقالات ص/ ۱۳۔ ۱۴، قاموس الفقہ ۲۲۶/۴، فتاوی عثمانی ۳/ ۱۴۳، فتاویٰ محمودیہ ۵۳۹/۲۳، فتاویٰ احیاء العلوم ۲۵۰/۱، احسن الفتاویٰ ۵۱۸/۶، فتاویٰ دارالعلوم زکریا ۳۴۸/۵، جدید معاملات کے شرعی

احکام ۱/ ۱۲۸)(مقالہ: مولانا روح الامین، مفتی محمد اشرف قاسمی، مولانا ابومحمد محمد سعدنور قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی محمد روح اللہ قاسمی، مفتی عبداللہ خالد، مفتی محمد شاہد حسین قاسمی، مفتی سعید اسعد قاسمی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا نعمان انور، مولانا عبدالحمید قاسمی، مفتی نعمت اللہ قاسمی، وراقم (مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی)۔

دوسرا نقطۂ نظر:

روپئے سے سونے چاندی کی خرید وفروخت بیع صرف کے حکم میں ہے، اس میں بدلین پر مجلس عقد میں قبضہ ضروری ہے، ایک نقد ہواور دوسرا ادھار تو یہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ روپئے سونے چاندی کی طرح مستقل ثمن ہیں۔

یہ آٹھ مقالہ نگاروں کا نقطۂ نظر ہے، ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مولانا اخترام امام عادل، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مولانا محی الدین غازی، مفتی مقصود علی فرقانی، مولانا کلیم اللہ عمری مدنی، مولانا عبدالجبار طیب ندوی ومولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی۔

ان حضرات کے مستدلات:

"عن عبادة بن صامت ؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ الذهب بالذهب والفضة بالفضة مثلا بمثل سواء بسواء يدا بيد...فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتمإذا كانت يدا بيد"(الصحیح لمسلم ۲ / ۲۵)

(مقالہ: مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا عبدالجبار طیب ندوی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی)۔

"فإن باع فضة بفضة أو ذهبا بذهب لا يجوز إلا مثلا بمثل إلى قوله ولا بدمن قبض العوضين قبل الافتراق"(ہدایہ باب الصرف ۳/ ۱۰۴)۔

"فلوتجانسا شرط التماثل والتقابض اى النقدان بأن يبيع أحدهما بجنس الآخر فلا بد لصحته من التساوى وزنا ومن قبض البدلين قبل الافتراق"(البحر الرائق کتاب الصرف ۶/ ۱۹۴)(مقالہ: مولانا ابوسفیان مفتاحی)۔

"لايجوز فلس بفلس ولا يجوز الفلوس بالذهب والفضة ولا بالدنانير" (المدونۃ الکبریٰ ۳/ ۳۹۶،۳۹۵)۔

"ويشترط عدم التأ جيل والخيار (والتماثل) أى التساوى وزنا(والتقابض)بالبراجم لا بالتخلية (قبل الافتراق)"(الدر المختار)۔

"أى افتراق المتعاقدين بأبدانهما والتقييد بالعاقدين يعم المالكين والنائبين وتقييد الفرقة بالأبدان بقيد عموم اعتبار المجلس ومن ثم قال انه لايبطل بما يدل على الإعراض ولوسارفرسخا ولم يفترقا صح وقد اعتبروا المجلس فى مسئلة هى مالو قال الأب اُشهدوا إلى اشتريت هذا لدينار من ابن الصغير بعشرة دراهم ثم قال قبل ان يزن العشرة فهو باطل كذا عن محمد لانه لا يمكن اعتبار التفرق بالأبدان" (حاشیۃ رد المحتار علی الدر المختار ۵/ ۲۵۸)۔

مولانا اختر امام عادل امام مالک کا قول نقل کرتے ہیں کہ اگر سونا چاندی کے بجائے جانور کی کھال ذریعہ تبادلہ بن جائے اور اس کی کرنسی اور سکے تیار ہو جائیں (جیسا کہ حضرت عمر الخطابؓ نے اپنے دور میں ارادہ فرمایا تھا) تو میرے نزدیک سونا چاندی کے بالعوض اس کی بیع پر بھی بیع صرف کے احکام جاری ہوں گے، اور ادھار کی گنجائش نہ ہوگی۔

”ولوأن الناس أجازوبينهم الجلود حتى يكون لها سكة وعين لكرهتها أن تباع بالذهب والورق“ (المدونۃ الکبریٰ کتاب الصرف)۔

مولانا اختر امام عادل مزید لکھتے ہیں کہ آج حکومتوں کی جانب سے روپے کی حیثیت مسلمہ ثمن کی ہے، اس کی ثمنیت ساقط کرنے کا اختیار صرف حکومت کو ہے باہم اس کو محض کاغذ فرض کر لینے سے ان کی ثمنت ساقط نہیں ہوگی، میرا احساس یہ ہے کہ خود شیخین بھی کرنسی کی موجودہ صورت حال کو ملاحظہ فرماتے تو ان کو فلوس کے بجائے درہم و دینار کا متبادل قرار دیتے۔

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی تو ایک طرف اس کو بیع صرف قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف سونے یا چاندی کی روپے سے خریداری ادھار جائز لکھتے ہیں (دیکھئے: مقالہ مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی)۔

تائیدات:

مولانا اختر امام عادل نے اس نقطۂ نظر کی تائید میں ھیئۃ کبار العلماء سعودعرب اور مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ کا فیصلہ پیش کیا ہے:

”فإن مجلس المجمع الفقهى الاسلامى،يقررأن العملة الورقية نقدقائم بذاته،له حكم النقدين من الذهب والفضة فتجب الزكاة فيها،ويجرى الربا عليها بنوعيه، فضلا ونسيا، كما يجرى ذلک فى النقدين من الذهب والفضة تماما باعتبارالثمنية فى العملةالورقية قياسا عليهما، وبذلک تأخذ العملة الورقية أحكام النقود فى كل الالتزامات التى تفرضها الشريعة فيها۔

ثانيا: يعتبر الورق النقدى نقداً قائما بذاته كقيام النقدية فى الذهب والفضة وغيرهما من الأثمان، كما يعتبر الورق النقدى أجناسا مختلفة، تتعدد بتعدد جهات الاصدار فى البلدان المختلفة ،بمعنى أن الورق النقدى السعودى جنس، وأن الورق النقدى الأمريكى جنس،وهكذا كل عملة ورقية جنس مستقل بذاته،وبذلک يجرى فيها الربا بنوعيه فضلا ونسياً، كما يجرى الربا بنوعيه فى النقدين الذهب والفضة وفى غيرها من الأثمان۔ وحيث ان الثمنية متحققة بوضوح فى الأوراق النقدية، لذلک كله فإن هيئة كبارالعلماء تقرر باكثريتها: (مجلّہ مجمع الفقہ الاسلامی التابع لمنظمۃ المؤتمر الاسلامی بجدۃ ۱۹۵۱/۳)۔

أن الورق النقدى يعتبر نقدا قائما بذاته كقيام النقدية فى الذهب والفضة وغيرها من الأثمان، وأنه أجناس تتعدد بتعدد جهات الأصدار، بمعنى: أن الورق النقدى السعودى جنس،وأن الورق النقدى

الأمریکی جنس،وھکذا کل عملة ورقیة جنس مستقل بذاته، وأنه یترتب علی ذالک الأحکام الشرعیة الآتیة:

أولا: جریان الربا بنوعیه فیها، کما یجری الربا بنوعیه فی النقدین الذھب والفضة وفی غیرھما من الأثمان کالفلوس، وھذا یقتضی ما یلی:

(ا) لایجوز بیع بعضه ببعض أو بغیره من الأجناس النقدیة الأخری من ذھب أو فضة أو غیرھما۔ نسیئة مطلقا، فلایجوز مثلا بیع الدولار الأمریکی بخمسة أریلة سعودیة أو أقل أو اکثر نسئة۔

(ب)لایجوز بیع الجنس الواحد منه بعضه ببعض متفاضلا، سواء کان ذالک نسیئة أویدا بید،فلایجوزمثلا بیع عشرة أریلة سعودیة ورق بأحد عشر ریالا سعودیا ورقا۔

(ج)یجوز بیع بعضه ببعض من غیر جنسه مطلقا، إذاکان ذالک یدا بید،فیجوز بیع اللیرة السوریة أو اللبنانیة بریال سعودی، ورقاکان أو فضة،أو أقل من ذلک أو أکثر ،وبیع الدولار الأمریکی بثلاثة أریلة سعودیة أوأقل أو اکثر إذا کان ذلک یدا بید،ومثل ذلک فی الجواز بیع الریال السعودی الفضه بثلاثة أریلة سعودیة ورق أو أقل أوأکثر یدا بید،لأن ذلک یعتبر بیع جنس بغیر جنسه ولا أثرلمجرد الاشتراک فی الاسم مع الاختلاف فی الحقیقة"(ابحاث ھیئة کبار العلماء ۱/ ۹۳)(دیکھئے مقالہ: مولانا اختر امام عادل)۔

سوال نمبر ۱ :

ب: کیا یہ بات درست ہوگی کہ سونا اور چاندی کا جونرخ حکومت نے یا سونے کی مارکیٹ جیسے انٹرنیشنل سطح پر میکس گولڈ مارکیٹ یا ہندوستان کی سطح پر یہاں کی مارکیٹ MC نے طے کیا ہو،اس سے زیادہ یا کم قیمت میں خرید وفروخت کی جائے اور کیا اس صورت پرربا تفاضل کا اطلاق ہوگا؟

اس کے جواب میں مقالہ نگاروں کی تین آراء ہیں:

پہلی رائے:

اکیس مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ سونا اور چاندی کا جونرخ حکومت یا سونے کی مارکیٹ جیسے انٹرنیشنل سطح پر میکس گولڈ مارکیٹ، یا ہندوستانی سطح پر ایم سی نے طے کیا ہواس سے زیادہ یا کم قیمت پر خرید وفروخت کرسکتے ہیں،شرعا جائز ودرست ہے،اس پر ربا تفاضل کا اطلاق نہیں ہوگا،اس لئے کہ روپئے اور سونا چاندی دو مختلف جنس ہیں اور مختلف جنس کی چیزوں کا تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے۔

مستدلات:

"قال رسول اللہ ﷺ لاتبیعوا الذھب بالذھب إلاسواء بسواء والفضة بالفضة إلا سواء وبیعوا الذھب بالفضة والفضة بالذھب کیف شئتم"(صحیح بخاری حدیث: ۲۱۷۵)(مقالہ: مفتی محمد شاہ جہاں ندوی، مولانا محمد عثمان)۔

"وان باع الذهب بالفضة جاز التفاضل لعدم المجانسة" (ہدایہ ۳/۱۰۵) (مقالہ: مولانا اختر امام عادل وراقم مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی)۔

"وعلته أی علة تحريم الزيادة القدر المعهود بكيل أو وزن مع الجنس فإن وجدا حرم الفضل أی الزيادة....وإن وجد أحدهما أی القدر وحدة أو الجنس حل الفضل" (الدر المختار کتاب البیوع باب الربا ۷/ ۴۰۴، ۴۰۳) (مقالہ: راقم مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی)۔

"فليس الزرع والعدد بربا" (الدر المختار ۴/۱۷۷)۔

"واذا عدم الوصفان الجنس والمعنى المضموماليه حل التفاضل والنساء لعدم العلة المحرمة والأصل فيه الإباحة وإذا وجد أحدهما وعدم الآخر حل التفاضل وحرم النساء" (ہدایہ ۳/۹۷باب الربوا) (مقالہ: مفتی سلمان قاسمی)۔

مولانا خورشید احمد اعظمی اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں کہ حکومت کی طرف سے کسی سامان کا نرخ طے کرنا پسندیدہ عمل نہیں ہے، بلکہ یہ مصلحت عامہ کے خلاف ہے، اسی لئے فقہاء نے اس کو مکروہ لکھا ہے۔

"عن أنسؓ قال الناس :يا رسول الله علاالسعر فسعرلنا فقال رسول الله ﷺان الله هو المسعر القبض الباسط الرازق وإنى لأرجو أن ألقى الله وليس أحدمنكم يطالبنى بمظلمة فى دم ومال" (السنن لأبی داؤد ۳/ ۲۷۲ کتاب البیوع) (مقالہ: ومولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا عبد الحمید قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، قاضی عبد الجبار طیب ندوی)۔

"ولايسعر حاكم أی يكره ذلك كما فى الملتقى وغيره إلا إذا تعدى الأرباب عن القيمة تعديا فاحشا بينه الزيلعى وغيره بالبيع بضعف القيمة" (رد المحتار علی الدر المختار ۹/ ۵۷۳)۔

"ويكره التسعير ولأن الثمن حق العاقد فلا ينبغى له أن يعترض لحقه" (مجمع الانہر ۴/ ۲۱۵)۔

"فإن سعر فباع الخباز بأكثرمما سعر جاز بيعه كذا فى فتاوى قاضى خان" (فتاوی ہندیہ ۳/ ۲۱۴) (مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی محمد شاہد حسین قاسمی)۔

مولانا نعمان انور اعظمی ومولانا انور علی اعظمی لکھتے ہیں کہ بیع کی تعریف ہے مال کا مال سے رضامندی کے ساتھ تبادلہ کرنا ،لہذا بائع اور مشتری جب ایک بھاؤ پر آپس میں رضامند ہیں تو بیع بالکل درست ہوگی خواہ ان کے درمیان طے شدہ نرخ انٹرنیشنل مارکیٹ یاMC کے بھاؤ سے کم وبیش ہو (مقالہ مولانا نعمان انور اعظمی ومولانا انور علی اعظمی)۔

دوسری رائے:

ملکی یا بین الاقوامی سطح پر سونے چاندی کی جو قیمت مقرر ہے اس سے کم یا زیادہ میں اس کی خرید وفروخت جائز ہے، اس پر ربا الفضل کا اطلاق نہیں ہوگا، البتہ چونکہ یہ حکومت کے قانون کی خلاف ورزی ہے اور پکڑے جانے پر ہتک عزت کا اندیشہ ہے، اس

لئے اس طرح کے معاملہ کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

یہ رائے بھی انیس مقالہ نگاروں کی ہے۔

ان حضرات کا استدلال:

"لاتلقوا بأیدیکم إلی التهلكة "(سورۂ بقرہ:۱۹۵)(مقالہ:مفتی روح اللہ قاسمی)۔

"قال رسول الله ﷺ: لاینبغی للمومن أن یذل نفسه" (السنن للترمذی ۲/۵۰)(مقالہ:مولانا عبدالحئ مفتاحی، ومولانا ابوالمکارم معروفی)۔

"المالک هوالمتصرف فی الأعیان المملوکة کیف شاء"(بیضاوی شریف جلداول،ص۷،سورۂ فاتحہ)(مقالہ:مولانا عبدالحئ مفتاحی)۔

"فإذافعل ذلک وتعدی رجل عن ذلک وباع بأکثر منه أجازه القاضی وهذا ظاهر عند أبی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ لأنه لایری الحجر علی الحر وکذا عندهما"(ہدایہ مع تکملہ ۸/۴۹۲)۔

"وظاهره أنه لو باعه بأکثر یحل وینفذ البیع"(شامی ۹/۵۷۴)(مقالہ:عمر امین الٰہی)۔

"فان سعّر فباع الخباز بأکثر مما سعر جاز بیعه"(فتاوی ہندیہ ۳/۱۰۳)(مقالہ:مولانا عمر امین الٰہی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

"ذهب الحنفیة والحنابلة والشافعیة فی الأصح الی أن من خالف ا لتسعیر صح بیعه"(موسوعہ فقہیہ ۱۱/۳۱۰)(مقالہ:مولانا عمر امین الٰہی)۔

مولانا ابومحمد محمد سعدنور لکھتے ہیں اس زمانہ میں حکومت یا اس طرح کے اداروں کا قیمت متعین کرنا بہت ضروری ہے اور لوگوں پر اس کی پابندی واجب ہے(مقالہ:مولانا ابومحمد محمد سعدنور قاسمی)۔

مولانا محمد ظفر عالم ندوی لکھتے ہیں کہ شہری اور ملکی قانون کی خلاف ورزی کی وجہ سے گناہ ہوگا(مقالہ:مولانا محمد ظفر عالم ندوی)۔

مولانا محمد شاکر نثار اعظمی، مولانا محمد عثمان ومولانا عبدالجبار طیب ندوی لکھتے ہیں کہ سرکاری ریٹ میں کم وزیادہ پر بیچنا تو تسعیر کی خلاف ورزی ہوگی اور اولی الامر کے حکم کے بھی خلاف ہوگا، جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے۔

"اطیعوا اللّٰه واطیعو الرسول وأولی الأمر منکم"(سورۂ نساء:۵۹)(مقالہ:مولانا محمد شاکر نثار اعظمی، مولانا محمد عثمان ومولانا عبدالجبار طیب ندوی)۔

مولانا عبدالباسط قاسمی لکھتے ہیں کہ یہ معاملہ اس قانون کی خلاف ورزی ہے جو مفاد عامہ کے لئے حکومت نے نافذ کیا ہے اس لئے اس خارجی سبب کی بنا پر اس طرح کے معاملات کی اجازت نہ ہونی چاہئے کیوں فقہ اسلامی کا قاعدہ ہے کہ جائز ومباح امور میں قوانین حکومت کی پابندی واجب ہے۔

"اذاکان فعل الإمام مبنیا علی المصلحة فیما یتعلق بالأمور العامة لم ینفذ أمره شرعاً إلا إذا واقفه

فإن خالفه لم ينفذ" (الأشباہ والنظائر ص ۴۱۲) (مقالہ: مولانا عبدالباسط قاسمی)۔

"وفی أحكام القرآن للمحدث العلامة ظفراحمدالعثمانی رحمه الله (ج۲ ص ۲۹۱) وهذا الحكم ای وجوب طاعة الأمريختص بها إذا لم يخالف أمره الشرع يدل عليه سياق الاٰية فإن الله تعالیٰ أمر الناس بطاعة أولی الأمر بعدما أمرهم بالعدل فی الحكم تنبيها علی أن طاعتهم واجبة ماداموا علی العمل وكذا تفسير مظهری (ج۲ ص ۱۵۲ والجامع لاحكام القرآن ج۵ ص ۲۵۹)۔

"تجب طاعة الامام فيما ليس بمعصية" (الدرالمختار ۲/۱۷۲) (مقالہ: مفتی جنید محمد)۔

تائیدات:

اس رائے کی تائید اکابر علماء کرام کی تحریروں سے بھی ہوتی ہے (اوراق احکام النقود والمعاملات ۲/۱۹۰۸، القضایا الفقہیۃ المعاصرۃ ص ۸، اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/۵۲، تکملہ فتح الملہم ۷/۵۵، انعام الباری ۶/۳۱۱، فقہی مقالات ۱/۴۰) (مقالہ: مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا شاکر نثار اعظمی، مولانا محمد عثمانی، مفتی عبداللہ خالد)۔

تیسری رائے:

چار مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ حکومت کے مقرر نرخ سے کم یا زیادہ میں خرید وفروخت کیا جائے تو ربا تفاضل کا اطلاق ہوگا، ان حضرات نے اس کی کوئی دلیل ذکر نہیں کی ہے۔

سوال نمبر ۲:

زیور بنانے والے کاریگر زیورات کے تاجروں سے ایک متعینہ وزن میں سونا لیتے ہیں اور چند دنوں میں اس کے بدلے سونے سے بنائے ہوئے زیورات انہیں واپس کرتے ہیں، انہیں الگ سے کوئی اجرت نہیں دی جاتی، بلکہ زیورات کی شکل میں سونے کی اتنی مقدار انہیں واپس کرنی ہوتی ہے، جتنی انہوں نے لی تھی، البتہ سونے کا زیور بنانے میں دوسری دھاتوں کی آمیزش ضروری ہوتی ہے، اس آمیزش کے بقدر سونا ان کو بچ جاتا ہے اور زیور بنانے میں سونے کے کچھ ذرات نکل آتے ہیں، یہی ان کی اجرت ہوتی ہے، سوال یہ ہے کہ:

الف: سونے کے لین دین میں مقدار کا جو یہ فرق ہو رہا ہے، اسے بیع تصور کیا جائے یا اجارہ؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاروں کے تین رجحانات ہیں۔

پہلا رجحان:

بیشتر مقالہ نگاروں کا رجحان یہ ہے کہ یہ اجارہ کی صورت ہے بیع نہیں ہے، اس لئے کہ اس پر اجارہ کی تعریف صادق آتی ہے، بیع کی نہیں، اس لئے کہ اجارہ کسی عوض مالی پر منفعت کا مالک بنانا ہے۔

دلائل ووجوہ:

"الإجارة عقدعلی المنافع بعوض" (ہدایہ ۳/۲۳۰) (مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا عبدالباسط قاسمی،

مولانا عمران بن دین محمد، مفتی عبداللہ خالد)۔

"إلاجارة عقد على المنافع بعوض مالی يتجدد انعقاده بحسب حدوث المنافع ساعة فساعة" (الجوھرۃ النیر ۱/۲۵۹)(مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی)۔

"تملیک المنفعة بعوض" (بدائع الصنائع ۴/۲۰۱)(مقالہ: مفتی محمد شاہجہاں ندوی، مفتی عبداللہ خالد، مفتی شاہد حسین قاسمی)۔

"فإن القياس لايجوز استيجار الصباغ لصبغ الثوب لأن الاجارة عقد على المنافع لاالأعيان وفيه عقد على العين وهو الصبغ لا الصبغ وحده لكن جوز للتعامل جواز الاستصناع" (العنایہ مع فتح القدیر ۶/۸۵) (مقالہ مفتی محمد سلمان)۔

مولانا خورشید احمد اعظمی تحریر فرماتے ہیں کہ یہ معاملہ بیع متصور نہیں ہوگا اس لئے کہ اس معاملہ کے وقت کاریگر کے پاس سونا نہیں ہوتا اور صحت بیع کے شرائط میں مذکور ہے، "ومنها وهو شرط انعقاد البيع للبائع أن يكون مملوكا للبائع عندالبيع فان لم يكن لاينعقد واما ملكه بعد ذلك بوجه من الوجوه إلا السلم خاصة" (بدائع الصنائع ۴/۳۴۰)۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "لايحل سلف وبيع ولاشرطان فی بيع ولا ربح مالم تضمن ولا بيع ماليس عندك" (السنن ابی داؤد ۲/۲۸۳، کتاب البیوع)۔

اور اگر اس کے پاس دوسرا سونا موجود ہو بھی تو اس لئے درست نہیں کہ بدلین پر مجلس میں تقابض نہیں ہوتا (مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

مولانا انور علی اعظمی، مولانا نعمان انور لکھتے ہیں اس معاملہ کو بیع ماننا تین وجوہ سے صحیح نہیں۔

(الف) یہاں دونوں طرف سونا ہے اور سونے کا لین دین سونے سے ہو رہا ہے، اور یہ معاملہ بیع صرف ہے، اور اس میں مثلاً عمل کے ساتھ یدابید بھی شرط ہے، یہاں معاملہ چند دنوں کے بعد ہو رہا ہے، اس لئے اس کو بیع ماننے کی گنجائش نہیں ہے۔

"نهی رسول الله ﷺ عن بيع الورق بالذهب دينا" (صحیح مسلم ۲/۲۵)۔

(ب) دوسرے یہ کہ سونے کا تاجر اپنا مال دے کر زیور کی شکل میں واپس لے رہا ہے تو اسے بیع ماننے کی صورت میں سونا دینے والے تاجر کو ہی بائع اور مشتری دونوں ماننا لازم آئے گا۔

(ج) تیسرے یہ کہ بیع اپنی ملک کی ہوتی ہے اگر اس کو بیع مانا جائے تو زیور بنانے والے کاریگر کو زیور کا مالک ماننا ہوگا اور پھر اسے اس بات کا پابند نہیں کیا جا سکتا کہ وہ سونے کا بنایا ہوا زیور اسی تاجر کے ہاتھ بیچے۔لہذا یہ معاملہ بیع کے بجائے اجارہ کا ہے (دیکھئے مقالہ: مولانا انور علی اعظمی، مولانا نعمان انور)۔

بیع اور اجارہ کے درمیان فرق کو مفتی محمد شاہد حسین قاسمی یوں بیان کرتے ہیں:

اجارہ کا عقد بھی بیع کی طرح ہے البتہ درج ذیل امور میں فرق پایا جاتا ہے۔

۱-اجارہ میں چیز کے بجائے کسی منفعت پر عقد کیا جاتا ہے۔

۲-بیع میں بائع ایک مرتبہ مبیع کو دے کر فراغت پالیتا ہے لیکن اجارہ میں منفعت مستقل طور پر وجود میں آتی رہتی ہے۔

۳-بیع میں مبیع پر قبضہ کے بعد خیار شرط نہیں رہتا جبکہ اجارہ میں عیب کے وقت کرایہ کا عقد ختم کیا جاسکتا ہے۔

۴-بیع میں مبیع کی ملکیت خریدار کی طرف منتقل ہوجاتی ہے، اجارہ میں مستاجر ذات کا مالک نہیں ہوتا بلکہ اس کے بعض منافع کا مالک ہوتا ہے (دیکھئے مقالہ: مفتی محمد شاہد حسین قاسمی)۔

مولانا محمد عثمان لکھتے ہیں کہ اس شکل کا اجارہ پر محمول ہونا بے غبار ہے، کیوں کہ استصناع میں جب مٹیریل اور مواد مستصنع کی طرف سے ہوں تو اس کو استصناع (بیع) پر محمول نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کو اجارہ پر محمول کیا جائے گا، کیوں کہ استصناع کے لئے شرط یہ ہے کہ مواد اور مٹیریل صانع کا اپنا ذاتی ہو اور مذکورہ شکل میں اصلی مواد مستصنع کا ہے، صانع کا نہیں، اب ملائی جانے والی دھات بھی اگر مستصنع کی ہو تو اس کا اجارہ پر محمول کرنا متعین ہے اور اگر مٹیریل میں ملائی جانے والی دھات صانع کی ہے تو اس کو عمل کے تابع مان کر اجارہ پر محمول ہونا ظاہر ہے، جیسے خیاط، رنگریز، نجار وغیرہ۔

”**ویشترط فی الاستصناع أن یکون العمل والعین کلاھما من الصانع وعلیه فلوکانت العین من المستصنع کان العقدإجارة**“(فتاوی ہندیہ ۴/۵۱۷) (دیکھئے مقالہ: مولانا محمد عثمان بستوی)۔

مولانا محبوب احمد فروغ قاسمی لکھتے ہیں کہ کاریگر جو دھات معدنی اشیاء اس صنعت میں لگا رہا ہے وہ عرف وعادت کے مطابق لگا رہا ہے اجارہ کے باب میں عرف وعادت کا اعتبار کیا گیا ہے۔

”**والأصل فیه أن الاجارةاذاوقعت علی عمل وکل ماکان من توابع ذلک العمل ولم یشترط فی الاجارة ذلک علی الأجیر فالمرجع العرف**“(تاتارخانیہ ۱۵/۱۵۳ کتاب الاجارہ)۔

اسی بنیاد پر درزی سے جب کپڑا سلوایا جاتا ہے تو دھاگہ وبٹن وغیرہ خیاط کے ذمہ ہوتے ہیں ”**وفی غزل الخیاط اذالم یکن فیه عادة فھو علی صاحب الثوب وھوکالصباغ یکون الصبغ علیه فإن لم یکن فیه عادة فعلی صاحب الثوب**“(تاتارخانیہ ۱۵/۱۵۳) اس لئے بیع کے بجائے اجارہ ماننا چاہئے (دیکھئے مقالہ: مولانا محبوب احمد فروغ قاسمی)۔

دوسرا رجحان:

اس معاملہ کو بیع کہیں گے اور بیع مؤجل، اس لئے کہ یہاں تاجر کے زیورات بنانے میں سونے کے ذرات ایک طرف ہیں اور دوسری طرف کاریگر کے دھات جسے وہ سونے کے زیور بنانے میں استعمال کرتا ہے، پھر زیور تیار ہوتا ہے۔کاریگر کے دھات کو ثمن مان لیں تو بیع مؤجل کی صورت ہوجائے گی، کیوں کہ بیع مؤجل کہتے ہیں ایسی بیع کو جس میں مبیع نقد ہو اور ثمن ادھار (تفصیل کے لئے دیکھئے رد المحتار ۴/۳)۔

یہ رجحان صرف مولانا عبد الجبار طیب ندوی صاحب کا ہے۔

تیسرا رجحان:

سات مقالہ نگاروں کا رجحان یہ ہے کہ بیع ہے یا اجارہ، کہ اگر اسے بیع کہا جائے تو یہ بیع صرف ہے اس لئے یہ درست نہیں اور اگر اجارہ کہا جائے تو چونکہ اجرت مجہول ہے اس لئے یہ صحیح نہیں (دیکھئے مقالہ: مولانا عمر امین الہی، مولانا عبدالحئ مفتاحی، مولانا شاکر نثار اعظمی، مفتی سلطان قاسمی، مولانا ظہیر احمد، مولانا روح الامین، مفتی روح اللہ قاسمی)۔

مولانا روح الامین لکھتے ہیں کہ اس معاملہ کی تین صورتیں ہیں:

(۱) یہ معاملہ بیع نہیں بلکہ اجارہ ہے کیوں کہ بیع میں معقود علیہ عین ہوتا ہے اور اجارہ میں معقود علیہ منفعت یا عمل ہوتا ہے اور یہاں معقود علیہ عمل ہے۔

(۲)۔ کاریگر اپنے سونے سے زیور بنا کر تاجر کے ہاتھ فروخت کرے خواہ تاجر نے آڈر دیا ہو یا نہ دیا ہو بہر حال یہ بیع کا معاملہ ہے۔ لہذا بیع کی شرائط کا لحاظ ضروری ہے۔

(۳) تاجر نے کاریگر کو زیور بنانے کے لئے سونا دیا لیکن کاریگر نے اپنے سونے ہی سے زیور بنایا چونکہ یہ صورت رائج ہے اس لئے عرف کی بنا پر یہ سمجھا جائے گا کہ تاجر نے اپنا سونا کاریگر کو قرض دیا ہے اور بنے ہوئے زیور کو قرض میں سے وصول کیا، اس کے بعد یہ صورت بھی پہلی صورت کی طرح ہو جائے گی یعنی کاریگر متعین اجرت کا حق دار ہوگا (دیکھئے مقالہ: مولانا روح الامین)۔

سوال نمبر ۲ (ب):

کیا اجرت کی یہ شکل درست ہوگی کہ زیورات کے بنانے میں جو ذرات بچ جائیں وہی اجرت قرار پائے؟

جن مقالہ نگار حضرات نے اس معاملہ کو اجارہ قرار دیا ہے ان کے درمیان اختلاف ہے کہ یہ اجارہ درست ہے یا نہیں؟

مقالہ نگار کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ یہ اجارہ درست نہیں ہے، اس لئے کہ اجارہ کے لئے اس کا معلوم و متعین ہونا ضروری ہے، نیز اجرت عامل کے عمل سے قرار نہ پائے، اور مذکورہ صورت میں اجرت متعین نہیں ہے اور اجرت عامل کے عمل سے قرار پا رہی ہے۔

دلائل:

"عن أبی سعید الخدری قال نهى عن عسب الفحل وعن قفيز الطحان" (السنن الکبریٰ للبیہقی ۳۳۹/۵، نیل الاوطار ۲۹۲/۵) (مقالہ: مولانا عمران بن دین محمد، مولانا ظفر عالم ندوی)۔

"ان رسول اللہ ﷺ نهى عن استئجار الأجير حتى يتبين له أجره" (مراسیل ابوداؤد: ۱۰) (مقالہ: مفتی عبداللہ خالد، مفتی شاہ جہاں ندوی، مولانا نعمان انور، مولانا انور علی اعظمی)۔

"شرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين لأن جهالتهما تفتضى إلى المنازعة" (الدر المختار ۷/۹)۔

"أن لايكون الأجرة منفعة وهى من جنس المعقود عليه كإجارة السكنى بالسكنى والخدمة

بالخدمة والركوب بالركوب ، والزراعة بالزراعة حتى لايجوز شئى من ذلك عندنا"(بدائع الصنائع ۴/ ۱۹۴) (مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی)۔

"أن تكون الأجرة معلومة "(فتاوی ہندیہ ۴/ ۴۱۱)۔

"ولودفع غزلا لآخر ينسجه له بنصفه أى بنصف الغزل أواستأجر بغلا يحمل طعامه ببعضه أوثورا ليطحن بره ببعض دقيقه فسدت فى الكل لانه استاجره بجزء من عمله والأصل فى ذلك نهى ﷺ عن قفيز الطحان "(الدر المختار ۹/ ۷۷-۷۸)۔

"كون الأجرة جزءً من المعقود عليه قال الجمهور تفسدالاجارة ولواستأجر السلاخ بالجلد والطحان بالنخالة أو بصاع من الرقيق لأنه لايعلم هل يخرج الجلد سليما أو لا وهل هو ثخين أو رقيق وما مقدارالطحين فقد تكون الحبوب مسوسة فلاتصح الاجارة لجهالة العوض"(الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۵/ ۳۸۲۴) (مقالہ: مولانا ظفر عالم ندوی)۔

مولانا عمران لکھتے ہیں: جائز اور شرعی متبادل یہ ہے کہ کاریگر کا سونا اجرت کے طور پر طے کرنے کے بجائے بہتر ہے کہ رقم طے کی جائے اور اگر کاریگر چاہے تو اسی رقم کے بدلہ زیورات کے تاجروں سے نقدی سونا خرید لے (مقالہ: مولانا عمران بن دین محمد)۔

قاضی عبدالجلیل قاسمی لکھتے ہیں: یہ اجارہ، فاسد ہے، اس لئے کہ اجرت مجہول ہے، نیز نزاع کا سبب ہے اس لئے کہ کاریگر دوسری دھات زیادہ ملانے کی کوشش کرے گا تا کہ اس کو زیادہ سے زیادہ سونا اجرت میں ملے اور اس سے جھگڑا پیدا ہوگا (مقالہ: قاضی عبدالجلیل قاسمی)۔

مولانا محی الدین غازی لکھتے ہیں کہ اب میری معلومات کی حد تک اجرت کی، سوال میں مذکور صورت رائج نہیں ہے، زیورات بنانے کا سارا کام متعین اجرت کی بنا پر ہوتا ہے (مقالہ: مولانا محی الدین غازی)۔

دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ عرف وعادت کی وجہ سے اس طرح اجرت جائز و درست ہے، بظاہر اس میں دو اشکال ہے، ایک جہالت اجرت، دوسرا اجرت عامل کے عمل سے قرار پاتی ہے، اور جہاں تک اجرت مجہول ہونے کی بات ہے تو اس میں ایسی جہالت نہیں ہے جو جھگڑے کا سبب ہو نیز یہ جہالت جہالت یسیر ہے اور جہالت یسیر سے فقہاء کی صراحت کے مطابق اجارہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔

راقم (مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی) لکھتا ہے، علامہ کاسانی نے تحریر فرمایا ہے کہ ایسی جہالت جو جھگڑے کا سبب نہ ہو وہ صحت اجارہ کے لئے مانع نہیں کہ اس صورت میں اجرت کی حوالگی جو اجارہ کا مقصد ہے ممکن ہے۔

"منهاأن يكون المعقود عليه والمنفعة معلوما علما يمنع من المنازعة فان كان مجهولا ينظر ان كانت تلك الجهالة مفضية الى المنازعة تمنع صحة العقد والا لا لأن الجهالة المفضية الى المنازعة تمنع من التسليم والتسليم فلايحصل المقصود من العقد فكان العقد عبثالخلوه عن العاقبة الحميدة واذا لم تكن المنازعة يوجد التسليم والتسليم فيحصل المقصود"(بدائع الصنائع ۴/ ۲۴،۲۵)(مقالہ: مفتی محمد شاہد حسین، مفتی محمد

سعید اسعد قاسمی، راقم مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی)۔

مولانا اشتیاق احمد اعظمی لکھتے ہیں کہ اجارہ کی صحت کے لئے اجرت کا معلوم ہونا شرط ہے، اور یہاں اجرت بظاہر مجہول محسوس ہوتی ہے، اگر جہالت مفضی الی النزاع ہوتو اجارہ فاسد ہونا چاہئے، لیکن کاریگروں اور تاجران ذھب وفضہ کے یہاں یہ تعامل چلا آ رہا ہے، اوران میں اس کی وجہ سے کوئی نزاع بھی نہیں ہوتی، نزاع نہ ہونے کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ کتنے وزن کے سونے کا زیور بنانے میں کتنی مقدار میں اس کے اندر دوسری دھاتیں ملانی پڑتی ہیں یہ ان کے یہاں متعارف ہوا کرتا ہے، اس لئے مذکورہ بالا صورت میں اجرت بالکلیہ مجہول نہیں بلکہ معلوم ومتعارف ہے، اور اگر جہالت ہے بھی تو معمولی جہالت اور جہالت یسیرہ عقد اجارہ کے لئے موجب فساد نہیں ہوا کرتی (مقالہ: مولانا اشتیاق احمد اعظمی، راقم مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی)۔

"قیدنا بالفاحشة لأن الجهالة اليسيرة تصح أی غير مفسدة" (شامی ۴۹/۴) (مقالہ مولانا محمد عثمان)۔

اور جہاں تک قفیز طحان والی روایت کا تعلق ہے تو اس کے کئی جوابات ہیں:

(۱) قفیز طحان والی روایت معلول اور متکلم فیہ ہے۔

(۲) قفیز طحان والی روایت کی اس طرح تاویل ممکن ہے کہ اس کو اس صورت پر محمول کیا جائے جبکہ مقدار مقرر نہ کی گئی ہو۔

(۳) اگر تاویل نہ کی جائے اور سمجھا جائے کہ عامل کے جزء عمل کو اجرت نہ بنایا جائے تو ایسے تمام جزئیات پر اس حکم کا انطباق قیاس کے قبیل سے ہوگا۔

(۴) قیاس کے ذریعہ جو احکامات ثابت ہوں اور عرف ورواج اس کے خلاف ہو تو مروج ومعروف جائز قرار دیا جاتا ہے اور قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

(۵) ہمارے زمانہ میں کاروبار ومعاملات کے مختلف ایسے طریقے مروج ہیں جن میں عامل کے جزء عمل کو اجرت بنایا جاتا ہے۔

(۶) ایسی صورت میں گو قطعی مقدار متعین نہیں کی جاتی لیکن ایسا تناسب مقرر کیا جاتا ہے جو اجرت کی مقدار مآلاً متعین کردیتا ہے اور نزاع پیدا نہیں ہوتا اور کسی معاملہ میں ایسی جہالت اور عدم تعیین جو نزاع کا سبب نہ ہو مضر نہیں ہے۔

(۷) شریعت میں زراعت، مساقات اور مضاربت کی صورت میں ایسی نظیریں موجود ہیں اور صحت وصراحت کے ساتھ ثابت ہے جو عامل کے جزء عمل کو اجرت مقرر کرنے کو درست قرار دیتی ہیں، پس ہمارے زمانہ میں کاروبار اور معاملات میں ایسی صورت میں جو قفیز طحان کی قبیل سے ہیں اور کثرت سے مروج ومعمول بھی ہیں جائز ہونی چاہئیں (جدید فقہی مسائل ۳۴۴/۴) (مقالہ مولانا عبدالباسط قاسمی، مولانا ابومحمد محمد سعد نور، راقم مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی)۔

مولانا ابومحمد محمد سعد نور قاسمی لکھتے ہیں کہ قفیز طحان والی حدیث کے سلسلہ میں ابن قدامہ نے ابن عقیل سے نقل کیا ہے کہ یہ روایت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی ہے۔

"وهذا الحديث لانعرفه ولايثبت عندنا حجة" (المغنی ۵/۸)۔

مزید لکھتے ہیں اور ایسی حدیث کی سند کے اندر بھی محدثین نے کافی کلام کیا ہے حتی کہ سند کے محدثین کے نزدیک متکلم فیہ ہونے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ سے منقول ہونا بھی مشکوک ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے (تدریب الراوی ۱/۲۱۱) (مقالہ: مولانا ابومحمد محمد سعد نور قاسمی)۔

"وفی السراجیه وبه أفتی الشیخ الامام السرخسی ومشائخ بلخ کنضربن یحی ومحمد بن سلمه وغیرهما کانوا یفتون بجواز هذه الاجارة فی الثیاب لتعامل أهل بلدهم فی الثیاب التعامل حجة یترک به القیاس ویخص به الأثر وفی الظهیریة وبه أخذ الفقیه أبوالليث وشمس الائمه الحلوانی والقاضی الامام أبوعلی النسفی" (تاتارخانیہ ۱۵/۱۱۵، شامی ۹/۸۰، فتاوی قاضیخاں ۳/۲۲) (مقالہ: مولانا محبوب احمد فروغ قاسمی، مولانا جنید محمد، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی)۔

"قال أبوحنيفة المزارعة بالثلث والربع باطلة.....وقالا جائزة....أن الفتوی علی قولهما لحاجة الناس إليها لظهور تعامل الأمة لها والقياس يترک بالتعامل" (ہدایہ کتاب المزارعۃ ۴/۲۲۵-۲۲۴، فتاوی ہندیہ ۴/۴۴۵) (مقالہ: مولانا عبدالباسط قاسمی، مولانا ابومحمد محمد سعد نور قاسمی، مفتی سعید اسعد قاسمی وراقم الحروف مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی)۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی لکھتے ہیں کہ البتہ کاریگر سے اتنی بات طے کرنا بہرحال ضروری ہے کہ دھات کی کتنی مقدار کی آمیزش کرے گا تاکہ اس کے بقدر سونے کے ذرات معین ہوسکیں اور اجرت کی جہالت کی وجہ سے اجارہ متاثر نہ ہوسکے (مقالہ: مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

تائیدات:

اس رائے کی تائید اکابر علماء کی تحریروں سے بھی ہوتی ہے (امداد الفتاوی ۳/۳۴۳، جدید فقہی مسائل ۴/۳۳۴، فیض الباری ۳/۲۵۸، احسن الفتاوی ۷/۳۱۳-۳۱۲، انعام الباری ۶/۵۶۳، اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/۲۴۲)۔

مقالہ نگاروں کی تیسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اجرت الگ سے طے کرکے دی جائے۔

یہ مندرجہ ذیل حضرات کی رائے ہے:

مولانا عبدالحمید قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی مقصود فرقانی، مولانا ابوسفیان مفتاحی۔

سوال نمبر ۳:

عام طور پر سونے کے تاجر حضرات پرانے زیور کی قیمت کم متعین کرتے ہیں، مثلاً: دس گرام سونے کو آٹھ گرام کے درجہ میں رکھتے ہیں، تو اگر سونے کے پرانے زیور کا سونے کے نئے زیور سے تبادلہ ہو اور اس کمی کو ملحوظ رکھتے ہوئے سونے کا پرانا زیور زیادہ وزن کا لیا جائے اور سونے کا نیا زیور کم وزن میں اس کے بدلہ ادا کیا جائے تو کیا یہ صورت جائز ہوگی؟

اس سوال کے جواب میں تقریبا تمام مقالہ نگار متفق ہیں کہ سونا چاندی کے پرانے زیورات کا نئے زیورات سے کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ جائز نہیں ہے، یہ سود ہے، نیا اور پرانا ہونا وصف ہے اور وصف میں تفاوت کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور یہ بیع صرف ہے۔

مستدلات:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبربالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل يدا بيد فمن زاد أو استزاد فقد أربى الاٰخذ والمعطى فيه سواء'' (صحیح مسلم حدیث نمبر: ۱۵۸۷، صحیح بخاری حدیث نمبر: ۲۱۷۴) (مقالہ: مفتی عبداللہ خالد، مولانا انور علی اعظمی، مولانا نعمان انور، مولانا عمران بن دین محمد، مولانا عبدالباسط قاسمی)۔

''لاتبيعوا الذهب بالذهب إلامثلابمثل ولا تشفوا بعضها على بعض ولا تبيعوا الورق بالورق إلا مثلا بمثل ولا تشفوا بعضها على بعض ولاتبيعوا منها غائبا بناجز'' (صحیح بخاری حدیث: ۲۱۷۷، الصحیح لمسلم ۲/ ۲۴) (مقالہ: مفتی عبداللہ خالد، مولانا محمد عثمان، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مفتی فیاض احمد محمود، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی محمد شاہ جہاں ندوی)۔

حضرت فضالہ بن عبید ؓ فرماتے ہیں کہ: ''أتى رسولالله ﷺ وهوبخيبر بقلادة فيها خرز وذهب وهى من المغانم تباع فأمر رسول ﷺ بالذهب الذى فى القلادة فنزع وحده ثم قال يعم رسول ﷺ الذهب بالذهب وزنا بوزن'' (الصحیح لمسلم حدیث: ۴۰۴۶) (مقالہ: مولانا ابومحمد محمد سعد نور قاسمی)۔

''قوله عليه الصلاة والسلام لاتبيعوا الذهب بالذهب والورق بالورقإلاسواء بسواء قال العلماء هذا يتناول جميع أنواع الذهب والورق من جيد وردى وصحيح ومكسور وحلى وتبر وغير ذلک سواء الخاص والمخلوط يغيرو هذا كله مجمع عليه'' (شرح الامام النووی الصحیح لمسلم ۱/ ۱۲) (مقالہ: مفتی عبداللہ خالد، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی فیاض احمد محمود)۔

''وجمهورالفقهاء على أنه لااعتبار فى الصباغة والصناعة أيضا فيدخل فى إطلاق المساوات المصوغ والتبر بالآنية فعين الذهب والفضة وتبرهما ومضروبها وغيرالمضروب منهما والصحيح منهما والمكسور كلها سواء فى جواز بيعها مع التماثل فى المقدار وتحريمه مع التفاضل'' (موسوعہ فقہیہ ۲۶/ ۳۵۶، المغنی ۸/ ۴) (مقالہ: مفتی عبداللہ خالد، مولانا خورشید انور اعظمی)۔

''جيدها ورديئها سواء'' (العنایہ علی ہامش الہدایہ ۶/ ۲۶۰) (مقالہ: مفتی عبداللہ خالد، مفتی سلمان)۔

''فان باع فضة بفضة وذهبا بذهب لايجوزإلا مثلا بمثل وان اختلف فى الجودة والصباغة'' (ہدایہ ۳/ ۱۰۴) (مقالہ: مولانا اختر امام عادل، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی جنید محمد، مولانا عمران بن دین محمد، مفتی محمد نعمت اللہ قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا عبدالحئی مفتاحی، مولانا محمد شاکر نثار اعظمی، قاضی عبدالجبار طیب قاسمی)۔

”ویشترط التماثل إلی التساوی وزنا والتقابض بالبراجم لا بالتخلیة قبل الافتراق وهو شرط بقائه صحیحا علی الصحیح ان اتحدا جنسا وإن وصلیة اختلفا جودة وصباغة“(تنویر الابصار مع الدر ۷/ ۵۲۲،۵۲۱) (مقالہ: مولانا اشتیاق احمد اعظمی قاسمی)۔

”وإذا کان الغالب علی الدراهم الفضة فهی فضة وان الغالب علی الدنانیر الذهب فهی ذهب ویعتبر فیهما من تحریم التفاضل مایعتبر فی الجیاد حتی لایجوز بیع الخالصة بها ولابیع بعضها ببعض إلامتساویا فی الوزن “(فتاوی ہندیہ کتاب الصرف ۳/ ۲۱۹)(مقالہ: مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

”ولااعتبار للجودة والصنعة فی الفضة والذهب فی حق الصرف والتبر المضروب والمصوغ وغیره سواء لاطلاق النص وفی الحاشیة قال أبوبکر قال رسول اللّٰه ﷺ لاتبیعوا الذهب بالذهب إلاسواء بسواء والفضة بالفضة إلاسواء بسواء“(مختارات النوازل ۳/ ۳۲۵)۔

”رجل له عشرة دراهم صحاح فاراد أن یشتری بها اثناعشر مکسرة لایجوز لانه ربا“(مختارات النوازل ۳/ ۳۲۷)(مقالہ: مفتی محمد اشرف قاسمی)۔

”وجیدمال الربوا وردئیه سواء“(الدر المختار ۴/ ۱۸۳)۔

”لایجوز بیع الجید بالردی فیما فیه الربوإلامثلا بمثل لاهدار التفاوت فی الوصف“(شامی ۶/ ۳۱۳) (مقالہ: ابوالمکارم معروفی، راقم مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی)۔

جواز کی صورت:

چند مقالہ نگار حضرات نے اس کے جواز کی صورت یہ لکھی ہے کہ پرانے زیور کو روپے سے فروخت کرکے اس کی قیمت وصول کرلی جائے، پھر اس روپے سے نیا زیور خریدا جائے اور یہ دونوں معاملے الگ الگ کئے جائیں تو یہ صورت جائز ودرست ہوگی۔

دلائل:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے: ”أن رسول اللّٰه ﷺ استعمل رجلا علی خیبر فجاء ہ بتمر جنیب فقال رسول اللّٰه ﷺ أکل تمر خیبر هکذا قال لا واللّٰه یارسول اللّٰه انا لنأخذ الصاع من هذا بالصاعین والصاعین بالثلاثة فقال رسول اللّٰه ﷺ لاتفعل بع الجمیع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنیبا “(الصحیح البخاری مع فتح الباری ۴/ ۳۹۹)(مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا شاکر نثار اعظمی، مفتی محمد اشرف قاسمی، مولانا محمد عثمان)۔

دوسری رائے:

صرف مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی ومولانا ذکاء اللہ شبلی اس کے جواز کے قائل ہیں۔

مولانا ذکاء اللہ شبلی لکھتے ہیں کہ دونوں قسم کے سونے میں اگر حقیقی فرق ہو تو جائز ہے (مقالہ: مولانا ذکاء اللہ شبلی)۔

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی لکھتے ہیں:

اب صراف پرانے زیور کی واپسی پر دس گرام والے زیور کو آٹھ گرام مان کر زیور کا تبادلہ کرتا ہے، یا آٹھ گرام کی قیمت دیتا ہے تو یہ کمی بیشی اصل سونے کے وزن میں نہیں بلکہ زیور مین جو دھات کی آمیزش ہوتی ہے یا جو دھات کا ٹانکا لگا ہے، (جس کے بغیر کوئی زیور بن ہی نہیں سکتا) یہ فرق اس کے اعتبار سے ہے، صراف نے زیور کی فروختگی کے وقت جو دس گرام سونے کی قیمت وصول کی تھی وہ سونا اور دھات کی آمیزش اور کاریگر کی اجرت کی مجموعی قیمت لگا کر دس گرام کی تھی اب اس زیور کو وہ آٹھ گرام کے بدلہ واپس لے رہا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس زیور کو کسی اور ڈیزائن میں بنوائے گا، اس کی پالش کرائے گا تو اس میں دھات کی آمیزش اور کاریگر کی مزدوری بھی شامل ہوگی تو گویا دو گرام سونا نئی شکل میں ڈھالنے کے عوض ہے، اصل وزن سونے کا آٹھ گرام بالکل برابر سرابر ہے، اس لئے یہ صورت جائز ہے، اس کو سود قرار دیا نہیں جا سکتا ہے، کیوں کہ خریدار سے دو گرام کی کمی پر واپسی ڈھلائی اور کاریگر کی مزدوری کے عوض ہے، اصل سونے کے وزن میں کوئی اضافہ نہیں مجھے معتبر مسلم صراف سے یہ معلومات حاصل ہوئی ہیں، اس لئے ان پر اعتماد کیا جانا چاہئے اور اس کے جواز کا فیصلہ درست ہونا چاہئے (مقالہ: مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی)۔

البتہ ان دونوں حضرات نے جواز کی کوئی دلیل ذکر نہیں کی ہے۔

سوال نمبر ۴:

آج کل کموڈیٹیز ایکسچینج میں دوسری اشیاء کے ساتھ سونے چاندی کی بھی خرید وفروخت ہوتی ہے، جس میں خریدار آرڈر دیتا ہے اور جو کچھ اس نے آرڈر دیا ہے، اس کے آرڈر کے بقدر وہ شئی اس کے نام سے محفوظ کر دی جاتی ہے، اس سلسلہ میں چند باتیں قابل غور ہیں:

الف: اگر سونا فروخت کرنے والے ادارے کے پاس مثلاً ایک کلو سونا ہو اور وہ دو سو افراد کو پچاس پچاس گرام سونا فروخت کرے لیکن ان سب کا خریدا ہوا سونا سونے کی اینٹ میں شامل ہو، ان کے الگ الگ بسکٹ یا سکے نہیں بنائے جاتے ہوں تو کیا اس کو خریدار کا قبضہ سمجھا جائے گا؟

اس کے جواب میں مقالہ نگاروں کا دو موقف ہے۔

پہلا موقف:

جبکہ تمام خریدار کا خریدا ہوا سونا اینٹ کی شکل میں ہے تو اس کو خریدار کا قبضہ نہیں سمجھا جائے گا، اس لئے کہ مبیع ممیّز وممتاز نہیں، بلکہ مبیع شائع غیر مقدور التسلیم ہے، خریدار اپنے اپنے حصہ کے بقدر مبیع کے قبضہ کرنے پر قادر نہیں ہے۔

یہ مندرجہ ذیل حضرات کا موقف ہے:

مفتی عبداللہ خالد، مولانا اختر امام عادل، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی شاہد حسین قاسمی، مفتی سعید اسعد قاسمی، مفتی سلمان، مولانا ابو محمد محمد سعد نور قاسمی، مولانا شاکر نثار اعظمی، مولانا عمران بن دین محمد، مفتی روح اللہ قاسمی، مولانا ابوالمکارم معروفی، قاضی عبدالجبار طیب ندوی، مولانا محمد اشتیاق احمد اعظمی قاسمی، مولانا عمر امین الٰہی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی مقصود علی فرقانی، مفتی فیاض

احمد محمود، مولانا ابوسفیان مفتاحی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا عبدالباسط قاسمی، مولانا نعمت اللہ قاسمی، مولانا محمد عثمان، مولانا روح الامین، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی نثار احمد، مفتی عبدالمنان، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مفتی جنید محمد، مولانا عبدالحیٔ مفتاحی، مفتی محمد شاہ جہاں ندوی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا نعمان انور، راقم مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی۔

دلائل:

’’أما تفسير التسليم والقبض: فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلى البائع بين المبيع وبين المشترى برفع الحائل بينهما، على وجه يتمكن المشترى من التصرف فيه فيجعل البائع مسلماللمبيع والمشترى قابضا له‘‘(بدائع الصنائع ۵/ ۲۴۴)(مقالہ: مولانا نعمان انور، مولانا انور علی اعظمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ابومحمد محمد سعد نور قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، راقم مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی)۔

’’ويعتبر فى التسليم أن يكون المبيع مفرزا غير مشغول بحق غيره، هكذا فى الوجيز لكردرى وأجمعوا على أن التخلية فى البيع جائز تكون قبضا‘‘(فتاوی ہندیہ ۱۶/۳)(مقالہ: مولانا نعمان انور، مولانا انور علی اعظمی، مولانا محمد عثمان، مولانا عمر امین الٰہی، مفتی عبداللہ خالد)۔

’’معنى القبض هو التمكن والتخلي وارتفاع الموانع عرفا وعادة‘‘(بدائع الصنائع ۵/ ۱۴۸)(مقالہ: مفتی سعید اسعد قاسمی، مولانا روح الامین، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، راقم مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی)۔

’’أن التخليةقبض حكما لومع القدرةعليه بلاكلفة لكن ذلک تختلف بحسب حال المبيع‘‘(ردالمحتار ۴/ ۵۶۲)(مقالہ: روح الامین)۔

’’وقد روى أبوالخطاب عن أحمد رواية أخرى أن القبض فى كل شئى بالتخلية مع التميز لأنه خلى بينه وبين المبيع من غير حائل فكان مقبضا له كالعقار‘‘(المغنی ۴/ ۸۵)(مقالہ: مولانا روح الامین)۔

’’وحاصله أن التخلية قبض حكما لو مع القدرعليه بلاكلفة لكن ذلک يختلف بحسب حال المبيع ففى نحو حنطة فى بيت مثلا فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلاكلفة قبض وفى نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبض أى بأن يكون فى البلد فيما يظهر وفى نحو بقر فى مرعى فكونه بحيث يرى ويشار اليه قبض وفى نحو ثوب فكونه بحيث لو مدّ يديه تصلإليه،قبض نحو فرس أو طير فى بيتإمكان أخذه منه بلا معين قبض‘‘ (ردالمحتار مطلب فی شروط التخلیہ ۷/ ۹۷)(مقالہ: مولانا ابومحمد محمد سعید نور قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، راقم، مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی)۔

’’تم التسليم يكون بالتخلية على وجه بتمكن من القبض بلا مانع وحائل‘‘(الدرالمختار ۷/ ۹۴)(مقالہ: مفتی سعید اسعد قاسمی، مفتی محمد شاہد حسین قاسمی، مولانا ابومحمد محمد سعد نور قاسمی، راقم مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی)۔

’’ان الدراهم والدنانير وإن كانت لاتتعين بالعقد ولكنها تتعين بالقبض وقبضها واجب‘‘(بدائع

الصنائع ۴؍۴۵۷)(مقالہ:مولانا ابوالمکارم معروفی)۔

"الشرط الرابع أن يكون المقبوض غير مشغول بحق غيره.....فلوكان المبيع دارا مشغولة بمتاع البائع فلا يصح القبض حتى يسلمها فارغة"۔

"الشرط الخامس أن يكون المقبوض منفصلا تميزا هذا الشرط قال به الحنيفة وهوأن يكون المقبوض منفصلا متميزا عن حق الغير فان كان متصلا به اتصال اجزاء فلايصح القبض... وسبب اشراطهم هذا الشرط إن اتصال الشئى بحق الغير يمنع من التمكن منه وحول دونه ومن أجل ذلک لايصح قبضه وهو بهذا الحال"۔

"الشرط السادس أن يكون المقبوض حصة شائعة... القول الثانى للحنفية وهو أنه يشترط فى صحة القبض أن لايكون المقبوض حصة شائعة وذلک لأن معنى القبض اثبات اليد والتمكن من التصرف فى الشئى المقبوض وتحقق ذلک فى الجزاء الشائع وحده، لايتصور"(موسوعہ فقہیہ رقم ۲۸ الی ۳۰)(مقالہ:مفتی روح اللہ قاسمی)۔

"المقبوض يختلف فى الاشياء حسب اختلافها فى انفساها فمنها مايكون بأن يوضع المبيع فى يد صاحبه ومنها ما يكون بالتخلية بينه وبين المشترى ومنها مايكون بالنقل من موضعه ،ومنها بان يكتال وذلک فى مابيع فى المكيل كيلا"(بذل المجہود ۴؍ ۲۸۴،المغنی ۸؍۲۰۰)(مقالہ:مفتی عبداللہ خالد،مولانا محمد شاکر نثار اعظمی)۔

مفتی محمد شاہد حسین قاسمی تخلیہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تخلیہ مبیع کی حالت وکیفیت کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے،مثلا:

۱-کیلی اشیاء مثلا دودھ،تیل،گھی،مکھن وغیرہ کیل کرکے الگ کردینے سے مشتری کا قبضہ سمجھا جائے گا۔

۲-وزنی اشیاء مثلا سونا چاندی،دھات،پیتل،دال چاول وغیرہ وزن کرکے الگ کردینے سے مشتری کا قبضہ ثابت ہوجائے گا۔

۳-زرعی زمین اور پیمائشی اشیاء مثلا کپڑا وغیرہ جو پیمائش سے فروخت کیا جاتا ہے،پیمائش کرکے الگ کردینے سے مشتری کا قبضہ ثابت ہوجائے گا۔

۴-عددی اشیاء مثلا انڈا،جانور،گاڑی وغیرہ شمار کرکے الگ کردینے سے مشتری کا قبضہ ثابت ہوجائے گا(ردالمحتار ۷؍۹۶۔بدائع الصنائع ۴؍۳۴۲)(مقالہ:مفتی شاہد حسین)۔

مولانا روح الامین تخلیہ کے شرائط کوذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فقہاء نے تخلیہ متحقق ہونے کے لئے درج ذیل شرائط کوضروری قرار دیا ہے:

(۱)بائع کی طرف سے مبیع پر قبضہ کرنے کی اجازت ہواور یہ اجازت دینا مختلف طریقوں سے ہوسکتا ہے،مثلا زبان سے

کہہ دے یا لکھ کر اجازت دے دے یا خریدار کے آگے رکھ دے وغیرہ، یعنی عرف میں جس کو اجازت سمجھا جاتا ہے وہ معتبر ہے۔

(۲) مبیع خریدار کے سامنے ایسی جگہ ہو کہ وہ کسی مانع کے بغیر اسے حاصل کر سکے، امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ اگر مبیع کچھ دور بھی ہو لیکن وہ اسے بآسانی حاصل کر سکے تو بھی تخلیہ پایا جائے گا۔

(۳) مبیع کسی دوسرے کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو، ورنہ تخلیہ متحقق نہ ہوگا، جیسے گندم بائع کی بوریوں میں ہے، تو تخلیہ معتبر نہیں، کیوں کہ یہ بائع کی چیز کے ساتھ مشغول ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قبضہ کی دو صورتیں ہیں: (۱) قبضۂ حقیقی، یعنی حسی طور پر شئی کو اپنی تحویل میں لے لینا، (۲) قبضۂ حکمی، یعنی تخلیہ اور اس پر دو حکم متفرع ہوتے ہیں:

۱۔ ضمان کا منتقل ہونا۔

۲۔ تصرف میں آزادی اور اس کا شرعاً صحیح و معتبر ہونا، لہذا جب یہ دو حکم عرفاً وشرعاً متفرع نہ ہوں قبضہ شمار نہ ہوگا، اس لحاظ سے مسئولہ دونوں صورتوں کا حکم اس طرح ہوگا۔

(الف) اس صورت میں خریدار کا قبضہ متحقق نہیں ہوگا، اس لئے کہ تخلیہ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مبیع غیر مبیع سے ممتاز ہو اور یہاں بظاہر ایسا نہیں ہے، نیز ضمان قبضہ کے تابع ہوتا ہے، اور مذکورہ صورت میں اگر کوئی حادثہ ہوتا ہے تو مشتری نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوتا ہے۔

(ب) فقط اندراج قبضہ کے وجود کے لئے کافی نہیں، اس لئے کہ حکمی قبضہ تخلیہ سے ہوتا ہے، جس میں خریدار کو آزادی ہوتی ہے کہ وہ جب چاہے اپنی خرید کردہ چیز کو لے جائے، یہاں بظاہر یہ آزادی نہیں ہوتی، نیز مبیع کا متعین ہونا بھی ضروری ہے، اور مذکورہ صورت میں خرید کردہ مقدار کا سکہ اگر چہ موجود ہے، تاہم متعدد سکوں کے درمیان اس کا سکہ متعین نہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر بعض سکے ضائع ہو جاتے ہیں تب بھی بائع مکلّف ہے کہ مشتری کو سکے فراہم کرے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ضمان ابھی منتقل نہیں ہوا (مقالہ: مولانا روح الامین)۔

دوسرا موقف:

مذکورہ صورت میں خریدار کا قبضہ سمجھا جائے گا، اس لئے کہ حنفیہ کے لئے قبضہ کے تحقق کے لئے حسی قبضہ ضروری نہیں ہے، بلکہ تخلیہ یعنی معنوی قبضہ کافی ہے، اور وہ یہاں پایا جا رہا ہے، اس رائے کے قائلین مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا ظہیر احمد، مفتی محمد سلطان، مولانا محی الدین غازی، مولانا حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا ذکاء اللہ شبلی۔

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی لکھتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک حسی قبضہ ضروری نہیں ہے بلکہ معنوی اور حکمی قبضہ کافی ہے، یعنی مبیع اور خریدار کے درمیان کوئی مانع اور رکاوٹ موجود نہ ہو اور مبیع خریدار کے ضمان میں آجائے، اور نفع ونقصان کی ذمہ داری اس کی طرف منتقل ہو جائے۔

"باب شرئ الدواب والحمير وإذا اشترى دابة أو جملا وهو عليه هل يكون ذلك قبضا قبل أن ينزل وقال ابن عمر قال النبی ﷺ لعمر بعينه يعنى جملا صعبا" (صحیح بخاری ۱/۲۴۲) (مقالہ: مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی)۔

مولانا ظفر عالم ندوی لکھتے ہیں کہ خرید وفروخت میں قبضہ اصالتہً بھی درست ہے اور وکالتہً بھی، اور سوالنامہ میں جو صورت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے سونا خرید وفروخت کرنے والے ادارہ کی حیثیت وکیل کی ہوتی ہے، اور وکیل کا قبضہ مؤکل کا قبضہ مانا جاتا ہے، اس لئے بذریعہ وکالت کاروبار میں کوئی حرج نہیں۔

مزید لکھتے ہیں، ایکسچینج آفس میں جو اندراج ہوا کرتا ہے وہ عرف عام میں ضمان وقبضہ کے درجہ میں ہوا کرتا ہے، لہٰذا تاجروں کے عرف میں چونکہ یہ ضمان ہے، اور قبضہ بھی تو اسے قبضہ مانا جائے گا۔

"لأن الوكيل يملك التصرف من جهة المؤكل فلا بد أن يكون المؤكل مالكا يملكه من غيره" (ہدایہ ۳/۷۷)۔

"كل عقد أن يعقده الانسان بنفسه جاز أن يؤكل به غيره لأن الانسان قد يعجز عن المباشرة بنفسه على اعتبار بعض الاحوال فيحتاج إلى ان يؤكل غيره فيكون بسبيل منه دفعا للحاجة وقد صح أن النبی ﷺ وكل بالشراء حكيم بن حزام" (ہدایہ ۳/۲/۷۲) (مقالہ: مولانا محمد ظفر عالم ندوی)۔

مولانا محمد کلیم اللہ عمری لکھتے ہیں کہ خریداری کے وقت جو رسید دی جاتی ہے اس کو قبضہ شمار کیا جائے گا (مقالہ: حافظ کلیم اللہ عمری)۔

مولانا محی الدین غازی لکھتے ہیں کہ قبضہ اس وقت تصور کیا جاسکتا ہے جبکہ ایسا سوق منظّم میں ہو، سوق منظّم سے مراد ایسی مارکیٹ ہے کہ جہاں بیچنے والے کا قانونی تصرف اس پر سے ختم ہوجائے اور وہ چاہ کر بھی کسی اور کو نہیں بیچ سکے اور خریدار کا تصرف قائم ہوجائے اور وہ اپنا حصہ جب چاہے جس کو چاہے فروخت کرسکے، اسٹاک ایکسچینج اور بینک وغیرہ اس کی مثال ہیں (مقالہ مولانا محی الدین غازی)۔

سوال نمبر ۴ (ب):

اگر ہر خریدار کے لئے اس کی خریدی ہوئی مقدار کا سکہ الگ سے موجود ہو اور اس کو کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں اس کے نام سے درج کردیا گیا ہو تو کیا اس اندراج کو قبضہ کے لئے کافی تصور کیا جائے گا؟

اس سلسلہ میں بھی مقالہ نگاروں کے دو نظریے ہیں:

پہلا نظریہ:

کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں اندراج قبضہ کے لئے کافی نہیں ہے۔

یہ بعض مقالہ نگاروں کا نظریہ ہے۔

ان حضرات کے دلائل وہی ہیں جو جواب الف کے تحت قبضہ کے متحقق نہ ہونے کے ذیل میں لکھے گئے ہیں۔

مفتی نثار احمد، مولانا نعمان انور، مولانا انور علی اعظمی و مفتی جنید محمد لکھتے ہیں: سونا چاندی اور دیگر اجناس کی تعیین میں فرق ہے کہ دوسری اجناس اشارے یا علامتوں سے متعین ہوسکتی ہیں لیکن سونا چاندی اس وقت تک متعین نہیں ہوتی جب تک اس پر کوئی شخص خود یا اپنے کسی نمائندہ کے ذریعہ قبضہ نہ کرے، اس لئے سونے چاندی پر قبضہ کے لئے ضروری ہے اس پر خود قبضہ کرے یا اس کا کوئی وکیل اس کی طرف سے اپنی تحویل میں اس طرح لے کہ وہ متعینہ سونا چاندی چوری ہوجائے تو نقصان خریدار کے ذمہ سمجھا جائے۔

"ان الدراهم والدنانير وإن كانت لاتتعين بالعقد ولكنها تتعين بالقبض وقبضها واجب" (بدائع الصنائع ۵/ ۲۱۸) (مقالہ: مفتی نثار احمد، مولانا نعمان انور، مولانا انور علی اعظمی و مفتی جنید محمد)۔

مولانا اختر امام عادل لکھتے ہیں کہ سونا چاندی کلی طور پر مشتری کے لئے فارغ ہو، نیز بائع کے ضمان سے مشتری کے ضمان میں منتقل ہوجائے (مقالہ: مولانا اختر امام عادل)۔

مولانا خورشید انور اعظمی لکھتے ہیں کہ صرف رجسٹر میں اندراج کو قبضہ نہیں کہا جاسکتا، یہ تو صرف بکنگ ہے، جس پر ابھی بائع کا پورے طور پر قبضہ ہے اور بیع کے تام ہونے سے پہلے بہت سے امکانات درآنے کا اندیشہ ہے (مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی)۔

دوسرا نظریہ:

ہر خریدار کے لئے اس کی خریدی ہوئی مقدار کا سکہ الگ سے موجود ہو اور اس کو کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں اس کے نام سے اندراج قبضہ تصور کیا جائے گا۔

اکثر مقالہ نگاروں کی یہی رائے ہے۔

"وأما تفسير التسليم والقبض فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع وبين المشترى برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشترى من التصرف فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشترى قابضا له وكذا تسليم الثمن من المشترى إلى البائع" (بدائع الصنائع ۵/ ۲۴۴)۔

"ولايشترط القبض بالبراجم لأن معنى القبض هوالتمكن والتخلي وارتفاع الموانع عرفا وعادة حقيقة" (بدائع الصنائع ۵/ ۴) (مقالہ: مولانا عبدالباسط قاسمی، مفتی سلمان، مفتی سعید اسعد، راقم مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی)۔

"ولكن الواقع أن التخلية إنما تعتبرقبضا حكميا إذا كان المبيع متعينا متميزا عن غير المبيع أما التخلية بدون التعيين فانه ليس تخلية في الواقع وإنما هو حق للأخذ بعد التعيين" (فقہ البیوع ۱/ ۴۱۱)۔

"ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع وحائل" (الدرالمختار علی رد المحتار ۷/ ۹۴) (مقالہ: مفتی محمد شاہد حسین قاسمی، مفتی سعید اسعد قاسمی، راقم مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی)۔

مولانا عبدالجبار طیب ندوی لکھتے ہیں کہ قبضہ کی نوعیت مختلف ہوسکتی ہے، اور یہ ہر دور کے عرف اور ہر عہد کے رواج اور طور طریقوں سے متعین ہوسکتی ہے، لہذا آج قبضہ کا عرف اگر یہی ہے اور عوام میں اسے رواج ملا ہوا ہے تو پھر کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں

اس کے نام درج کر دیا جانا ہی قبضہ تصور کیا جائے گا، اس طرح خریدار کا سامان پر قبضہ متصور ہوگا (مقالہ: مولانا عبدالجبار ندوی، ومفتی سلمان)۔

راقم (مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی) نے لکھا ہے کہ جب کہ ہر خریدار کے لئے سونے کا سکہ علٰحدہ رکھا ہوا ہے اور اس کو کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں اس کے نام پر درج کر دیا گیا اور قبضہ سے کوئی چیز مانع ورکاوٹ نہیں ہے مشتری جب چاہے اس پر قبضہ کر سکتا ہے، تو اس کو مشتری کا قبضہ تصور کیا جائے گا (مقالہ: راقم مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی)۔

مولانا اشتیاق احمد اعظمی لکھتے ہیں کہ بعد اندراج اس کی رسید یا سرٹیفکٹ مشتری کو دیدی جائے تو یہ شکل اس کے قبضہ کی مانی جاسکتی ہے، کیوں کہ مشتری کا گو کہ مبیع پر حساً قبضہ نہیں ہے تاہم تخلیہ اور موانع عن التصرف کا ارتفاع پایا جارہا ہے اور قبضہ سے مقصود درحقیقت رفع موانع ہی ہوا کرتا ہے (مقالہ: مولانا اشتیاق احمد اعظمی)۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی لکھتے ہیں: اندراج کو قبضہ کے لئے کافی اس شرط کے ساتھ تصور کیا جائے گا جبکہ خریدار کا اس کو اپنے تصرف میں لے کر خود ہی کمپیوٹر میں یا ریکارڈ رجسٹر میں اپنے نام سے درج کر دے اور اس پر دستخط بھی کر دے (مقالہ: مولانا ابوسفیان مفتاحی)۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی لکھتے ہیں: کہ اگر کمپیوٹر کے ذریعہ یا رجسٹر وغیرہ میں نام ونمبر کے ساتھ ایسا اندراج کیا گیا کہ پھر دوسرے کے نام وہ نہیں ہوسکتا ہے تو گویا کہ خریدار کے لئے جو موانع تھے وہ باقی نہیں رہے، اس لئے قبضہ کا تصور ہوجائے گا (مقالہ: مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

سوال نمبر ۵:

ایکسچینج کے ذریعہ کاروبار کی ایک اور صورت جو آج کل رائج ہے، یہ ہے کہ مثلاً ایک مہینے کے لئے ادھار ایک مخصوص مقدار جیسے ۱۰ تولے سونے کا سودا کر لیا جاتا ہے، خریدار سونے پر قبضہ نہیں کرتا، جب ادائیگی کی تاریخ آتی ہے تو سونے کے اس دن کے نرخ کو دیکھ لیا جاتا ہے، خرید کے دن اور ادائیگی کے دن سونے کے نرخوں میں جو فرق ہوتا ہے، اس کی ادائیگی کر دی جاتی ہے، مثلاً خرید نے کے دن سونے کا نرخ پانچ ہزار روپئے فی تولہ تھا، ادائیگی کے دن پانچ ہزار ایک سو روپئے تولہ ہوگیا تو خریدار بائع کو ایک سو روپئے دے گا، اور اگر اس دن چار ہزار نوسو تھی تو بائع خریدار کو ایک سو روپئے ادا کرے گا، نہ تو مشتری سونے پر قبضہ کرتا ہے اور نہ بائع قیمت پر قبضہ کرتا ہے، بس نرخ میں کمی بیشی سے جو فرق آتا ہے، اس کا لین دین کر لیتے ہیں اس صورت کا کیا حکم ہے؟

اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات متفق ہیں کہ یہ معاملہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ ادھار کی بیع ادھار کے ذریعہ ہے، جو حدیث کی رو سے ممنوع ہے، نیز اس میں قمار اور جوا بھی ہے۔

دلائل:

”یأیها الذین آمنو إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوه لعلکم

تفلحون"(سورۂ مائدہ:۹۰)(مقالہ:مفتی محمد شاہ جہاں ندوی،مولانا خورشید انور اعظمی،مفتی اشرف علی قاسمی،مولانا شاکر نثار اعظمی، مولانا عبدالباسط قاسمی،مولانا عمران بن دین محمد)۔

"عن ابن عمرأن النبی ﷺ نهی عن بیع الکالی بالکالی"(الدارقطنی ۳/۶۰)(مقالہ:مولانا عبدالحیٔ مفتاحی،مفتی شاہد حسین قاسمی،مفتی سعید اسعد قاسمی،مولانا نعمان انور،مولانا انور علی اعظمی،مفتی نثار احمد،مولانا عبدالباسط قاسمی،مولانا عمران بن دین محمد،راقم،مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی)

"حدیث رسول ﷺ لایحل سلف ومبیع ولاشرطان فی بیع ولاربح مالم یضمن ولابیع مالیس عندک"(سنن ترمذی ۱/۲۳۳)(مقالہ:مولانا خورشید احمد اعظمی،مولانا محمد عثمان،مولانا محبوب احمد فروغ قاسمی)۔

"عن حکیم بن حزام قال أتیت رسول ﷺ فقلت یاتینی الرجل یسألنی من البیع مالیس عندی ابتاع له فی السوق ثم ابیعه قال لاتبع مالیس عندک"(سنن ترمذی ۳/۵۲۶)(مقالہ:مولانا خورشید انور اعظمی،مولانا عثمان،مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی،مولانا ابومحمد محمد سعد نور قاسمی،مفتی عبداللہ خالد)۔

"الدراهم والدنانیر لایتعینان فی العقود فیکون هذا بیع الدین بالدین وذلک لایجوز لنهی رسول الله ﷺ عن بیع الکالی بالکالی یعنی النسئة بالنسیئة"(مبسوط للسرخسی ۱۲/۱۱۰)(مقالہ:مفتی محمد شاہجہاں ندوی، مولانا ابومحمد محمد سعد نور قاسمی)۔

"لوباع فلوسابمثلهاأو بدراهم أو بدنانیر فإن نقد أحدهما جاز وإن تفرقا بلا قبض أحدهما لم یجز" (الدرالمختار مع ردالمحتار ۷/۴۱۴)(مقالہ:مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

"الشراء علی السعر المفتوح لایجوز أصلا لأن هذا البیع فیه غرر بجهالة الثمن عند العقد فإن المراد من السعر لیس سعر یوم العقد وإنما المراد السعر الذی تنتهی إلیه السوق بعد العقد إلی مدة مجهولة فلا شک فی ان هذه الجهالة مفسدة للعقد ولایجوز البیع بهذا الطریق"(فتاوی عثمانی ۳/۱۵۳)(مقالہ:مفتی عبدالرحیم قاسمی)۔

"هومن أکل المال بالباطل لان المقر یقول لصاحبه إن کان کذا فلی کذا وإن لم یکن فلک کذا" (شرح البخاری لابن بطال ۶/۱۹۶)(مقالہ:مولانا خورشید انور اعظمی)۔

"وقبض المنقول من حیوان أو غیره تحویله لما روی الشیخان عن ابن عمر کنا نشتری الطعام جزافا فنهانا رسول الله ﷺ أن نبیعه حتی ننقله من مکانه... ویکفی فی قبض الثوب ونحوه مما یتناول بالید التناول"(مغنی المحتاج ۲/۲۷)(مقالہ:مفتی فیاض احمد)۔

"واعلم أن من البیوع مایجری فیه معنی المیسر وکان أهل الجاهلیة یتعاملون بها فیما بینهم فنهی عنها النبی ﷺ"(رحمۃ اللہ الواسعہ ۴/۵۶۰)(مقالہ:مولانا محمد شاکر نثار اعظمی،مولانا عبدالباسط قاسمی،مولانا عمران بن دین محمد)۔

"وأما المعدوم فلا يحتمل العقد أصلالأنه ليس بشئى" (بدائع الصنائع ۴؍۳۶۴) (مقالہ: مفتی عبداللہ خالد)۔
صرف مولانا ظہیر احمد لکھتے ہیں کہ اس کا حکم بھی جواز کا ہوگا۔ لیکن جواز کی انہوں نے کوئی دلیل ذکر نہیں کی ہے۔

سوال نمبر ٦:

بہت سی دفعہ سونے کی قیمت میں متوقع اضافہ کا سونے چاندی کے تاجروں کو علم ہوجاتا ہے، ایسی صورت میں وہ سونے کو روک لیتے ہیں، تاکہ قیمت بڑھنے کے بعد اسے فروخت کریں، سونا اس پہلو سے اشیاء ضروریہ میں شامل ہے کہ ثمن خلقہ ہونے کے لحاظ سے وہ ذریعہ تبادلہ ہے، اس کو روک لینے کی وجہ سے سونے کی قیمت تو بڑھتی ہی ہے، اس گرانی کا اثر دوسری اشیاء پر بھی ہوتا ہے، تو کیا سونے کی ذخیرہ اندوزی اور گراں فروشی کے لئے اس کو روک کر رکھنا احتکار کے دائرہ میں آئے گا؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگار حضرات کے دو اقوال ہیں:

پہلا قول:

سونے چاندی کو گراں فروشی کے لئے روک کر رکھنا احتکار کے دائرہ میں نہیں آئے گا، اس لئے کہ احتکار صرف انسانی یا حیوانی غذائی اشیاء میں ممنوع ہے۔

دلائل وجوہ:

احتکار کی تعریف:

"الاحتكار لغة حبس الطعام إرادة الغلاء أما في الشرع فقدعرّفه الحنفية بأنه اشتراء الطعام ونحوه وحبسه إلى الغلاء" (موسوعہ فقہیہ ۲؍۹۰)۔

احتکار کے ممنوع ہونے کی روایات:

"قال رسول الله ﷺ من احتكرفهو خاطى" (صحیح مسلم باب تحریم الاحتکار فی الأقوات ۲؍۳۱) (مقالہ: مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا عبدالحئی مفتاحی)۔

"عن عمرؓ عن النبى ﷺ قال: الجالب مرزوق والمحتكر ملعون" (صحیح مسلم ۲؍۳۱) (مقالہ: مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا نعمان انور)۔

"عن عمربن الخطاب قال سمعت رسول ﷺ يقول من احتكرعلى المسلمين طعامهم ضربةالله بالجذام والافلاس" (سنن ابن ماجہ)۔

"عن أبى أمامة ان رسولالله ﷺ قال من احتكر طعاماًأربعين يوما يريد به الغلاء فقد برئ الله وبرئ الله منه ، رواه رزين" (مشکوۃ المصابیح: ۲۵۱) (مقالہ: مفتی محمد اشرف قاسمی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی)۔

کن اشیاء میں احتکار ممنوع ہے:

اس سلسلہ میں تین اقوال ہیں:

پہلا قول امام ابوحنیفہ، امام محمد، شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک یہ ہے کہ صرف غذائی اشیاء میں احتکار ممنوع ہے۔

دوسرا قول مالکیہ وامام ابویوسف کا ہے، احتکار ان تمام چیزوں میں ہوسکتا ہے، جو انسانی زندگی کیلئے ضروری ہو اور جن کے روکنے میں عوام الناس کو ضرر لاحق ہو۔

تیسرا قول امام محمد بن حسن کا ہے، کہ احتکار صرف غذائی اشیاء اور کپڑوں میں ممنوع ہے (مقالہ: مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا نعمان انور)۔

"هناک ثلاثة اتجاجات الأولیٰ: ماذهب إليه أبوحنيفة ومحمد والشافعية والحنابلة أنه لااحتكار إلا فی القوت خاصة۔

والاتجاه الثانی: ان الاحتكار يجری فی كل مايحتاجه الناس ويتضررون من حبسه من قوت وإدام ولباس وغير ذلک وهذا ما ذهبإليه المالكية وأبويوسف من الحنفية والاتجاه الثالث انه لا احتكار إلا فی القوت والثياب خاصة وهذا قول لمحمد بن حسن" (موسوعہ فقہیہ ۲/ ۹۲) (مقالہ: مولانا سعید اسعد قاسمی، مولانا عبداللہ خالد، قاضی عبدالجلیل قاسمی، راقم مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی)۔

روایت دونوں طرح کی وارد ہوئیں ہیں ایک عام اور دوسری خاص، تو عام کو خاص پر محمول کیا جائے گا، گویا جن احادیث میں مطلق احتکار کی ممانعت وارد ہوئی ہے وہ بھی غذائی اجناس پر ہی محمول ہیں:

"وإذااجتمعت النصوص عامة واخرى خاصة فی مسألة واحدة حمل العام على الخاص، والمطلق على المقيد" (موسوعہ فقہیہ ۲/ ۹۲) (مقالہ: مولانا عبدالحئ مفتاحی، مفتی سعید اسعد قاسمی، راقم مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی)۔

"قال أصحابنا الاحتكار المحرم هو الاحتكار فی القوت خاصة يدخره ليغلو ثمنه فأما اذا جاء عن قريةأو اشتراه فی وقت الرخص وأدخره او ابتاعه فی وقت الغلاء لحاجته إلى أكله أو ابتاعه ليبيعه فی وقته فليس باحتكار وإلاتحريم فيه وأما غير الأقوات فلا يحرم الاحتكار فيه بكل حال" (شرح نووی ۲/ ۳۱) (مولانا شاہین جمالی، مولانا فیاض احمد محمود، مولانا خورشید انور اعظمی)۔

"كره احتكار قوت البشر كتبن وعنب ولوز والبهائم كتبن وقوت فی بلديضر بأهله" (الدرالمختار)

"والتقييد بقوت البشر قول ابی حنيفة ومحمد وعليه الفتوی" (ردالمحتار ۶/ ۳۸۶) (مقالہ: مولانا ابوالمکارم معروفی، مولانا محمد عثمان، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی نثار احمد)۔

"ذهب أكثر الفقهاء إلى أن حرمة الاحتكار مختصة بالأقوات فلايحرم الاحتكار فی غير ها وهو قول

أبی حنیفة والشافعی ومالک وأحمد رحمهم اللّٰه“(تکملہ فتح الملہم ۱/۶۰۶)(مقالہ: مولانا محمد عثمان)۔

”لان حرمة الاحتکار بحبس المشتری فی المصر لتعلق حق العامة به فیصیر ظالما بمنع حقهم علی ماذکر ولم یوجد ذلک فی المشتری خارج المصر من مکان بعید لأنه متی اشتراه ولم یتعلق به حق أهل المصر فلایتحقق الظلم ولکن مع هذا الأفضل له أن لایفعل ویبیع لأن فی الحبس ضررا للمسلمین وکذلک ماحصل له من ضیاعه بأن زرع أرضه فأمسک طعامه فلیس ذلک باحتکار لأنه لم یتعلق به حق أهل المصر لکن الأفضل أن لا یفعل ویبیع لما قلنا ثم الاحتکار یجری فی کل مایضر بالعامة عند أبی یوسف رحمه اللّٰه قوتا کان أو لا وعند محمد رحمه اللّٰه لایجری الاحتکار إلافی قوت الناس وعلف الدواب من الحنطة والشعیر والتبن والقث“(بدائع الصنائع ۱۱/۳۷۷)۔

مولانا اختر امام عادل لکھتے ہیں کہ انسانی یا حیوانی غذائی اشیاء کا احتکار ممنوع ہے، یعنی ایسی چیزیں جو براہ راست انسان یا جانوروں کے نظام تغذیہ کو متاثر کرے بالواسطہ یا سبب بعید کے طور پر متاثر کرنے والی ذخیرہ اندوزی احتکار ممنوع میں شامل نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ یا خلاف افضل کہا جاسکتا ہے(مقالہ: مولانا اختر امام عادل)۔

مولانا خورشید انور اعظمی لکھتے ہیں کہ سونا، چاندی میں ذخیرہ اندوزی جائز ہے، البتہ آج کی موجودہ صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے امام ابو یوسف کے قول کے مطابق فتوی دینے پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہئے۔

مولانا محمد عثمان لکھتے ہیں کہ غلہ کی ذخیرہ اندوزی سے پہنچنے والے ضرر ونقصان کی طرح اگر کسی دوسری چیز کی ذخیرہ اندوزی سے نقصان پہنچے تو حاکم وقت کو حضرت امام ابو یوسف کے قول کی بنا پر اس پر پابندی لگانے اور ممانعت کا اختیار ہوگا اور اگر اس طرح کا ضرر نہ پہنچے تو پابندی نہ لگائی جائے گی(مقالہ: مولانا محمد عثمان بستوی)۔

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی لکھتے ہیں کہ سونا اور چاندی اول تو قوت اور طعام نہیں ہیں، دوسرے ان کی ذخیرہ اندوزی کے اثرات براہ راست ضرر عامۃ الناس تک نہیں پہنچتے ہیں کیوں کہ یہ سامان زینت ہیں، ثمن ضرورت نہیں کیوں کہ عوامی ضرورت کے سامان میں ذریعہ تبادلہ نہیں ہیں، البتہ جہاں سونے اور چاندی کے سکے چلتے ہوں وہاں ان کا ذخیرہ ممنوع ہوگا(مقالہ: مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی)۔

سونے چاندی کی ذخیرہ اندوزی جائز ہے اللجنۃ الدائمہ کا فتویٰ ہے۔

”ویجوز شراء الذهب بعملة أخری غیر الذهب یدا بید وادخاره وبیعه بعد بأقل او اکثر من سعره الماضی ولا یعتبر ذلک کنزا منهیا عنه“(فتاوی اللجنۃ الدائمۃ ۱۳/۴۸۳)(مقالہ: مولانا حافظ کلیم اللہ عمری)۔

دوسرا قول:

اگر سونے چاندی کی گرانی کا اثر دوسری اشیاء پر بھی پڑتا ہو تو گراں فروشی کے ارادہ سے سونے چاندی کی ذخیرہ اندوزی

احتکار کے دائرے میں داخل ہے۔

دلائل وجوہ:

"قال رسول الله ﷺ من احتكر فهو خاطى" (صحیح مسلم ۳۱/۲) (مقالہ: مولانا ابومحمد محمد سعد نور قاسمی، مولانا عمران بن دین محمد، مولانا عبدالباسط قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

"الضرر يزال" (الاشباہ والنظائر/ ۳۰۵) (مقالہ: مولانا عمران بن دین محمد، مولانا عبدالباسط قاسمی)۔

"كل ما يضر بالعامة فهو احتكار بالأقوات كان أو ثياباأو دراهم أودنانيراعتبارلحقيقة الضررلأنه هو المؤثر فى الكراهة" (البحرالرائق ۲۲۹/۸)۔

"ويحرم الأحتكار ايضا عندالمالكية وأبى يوسف فى غير الطعام فى وقت الضرورة" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۵۸۸/۳)۔

"وقال فى الهداية اعتبر أبو حنيفة الضررالمعهود المتعارف وهو ضعيف لأنه لاعهد ولاتعارف خلفنا بالأقوات بل هو معهود ومتعارف فى كل شئى كما لايخفى" (اعلاء السنن ۴۳۰/۱۲)۔

"وهذاالقول يبدوراجحا لعموم النهى ولأن علته إلاضرار بأهل البلد فيشمل كل مايحتاجون إليه" (فقہ البیوع ۹۹۹/۲) (مقالہ: مولانا ابومحمد محمد سعد نور قاسمی)۔

"وأبى يوسف كل ماأضر العامة حبسه فهواحتكار" (ردالمحتار ۵۷۱/۹) (مقالہ: مفتی عبداللہ خالد)۔

مفتی عبداللہ خالد لکھتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں سونے کے احتکار کا اثر انسانوں کی خوراک اور دوسری تمام ضروری اشیاء پر پڑتا ہے، اس لئے سونے کی ذخیرہ اندوزی اور احتکار ناجائز وحرام ہوگا، اس لئے کہ شریعت کا احتکار سے روکنے کا مقصد انسانوں اور جانوروں سے مضرت اور تکلیف کو دور کرنا ہے (مقالہ: مفتی عبداللہ خالد)۔

مولانا عبدالحمید قاسمی لکھتے ہیں کہ حدیث کے اطلاق ممانعت احتکار کی وجوہات اور پھر امام ابو یوسف کے قول کو سامنے رکھا جائے تو یہی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ سونا کی ذخیرہ اندوزی بھی احتکار کے دائرہ میں آئے، خصوصا موجودہ حالت میں جبکہ کاغذی نوٹوں پر سے لوگوں کا اعتماد اٹھتا جا رہا ہے، اور سونا جوثمن خلقی ہے، معیشت میں فیصلہ کن مقام حاصل کرتا جا رہا ہے، اس کی قیمتوں میں کمی بیشی کا اثر دیگر تمام اشیاء پر ظاہر ہوتا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام یوسف کے قول پر فتوی دیتے ہوئے سونے کو بھی احتکار کے دائرے میں لایا جائے (مولانا عبدالحمید قاسمی)۔

مولانا عبدالباسط قاسمی لکھتے ہیں کہ احتکار میں امام یوسف کی رائے زیادہ قرین قیاس ہے، سونے کا احتکار نہ کر کے اس کو بازار میں لایا جائے اور احتکار سے بچا جائے تا کہ لوگوں کی پریشانی کا ازالہ ہو سکے (مقالہ: مولانا عبدالباسط قاسمی)۔

تائیدات:

اس قول کی تائید اکابر علماء کرام کی تحریروں سے بھی ہوتی ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: جدید فقہی مسائل ۱/ ۳۵۵، آپ کے مسائل اوران کا حل ۷/ ۱۱۱، فقہ البیوع ۲/ ۹۹۹، قاموس الفقہ ۱/ ۳۹) (مقالہ: مولانا ابومحمد محمد سعد نور قاسمی، مفتی عبداللہ خالد)۔

سوال نمبر ۷:

ملک میں جو سونا آتا ہے، اس میں بڑا حصہ تو قانونی طریقہ پر آتا ہے، اور سونا لانے والا اس سے متعلق واجبات کو ادا کرتا ہے، دوسرا راستہ اسمگلنگ کا ہے، یہ طریقہ غیر قانونی ہے، اس میں سونا لانے والا ان واجبات کو ادا نہیں کرتا، جو حکومت نے سونے کی درآمد سے متعلق مقرر کئے ہیں، کیا یہ اسمگلنگ کا عمل جائز ہوگا، کیا اس طریقہ پر آنے والے سونے خریدنا اور پھر اس کو فروخت کرنا درست ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگار متفق ہیں کہ اسمگلنگ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ قانونی جرم ہے اور ملکی جائز قانون کی پابندی لازم وضروری ہے، نیز ہتک عزت کا بھی اندیشہ ہے اور اپنے آپ کو ذلیل کرنا شرعاً ممنوع ہے تاہم اگر کوئی اس طرح سونا کی خرید وفروخت کرلے تو یہ جائز ہے اور آمدنی حلال وطیب ہوگی، جبکہ اس نے کسی محظور شرعی کا ارتکاب نہ کیا ہو۔

دلائل:

آیات:

"**یأیها الذین اٰمنوا اطیعوا الله واطیعوا الرسول واولی الأمر منکم**" (سورۂ نساء: ۵۹) (مقالہ: مولانا محمد شاکر نثار اعظمی، مولانا عبدالجبار طیب ندوی)۔

"**یأیها الذین امنوا أوفوا بالعقود**" (سورۂ مائدہ: ۱)۔

"**واوفوا بالعهد إن العهد کان مسئولا**" (سورۂ اِسراء: ۳۴) (مقالہ: عبدالجبار طیب ندوی)۔

"**ولا تلقوا بأیدیکم إلی التهلکة**" (سورۂ بقرہ: ۱۹۵) (مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی سلمان)۔

احادیث:

"**لاینبغی للمسلم أن یذل نفسه قیل وکیف یذل نفسه قال یتعرض من البلاء لما لایطیق**" (مسند احمد حدیث: ۲۳۴۴۴) (مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا عبدالحئی مفتاحی، مولانا محمد عثمان، مولانا ابوالمکارم معروفی)۔

"**عن أبی هریرةؓ قال نهی رسول الله ﷺ أن یتلقی الجلب وفی حدیث عنه لایبیع حاضر لباد**" (صحیح مسلم، سنن الترمذی ۲/ ۵۰) (مقالہ: مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی)۔

"**المسلمون عند شروطهم فیما وافق الحق**" (سنن کبریٰ ۷/ ۲۴۹) (مقالہ: مولانا اختر امام عادل)۔

"**لاتلقوا الرکبان**" (صحیح مسلم حدیث: ۱۵۱۵) (مقالہ: مفتی شاہجہاں ندوی)۔

”من غش فليس منا“(صحیح مسلم ۱۰۱)(مقالہ:مفتی فیاض احمد محمود)۔

”من أطاعنى فقد أطاع اللّٰہ ومن عصانى فقد عصى اللہ ومن يطع الأمير فقد أطاعنى ومن يعص الأمير فقد عصانى“(صحیح بخاری حدیث:۲۹۵۷،صحیح مسلم حدیث:۱۸۳۵)(مقالہ:مولانا عبدالجبار طیب ندوی)۔

عبارات:

”وهذا الحكم أى وجوب طاعة الأمير يختص بما اذا لم يخالف أمره الشرع يدل عليه الآيةفإن اللّٰہ تعالىٰ أمر الناس بطاعة أولى الأمر بعد ما اٰمرهم بالعدل ما اٰمرهم بالعدل فى الحكم تنبيها على أن طاعتهم واجبة ما داموا على العمل انتهى وكذا فى التفسير المظهرى“(احکام القرآن ۲/ ۱۵۲)(مقالہ:مولانا شاکر نثار اعظمی،مولانا جنید محمد)۔

”تجب طاعة الإمام فيما ليس بمعصية“(الدرالمختار ۲/۱۷۲)(مقالہ:مولانا شاکر نثار اعظمی،مولانا عبدالحمید قاسمی، مولانا ابومحمد محمد سعد نور قاسمی)۔

”كل من يسكن دولة فإنه يلتزم قولا أو فعلا بأنه يتبع قوانينها وحينئذ يجب عليه اتباع أحكامها“ (فی بحوث القضایا الفقہیۃ المعاصرہ ص:۶۱)(مقالہ:مفتی محمد شاہد حسیں قاسمی،مولانا ابوالمکارم معروفی،مولانا محمد شاکر نثار احمد اعظمی،مفتی سعید اسعد قاسمی،مولانا عبدالحمید قاسمی،مولانا ابومحمد محمد سعد نور قاسمی،مولانا جنید محمد،راقم مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی)۔

”لأن طاعة الإمام فيما ليس بمعصية فرض“(الدرالمختار ۶/ ۴۱۶ باب البغاۃ)(مقالہ:مولانا عمران بن دین محمد،مولانا شاکر نثار اعظمی،مفتی محمد شاہ جہاں ندوی،مولانا ابوالمکارم معروفی)۔

”أمر السلطان إنما ينفذ إذا وافق الشرع وإلافلا“(الدرالمختار ۶/۴۱۶)(مقالہ:مولانا عمران بن دین محمد)۔

”كل يتصرف فى ملكه كيف شاء“(شرح المجلۃ ۳/ ۱۳۲ رقم المادۃ ۱۱۹۲)(مقالہ:مولانا ابومحمد محمد سعد نور قاسمی،مولانا جنید محمد،مولانا محمد عثمان)۔

”المالک هو المتصرف فى الأعيان المملوكة كيف شاء“(بیضاوی شریف ۱/۷،سورہ فاتحہ) (مقالہ:مولانا عبدالحئی مفتاحی)۔

”ولايمنع أحد من التصرف فى ملكه أبدا إلاإذا كان ضرره لغيره“(شرح المجلہ للأ تاسی ۴/۱۴۰) (مقالہ:مولانا جنید محمد،مولانا محمد عثمان)۔

”وحرمة الفعل لاتنافى ترتب الأحكام كطلاق الحائض والوضوء بمياه المغصوبة والاصطياد بقوس المغصوبة والذبح بسكين مغصوبة والصلوٰة على الأرض المغصوبة والبيع فى وقت النداء فإنه يترتب الحكم على هذه التصرفات مع اشتماله على الحرمة“(اصول الشاشی:۸۷)(مقالہ:مولانا حفظ الرحمٰن شاہین جمالی)۔

"تجب اطاعته فیما أباحه الشرع وهو مایعود نفعه علی العامة" (شامی ۱۰/ ۴۴)۔

"انه قال لایبیع حاضر لباد دعوا الناس یرزق اللّٰہ بعضهم من بعض ولوباع جاز البیع لأن النهی لمعنی فی غیر البیع وهوالإضرار بأهل المصر فلایوجب فساد البیع کالبیع وقت النداء" (بدائع الصنائع ۴/ ۴۸۰)۔

مولانا اختر امام عادل لکھتے ہیں کہ مسلمان کی عزت وحرمت کی حفاظت مقاصد دین بلکہ ضروریات ستہ (حفاظت دین ،حفاظت جان ،حفاظت مال ،حفاظت عقل اورحفاظت آبرو یانسب) میں شامل ہے، ملکی قوانین کی خلاف ورزی کی صورت میں اس کی عزت وآبرو خطرہ میں پڑسکتی ہے، اس لئے بلاکسی عذرشرعی کے اس کو خطرہ میں ڈالنا درست نہیں (مقالہ: مولانا اختر امام عادل)۔

"ومن المنهی عنه مالایبطل لرجوعه یعود إلی النهی لدلالة المنهی علیه إلی معنی یقترن به لاإلی ذاته لأن النهی لیس للبیع بخصوصه بل لأمرآخر...فجمیع مافیه من الصور یصح فیها البیع ویحرم...کبیع حاضرلباد.... وتلقی الرکبان" (منہاج مع المغنی المحتاج ۲/ ۳۶)۔

"ومن باع منهم بما قدره الإمام صح لأنه غیرمکره علی البیع قالوا فیمن صادره السلطان بمال ولم یتعین بیع ماله فصار بیع أملاکه بنفسه ینفذ بیعه لأنه غیر مکره علی البیع" (شامی ۹/ ۴۸۹) (مقالہ: مولانا ابوالمکارم معروفی)۔

مولانا ابوالمکارم معروفی لکھتے ہیں کہ اسمگلنگ کا یہ غیر قانونی عمل دووجہ سے درست نہیں ہے۔

۱- ایک تو اس لئے کہ فقہ کا قاعدہ ہے جو کام معصیت اور گناہ نہ ہو اس میں حکومت کی اطاعت واجب ہے۔

۲- جو شخص جس ملک میں قیام پذیر ہوتا ہے وہ قولا یا عملا اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ جب تک ملک کے قوانین کسی گناہ کے کرنے پر مجبور نہیں کریں گے وہ قوانین کی ضرور پابندی کرے (مقالہ: مولانا ابوالمکارم معروفی)۔

مولانا روح الامین لکھتے ہیں کہ قانونی طریقہ کے خلاف مال درآمد کرنا اور اسمگلنگ کرنا درست نہیں یہ بہت سے منکرات کو مستلزم ہے۔

(۱) قانون کی خلاف ورزی حالانکہ جو امر معصیت کے قبیل سے نہ ہو اس میں حکومت کے خلاف قانون کی خلاف ورزی نہ کرنی چاہئے۔

(۲) نقض عہد کیوں کہ ملک کے ہر باشندہ نے قانون کی پاسداری کا قولا یا عملا عہد لیا ہے۔

(۳) عموما ایسے عمل کے لئے جھوٹ کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔

(۴) جان ومال یا عزت کو خطرہ میں ڈالنا پڑتا ہے (مقالہ: مولانا روح الامین)۔

مولانا عبدالباسط قاسمی جدید فقہی مسائل کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ اسمگلنگ کا طریقہ بہ چند وجوہ ناجائز ہے۔

الف۔ ایک تو اس معاہدہ کی خلاف ورزی ہے جو اس ملک کا شہری ہونے کے لحاظ سے اس کے قانون کے احترام کے سلسلہ میں ضروری ہے۔

ب- دوسرے اس طرح پوری قوم اور باشندگان ملک کو اپنی حرکت کے ذریعہ نقصان پہچاتا ہے اور زیر بار کرتا ہے جو غیر اسلامی ہونے کے علاوہ غیر انسانی بھی ہے (مقالہ: مولانا عبدالباسط قاسمی)۔

تائیدات:

اکابر علماء کرام کی تحریروں سے بھی اس جواب کی تائید ہوتی ہے (منتخبات نظام الفتاوی ۳/۲۸، فتاوی رحیمیہ ۶/۲۷۸، فتاوی عثمانی ۳/۹۰، جدید معاملات کے شرعی احکام ۱/۱۰۵، جدید فقہی مسائل ۱/۳۷۸)۔

سوال نمبر ۸:

آج کل 'پلاٹین' کو سفید سونا کہا جاتا ہے، اب اس کا شمار مہنگی دھاتوں میں ہوتا ہے، اور اس کے زیورات بھی بنائے جاتے ہیں، تو کیا لوگوں کے عرف کو دیکھتے ہوئے یہ حقیقی سونے کے حکم میں ہوگا اور عقود، نیز زکوۃ وغیرہ میں اس پر سونے کے احکام منطبق ہوں گے؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگار حضرات کی تین رائیں ہیں:

پہلی رائے:

پلاٹین کا شمار اگرچہ مہنگی دھاتوں میں ہوتا ہے لیکن یہ حقیقی سونے کے حکم میں نہیں ہوگا، نیز عقود اور زکوۃ وغیرہ میں اس پر سونے کے احکام جاری نہیں ہوں گے، اکثر مقالہ نگاروں کی یہی رائے ہے۔

دلائل ووجوہ:

اللہ تعالیٰ نے ثمنیت کے لئے صرف سونا اور چاندی کو پیدا کیا ہے، لہذا دوسری دھاتیں کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہوں وہ حقیقی سونا کے حکم میں نہیں ہوسکتی ہیں۔

"والصرف فی متعارف الشرع اسم لبیع الأثمان المطلقة بعضها ببعض وهو بیع الذهب بالذهب والفضة بالفضة" (بدائع الصنائع ۵/۲۱۵)۔

"ولهما أن الثمنیة فی حقهما تثبت باصطلاحهما إذلاولایة للغیر علیهما فتبطل باصطلاحهما" (ہدایہ ۳/۸۱) (مقالہ: مفتی عبداللہ خالد)۔

شریعت اسلامیہ نے وجوب زکوۃ کے لئے صرف سونا و چاندی کو مال نامی قرار دیا ہے، ان کے علاوہ دوسری دھاتوں کے لئے تجارت کی نیت ہونا شرط ہے، حضرت سعید بن جبیرؓ سے مروی ہے۔

" لیس فی حجر زکوة إلا ماکان لتجارة من جوهر ولایاقوت ولالؤلؤ ولاغیره إلاالذهب والفضة" (السنن الکبری للبیهقی ۷/۵۹۲) (مقالہ: مفتی عبداللہ خالد، مولانا ظفر عالم ندوی)۔

" عن ابن جریح قال قال لی عطا لاصدقة فی اللؤلؤ ولازبرجد ولایأقوت ولافصوص ولاعرض ولاشئ لایدار و إن کان شئ من ذلک یدار ففیه الصدقة فی ثمنه حین یباع" (المصنف لابن أبی شیبه ۱۰۱۷۰)

(مقالہ: مفتی عبداللہ خالد)۔

"عن عکرمة قال لیس فی حجر اللؤلؤ ولا حجر الزمرد زکوٰة إلا أن یکون لتجارة فإن کان لتجارة ففیها زکوٰة" (تاتارخانیہ ۳/ ۱۷۳) (مقالہ: مولانا ظفر عالم ندوی)۔

مولانا ظفر عالم ندوی لکھتے ہیں کہ سونا و چاندی ان دونوں دھاتوں کو ثمن خلقی کے طور پر شمار کیا گیا ہے، احادیث نبویہ میں ان دونوں پر زکوٰۃ کی صراحت موجود ہے، اور ان کا علحدہ علحدہ نصاب بھی مقرر ہے جو منصوص ہے، لیکن جواہرات، یاقوت اور موتیاں اگر چہ کافی قیمتی اشیاء ہیں لیکن ان پر زکوٰۃ نہیں (مقالہ: مولانا ظفر عالم ندوی)۔

" ولا زکوٰة فی سائر الجواهر کاللؤلؤ والیاقوت لعدم ورودها فی ذلک ولأنها معدة للاستعمال کالماشیة العاملة" (تحفۃ المحتاج ۱/ ۴۷۰، المجموع ۶/ ۵) (مقالہ: مفتی فیاض احمد محمود)۔

" لا زکوٰة فی اللآلی والجواهر و إن ساوت ألفا اتفاقاً إلا أن تکون للتجارة والأصل أن ما عدا الحجرین والسوائم إنما یزکی بنیة التجارة" (الدر المختار مع رد المحتار ۳/ ۱۹۴) (مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی محمد شاہد حسین، مفتی سعید اسعد قاسمی، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مفتی عبدالرحیم، راقم مفتی سعید الرحمٰن قاسمی)۔

" اموال الزکوٰة أنواع ثلاثة أحدها: الأثمان المطلقة وهی الذهب والفضة"۔

"والثانی: أموال التجارة وهی العروض المعدة للتجارة"۔

"والثالث: السوائم" (مقالہ: مفتی روح اللہ قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی)۔

"وذهب الحنفیة وهو قول عند المالکیة إلی أن الفلوس الرائجة تجب فیه الزکوٰة مطلقا کالذهب والفضة لأنهما أثمان مطلقة فإذا کسدت عدت عروضا فلم تجب فیها الزکوٰة إلا عرضت للتجارة" (موسوعہ الفقہیہ فلوس رقم ۴) (مقالہ: مفتی روح اللہ قاسمی)۔

مولانا محمد عثمان لکھتے ہیں کہ سونے چاندی کے خصوصی حکم کا سبب ثمنیت کا ہونا متعین ہے، لہٰذا پلاٹین جس کو سفید سونا کہا جاتا ہے، ثمنیت خلقیہ عرفیہ واصطلاحیہ کے فوت ہونے کی وجہ سے اس پر سونے چاندی کے احکام جاری نہیں ہوں گے (مقالہ: مولانا محمد عثمان بستوی)۔

مفتی شاہ جہاں ندوی لکھتے ہیں کہ کسی چیز کا محض قیمتی ہونا اسے سونا چاندی کے حکم میں داخل نہیں کر دیتا ہے، چنانچہ ہیرے اور دیگر جواہرات پر ہر دور میں انتہائی قیمتی پتھر تھے اور یہ نبی اکرم ﷺ کے دور میں بھی موجود تھے، لیکن آپ ﷺ نے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں کی (مقالہ: مفتی محمد شاہ جہاں ندوی)۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی لکھتے ہیں کہ شرعی لحاظ سے ثمن خلقی وحقیقی کے احکام صرف سونے چاندی میں جاری ہوتے ہیں حتی کہ اگر سونے وچاندی کسی دوسری دھات میں مخلوط ہو کر مغلوب ہو جائیں تو اپنا حکم کھو بیٹھتے ہیں۔

" والغالب علیه الغش منهما فی حکم العروض اعتبار اللغالب فصح بیعه بالخالص إن کان

الخالص أكثر من المغشوش وبجنسه متفاضلا" (الدر المختار ۴/ ۲۶۷، کتاب الصرف)۔

مزید لکھتے ہیں کہ اگر سونا و چاندی کے علاوہ کوئی قیمتی دھات ومعدن ہو تو اس کا حکم سونا و چاندی کا نہیں ہوتا ہے (دیکھئے مقالہ: مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا روح الامین)۔

"**لازكوة فى ما سوى الذهب والفضة من الجواهر كالياقوت والفيروز ج واللؤلؤ والمرجان والزمرد والزبرجد والحديد... فإن حسنت صنعتها وكثرت قيمتها**" (المجموع ۲/ ۱۲۷۰) (مقالہ: مولانا روح الامین)۔

مولانا روح الامین لکھتے ہیں کہ سونے اور چاندی کے علاوہ مال میں زکوۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب کہ وہ مال تجارت ہو، محض قیمتی اور گراں ہونے کی بنا پر کسی چیز پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی، لہذا پلاٹین زکوۃ کے باب میں حقیقی سونے کے حکم میں نہیں ہوگا (مقالہ مولانا روح الامین)۔

مولانا انور علی اعظمی اور مولانا نعمان انور لکھتے ہیں کہ ہیرے جواہرات جو سونے چاندی سے زیادہ قیمتی ہیں انہیں استعمال کرنے میں اور مسئلہ زکوۃ میں سونے چاندی کے حکم میں نہیں رکھا گیا ہے، سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال شریعت میں جائز نہیں ہے جبکہ قیمتی پتھروں کے برتن کے استعمال کی اجازت ہے، ہدایہ میں ہے: "**ولابأس باستعمال آنية الرصاص والزجاج والبلور والعقيق**" (ہدایہ ۴/ ۴۳۴)۔

اسی طرح مرد کے لئے سونے کی انگوٹھی پہننا جائز نہیں ہے لیکن انگوٹھی میں ہیرے کا قیمتی پتھر کا استعمال بطور نگ کے جائز ہے، حالانکہ بہت سے پتھر سونے سے زیادہ قیمتی ہوتے ہیں (مقالہ: مولانا انور علی اعظمی، مولانا نعمان انور)۔

مولانا عبد الجبار طیب ندوی لکھتے ہیں کہ لوگوں کے عرف کی وجہ سے پلاٹین حقیقی سونے کے حکم میں نہیں ہوسکتا کیوں کہ یہ عرف اب صرف پلاٹین کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ دوسری دیگر اشیاء کو بھی عرف میں سونا کہا جاتا ہے، مثال کے طور پر قطن یعنی کاٹن کو عوام نے اس کے قیمتی ہونے کی وجہ سے سفید سونا کہنا شروع کر دیا ہے، اسی طرح عوام نے پٹرول کو بھی کالا سونا کہنا شروع کر دیا ہے، پس اس عرف کی بنیاد پر پلاٹین کو حقیقی سونا تصور کر لیا گیا تو پھر قطن اور پٹرول کو بھی حقیقی سونے کے حکم میں ماننا پڑے گا (مقالہ: مولانا عبد الجبار طیب ندوی)۔

تائیدات:

اس رائے کی تائید اکابر علماء کرام کے فتاوی سے بھی ہوتی ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: منتخبات نظام الفتاوی ۳/ ۱۳ ۳، فقہی مقالات ۲/ ۱۴۸، احسن الفتاوی ۱۰/ ۴۴۱) (مقالہ: مفتی عبد اللہ خالد، مولانا انور علی اعظمی، مولانا نعمان انور، مولانا محمد عثمان، مولانا ظفر عالم ندوی)۔

دوسری رائے:

مولانا عبد الباسط قاسمی، مولانا عمران بن دین محمد، مفتی جنید محمد، کی ہے کہ پلاٹین (وائٹ گولڈ) حقیقی سونا ہے، سونے کے تمام احکام اس میں جاری ہوں گے۔

"يتحقق الجميع على أن يسمى بالذهب الأبيض وهو ذهب حقيقي" (الذھب الأ بیض حقیقۃ:۱۹)۔

"والخلاصة ان الذهب فى أصله أصفر اللون ولايوجد ذهب أبيض فى أصله لكن قد يضاف إليه مواد تغيرلون الذهب الأصفر فيكون أبيض أوأحمر أو غيرذلک تجب المادة يخلط...اما مايوجد فى الأسواق الآن ويسيمى بالذهب الأبيض فهو ذهب اصفر حقيقى خلط ببعض المواد" (الذھب الأ بیض حقیقۃ: ۲۲) (مقالہ: مولانا عبدالباسط قاسمی، مولانا عمران بن دین محمد)۔

تیسری رائے:

چار مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ پلاٹین عقود میں سونے کے حکم میں نہیں ہے، البتہ وجوب زکوۃ کے سلسلہ میں سونے چاندی کے حکم میں ہے، یہ مندرجہ ذیل حضرات کی رائے ہے (مولانا محی الدین غازی، مفتی محمد نعمت اللہ قاسمی، مولانا محمد شاکر نثار قاسمی، مولانا ابومحمد محمد سعد نور قاسمی)۔

مولانا ابومحمد محمد سعد نور قاسمی لکھتے ہیں کہ پلاٹینیم ہیرے جواہرات کی طرح ایک قیمتی دھات ہے اور اس کے بھی زیورات بنائے جاتے ہیں اور اس کو بھی بطور ذخیرہ خرید کر لوگ محفوظ کرتے ہیں تو اس کا حکم بھی ہیرے جواہرات کی طرح ہونا چاہئے اور اس کے اندر بھی سونا چاندی کی طرح جمع کرنے کی صورت میں زکوۃ واجب ہونی چاہئے (مقالہ: مولانا ابومحمد محمد سعد نور قاسمی)۔

مولانا محمد شاکر نثار قاسمی لکھتے ہیں کہ پلاٹین کا شمار قیمتی اشیاء میں ہو رہا ہے اور مال و دولت کے طور پر رکھا جاتا ہے، اس لئے روپئے پیسے کی طرح اگر اس کی قیمت بھی سونے چاندی میں سے کسی ایک کے نصاب تک پہنچ جائے تو حولان حول کے بعد زکوۃ واجب ہوگی (مقالہ: مولانا محمد شاکر نثار قاسمی)۔

مفتی محمد نعمت اللہ قاسمی لکھتے ہیں کہ اگر پلاٹین کا چلن سونے کی طرح ہو گیا ہے اور لوگ کاروبار میں اس کو ثمن کی جگہ قبول کرنے لگے ہیں تو پھر اس کو فلوس نافقہ کے درجہ میں تسلیم کیا جانا چاہئے، اور جس طرح فلوس نافقہ کی قیمت لگا کر زکوۃ نکالی جاتی ہے، اسی طرح پلاٹین کی بھی سونے سے قیمت لگا کر زکوۃ نکالی جانی چاہئے (مقالہ: مفتی محمد نعمت اللہ قاسمی)۔

☆☆☆

عرض مسئلہ:

سونے چاندی کی تجارت سے متعلق بعض مسائل
سوال نمبر (۱-۵)

مفتی محمد اشرف قاسمی گونڈوی☆

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے چھبیسویں فقہی سمینار منعقدہ ۴/۵/۶/مارچ ۲۰۱۷ء اجین (ایم پی) کا ایک اہم موضوع ''سونے چاندی کی تجارت سے متعلق بعض مسائل'' پر موصولہ مقالات کے جوابات نمبر ۱/سے ۵/کا عرض مسئلہ لکھنے کے لیے بندہ کو حکم دیا گیا ہے، اس موضوع پر ناچیز کو ۴۱/مقالے موصول ہوئے، مقالہ نگار حضرات کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

(۱) ڈاکٹر مفتی محمد شاہ جہاں ندوی (۲) مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی (۳) ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی (۴) مفتی محمد اشرف قاسمی گونڈوی (۵) مفتی عبد اللہ خالد (۶) مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی (۷) مولانا ابوسفیان مفتاحی (۸) مفتی جنید بن محمد پالنپوری (۹) مفتی سلمان پالنپوری (۱۰) مولانا روح الامین سعادتی (۱۱) مولانا محمد شاکر نثار اعظمی مدنی قاسمی (۱۲) مفتی عبدالباسط پالنپوری (۱۳) مفتی عمران بن دین محمد (۱۴) مفتی نثار احمد گودھروی (۱۵) مولانا عبدالحیی مفتاحی (۱۶) مولانا اشتیاق احمد اعظمی قاسمی (۱۷) مفتی محمد سلطان قاسمی (۱۸) مولانا ابوالمکارم معروفی (۱۹) ڈاکٹر محی الدین غازی (۲۰) مفتی محمد عثمانی صاحب بستوی (۲۱) قاضی عبدالجبار طیب ندوی (۲۲) مولانا اختر امام عادل (۲۳) مفتی محمد مقصود فرقانی (۲۴) مولانا محمد سعد نور قاسمی (۲۵) مولانا عمر امین الہی (۲۶) قاضی محمد ذکاء اللہ شبلی (۲۷) مفتی عبدالرحیم قاسمی (۲۸) قاضی عبدالجلیل قاسمی (۲۹) مفتی انور علی اعظمی (۳۰) مفتی عبدالمنان (۳۱) مفتی سعید الرحمٰن قاسمی (۳۲) مفتی عبدالحمید قاسمی دیناجپوری (۳۳) مولانا ظفر عالم ندوی (۳۴) مولانا نعمان انور (۳۵) مفتی محمد روح اللہ قاسمی (۳۶) مولانا خورشید احمد اعظمی (۳۷) مفتی محمد شاہد حسین (۳۸) مفتی فیاض احمد محمود برمارے حسینی (۳۹) مولانا خورشید انور اعظمی بنارس (۴۰) مفتی محمد سعید اسعد قاسمی (۴۱) مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی۔

سوال نمبر ۱: اگر روپے سے سونا خرید کیا جائے تو اس میں روپیہ کی کیا حیثیت ہوگی، کیا اس کو بیع صرف تصور کیا جائے گا؟ اس پس منظر میں: الف: کیا یہ درست بات ہوگی کہ سونا و چاندی اور روپے میں ایک نقد ہو اور دوسرا ادھار؟

☆ مفتی دارالافتاء شہر مہد پور، ضلع اجین (ایم پی)۔

زیر مطالعہ بحث سے متعلق سوال نمبر ایک کے جزء الف میں مجموعی طور پر چار آراء ہیں:

☆ پہلا موقف: اکثر مقالہ نگاروں کا خیال یہ ہے کہ یہ عقد صرف نہیں ہے، اس لیے بیان کردہ صورت مسئلہ جائز ہے، اس کے قائلین کے کچھ اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی عبداللہ خالد، مولانا فروغ احمد قاسمی، مفتی جنید بن محمد پالنپوری، مفتی محمد سلمان پالنپوری، مولانا روح الامین، مولانا شاکر نثار اعظمی مدنی، مفتی عبدالباسط قاسمی پالنپوری، مولانا عمران بن دین محمد پالنپوری، مفتی نثار احمد گودھروی، مولانا عبدالحیی مفتاحی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی قاسمی، مفتی سلطان قاسمی کشمیر، مولانا ابوالمکارم معروفی گورینی، مفتی محمد عثمان بستوی گورینی، مولانا محمد سعد نور قاسمی، مولانا عمر امین الہی، مفتی ذکاء اللہ شبلی قاسمی اندور، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مفتی عبدالمنان، مفتی سعید الرحمٰن قاسمی، مفتی عبدالحمید قاسمی دیناجپوری، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا نعمان انور، مفتی محمد روح اللہ قاسمی، مولانا خورشید اعظمی مدنی، مفتی محمد شاہد حسین، مولانا خورشید انور اعظمی بنارس۔ مفتی محمد سعید اسعد قاسمی، بندہ محمد اشرف قاسمی گونڈوی، باقی اسماء، مستدل عبارات کے ساتھ ذیل میں نقل کی گئی ہیں:

ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی صاحب، مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی تحقیقات کی بنیاد پر فرماتے ہیں: ''کرنسی ثمن خلقی نہیں، ثمن اصطلاحی یا عرفی ہے، البتہ ثمن خلقی کی طرح تداول ہوگیا ہے، لہذا روپے سے سونے چاندی خریدنا بیع صرف نہیں، کیوں کہ بیع صرف کے احکام صرف خلقی ثمن میں جاری ہوتے ہیں'' (فقہی مقالات ۱/ ۴۰/ ۴۱، اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/ ۲۷) (مولانا انور علی الاعظمی)۔

قائلین جواز کے دلائل:

فقہاء احناف کی تصریحات درج ذیل ہیں: ''**الصرف هو البيع إذا كان كل واحد من عوضيه من جنس الأثمان**'' ہدایہ ۳/ ۱۰۴) (مقالہ: مولانا عمران دین محمد پالنپوری)۔

'' **وشرعا بيع الثمن بالثمن أى ماخلق للثمنية ومنه المصوغ جنسا**'' (درمختار ۲/ ۵۵۷) (مفتی نثار احمد گودھروی، مولانا عبدالحیی مفتاحی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی قاسمی، مفتی محمد سلطان القاسمی کشمیر، مولانا ابوالمکارم معروفی گورینی، مولانا عمر امین الہی، مولانا ظفر عالم ندوی، مفتی محمد روح اللہ قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی مئو)۔

''**وإنما يجب التقابض فى الصرف بمقتضى اسم العقد وبيع الفلوس بالدراهم ليس بصرف**'' (المبسوط ۱۴/ ۲۴۷) (مقالہ: مفتی محمد سلمان پالنپوری)۔

احد العوضین پر قبضہ کے ضروری ہونے کے سلسلے میں بیع الکالی بالکالی کو مستدل اکثر مقالہ نگار نے بنایا ہے اور بعض لوگوں نے روایت حدیث نقل کی ہے: '' **عن ابن عمر أن النبى ﷺ نهى عن بيع الكالى بالكالى**'' رواہ دارقطنی (مشکوۃ ۱/ ۲۴۸) (مقالہ: مولانا محمد سعد نور قاسمی)۔

”سئل الحا نوتی عن بیع الذهب با لفلوس نسیئة فأجاب بأنه یجوز إذا قُبِضَ أحدُ البدلین لما فی بزا زیة لو اشتری مأة فَلَسٍ بدرهم یکفی التقا بض من أحد الجانبین قال ومثلُه لو با ع فضة أوذهبا بفلوس“ کمافی البحرعن المحیط (شامی ۵/۱۸۰)(مولانا روح الامین، مفتی عبدالباسط قاسمی پالنپوری، مولانا شاکر اعظمی مدنی، مولانا ابوالمکارم معروفی گورینی، مولانا محمد سعد نور قاسمی، مولانا امین الٰہی، مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مفتی محمد شاہد حسین)۔

” لو با ع فضة بفلوس فإنه یُشْتَرَطُ قبض أحد البدلین قبل الا فترا ق لا قبضَهما کما فی البحرعن الذخیرة“ (الدرمع الرد ۷/۵۲۲، مولانا اشتیاق احمد اعظمی قاسمی، مفتی محمد سلطان القاسمی کشمیر، مولانا محمد سعد نور قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی مئو)۔

” وفی الهندیة: قال إذا اشتری فلو سا بدراهم ولیس عند هذا فلوس ولا عند الاخر دراهمُ، ثم إن احدهما دفع وتفرقا جاز وان لم ینقد وأحد منهماحتی تفرقا لم یجز“ کذافی المحیط (ہندیہ ۳/۲۲۴، الفصل الثانی فی بیوع الفلوس)(مفتی شاہد حسین، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی مئو)۔

”لم یُشْتَرَط فی بیع الفلوس با لدراهم أو الدنانیر قبضُ البدلین قبل الا فتراق ویکتفی بقبض احد البدلین“ (ہندیہ ۳/۲۰۹، البحر الرائق ۶/۱۹۴)(مولانا ظفر عالم ندوی، مفتی محمد روح اللہ قاسمی، مفتی سعید اسعد قاسمی)، مفتی روح اللہ صاحب نے عقد صرف کے ارکان وشرائط اور علت ربا اور ثمنِ خلقی وعرفی پر تفصیلی اور تحقیقی کلام کے ساتھ اس معاملہ کو جائز قرار دیا ہے۔

مفتی عبدالحمید قاسمی دیناجپوری نے اس معاملہ کو بیع صرف سے خارج مانتے ہوئے تکملہ فتح الملہم کی عبارت نقل کی ہے: ”وہ فلوس جن میں سونے یا چاندی کی مقدار کم ہو اور کھوٹ زیادہ ہو تو ان کو عروض کے درجے میں رکھا جائے گا اور اس میں بیع صرف کے احکام جاری نہیں ہوں گے حالانکہ ان میں سونا یا چاندی کی ایک مقدار ہوتی ہے، پھر کاغذی نوٹ جن پر سونے چاندی کا ایک حبہ بھی نہیں ہوتا کس طرح بیع صرف کے احکام لے سکتے ہیں“ (تکملہ فتح الملہم ۱/۵۸)(مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی)۔

مولانا عبدالحیی مفتاحی نے کاغذی کرنسی کے ثمن غیر حقیقی ہونے پر مجلّہ فقہ اسلامی اکیڈمی جدہ کے حوالے سے ایک اقتباس نقل کیا ہے: ”إن الأوراق النقدیة ثمن عرفی، لیست ثمنا حقیقتا، والربا تجری فی الثمن الخَلْقِیُ الذا تی“ (التبیان فی زکوۃ الاثمان بحوالہ مجلّہ فقہ اکیڈمی جدہ ۴/۵۹، مطبوعہ اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)۔

مفتی عبداللہ خالد نے صورت مسئلہ کو عقد صرف سے خارج قرار دیتے ہوئے بوقت عقد، احد البدلین پر قبضہ کی صورت میں جواز کا حکم بیان کرنے کے لیے (بدائع ۵/۲۱۵، ردالمحتار ۵/۲۵۷، ہدایہ ۳/۱۰۴، المبسوط ۱۴/۲۴، ہندیہ ۴/۲۳۵) کی عبارتیں پیش کی ہیں۔

مفتی جنید بن محمد پالنپوری نے اس معاملے کو دو وجہوں سے عقد صرف سے خارج مان کر جائز قرار دیا ہے۔

ایک یہ کہ کرنسی فلوس کی طرح غیر خلقی ثمن ہے دوسرے یہ کہ سونے چاندی کے علاوہ میں عقد صرف ماننے کی صورت میں نص پر زیادتی لازم آئے گی (فتاوی عثمانی ۳/ ۱۴۲ تا ۱۴۵، المبسوط للسرخسی ۱۴/ ۲۴، شامی ۴/ ۲۰۵) کی عبارات کو اپنا مستدل بنایا ہے۔

مولانا نعمان انور اور مفتی عبد المنان صاحب سونے چاندی کے علاوہ چیزوں میں خلقی ثمنیت کا انکار کرتے ہوئے اس معاملہ کو جائز قرار دیا ہے۔

مولانا خورشید انور اعظمی بنارس نے ثمن کی حقیقت اور فقہی تعریفات کو (حجۃ اللہ البالغہ ۱/ ۹۰، المبسوط ۱۲/ ۱۳۷، بدائع ۵/ ۲۳۴) وغیرہ کتب سے بیان کرنے کے بعد (فتاوی احیاء العلوم ۱/ ۲۵۰) سے ایک فتوی نقل کیا ہے:

''چونکہ آج کل روپیہ میں چاندی بالکل نہیں ہوتی ہے، لہذا اس سے تمام اشیاء مذکورہ کو ادھار خریدا جا سکتا ہے''۔

مفتی محمد عثمان بستوی گورینی نے موجودہ کرنسی کی شرعی حیثیت کو فلوس نافقہ کے طور پر متعین کرنے کے بعد لکھا کہ ''جس طرح فلوس نافقہ کے ذریعہ سونے کی خریداری کی صورت میں بیع صرف کے احکام نافذ نہیں ہوتے ہیں اسی طرح روپیہ کے ذریعہ سونا خریدنے پر بھی بیع صرف کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔'' موصوف نے فلوس سے سونا چاندی کی ادھار بیع کے جواز پر متعدد فقہی نظائر پیش کی ہیں۔

☆ دوسرا موقف: عقد صرف ہے۔ اس پر پانچ مقالہ نگار متفق ہیں، یہ معاملہ عقد صرف ہے اس لیے مجلس عقد میں ہی عوضین پر قبضہ ضروری ہے۔ اس لیے ڈاکٹر محی الدین غازی مختصر جملوں میں سیدھے طور پر کہتے ہیں ''یہ صورت درست نہیں ہے''، مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی فرماتے ہیں: ''یہ بات جائز نہیں کہ سونا چاندی اور روپے میں ایک نقد ہو اور دوسرا ادھار، اس لیے کہ بیع صرف میں ادھار جائز نہیں بلکہ فوراً فوراً ادا کرنا ضروری ہے''، قاضی عبد الجلیل قاسمی صاحب نے بھی دوٹوک انداز میں اس معاملے کو ناجائز کہا ہے۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی نے اختلاف جنس کی صورت میں کمی زیادتی کی اجازت کے ساتھ عوضین پر مجلس عقد میں قبضہ کے سلسلے میں (مسلم ۲/ ۲۵) کی روایت نقل کی ہے: '' **فإذا اختلف هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذا كان يدا بيد** '' (تکملۃ فتح الملہم ۱/ ۵۹۴)، اسی طرح (ہدایہ ۳/ ۱۰۴) '' **ولا بد من قبض العوضين قبل الا فترا ق** '' اور (البحر الرائق کتاب الصرف ۶/ ۱۹۲) سے عبارت نقل کی ہے کہ: '' **فلو تجانساشرط التماثل والتقا بض أى بأن يبيع أحدَ هما بجنس الآخر فلا بد لصحته من التساوى وزنا ومن قبض البدلين قبل الا فترا ق** ''، ہدایہ اور بحر کی عبارت اتحاد جنس کی صورت میں قبض البدلین فی المجلس کے لزوم کو بتاتی ہیں۔ اس لیے یہ عبارات بطور دلیل نقل کرنے میں مقالہ نگار موصوف سے تسامح ہوا ہے، البتہ (ہدایہ ۳/ ۱۰۴) '' **بأن با ع الذهبَ بالفضة جاز** '' اور (ہندیہ ۳/ ۲۱۸) کی عبارات: '' **وان لم يكو نامن جنس واحد بان با ع الذ هب بالفضة يشترط التقابض فيه ولا يشترط التساوى كذ ا فى التبيين** ''، اختلاف جنس کی صورت میں

قبض البدلین فی المجلس پر صریح ہیں۔

مولانا اختر امام عادل قاسمی نے اولا کاغذی کرنسی کی ثمنی حیثیت پر بحث کی ہے اور اس سلسلے میں مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی تحقیقات (اسلام اور جدید معیشت وتجارت ص ۹۵ر تا ۱۰۴) کو سامنے رکھا ہے، نیز متعدد بڑی اور مصدری کتب کی عبارات فقہیہ سے اپنے موقف کو مبرہن کرتے ہوئے فلوس کے سلسلے میں شیخینؒ اور امام محمدؒ کے اختلاف کو بیان کر کے امام محمدؒ کے قول کو راجح قرار دیا، موصوف کا کہنا ہے کہ روپیہ یا کاغذی کرنسی ثمن ہے اگر چہ وہ عرف کی بنیاد پر ثمن بن گیا ہے، اس لیے ثمن کا جب ثمن سے تبادلہ ہوگا تو عقد صرف ہی ہوگا جس میں عوضین میں کمی زیادتی تو درست ہے لیکن ادھار ممنوع ہے، جہاں تک ثمن خلقی اور غیر خلقی کی بات ہے تو اس سے بیع الثمن بالثمن کی بنا پر عقد صرف کے اطلاق میں کوئی فرق نہیں آتا ہے۔ اس تعلق سے علماء عرب کا موقف بیان کرتے ہوئے کہا کہ: ’’سونا چاندی کے ثمن خلقی ہونے پر کوئی دلیل شرعی موجود نہیں، یہ ایک بات ہے جو صدیوں سے مشہور چلی آ رہی ہے، ورنہ سونا چاندی کی ثمنیت بھی عرف واعتبار ہی پر مبنی ہے، ان کی ذاتی قیمت ملحوظ نہیں ہے‘‘۔

پھر امام مالکؒ کا قول نقل کیا: ’’ **ولو ان الناس اجا زوا بينهم الجلو د حتى يكون لها سكةٌ و عينٌ لكرهتُهاان تباع با لذهب والورق نظرة ۱۲** ‘‘ (المدونۃ الکبری کتاب الصرف ۳ر۵)۔

ثمن کے سلسلے میں (مجموع الفتاوی ۲۹ر۲۵۱) سے علامہ ابن تیمیہؒ کا بھی یہی خیال نقل کیا، نیز قرار ھیئۃ کبار العلماء مکہ مکرمہ (رقم ۱۰ و تاریخ ۱۷ر ۸ر ۱۳۹۳ھ) اور اسی طرح مجلس مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ کی قرارداد کو نقل کیا۔

’’ **فان مجلس المجمع الفقهى الا سلامى، يقرر ان العملة الورقية نقد قائم بذا ته، له حكم النقدين من الذهب و الفضة، فتجب الزكوة فيها ويجرى الربا عليها بنوعيه، فضلاً ونسياً كما يجرى ذالک فى النقدين من الذهب والفضة تماما ،باعتبا ر الثمنية فى العملية الورقية قياسا عليهما...الخ** ‘‘ (مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی التابع لمنظمۃ المؤتمر الاسلامی بجدۃ ۳ر۱۹۵۱ر المؤلف تصدر عن منظمۃ المؤتمر الاسلامی بجدۃ)۔

پہلے موقف کے قائلین نے بھی روپیہ کو فلوس پر قیاس کیا ہے لیکن ان سب نے شیخینؒ کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے صورت مسئلہ کو عقد صرف سے خارج مانا ہے۔ موصوف نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ: ’’اگر شیخینؒ کا قول اختیار کیا جائے تو ایک ہی ملک کی کرنسیوں کی باہم خرید وفروخت کو کمی بیشی کے ساتھ جائز کہنا پڑے گا، اور ربا کا دروازہ کھل جائے گا‘‘ (مقالہ: مولانا اختر امام عادل قاسمی)۔

☆ تیسرا موقف: عقد صرف نہیں ہے اور عوضین ادھار ہوں تو بھی معاملہ درست ہے۔

مولانا محبوب فروغ احمد نے مختلف مذاہب کی کتب (بدائع ۴ر ۵۳۴ کتاب الصرف، ردالمحتار ۴ر۲۶۱، المدونۃ الکبری ۳ر۳۳۳، التاخیر فی الفلوس، تحفۃ المحتاج ۴ر۳۰۴، المغنی لابن قدامہ ۴ر ۱۴۲، موسوعہ ۳۲ر۲۰۶، مادہ: فلس) کے حوالے سے علت ربا اور کرنسی کی حیثیت پر تفصیلی اور تحقیقی کلام کرتے ہوئے حنفیہ اور شوفع وحنابلہ کے مسلک کے پیش نظر کہا کہ ’’موجودہ کرنسیاں

ثمن ضرور ہیں مگر خلقی نہیں بلکہ عرفی واصطلاحی ہیں اس لیے ان کا شمار اموال ربویہ میں نہیں ہوگا''، اس کے بعد امام محمدؒ اور امام مالکؒ کے موقف کو نقل کر کے مشائخ ماوراء النہر کے فتوی کو بیان کیا ''لم یَفْتَوْا بجواز ذالک، أی: بیعھا بجنسھا متفاضلا فی العدالی والغطارفة مع أن الغش فیھا أکثر من الفضة؛ لأنھا أعز الأموال فی دیا رنا فلو ابیح التفا ضل فمنھا یفتح باب الربا الصریح فإن الناس حینئذ یعتادون فی الأموال النفیسة فَیَتَدَرَّجُوْنَ ذالک فی النقود الخا لصة فمنع حسبا لما دة الفساد'' (ردالمحتار علی الدر ۴/ ۲٦۷)، اس اقتباس کے ساتھ امام محمدؒ کے فیصلے کو مزاج شریعت سے ہم آہنگ قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں '' اگر ایک ملک کی کرنسی کا آپس میں تبادلہ ہو تو نفیس ہونے کی وجہ سے تفاضل کی گنجائش نہیں دینی چاہئے''، یعنی موصوف شیخینؒ کے مسلک کے مطابق مسئلے کو فلوس پر قیاس کرتے ہوئے سونے چاندی کو روپیوں سے خرید وفروخت کو عقد صرف نہیں مانتے ہیں، لیکن ربا کا دروازہ نہ کھل جائے اس لیے روپیوں کے باہم تبادلے کے وقت، فلوس کے سلسلے میں امام محمدؒ کے قول کو اختیار کرتے ہیں۔

مولانا روح الامین نے مختلف ناحیے سے ثمن کی قدیم وجدید کیفیات وشکلوں کو بسط وتفصیل سے بیان کیا، اور معاملے کو عقد صرف سے خارج قرار دے کر احد البدلین پر قبضہ کو ضروری قرار دینے کے ساتھ ہی یہ بھی واضح کیا کہ اگر متعین زیور خریدنا ہو تو ایسی صورت میں احد العوضین پر بھی قبضہ ضروری نہیں ہے، اس سلسلے میں علامہ سرخسیؒ کا درج ذیل قول نقل کیا:

''وإن اشتری خاتَم فضة أو خا تَم ذھب، فیه فَصٌّ أو لیس فیه فص بکذا فلوسا ولیست الفلوس عنده فھو جائز إن تقابضا قبل الإفتراق أو لم یتقا بضا، لان ھذا بیع، ولیس بصرف فانما افترقا عن عین بدین، لأن الخا تم یتعین با لتعیین بخلا ف ما سبق ، فإن الدراھم والدنا نیر لا تتعین، فلھا شُرِطَ ھناک قبضُ أحدِ البدلین'' (المبسوط للسرخسیؒ باب البیع بالفلوس ۱۴/ ۲۵) (مقالہ: مفتی عبدالرحیم قاسمی)۔

☆ چوتھا موقف: عقد صرف ہے، لیکن معاملہ درست ہے۔

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی صاحب معاملے کو عقد صرف مانتے ہیں، ''... فا نَّ الْمُصَوَّ غَ بسبب ما اتصل به من الصَّنْعَةِ لم یبقَ ثمنا صریحا ولھذا یتعین فی العقد ومع ذالک بیعه صرف'' (البحر الرائق ٦/ ۳۲۱)۔

لیکن ادھار خرید وفروخت کو درست مانتے ہیں '' بخلا ف غیر ھما فإن الوزن فیه بالتعارف فیخرج عن کو نه موزونا بتعارف عددیته إذا صیغ وصنع کذا فی فتح القدیر'' (البحر الرائق ٦/ ۲۲۳)، ''فا لصواب إسقا ط قوله: ''وزنا'' والا قتصا ر علی قوله '' فإنه یجوز'' (منحة الخالق علی البحر الرائق ٦/ ۲۲۳)۔

لکھتے ہیں: '' کرنسی نوٹ سونے کا وثیقہ یا رسید اور علامتی ثمن بھی نہیں ہے، بلکہ تمام تر علیحدہ حیثیت کا حامل مستقل ثمن ہے، جس کو زر قانونی اور فلوس نافقہ اور دھات کے سکے کے درجے میں رکھا گیا ہے، لہذا سونے یا چاندی کی روپے سے خریداری نسیئۃً یعنی ادھار بھی جائز ہے، اس اعتبار سے یہ 'بیع سلم' سے قریب تر حکم میں ہے''، موصوف کے موقف پر اشکال ہوتا ہے کہ '' الاثمان

اُلمُصَوَّغ ‘‘ پر قیاس کر کے معاملے کو عقد صرف مانا اور پھر موجودہ کرنسی کو، ادھار خرید وفروخت کے معاملے میں کرنسی کی حیثیت ’’ الاثمان اُلمُصَوَّغ ‘‘ سے مختلف قرار دیا، اس دوسری صورت میں یہ عقد صرف کیسے ہوگیا؟

☆ چار مقالہ نگاروں نے اپنا کوئی واضح موقف نہیں بیان کیا۔

مفتی فیاض احمد محمود برمارے حسینی لکھتے ہیں: ’’ اگر.....روپیوں اور کرنسی کی حیثیت سونے اور چاندی کی ہی ہوگی جیسا کہ زکوۃ کے باب میں روپیوں کو سونے چاندی کے قائم مقام مان کر روپیوں پر زکوۃ واجب ہوتی ہے، تو پھر عوضین میں سے کسی ایک کا ادھار رکھنا درست نہیں‘‘ اس کے بعد روپیوں کی دوسری جہت کو سامنے رکھتے ہوئے کہتے ہیں: ’’ اگر روپئے اور کرنسی کو سونے چاندی کے طور پر تسلیم نہ کیا جائے تو روپئے کے عوض سونے چاندی کی بیع پر نہ بیع صرف کا اطلاق ہوگا اور نہ اس میں بیعِ صرف کی شرائط کی رعایت ضروری ہوگی.....اس اعتبار سے اگر کوئی روپئے کے بدلے سونا خریدتا اور قیمت ادھار رکھتا ہے تو اس کی گنجائش ہے‘‘۔

قاضی عبدالجبار طیب ندوی نے سود کی حرمت پر آیات قرآنیہ نقل کرنے کے بعد عوضین پر مجلس عقد پر قبضہ کو ضروری قرار دیا اور احد العوضین کے ادھار ہونے کی صورت میں کہا ’’ سونا چاندی اور روپے میں سے ایک نقد اور دوسرا ادھار ہو یہ جائز نہیں کیوں کہ سونے کو سونے سے اور چاندی کو چاندی سے یا اس کے قائم مقام دوسرے کسی اور ثمن سے خرید وفروخت جائز ہونے کے لیے فریقین کی طرف سے اپنے عوض پر الگ ہونے سے پہلے قبضہ حاصل کرنا ضروری ہے‘‘، پھر مسلم کی روایت نقل کی: **’’فإذا اختلف هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذاكان يدا بيد‘‘**(مسلم:۱۵۸۷، نصب الرایہ ۴/ ۴۳، ۴۴) اور پھر (فتاوی اللجنۃ الدائمۃ ۱۳/ ۴۶۶) کی ایک عبارت نقل ہے:

’’ إذا كان الثمن الذى اشتراه به مصا غ الذهب ذهبا أو فضة أو يقوم مقامهما من الأوراق النقدية أو مُستَنَدَ اتِهَا لم يجز ،بل هو حرام لما فيه من ربا النسيئة‘‘۔

اس اقتباس سے متصل اپنی ابتدائی تحریر کے برعکس کہتے ہیں: ’’لہذا سونا چاندی اور کرنسی مختلف الاجناس ہوئے، جب جنس مختلف ہو تو اس وقت مجلس میں کم سے کم ایک طرف سے قبضہ ضروری ہوتا ہے‘‘ (مقالہ: قاضی عبدالجبار طیب ندوی)۔

ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی اپنے تفصیلی مقالے میں روپئے کو ثمن عرفی مانتے ہوئے اس طرح کے عقد کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں (البحر الرائق ۶/ ۲۱۱، ردالمحتار ۵/ ۲۵۹، بدائع الصنائع ۵/ ۲۳۷) وغیرہ سے عبارتیں نقل کی ہیں۔ لیکن ساتھ ہی امام مالکؒ کے مسلک (المدونۃ الکبری ۳/ ۵) کو سامنے رکھتے ہوئے کہتے ہیں: ’’ اس لیے بہتر یہ ہے کہ روپے کے ذریعہ سونا چاندی نقد خریدے‘‘ (مقالہ: مفتی محمد شاہجہاں ندوی)۔

مفتی عبدالرحیم قاسمی نے اپنا کوئی واضح موقف ظاہر کرنے کے بجائے کچھ فقہی عبارات کے نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے، البتہ موصوف کے ذریعہ نقل کی گئی عبارات فقہیہ سے ان کا رجحان معاملے کو عقد صرف کے دائرے سے خارج ہونا معلوم ہوتا ہے، نیز مبسوط کی عبارتِ ذیل نقل کرنے کے بعد فقہ البیوع کی جو عبارت نقل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر زیور متعین اور مشخص ہو تو عوضین میں

سے کسی پر بھی قبضہ کرنا ضروری نہیں۔

" علی مذهب الإمام محمدؒ فإنه يجوز شراء حلی الذهب والفضة با لنقود الورقية نسيئة بشرط أن يكون بسعر يوم العقد ولا يشترط فيه التقابض بل لا يشترط قبض الحلی الحقيقی وإنما يكفی تعيين الحلی لأن النقود الورقية فی حكم الفلوس فی أحكام الصرف فقط وشراء الحلی با لفلوس لا يشترط فيه التقابض" (فقہ البیوع ۲/ ۷۶۳)۔

راقم الحروف کا خیال ہے کہ: پہلا موقف بغیر کسی شرعی قباحت کے درست ہے۔

سوال نمبر(۱) جزء ب: کیا یہ بات درست ہوگی کہ سونا اور چاندی کا جو نرخ حکومت یا سونے کی مارکیٹ جیسے انٹرنیشنل سطح پر کومیکس گولڈ مارکیٹ یا ہندوستان کی سطح پر یہاں کی مارکیٹ MC نے طے کیا ہو، اس سے زیادہ یا کم قیمت میں خرید وفروخت کی جائے، اور کیا اس صورت پر ربا تفاضل کا اطلاق ہوگا؟ اس سلسلے میں واضح طور پر تین موقف ہیں۔

☆ پہلا موقف: ربا تفاضل ہے، مولانا ابوسفیان مفتاحی کا خیال ہے کہ " صورت مسئولہ میں درست نہیں اور اس صورت پر ربا تفاضل کا اطلاق ہوگا"، اپنے اس موقف پر کوئی دلیل نہیں بیان کی ہے، جب کہ اختلاف جنس کی صورت میں اثمان کی کمی زیادتی کے ساتھ باہم بیع وشراء پر عوضین پر قبضہ فی المجلس کی متعدد دلیلیں پیش کی ہیں۔

☆ دوسرا موقف: تسعیر کے سلسلے میں اولی الأمر سے متعلق شرعی ہدایات کو بیان کرتے ہوئے قانونی دائرے میں کاروبار کو انجام دینا بہتر قرار دیا گیا ہے، ساتھ ہی مارکیٹ ریٹ یا حکومتوں کے ذریعہ مقررہ قیمتوں میں کمی بیشی سے عقد میں ربا تفاضل کے عدم تحقق کی بنا پر صحت عقد میں تمام مقالہ نگار متفق ہیں۔

" عن انس قال الناس: يا رسول اللهﷺ غلا السعرفسعر لنا، فقال رسول اللهﷺ: إن الله هو المسعر القابض الباسط الرازق وإنی أرجوأ ن القی الله وليس أحد منكم يطالبنی بمظلمة فی دم ولا مال" (سنن ابی داؤد برقم الحدیث: ۳۴۵۶، ترمذی: ۱۳۱۴، ابن ماجہ: ۲۲۰۰) (قاضی عبدالجبار طیب ندوی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا نعمان انور اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا عمر امین الہی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا محمد سعد نور القاسمی، ناچیز محمد اشرف قاسمی گونڈوی)۔

" إلا أن تكون تجا رة عن ترا ضٍ منكم" (سورۂ نساء: ۲۹) (مقالہ: قاضی عبدالجبار طیب ندوی)۔

" ولا ينبغی للسلطان ان يسعر علی الناس " (حاشیہ ہدایہ ۴۵۵/۳) (مفتی انور علی الاعظمی، مولانا محمد ظفر عالم ندوی، مفتی عبدالحمید قاسمی دیناجپوری) (بحوالہ بدائع ۱۶۸/۵، مولانا نعمان انور اعظمی، مولانا محمد سعد نور القاسمی بحوالہ تکملہ ۴۹۲/۸)۔

"الما لک هو المتصرف فی الأعيان المملوكة كيف شاء" (بیضاوی شریف ۱/ ۷، فاتحہ) **"لا ينبغی للمؤمن أن يذل نفسه"** (ترمذی شریف ۵۰/۲) (مولانا ابوالمکارم معروفی گورینی، مولانا عبدالحی مفتاحی)۔

" قال رسول الله ﷺ لايبيع حا ضر لبا د دعو االناسَ يرزق اللهُ بعضهم من بعض"(ترمذی:باب ماجاء لایبیع حاضرلباد برقم الحدیث:۱۳۱۴)(مقالہ:مولانا محمد ظفر عالم ندوی،مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی)۔

"إذاكان فعل الإمام مبنيا على المصلحة فيما يتعلق بالأمور العامة لم ينفذ أمرهٔ شرعا إلا إذا وافقه فإن خالفه لم ينفذ"(الاشباہ النظائرص ۴۱۲)(مفتی عبدالباسط پالنپوری)۔

"إذا تعدى أرباب الطعام فى القيمة تعديا فا حشا فلا بأس به أى بالتسعير"(مجمع الأنہر ۲/۵۴۸) (قاضی عبدالجبار طیب ندوی،مولانا سعدنور قاسمی(بحوالہ درمختار علی الرد ۵/۲۵۶) مفتی محمد شاہد حسین،مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی)۔

"ولا يسعر با لإجما ع إلا إذا كان أرباب الطعام يتحملون و يتعدون من القيمة وعجز القا ضى عن صيا نة حقوق المسلمين إلا با لتسعير فلا بأ س به بمشورة أهل الراى و البصر هو المختار وبه يفتى" (فتاوی ہندیہ ۳/۲۲۰، ۵/۲۷)(مولانا عمرامین الٰہی،مولانا محمد سعد نورالقاسمی(بحوالہ ہدایۃ مع التکملۃ ۸/۴۹۲،شامی ۹/۵۷۳ زکریا)۔

"إن كل من أضر با لعا مة حبسُه فهو احتكا ر ولو ذهبا أوفضة أو ثوبا"(شامی ۹/۵۷۴)۔

مولانا عمرامین الٰہی نے مختلف اشیاء کے احتکار کے سلسلے میں فقہاء کے اقوال کو نقل کرتے ہوئے امام محمدؒ کے قول کے مطابق،سونا چاندی کی ذخیرہ اندوزی پر روک لگانے کے لیے حکومتوں کی طرف سے مقررہ قیمتوں کی پابندی کا رجحان ظاہر کیا ہے (مقالہ:مولانا عمران الٰہی)۔

" فإن سعر فبا ع الخبا ز بأكثر مما سعر جا ز بيعه كذا فى فتاوى قاضى خان ومن با ع منهم بما قدر الإمام من الثمن جاز بيعه كذا فى التا تا رخا نية"(فتاوی ہندیہ ۳/۲۱۴)(مولانا فروغ احمد قاسمی،مولانا محمد سعد نور قاسمی، مفتی محمد شاہد حسین،مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی)۔

" فإذا فعل ذالک رجل عن ذالک وبا ع بأكثر منه أجا زه القاضى وهذا ظاهر عندا بى حنيفة لأنه لاير الحَجَرَ على الحر وكذا عندهما "(ہدایہ ۴/۲۷۲)(مقالہ:مفتی خورشید انور اعظمی بنارس)۔

" ذهب الحنفية والحنا بلة والشا فعية الأصح إلى أن من خا لف التسعير صح بيعه"(موسوعہ فقہیہ ۱۱/۳۱۰)(مقالہ:مولانا عمرامین الٰہی)۔

"وإن با ع الذهب با لفضة جاز التفا ضل لعدم المُجَا نَسَةِ"(ہدایہ کتاب الصرف ۳/۱۰۴)(مقالہ:مولانا اختر امام عادل قاسمی،مفتی سعید الرحمٰن قاسمی،مفتی محمد سعید اسعد قاسمی)۔

"وللبائع أن يبيع بِضَاعَتَهٗ بما شاء من ثمن ولا يجب عليه أن يبيعه بسعرالسوق دائما وللتجار ملاحظة مختلفة فى تعيين الا ثمان وتقديرها" (القضایا الفقہیہ المعاصرۃ ص۸،کراتشی)(مقالہ:مولانا عمران بن دین محمد پالنپوری،مفتی عبدالباسط پالنپوری)۔

مفتی ذکاء اللہ شبلی صاحب حکومت یا مارکیٹ کی طرف سے طے کردہ قیمت میں کمی وبیشی سے خرید وفروخت کو جائز کہنے کے ساتھ ہی ضرورت مند کو کسی کی مقررہ داموں کی پابندی سے آزاد ہو کر اپنی مرضی وسہولت کے مطابق عقد کرنے کو ''ایسر علی الناس'' قرار دیتے ہیں۔

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مفتی عبد المنان، قاضی عبد الجلیل قاسمی، ڈاکٹر مفتی محمد شاہ جہاں ندوی، ڈاکٹر محی الدین غازی، مفتی فیاض احمد محمود برمارے (شافعی)۔

☆ تیسرا موقف: ربا تفاضل نہیں ہوگا لیکن تسعیر کی مخالفت کی وجہ سے اس طرح معاملہ کرنا ناجائز ہے۔

مفتی عبد اللہ خالد صاحب نے صحت عقد کے ساتھ ہی اطاعت امیر کے سلسلے میں بین القوسین جملوں کا اضافہ کرتے ہوئے، حضرت مفتی محمد تقی عثمانی کی ایک تحریر پیش کی ہے:

''لہذا اس کے لیے حکومت کے اس حکم کی مخالفت کرنا تو جائز نہیں (بشرطیکہ اسلامی حکومت ہو اور اسلامی اصول کی پابند ہو آج کل کی حکومتوں کی طرح نہ ہو) لیکن دوسری طرف اس زیادتی کو سود کہہ کر حرام کہنا بھی درست نہیں'' (فقہی مقالات ۱/۴۰)، مفتی نثار احمد گودھروی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی روح اللہ قاسمی (بحوالہ فتاوی عثمانی ۳/۱۴۸)، مولانا محمد سعد نور القاسمی، مولانا روح الامین مقالہ صفحہ ۲۰ (بحوالہ فقہ البیوع ۲/۷۳۸)، مولانا محمد شاکر اعظمی مدنی (بحوالہ اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/۵۲)، مولانا اشتیاق احمد اعظمی قاسمی (بحوالہ اوراق احکام النقود والمعاملات ۲/۱۹۰۸)، مفتی محمد عثمان بستوی گورینی (بحوالہ انعام الباری ۶/۳۴۱)، موصوف کے نزدیک'' سرکاری ریٹ سے کم وزیادہ بیچنا ربو تو نہیں لیکن تسعیر کی خلاف ورزی ہے، حتی الوسع تسعیر کی پابندی کرنی چاہئے''، اسی کے قائل قاضی عبد الجبار طیب ندوی ہیں، مفتی محمد شاہد حسین نے صحت عقد کے ساتھ امیر کی عدول حکمی کی وجہ سے قابل تعزیر بتلایا (بحوالہ درمختار ص ۵۷۴)۔

مفتی جنید بن محمد پالنپوری، اطاعت امیر کے سلسلے میں (احکام القرآن للعلامۃ ظفر احمد العثمانی ۲/۲۹۱، تفسیر مظہری ۲/۱۵۲، الجامع لاحکام القرآن ۵/۲۵۹) سے تصریحات نقل کرنے کے ساتھ ہی الدر المختار کی درج ذیل عبارت بھی پیش کی ہے:

''تجب طاعة الا میر فیما لیس بمعصیة'' (الدر المختار ۲/۱۷۲)۔

اور لکھا کہ'' جن ملکوں میں سرکاری طور پر مقررہ نرخ کی مخالفت قانوناً جائز نہیں ہے تو وہاں اس نرخ سے کمی بیشی کرنا سود تو نہیں ہوگا، لیکن ملکی قوانین کی مخالفت اور اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنے کی وجہ سے جائز نہیں ہوگا'' (مقالہ: مفتی روح اللہ قاسمی، مفتی عبد الباسط پالنپوری مولانا سعد انور قاسمی (بحوالہ شامی ۵/۱۹۶)۔

☆ چوتھا کوئی واضح موقف نہیں ہے۔ مفتی عبد الرحیم قاسمی صاحب نے صورت مسئولہ پر اپنی رائے کا اظہار کرنے کے بجائے، روپیوں سے سونے چاندی کے ادھار معاملے میں، صحت عقد کے لیے مارکیٹ ریٹ کی قیمتوں پر معاملے کو طے کرنا'' شرط'' قرار دینے والی عبارتیں (کتاب فقہ البیوع ۱/۴۳۰، اور ۲/۷۴۸) سے نقل کی ہیں، دوسری عبارت یہ ہے:'' واماما یخشی من

الاحتيال على الربا فى جواز النسيئة فقد يُنسَدُّ بَابُهُ با شتراط سعر المثل يوم العقد كما بينا''(فقہ البیوع ۲/ ۸۴۷)،سوال یہ ہے کہ اگر نقد معاملہ ہوتو مارکیٹ ریٹ یا حکومت کے ذریعہ مقرر کردہ قیمتوں میں کمی زیادتی پر ربا تفاضل کا اطلاق ہوگا کہ نہیں؟ جہاں تک بازاری قیمتوں کے معتبر ہونے کی بات ہے تو ثمن مثل کی اصطلاح پہلے سے موجود ہے۔ثمن مثل کے خلاف عاقدین کوئی معاملہ کریں تو بھی معاملہ درست ہوجاتا ہے، زیر بحث مسئلے میں بازاری ریٹ سے مراد ثمن مثل نہیں ہے بلکہ حکومتوں یا سرمایہ داروں کی طرف سے عام کاروباریوں کی رضا کو سلب کرنا پایا جاتا ہے، یہ آزاد بازار کی ریٹ نہیں ہے، جسے تنازع ختم کرنے یا ربا کا دروازہ بند کرنے کے لیے ضروری قرار دیا جائے۔

بندہ کا خیال ہے کہ دوسرا موقف درست ہے۔کیوں کہ اختلاف جنس کی وجہ سے اس عقد میں ربا تفاضل کا تصور بھی نہیں پایا جاتا، عام حالات میں حکومتیں لوگوں کو لازمی طور پر نرخ کی پابند نہیں بناتیں ہیں، بلکہ حکومتیں مخصوص قیمت پر اشیاء کی خرید کرتی ہیں جس سے بازار میں ان اشیاء کا تقریبی ریٹ جاری ہوجاتا ہے۔جیسے کہ ایم پی اسٹیٹ گورنمنٹ مختلف فصلوں (گیہوں سویابین) کی خاص قیمت میں خریداری کرتی ہے، اور اپنی خریدی ریٹ پر عام کاروباریوں کو عام لوگوں سے بیچنے اور خریدنے کا پابند نہیں کرتی ہے، پھر وہی قیمت بازار میں چل پڑتی ہے جس سے کسان نقصان سے بچ جاتے ہیں اور ساتھ ہی عام افراد غبن فاحش کا شکار نہیں ہوتے، اس میں اطاعت امیر کی مخالفت بھی نہیں پائی جاتی ہے، نیز اس سلسلے میں راقم الحروف نے (سوال نمبر ۷) کے جواب میں الاشباہ والنظائر سے ایک اقتباس نقل کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: امیر کی اطاعت کے لازم ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں:

۱-اس قانون سے عوام کو فائدہ ہو، نقصان نہ ہو۔

۲-تاجر کے کاروبار میں حکومت کی طرف سے مادی وقانونی امداد وتحفظ فراہم ہو۔

ان دوشرطوں کے پائے جانے کی صورت میں تسعیر کی مخالفت پر گناہ ہوگا لیکن پھر بھی عقد جائز ونافذ ہوجائے گا۔

سوال نمبر (۲)-زیور بنانے والے کاریگر زیورات کے تاجروں سے ایک متعینہ وزن میں سونا لیتے ہیں اور چند دنوں میں اس کے بدلے سونے سے بنائے ہوئے زیورات انہیں واپس کرتے ہیں، انہیں الگ سے کوئی اجرت نہیں دی جاتی؛ بلکہ زیورات کی شکل میں سونے کی اتنی ہی مقدار انہیں واپس کرنی ہوتی ہے، جتنی انہوں نے لی تھی؛ البتہ سونے کا زیور بنانے میں دوسری دھاتوں کی آمیزش ضروری ہوتی ہے، اس آمیزش کے بقدر سونا ان کو بچ جاتا ہے اور زیور بنانے میں سونے کے کچھ ذرات نکل آتے ہیں، یہی ان کی اجرت ہوتی ہے، سوال یہ کہ:

الف: سونے کے لین دین میں مقدار کا جو یہ فرق ہو رہا ہے، اسے بیع تصور کیا جائے یا اجارہ؟

ب: کیا اجرت کی یہ شکل درست ہوگی کہ زیورات کے بنانے میں جو ذرات بچ جائیں، وہی اجرت قرار پائے؟

جواب۔اس سلسلے میں مجموعی لحاظ سے نو آراء ہیں۔

☆ پہلا موقف: بیع ہے اور جائز ہے، قاضی عبدالجبار صاحب طیب ندوی کے نزدیک (الف) بیع ہے۔اور (ب)'' تاجر

کی طرف سے سونے کوثمن اور دھات کو بیع (مبیع ،اشرف) مان لیا جائے تو معاملہ درست ہوجائے گا؛لیکن کاریگر کی جومحنت ہے اس محنت کو یہاں کاریگر کی طرف سے تاجر کے لیے پیشکش (آفر) ماننا پڑے گا،اس لئے کاریگرسونے کے ذرات کو لے سکتا ہے''،مقالہ ص ۵ ؍نقل کردہ موصوف کی تحریر میں'' پیشکش (آفر)''الفاظ،نیز''اجرت''توضیح طلب ہیں؟

☆ دوسرا موقف: بیع ہے اورعقدنا جائز ہے۔مولانا شاکرنثاراعظمی قاسمی (الف) بیع تصور کرتے ہوئے معاملے کے عدم جواز پر کہتے ہیں'' مذکورہ بالاصورت میں ایک طرف زیادہ سونا اور دوسری طرف کم سونا ہے جو شریعت اسلامیہ کی رو سے سراسر ناجائز ہے، بلکہ عین ربا ہے''،اتحادجنس کی صورت میں ردی وجید سونے کے باہم تبادلے پر مساوی الوزن مقدار میں قبضہ فی المجلس سے متعلق عبارتیں نقل کی ہیں:

''وما غلب فضتُه وذهبُه فضةٌ وذهبٌ حكما،فلا يصح بيع الخالص به ولا بيع بعضه ببعض إلا متساويا''(ردالمحتار ۷؍۵۳۱-۵۳۲)۔

☆ تیسرا موقف: بیع مانیں یا اجارہ،معاملہ بہرصورت ناجائز ہے۔مفتی روح اللہ قاسمی نے اپنے مقالہ میں لکھا:'' یا پھر تماثل وتقابض فی المجلس ہو،ورنہ بیع مانیں یا اجارہ بہرصورت یہ ناجائز ہیں''،عدم جواز پردرج ذیل فقہی تصریحات نقل کی ہیں:

''وجمهو ر الفقها على أنه لا اعتبا ر با لصياغة والصناعة أيضا فيدخل فى إطلا ق المسا وا ت المصو غ با لمصوغ التبر با لا 'نية، فعين الذهب والفضة وتبرهما ومضروبهما وغير المضروب منهما والصحيح منهما والمكسوركلها سواء فى جواز بيعها مع التما ثل فى المقدار وتحريمه مع التفا ضل'' (موسوعۃ:الصرف،شروط الصرف،انواع الصرف،رقم:۲۲)(مقالہ:مولاناروح الامین بحوالہ المغنی لابن قدامہ؍ص ۶۰)۔

موصوف نے علامہ کاسانیؒ کی درج ذیل تصریح بھی نقل کی ہے:

''فإن كا نت الفضة فيها هى الغا لبة... فحكمها حكم الفضة الخا لصة ،لا يجوز بيعها با لفضة الخالصة إلا سوا ء بسواء'' (بدائع الصنائع ۴؍۴۲۳)۔

مفتی عبدالحیی مفتاحی، جزو(الف) پرخاموش ہیں۔اور(ب) سے متعلق لکھتے ہیں:

''اگرسونااورآمیزش کی جانے والی دھات دونوں ہی چیزیں تاجر کی ہیں تواس صورت میں سونے کے بچے ہوئے ذرات کو اجرت قرار دینا درست نہیں ہے، کیوں کہ یہ قفیزطحان کی صورت ہے،...اوراگرآمیزش کی جانے والی دھات زیورات بنانے والے کاریگروں کی طرف سے ہے تو یہ ایک قسم کی بیع ہے گویا کہ دھات کے بدلے میں سونے کے ذرات ہیں اور یہ صورت جائز ہونی چاہئے''(مقالہ:مفتی عبدالحی مفتاحی)۔

ڈاکٹرمحی الدین نے بیع یا اجارہ کی وضاحت کرنے کے بجائے معاملے کے(ب)عدم جواز کی وجہ بتایا کہ'' غررکثیر ہے''۔

☆ چوتھا موقف: (الف)-عقدِصرف ہے،''اس لیے تقابض فی المجلس ضروری ہے''(مولانا نثاراحمد گودھروی،مولانا

اختر امام عادل قاسمی، مولانا عمر امین الہی، مولانا ابوسفیان مفتاحی)۔

☆ پانچواں موقف: اجارہ ہے، صحت عقد چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔

مفتی محمد سلمان پالنپوری نے معاملے کو اصالۃ اجارہ اور تبعاً بیع قرار دیا ہے، صورتِ مسئولہ میں صفقۃ فی صفقۃ والی نص کو ''عام مخصوص منہ البعض'' قرار دے کر اپنے خیال کے مطابق معاملے کو عقد اجارہ پر قیاس کرتے ہوئے دو شرطوں کے ساتھ جائز بتلایا

۱-اس کا عرف عام اور تعامل ہو۔

۲- آمیز کی جانے والی دھات کی مقدار متعین ہو اور ذرات کی مقدار طے ہو کر اجرت معلوم ہو (مفتی عبد الباسط پالنپوری، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

''البحر الرائق'' کی درج ذیل عبارت سے مبرہن کیا ہے:

''والجها لة إنما تَمْنَعُ إذا أفضت الى المُنَا زَعَةِ''(البحر الرائق ۸/ ۲۲)۔

☆ چھٹا موقف: اجارہ فاسد ہے، مولانا ابوسفیان مفتاحی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی عبدا لمنان صاحب کے نزدیک (ب) اجرت مجہول ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

''**وتفسد (الإجا رة) بجها لة المسمى كله أوبعضه، كتسمية ثوب أو مائة درهم على أن ير مّها المستأ جر لصيرورة المرمة من الإجارة، فيصير الأجر مجهو لا،وتفسد بعدم التسمية أصلا.... فإن فسدت با لأخيرين بجها لة المسمى وعدم التسمية وجب أجر المثل**''(الدرمع الردالاجارۃ الفاسدۃ۹/ ٦٦)(مولانا شاکر نثار اعظمی قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی عبد الحمید قاسمی دیناجپوری)۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی کے نزدیک '' ذرات کو واپس کرنا لازم ہے۔اب اس کی اجرت الگ سے دی جائے''، یہی رائے مفتی مقصود علی فرقانی اور مفتی انور علی اعظمی، مولانا نعمان انور کی بھی ہے۔مولانا محمد ظفر عالم ندوی کے نزدیک '' اجرت مثل واجب ہوگی''۔

☆ ساتواں موقف: حیلۂ جواز-مولانا اختر امام عادل قاسمی، نے جواز کی صورت یہ بیان کی ہے کہ:'' یہ صورت ممکن ہے کہ قبل سے تیارشدہ زیورات سونا تاجروں کے پاس لے جائیں اور ان کے وزن کے مطابق ان کے بدلے سونا لے لیں''۔

مفتی جنید بن محمد پالنپوری (الف) معاملے کو بیع کے دائرے سے خارج مانتے ہوئے اجارہ فاسدہ قرار دیتے ہیں، ساتھ ہی (ب) معاملے کے درست ہونے کے لیے درج ذیل صورت بتلائی۔

'' کاریگر سے یہ کہا جائے کہ ملائی جانے والی دھات کی نرخ کی بہ قدر (جو کہ معلوم و متعین ہوتی ہے) سونا آپ کو اجرت میں دیا جائے گا یعنی دیئے ہوئے سونے سے دیا جائے گا یہ شرط نہ ہو تو جائز ہو جائیگا'' (یہی صورت جواز مفتی عبداللہ خالد نے بھی بیان کی ہے)، اس پر فتاوی کاملیۃ سے درج ذیل عبارت نقل کی ہے:

" وسئلت فی مَنِ اسْتَأ جر أرضا بیضا ء للزراعة بکذا وکذا قفیزاً من الغلة ھل یجوز ذالک؟ فا لجواب! نعم یجوز اذا کا نت الغلة مشارا إلیھا أو مو صوفة فی الذمة، ولا تکون من الغلة التی تخرج من زرع الأرض المستا جرة" (الفتاوی الکاملیۃ، کتاب الاجارۃ ص ۱۹۱، بحوالہ فتاوی محمودیہ جدید ۳۵۹/۲۳)۔

مفتی محمد عثمان بستوی صاحب گورینی: نے صورت مسئلہ سے متعلق (الف) اجارہ، بیع مطلق، بیع صرف، تعاطی، سلم، استصناع صفقۃ فی صفقۃ، شرط مالا یقتضیہ العقد، قفیز طحان وغیرہ مختلف پہلوؤں پر نظر رکھ کر عقد میں بیع یا اجارہ ہر دو صورتوں میں پائی جانے والی محظورات سے بچنے کا راستہ بیان کرتے ہوئے آخر میں درج ذیل حیلۂ جواز بیان کیا ہے۔

" تاجر اپنے سونے کو کاریگر سے فروخت کر کے اپنا سونا حوالے کرے اور قیمت کو بقایا چھوڑ دے اور کاریگر جب اپنا زیور حوالے کرے تو اسی بقایا رقم کے عوض اس کا زیور اس سے خرید لے اس حیلہ کے اختیار کرنے میں شرعا کوئی گناہ بھی نہیں ہے"۔

"وذھب علمائنا أن کل حیلة یحتال بھا الرجلُ لا بطا ل حق الغیر فھی مکروھة وکل حیلة یحتال بھا الرجلُ یتخلص بھا عن الحرام أو لیتوصل بھا إلی الحلال فھی حسنة" (المحیط البرہانی ۶۷/۲۱)، مفتی فیاض احمد محمود برمارے حسینی شافعی، مفتی روح اللہ قاسمی نے بھی یہی حیلہ جواز بیان کیا ہے۔

مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی نے اجارہ قرار دیا لیکن چونکہ اجرت مجہول ہے تو اس کا حل یہ پیش کیا کہ: " اجارہ صحیح ہونے کی صورت یہ ہے کہ زیور بنوانے کی اجرت الگ سے روپے میں طے کی جائے اور کاریگر بچا ہوا سونا تاجر یا اس کے مالک کو واپس کر دے، یا اگر سونے کی شکل میں اجرت لینا ہے تو اسے طے ہونا چاہئے کہ اجرت میں اتنا گرام سونا بنوائی لیں گے" (مفتی عبد الحمید قاسمی دیناجپوری، مولانا عمران بن دین محمد پالنپوری)۔

مفتی عبد اللہ خالد نے بھی (ب) محظورات سے بچنے کا طریقہ بتلایا ہے۔

(ب) " اجرت پہلے سے طے کر لی جائے پھر بچے ہوئے ذرات کو محسوب کر لیا جائے، تو جائز ہے" (مولانا عمر امین الہی، مولانا خورشید انور اعظمی مدنی)۔

☆ آٹھواں موقف: اجارہ قرار دے کر عرف عام و اجرت معلوم کی شرط کے ساتھ صحت کا موقف درج ذیل افراد نے اختیار کیا ہے:

مفتی عبد الرحیم، مفتی ذکاء اللہ شبلی، مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، بندہ محمد اشرف قاسمی گونڈوی، مولانا اشتیاق اعظمی قاسمی، کہتے ہیں: " مذکورہ بالا صورت میں اجرت بالکلیہ مجہول نہیں بلکہ معلوم و متعارف ہے، اور جہالت یسیرہ، عقد اجارہ کے لیے موجب فساد نہیں ہوا کرتی" (مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی، مفتی محمد شاہد حسین، مفتی عبد الباسط پالنپوری بحوالہ قدوری ص ۱۰۰/ " اجارہ منافع بالعمل ہے")، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی نے (الف) اجارہ مانا ہے، نیز اجرت معلوم ہونے کی وجہ سے متعدد کتب و فتاویٰ کے حوالے سے اس عقد کو درست ثابت کیا ہے۔

مفتی محمد سعید اسعد قاسمی، اجارہ مانتے ہوئے اجرت معلوم میں جہالت یسیرہ کی وجہ سے، صحتِ عقد پر بدائع وغیرہ کی عبارتیں پیش کی ہیں:" ومنها أن يكون المعقود عليه والمنفعة معلوما علماً يمنع من المنا زعة فإن كان مجهولا ينظر إن كانت الجهالة مفضية إلى المنا زعة تمنع صحة العقد وإلا لا.." (بدائع ۴/۴۲)۔

مولانا سعد نور قاسمی نے معاملہ کو (الف) بیع ماننے کی صورت میں پانچ خرابیاں ذکر کرکے اجارہ قرار دیا۔ اور (ب) مساقات مضاربت، مزارعت استصناع پر قیاس کرتے ہوئے سونے کے ذرات کو بطور اجرت لینا جائز بتلایا ہے (مفتی عبدالباسط بحوالہ جدید فقہی مسائل ۴/۳۴۴، مفتی محمد شاہد حسین)۔

مولانا ظفر الاسلام صدیقی۔ (الف) اجارہ کا رجحان ظاہر کیا ہے۔ (ب) اپنا واضح موقف" جو ذرات بچ جائیں وہ سونار کی اجرت ہوں گی" بیان کرکے، مسئلے پر قفیز طحان والی روایت سے وارد ہونے والے اشکال وجواب کو مختلف کتب فقہیہ سے نقل کیا ہے۔

☆ نواں موقف: جنس بدل کر اجرت دینا بہتر ہے۔ ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی۔ (الف) اجارہ قرار دیتے ہیں۔ "تمليك المنفعة بعوض" (بدائع الصنائع ۴/۲۰۱) (مولانا خورشید انور اعظمی بحوالہ ہدایہ ۳/۲۳۰)، (ب) ساتھ ہی ذرات کی مقدار متعین ہونے کی صورت میں جواز اور مجہول کی صورت میں عدم جواز کے قائل ہیں، نیز ذرات کی مقدار معلوم ہونے کی صورت میں امام شافعیؒ کا مسلک بیان کیا کہ" زیور بنوانے والے کو جنس بدل کر اجرت دینی چاہئے"، اس پر مغنی کی درج ذیل اقتباس کو نقل کیا:

"ولا خير أن يصا رف الرجلُ الصا ئغ الفضة با لحلى الفضة المعمولة، ويعطيه با جارته، لأن هذا الورق با لورق متفا ضلا" (الأم ۳/۳۵، نووی المجموع ۱۰/۸۳)۔

☆ دسواں واضح موقف نہیں ہے، مفتی سلطان القاسمی نے (الف) اجارہ اور بیع دونوں احتمال ذکر کرتے ہوئے الگ الگ حکم بیان کیا (ب) (۱) دیئے گئے متعینہ سونے سے زیور بنائے تو اجارہ۔ لیکن ذرات کی مقدار مجہول ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہے، (مولانا روح الامین کے نزدیک تین صورتوں میں سے پہلی صورت ہے۔ متعین اجرت صنعت کا، کاریگر حق دار ہوگا)، (۲) اگر اپنے سونے کا زیور بنائے تو بیع ہے، اس میں تقابض (فی المجلس) اور تماثل واجب ہے۔

مولانا ابوالمکارم معروفی صاحب بھی بیع اور اجارہ کی دونوں جہتوں کو اسی طور پر بیان کرتے ہیں۔ لیکن اجارہ کی صورت میں اجرت کی جہالت چوں کہ مفضی الی النزاع نہیں ہے اس لیے ان کے نزدیک معاملہ درست ہے۔ دوسری صورت میں بیع کی تعریف صادق آتی ہے، تاجر کی طرف سے دئے گئے سونے پر بوقت قبضہ وعدۂ بیع کیا جائے اور زیور تیار ہوجانے کے وقت عقد بیع کیا جائے اور تقابض فی المجلس ہو، اس معاملے کو بیع الزیتون بالزیت اور بیع السمسم بالسرج کے مطابق قرار دینے کی کوشش کی ہے، لیکن چونکہ کاریگر کا قبضہ، قبضہ امانت ہے جو کہ قبضہ ضمان یعنی بیع کے لیے کافی نہیں ہے۔ اسی طرح اس کو عقد سلم کے مماثل قرار دے کر بھی دائرہ جواز میں نہیں لایا جاسکتا، کیونکہ اثمان میں سلم صحیح نہیں ہے (شامی ۷/۳۱۵)۔

مولانا روح الامین کے نزدیک تین صورتوں میں پہلی صورت جس میں سونا تاجر کا ہوتا ہے وہ اجارہ ہے، کاری گر متعین اجرت کا حقدار ہوگا، دوسری صورت یہ ہے کہ کاری گر تاجر کے بجائے اپنے سونے سے زیور بنائے تو دونوں کی طرف سونا ہوا، ایسی صورت میں تاجر سے لیا گیا سونا قرض ہوگا اور یہ بنا ہوا زیور کاریگر سے تاجر اپنے دئے ہوئے سونے کے بدلے میں وصول کرے گا، ''یہ صورت بھی پہلی صورت کی طرح ہو جائے گی، یعنی کاریگر متعین اجرت کا حق دار ہوگا''۔

دوسری صورت میں کاریگر اپنے سونے سے زیور تیار کرتا ہے اور اس کی قیمت روپیوں کی صورت میں وصول کرتا ہے تو یہ بیع ہے، اور عقد صرف سے خارج ہے، اور اگر سونے وغیرہ کی صورت میں وصول کرتا ہے تو تیار زیور کے ذرات یا اور کسی قسم کی مزدوری وغیرہ کو لینے کا حقدار نہیں ہوگا جتنا زیور دے رہا ہے اتنا ہی وزن سونا لینا جائز ہوگا، ہاں اگر زیور میں نگینہ وغیرہ جڑا ہوا ہے تو پھر زائد وزن پر بھی فروخت کیا جاسکتا ہے۔

مفتی فیاض احمد محمود برمارے حسینی شافعی نے سوال نمبر ۲ جزء الف میں تو (صحیح غیر صحیح سے تعارض کئے بغیر) اجارہ کو ثابت کیا ہے، لیکن یہاں (جزء ب) کے بارے میں ساکت ہیں، شاید انہوں نے ماقبل میں آرڈر کے ذریعہ زیور بنوانے اور ادھار خرید وفروخت کی مروج سودی شکلوں میں سوال نمبر (۱) کے تحت اپنے حیلۂ جواز کے بیان پر اعتماد کرلیا۔

راقم الحروف کا خیال ہے کہ یہ عقد اجارہ ہے اور چوں کہ مذکورہ بالا صورت میں اجرت بالکلیہ مجہول نہیں بلکہ معلوم ومتعارف ہے، نیز سونے سے نکلنے والے ذرات، قفیز طحان کی طرح صانع کی محنت کا اثر نہیں ہیں بلکہ صنعت کے لیے لازمی طور پر نکلے ہیں، اس لیے انہیں بطور اجرت صانع کو لینا جائز ہے، جیسا کہ آٹھواں موقف ہے۔

سوال نمبر ۳- عام طور پر سونے کے تاجر حضرات پرانے زیور کی قیمت کم متعین کرتے ہیں، مثلاً دس گرام سونے کو آٹھ گرام کے درجے میں رکھتے ہیں، تو اگر سونے کے پرانے زیور کا نئے زیور سے تبادلہ ہو اور اس کمی کو ملحوظ رکھتے ہوئے سونے کا پرانا زیور زیادہ وزن کا لیا جائے اور سونے کا نیا زیور کم وزن میں اس کے بدلہ میں ادا کیا جائے تو کیا یہ صورت جائز ہے؟

جواب: اس سلسلے میں صاف طور پر چار خیالات ہیں:

☆ پہلا موقف: ربا تفاضل کی وجہ سے عقد ناجائز ہے۔ اکثر مقالہ نگاروں نے صورت مسئلہ میں ربا تفاضل وربا نسیئہ پائے جانے کی وجہ سے عدم جواز کا موقف اختیار کیا ہے۔ دلائل درج ذیل ہیں۔ مولانا محمد سعد نور قاسمی اور مفتی محمد سلطان القاسمی نے عدم جواز پر ''اعلاء السنن'' سے صورت مسئلہ سے مماثل، حضرت ابورافعؓ کی روایات کو نقل کیا ہے:

''عن أبی رافع قال مر بی عمر بن الخطاب ومعه ورق فقال: اصنع لنا أوضا حا لصبی لنا، قلت یا أمیر المؤمنین عندی أوضا ح معمولة فإن شئتَ أخذتُ الورق وأخذتَ الأوضا ح فقال عمر مثلا بمثل فقلتُ نعم فوضع الورق فی کفیة المیزان والا وضا ح فی کفة الأخری فلما استوی المیزان أخذ بأحدی یدیه أعطی با لأخری''(اعلاء السنن ۲۸۸/۱۴)۔

مفتی محمد سلطان القاسمی نے اعلاء السنن سے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت ابورافعؓ کا واقعہ اردو میں نقل کیا ہے:

’’حضرت ابورافعؓ نے چاندی کے پازیب بیچے اور حضرت ابوبکرؓ نے بدلہ میں چاندی دی اور جب ترازو میں تولا تو پازیب کا وزن زیادہ تھا، حضرت ابوبکرؓ نے پازیب سے زائد وزن کو الگ کیا، تو حضرت ابورافع نے کہا: اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ! یہ آپ کے لیے حلال ہے، تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: اے ابورافع اگر تم اس کو حلال کردو تو اللہ اس کو حلال نہیں کرتا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سونے کو سونے کے بدلے اور چاندی کو چاندی کے بدلے ہم وزن بیچو، زائد دینے اور زائد لینے والا دونوں جہنم میں ہوں گے‘‘، عدم جواز پر یہ واقعہ قوی دلیل ہے۔ موصوف اگر واقعہ کو عربی میں نقل کرتے تو شاید یہ دلیل، مزید طاقتور بن جاتی۔

’’ أتى رسول الله ﷺ هو بخيبر بقلادة فيها خرز وذهب ومن المغا نم تُبا ع، فأمر رسول الله ﷺ با لذهب الذى فى القلا دة فنز ع وحد ثم قال لهم رسول الله ﷺ الذهب با لذهب وزنا بوزن‘‘(مسلم برقم الحدیث:۴۰۴۶) (مولانا سعد نور القاسمی، مفتی ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا نعمان انور)۔

’’ وإن اختلفا جَوْ دَةً وصيا غة لقوله عليه السلام الذهب با لذ هب والفضة با لفضة ... إلى أن قال: مثلا بمثل سواء بسوا ء يدا بيدٍ فإذا اختلف هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذاكان يدا بيد رواه مسلم..‘‘ (البحر الرائق ۶/ ۲۱۰) (مولانا محمد شاکر نثار اعظمی مدنی، مولانا ابوالمکارم معروفی، مولانا ابوسفیان مفتاحی)۔

’’ولا يجوز بيع الجيد با لردى مما فيه الربا وإلا مِثلا بمثل لإهدا ر التفاوت فى الوصف‘‘ (ہدایہ ۳/ ۶۱) (مفتی سلمان پالنپوری، مفتی سعید الرحمٰن قاسمی، مفتی محمد شاہد حسین مولانا خورشید اعظمی مدنی، مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مفتی محمد سعید اسعد قاسمی)۔

’’والجيد والردى والتبر المضروب والصحيح والمكسور سواء فى جواز البيع مع التما ثل وتحريمه مع التفا ضل وهذا قول أكثر أهل العلم‘‘(المغنی ۸/ ۴) (مولانا خورشید انور اعظمی)۔

’’ فإن با ع فضة بفضة وذهبا بذهب لايجوز إلا مثلا بمثلٍ وإن اختلف فى الجودة والصيا غة‘‘ (ہدایہ ۸۱/۳) (قاضی عبد الجبار طیب ندوی، مولانا عبد الحیی مفتاحی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی جنید بن محمد پالنپوری، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی سعید الرحمٰن قاسمی، مفتی عبد الباسط پالنپوری بحوالہ قدوری رص ۷۵، مولانا عبد الحیی مفتاحی)۔

’’ويشترط التما ثل أى التساوى وزنا والتقابض با لبرا جم.... إن اتحد جنسا وإن اختلفا جو دة وصيا نة‘‘(تنویر الابصار مع الرد ۷/ ۵۲۱، ۵۲۲) (مولانا ابوالمکارم معروفی)۔

’’ لا تبيعوا الذهب با لذهب إلا مثلا بمثل‘‘ (مسلم ۲/ ۲۴) (مفتی عبد الرحیم قاسمی، مفتی عبد الباسط قاسمی پالنپوری مفتی فیاض احمد محمود برمارے حسینی، مولانا عبد اللہ خالد بحوالہ بخاری برقم الحدیث: ۲۱۷۶، مولانا ابوسفیان مفتاحی بحوالہ تکملۃ فتح الملہم ۱/ ۵۹۷)۔

قاضی عبدالجلیل قاسمی لکھتے ہیں:'' اگر نئے پرانے دونوں قسم کے زیورات میں کوئی دوسری دھات شامل ہے تو دھات کومنہا کر کے دونوں میں برابری ضروری ہوگی،.....کم وبیش میں ربا تفاضل ہوگا''۔

☆ دوسرا موقف: چند شرائط کے ساتھ معاملہ جائز ہے،مولانا محمد سعد نورالقاسمی مولانا روح الامین نے جواز کی دوشکلیں بیان کی ہیں:

۱-اگر زیور سادہ ہوتو اس کے ساتھ کوئی اور چیز جیسے (Immitetion) زیور میں شامل کرلے۔

۲-اگر زیور نگینہ یا کسی اور طرح کا جڑاؤ والا ہے تو بھی وزن میں کمی بیشی کے ساتھ معاملہ درست ہوگا۔بشرطیکہ مرکب زیور میں شامل سونا مفرّ ز سونے سے کم یا زیادہ ہو مساوی یا زائد نہ ہو(بحوالہ بہشتی زیور ۵/۲۷و۲۸)،مولا سعد نور نے مزید شکلیں بیان کی ہیں(بحوالہ زر کا تحقیقی مطالعہ رص ۱۸۰)،ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی (بحوالہ انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی جدہ کے فقہی فیصلے رص ۲۶۵ و اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/ ٦٦)،نیز شرح فتح القدیر کی درج ذیل عبارت نقل کی ہے:

" ولو قال اعطنی نصف درهم فلو سا ونصف إلا حبة جا ز لأنه قابل الدرهم بما يبا ع من الفلوس بنصف درهم وبنصف درهم إلا حبة فيكون نصف درهم إلا حبة بمثله وما وراء ه بإزاء الفلوس" (شرح فتح القدیر ۵/ ۳۸۸)۔

☆ تیسرا موقف: عموماً قیمتوں سے قدیم اور جدید سونے وزیورات کے معاملے ہوتے ہیں جو کہ جائز ہے،قیمتوں سے عقد کی صحت پر ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں پوری کہتے ہیں:'' تاجر حضرات پرانے زیور کو کم قیمت میں روپے سے خریدتے ہیں اور پھر نئے زیور روپیوں میں بیچتے ہیں،لہذا جنس مختلف ہونے کی وجہ سے ربا تفاضل کا اطلاق نہیں ہوگا''،یہی خیال مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی اور مفتی نثار احمد گودھروی کا بھی ہے(بحوالہ زر کا تحقیقی مطالعہ ڈاکٹر مولانا عصمت اللہ کراچی)،مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی اور مفتی محمد عثمان بستوی نے بھی ظاہر کیا ہے،لکھتے ہیں:'' یہ وہی طریقہ ہے جس کی تعلیم آپ ﷺ نے دی'' خیبر کے موقع پر تمر جنیب کے واقعہ سے استدلال کیا،روایتِ حدیث کا آخری حصہ یہ ہے:"... **والله يا رسول الله إنا لنأخذ الصا ع من هذا با لصا عين والصاعين بالثلا ث فقال رسول الله ﷺ لا تفعل! بع الجمع با لدراهم ثم ابتع بالدراهم جنيبا"** (بخاری برقم الحدیث:۲۲۰۱)(مقالہ:مولانا انور علی الاعظمی،مولانا نعمان انور،بندہ محمد اشرف قاسمی گونڈوی)۔

مفتی عبداللہ خالد نے'' المبسوط'' کی درج ذیل عبارت پیش کی ہے:

"ولابأس ببيع الفضة جزا فاً با لذهب أو با لفلوس أو با لعروض لانعدام الربا بسبب اختلا ف الجنس" (المبسوط ۱۴/ ٦۹)۔

☆ چوتھا موقف: اکثر مقالہ نگاروں نے عدم جواز کے ساتھ ہی حیلۂ جواز بھی بیان کیا ہے۔مفتی مقصود علی فرقانی لکھتے ہیں:'' جواز کی شکل یہ ہے کہ پرانا زیور فروخت کیا جائے اور اس کی قیمت سے دوسرا زیور خرید لیا جائے''(مفتی عبدالرحیم قاسمی،مفتی محمد

سلطان القاسمی، مولانا عمرامین الہی، مفتی محمد روح اللہ قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا نعمان انور، مفتی عبدالحمید قاسمی دیناجپوری، مولانا انورعلی اعظمی، مولانا ابوالمکارم معروفی، ڈاکٹرظفرالاسلام صدیقی، مولانا عمران بن دین محمد پالنپوری)۔

مفتی فیاض احمد محمود برمارے حسینی نے دوحیلہ جواز بیان کیا: ایک تو روپیوں سے خرید وفروخت کا دوسرا یہ کہ: ہرایک اپنا سونا اپنے ساتھی کو قرض دے پھر اس سے بری کردے یا پھر زیادتی کو ہبہ کردے اور یہ درست ہے، بعدہ درج ذیل فقہی اقتباسات نقل کیا ہے:

" **والحیلة فی تملیک الرِّبَوِیّ بجنسه متفا ضلا کبیع ذهب بذهب متفا ضلا أن یبیعه من صاحبه بدراهم أو عرض ویَشْتَرِیُ مِنهُ بها أو به الذهب بعد التقا بض یجوز وإن لم یتفرقا ولم یتخا یرا التضمنَ ا لبیعَ الثانیَ، أجا زه الأول بخلا ف مع الأجنبی أو یُقْرَ ضَ کلٌّ صا حبَه ویبرئه أو یوا هبا الفا ضل لصا حبه وهذا جائز**" (مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۷، اعانۃ الطالبین ۳/ ۳۵، حاشیۃ قلیوبی مع کنز الراغبین ۲/ ۱۴۶۶)۔

مفتی عبدالباسط قاسمی پالنپوری کہتے ہیں: "البتہ اگر دونوں عقد الگ الگ ہوں کہ پرانا زیور کم قیمت میں خریدا جائے اور نئے زیور زیادہ قیمت میں فروخت کیا جائے تو جائز ہے، بشرطیکہ عاقدین رضامند ہوں"۔

☆ آخری غیرواضح موقف ہے، ڈاکٹر محی الدین غازی نے اپنا موقف واضح طور پر بیان کرنے کے بجائے کہا: "جن لوگوں کے نزدیک ربا تفاضل جائز نہیں ہے ان کے نزدیک یہ صورت بھی جائز نہیں ہے"، سوال یہ ہے کہ کیا کسی کے نزدیک ربا تفاضل جائز ہے؟

مفتی محمد ذکاء اللہ شبلی نے کہا: "دونوں قسم کے سونے میں اگر حقیقی فرق ہو تو جائز ہے۔" "حقیقی فرق" توضیح طلب ہے؟

مفتی عبدالمنان صاحب کے مقالہ میں ص نمبر دو بندہ کو دستیاب نہیں ہوسکا، صفحہ ایک کے بعد ص ۳/ پر جواب نمبر ۶/ شروع ہوتا ہے، اس لیے موصوف کے جوابات ۳/ ۴/ ۵ کے دلائل پر غور نہیں کیا جاسکا، البتہ مقالہ میں آخری صفحہ پر خلاصہ سے ان کے خیالات نقل کئے گئے ہیں۔

مولانا ظفر عالم ندوی نے سوال نمبر (۳) سے کوئی بحث نہیں کی ہے۔

راقم الحروف کا خیال ہے کہ قدیم وجدید سونے کی خریداری اصالۃً روپیوں سے ہوتی ہے، جیسا کہ تیسرا موقف ہے، اس لیے اس معاملے میں ربا تفاضل اور ربا نسیئہ نہیں پایا جاتا، بریں بنا روپیوں سے قدیم زیور کی قیمت طے کی جائے اور جدید کی زیادہ، تو جائز ہے مخصوص حالات میں، چوتھے موقف میں بیان کردہ حیلۂ جواز، اور دوسرے موقف میں مذکورہ شرائط بھی اسی جہتِ جواز کو ظاہر کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۴: آج کل کمیوڈیٹر ایکس چینج میں دوسری اشیاء کے ساتھ سونے چاندی کی بھی خرید وفروخت ہوتی ہے، جس میں خریدار آرڈر دیتا ہے اور جو کچھ اس نے آرڈر دیا ہے، اس کے آرڈر کے بقدر وہ شئ اس کے نام سے محفوظ کردی جاتی ہے، اس سلسلے میں چند باتیں قابل غور ہیں:

الف: اگر سونا فروخت کرنے والے ادارے کے پاس مثلاً ایک کلو سونا ہو اور وہ دو سو افراد کو پچاس پچاس گرام سونا فروخت کرے، لیکن ان سب کا خریدا ہوا سونا سونے کی اینٹ میں شامل ہو، ان کے الگ الگ بسکٹ یا سکے نہیں بنائے جاتے ہوں تو کیا اس کو خریدار کا قبضہ سمجھا جائے گا؟

ب: اگر ہر خریدار کے لیے اس کی خریدی ہوئی مقدار کا سکہ الگ سے موجود ہو اور اس کو کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں اس کے نام سے درج کر دیا گیا ہو تو کیا اس اندراج کو قبضہ کے لیے کافی تصور کیا جائے گا؟

اس سلسلے میں سات آراء ہیں:

☆ پہلا موقف: (الف) قبضہ درست ہے، (ب) اور اس کی بیع جائز ہے، مفتی محمد عثمان بستوی نے سوال میں غیر جامعیت کی طرف اشارہ کیا کہ:

''انسب یہ تھا کہ قبضہ سے پہلے اس میں تصرف کے جائز ہونے نہ ہونے کا سوال کیا گیا ہوتا، نہ کہ صرف قبضہ کا، کیوں کہ صرف قبضہ کے تحقق یا عدم تحقق کا سوال، بذات خود اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا ہے''۔

پھر مسئلہ سے متعلق پانچ نکات کی نشاندہی کی، اور مسئولہ دونوں جہتوں کے تعلق سے سیر حاصل بحث کے بعد کہا کہ ''سونے چاندی کے سکے یا اینٹ کی متعینہ مقدار خریدنے کی صورت میں کمپیوٹر اور ریکارڈ رجسٹر میں اندراج....تعیین کے لیے کافی معلوم ہوتا ہے، سونے چاندی کی خرید وفروخت کا یہ طریقہ شرعاً جائز ہے بشرطیکہ ایک عوض پر قبضہ پا لیا جائے، کیونکہ سونے چاندی ثمن ہیں اور ثمن میں تصرف کے لیے قبضہ لازم نہیں بلکہ تعیین وبیان کافی ہے''۔

مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی: ''(الف) خریداری کے وقت رسید دی جاتی ہے اس کو قبضہ شمار کیا جائے گا، (ب) اندراج کو قبضہ کے لیے کافی تصور کیا جائے گا''، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی (بحوالہ فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے ص ۳۲۶)۔

مفتی ذکاء اللہ شبلی: ''(الف)(ب) چوں کہ وعدہ کے تحت اس کا اس قدر حصہ طے ہے اس لیے جائز ہوگا''۔

مولانا ظفر عالم ندوی: (الف) قبضہ اصالۃً بھی درست ہے اور وکالۃً بھی، (ب) مبیع کا مشتری کے ضمان میں آنا شرط ہے ایکسچینج آفس کا اندراج عرف عام میں ضمان وقبضہ کے درجہ میں ہوتا ہے، یہ کاروبار بذریعہ وکالت ہے جس میں کوئی حرج نہیں، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی کے نزدیک پہلی صورت شرکت (مشاع) ہے، اور دوسری صورت میں قبضہ مزید واضح ہے۔ ''وقد احتج به أی بحديث عمر فی قصة البعير الصعب الما لكية والحنفية أن القبض فی جميع الأشياء با لتخلية وإليه مال البخا ری''(فیض الباری شرح البخاری ۲۰۶/۳) حسی قبضہ سے قبل، آپ ﷺ نے اونٹ کو ہبہ فرمایا۔

'' وكل عقد أن يعقد ه الإنسان بنفسه جاز اَنْ يُوَ كِّلَ بِهِ غيرَه لأن الإنسان قد يعجز عن المُبَا شَرَةِ بنفسه على أعلى اعتبا ر بعض الأحوال فيحتا ج إلى أن يُوَكِّلَ غيره فيكون بسبيل منه دفعا للحا جة وقد صح أن النبی ﷺ وكل با لشراء حكيمَ ا بْنِ حزامٍ''(ہدایہ ۷۲/۳)۔

☆ دوسرا موقف: شرکت مشاع-ایک اینٹ کے تمام شرکاء پوری قیمت ادا کریں، مفتی محمد سلطان قاسمی کے نزدیک پہلی صورت میں سونے کی (ایک) اینٹ مشترکہ طور پر (شرکاء کی) ملکیت ہوگی، البتہ اس صورت میں مکمل قیمت کو ادا کرنا ضروری ہے، ورنہ بیع الکالی بالکالی ہو جائے گی جو کہ حرام ہے، دوسری صورت (ب) کمپنی اس کا وکیل ہے، اس لیے کمپنی کی طرف سے اس کا رجسٹریشن قبضہ مانا جائے گا۔

☆ تیسرا موقف: (الف) و (ب) بہر صورت قبضہ نہیں مانا جائے گا (مفتی محمود احمد برمارے حسینی)۔

"**ولا يصح بيع المبيع قبل قبضه**" (منہاج الطالبین مع مغنی المحتاج ۶۸/۲)، نیز "**المبيع قبل قبضه من ضمان البا ئع بمعنى انفسا خ البيع بتلفه وثبو ت الخيا ر بتعيبه، وبا تلافه لأجنبى له لبقاء سلطنته عليه**" (منہاج المغنی ۶۵/۲)۔

ڈاکٹر شاہجہاں ندوی (الف) "**ولا تبيعوا منها غائبا بناجز**" (صحیح بخاری برقم الحدیث: ۲۱۷۷، مسلم برقم الحدیث: ۱۵۸۴) "**قال النبى** ﷺ: **ماكان يدا بيدٍ فلا بأ س به**" (البخاری برقم الحدیث ۲۰۶۰، مسلم ۱۵۸۹) "**المرا د با لقبض هنا القبض با لبراجم لا بالتخلية**" (البحر الرائق ۲۰۱/۶)۔

مولانا روح الامین صاحب کہتے ہیں کہ "دونوں صورتوں میں چوں کہ قبضہ ضمان مشتری کی طرف منتقل نہیں ہوتا ہے اس لیے یہ قبضہ غیر متحقق ہے، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا خورشید انور اعظمی، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مولانا مقصود علی فرقانی کے نزدیک محض کمپوٹر میں اندراج سے خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔

مفتی جنید بن محمد پالنپوری: "**إن الدراهم والدنانير لا تتعين با لتعيين وإنما تتعين با لعقد فشرطنا التقا بضَ للتعيين لا للقبض**" (بدائع ۲۹۱/۵) "**فإن الدراهم والدنانير لا تتعين با لعقد إلا با لقبض**" (فتح القدیر ۱۶۰/۶) (مفتی انور علی اعظمی، مولانا نعمان انور اعظمی)۔

مولانا عبدالحیی مفتاحی کے نزدیک چونکہ بائع کی طرف سے محض اندراج کر دینے سے، مشتری مبیع میں اپنی حسب خواہش کوئی تصرف نہیں کرسکتا ہے، اس لیے یہ قبضہ حسا اور حکما غیر معتبر ہے (مستفاد از اسلام اور جدید معاشی مسائل ۹۸/۲، ۹۹)۔

مفتی نثار احمد گودھروی کے نزدیک پہلی صورت میں بیع الدین بالدین ہے اور دوسری صورت میں بھی مبیع خریدار یا اس کے وکیل کے قبضہ میں نہیں آتی ہے، اس لیے کمپوٹرائز ڈ اندراج قبضہ نہیں متصور ہوگا (بحوالہ فتاوی عثمانی ۱۵۷/۳)۔

مفتی محمد روح اللہ قاسمی حسی اور حکمی قبضے کے تعلق سے (فتاوی عثمانی ۱۵۷/۳) کا اقتباس نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

"اگر اسے قبضہ تصور کرلیا جائے تو ان اداروں میں غیر معمولی شرعی بے احتیاطیوں کے پیش نظر عین ممکن ہے کہ اس تقسیم و اندراج کے بغیر کبھی مبیع کو آگے فروخت کر دیا جائے.....اس لیے اس صورت کو بھی قبضہ ماننا بڑا دشوار معلوم ہوتا ہے"۔

مولانا اختر امام عادل قاسمی کے نزدیک، صورت مسئولہ میں چوں کہ مشتری کے لیے مبیع فارغ نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کے

ضمان میں آتی ہے، اس لیے بسکٹ یا اینٹ بہر دو صورت قبضہ، غیر متحقق ہے، لیکن ساتھ ہی حنابلہ کا مذہب نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''البتہ حنابلہ کے یہاں توسع اور حق غیر میں مشغول اور غیر ممیّز ہونے کے باوجود قبضہ مکمل ہوجاتا ہے'' (المغنی ۴/ ۳۳۳، کشاف القناع ۳/ ۲۰۲)۔

☆ چوتھا موقف: (الف) قبضہ نہیں مانا جائے گا (ب) قبضہ مانا جائے گا (مقالہ: قاضی عبدالجبار طیب ندوی)۔

'' ویعتبر فی التسلیم أن یکون المبیع مفَرَّزًا غیرُ مشغول بحق غیرہ ھکذا فی الوجیز لکردری، وأجمعوا علی أن التخلیة فی البیع الجائز تکون قبضا'' (فتاوی ہندیہ ۳/ ۱۶) (مفتی سعید الرحمٰن قاسمی، مولانا نعمان انور، مفتی سلمان پالنپوری مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی عبدالمنان، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی) (بحوالہ ردالمحتار مع الدر ۴/ ۴۴)۔

'' فا لتسلیم والقبض عندناھو التخلیة، والتخلی ھو أن یتخلی البائع بین المبیع وبین المشتری برفع الحا ئل بینھما علی وجہ یتمکن المشتری من التصرف فیہ فیجعل البائع مسلما للمبیع والمشتری قابضا لہ'' (بدائع الصنائع ۵/ ۲۴۴)، مفتی انور علی اعظمی، مفتی شاہد حسین، مفتی عبداللہ خالد ندوی، [ب] سامان متعین ہو موجود ہو حقیقی طور پر مبیع پر قبضہ کی صورتیں متحقق ہوں (مولانا محمد سعد نور القاسمی، مفتی محمد سعید اسعد قاسمی)۔

مفتی شاہد حسین دوسری صورت (ب) میں یہ شرط لگاتے ہیں کہ ''خریدی ہوئی مقدار کا سکہ الگ سے موجود ہو جس پر مشتری اپنی مرضی اور سہولت سے بلا رکاوٹ قبضہ کرسکتا ہو تو اس اندراج کو قبضہ کے لیے کافی سمجھا جائے گا''۔

'' وضابط القبض ھو العرف علی الصحیح فقد یکون بکیلہ وقد یکون بالا یواء.... وکذا القید فی دفا تر المصرف'' (مجلة مجمع الفقہ الاسلامی ۱۰/ ۱۲/ ۳۱۲) (مولانا شاکر نثار اعظمی مدنی)۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی نے پہلی صورت میں قبضہ کو نہیں تسلیم کیا اور دوسری صورت میں انکار ہی کا رخ اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''خریدار خود ہی اپنے تصرف میں لے کر کمپیوٹر میں یا ریکارڈ رجسٹر میں اندراج کردے''۔

☆ پانچواں موقف: چند شرائط کے ساتھ قبضہ مانا جائے گا (مفتی عبدالباسط پالنپوری)، (الف) ''لایُشْتَرَطُ الْقَبْضُ بالبراجم لأن معنی القبض ھو التمکین والتخلی وارتفا ع الموانع عرفا وعادة حقیقة'' (بدائع الصنائع ۵/ ۱۴۸) تین شرطوں کے ساتھ یہ معاملہ درست ہوگا۔

۱- قیمت فوری طور پر ادا کردی جائے۔

۲- مبیع بائع کی ملک میں ہو۔

۳- مبیع متعین وممتاز ہو (جدید مالیاتی ادارے/ ص ۹۰)۔

(ب) خریدی ہوئی مقدار الگ ہو تو رجسٹر میں مشتری کے نام کا اندراج قبضہ ہوگا، اور مبیع بائع کے پاس بطور امانت ہوگی نہ ضمانت۔ (الف وب)، یہی رائے مولانا عمران بن دین محمد کی ہے۔

☆ چھٹا موقف: محض آرڈر سے بہر دو صورت قبضہ متحقق نہ ہوگا، البتہ دوسری صورت (ب) میں درج ذیل تین شرطوں کے ساتھ جائز ہے (مفتی عبدالرحیم قاسمی اور مولانا ابوالمکارم معروفی)۔

۱-" أن يقع البيع باتا ويكون الثمن متعينا غير مذبذب"۔

۲-"أن يخلى البا ئع بين الذهب المشترى بحيث يمكن للمشترى أن يقبض الذهب المبيع متى شاء"۔

۳-"أن يكون الذهب المبيع مفصولا عن غير المبيع ويكون فى ضمان المشترى بحيث إن هلك أو سرق فإنه يهلك من مال المشترى وليس من مال البا ئع" (فتاویٰ عثمانی ۳/ ۵۴)۔

مولانا عمر امین الٰہی ان شرطوں کو بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ: "لیکن یہ جواز کی امکانی صورتیں ہیں کیوں کہ احقر کی معلومات کے مطابق جیسا کہ اس نے ماہرین سے اس سلسلے میں گفتگو کی، ان کے یہاں یہ ساری حدود وقیود نہیں ہیں، نہ ہی شرطیں پائی جاتی ہیں، بلکہ ان کا بھی یہی ماننا تھا کہ کوڈیٹی ایکس چینج میں خرید وفروخت مقصود ہی نہیں ہوتی صرف بھاؤ کی کمی بیشی سے فائدہ اٹھانا مقصود ہوتا ہے" (بحوالہ فقہ البیوع ۱/ ۴۱۴)۔

☆ ساتواں موقف: سوق منظّم کمپوٹرائز رجسٹریشن قبضہ ہے، غیر سوق منظّم قبضہ نہیں ہے، ڈاکٹر محی الدین غازی، (الف) سکہ اینٹ میں ہو یا الگ بہرصورت رجسٹر میں اندراج قبضہ ہوگا، شرط یہ ہے کہ اس سکہ یا اینٹ میں تصرف کا اختیار بائع کو نہ ہو، جیسے سوق منظّم اسٹاک اکسچینج اور بینک وغیرہ میں ہوتا ہے۔ (ب) چونکہ "سونے کا کاروبار سوق منظّم کے تحت نہیں ہے، اس لیے معدوم اشیاء کی بیع کا قوی امکان ہے"۔

مفتی عبدالحمید قاسمی دیناجپوری نے سوال نمبر (۴، ۵) سے کوئی تعارض نہیں کیا۔

راقم الحروف کا خیال ہے کہ: پہلی صورت (الف) میں جب کہ صاف صاف طور یہ بتایا جائے کہ اینٹ میں اس کا حصہ (یونٹ) ہے، تو بیع تو منعقد ہو جائے گی اور مشتری اپنی یونٹ کا قانونی طور پر حق دار ہوگا، لیکن اینٹ مشاع پر کمپوٹرائز اندراج قبضہ نہیں ہوگا۔

دوسری صورت (ب) میں قبضہ مانا جائے گا، کمپوٹرائز اندراج کے سلسلے میں ناچیز نے اپنے مقالے میں آن لائن اندراج کو کافی قرار دیا ہے، لیکن جملہ مقالوں کے مطالعہ کے بعد ساتویں موقف کی منطقی افادیت کو دیکھتے ہوئے اُسی کمپوٹرائز اندراج کی صورت کو قبضہ ماننا درست سمجھتا ہے جو کہ سوق منظّم کے تحت ہو، یعنی کامل طور پر حکومتی نگرانی میں ہو۔ جیسے بینک اور اسٹاک ایکسچینج میں ہوتا ہے۔ اگر اس طرح کمپوٹرائز سونے کی تجارت پر حکومت کی قانونی بندشیں نہ ہوں تو پھر دوسری صورت (سکہ الگ ہو) بھی قبضہ کے لیے کافی نہیں ہے، نیز ایسی بیع وشراء سے خدع وفریب کا دروازہ بھی کھلنے کا قوی امکان ہے۔ اس لیے سوق غیر منظّم کے کاروبار سے بچنا ضروری ہے۔

سوال نمبر ۵- ایکسچینج کے ذریعہ کاروبار کی ایک اور صورت جو آج کل رائج ہے، یہ ہے کہ مثلا ایک مہینے کے لیے ادھار ایک مخصوص مقدار جیسے ۱۰ر تولے سونے کا سودا کرلیا جاتا ہے، خریدار سونے پر قبضہ نہیں کرتا، جب ادائیگی کی تاریخ آتی ہے تو سونے کے اس دن کے نرخ کو دیکھ لیا جاتا ہے، خرید کے دن اور ادائیگی کے دن سونے کے نرخوں میں جو فرق ہوتا ہے، اس کی ادائیگی کردی جاتی ہے، مثلا خریدنے کے دن سونے کا نرخ پانچ ہزار روپے فی تولہ تھا، ادائیگی کے دن پانچ ہزار ایک سو روپے تولہ ہو گیا تو خریدار بائع کو ایک سو روپے دے گا، اور اگر اس دن چار ہزار نو سو تھی تو بائع خریدار کو ایک سو روپے ادا کرے گا، نہ تو مشتری سونے پر قبضہ کرتا ہے اور نہ ہی بائع قیمت پر قبضہ کرتا ہے، بس نرخ میں کمی بیشی سے جو فرق آتا ہے، اس کا لین دین کر لیتے ہیں، اس صورت کا کیا حکم ہے؟

☆ مفتی ذکاء اللہ شبلی صاحب کی تحریر میں نمبر (۵) کے تحت ''کافی سمجھا جائے گا'' لکھا ہوا ہے۔ یہ جملہ غالباً سوال نمبر (۴) کے جزو (ب) کمپیوٹر اندراج کو قبضہ کے بارے میں ہے، اور سوال (۵) کا جواب، نمبر (۶) کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ''بیع کی یہ صورت جائز نہیں''۔

☆ باقی تمام مقالہ نگار اس عقد کے عدم جواز پر متفق ہیں، البتہ کچھ لوگوں نے جواز کی شکلیں بیان کی ہے: اولاً مطلقاً عدم جواز کے قائلین کے اسماء اور دلائل ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں، اکثر تحقیق کاروں نے فسادِ عقد کے بنیادی عوامل میں قمار اور بیع الکالی بالکالی کو شمار کیا ہے۔

'' **نهى رسول الله ﷺ من بيع الكالى با لكا لى**''(السراج المنیر للعزیزی ۴/۲۷۳)'' یہ مقصد بیع سے زیادہ قمار سے مشابہ کردیتا ہے'' (فقہی مقالات ۲/۲۱۳) (مقالہ مفتی انور علی اعظمی)، (یہی دلائل درج ذیل لوگوں کے بھی ہیں: مولانا نعمان انور اعظمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا عمر امین الہی، مفتی عبدالرحیم قاسمی (بحوالہ فتاوی عثمانی ۳/۱۵۳، بحوالہ اسلام اور جدید معاشی مسائل ۳/۲۴) مولانا ابوالمکارم معروفی، مفتی محمد شاہد حسین، مفتی نثار احمد گودھروی، مولانا عبدالحیی مفتاحی، مولانا محمد سعد نور القاسمی، مولانا روح الامین (بحوالہ فقہی مقالات ۵/۵۱، فقہ البیوع ۱/۴۱۴)، مفتی عبدالباسط پالنپوری (بحوالہ مشکوۃ ۲۲۸)، مولانا اشتیاق احمد اعظمی قاسمی (بحوالہ اسلام اور جدید معیشت وتجارت ر ص ۹۱، سٹہ کا بیان ر ص ۵۷)، مفتی سعید الرحمٰن قاسمی، مولانا عمر امین الہی، ڈاکٹر محی الدین غازی، مفتی محمد روح اللہ قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مفتی روح اللہ قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی سلمان پالنپوری، عمران بن دین محمد پالنپوری، مفتی محمد سعید اسعد قاسمی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی)۔

''**قال رسول الله ﷺ لايحل سلف وبيع ولا شرط فى بيع ولا ربح مالم يضمن ولا بيع ماليس عندك**''(ترمذی ۱/۲۳۳ ابواب البیوع) (مولانا فروغ احمد اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی)۔

''**هو من أكل المال با لبا طل لأن المقا مريقول لصا حبه إن كان كذا فلى كذا وإن لم يكن كذا فلك كذا**''(شرح صحیح بخاری لابن بطال ۶/۱۹۶) (مولانا خورشید انور اعظمی)۔

'' **لأن القمار من القمر الذى يزداد تا رة فينقص أخرى، وسمى القما ر قما را، لأن كل واحد من**

المقامرين ممن يجوز أن يذهب مالُه إلى صاحبه ويجوز أن يستفيد ما ل صا حبه وهو حرام با لنص"(ردالمختار ۹/ ۵۷۷)(مفتی جنید بن محمد، مولانا محمد شاکر نثار احمد اعظمی مدنی بحوالہ بحر ۷/ ۹۱)۔

"قبل القبض فروختگی کی وجہ سے ناجائز ہے"(مفتی عبدالمنان صاحب، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مفتی مقصود علی فرقانی، قاضی عبدالجبار طیب ندوی)۔

☆ قاضی عبدالجلیل قاسمی نے کہا کہ "یہ صورت اقالہ ہے، اس لیے ناجائز ہے، نیز سود کا دروازہ بھی کھل جانے کا اندیشہ ہے"، نیز "بیع موقت ہے، اس لیے ناجائز ہے،" أن لا يكون مؤقتا فإن أقته لم يصح" (ہندیہ ۳/ ۳)، یہی رائے ڈاکٹر مفتی محمد شاہ جہاں ندوی کی ہے)۔

☆ مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی عقد صرف کے اصولوں کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناجائز مانتے ہیں۔

مفتی فیاض احمد برمارے حسینی کہتے ہیں: خیار شرط کی مدت تین دن کے بعد، نرخ میں کمی زیادتی جائز نہیں ہے، اس لیے معاملہ ناجائز ہے۔

"فنها نا رسول الله ﷺ أن نبيعه حتى ننقله من مكانه"(مغنی المحتاج ۲/ ۷۲)،" يثبت خيا ر المجلس فى أنوا ع البيو ع ونقطع با لتخاير بأن يختار لزومه... وبا لتفرق ببدنها ولأحدهما شرط الخيار فى أنواع البيع وانما يجوز فى مدة معلومة لاتزيد على ثلا ثة أيام تُحسَبُ من العقد"(منہاج مع مغنی المحتاج ۲/ ۴۳، ۴۸)۔

مفتی محمد عثمان بستوی لکھتے ہیں: "اصل جو ہر مبیع، قبضہ میں نہیں آتا ہے اس لیے عقد ناجائز ہے، فقہاء نے بھی ربح مالم یضمن، بیع قبل القبض، اور مسلم فیہ کے بدلے میں کوئی اور چیز وصول کرنے کی ممانعت کی تصریح فرمائی ہے۔" وبيع المسلم فيه عن با ئعه أو من غيره قبل قبضه فا سدٌ"(المغنی ۴/ ۳۴۱)۔

☆ دوسرا موقف بھی عدم جواز ہی کا ہے لیکن کچھ قیودات کے ساتھ جواز کی شکلیں بھی معلوم ہوتی ہیں۔ مفتی سلطان قاسمی لکھتے ہیں: "یہ صورت حرام ہے کیوں کہ یہ بیع الکالی بالکالی ہے، البتہ باضابطہ قیمت ادا کر کے سونا خریدے، پھر اس کو تجارت کے لیے دے تو اس صورت میں یہ معاملہ درست ہو جائے گا"۔

مولانا سعد نور القاسمی صورت مسئولہ سے متعلق عدم جواز کے ساتھ ہی لکھتے ہیں: "البتہ یہ شرط ہے کہ ایک جانب سے مال پر قبضہ، جدا ہونے سے پہلے کر لیا جائے۔ "لكن يجب أن يكون تقابض أحد البدلين فى المجلس إذا كان ذهبا خا لصا وأن يُعْرَفَ الأجل عندا لعقد" (فتاوی عثمانی ۳/ ۱۵۹)، مولانا ظفر عالم ندوی کی بھی یہی رائے ہے۔

مفتی عبداللہ خالد معاملے کو ناجائز ثابت کرنے کے بعد مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی تحریر کا ایک اقتباس نقل کرتے ہیں:

"کسی شخص سے سونا خرید کیا اور سونا اپنی تحویل میں لے لیا یا اپنی تحویل میں نہیں لیا، لیکن آپ کے نام کا وہ سونا الگ کر دیا گیا

تواب آپ کے لیے بعد میں اس کوفروخت کرنااور بڑھی ہوئی قیمت سے فائدہ اٹھانا جائز ہوگا،اوراگرآپ کے حصے کاسونا الگ نہیں کیا گیاتواس کاقبضہ متحقق نہیں ہوا،لہذا آپ کے لیےاس کو بیچنااوراس پرنفع اٹھانا ناجائز ہوگا'' (کتاب الفتاوی۹/۴۴۹)۔

راقم الحروف کابھی خیال ہے کہ یہ معاملہ قماراورصفقة فی صفقة اوربیع قبل القبض وغیرہ قباحتوں کی وجہ سے ناجائزاورحرام ہے۔لیکن یہ کاروبار،سوال میں ذکرکردہ اتنی مختصرباتوں پرنہیں ہوتاہوگااگراس کی پوری تفصیلات اورشرطیں معلوم کی جائیں توممکن ہے کہ:محصولات ومالیات کی قوت کوباقی رکھنےاورانہیں مستحکم بنانے کے لیےعقدمقائضة ،بیع تلجئة ،بیع الوفاء،بیع العینة ،جیسی مختلف جائز وناجائزبیوع کی مماثلت کےساتھ کچھ ایسی جائزشکلیں دستیاب ہوجائیں جوجدیدکاروباری دنیامیں قماراورربواوغیرہ حرام کاروبارسے حفاظت کاذریعہ ثابت ہوں،جیسا کہ دوسرے موقف میں کچھ قیودات کےساتھ جوازکی شکلیں بتائیں گئیں ہیں،اس لیےمناسب ہے کہ اس کاروبارکی پوری تفصیل حاصل کی جائے۔

☆☆☆

عرض مسئلہ:

سونے چاندی کی ذخیرہ اندوزی، اسمگلنگ اور پلاٹین کا حکم
(سوال نمبر ۶-۸)

ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی☆

الحمد لله رب العلمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء وإمام المرسلين وعلى آله وأصحابه أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

اسلامک فقہ اکیڈمی کے چھبیسویں فقہی سمینار کا ایک اہم موضوع "سونا چاندی کی تجارت سے متعلق بعض مسائل" ہے، اکیڈمی نے اس موضوع کے سوال نمبر ۶ تا ۸ پر عرض مسئلہ کی ذمہ داری راقم پر ڈالی ہے، چنانچہ اکیڈمی کے توسط سے اس موضوع پر احقر کو کل ۴۱ مقالات دستیاب ہوئے، مقالہ نویس حضرات کے اسماء گرامی طوالت کی وجہ سے ترک کر رہا ہوں۔

اس موضوع کا چھٹا سوال یہ ہے کہ بہت سی دفعہ سونے کی قیمت میں متوقع اضافہ کا سونے چاندی کے تاجروں کو علم ہوجاتا ہے، ایسی صورت میں وہ سونے کو روک لیتے ہیں تاکہ قیمت بڑھنے کے بعد اسے فرخت کریں، سونا اس پہلو سے اشیاء ضروریہ میں شامل ہے کہ ثمن خلقی ہونے کے لحاظ سے وہ ذریعہ تبادلہ ہے، اس کو روک لینے کی وجہ سے سونے کی قیمت تو بڑھتی ہی ہے، اس گرانی کا اثر دوسری اشیاء پر بھی پڑتا ہے، تو کیا سونے کی ذخیرہ اندوزی اور گراں فروشی کے لئے اس کو روک کر رکھنا احتکار کے دائرہ میں آئے گا؟ اس سوال کے جواب میں دو نقطہ ہائے نظر سامنے آئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

پہلا نقطہ نظر:

پہلا نقطہ نظر یہ ہے کہ سونے کی ذخیرہ اندوزی اور گراں فروشی کے لئے اس کو روک کر رکھنا احتکار کے دائرہ میں داخل نہیں ہے۔

اس نقطہ نظر کے حاملین ہیں: مولانا مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مفتی فیاض احمد محمود برمارے حسینی، مفتی محمد شاہد حسین، مفتی مقصود علی فرقانی، مفتی محمد سعید الرحمن قاسمی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، قاضی محمد ذکاء اللہ

☆ عمید کلیۃ الحدیث جامعہ اسلامیہ، شانتاپورم، مالاپورم، کیرالہ، الہند۔

شبلی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، محی الدین غازی فلاحی، مولانا ابوالمکارم معروفی، مولانا عبدالحی مفتاحی، مفتی نثار احمد، مفتی سلمان پالنپوری، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی محمد سعید اسعد قاسمی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی اور راقم الحروف محمد شاہ جہاں ندوی۔

اس نقطۂ نظر کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- حضرت معمر بن ابی معمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "**من احتکر طعاما فهو خاطئ**" (صحیح مسلم: رقم الحدیث: ۱۶۰۵) جو غلہ کی ذخیرہ اندوزی کرے وہ گناہگار ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس احتکار کی ممانعت ہے اس کا تعلق انسان کی بقا کے لئے ضروری اشیاء خوردنی سے ہے، نہ کہ ہر چیز سے (مقالہ: راقم الحروف)۔

۲- ایک مسئلہ میں نصوص مختلف ہوں، ایک عام اور دوسرا خاص، تو ایسی صورت میں عام کو خاص پر محمول کیا جائے گا، جیسا کہ اہل اصول نے اس کی صراحت کی ہے۔ (موسوعہ فقہیہ، ۲/ ۹۳)۔

تو گویا جن احادیث میں مطلق احتکار کی ممانعت وارد ہوئی ہے وہ بھی غذائی اجناس پر ہی محمول ہے (مقالہ: مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی)۔

۳- موجودہ مارکیٹوں کے حالات کے پیش نظر سونے کی قیمت بڑھنے سے اس کی گرانی کا اثر دوسری اشیاء پر پڑنا یقینی نہیں ہے، لہذا ایسی چیزیں جو براہ راست انسان یا جانوروں کے نظام تغذیہ کو متأثر کرے ان کا احتکار ممنوع ہے، بالواسطہ یا سبب بعید کے طور پر متأثر کرنے والی ذخیرہ اندوزی احتکار ممنوع میں شامل نہیں ہے (مقالہ: مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی سلمان پالنپوری)۔

۴- سونا نہ بیچنا گرانی کا سبب ہوسکتا ہے، لیکن خود سونا انسانی ضروریات کا حصہ نہیں ہے، لہذا اس کا احتکار ممنوع نہیں ہے (مقالہ: مفتی محبوب فروغ قاسمی)۔

۵- قیمت میں متوقع اضافہ کی امید میں سونا کو روک لینا ممنوعہ ذخیرہ اندوزی میں داخل نہیں ہے، اس لئے کہ وہ احتکار ممنوع ہے جو گرانی کے وقت ہو اور اشیاء کو گراں تر کردے، لیکن فطری اسباب کی بناء پر قیمت میں اضافہ ہونے میں سونے چاندی کے تاجروں کا کوئی دخل نہیں ہے۔

۶- اشیاء ضروریہ کی قیمت میں اضافہ محض سونے کی گرانی کی وجہ سے نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس کے بہت سے معاشی اور سیاسی اسباب ہیں اور عام طور سے یہ اضافہ فرضی اسباب کی بنیاد پر، یا حکومت کی غلط پالیسی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اگر حکومت بہتر نظام اور پالیسی پر عمل پیرا رہے تو اشیاء ضروریہ کی قیمت متوازن رہے، لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت غلط پالیسی سے دور رہے اور اپنے نظام کو صاف وشفاف رکھے، نہ یہ کہ ہر چیز کی ذخیرہ اندوزی کو ممنوع قرار دیا جائے (مقالہ: راقم الحروف)۔

۷- سونا اور چاندی طعام نہیں ہے اور ان کی ذخیرہ اندوزی کے مضر اثرات براہ راست عامۃ الناس تک نہیں پہنچتے ہیں (مقالہ: مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی)۔

دوسرا نقطۂ نظر:

دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ احتکار کو طعام میں محصور نہ کیا جائے بلکہ عام رکھا جائے اور دیگر اشیاء میں احتکار کا فیصلہ حاکم کو سونپ دیا جائے کہ اگر وہ ان اشیاء میں بھی غذائی اشیاء کی طرح ضرر شدید محسوس کرے تو احتکار سے روک دے ورنہ اجازت دے دے۔ اس نقطۂ نظر کے حاملین ہیں: مولانا قاری ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی عبداللہ خالد، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی جنید پالنپوری، مولانا روح الامین، مولانا محمد شاکر نثار اعظمی قاسمی مدنی، مولانا عبدالباسط قاسمی، مفتی عمران، مولانا اشتیاق احمد اعظمی قاسمی، مفتی محمد سلطان قاسمی، مولانا محمد عثمان بستوی، مولانا محمد سعد نور قاسمی، مولانا عمر امین الہی، مفتی انور علی اعظمی، مفتی عبدالمنان، مولانا عبدالحمید قاسمی، مفتی محمد ظفر عالم ندوی، مولانا نعمان انور اعظمی، مفتی محمد روح اللہ قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، قاضی عبدالجبار طیب ندوی اور مولانا عبدالحمید قاسمی دیناجپوری۔

اس نقطۂ نظر کے حاملین کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-موجودہ زمانے میں سونے کے احتکار کا اثر انسانوں کی خوراک اور دوسری تمام ضروری اشیاء پر پڑتا ہے، اس لئے سونے کی ذخیرہ اندوزی اور احتکار ناجائز اور حرام ہوگا، اس لئے کہ شریعت کا احتکار سے روکنے کا مقصد انسانوں اور جانوروں سے مضرت اور تکلیف کو دور کرنا ہے (مقالہ: مفتی عبداللہ خالد)۔

۲-احتکار کی شرعی ممانعت عام ہے (مقالہ: مولانا روح الامین)۔

۳-موجودہ زمانے میں ضرر عام صرف انسانوں اور جانوروں کی غذا کے احتکار سے نہیں ہوتا ہے، بلکہ سونے وغیرہ نیز دیگر بہت ساری چیزوں کے احتکار سے بھی ہوتا ہے، لہذا شرعی قاعدہ {الضرر یزال} کے تحت سونے کی ذخیرہ اندوزی بھی احتکار کے دائرہ میں داخل ہونا چاہئے۔

۴-مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب فرماتے ہیں: غیر معمولی حالات میں امام مالک کے نزدیک تمام ہی اشیاء ضروریہ میں احتکار حرام ہے، اور یہی رائے امام ابو یوسف کی ہے، غالبا یہ رائے زیادہ قرین صواب ہے (جدید فقہی مسائل: ۱/۷۷۳، مقالہ: مفتی عبداللہ خالد)۔

۵-شریعت کی روح اور مقاصد سے یہ امر ہم آہنگ ہے کہ جو چیز ضرر عام کا باعث بنے، وہ احتکار میں داخل ہو (مقالہ: مولانا محمد سعد نور قاسمی)۔

۶-منع احتکار کا مقصود عام لوگوں کو ضرر سے بچانا ہے اور ضرر کے جملہ اقسام جو عوام سے متعلق ہوں، سب شامل ہیں، لہذا فی زماننا امام ابو یوسف کا قول اختیار کرنا مقاصد شرع اور مصالح ناس سے زیادہ قریب ہے (مقالہ: مفتی محمد ظفر عالم ندوی)۔

ترجیح:

پہلا نقطۂ نظر راجح معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ سونا انسانی ضروریات کا حصہ نہیں ہے اور انسانی یا حیوانی غذائی اشیاء کا احتکار

اس لئے ممنوع ہے کہ اس کی وجہ سے انسانی زندگی کی بقا خطرہ سے دوچار ہوتی ہے جبکہ سونے کی ذخیرہ اندوزی اس درجہ کی نہیں ہے کہ اس کی خرید وفروخت نہ ہونے سے انسان کی زندگی کی بقا کا مسئلہ پیدا ہوجائے کیونکہ حقیقی احتکار تو یہ ہے کہ لوگوں کو کسی چیز کی ضرورت ہو اور بازار میں اس کی قلت ہو اور ذخیرہ اندوزی کرنے والے اس کو فروخت کرنے کے لئے نہ نکالیں۔

اس موضوع سے متعلق ساتواں سوال یہ ہے کہ (ملک میں جو سونا آتا ہے، اس میں بڑا حصہ تو قانونی طریقہ پر آتا ہے اور سونا لانے والا اس سے متعلق واجبات کو ادا کرتا ہے، دوسرا راستہ اسمگلنگ کا ہے، یہ طریقہ غیر قانونی ہے، اس میں سونا لانے والا ان واجبات کو ادا نہیں کرتا جو حکومت نے سونے کی درآمد سے متعلق مقرر کئے ہیں، کیا یہ اسمگلنگ کا عمل جائز ہوگا، اور کیا اس طریقے پر آنے والے سونے کا خریدنا اور پھر اس کو فروخت کرنا درست ہوگا؟)

اس سوال کی دو شقیں ہیں:

پہلی شق یہ ہے کہ اسمگلنگ کا عمل جائز ہے یا نہیں؟

اس شق کے جواب میں تقریبا تمام مقالہ نگار حضرات کا اتفاق ہے کہ اگرچہ شرعی اعتبار سے ہر ایک آدمی کو اختیار ہے کہ وہ اپنے مال کے ذریعہ اپنی ضرورت یا پسند کی اشیاء جہاں سے چاہے خریدے اور اپنا مال جہاں چاہے فروخت کرے، اس کے باوجود اسمگلنگ (smuggling) یعنی ملکی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بیرون ممالک سے مال لانا یا وہاں مال بھیجنا ناجائز ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-شریعت کی نگاہ میں حکومت کے جائز ضوابط کی رعایت لازم ہے اس کی تکمیل نہ کرنا گناہ ہے، اس لئے کہ یہ ملک کے معاہدۂ شہریت کے خلاف ہے، چنانچہ مسلمان ہر حال میں اپنے عہد کا پابند ہوتا ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**المسلمون عند شروطهم فيما وافق الحق**" (البیہقی، السنن الکبری: رقم الحدیث/۱۴۸۲۱) (موافقِ حق معاملات میں مسلمان شرائط کا پابند ہوتا ہے)، لہذا مصلحت پر مبنی شریعت سے غیر متصادم قانونِ ملکی کی پابندی ضروری ہے (مقالہ: مولانا اختر امام عادل قاسمی)۔

۲-اسمگلنگ کی وجہ سے حکومت، ملک کے باشندگان اور ملکی قانون کی پابندی کرنے والے تاجر حضرات سب کو ضرر میں مبتلا کیا جاتا ہے، جبکہ لوگوں کو ضرر میں ڈالنا حرام ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**لا ضرر ولا ضرار**" (مسند احمد، رقم الحدیث ۲۸۶۵، اور یہ حدیث حسن درجہ کی ہے) (خود ضرر اٹھانا اور نہ دوسروں کو ضرر پہنچانا جائز ہے)۔

لہذا ملک اور اہل ملک کو ضرر پہنچانے والے طریقے سے اجتناب لازم ہے (مقالہ: راقم الحروف)

۳-جان و مال اور عزت وآبرو کو خطرے میں ڈالنا پڑتا ہے، جبکہ عزت وحرمت کی حفاظت مقاصد شریعت میں شامل ہے۔ (مقالہ: روح الامین) اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**ولا تلقوا بايديكم إلى التهلكة**" (سورۂ بقرہ: ۱۹۵) (اور خود کو ہلاکت کے سپرد مت کرو) جبکہ اسمگلنگ میں خود کو ضرر میں مبتلا کرنا بھی پایا جاتا ہے کیونکہ پکڑے جانے پر قید وبند کی صعوبت جھیلنی پڑتی ہے

اورآدمی بےآبروہوجاتا ہے،جبکہ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشادفرمایا:"لا ينبغي للمؤمن أن يذل نفسه، قالوا: كيف يذل نفسه؟قال: يتعرض من البلاء لما لا يطيق" (سنن ترمذی،حدیث نمبر: ۲۲۵۴،اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے)(مؤمن کے لئے مناسب نہیں کہ خودکوذلیل کرے،صحابہؓ نے عرض کیا کہ کوئی خودکوکیسے ذلیل کرے گا؟ تو رسول ﷺ نے جواب میں ارشادفرمایا: خودکوذلیل کرنا یہ ہے کہ نا قابل برداشت مصیبت کی زد میں خودکولے آئے)۔

۴-اسلامی نقطۂ نظر سے کسی کوضرر پہونچانا جائزنہیں ہے، نیز اہل بازارکو نقصان پہنچنے کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی شخص تجارتی قافلے کے شہر میں آنے سے پہلے ہی باہر جاکران سے سامان خریدلے اور بازار میں آکرگراں قیمت میں فرخت کرے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشادفرمایا:"لا تلقوا الركبان" (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۲۱۵۰، ۲۱۶۲)(تجارتی قافلے کی شہرآمد سے پہلے باہر جاکران سے غلہ مت خریدو)۔ تو جب ضرر خاص ممنوع ہے تو پھرضرر عام کی وجہ سے اسمگلنگ بدرجہ اولی ممنوع ہوگی۔

۵-اسمگلنگ میں بہت سے منکرات لازم آتے ہیں، مثلا اکثر جھوٹ بولنا پڑتا ہے اور رشوت دینی پڑتی ہے(مولانا محمد شاکرنثاراعظمی قاسمی وغیرہ)۔

اس سوال کی دوسری شق یہ ہے کہ اسمگلنگ کے ذریعہ آنے والے سونے کاخریدنااور پھراس کو فروخت کرنا کیا درست ہے؟

اس شق کے جواب میں بیشتر مقالہ نویس حضرات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگرکسی نے بچ بچاکر اسمگلنگ کے ذریعہ سونا حاصل کرہی لیاتو حاصل شدہ مال حلال وطیب ہے اور خرید وفروخت کا معاملہ درست ہے بشرطیکہ بیع وشراء کے کسی بنیادی اصول کی خلاف ورزی نہیں کی گئی ہو۔

ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-اسمگلنگ کی ممانعت قبح لغیرہ کی بنیاد پر ہے، لہذا ممانعت کے باوجود بیع جائز رہے گی (مقالہ: مفتی محبوب فروغ قاسمی) جیسا کہ تلقّی جلب وغیرہ میں ممانعت کے باوجود فقہاء نے بیع ہوجانے کے بعد بیع کی صحت کا فتوی دیا ہے۔ جیسا کہ بدائع میں ہے: "ولو باع جاز البيع ، لأن النهي لمعنى في غير البيع" (بدائع: ۴/ ۴۸۰)، اوراگراس طرح بیع کرلی تو جائز ہوجائے گی، اس لئے کہ نہی لغیرہ ہے، خلاصہ یہ کہ نفس شیٔ میں کوئی معصیت نہیں ہے، لہذا خرید وفروخت درست ہے۔

۲-اسمگلنگ کاعمل فی نفسہ ناجائزنہیں ہے، لہذا اس طریقہ سے درآمد کیے ہوئے سونے کا خریدنا، بیچنا شرعا جائز ہے اور اس سے حاصل شدہ آمدنی حلال ہے، جیسا کہ فقہاء کی تصریحات سے واضح ہے:"إذا سعر وخاف البائع ضرب الإمام لو نقص، لا يحل للمشترى (لعدم رضى البائع) وحيلته أن يقول له: بعني بما تجب ، فحينئذ بأى شيئ باعه يحل، لأنه قد أخذه بطيب نفسه ورضاه" (الدرالمختار مع ردالمحتار ۹/ ۵۷۴)(مقالہ: مولانامحمد عثمان بستوی)۔

۳-حنفیہ کے اصول کے مطابق عملی فساد کا تعلق گناہ وثواب سے ہے نہ کہ معاملات کی صحت وفساد سے، جیسا کہ عام طور سے

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ" حرمة الفعل لا تنافي ترتب الأحكام"(مقالہ: مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی)۔

دوسری رائے:

دوسری رائے یہ ہے کہ اسمگلنگ شدہ سونے کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے، اس رائے کے حاملین ہیں: مولانا اشتیاق احمد اعظمی قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی اور مولانا کلیم اللہ عمری۔

ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-حکومت کی ممانعت کے باوجود خلافِ قانون سونے کی خرید وفروخت میں حکومت اور اس کے واسطے سے عام لوگوں کو نقصان پہنچانا ہے۔

۲-اس طرح کے معاملے میں اولیاء الامور کی مخالفت لازم آتی ہے، کیونکہ جن امور سے انہوں نے روک رکھا ہے، ان کا ارتکاب لازم آتا ہے، جبکہ غیرِ معصیت میں ان کی اطاعت واجب ہے۔

۳-خلاف قانون حاصل کردہ سونے کی خرید وفروخت میں گناہ پر تعاون ہے جو بنص قرآنی ممنوع ہے۔

جبکہ مفتی محمد ظفر عالم ندوی کی رائے ہے کہ اگر اس عمل سے برآمد سونے کی اطلاع ہو تو علم کے باوجود اس کی خرید وفروخت کراہت سے خالی نہیں، راقم الحروف کے نزدیک یہ رائے راجح معلوم ہوتی ہے، جبکہ درآمد (Import) اور برآمد(Export) کا نظام مفاد عام کے پیش نظر بنایا گیا ہو، لیکن اگر حکمراں طبقہ اور سرمایہ دار لوگوں کی رعایت پر مبنی نظام ہو تو پھر اسمگلنگ کے ذریعہ لائے ہوئے سونے کی خرید وفروخت مباح کے دائرہ میں رہے گی۔

اس سلسلہ کا آخری سوال یہ ہے کہ: آج کل پلاٹین کو سفید سونا کہا جاتا ہے، اب اس کا شمار مہنگی دھاتوں میں ہوتا ہے اور اس کے زیورات بھی بنائے جاتے ہیں، تو کیا لوگوں کے عرف کو دیکھتے ہوئے یہ حقیقی سونے کے حکم میں ہوگا اور عقود نیز زکوۃ وغیرہ میں اس پر سونے کے احکام منطبق ہوں گے؟

اس سوال کے جواب میں بیشتر مقالہ نویس حضرات کی رائے ہے کہ پلاٹین حقیقی سونے کے حکم میں نہیں ہے، اور نہ ہی عقود، زکوۃ اور دیگر معاملات میں اس پر سونے کے احکام منطبق کئے جاسکتے ہیں۔

ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-پلاٹین اگرچہ ایک قیمتی دھات ہے لیکن اس کی ماہیت وحقیقت سونے چاندی سے الگ ہے(مقالہ: راقم الحروف)۔

۲-لغت، حقائق اور دیگر قرائن وامارات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سونا سے الگ ایک قسم کی دھات ہے جو بہت سخت ہوتی ہے، لہذا وہ حقیقی سونے کے حکم میں نہیں ہے(مقالہ: مفتی سلمان پالنپوری)۔

۳-پلاٹین بہ طور ثمن تبادلہ کا ذریعہ نہیں ہے، اس لئے محض عرف میں سونا کہے جانے کی وجہ سے حقیقی سونے کے حکم میں نہیں

ہوگا (مقالہ: مولانا ابوالمکارم معروفی)۔

۴- پلاٹین کا ثمن خلقی ہونا ممکن ہی نہیں، اسی طرح جب تک یہ وسیلۂ تبادلہ اور معیار ثمن کی حیثیت سے لوگوں میں متعارف نہ ہوجائے اور حکومتیں اسے تسلیم نہ کرلیں اس کو ثمن اعتباری بھی قرار نہیں دیا جاسکتا ہے (مقالہ: مولانا اختر امام عادل قاسمی)۔

۴- سونے چاندی کے خصوصی احکام نہ تو اس کی دھات کی گرانی کی وجہ سے ہیں اور نہ ہی زینت کے لئے استعمال ہونے کی وجہ سے، لہذا پلاٹین سونے کے حکم میں نہیں (مفتی محمد عثمان بستوی)۔

۵- کسی چیز کا محض قیمتی ہونا اسے سونا چاندی کے حکم میں داخل نہیں کردیتا ہے، چنانچہ ہیرے (diamond) اور دیگر جواہرات ہر دور میں انتہائی قیمتی پتھر تھے اور یہ نبی کریم ﷺ کے دور میں بھی موجود تھے، لیکن آپ ﷺ نے اس پر زکوۃ واجب نہیں کی، اس سے معلوم ہوا کہ محض قیمتی ہونے سے کوئی چیز سونے چاندی کے حکم میں داخل نہیں ہوجاتی ہے (مقالہ: راقم الحروف)۔

۶- فقہاء نے بھی اس بات کی صراحت کی ہے کہ محض قیمتی ہونے سے کوئی چیز سونے چاندی کے حکم میں داخل نہیں ہوجاتی ہے، چنانچہ محمد عبد القادر رازی حنفیؒ (و:۶۶۶ھ) لکھتے ہیں: " ولا شیء فی الفیروزج والیاقوت واللؤلؤ والعنبر وفی الزئبق الخمس" (رازی، تحفۃ الملوک: ص/ ۱۲۸) (فیروزہ، یاقوت، موتی اور عنبر میں کچھ واجب نہیں ہے اور پارہ میں پانچواں حصہ واجب ہے) اور علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں: "لازکاۃ فی اللآلی والجواهر، وإن ساوت ألفا، الا أن تکون للتجارۃ، والأصل أن ماعدا الحجرین - وھذا علم بالغلبۃ علی الذھب والفضۃ- والسوائم إنما یُزکّی بنیۃ التجارۃ" (الدرمع الرد: ۲/ ۱۵) (موتی اور جواہر میں زکوۃ واجب نہیں ہے، اگرچہ ہزار کے برابر ہوں، مگر یہ کہ تجارت کے لئے ہو، اصل یہ ہے کہ سونے و چاندی کے علاوہ- اور غلبہ کی وجہ سے سونے چاندی کا علم " الحجرین" ہوگیا ہے، اور چرنے والے جانوروں کے علاوہ میں زکوۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جبکہ تجارت کی نیت ہو)۔

اور امام نووی شافعیؒ لکھتے ہیں: "لازکوۃ فیما سوی الذھب والفضۃ من الجواهر" (نووی، المجموع ۶/ ۳) (سونے چاندی کے علاوہ دیگر جواہرات میں زکوۃ واجب نہیں ہے)۔

۷- کسی چیز کو سونا کہہ دینے سے حقیقت کے اعتبار سے وہ سونا نہیں ہوجاتا ہے مثلاً پیٹرول (petrol) کو سیاہ سونا اور روئی (cotton) کو سفید سونا کہا جاتا ہے، لیکن محض نام کی وجہ سے وہ سونے کے حکم میں نہیں ہوجائیں گے (مقالہ: راقم الحروف وقاضی عبد الجبار طیب ندوی)۔

دوسری رائے:

مولانا محمد سعد نور قاسمی کی رائے ہے کہ پلاٹینم ہیرے جواہرات کی طرح ایک قیمتی دھات ہے، اور اس کو بطور ذخیرہ خرید کر لوگ محفوظ کرتے ہیں، لہذا اس پر زکوۃ واجب ہونی چاہئے کیونکہ یہ سرمایہ کو محفوظ کرلینے کا ایک ذریعہ ہے، چونکہ قدیم فقہاء کے دور میں ہیرے جواہرات اور دیگر قیمتی دھاتوں کو ذخیرہ کرنے اور ان کے ساتھ اپنے سرمایہ کو محفوظ کرنے کا رواج نہیں تھا، خال خال کچھ

لوگ دو چار موتی زمرد و یاقوت وغیرہ کے نگینے اپنی انگوٹھی وغیرہ میں لگوا لیتے تھے، اس لئے انہوں نے عدم وجوب زکوۃ کا فیصلہ فرمایا۔

اور یہی رائے محی الدین غازی فلاحی کی ہے کہ تمام مہنگی دھاتوں کو زکوۃ کے حوالے سے سونے کے حکم میں ہونا چاہئے، لیکن انہوں نے اس کی کوئی دلیل ذکر نہیں کی۔

دراصل یہ نکتہ ڈاکٹر محمد یوسف قرضاوی اور دیگر معاصر اہل علم نے اٹھایا ہے اور اکیڈمی کے بانی حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلامؒ کا بھی یہی میلان تھا کہ ہیرے جواہرات ضروریات زندگی میں داخل نہیں اور ارباب سرمایہ اپنے خاص مصالح کے لئے اپنے روپیوں کو جن کی مقدار غیر معمولی حد تک زائد ہوتی ہے، ہیروں اور جواہرات کی صورت میں محفوظ کر کے مختلف فوائد بھی حاصل کرتے ہیں اور انہیں اس طرح اس کا اطمینان بھی رہتا ہے کہ ان ہیروں اور جواہرات کی صورت میں گویا (زرنقد) ہر دم ان کے پاس محفوظ ہے اور اس کے نتیجے میں فقراء کو شدید نقصان ہوتا ہے، لہذا ذخیرہ کئے ہوئے ہیرے جواہرات کو حکماً مال تجارت تسلیم کر کے اس پر زکوۃ واجب قرار دینی چاہئے۔

اسی رائے سے استئناس کرتے ہوئے مولانا محمد سعد نور قاسمی کی رائے ہے کہ پلاٹینم بھی سرمایہ محفوظ کرنے کا ذریعہ ہے، لہذا اس پر بھی زکوۃ واجب ہونی چاہئے۔

ترجیح:

جمہور اہل علم وفقہ کی رائے راجح معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ پلاٹین نہ ثمن خلقی ہے اور نہ ہی ثمن اعتباری، اور اسے حکماً مالِ تجارت تسلیم کرنے کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔

☆☆☆

دوسرا باب

تفصیلی مقالات

سونا چاندی کی تجارت- چند نئے مسائل

مولانا اختر امام عادل قاسمی☆

۱- کاغذی کرنسی کی ثمنی حیثیت اور اس سے خرید وفروخت:

کاغذی کرنسی ثمن اعتباری اور ثمن عرفی ہے، اور ساری دنیا میں بحیثیت ذریعۂ تبادلہ کثرت استعمال کی بنا پر اس کو ثمن مان لیا گیا ہے، ورنہ فی الواقع اس کی کوئی قیمت نہیں ہے، عرف اور اعتبار ساقط ہوجائے تو یہ محض کاغذ کا بے قیمت ٹکڑا ہے، آج عملاً اسی سے سارا کاروبار جاری ہے، لیکن کیا اس تعامل کی بنیاد پر اس کو ثمن حقیقی کا درجہ دیا جاسکتا ہے؟ عصر جدید کا یہ ایک اہم ترین سوال ہے، اس سلسلے میں برصغیر کے اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ ثمن حقیقی یعنی سونا اور چاندی کے مثل نہیں ہے، اس لئے کہ سونا اور چاندی میں ثمنیت لوگوں کے اعتبار وعرف کی بنا پر بھی ہے اور ان کی ذاتی قیمت یا خلقی حیثیت کی بنا پر بھی، اگر ان کا ذریعہ تبادلہ ہونے کا عرف ختم بھی ہوجائے، جب بھی ان کی ذاتی ثمنیت باقی رہے گی، کیونکہ زیورات اور آرائش کے لئے قدرتی ذخائر میں اس سے بہتر چیز موجود نہیں ہے، یہی وجہ ہے نقود اور فلوس زمانے کی تبدیلی سے بدلتے رہے ہیں، لیکن صدیاں گذر گئیں سونا اور چاندی کی ثمنی اہمیت، اور معیار قیمت ہونے کی حیثیت میں فرق نہیں آیا، آج کے نئے نظام زر میں کرنسیوں کو معیار قیمت اور ذریعہ تبادلہ مان لیا گیا ہے، اور اس کی پشت پر سونا کی کوئی مقدار موجود نہیں ہے، لیکن اب سے کچھ عرصہ قبل تک دنیا کے تمام ملکوں کی کرنسیاں ڈالر سے اور ڈالر سونے سے وابستہ تھا یعنی امریکہ اس کا پابند عہد تھا کہ وہ ڈالر کے بدلے سونا دے گا، دوسرے ملکوں نے سونا دینے سے انکار کردیا تھا تو امریکہ کے ڈالر کو معیار بنایا گیا اس لئے کہ وہ سونا سے وابستہ تھا، لیکن عملاً امریکہ نے سونا کبھی نہیں دیا اور نہ اس سے کسی ملک نے سونا کا مطالبہ کیا، لیکن جب فرانس نے امریکہ سے سونا کے مطالبہ پر اصرار کیا تو دونوں ملکوں کے تعلقات بھی خراب ہوئے، اور ۱۹۷۱ء میں امریکہ نے سونا دینے سے انکار بھی کردیا، پھر ایک نئے نظام کا آغاز ہوا جس میں ہر ملک کی مجموعی پیداوار اور قوت خرید کو معیار بنا کر کرنسیوں کی قیمت طے کی گئی (یہ معلومات مولانا تقی عثمانی صاحب کی تحقیقات پر مبنی ہیں، دیکھئے: اسلام اور جدید معیشت وتجارت ص ۹۵ تا ۱۰۴)۔ سونا دینے سے انکار کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ دنیا کی نگاہ میں سونا کی کتنی اہمیت ہے، اور ملکوں کے اقتصادی ڈھانچہ کے تحفظ کے لئے یہ کیسی شاہ کلید ہے کہ ہر ملک اپنے ذخیرہ میں سونا کا زیادہ سے زیادہ تحفظ چاہتا ہے، اس سے سونا کے عالمی اور حقیقی معیار ہونے کا ثبوت ملتا ہے، اور یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی ثمنیت صرف عرف واعتبار پر مبنی نہیں ہے، بلکہ اس میں اس کی شخصی حیثیت کا بھی دخل ہے۔

☆ جامعہ ربانی منورواشریف، سمستی پور بہار۔

کرنسی نوٹ کا مسئلہ فلوس کے مسئلہ پر مبنی ہے:

دراصل کرنسی کے بارے میں اس تصور کی بنیاد فلوس کے مسئلے پر ہے، فلوس عہد قدیم میں تانبا یا لوہا سے تیار ہونے والے سکوں کو کہتے تھے، فلوس میں ثمنیت بھی ہے اور عددیت بھی، حنفیہ کے یہاں ربا کی بنیاد قدر وجنس پر ہے، اور قدر کیلی یا وزنی چیز کو کہتے ہیں، معدودات اس دائرے سے خارج ہیں، اس اصول کی بنیاد پر فلوس فی نفسہ عددی بنیادوں پر فروخت ہوتے ہیں، لیکن ذریعہ تبادلہ اور معیار ثمن ہونے کی بنا پر ان میں ثمنیت بھی ہے، ثمنیت تعیین کے منافی ہے، جبکہ عددیت میں تعیین ہوتی ہے، اگر فلوس کی بیع فلوس کے ذریعہ کی جائے، تو کیا اس میں تفاضل یا ادھار کی گنجائش ہے؟ یہ مسئلہ قدیم میں فقہاء کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے:

فلوس کے ذریعہ سونا چاندی کی خرید وفروخت:

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا مشہور مسلک یہ ہے کہ فلوس میں ربا نہیں ہے، اس لئے کہ وہ عدد کے ذریعہ بیچے اور خریدے جاتے ہیں، ان میں قدر (کیل وزن) موجود نہیں ہے، خواہ وہ کتنا ہی رائج الوقت ہو، جوہری ثمنیت ان میں مفقود ہے، ان کی ثمنیت محض اعتباری ہے، شافعیہ ان کو عروض میں شمار کرتے ہیں (شرح منتہی الإرادات ۲/ ۱۹۴، کشاف القناع ۳/ ۲۵۲)، اور حنفیہ اس میں کیل ووزن کو مفقود پاتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ثمنیت ان میں اصالۃً نہیں ہے، بلکہ عاقدین کے باہمی اتفاق پر مبنی ہے، اور کسی کے باہمی اتفاق سے شی کی اصلیت باطل نہیں ہوتی، اس لئے کمی بیشی کے ساتھ ان کی خرید وفروخت جائز ہے (بدائع الصنائع ۵/ ۱۸۵)۔

"وعلی ذلک فیجوز بیع الفلوس بعضها ببعض متفاضلا ، کما یجوز بیع بیضة ببیضتین ، وجوزة بجوزتین ، وسکین بسکینین ، ونحو ذلک إذا کان یدا بید" (الہدایہ مع الفتح ۶/ ۱۶۲)۔

اور اسی تصور کی بنیاد پر ہماری تمام کتب فقہ میں بیع فلوس بالفلوس کو (شیخین کے قول کے مطابق) بیع صرف ماننے سے انکار کیا گیا ہے:

"سئل الحانوتی عن بیع الذهب بالفلوس نسیئة فأجاب بأنه یجوز إذا قبض أحد البدلین لما فی البزازیة لو اشتری مائة فلس بدرهم یکفی التقابض من أحد الجانبین قال ومثله ما لو باع فضة أو ذهبا بفلوس کما فی البحر عن المحیط " (ردالمحتار ۷/ ۴۱۴)۔

"وإن اشتری خاتم فضة أو خاتم ذهب فیه فص أولیس فیه فص بکذا فلساً ولیست الفلوس عنده فهو جائز تقابضا قبل التفرق أو لم یتقابضا لأن هذا بیع ولیس بصرف" (الفتاوی الہندیہ ۳/ ۲۲۴)۔

فلوس میں اختلاف فقہاء کی بنیاد:

حنفیہ کے یہاں یہ حکم اس صورت میں ہے جب دونوں جانب فلوس متعین ہوں، اگر دونوں میں سے کسی جانب بھی تعیین مفقود ہو تو عدم جواز پر حنفیہ کا اتفاق ہے، البتہ حضرت امام محمدؒ دونوں جانب تعیین کی صورت میں بھی جواز کے قائل نہیں ہیں، جبکہ شیخین جائز قرار دیتے ہیں، اور اس کی بنیاد بیع الاثمان بالاثمان کے وجود پر ہے، شیخین کے نزدیک فلوس کی ثمنیت سونا چاندی کی طرح اصلی اور حقیقی نہیں ہے کہ کبھی بھی ساقط نہ ہو بلکہ اعتباری ہے، جس کو عاقدین باہم ساقط کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، اور معاملات میں کسی کو ان پر

ولایت حاصل نہیں ہے اس لئے تعیین کی صورت میں وہ صرف ایک عددی چیز کے طور پر باقی رہیں گے اور اموال ربویہ کے دائرہ سے خارج ہوجائیں گے۔

جبکہ حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ فلوس کی ثمنیت عرف عام اور تداول عام پر مبنی ہے نہ کہ محض اتفاق باہم یا عرف خاص پر، اس لئے باہمی تعیین سے ان کی ثمنیت باطل نہ ہوگی، کیونکہ نقود و اثمان تعیین سے متعین نہیں ہوتے، اس لئے سکۂ رائجہ ہونے کی صورت میں ان کی ذاتی حیثیت (عددیت) مغلوب ہوجائے گی اور ذریعۂ تبادلہ ہونے کی بنا پر ان کو معیار ثمن قرار دیا جائے گا، اور ان پر بیع صرف کے احکام جاری ہونگے:

"وقال محمد: لا يجوز لأن الفلوس الرائجة أثمان والثمن لا يتعين بالتعيين ولهذا إذا قابل الفلوس بخلاف جنسها لا يتعين كالدراهم والدنانير حتى كان له أن يعطي غيرها ولا يفسد البيع بهلاكها وهذا؛ لأن ثمنيتها تثبت باصطلاح الكل فلا تبطل باصطلاحهما كالدراهم والدنانير فإذا لم يتعين يؤدي إلى الربا أو يتحتمله.۔ولهما أن الفلوس ليست بأثمان خلقة وإنما كان ثمنا بالاصطلاح وقد اصطلحا بإبطال الثمنية فتبطل وإن كانت ثمنا عند غيرهما من الناس لبقاء اصطلاحهم على ثمنيتها وهذا؛ لأنه لا ولاية للغير عليهما فلا يلزمهما اصطلاحهم بخلاف الدراهم والدنانير؛ لأن ثمنيتها بأصل الخلقة فلا تبطل بالاصطلاح فإذا بطلت الثمنية تتعين بالتعيين فلا يؤدي إلى الربا" (تبیین الحقائق ۴/۹۱)۔

☆ مالکیہ کا نقطۂ نظر بھی حضرت امام محمدؒ کے مطابق ہے، حضرت امام مالکؒ نے "مدونہ" میں تصریح کی ہے:

"لا يجوز فلس بفلسين ولا تجوز الفلوس بالذهب والفضة ولا بالدنانير نظرة" (المدونۃ الکبری ۳/۳۹۶،۳۹۵)۔

اور حنابلہ کی ایک روایت بھی یہی ہے (کشاف القناع ۳/۲۵۲، الفروع وتصحیحہا ۴/۱۴۷،۱۵۱)۔

آج کے دور میں امام محمدؒ کا قول قابل ترجیح ہے:

☆ آج کی بدلی ہوئی صورت حال میں کاغذی کرنسی کے حق میں امام محمدؒ کا قول زیادہ قابل ترجیح محسوس ہوتا ہے، اور اس کی کئی وجوہ ہیں:

☆ عہد قدیم میں فلوس مستقل ثمن کی حیثیت سے جاری نہیں تھے، بلکہ سونا چاندی کے تابع ثمن کی حیثیت سے ان کا چلن تھا، درہم و دینار ہی اصل ثمن مانے جاتے تھے، اور فلوس کو ان کی ریزگاری کے طور پر متصور کیا جاتا تھا، جب کہ آج کے دور میں سونا چاندی کے سکوں کا رواج ساری دنیا سے بالکل ختم ہوچکا ہے، اب ان کرنسیوں نے ہی پوری طرح ان کی جگہ سنبھال لی ہے، آج یہ اثمان تابعہ نہیں بلکہ اثمان اصلیہ کی طرح رائج ہیں۔

☆ دوسری بات یہ ہے کہ شیخین کے تصور کی بنیاد یہ ہے کہ ساری دنیا درہم و دینار کو ثمن مانتی ہے جبکہ فلوس اصلاً لوہا اور تانبے کی دھات ہے، جو سکہ بن جانے کے بعد اشیاء عددیہ کی طرح فروخت ہوتے ہیں، اور مخصوص اتفاقات یا مجبوریوں کی بنیاد پر لوگ ان کے ذریعہ معاملات بھی کرتے ہیں، مگر یہ ثمن مسلمہ نہیں ہیں، جس کو توڑا نہ جاسکے اور ان کی اصلیت کی طرف موڑا نہ جاسکے، علاوہ

عاقدین کسی کی ولایت میں نہیں ہیں، آج روپئے کی صورت حال یہ نہیں ہے، حکومتوں کی جانب سے ان کی حیثیت مسلمہ ثمن کی ہے، اس کی ثمنیت ساقط کرنے کا اختیار صرف حکومت کو ہے، باہم اس کو محض کاغذ فرض کر لینے سے ان کی ثمنیت ساقط نہیں ہوگی، ملک کے تمام شہری حکومت کی ولایت میں ہیں، اس لئے نقود اور روپے پیسے کی ثمنیت کو ختم کرنا عام انسانوں کے لئے ممکن نہیں۔

میرا احساس یہ ہے کہ خود شیخین بھی کرنسی کی موجودہ صورت حال کو ملاحظہ فرماتے تو ان کو فلوس کے بجائے درہم و دینار کا متبادل قرار دیتے، بلکہ ممکن ہے کہ امام محمدؒ نے مارکیٹ کی وہ صورت حال دیکھی ہو جو اکابر شیخین کے مشاہدہ میں نہ آسکی ہو۔

موجودہ دور کے روپئے کا آغاز گو کہ سونا چاندی کے تابع کی حیثیت سے ہوا تھا لیکن آج جب سونا چاندی کے سکے مارکیٹ سے ختم ہو چکے ہیں ان کی حیثیت خود مستقل بن چکی ہے، زیادہ تر ماہرین معاشیات یہ کہتے ہیں کہ نوٹ کے پیچھے سونا اس لئے رکھا گیا تھا کہ وہ بحیثیت ذریعہ تبادلہ پہلے سے متعارف تھا، لیکن اب جب بغیر سونے کا واسطہ بنائے ہی کرنسی نوٹ کو ثمنیت اور ذریعہ تبادلہ کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے تو اس کو سونا کا بدل ماننے کی ضرورت نہیں ہے، یہ بذات خود ایک ثمن ہے (اسلام وجدید معیشت ر ۱۰۴)۔

☆ اور ایک اہم ترین بات یہ ہے کہ اگر شیخین کا قول اختیار کیا جائے تو ایک ہی ملک کی کرنسیوں کی باہم خرید و فروخت کو کمی بیشی کے ساتھ جائز کہنا پڑے گا اور ربا کا دروازہ کھل جائے گا، جب کہ تمام دنیا کے علماء نے روپئے پیسے کے باہمی تبادلہ میں کمی بیشی کو ناجائز قرار دیا ہے، الا یہ کہ الگ الگ ملکوں کی کرنسیاں ہوں، اور اسی احتیاط کی بنیاد پر عہد قدیم میں بھی فقہاء ماوراء النہر (سمرقند وبخارا) نے عدالی اور غطارفہ میں تفاضل کی حرمت کا فتویٰ دیا تھا، جب کہ ان میں کھوٹ کا غلبہ ہوتا تھا، اور اس کی بنیاد یہی بتائی گئی تھی کہ ہمارے دیار میں ان کی بڑی اہمیت ہے اگر ثمنیت کو مغلوب سمجھ کر تفاضل کو جائز قرار دیا جائے تو ربا کا دروازہ کھل جائے گا (البحر الرائق ۶ر ۲۱۸)، آج کے حالات میں ہمیں اس سے رہنمائی ملتی ہے۔

روپئے سے سونا چاندی کی خرید وفروخت بیع صرف ہے:

اسی بنا پر آج اکثر علماء عرب کی رائے یہ ہے کہ کرنسی سونا اور چاندی کی طرح ایک مستقل ثمن ہے، بینکوں اور نوٹ کے چھاپہ خانوں نے اس کے استقلال پر مہر لگا دی ہے، اس لئے روپئے کے عوض سونا چاندی کی خرید تبادلہ ثمن بالثمن ہے، اور اسی کو بیع صرف کہتے ہیں، اس لئے مجلس عقد میں بدلین پر قبضہ ضروری ہے، ایک بدل پر قبضہ کافی نہیں ہے۔

یہ حضرات کہتے ہیں کہ سونا چاندی کے ثمن خلقی ہونے پر کوئی دلیل شرعی موجود نہیں ہے، یہ ایک بات ہے جو صدیوں سے مشہور چلی آ رہی ہے، ورنہ سونا چاندی کی ثمنیت بھی عرف و اعتبار ہی پر مبنی ہے، ان کی ذاتی قیمت ملحوظ نہیں ہے، اس تناظر میں حضرت امام مالکؒ کا یہ قول بہت بامعنیٰ ہے کہ:

"اگر سونا چاندی کے بجائے جانور کی کھال ذریعہ تبادلہ بن جائے، اور اسی کی کرنسی اور سکے تیار ہو جائیں (جیسا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے اپنے دور میں ارادہ فرمایا تھا) تو میرے نزدیک سونا چاندی کے بالعوض اس کی بیع پر بھی بیع صرف کے احکام جاری ہونگے اور ادھار کی گنجائش نہ ہوگی۔

"ولو أن الناس أجازوا بينهم الجلود حتى يكون لها سكة وعين لكرهتها أن تباع بالذهب والورق

نظرۃ "(المدونۃ الکبریٰ ۵/۳)۔

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ:

"درہم و دینار (یعنی موجودہ ثمن) کی کوئی طبعی یا شرعی حقیقت نہیں ہے، ان کی بنیاد خالص عرف پر ہے، یہ بذات خود مقصود نہیں ہیں، بلکہ مقصد کسی معیار تعامل اور ذریعہ تبادلہ کا وجود ہے، اور یہی ان کے ثمن ہونے کی بنیاد ہے، جو چیزیں وسائل کا درجہ رکھتی ہیں ان کی نہ صورت مطلوب ہوتی ہے اور نہ مادہ، مقصد کی تکمیل سے زیادہ کچھ مطلوب نہیں ہوتا، (یعنی اگر یہ مقصد کسی اور چیز سے حاصل ہونے لگے تو اس کا حکم بھی یہی ہوگا)"۔

"وأما الدرهم والدينار فما يعرف له حد طبعي ولا شرعي ، بل مرجعه إلى العادة والاصطلاح؛ وذلك لأنه فى الأصل لا يتعلق المقصود به ، بل الغرض أن يكون معيارا لما يتعاملون به ، والدراهم والدنانير لا تقصد لنفسها ، بل هى وسيلة إلى التعامل بها ؛ ولهذا كانت أثمانا . . .إلى أن قال : والوسيلة المحضة التى لا يتعلق بها غرض ، لا بمادتها ولا بصورتها يحصل بها المقصود كيفما كانت " (مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۵۱/۲۹)۔

ہیئۃ کبار العلماء کا فیصلہ:

چنانچہ سعودیہ عرب کے موقر علمی ادارہ "ہیئۃ کبار العلماء" نے کرنسی کے مسئلے پر معاصر علماء وفقہاء سے مذاکرات ومناقشات کے بعد اکثریت کی رائے کے مطابق یہ فیصلہ کیا ہے کہ موجودہ کرنسی خواہ کسی ملک کی ہو وہ عین ثمن کے قائم مقام ہے اور سونا اور چاندی کی ثمنیت کے ہم پلہ ہے، اور اس کی پشت پر سونا ہونے کی بات محض رسمی ہے، خارجی دنیا میں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اس لئے موجودہ کرنسی کے ذریعہ سونا اور چاندی کی خرید وفروخت بیع صرف کے زمرہ میں داخل ہے، اور مجلس عقد میں تقابض بدلین ضروری ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: قرار ہیئۃ کبار العلماء رقم (10) وتاریخ 1393 \ 8 \ 17ھ)۔

مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ کا فیصلہ:

مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ نے بھی اپنے فیصلوں میں کرنسی کو ثمنیت کے معاملے میں سونا چاندی کے مثل قرار دیا ہے، اور تمام مسائل میں اس پر سونا اور چاندی کے احکام جاری کئے ہیں:

"فإن مجلس المجمع الفقهى الإسلامى، يقرر أن العملة الورقية نقد قائم بذاته، له حكم النقدين من الذهب والفضة، فتجب الزكاة فيها، ويجرى الربا عليها بنوعيه، فضلاً ونسيًا، كما يجرى ذلک فى النقدين من الذهب والفضة تمامًا؛ باعتبار الثمنية فى العملة الورقية قياسا عليهما .وبذلک تأخذ العملة الورقية أحكام النقود فى كل الالتزامات التى تفرضها الشريعة فيها.

ثانيا : يعتبر الورق النقدى نقدًا قائمًا بذاته كقيام النقدية فى الذهب والفضة وغيرهما من الأثمان، كما يعتبر الورق النقدى أجناسًا مختلفة، تتعدد بتعدد جهات الإصدار فى البلدان المختلفة، بمعنى أن الورق النقدى السعودى جنس .وأن الورق النقدى الأمريكى جنس، وهكذا كل عملة ورقية جنس مستقل بذاته،

وبذلک یجری فیها الربا بنوعیه فضلاً ونسیًا ، کما یجری الربا بنوعیه فی النقدین الذهب والفضة وفی غیرھا من الأثمان''(فقہ الاسلامی التابع لمنظمۃ المؤتمر الإ سلامی جدہ ۹۵۱/۳)۔

۱-اس تفصیل کی روشنی میں روپے سے سونا چاندی کی خرید وفروخت بیع صرف کے حکم میں ہے۔

(الف)اس میں مجلس عقد میں تقابض بدلین ضروری ہے،ایک نقد اور دوسرا ادھار درست نہیں (حاشیہ ردالمختار ۲۵۸/۵)۔

(ب)سونا اور چاندی کا جو نرخ حکومت یا اس کی مارکیٹ نے طے کیا ہے اس سے زیادہ یا کم قیمت میں روپے سے خرید وفروخت کرنا جائز ہے،اس لئے کہ روپیہ کی جنس ثمنیت سونا چاندی سے مختلف ہے اور مختلف الجنس میں تفاضل کی اجازت ہے۔

''**وإن باع الذھب بالفضة جاز التفاضل لعدم المجانسة**''(ہدایہ ۱۰۴/۳)۔

۲- زیور بنانے والے کاریگر زیورات کے تاجروں سے ایک متعینہ وزن میں سونا لیتے ہیں اور چند دنوں میں اس کے بدلے سونے سے بنائے ہوئے زیورات انہیں واپس کرتے ہیں،انہیں الگ سے کوئی اجرت نہیں دی جاتی بلکہ زیورات کی شکل میں سونے کی اتنی ہی مقدار انہیں واپس کرنی ہوتی ہے جتنی انہوں نے لی تھی،البتہ سونے کا زیور بنانے میں دوسری دھاتوں کی آمیزش ضروری ہوتی ہے،اس آمیزش کے بقدر سونا ان کو بچ جاتا ہے اور زیور بنانے میں سونے کے کچھ ذرات نکل آتے ہیں،یہی ان کی اجرت ہوتی ہے:

(الف)اگر یہ واقعی اجرت ہے جیسا کہ ان کے پیشے کا تقاضہ ہے کہ وہ سونا کے کاریگر ہیں تاجر نہیں،تو اجرت متعین ہونی ضروری ہے،سونے کے ذرات کتنی مقدار میں نکلیں گے یہ پہلے سے معلوم نہیں ہے تو یہ اجارۂ مجہولہ ہے اور درست نہیں،نیز یہ جنس عمل سے اجرت ہے جو بہت سے فقہاء کے نزدیک ناجائز ہے (ہدایہ ۲۴۲/۳، الفتاوی الہندیہ ۴۴۴/۴،شرح الصغیر ۱۸/۴، بدایۃ المجتہد ۲۴۶/۲)۔

(ب)اور اگر بیع ہے تو بیع صرف میں تماثل کے ساتھ مجلس عقد میں تقابض بدلین بھی ضروری ہے،جو یہاں موجود نہیں،اس لئے بیع بھی جائز نہیں ہے۔

سونا کے تاجروں اور کاریگروں کو چاہئے کہ معاملہ کی صورت پہلے سے طے کرکے کاروبار کریں،ورنہ شرعی قباحت سے چارہ نہیں،مثلاً یہ صورت ممکن ہے کہ قبل سے تیار شدہ زیورات سونا کے تاجروں کے پاس لے جائیں اور ان کے وزن کے مطابق ان کے بدلے سونا لے لیں۔

۳- سونا چاندی کے پرانے زیورات کو نئے زیورات سے کمی بیشی کے ساتھ تبدیل کرنا جائز نہیں ہے،سونا چاندی میں نئے اور پرانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا،تماثل اور تقابض ہر حال میں ضروری ہے۔

''**فإن باع فضة بفضة وذھباً بذھب لایجوز إلا مثلاً بمثل وإن اختلفت فی الجودة والصیاغة**'' (ہدایہ کتاب الصرف ۱۰۴/۳)۔

۴- آج کل کموڈیٹر ایکسچینج میں دوسری اشیاء کے ساتھ سونے چاندی کی بھی خرید وفروخت ہوتی ہے جس میں خریدار آرڈر دیتا اور جو کچھ اس نے آرڈر دیا ہے اس کے آرڈر کے بقدر وہ شئ اس کے نام سے محفوظ کردی جاتی ہے:

الف : مثلاً دوسو(۲۰۰)افراد نے پچاس پچاس گرام سونے کا آرڈر دیا ، اور ایکسچینج میں ان سب کے نام سے پچاس پچاس گرام سونا محفوظ کر دیا گیا، اور اس کو کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں درج بھی کر دیا گیا، لیکن محض اس اندراج سے خریداروں کا قبضہ متحقق نہ ہوگا خواہ وہ ایک کلو سونا مشترک طور پر اینٹ کی شکل میں ہو یا الگ الگ بسکٹ اور سکوں کی شکل میں، اس لئے کہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک قبضہ کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ مبیع سے بائع یا کسی دوسرے کا حق متعلق نہ ہو، اور وہ کلی طور پر مشتری کے لئے فارغ ہو، نیز بائع کے ضمان سے مشتری کے ضمان میں منتقل ہوجائے (الفتاوی الہندیہ ۳/۱۷، ردالمحتار ۴/ ۵۶۲)، البتہ حنابلہ کے یہاں توسع ہے اور حق غیر میں مشغول اور غیر متمیز ہونے کے باوجود قبضہ مکمل ہوجاتا ہے۔

۵- ایکسچینج کے ذریعہ کاروبار کی ایک اور صورت جو آج کل رائج ہے، یہ ہے کہ مثلاً ایک مہینے کے لئے ادھار ایک مخصوص مقدار جیسے ۱۰ تولے سونے کا سودا کرلیا جاتا ہے، خریدار سونے پر قبضہ نہیں کرتا، جب ادائیگی کی تاریخ آتی ہے تو سونے کے اس دن کے نرخ کو دیکھ لیا جاتا ہے، خرید کے دن اور ادائیگی کے دن سونے کے نرخوں میں جو فرق ہوتا ہے، اس کی ادائیگی کردی جاتی ہے، مثلاً خرید نے کے دن سونے کا نرخ تیس ہزار روپے فی تولہ تھا، اور ادائیگی کے دن اکتیس ہزار ہوگیا تو خریدار بائع کو ایک ہزار روپے ادا کرے گا، اور اگر ادائیگی کے دن انتیس ہزار روپے ہوگیا تو بائع خریدار کو ایک ہزار روپے ادا کرے گا، نہ تو مشتری سونے پر قبضہ کرتا ہے اور نہ بائع قیمت پر، بس قیمتوں کے فرق کا کاروبار ہوتا ہے، میرے نزدیک یہ قمار کی ایک صورت ہے اور بالکل ناجائز ہے۔

۶-سونا چاندی کی ذخیرہ اندوزی:

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے اصول پر یہ احتکار ممنوع کے دائرے میں داخل نہیں ہے، ان بزرگوں کے نزدیک صرف انسانی یا حیوانی غذائی اشیاء کا احتکار ممنوع ہے، یعنی ایسی چیزیں جو براہ راست انسان یا جانوروں کے نظام تغذیہ کو متاثر کرے، بالواسطہ یا سبب بعید کے طور پر متاثر کرنے والی ذخیرہ اندوزی احتکار ممنوع میں شامل نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ اس کو خلاف اولیٰ یا خلاف افضل کہا جاسکتا ہے، اور وہ بھی اس بنا پر کہ حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک احتکار کا دائرہ دیگر ائمہ کی طرح وسیع ہے، ان کے نزدیک عام لوگوں کو نقصان پہونچانے والا ہر احتکار درجہ بدرجہ ممنوع ہے (بدائع الصنائع ۱۱/ ۳۷۷)۔

۷-سونا چاندی کی اسمگلنگ:

ملک میں جو سونا آتا ہے اس میں بڑا حصہ تو قانونی طریقہ پر آتا ہے اور سونا لانے والا اس سے متعلق واجبات کو ادا کرتا ہے، دوسرا راستہ اسمگلنگ کا ہے، یہ طریقہ غیر قانونی ہے، اس میں سونا لانے والا ان واجبات کو ادا نہیں کرتا، جو حکومت نے سونے کی درآمد سے متعلق مقرر کئے ہیں، اس کو آج کی اصطلاح میں اسمگلنگ کہتے ہیں، قانون کی نگاہ میں یہ جرم ہے اور اس کے ذریعہ حاصل شدہ مال ضبط ہوسکتا ہے، شریعت کی نگاہ میں حکومت کے جائز ضوابط کی رعایت لازم ہے، اس کی تکمیل نہ کرنا گناہ ہے، اس لئے کہ یہ ملک کے معاہدۂ شہریت کے خلاف ہے، مسلمان ہر حال میں اپنے عہد کا پابند ہوتا ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"المسلمون عند شروطهم فيما وافق الحق" (السنن الکبری ۷/ ۲۴۹) (موافق حق معاملات میں مسلمان شرائط کا پابند ہوتا ہے)۔

فقہاء نے قومی اور بین الاقوامی بے شمار مسائل میں اس حدیث کو بنیاد بنایا ہے (بدائع الصنائع ۴؍۱۹۰)۔

علاوہ ازیں مسلمان کی عزت وحرمت کی حفاظت مقاصد دین بلکہ ضروریات ستہ (حفاظت دین، حفاظت جان، حفاظت مال، حفاظت عقل، اور حفاظت آبرو یا نسب) میں شامل ہے (شرح مختصر الروضۃ ۳؍۲۰۹، تیسیر الاصول إلی قواعد الأصول ومعاقد الفصول ۱؍۲۷۳)، ملکی قوانین کی خلاف ورزی کی صورت میں اس کی عزت وآبرو خطرہ میں پڑسکتی ہے، اس لئے بلا کسی عذر شرعی کے اس کو خطرہ میں ڈالنا درست نہیں۔

ان وجوہات کی بنا پر خلاف قانون اسمگلنگ کرنا جرم ہے، لیکن اگر کوئی بچ بچا کر سونا لے آیا تو حاصل شدہ مال حلال وطیب ہے، بشرطیکہ بیع وشرا کے کسی بنیادی اصول کی خلاف ورزی نہ کی گئی ہو، اس لئے کہ حنفیہ کے اصول کے مطابق عملی فساد کا تعلق گناہ وثواب سے ہے نہ کہ مال کی حلت وحرمت سے۔

۸- آج کل "پلاٹین" کو سفید سونا کہا جاتا ہے، اب اس کا شمار مہنگی دھاتوں میں ہوتا ہے، اور اس کے زیورات بھی بنائے جاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود زکوۃ یا عقود ومعاملات میں اس پر حقیقی سونا کے احکام جاری نہیں ہونگے، اس لئے کہ سونا چاندی میں ثمنیت یا تو خلقی طور پر ہے جیسا کہ مشہور ہے، یا اعتباری طور پر، پلاٹین کو ان دونوں میں سے کوئی حیثیت حاصل نہیں ہے، اس کا ثمن خلقی ہونا تو ممکن ہی نہیں، اسی طرح جب تک کہ یہ وسیلہ تبادلہ اور معیار ثمن کی حیثیت سے لوگوں میں متعارف نہ ہو جائے اور حکومتیں اسے تسلیم نہ کرلیں اس کو ثمن اعتباری بھی قرار نہیں دیا جاسکتا، موجودہ حالات میں یہ صرف عروض کے درجہ میں ہے۔

☆☆☆

سونا چاندی کی تجارت کے جدید مسائل اور ان کا حل

ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی☆

تمہید:

انسانی زندگی کے لئے مال کی حیثیت شہ رگ کی ہے، چنانچہ ایک متوازن، پر امن اور پر سکون زندگی کا اس کے بغیر تصور نہیں کیا جاسکتا ہے، اسی لئے ہر انسان کی فطری خواہش زیادہ سے زیادہ مال کی حولیابی ہوتی ہے، قرآن کریم میں اسی کی طرف اشارہ ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: "**زين للناس حب الشهوات من النساء والبنين والقناطير المقنطرة من الذهب والفضة والخيل المسومة والأنعام والحرث ذلك متاع الحياة الدنيا، والله عنده حسن المآب**" (سورۂ آل عمران: ۱۴) (لوگوں کی نگاہوں میں مرغوبات دنیا: عورتیں، بیٹے، سونے چاندی کے ڈھیر، نشان لگے ہوئے گھوڑے، مویشی اور کھیتی خوشنما کردی گئی ہیں، یہ دنیوی زندگی کے سروسامان ہیں، اور اللہ کے پاس اچھا ٹھکانا ہے)۔

مال کی یہ ظاہری کشش انسان کو اپنی طرف کھینچتی ہے، اور اسے اس میں تسکین ملتی ہے، وہ اسے سماج میں اپنے وقار کا ذریعہ بناتا ہے، اور اپنی تمام مشکلات کے حل کا اسے وسیلہ قرار دیتا ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ بہ ظاہر اس کے سب کام بنتے چلے جاتے ہیں۔

اگر چہ مال میں بہت سی چیزیں شامل ہیں، لیکن سونا چاندی ان میں سے اہم عنصر ہیں، اس لئے آدمی نے ان کو ہر دور میں اپنی توجہ کا مرکز بنایا ہے، اور اپنی دلچسپیاں اور سرگرمیاں سمیٹ کر ان کے گرد جمع کی ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے مال سونا چاندی سمیت آدمی کی ایک ضرورت ہے، ہدف نہیں ہے، لہذا مال کی رغبت اچھی چیز ہے، اس لئے کہ وہ دنیا میں اس کی بقا کے لوازم میں سے ہے؛ لیکن آدمی کا اصل ہدف آخرت کی زندگی ہے، لہذا اسلام چاہتا ہے کہ وہ مال و جائداد کی ظاہری کشش سے متاثر ہو کر اسی میں نہ کھو جائے، بلکہ اس سے اوپر اٹھ کر آخرت کی ان دیکھی چیزوں کو اپنی توجہ کا مرکز بنائے، اور دنیوی زندگی کی بے اعتدالیوں میں مبتلا ہو کر فطرت سلیمہ اور شریعت کے جادہ مستقیم سے نہ ہٹے، اور آخرت کی تیاری سے غفلت نہ برتے، اور دنیا میں اتنا مشغول نہ ہو کہ دنیا سے ماوراء مستقبل کی تعمیر کی فکر ہی چھوڑ دے، اور جنت کے گھر کی آبادی کی یاد ہی اسے نہ رہے۔

موجودہ دور میں اگر چہ کاغذی نوٹ (Paper Currencies) رواج پذیر ہیں، پھر بھی سونا چاندی اور خاص طور سے

☆ عمید کلیۃ الحدیث، جامعہ اسلامیہ، شانتاپورم، پٹیکاڈ، مالا پورم، کیرالا۔

سونے کی اہمیت برقرار ہے، اس مختصر تمہید کے بعد سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱-الف: روپیہ ثمن اصطلاحی ہے، ثمن حقیقی نہیں ہے، لہذا روپے سے سونا خریدا جائے تو اس میں روپے کی حیثیت ثمن کی ہے، لیکن یہ بیع صرف بھی نہیں ہے، اس لئے کہ روپے ناپی یا تولی جانے والی چیز نہیں، اور اس کی ثمنیت اصطلاحی ہے، لہذا یہ بات درست ہے کہ سونا چاندی اور روپے میں سے ایک نقد ہو، اور دوسرا ادھار، چنانچہ علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں: "**وقید بالذهب والفضة؛ لأنه لو باع فضة بفلوس، أو ذهب بفلوس؛ فإنه يشترط قبض أحد البدلين قبل الافتراق، لاقبضهما**" (ابن نجیم، البحر الرائق، کتاب الصرف ۲۱۱/۶، بیروت، دار المعرفۃ) (اور مؤلف نے باہمی قبضہ کو سونا چاندی کے ساتھ مقید کیا ہے؛ اس لئے کہ چاندی کو اگر فلوس (دھات کے ڈھلے ہوئے سکہ) کے بدلے بیچے، یا سونے کو فلوس کے بدلہ بیچے، تو جدا ہونے سے پہلے بدلین میں سے ایک پر قبضہ شرط ہے، دونوں پر قبضہ شرط نہیں ہے)۔

اور علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: "**وقید بالنقدين؛لأنه لو باع فضة بفلوس؛فإنه يشترط قبض أحدالبدلين قبل الافتراق، لا قبضهما**" (ابن عابدین، ردالمحتار، باب الصرف ۲۵۹/۵، بیروت، دار الفکر ۱۴۲۱ھ) (اور مصنف نے سونا چاندی کے ساتھ باہمی قبضہ کو مقید کیا ہے؛ اس لئے کہ اگر چاندی کو فلوس کے بدلے بیچے، تو جدا ہونے سے پہلے بدلین میں سے ایک پر قبضہ شرط ہے، دونوں پر قبضہ شرط نہیں ہے)، اور علامہ تمرتاشی اور حصکفیؒ لکھتے ہیں: "**باع فلوسا بمثلها أو بدراهم أو بدنانير، فإن نقدأحدهما جاز، وإن تفرقا بلا قبض أحدهما لم يجز**" (تمرتاشی، تنویر الأبصار مع الدر المختار باب الربا ۱۷۹/۵، بیروت، دار الفکر ۱۳۸۶ھ، ع۱۰:۶) (اگر فلوس کو فلوس سے یا دراہم یا دنانیر سے بیچے، سوا گر ان میں سے ایک نقد (ہاتھ کے ہاتھ) دے تو جائز ہے، اور اگر دونوں میں سے ایک کو بھی قبضہ کئے بغیر عاقدین جدا ہو جائیں، تو جائز نہیں ہے)۔

اور علامہ ابن عابدینؒ ایک جگہ لکھتے ہیں: "**سئل الحانوتي عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة، فأجاب بأنه يجوز إذا قبض أحد البدلين، لما في "البزازية": لو اشترى مائة فلس بدرهم، يكفي التقابض من أحد الجانبين، قال: ومثله: مالوباع فضة أوذهبا بفلوس**" (ابن عابدین، ردالمحتار ۱۸۰/۵) (علامہ حانوتی سے سونے کو فلوس کے بدلے ادھار بیچنے کے بارہ میں پوچھا گیا، تو جواب دیا کہ یہ جائز ہے، جبکہ بدلین میں سے ایک پر قبضہ کر لیا جائے، کیونکہ "بزازیہ" نامی کتاب میں ہے: اگر سو فلس ایک درہم کے بدلہ خریدے، تو جانبین میں سے ایک کی طرف سے باہمی قبضہ کافی ہے، اور یہ بھی فرمایا کہ اسی کی مانند حکم اس صورت میں ہے جبکہ چاندی یا سونے کو فلوس کے بدلے بیچے)، البتہ امام محمدؒ نے "الأصل" (المبسوط) میں اس مسئلہ کو جس طرح ذکر کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک جانب سے قبضہ شرط ہے، اور "الجامع الصغیر" کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ باہمی قبضہ شرط ہے، اور "الجامع الصغیر" کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ باہمی قبضہ شرط ہے، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: (ایک فلس کو دو متعین فلس کے ذریعہ بیچنے کے مسئلہ کو امام محمد نے "الأصل" یعنی "المبسوط" کے "باب الصرف" میں ذکر کیا ہے، اور دونوں جانب سے باہمی قبضہ کی شرط نہیں لگائی ہے، اور "الجامع الصغیر" میں ایسی عبارت ذکر کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ جانبین سے باہمی قبضہ شرط ہے، چنانچہ بعض فقہاء نے دوسرے قول کو صحیح نہیں قرار دیا ہے، اس لئے کہ بدلین کی تعیین کے ساتھ باہمی قبضہ "صرف" میں شرط ہے، اور یہ "بیع

صرف‘‘ نہیں ہے، اور بعض فقہاء نے دوسرے قول کو صحیح قرار دیا ہے، اس لئے کہ ایک اعتبار سے فلوس کے لئے سامان کا حکم ہے، اور ایک اعتبار سے ثمن کا حکم ہے، لہذا پہلے اعتبار کی وجہ سے زیادتی جائز ہے، اور دوسرے پہلو کی وجہ سے باہمی قبضہ شرط ہے)(ردالمحتار ۵/۱۸۰)۔

اور’’ الجامع الصغیر‘‘ میں مذکور قول پر اعتماد کرتے ہوئے’’ قاری الہدایۃ‘‘ کے فتاوی میں یہ مذکور ہے کہ فلوس کو سونا یا چاندی کے بدلہ بیچا جائے تو جانبین سے قبضہ شرط ہے(ابن عابدین، مرجع سابق ۵/۱۸۰)۔

لیکن صحیح قول یہی ہے کہ فلوس کو سونا یا چاندی کے بدلہ ادھار بیچنا درست ہے، اس لئے کہ وہ حقیقی ثمن نہیں ہے، لہذا یہ بیع صرف نہیں ہے، اور ایک طرف سے قبضہ کی شرط اس وجہ سے نہیں ہے کہ یہ’’ بیع صرف‘‘ ہے، بلکہ اس وجہ سے ہے کہ سکے متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے ہیں، اور سکے کی تعیین بغیر قبضے کے نہیں ہوسکتی ہے، اس لئے اگر بغیر قبضہ کے عاقدین جدا ہوگئے، تو ان کی جدائی اس حالت میں ہوگی کہ ہر فریق کے ذمہ دوسرے کا دین ہونا، اور دین کو دین کے بدلہ بیچنا جائز نہیں ہے(کاسانی، بدائع الصنائع ۵/۲۳۷)۔

اشکال:

اگر یہ اشکال کیا جائے کہ کاغذی نوٹ(Paper Money) کو فلوس پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ فلوس یعنی دھات کے ڈھلے ہوئے سکے دوحیثیت رکھتے ہیں: ۱- وہ سامان کے درجہ میں ہیں، ۲- وہ اصطلاحی ثمن ہیں، جبکہ کاغذی نوٹ ہر اعتبار سے اصطلاحی ثمن ہیں، اسی وجہ سے ایک ملک کے کاغذی نوٹ کو کمی وبیشی کے ساتھ بیچنا سود ہے، اور ایسا تبادلہ نہ تو نقد جائز ہے نہ ادھار، تو جب کاغذی نوٹ ہر پہلو سے ثمن اصطلاحی ہیں، اور ان میں سامان ہونے کا کوئی شائبہ نہیں ہے، تو اسے فلوس پر کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے؟ اور جب ثمن کا ہم جنس ثمن سے تبادلہ ہو تو کمی وبیشی اور ادھار دونوں ناجائز ہیں، اور اگر ثمن کا غیر جنس سے تبادلہ تو ادھار ناجائز ہے، تو پھر جب کاغذی نوٹ ثمن اصطلاحی ہیں، اور سونا چاندی بھی ثمن خلقی ہیں، تو یہ دونوں دواجناس ہیں، لہذا ان کا تبادلہ ادھار کیسے ہوسکتا ہے؟

جواب:

کاغذی نوٹ کو مکمل طور پر زرخلقی یعنی سونا چاندی کے حکم میں نہیں قرار دیا جاسکتا ہے، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ سونا چاندی کی اپنی قیمت ہے، خواہ وہ ثمن ہوں یا نہ ہوں، جبکہ کاغذی نوٹ کو اگر کوئی حکومت ثمن کی حیثیت نہ دے تو کاغذ کے ٹکڑے کے علاوہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، لہذا کاغذی نوٹ کو بالکل ثمن حقیقی یعنی سونا چاندی کے ہم معنی قرار دینا درست نہیں ہے، یہیں سے اس حدیث کا جواب بھی معلوم ہوگیا جو حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:’’ **لاتبیعوا الذهب بالذهب إلا مثلا بمثل، ولا تشفوا بعضها علی بعض، ولا تبیعوا الورق بالورق إلا مثلا بمثل، ولا تشفوا بعضها علی بعض ولا تبیعوا منها غائبا بناجز**‘‘ (صحیح البخاری حدیث نمبر ۲۱۷۷، صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۵۸۴)(سونا کو سونے کے بدلہ برابر برابر بیچو، اور ایک دوسرے پر مت بڑھاؤ، اور چاندی کو چاندی کے بدلے برابر برابر بیچو، اور ایک کو دوسرے پر مت بڑھاؤ، اور ان میں سے غیر موجود کو موجود کے بدلے مت بیچو)۔

چنانچہ حدیث شریف میں حقیقی ثمنیت مراد ہے، کیونکہ سونا چاندی کی اپنی ایک قیمت ہے، لہذا اصطلاحی ثمن کو ہر پہلو سے سونا چاندی کا درجہ دینا مناسب نہیں ہے، اس لئے کہ سونا چاندی اگر ثمن نہ بھی ہوں تو ان کی اپنی مالیت ہے، جبکہ کاغذی نوٹ اگر ثمن باقی نہ رہ جائیں، تو ان کی کوئی مالیت نہیں ہے۔

البتہ چونکہ بعض فقہاء ثمن اصطلاحی کو مکمل طور پر ثمن خلقی یعنی سونا چاندی کے درجہ میں رکھتے ہیں، جیسا کہ امام مالکؒ کا مذہب ہے، چنانچہ "المدونۃ" میں ہے: (میں نے پوچھا: آپ کی کیا رائے ہے اگر میں دراہم کے بدلے فلوس خریدوں، پھر باہمی قبضہ سے پہلے ہم عاقدین جدا ہو جائیں، تو کیا حکم ہے؟ جواب دیا: امام مالک کے قول کے مطابق یہ درست نہیں ہے، اور یہ عقد فاسد ہے، امام مالک نے مجھ سے فلوس کے سلسلہ میں فرمایا: سونا اور چاندی کے بدلہ ان کو ادھار بیچنے میں کوئی خیر نہیں ہے، اور اگر لوگ آپس میں باہم چمڑے کے سکے اور ثمن نافذ کرلیں، تو میں ان کو سونا اور چاندی کے بدلے ادھار بیچنے کو مکروہ قرار دوں۔ میں نے پوچھا: آپ کی کیا رائے ہے اگر میں چاندی یا سونے کی انگوٹھی یا سونے کا ڈلا خریدوں اور باہمی قبضہ سے پہلے جدا ہو جاؤں، تو کیا یہ امام مالک کے قول کے مطابق جائز ہے؟ تو فرمایا: یہ امام مالک کے قول کے مطابق جائز نہیں ہے، اس لئے کہ امام مالک نے فرمایا کہ: ایک فلس کو دو فلس کے بدلے بیچنا جائز نہیں، اور فلوس کو سونا چاندی یا دینار کے بدلے ادھار بیچنا جائز نہیں) (المدونۃ الکبری ۳/۵، بیروت، العلمیۃ)، اس لئے بہتر یہ ہے کہ روپئے کے ذریعہ سونا چاندی نقد خریدے۔

ب-سونا اور چاندی کا جو نرخ حکومت نے یا سونے کی مارکیٹ جیسے انٹرنیشنل (International) سطح پر کومیکس گولڈ مارکیٹ (Comex Gold Market) یا ہندوستان کی سطح پر یہاں کی مارکیٹ (Multi Commodity Exchange)MCX نے طے کیا ہو، اس سے زیادہ یا کم قیمت میں خرید و فروخت جائز ہے، اور اس صورت پر ربا تفاضل کا اطلاق نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ کرنسی نوٹ (Currency Paper) خلقی ثمن نہیں ہیں، بلکہ یہ ثمن اصطلاحی ہیں، اور بیع صرف کے احکام صرف خلقی اثمان یعنی سونا چاندی میں جاری ہوتے ہیں، جیسا کہ حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "لاتبیعوا الذهب بالذهب إلا سواء بسواء، والفضة بالفضة إلا سواء بسواء، وبيعوا الذهب بالفضة، والفضة بالذهب كيف شئتم" (صحیح البخاری حدیث نمبر ۲۱۷۵) (سونا کو سونے کے بدلے برابر برابر بیچو، اور چاندی کو چاندی کے بدلے برابر برابر بیچو، اور سونا کو چاندی کے بدلے اور چاندی کو سونے کے بدلے، جس طرح چاہو بیچو)۔

اور حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "الذهب بالذهب ربا إلا هاء وهاء، والورق بالذهب ربا إلاها وهاء" (صحیح البخاری حدیث نمبر ۲۱۳۴، صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۵۸۶) (سونا سونے کے بدلہ سود ہے، مگر یہ کہ برابر ہو، اور چاندی سونے کے بدلہ سود ہے مگر یہ کہ باہمی قبضہ ہو جائے) اس حدیث سے واضح ہے کہ بیع صرف کے احکام صرف خلقی اثمان یعنی سونا چاندی میں جاری ہوتے ہیں، اگر چہ ایک ہی ملک کے کرنسی نوٹوں کے درمیان تبادلے کے وقت کمی زیادتی جائز نہیں، لیکن وہ ثمن اصطلاحی ہیں جو ہر اعتبار سے سونے چاندی کے حکم میں نہیں ہیں، علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں: "وفي الفلوس لا يبطل العقد وإن تفرقا قبل قبض ما اشترى؛ لأن في بيع الفلوس بالدراهم يكتفى بقبض أحد البدلين حقيقة" (ابن نجیم، البحر الرائق،

کتاب البیع ۵/ ۳۰۶)(اور فلوس کے اندر عقد باطل نہ ہوگا، اگرچہ خرید کردہ شے پر قبضہ سے پہلے دونوں جدا ہو جائیں، اس لئے کہ فلوس کو درہم کے بدلے بیچنے کی حالت میں حقیقت کے اعتبار سے دو بدل میں سے ایک پر قبضہ کافی ہے)۔

ثمن خلقی اور ثمن اصطلاحی میں فرق کا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ درہم اور دینار میں سلم جائز نہیں جبکہ تعداد کے اعتبار سے فلوس میں بیع سلم شیخین کے نزدیک جائز ہے، اور یہی صحیح قول ہے، ''ہندیہ'' میں ہے:"**ویجوز السلم في الفلوس عددا في ظاهر الروایة**"(ہندیہ ۳/ ۱۸۳)(تعداد کے لحاظ سے فلوس میں بیع سلم ظاہر الروایۃ کے مطابق جائز ہے)۔

اور علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:"**وأما السلم في الفلوس عددا فجائز عند أبي حنیفة وأبي یوسف......لأن ثمنیتها لیست بلازمة**"(کاسانی، بدائع الصنائع ۵/ ۲۰۸)(تعداد کے اعتبار سے فلوس میں شیخین کے نزدیک بیع سلم جائز ہے......اس لئے کہ اس کی ثمنیت لازم نہیں ہے)، ان فقہی اقتباسات سے واضح ہے کہ ثمن اصطلاحی ہر اعتبار سے ثمن خلقی یعنی سونے چاندی کے درجہ میں نہیں ہیں، نیز اس جگہ ربا تفاضل کا مسئلہ بھی نہیں بنتا ہے، اس لئے کہ کاغذی نوٹ الگ جنس ہیں، اور چاندی الگ جنس ہے، اور سونا الگ جنس ہے، اور جب جنس مختلف ہو تو زیادتی جائز ہے، اور موجودہ دور میں کاغذی نوٹوں کی پشت پر سونے نہیں رہے، چنانچہ جیوفرے گراؤتھر (Geoffrey Growther) لکھتا ہے:

{{The Promise to pay, which appears on their face in now utterly meaningless}}(Geoffrey Growther An out line of Money,p.16)

(حامل ہذا کو مطالبہ پر ادا کرنے کا وعدہ ہے، اب اس عبارت کا جو نوٹ کے اوپر ظاہر ہوتی ہے بالکل ہی کوئی مطلب باقی نہیں رہا)، لہذا حکومت یا سونے کی مارکیٹ کی طے کردہ قیمت سے کم یا زیادہ فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۲-الف: زیور بنانے والے کاریگر زیورات کے تاجروں سے زیور سازی کے سلسلہ میں جو معاملہ کرتے ہیں وہ اجارہ ہے، اس لئے کہ اسی کی تعریف اس پر صادق آرہی ہے، کیونکہ اجارہ کی تعریف ہے:"**تملیک نفع مقصود من العین بعوض**"(حصکفی، الدر المختار ۶/ ۴)(اجارہ: کسی چیز سے مقصود نفع کا عوض لے کر مالک بنانا ہے)، اور دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ اجارہ "**تملیک المنفعة بعوض**"(کاسانی، بدائع الصنائع ۴/ ۲۰۱)(عوض لے کر منفعت کا مالک بنانے کا نام ہے)۔

چنانچہ اجارہ میں کام والے کی طرف سے مادہ یعنی میٹریل (Material) ہوتا ہے، اور کاریگر اس پر اپنی محنت صرف کرتا ہے۔ اور اس جگہ یہی صورت ہے کہ زیورات کے تاجر ایک متعینہ وزن میں زیور بنانے والے کاریگر کو سونا دیتے ہیں، اور کاریگر حضرات زیور بنا کر اتنی ہی مقدار میں واپس کرتے ہیں، اور ایسا اس وجہ سے ممکن ہوتا ہے کہ اس میں دوسری دھاتوں کی آمیزش ہوتی ہے، کیونکہ سونے کا زیور بنانے میں دوسری دھاتوں کی آمیزش ضروری ہوتی ہے، لہذا ایسی آمیزش میں کوئی حرج نہیں ہے، چنانچہ ''ہندیہ'' میں ہے:"**وأما لو صاغ الفضة لأهلها، ویلقي فیها النحاس فلا بأس به**"(ہندیہ ۳/ ۲۱۵)(بہرحال اگر چاندی کے مالک کے لئے چاندی کو ڈھالے، اور اس میں تانبا ملا دے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے)۔

اور فقہاء نے بھی اس بات کی صراحت کی ہے کہ سونا یا چاندی کا زیور بنانے کے لئے سونا یا چاندی حوالہ کرے، اور سونا یا چاندی کی ایک مقدار اجرت میں متعین کرے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:"**وإنما بذل صاحب القلب**

للصائغ درهما لصياغته اثنى عشر درهما" (کاسانی، بدائع الصنائع ۴/۲۲۱) (کنگن والے نے سنار کو ایک درہم (اجرت کے طور پر) بارہ درہم ڈھالنے کے لئے دیا)۔

اور ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں: "إن قال لصائغ: صغ لي خاتما وزنه درهم، وأعطيك مثل وزنه، وأجرتك درهما، فليس ذلك ببيع درهم بدرهمين، وقال أصحابنا: للصائغ أخذ الدرهمين، أحدهما: في مقابلة الخاتم، والثاني: أجرة له" (ابن قدامہ، المغنی ۴/۱۴۱، طبع اول بیروت، دار الفکر) (اگر سنار سے کہے میرے لئے انگوٹھی بنادو جس کا وزن ایک درہم ہو، اور میں تجھے اسی کے برابر ایک درہم دوں گا، اور ایک درہم میں نے تجھے اجرت میں دی، تو یہ ایک درہم کو دو درہم کے بدلہ بیچنا نہیں ہے، اور ہمارے علماء حنابلہ کہتے ہیں کہ سنار کے لئے جائز ہے کہ دو درہم لے، ایک انگوٹھی کے مقابلہ میں، اور دوسرا درہم اپنی اجرت میں)۔

البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک سونے یا چاندی میں سے اجرت دینا مکروہ ہے، زیور بنوانے والے کو جنس بدل کر اجرت دینی چاہئے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: "ولا خير أن يصارف الرجل الصائغ الفضة بالحلئ الفضة المعمولة، ويعطيه إجارته؛ لأن هذا الورق بالورق متفاضلا" (شافعی، الأم ۳/۳۵، بیروت، دار المعرفۃ ۱۳۹۳ھ، نیز دیکھئے: نووی، المجموع ۱۰/۸۳، طبع یعسوب) (اس میں کوئی بہتری نہیں ہے کہ آدمی سنار سے زیور کے بدلے یعنی کاریگری کی ہوئی چاندی کے بدلہ چاندی کے لین دین کا معاملہ کرے اور اسی میں سے اسے اس کی اجرت دے، اس لئے کہ اس معاملہ میں چاندی کے بدلہ چاندی اضافہ کے ساتھ ہے)۔

ب- اجارہ کی صحت کی شرطوں میں سے ایک اہم شرط یہ ہے کہ اجرت معلوم و متعین ہو، جیسا کہ "ہندیہ" میں ہے: "أن تكون الأجرة معلومة" (ہندیہ، الباب الأول في تفسير الإجارة ۴/۴۱۱) (اجارہ کی صحت کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اجرت معلوم ہو)، خود نبی کریم ﷺ نے اس بات کی تاکید فرمائی ہے کہ کاریگر کی اجرت عقد کے وقت ہی واضح طریقہ پر متعین کردی جائے، جیسا کہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے "نهى عن استئجار الأجير حتى يبين له أجره" (مسند احمد حدیث نمبر ۱۱۵۶۵، اور اس کی سند میں کلام ہے) (مزدور کو مزدور پر رکھنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ اس کے لئے اجرت واضح کردی جائے)۔

اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "إذا استأجر أحدكم أجيرا فليعلمه أجره" (دیلمی، الفردوس، حدیث نمبر ۱۲۱۴، اور اس کی سند میں کلام ہے) (جب تم میں سے کوئی کسی کو مزدور رکھے تو اسے اس کی اجرت بتا دے)۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ اور ابوسعید خدریؓ یا دونوں میں سے ایک سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "من استأجر أجيرا فليسم له إجارته" (مصنف عبد الرزاق حدیث نمبر ۱۵۰۲۳، اور بعض ناقدین نے اس کے موقوف ہونے کو راجح قرار دیا ہے) (جو مزدور رکھے وہ اسے اس کی اجرت بتادے)، چنانچہ ان احادیث پاک کی روشنی میں فقہاء نے لکھا ہے کہ اجارہ کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ اجرت کی مقدار اور نوعیت معلوم ہونی چاہئے، جیسا کہ فقیہ علی حیدرؒ لکھتے ہیں: "يشترط لصحة الإجارة أي عدم فسادها: أن تكون الأجرة معلومة تماما قدر أو نوعا، أي لا يكون شئء منها مجهولا كلا أو بعضا؛ لأن جهل الأجرة يفضي

إلى المنازعة‘‘(علی حیدر، درر الحکام ۱/ ۴۲۶)(اجارہ کے صحیح ہونے یعنی اس کے فاسد نہ ہونے کی شرط یہ ہے کہ اجرت مقدار اور نوعیت کے اعتبار سے مکمل طور سے معلوم ہو، یعنی اسمیں سے کچھ کلی یا جزوی طور پر مجہول نہ ہو؛ اس لئے کہ اجرت کا مجہول ہونا باعث نزاع ہے)۔

لہذا اس تفصیل کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ زیورات کے بنانے میں جو ذرات بچ جاتے ہیں، اگر وہ متعین ہیں، مثلاً پانچ سو گرام میں دو گرام تو اجرت کی یہ تعیین کافی ہے، اور اگر متعین نہ ہوں مثال کے طور پر پانچ سو گرام میں نکلنے والے ذرات دو یا تین گرام ہو سکتے ہیں، تو اجارہ فاسد ہے، اور اجرت مثل واجب ہے، فقیہ علی حیدر’’ہندیہ‘‘ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: (جب کوئی شخص دوکان کرایہ پر لے اس شرط کے ساتھ کہ اس کی اجرت دیگر دوکانوں کی اجرت کی طرح ہوگی، جنہیں دوکانداروں نے کرایہ پر لیا ہے، اور وہ اجرت معلوم اور متعین نہ ہو بلکہ اس میں باہم فرق ہو، تو اجارہ فاسد ہوگا، اور اگر متعین ہو اور اس میں اختلاف نہ ہو، تو اجارہ جائز ہے، اور اسے اس جیسی اجرت دینے کا پابند بنایا جائے گا)(علی حیدر، درر الحکام ۱/ ۴۲۷)۔

۳- جو صورت معاشرہ میں رائج ہے وہ یہ ہے کہ سونے کے تاجر حضرات پرانے زیور کو کم قیمت میں روپے سے خریدتے ہیں اور پھر نئے زیور روپیوں میں بیچتے ہیں، لہذا جنس مختلف ہونے کی وجہ سے ربا تفاضل کا اطلاق نہیں ہوتا ہے، علامہ مرغینانیؒ لکھتے ہیں: **’’الربا محرم في كل مكيل أو موزون، إذا بيع بجنسه متفاضلا، فالعلة عندنا الكيل مع الجنس، أو الوزن مع الجنس‘‘**(مرغینانی، ہدایہ ۳/ ۶۱، المکتبۃ الإسلامیۃ)(سود ہر اس چیز میں حرام ہے جو ناپ یا تول کر بیچی جاتی ہو، جبکہ اسے اس کی جنس کے ساتھ زیادتی کی صورت میں بیچا جارہا ہو، چنانچہ ہم حنفیہ کے نزدیک ربا تفاضل کی حرمت کی علت ہم جنس ہونے کے ساتھ کیلی یا وزنی ہونا ہے)۔

اور’’ہندیہ‘‘ میں ہے: **’’وهو في الشرع عبارة عن فضل مال لا يقابله عوض في معاوضة مال بمال‘‘**(ہندیہ ۳/ ۱۱۷)(سود شریعت میں مال کا مال سے تبادلہ ہونے کی صورت میں مال کے اس اضافہ کو کہتے ہیں جس کے مقابلہ میں کوئی عوض نہ ہو)، اور حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **’’الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواء بسواء، يدا بيد، فإذا اختلفت هذه الأصناف، فبيعوا كيف شئتم، إذا كان يدا بيد‘‘**(صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۵۸۷)(سونا سونے کے بدلہ، چاندی چاندی کے بدلہ، گیہوں گیہوں کے بدلہ، جو جو کے بدلہ، کھجور کھجور کے بدلہ، اور نمک نمک کے بدلہ برابر برابر باہمی قبضہ کے ساتھ بیچو، پھر جب یہ اجناس مختلف ہوں تو جس طرح چاہو بیچو، جبکہ باہمی قبضہ ہوجائے)۔

اور ایک ملک کی کرنسی اگرچہ عددی متقارب یعنی ایسی چیز ہے جو شمار کی جاتی ہے، اور ایک طرح کے نوٹ میں باہم کوئی تفاوت بھی نہیں ہوتا ہے، لہذا اگر تھوڑی دیر کے لئے کاغذی نوٹوں کو خلقی اثمان یعنی سونے چاندی کے درجہ میں ہر اعتبار سے مان بھی لیا جائے تو بھی کاغذی نوٹوں کی جنس الگ ہے، اور سونے چاندی کی جنس الگ ہے۔

اصل صورت کی تفصیل کے بعد ہم سوال میں مذکورہ صورت کا حکم بیان کرتے ہیں کہ اگر کہیں یہ صورت رائج ہو کہ سونے کے

پرانے زیور کا نئے زیور سے تبادلہ ہو تو ایسی حالت میں پرانے زیور کے بدلہ نیا زیور کم وزن میں ادا کرنا جائز نہیں ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''وأحل الله البيع و حرم الربا'' (بقرہ:۲۷۵) (حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال ٹھہرایا ہے، اور سود کو حرام کیا ہے)، اس آیت سے پتہ چلا کہ سود حرام ہے، اور جن اموال میں سود جاری ہوتا ہے، ان کے تبادلہ میں برابری ضروری ہے، اور وہ برابری شرعی جنس اور قدر (یعنی وزن، ناپ اور عدد) میں ہوگی، اور قیمت میں برابری کا اعتبار نہیں ہے۔

۲-حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:''**الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير والتمربالتمر، والملح بالملح، مثلا بمثل، يدا بيد، فمن زاد أواستزاد، فقد أربى، الآخذ والمعطي فيه سواء**'' (صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۵۸۴، مسند احمد حدیث نمبر ۱۱۹۲۸) (سونا سونے کے بدلہ، چاندی چاندی کے بدلہ، گیہوں گیہوں کے بدلہ، جو جو کے بدلہ، کھجور کھجور کے بدلہ اور نمک نمک کے بدلہ برابر برابر باہمی قبضہ کے ساتھ بیچو، سو جو زیادہ دے، یا زیادہ طلب کرے، اس نے سودی معاملہ کیا، اس معاملہ میں لینے اور دینے والے برابر ہیں)، اس سے معلوم ہوا کہ اموال ربویہ کے تبادلہ کے وقت عمدہ اور گھٹیا ہونے کا وصف غیر معتبر ہے، لہذا سونا کے سونے سے تبادلہ کے وقت اوصاف کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، بلکہ صرف مقدار کا اعتبار ہوگا، اس لئے مقدار کی زیادتی کو نئے پن کے وصف کے مقابل نہیں رکھا جاسکتا ہے، تو جب زیادہ مقدار کے مقابل کوئی عوض موجود نہیں ہے، تو یہ سود ہے۔

۳-حضرت فضالہ بن عبیدؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں:''**اشتريت يوم خيبر قلادة باثني عشر دينارا، فيها ذهب و خرز، ففصلتها، فوجدت فيها أكثر من اثني عشر دينارا، فذكرت ذلك للنبي ﷺ فقال:''لا تباع حتى تفصل**'' (صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۵۹۱) (میں نے خیبر کے دن ایسا ہار خریدا، جس میں سونے اور مہرے تھے، سو میں نے اسے الگ کیا، تو اس میں بارہ دینار سے زیادہ پایا، تو میں نے نبی کریم ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا:''الگ کر کے ہی بیچا جائے'')۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ اموال ربویہ میں مقدار اور وزن میں برابری ضروری ہے۔

۴-سونے کو سونے کے بدلہ وزن میں برابری کے ساتھ بیچنے پر اجماع ہے، چنانچہ ابن ہبیرہ لکھتے ہیں:''**أجمع المسلمون على أنه لا يجوز بيع الذهب بالذهب منفردا، والورق بالورق منفردا، تبرها و مضروبها وحليها إلا مثلا بمثل، وزنا بوزن، يدابيد، وأنه لا يباع شي منها غائب بناجز**'' (ابن ہبیرہ، الإفصاح ۱/۲۱۲) (مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تنہا سونے کو سونے کے بدلہ، اور تنہا چاندی کو چاندی کے بدلہ، خواہ ڈلا ہو یا ڈھلا ہوا ہو، یا زیور ہو، وزن میں برابری اور باہمی قبضہ کے ساتھ ہی بیچا جائے اور ان میں سے کسی غیر موجود کو موجود کے بدلہ نہ بیچا جائے)۔

۵-علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں: (اور اس حدیث کے اندر اس بات کی دلیل ہے کہ سونا چاندی کے اندر کاریگری کی کوئی قیمت نہیں ہے جبکہ اس کی جنس سے تبادلہ ہو......اور اس حدیث میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ سونا چاندی کاریگری کی وجہ سے وزنی ہونے سے باہر نہیں ہوتے ہیں، اگرچہ بے وزن ان کو بیچنے کی لوگوں کو عادت ہوگئی ہو، دیگر وزنی اشیاء کے برخلاف، اس لئے کہ

کاریگری کے بعد بھی وزن کیا جانا ان کے اندر نص سے ثابت ہے، لہذا عرف کی وجہ سے اس میں تبدیلی نہیں آئے گی، دیگر اشیاء کے برخلاف) (سرخسی، المبسوط، کتاب الصرف ۱۴/ ۵)۔

البتہ حضرت معاویہؓ، حسن بصری، ابراہیم نخعی اور امام شعبیؒ کا قول ہے کہ سونے چاندی کے زیور کو اس کی جنس کے بدلہ زیادتی کے ساتھ بیچ سکتے ہیں، اور حنابلہ کی ایک بڑی تعداد نے اسی کو اختیار کیا ہے (ابن قدامہ، المغنی ۴/ ۲۹)، اور مرداوی حنبلیؒ نے اسی پر عمل قرار دیا ہے (مرداوی، الإنصاف ۵/ ۱۴)، اور اسی کو ابن تیمیہؒ نے اختیار کیا ہے (بعلی، الاختیارات الفقہیہ ص ۱۱۲)، اور ابن القیمؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے (ابن القیم، اعلام الموقعین ۲/ ۱۴۱)۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ کاریگری کے بعد زیورات سامان کے درجہ میں ہوگئے ہیں، لیکن زیور کا زیور کے بدلہ برابری کے ساتھ تبادلہ ہونا چاہئے، اس پر سب کا اتفاق ہے، امام نووی شافعیؒ لکھتے ہیں: ''**ویذهب إلی أن الربا لا یکون في التفاضل إلا في التبر بالتبر، وفي المصوغ بالمصوغ، وفي العین بالعین کذلک**'' (نووی شافعی، المجموع ۱۰/ ۸۳ طبع یعسوب) (اور حضرت معاویہؓ کا مسلک یہ ہے کہ زیادتی کی صورت میں سود اسی وقت ہوگا جبکہ ڈلے کے بدلے ڈلے کا، اور زیور کے بدلہ زیور کا، اور ایسے ہی ثمن کے بدلہ ثمن کا تبادلہ ہو)۔

۴-الف: اگر سونا فروخت کرنے والے ادارے کے پاس ایک کیلو سونا ہو، اور وہ دوسو افراد کو پچاس پچاس گرام سونا فروخت کرے، لیکن ان سب کا خریدا ہوا سونا سونے کی اینٹ میں شامل ہو، ان کے الگ الگ بسکٹ یا سکے نہیں بنائے جاتے ہوں، بلکہ ان کے آرڈر کے بقدر سونا ان کے نام سے محفوظ کردیا جاتا ہو، تو اس کو خریداروں کا قبضہ نہیں قرار دیا جائے گا، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- حضرت عمر بن الخطابؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''**الذهب بالورق ربا إلا هاء وهاء**'' (سنن نسائی حدیث نمبر ۴۵۷۵، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے، طبع مکنز) (سونے کو چاندی کے بدلہ بیچنا سود ہے، مگر یہ کہ باہمی قبضہ ہوجائے)۔

۲- ان ہی سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''**الذهب بالذهب ربا إلا هاء وهاء**'' (صحیح البخاری حدیث نمبر ۲۱۳۴، ۲۱۷۴) (سونا کو سونے کے بدلہ بیچنا سود ہے، مگر یہ کہ باہمی قبضہ ہوجائے)۔

۳- ان ہی سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''**الورق بالذهب ربا إلا هاء وهاء**'' (صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۵۸۶) (چاندی کو سونے کے بدلہ بیچنا سود ہے، مگر یہ کہ باہمی قبضہ ہوجائے)۔

۴- حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''**الذهب بالذهب، والفضة بالفضة مثلا بمثل، سواء بسواء، یدا بید**'' (صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۵۸۷) (سونا کو سونے کے بدلہ، اور چاندی کو چاندی کے بدلہ برابر برابر اور باہمی قبضہ کے ساتھ بیچو)۔

۵- حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''**ولا تبیعوا منها غائبا بناجز**'' (صحیح البخاری حدیث نمبر ۲۱۷۷، صحیح مسلم ۱۵۸۴) (سونا چاندی میں سے غیر موجود کو موجود کے بدلہ مت بیچو)، ان تمام احادیث پاک سے واضح ہے کہ سونا چاندی کے تبادلہ میں جو قبضہ مراد ہے وہ ہاتھ سے لینا یعنی عملی قبضہ مراد ہے، اس جگہ قبضہ محض تخلیہ یا خریدار کے ایسے استیلاء کا نام

نہیں ہے کہ مبیع (فروخت کردہ سامان) پر اس کے تصرف میں کوئی مانع باقی نہ رہے۔

۶-فقہاء نے بھی اس بات کی صراحت کی ہے کہ سونا چاندی پر ہاتھ سے یعنی عملی قبضہ ہونا چاہئے، چنانچہ علامہ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں: "**المراد بالقبض هنا القبض بالبراجم، لا بالتخلية، يريد باليد**" (ابن ہمام، فتح القدیر ۷/۱۳۵، بیروت، دارالفکر) (اس جگہ قبضہ سے مراد انگلی کے جوڑوں سے قبضہ کرنا ہے، صرف خالی کرنے یعنی سامان اور خریدار کو اکٹھے چھوڑ دینے سے قبضہ نہ ہوگا، اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہاتھ سے قبضہ ہو یعنی عملی قبضہ ہو)۔

اور علامہ حصکفی لکھتے ہیں: "**والتقابض بالبراجم لا بالتخلية**" (حصکفی، الدر المختار، باب الصرف ۵/۲۵۸) (سونے چاندی کی خرید وفروخت میں ہاتھ سے باہمی قبضہ یعنی عملی قبضہ شرط ہے، صرف خالی کرنے سے قبضہ نہ ہوگا)۔

اگر چہ کاغذی نوٹوں سے سونا چاندی خریدنا بیع صرف نہیں ہے، لیکن اگر ثمن ادھار ہے تو پھر سونے چاندی پر قبضہ ضروری ہے تاکہ دین کو دین کے بدلہ بیچنا لازم نہ آئے، جو ناجائز ہے، اور یہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے، جیسا کہ پہلے گذرا۔

خلاصہ یہ کہ سونا چاندی پر قبضہ اسی وقت سمجھا جائے گا، جبکہ اسے اپنے ہاتھ میں اس طرح لے لے کہ اس میں ہر طرح کا تصرف کرنے پر قادر ہو جائے، یعنی عملی طور پر قابض ہو جائے۔

ب-اگر ہر خریدار کے لئے اس کی خریدی ہوئی مقدار کا سکہ الگ سے موجود ہو، اور اس کو کمپیوٹر (Computer) یا ریکارڈ رجسٹر (Record Register) میں اس کے نام سے درج کر دیا گیا ہو، تو یہ اندراج قبضہ کے لئے کافی نہیں ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "**ما كان يدا بيد، فلا بأس به**" (صحیح البخاری حدیث نمبر ۲۰۶۰، ۲۰۶۱، ۲۴۹۷، ۲۴۹۸، صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۵۸۹) (سونا چاندی کی فروخت ہاتھ در ہاتھ ہو، تو کوئی حرج نہیں ہے)۔

اس حدیث پاک سے ظاہر ہے کہ سونا چاندی پر قبضہ ہاتھ میں لینے یعنی عملی قبضہ سے ہوگا۔

۲-علامہ ابن نجیم مصری حنفیؒ لکھتے ہیں: "**المراد بالقبض هنا القبض بالبراجم، لا بالتخلية، يريد باليد**" (ابن نجیم، البحر الرائق، کتاب الصرف ۶/۲۱۰) (اس جگہ قبضہ سے مراد انگلیوں کے جوڑوں سے قبضہ کرنا ہے، نہ کہ استیلاء اور تخلیہ کے ذریعہ قبضہ مراد ہے (بلکہ) مراد یہ ہے کہ ہاتھ سے قبضہ ہو یعنی عملی قبضہ ہو۔

۳-"ہندیہ" میں ہے: "**المراد بالقبض هنا القبض بالبراجم**" (ہندیہ، کتاب الصرف، الباب الأول ۳/۲۱۷) (قبضہ سے اس جگہ ہاتھ سے قبضہ کرنا یعنی عملی قبضہ مراد ہے)۔

۴-علامہ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں: "**التقييد بالبراجم للاحتراز عن التخلية، واشتراط القبض بالفعل، لا خصوص البراجم، حتى لو وضعه له في كفه، أو في جيبه، صار قابضا**" (ابن عابدین، رد المحتار، باب الصرف ۵/۲۵۸) (انگلیوں کے جوڑوں سے مقید کرنا "تخلیہ" سے احتراز کے لئے ہے، اور شرط عملی قبضہ ہے، خاص انگلیوں کی پوروں سے ہونا کوئی ضروری نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر فروخت کرنے والا اسے اس کی ہتھیلی میں رکھ دے، یا جیب میں ڈال دے، تو قبضہ کرنے

والا ہو جائے گا)۔

ان فقہی اقتباسات سے واضح ہے کہ سونے چاندی پر قبضہ کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں درج کرنے سے نہیں ہوگا، بلکہ عملی طور سے اپنے قبضہ میں لینا ضروری ہے۔

۵- ایکسچینج (Exchange) کے ذریعہ کاروبار کی جو صورت رائج ہے کہ مثلاً ایک مہینے کے لئے ادھار ایک مخصوص مقدار جیسے ۱۰ رتولے سونے کا سودا کرلیا، خریدار نے سونے پر قبضہ نہیں کیا، اور ادائیگی کی تاریخ پر سونے کے اس دن کے نرخ کو دیکھ کر حساب چکا یا جائے، تو یہ معاملہ ناجائز ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے "نهى عن بيع الكالئى بالكالئى" (حاکم، المستدرک حدیث نمبر ۲۳۴۲، ۲۳۴۳، سنن دارقطنی، حدیث نمبر ۳۱۵۰ (نسخہ مکنز)، اور اس کی سند میں کلام ہے) (ادھار شئ کو ادھار شئ سے بیچنے سے منع فرمایا)۔

اور سوال میں ذکر کردہ صورت میں مبیع (فروخت کردہ سامان) اور ثمن (قیمت) دونوں ادھار ہیں، لہذا حدیث کی رو سے یہ معاملہ ناجائز ہے۔

۲- جب فروخت کرنے والے نے قیمت پر قبضہ نہیں کیا، اور سکے متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے ہیں، اور تعیین قبضہ کے بغیر نہیں ہوسکتی ہے، تو قبضہ کے بغیر عاقدین کی جدائی اس حالت میں ہوئی کہ ہر فریق کے ذمہ دوسرے کا دین ہے، اور دین کو دین کے بدلہ بیچنا لازم آیا، جو ناجائز ہے، امام کاسانیؒ لکھتے ہیں: **"وأما الفلوس الرائجة فإن قوبلت بخلاف جنسها فهي أثمان"** (کاسانی، بدائع الصنائع ۵/۲۳۴) (اگر رائج فلوس کا تبادلہ خلاف جنس سے ہو تو یہ اثمان ہیں)، اور علامہ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں: **"أما ماعداه، فإنما يشترط فيه التعيين دون التقابض"** (ابن عابدین، ردالمحتار ۵/۱۷۲) (بیع صرف کے علاوہ میں متعین کرنا شرط ہے نہ کہ باہمی قبضہ)۔

البتہ سکے کی تعیین قبضے کے بغیر نہیں ہوسکتی ہے، لہذا قبضہ کرنا شرط ہے، لیکن سوال میں ذکر کردہ صورت میں نہ مشتری نے سونے پر قبضہ کیا، اور نہ ہی بائع نے قیمت پر قبضہ کیا، لہذا متعاقدین قبضہ کے بغیر جدا ہوگئے، اس لئے ہر فریق کے ذمہ دوسرے کا دین رہا، سو یہ بیع باطل ہے، امام سرخسیؒ لکھتے ہیں: **"الدراهم والدنانير لا يتعينان في العقود، فيكون هذا بيع الدين بالدين، وذلک لا يجوز لنهى رسول الله ﷺ عن بيع الكالئى بالكالئى يعني النسيئة بالنسيئة"** (سرخسی، المبسوط ۱۲/۱۱۰) (درہم اور دینار عقد میں متعین نہیں ہوتے ہیں، تو اس میں دین کو دین سے بیچنا لازم آئے گا، اور یہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ حضور ﷺ نے ادھار کو ادھار کے بدلہ بیچنے سے منع فرمایا ہے)۔

اور علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں: (ایسے ہی اگر متعین درہم یا متعین دینار کو متعین فلوس کے بدلے خرید وفروخت کرے، تو بھی فلوس متعین نہیں ہوں گے، جس طرح درہم ودینار متعین نہیں ہوتے ہیں، مگر اس جگہ عقد کے صحت پر باقی رہنے کی شرط مجلس میں قبضہ کرنا ہے، یہاں تک کہ عاقدین اگر باہمی قبضہ کے بغیر جدا ہوگئے، تو عقد باطل ہو جائے گا، اس لئے کہ دین کو دین کے بدلہ بیچنے کی حالت

میں جدائی ہوئی) (کاسانی، بدائع الصنائع ۲۳۶ ۵۳ ۲-۲۳۷)۔

۳-سوال میں ذکر کردہ صورت میں خرید وفروخت مقصود نہیں ہے، بلکہ غیر یقینی چڑھتی گھٹتی قیمت سے فائدہ اٹھانا ہے، لہذا یہ قمار (جوا) ہے، کیونکہ یہ ایسا معاملہ ہے جو غیر یقینی نفع اور نقصان کے درمیان دائر ہے، اور جوا شریعت میں حرام ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**يا أيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون**" (مائدہ: ۹۰) (اے ایمان والو! شراب اور جوا اور تھان پانسے کے تیر بالکل گندے شیطانی کاموں میں سے ہیں تو ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ)۔

۴-سوال میں ذکر کردہ صورت میں ثمن بھی مجہول ہے یعنی عقد کے وقت ثمن متعین نہیں ہے، بلکہ ادائیگی کے وقت کے ثمن کا اعتبار کیا گیا ہے، چنانچہ خریدنے کے دن سونے کا نرخ پانچ ہزار روپے فی تولہ تھا، اور ادائیگی کے دین سونے کے نرخوں میں جو فرق پایا گیا، اس کی ادائیگی کر دی جاتی ہے، لہذا اگر سونا ادائیگی کے دن پانچ ہزار ایک سو روپے فی تولہ ہو گیا تو خریدار بائع کو ایک سو روپے دیتا ہے، اور اگر ادائیگی کے دن سونا چار ہزار نو سو روپے ہو گیا، تو بائع خریدار کو ایک سو روپے دیتا ہے، جبکہ عقد کی صحت کے لئے ثمن کا معلوم ومتعین ہونا ضروری ہے، "ہندیہ" میں ہے: "**ومنها أن يكون المبيع معلوما، والثمن معلوما علما يمنع من المنازعة**" (ہندیہ، کتاب البیع ۳/ ۳) (اور بیع کے صحیح ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مبیع (فروخت کردہ سامان) اور ثمن (قیمت) اس طرح معلوم ہو کہ نزاع سے روکے)۔

۵-سوال میں ذکر کردہ صورت میں خرید وفروخت وقتی ہے، حالانکہ خرید وفروخت کے صحیح ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ "**أن لا يكون مؤقتا، فإن أقته لم يصح**" (ہندیہ ۳/ ۳) (بیع وقتی نہ ہو، سو اگر وقتی ہو تو صحیح نہیں ہے)۔

۶- سونے کی ذخیرہ اندوزی اور گراں فروشی کے لئے اس کو روک رکھنا احتکار کے دائرہ میں داخل نہیں ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**والذين يكنزون الذهب والفضة ولا ينفقونها في سبيل الله، فبشرهم بعذاب أليم، يوم يحمى عليهافي نار جهنم فتكوى بهاجباههم وجنوبهم وظهورهم، هذا ما كنزتم لأنفسكم، فذوقوا ما كنتم تكنزون**" (سورۂ توبہ: ۳۴-۳۵) (اور جو لوگ سونا اور چاندی ڈھیر کر رہے ہیں (جمع کر کے رکھتے ہیں)، اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، ان کو ایک دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو، اس دن جس دن اس مال پر آگ دہکائی جائے گی، پھر اس سے ان کی پیشانیاں، ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی، یہ ہے وہ جو تم نے اپنے لئے ذخیرہ کیا، تو اب چکھو جو تم جمع کرتے رہے ہو)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ذخیرہ اندوزی وہ ہے جس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا جائے، اور مال کے حق کو ادا نہ کیا جائے۔

۲-حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں: "**كنت ألبس أوضاحا من ذهب، فقلت يا رسول الله، أكنز هو، فقال: ما بلغ**

أن تؤدی زكاته فزكي، فليس بكنز" (سنن ابی داؤد حدیث نمبر ۱۵۶۴، مستخرج الطوسی علی جامع الترمذي حدیث نمبر ۵۸۸، طبرانی، مسند الشامیین حدیث نمبر ۲۲۸۷، المعجم الکبیرج ۲۳، حدیث نمبر ۶۱۳، حاکم، المستدرک حدیث نمبر ۱۴۳۸، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے) (میں سونے کے پازیب پہنتی تھی، تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، کیا یہ کنز میں شامل ہے، تو آپ ﷺ نے جواب دیا، جو زکوۃ کی ادائیگی کے نصاب کو پہنچ جائے، اور اس کی زکوۃ ادا کردی جائے، تو وہ کنز میں شامل نہیں ہے)، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سونے کی ذخیرہ اندوزی میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ اس کی زکوۃ ادا کی جاتی رہے۔

۳-اللہ تعالی کے فرمان: "والذين يكنزون الذهب والفضة ولا ينفقونها في سبيل الله" (اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے) کے بارے میں ایک اعرابی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا، آپؓ نے جواب میں ارشاد فرمایا: "من كنز ها فلم يؤد زكاتها فويل له، إنما كان هذا قبل أن تنزل الزكاة، فلما أنزلت جعلها الله طهرا للأموال" (صحیح البخاری حدیث نمبر ۱۴۰۴، سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۱۷۸۷) (جس نے سونا چاندی ذخیرہ کیا، اور ان کی زکوۃ ادا نہیں کی، تو اس کے لئے تباہی ہے، یہ حکم زکوۃ کی آیت نازل ہونے سے پہلے تھا، پھر جب اللہ تعالی نے زکوۃ کی یہ آیت نازل فرمائی، تو زکوۃ کو مال کی پاکی کا ذریعہ قرار دیا)۔

۴-حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إذا أديت زكاة مالك، فقد قضيت ما عليك فيه، ومن جمع مالا حراما، ثم تصدق به، لم يكن له فيه أجر، وكان إصره عليه" (صحیح ابن حبان، حدیث نمبر ۳۲۱۶، سنن ترمذی حدیث نمبر ۶۱۸، حاکم، المستدرک حدیث نمبر ۱۴۴۰، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے) (جب تم نے اپنے مال کی زکوۃ ادا کردی، تو اس سلسلہ میں اپنے اوپر عائد ہونے والی ذمہ داری پوری کردی، اور جو حرام مال جمع کرے، پھر اسے صدقہ کردے، تو اس کے لئے اس میں کوئی اجر نہ ہوگا، اور حرام مال جمع کرنے کا بوجھ (گناہ) اسی پر ہوگا)۔

۵-حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "كل مال وإن كان تحت سبع أرضين يؤدى زكاته، فليس بكنز، وكل مال لا يؤدى زكاته، وإن كان ظاهرا، فهو كنز" (طبرانی، المعجم الأوسط حدیث نمبر ۸۲۷۹، دیلمی، الفردوس، حدیث نمبر ۴۷۴۲، بیہقی، السنن الکبری حدیث نمبر ۷۰۲۵، اور اس کے مرفوع ہونے میں کلام ہے، لیکن موقوف بھی مرفوع ہی کے درجہ میں ہے) (ہر وہ مال جس کی زکوۃ ادا کی جائے وہ ذخیرہ اندوزی نہیں، اگرچہ وہ سات زمین کے تحت میں ہو، اور ہر وہ مال جس کی زکوۃ ادا نہ کی جائے، وہ کنز ہے، اگرچہ وہ ظاہر ہو)۔

۶-حضرت معمر بن ابی معمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "من احتكر طعاما فهو خاطئ" (صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۶۰۵، سنن ابی داؤد حدیث نمبر ۳۴۴۷، ترمذی حدیث نمبر ۱۲۶۷، سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۲۱۵۴، سنن دارمی حدیث نمبر ۲۵۴۶) (جو غلہ کی ذخیرہ اندوزی کرے، وہ گنہگار ہے)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس "احتکار" (گراں بیچنے کے لئے سامان روکنا) کی ممانعت ہے، اس کا تعلق انسان کی بقا کے لئے ضروری اشیاء خوردنی سے ہے، نہ کہ ہر چیز سے۔

۷-حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:"**من احتكر طعاما أربعين ليلة، فقد برئ من الله تعالى، وبرئ الله تعالى منه، وأيما أهل عرصة أصبح فيهم امرؤ جائع، فقد برئت منهم ذمة الله تعالى**"(مسند احمد حدیث نمبر ۴۸۸۰،مسند ابی یعلی حدیث نمبر ۵۷۴۶،مسند بزار حدیث نمبر ۱۳۱۱،حاکم،المستدرک حدیث نمبر ۲۱۶۵،یہ حسن درجہ کی حدیث ہے،اگرچہ بعض نے اس کی سند میں کلام کیا ہے)(جو چالیس دن تک غلہ کو گراں بیچنے کے لئے روکے رکھے، وہ اللہ تعالی سے بری ہوگیا،اور اللہ تعالی اس سے بری ہوگیا،اور جس آبادی میں کوئی شخص بھوکے ہونے کی حالت میں صبح کرے تو وہاں کے باشندگان سے اللہ تعالی کا ذمہ بری ہے)۔

اس حدیث سے یہ بھی واضح ہے کہ احتکار کا تعلق اشیاء خوردنی سے ہے۔

۸-حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"**من احتكر على المسلمين طعامهم، ضربه الله بالإفلاس أو بجذام**"(مسند احمد حدیث نمبر ۱۳۵،مسند طیالسی حدیث نمبر ۵۵،مسند عبد بن حمید حدیث نمبر ۱۷،سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۲۱۵۵،اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے،اگرچہ بعض نے اس کی سند میں کلام کیا ہے)(جو مسلمانوں پر ان کے غلہ کو گراں بیچنے کے لئے روک لے،تو اللہ تعالی اسے افلاس اور جذام(کوڑھ) میں مبتلا کرے گا)۔

اس حدیث سے بھی واضح ہے کہ"احتکار"کا تعلق اشیاء خوراک سے ہے۔

۹-فقہاء نے بھی اس بات کی صراحت کی ہے کہ احتکار کا تعلق اشیاء خوردنی سے ہے،"ہندیہ"میں ہے:"**الاحتكار مكروه، وذلک أن يشتري طعاما في مصر، ويمتنع من بيعه، وذلک يضربالناس**"(ہندیہ ۳/۲۱۳)(گراں فروخت کرنے کے لئے روکنا مکروہ ہے،اور وہ یہ ہے کہ شہر(یا شہر سے قریب سے) غلہ خریدے،اور اسے بیچنے سے باز رہے،اور ایسا کرنا لوگوں کو ضرر میں مبتلا کرے)، اور علامہ تمرتاشی لکھتے ہیں:"**وكره احتكار قوت البشر والبهائم في بلد يضر بأهله**"(تمرتاشی،تنویر الأبصار مع الدر المختار ۶/۳۹۸)(اور انسان اور چوپائے کی خوراک کو گرانی کے انتظار میں روکنا ایسے شہر میں مکروہ تحریمی ہے، جہاں ایسا کرنا باشندگان شہر کو ضرر میں ڈالدے)۔

اور علامہ شامی لکھتے ہیں:("احتکار"لغت میں کسی چیز کو اس کے گراں ہونے کے انتظار میں روکنے کا نام ہے،اور اسم کو "حکرۃ"(ذخیرہ اندوزی) کہتے ہیں،اور شریعت کی اصطلاح میں غلہ وغیرہ کو خرید کر چالیس دن تک گراں ہونے کے لئے روکنا ہے......اور چالیس دن کی یہ تحدید دنیا میں جبرا فروخت کرنے اور تعزیری سزا وغیرہ دینے کے لئے ہے، گناہ کے لئے نہیں ہے،اس لئے کہ ذخیرہ اندوزی پر گناہ ہوگا خواہ مدت تھوڑی ہو......۔

اور انسان کی خوراک کی چیزوں کے ساتھ مقید کرنا طرفین کا قول ہے،اور اسی پر فتوی ہے،اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ جس چیز کا روکنا بھی عام لوگوں کو ضرر میں مبتلا کردے، وہ احتکار ہے)(ابن عابدین،ردالمحتار ۶/۳۹۸)۔

اور امام نووی شافعیؒ لکھتے ہیں:"**وهذا الحديث صريح في تحريم الاحتكار، قال أصحابنا: الاحتكار المحرم هو الاحتكار في الأقوات خاصة، وهو أن يشتري الطعام في وقت الغلاء للتجارة، ولا يبيعه في الحال، بل**

يدخره ليغلو ثمنه" (نووی، شرح النووی علی مسلم ۱۱/ ۴۳ طبع دوم، بیروت، دارالاحیاء، ۱۳۹۲ھ) (اور یہ حدیث ذخیرہ اندوزی کی حرمت کے سلسلہ میں صریح ہے اور ہمارے علماء شوافع کا کہنا ہے کہ حرام ذخیرہ اندوزی خاص اشیاء خوردنی کی ذخیرہ اندوزی ہے، اور وہ یہ ہے کہ تجارت کے لئے گرانی کے وقت غلہ خریدے، اور فوراً نہ بیچے، بلکہ اس کا ذخیرہ کرے تا کہ اس کی قیمت مزید گراں ہوجائے)۔

اور ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں: "**والاحتكار حرام...... وأن يكون المشترى قوتا...... وأن يضيق على الناس بشرائه**" (ابن قدامہ، المغنی ۴/ ۳۰۵ طبع اول، بیروت، دارالفکر) (اور ذخیرہ اندوزی حرام ہے...... جبکہ خرید کردہ چیز اشیاء خوردنی میں سے ہو، اور اپنے خریدنے کے ذریعہ لوگوں کو تنگی میں مبتلا کرے)۔

جبکہ مالکیہ کے نزدیک امام ابو یوسف کی رائے کی طرح ضرورت کے وقت ہر چیز کی ذخیرہ اندوزی حرام ہے، ابن رشد قرطبی (جد) لکھتے ہیں: "**لا اختلاف في أنه لا يجوز احتكار شي من الطعام ولا غيره ف ٥ وقت يضر احتكاره بالناس، ويغليه عليهم**" (ابن رشد، البیان والتحصیل ۷/ ۳۶۰ طبع دوم، بیروت، دارالغرب، ۱۴۰۸ھ-۱۹۸۸ء) (اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ غلہ اور غیر غلہ میں سے کسی چیز کی ذخیرہ اندوزی ایسے وقت میں جائز نہیں، جس میں اس کی ذخیرہ اندوزی لوگوں کو ضرر میں ڈال دے، اور اس چیز کو لوگوں پر گراں کردے)۔

لیکن جمہور کا مسلک راجح معلوم ہوتا ہے کہ احتکار انسان اور جانور کی خوراک کی ذخیرہ اندوزی کے ساتھ خاص ہے، اس لئے کہ حرمت کی حکمت لوگوں سے ضرر دور کرنا ہے، اور عام طور سے لوگ انسانی یا حیوانی اشیاء خوردنی کی قلت کی وجہ سے ہی ضرر میں مبتلا ہوتے ہیں۔

۱۰- قیمت میں متوقع اضافہ کی امید میں سونا کو روک لینا ممنوعہ ذخیرہ اندوزی میں داخل نہیں ہے، اس لئے کہ وہ احتکار ممنوع ہے جو گرانی کے وقت ہو اور اشیاء کو گراں تر کردے، لیکن فطری اسباب کی بنا پر قیمت میں اضافہ ہونے میں سونے چاندی کے تاجروں کا کوئی دخل نہیں ہے۔

۱۱- اشیاء ضروریہ کی قیمت میں اضافہ محض سونے کی گرانی کی وجہ سے نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس کے بہت سے معاشی اور سیاسی اسباب ہیں، اور عام طور سے یہ اضافہ فرض اسباب کی بنیاد پر ہوتا ہے، یا حکومت کی غلط پالیسی کی وجہ سے ہوتا ہے، اگر حکومت بہتر نظام اور پالیسی پر عمل پیرا رہے، تو اشیاء ضروریہ کی قیمت متوازن رہے، لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت کا نظام صاف شفاف ہو، اور اس کی غلط پالیسی پر لگام کسی جائے۔

۷- اسمگلنگ (Smuggling) کا عمل ناجائز ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- حکومت نے اپنے ملک کے معاشی مصالح کے مدنظر دوسرے ملکوں کی برآمدات پر پابندی کا جو قانون بنایا ہے اس پر چلنا واجب ہے، اس لئے کہ غیر معصیت میں حکومت وقت کے قوانین کا التزام لازم ہے، چنانچہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں: "**طاعة الإمام فيما ليس بمعصية فرض، فكيف فيما هو طاعة**" (ابن نجیم، البحر الرائق ۵/ ۱۵۲) (غیر معصیت میں امام کی اطاعت فرض ہے، تو طاعت پر مبنی امور میں کس درجہ فرض ہوگی)۔

۲-اسمگلنگ کے ملکی مصنوعات پر زبردست اضرار مرتب ہوتے ہیں، چنانچہ ان کی خرید وفروخت متاثر ہوتی ہے۔

۳-جو تاجر حضرات قانونی واجبات ادا کر کے اشیاء درآمد کرتے ہیں، ان کو اسمگلنگ کی وجہ سے زبردست نقصان لاحق ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ اسمگلنگ کے ذریعہ لائے ہوئے سامان کی قیمت کا مقابلہ نہیں کر پاتے ہیں۔

۴-ملکی مصنوعات اسمگلنگ کی وجہ سے کساد بازاری کا شکار ہوجاتی ہیں، اور دیسی کارخانے بند ہونے کے کگار پر پہنچ جاتے ہیں جس کی وجہ سے بے کاری اور بے روزگاری بڑھتی چلی جاتی ہے۔

۵-اسمگلنگ کی وجہ سے حکومت، ملک کے باشندگان اور ملکی قانون کی پابندی کرنے والے تاجر حضرات سب کو ضرر میں مبتلا کیا جاتا ہے، جبکہ لوگوں کو ضرر میں ڈالنا حرام ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا ضرر ولا ضرار" (مسند احمد حدیث نمبر ۲۸۶۵، طبرانی حدیث نمبر ۱۱۸۰۶، ابن ماجہ حدیث نمبر ۲۳۴۱، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے) (خود ضرر اٹھانا اور نہ دوسروں کو ضرر پہنچانا جائز ہے)۔

اور حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ "أن رسول الله ﷺ قضى أن لا ضرر ولا ضرار" (سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۲۳۴۰، مسند احمد حدیث نمبر ۲۲۷۷۸، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے) (رسول کرم ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ خود نقصان اٹھانا اور نہ دوسروں کو نقصان پہنچانا جائز ہے)۔

۶-اسلامی نقطہ نظر سے کسی کو ضرر پہنچانا جائز نہیں ہے جیسا کہ گزرا، نیز اہل بازار کو نقصان پہنچنے کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی شخص تجارتی قافلہ کے شہر میں آنے سے پہلے ہی باہر جا کر ان سے سامان خرید لے اور بازار میں آ کر گراں قیمت میں فروخت کرے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "لا تلقوا الركبان" (صحیح البخاری حدیث نمبر ۲۱۵۰، ۲۱۶۲، صحیح مسلم ۱۵۱۵) (تجارتی قافلے کی شہر آمد سے پہلے باہر جا کر ان سے غلے مت خریدو) تو جب ضرر خاص ممنوع ہے تو پھر ضرر عام کی وجہ سے اسمگلنگ بدرجہ اولی ممنوع ہوگی۔

۷-شرعی نقطہ نظر سے خود کو ضرر پہنچانا بھی درست نہیں ہے، جبکہ اسمگلنگ میں خود کو ضرر میں مبتلا کرنا بھی پایا جاتا ہے، کیونکہ پکڑے جانے پر قید و بند کی صعوبت جھیلنی پڑتی ہے، اور مال کو ضبط کرلیا جاتا ہے اور جرمانے عائد کئے جاتے ہیں، لہذا اس لحاظ سے بھی اسمگلنگ ناجائز ہے۔

۸-انسان کی قیمت اس کی عزت و آبرو سے ظاہر ہوتی ہے، جبکہ اسمگلنگ میں پکڑے جانے پر آدمی بے عزت ہوجاتا ہے، اور یہ امر مخفی نہیں ہے کہ اپنی عزت کو داغدار کرنا شرعی نقطہ سے درست نہیں ہے، کیونکہ جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ شریعت کے بنیادی مقاصد میں سے ہے۔

اور جب اسمگلنگ ناجائز ہے تو پھر اس طریقہ پر آنے والے سونے کا خریدنا اور اس کو فروخت کرنا بھی درست نہیں ہے، اس لئے کہ اس کے اندر حکومت، ملک کی صنعت اور معاشیات سب کو نقصان پہنچانا لازم آتا ہے، اور جائز اور مبنی بر مصلحت امور میں حکومت وقت کی مخالفت ہے، اور معصیت پر تعاون بھی ہے، جبکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وتعاونوا على البر والتقوى ولا

تعاونوا علی الإثم والعدوان'' (مائدہ:۲)(اورتم باہم نیکی اورتقوی میں ایک دوسرے کی مددکرو، اورگناہ اورظلم وزیادتی میں تعاون نہ کرو)۔

البتہ اگر درآمد(Import) اور برآمد(Export) کا نظام مفادعام کے پیش نظر نہیں بنایا گیا ہو، بلکہ حکمراں طبقہ اور سرمایہ دارلوگوں کی رعایت پرمبنی ہو، تو ایسی حالت میں اسمگلنگ کے ذریعہ لائے ہوئے سونے کوخریدنا مباح ہے۔

۸- موجودہ وقت میں پلاٹین(Platinum) (ایک قیمتی چاندی سے مشابہ سفید دھات) کا شمار مہنگی دھاتوں میں ہوتا ہے، اسی وجہ سے اسے سفید سونا کہا جاتا ہے، اوراس کے زیورات بھی بنائے جاتے ہیں، لیکن ان سب کے باوجود'' پلاٹین'' کوحقیقی سونے کے حکم میں نہیں رکھا جاسکتا ہے، اورنہ ہی عقود، زکوۃ اور دیگر معاملات میں اس پرسونے کے احکام منطبق کئے جاسکتے ہیں، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-'' پلاٹین'' اشیاء کی قیمت کا اندازہ لگانے کے لئے ثمن کے درجہ میں نہیں ہے، لہذا اس پرسونے چاندی کے احکام منطبق نہیں ہوتے ہیں۔

۲-'' پلاٹین'' اگرچہ ایک قیمتی دھات ہے، لیکن اس کی ماہیت وحقیقت سونے چاندی سے الگ ہے، لہذا سونے چاندی کے احکام اس پرمنطبق نہیں ہوں گے۔

۳-'' پلاٹین'' اگرچہ ایک نفیس دھات ہے، لیکن سونے چاندی سے الگ ہے، لہذا روپے کے ذریعہ اس کی ادھار خرید وفروخت بھی جائز ہے، اورمجلس عقد میں اس پر باہمی قبضہ بھی شرط نہیں ہے، اوراگر وہ تجارت کے لئے نہ ہوتو اس پرزکوۃ بھی واجب نہیں ہے، البتہ اس پرسونے چاندی کے علاوہ دیگر معادن کے احکام جاری ہوں گے، یعنی اس میں خمس یعنی پانچواں حصہ واجب ہوگا، اور باقی چار حصے مالک زمین کے ہوں گے، اگر وہ مملوکہ زمین میں پایا گیا، اوراگر غیرمملوکہ زمین جیسے صحراوغیرہ میں پایا گیا تو باقی چار حصے پانے والے کے ہوں گے، امام سرخسیؒ لکھتے ہیں: **"المستخرج من المعادن أنواع ثلاثة:منها جامد يذوب وينطبع كالذهب والفضة والحدير والرصاص والنحاس......فأما الجامد الذي يذوب بالذوب ففيه الخمس عندنا"** (سرخسی، المبسوط، کتاب الزکاۃ، باب المعادن ۲/۲۱۱-۲۱۲، بیروت، دارالمعرفۃ ۱۴۱۴ھ-۱۹۹۳ء) (کان سے نکالی جانے والی اشیاء کی تین قسمیں ہیں، ان میں سے ایک قسم یہ ہے کہ وہ ٹھوس ہوجو پگھلتا اورڈھلتا ہو، جیسے سونا، چاندی، لوہا، سیسہ اورتانبا......سورہے وہ ٹھوس مادے جو پگھلانے سے پگھلتے ہیں تو ہم حنفیہ کے نزدیک اس میں خمس(پانچواں حصہ) واجب ہے)۔

۴-'' پلاٹین'' نہ سونے چاندی کی طرح خلقتاً نامی ہے، اورنہ ہی عرفاً نامی ہے، لہذا اگرتجارت کے لئے نہ ہو، تواس پرزکوۃ واجب نہیں ہے۔

۵-کسی چیزکو سونا کہہ دینے سے حقیقت کے اعتبار سے وہ سونا نہیں ہوجاتا ہے، مثلاً پیٹرول کو سیاہ سونا اور روئی(Cotton) کوسفید سونا کہا جاتا ہے، لیکن محض نام کی وجہ سے وہ سونے کے حکم میں نہیں ہوجائیں گے۔

۶-کسی چیز کا محض قیمتی ہونا اسے سونا چاندی کے حکم میں داخل نہیں کردیتا ہے، چنانچہ ہیرے(Diamond) اوردیگر

جواہرات ہر دور میں انتہائی قیمتی پتھر رہے ہیں، اور یہ نبی کریم ﷺ کے دور میں بھی موجود تھے، لیکن آپ ﷺ نے اس پر زکوۃ واجب نہیں کی، اس سے معلوم ہوا کہ محض قیمتی ہونے سے کوئی چیز سونے چاندی کے حکم میں داخل نہیں ہوجاتی ہے۔

۷-فقہاء نے بھی اس بات کی صراحت کی ہے کہ محض قیمتی ہونے سے کوئی چیز سونے چاندی کے حکم میں داخل نہیں ہوجاتی ہے، چنانچہ محمد عبدالقادر رازی حنفیؒ (و:۶۶۶ھ) لکھتے ہیں: "**ولا شي في الفيروزج والياقوت واللؤلؤ والعنبر، وفي الزئبق الخمس**" (رازی، تحفۃ الملوک ر ص ۱۲۸، بیروت، دار البشائر، ۱۴۱۷ھ) (فیروزہ (نیلے رنگ کا قیمتی پتھر)، یاقوت (ایک قیمتی پتھر جو سرخ نیلا، زرد اور سفید رنگ کا ہوتا ہے)، موتی اور عنبر (ایک ٹھوس مادہ جو باریک پسینے کے بعد مہکتا ہے، یا آگ پر ڈالنے سے خوشبو نکلتی ہے، اور وہ سمندری جانور کے پیٹ سے بہ طور فضلہ خارج ہوتا ہے) میں کچھ واجب نہیں ہے، اور پارہ (ایک رقیق دھات جو سفید اور بھاری ہوتی ہے، تھرکتی رہتی ہے) میں پانچواں حصہ واجب ہے)۔

اور مالکیہ کے نزدیک بھی: "**ليس في الجواهر واللؤلؤ والعنبر زكاة**" (دیکھئے: مالک بن انس، المدونۃ ۱/ ۳۴۰، بیروت، العلمیۃ، نیز: دسوقی مالکی، حاشیۃ الدسوقی ۱/ ۴۶۱، بیروت، دار الفکر، قرطبی مالکی، الاستذکار ۳/ ۱۵۴، بیروت العلمیۃ ۲۰۰۰ء) (جوہر (ایک قیمتی پتھر)، موتی اور عنبر میں زکوۃ نہیں)۔

اور امام نووی شافعیؒ لکھتے ہیں: "**لا زكاة فيما سوى الذهب والفضة من الجواهر، كالياقوت، والفيروزج، واللؤلؤ، والمرجان، والزمرد، والزبرجد، والحديد، والصفر، وسائر النحاس، والزجاج، وإن حسنت صنعتها، وكثرت قيمتها، ولا زكاة أيضا في المسك والعنبر**" (نووی، المجموع ۶/ ۳، بیروت، دار الفکر ۱۹۹۷ء) (سونے چاندی کے علاوہ دیگر جواہرات میں زکوۃ واجب نہیں ہے، جیسے یاقوت، فیروزہ، موتی، مونگا (چھوٹا موتی)، زمرد (سبز رنگ کا ایک قیمتی پتھر) زبرجد (زمرد کے مشابہ ایک قیمتی پتھر جو ہرے اور زرد وغیرہ رنگ کا ہوتا ہے)، لوہا، پیتل، اور تمام قسم کے تانبے، اور شیشہ، اگرچہ ان کے اندر عمدہ طریقہ سے کاریگری کی گئی ہو، اور ان کی قیمت بہت ہو، اور ایسے ہی مشک اور عنبر میں زکوۃ نہیں ہے)۔

فقہاء کی ان تصریحات سے بھی واضح ہے کہ محض قیمتی ہونے سے کوئی چیز سونے چاندی کے حکم میں داخل نہیں ہوجاتی ہے۔

خلاصہ بحث:

۱-روپے سے سونا خریدا جائے تو اس میں روپیہ کی حیثیت ثمن کی ہے، لیکن یہ بیع صرف بھی نہیں ہے، لہذا یہ بات درست ہے کہ سونا چاندی اور روپے میں سے ایک نقد ہو، اور دوسرا ادھار۔

البتہ بہتر یہ ہے کہ روپے کے ذریعہ سونا چاندی نقد خریدے۔

۲-حکومت یا سونے کی مارکیٹ کی طے کردہ قیمت سے کم یا زیادہ میں سونا چاندی فروخت کرنا جائز ہے۔

اور اس پر ربا تفاضل کا اطلاق نہیں ہوتا ہے۔

۳-زیور بنانے والے کاریگر زیورات کے تاجروں سے زیور سازی کے سلسلہ میں جو معاملہ کرتے ہیں اور وہ اجارہ ہے۔

۴-زیورات کے بنانے میں جو ذرات بچ جاتے ہیں، اگر وہ متعین ہیں، مثلاً پانچ سو گرام میں دو گرام، تو اجرت کی یہ تعیین

کافی ہے، اور اگر متعین نہ ہوں، مثال کے طور پر پانچ سو گرام میں نکلنے والے ذرات دو یا تین گرام ہو سکتے ہیں، تو اجارہ فاسد ہے، اور اجرت مثل واجب ہے۔

۵- جو صورت معاشرہ میں رائج ہے وہ یہ ہے کہ سونے کے تاجر حضرات پرانے زیور کو کم قیمت میں روپے سے خریدتے ہیں، اور پھر نئے زیور روپیوں میں بیچتے ہیں، لہذا جنس مختلف ہونے کی وجہ سے ربا تفاضل کا اطلاق نہیں ہوتا ہے، البتہ اگر کہیں یہ صورت رائج ہو کہ سونے کے پرانے زیور کا نئے زیور سے تبادلہ ہو، تو ایسی حالت میں پرانے زیور کے بدلے نیا زیور کم وزن سونے میں ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

۶- اگر سونا فروخت کرنے والے ادارے کے پاس ایک کیلو سونا ہو، اور وہ دو سو افراد کو پچاس پچاس گرام سونا فروخت کرے، لیکن ان سب کا خریدا ہوا سونا سونے کی اینٹ میں شامل ہو، ان کے الگ الگ بسکٹ یا سکے نہیں بنائے گئے ہوں، بلکہ ان کے آرڈر (Order) کے بقدر سونا ان کے نام محفوظ کر دیا گیا ہو، تو اس کو خریداروں کا قبضہ نہیں قرار دیا جائے گا، اس لئے کہ سونا چاندی پر قبضہ سے مراد عملی قبضہ ہے۔

۷- اگر ہر خریدار کے لئے اس کی خریدی ہوئی مقدار کا سکہ الگ سے موجود ہو، اور اس کو کمپیوٹر (Computer) یا ریکارڈ رجسٹر (Record Register) میں اس کے نام سے درج کر دیا گیا ہو، تو یہ اندراج قبضہ کے لئے کافی نہیں ہے، اس لئے کہ سونا چاندی پر قبضہ سے مراد عملی قبضہ ہے۔

۸- ایکسچینج (Exchange) کے ذریعہ کاروبار کی جو صورت رائج ہے کہ مثلاً ایک مہینے کے لئے ادھار ایک مخصوص مقدار جیسے ۱۰ تولے سونے کا سودا کر لیا، خریدار نے سونے پر قبضہ نہیں کیا، اور ادائیگی کی تاریخ پر سونے کے اس دن کے نرخ کو دیکھ کر حساب چکایا جائے، تو یہ معاملہ ناجائز ہے۔

۹- سونے کی ذخیرہ اندوزی اور گراں فروشی کے لئے اس کو روک کر رکھنا ''احتکار'' کے دائرہ میں داخل نہیں ہے۔

۱۰- اسمگلنگ (Smuggling) کا عمل ناجائز ہے، اور اس طریقہ پر آنے والے سونے کا خریدنا اور اس کو فروخت کرنا بھی درست نہیں ہے، البتہ اگر درآمد اور برآمد کا نظام مفاد عام کے پیش نظر نہیں بنایا گیا ہو، بلکہ حکمراں طبقہ اور سرمایہ دار لوگوں کی رعایت پر مبنی ہو، تو ایسی حالت میں اسمگلنگ کے ذریعہ لائے ہوئے سونے کو خریدنا مباح ہے۔

۱۱- ''پلاٹین'' حقیقی سونے کے حکم میں نہیں ہے، اور نہ ہی عقود، زکوۃ اور دیگر معاملات میں اس پر سونے کے احکام منطبق ہوتے ہیں۔

☆☆☆

سونا چاندی کی تجارت-شرعی نقطۂ نظر

مفتی انور علی اعظمی☆

۱-(الف): اگر روپے سے سونا چاندی خریدا جائے تو اس کو بیع صرف نہیں کہیں گے اور یہ بیع درست ہوگی؛ بشرطیکہ سونا چاندی اور روپئے میں سے ایک نقد ہو اور دوسرا ادھار۔

نوٹ کی فقہی حیثیت کی وضاحت کرتے ہوئے مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ماضی قریب میں علماء ہندوستان میں اکثر کی رائے یہ رہی کہ نوٹ خود مال نہیں ہے بلکہ دین کی رسید ہے کسی کو نوٹ دینا دین کا حوالہ ہے، اور اس پر کئی مسائل متفرع ہوتے ہیں؛ مثلاً نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی جب تک کہ ایک فقیر اس سے کوئی چیز خرید نہ لے، نوٹوں سے سونے چاندی کی خریداری درست نہیں ہوگی، اس لئے کہ نوٹ بھی سونے کی نمائندگی کرتے ہیں، لہٰذا یہ بیع صرف ہوئی اور جس نے نوٹ لئے اس نے سونے پر قبضہ نہیں کیا، لہٰذا تقابض فی المجلس نہ ہوا جو بیع صرف کے جواز کی شرط ہے؛ بلکہ اس رائے کے مطابق دونوٹوں کا آپس میں تبادلہ بھی جائز نہیں، اس لئے کہ یہ بیع الدین بالدین (بیع الکالی بالکالی) ہے جو ناجائز ہے۔

یہ نقطۂ نظر کسی زمانہ میں درست تھا مگر اب بوجوہ درست نہیں رہا، اس لئے کہ اب نوٹوں کے پیچھے سونا نہیں ہوتا؛ بلکہ خود انھیں کو ثمن قرار دے دیا گیا ہے۔

☆ اکثر علماء عرب کی رائے یہ ہے کہ نوٹ ذہب اور فضہ کے قائم مقام ہیں، جو احکام سونے کے ہیں وہی نوٹوں کے بھی ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ سونا چاندی تو آلہ تبادلہ نہیں رہے، سونے چاندی کی جگہ اب نوٹوں نے لے لی ہے، لہٰذا زکوٰۃ، بیع صرف اور ربوا وغیرہ تمام مسائل میں نوٹوں کا حکم سونے چاندی والا ہوگا۔

یہ نقطۂ نظر بھی درست معلوم نہیں ہوتا، اس لئے کہ سونے چاندی اور نوٹوں میں فرق ہے؛ کیونکہ سونے چاندی کو شریعت نے ثمن حقیقی قرار دیا ہے جب کہ نوٹ اعتباری ثمن ہیں، لہٰذا نوٹوں کو سونے چاندی کے قائم مقام قرار دینا اور یہ کہنا کہ سونے چاندی کی ثمنیت ختم ہو چکی ہے درست نہیں ہے۔

صحیح نقطۂ نظر یہ ہے کہ نوٹ رسید نہیں ہے، بلکہ خود مال ہے، سونے چاندی کی طرح ثمن حقیقی نہیں، بلکہ ثمن عرفی ہے، ان کا حکم وہی ہوگا جو فلوس کا ہوتا ہے، لہٰذا اگر نوٹ کے ذریعہ سونا خریدا جائے تو یہ بیع صرف نہیں ہے؛ اس لئے تقابل فی المجلس ضروری نہیں ہے،

☆ مفتی دار العلوم، مئو۔

البتہ بدلین میں سے ایک پر مجلس میں قبضہ ضروری ہے تاکہ بیع الدین بالدین لازم نہ آئے، لہٰذا یہ بات درست ہوگی کہ سونا چاندی اور روپیہ میں سے ایک نقد ہو اور دوسرا ادھار۔

اس دور کے اکثر علماء کی یہی رائے ہے کہ روپے سے سونا اور چاندی ادھار خرید اجاسکتا ہے بشرطیکہ ایک نقد ہو اور دوسرا ادھار (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۷/ ۳۴-۲۳۳)۔

(ب): انٹرنیٹ اور موبائل کی سہولیات نے پوری دنیا کو ایک شہر میں تبدیل کر دیا ہے دنیا کے مغرب میں کیا ہوتا ہے مشرق کو اس کی خبر سکنڈوں میں پہنچ جاتی ہے تمام ملکوں کی منڈیاں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں انٹرنیشنل مارکیٹ میں اشیاء کا جو نرخ ہوتا ہے وہ چھوٹے شہروں اور دیہات تک اسی وقت پہنچ جاتا ہے اس میں تاخیر نہیں ہوتی، لیکن پھر بھی کوئی یہ چاہے کہ ساری دنیا میں کسی سامان کا ایک ہی نرخ ہو یہ ممکن نہیں اور شریعت بھی بیچنے اور خریدنے والے کو اس پر مجبور نہیں کرتی۔ خود ہمارے ملک میں سونے اور چاندی کا جو بھاؤ اخبار میں آتا رہتا ہے وہ ایک نہیں ہوتا، ہندوستان کے چار بڑے شہر ممبئی، کلکتہ، دلی اور چنئی ان چار شہروں کے سونے اور چاندی کے بھاؤ اخبارات میں روزانہ شائع ہوتے ہیں اور ان میں تفاوت رہتا ہے پھر ان شہروں کے قریب جو شہر ہیں ان کے بھاؤ میں بھی تفاوت ہوتا ہے بلکہ ایک شہر میں اگر سونے کے سود و کاندار ہیں تو ان سب کا بھاؤ بھی بالکل برابر نہیں رہتا، کم وبیش ہوتا ہے، لہٰذا انٹرنیشنل مارکیٹ میں جو بھاؤ ہے یا ہندوستان کی سطح پر یہاں کی مارکیٹ نے جو بھاؤ طے کیا ہے اس سے زیادہ یا کم قیمت میں خرید وفروخت کرنا جائز ہوگا اور اس پر ربوا تفاضل کا اطلاق نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ شریعت میں بیع کی تعریف ہے: ''**مبادلة المال بالمال مع التراضی**''، لہٰذا جب دونوں فریق ایک بھاؤ پر لین دین کرنے کے لئے راضی ہوگئے تو یہ بیع جائز ہے چاہے وہ انٹرنیشنل بھاؤ یا M.C کے طے شدہ بھاؤ سے کچھ کم وبیشی کیوں نہ ہو۔

دوسرے یہ کہ تسعیر یعنی چیزوں کا بھاؤ متعین کرنا شریعت کے مزاج کے خلاف ہے اس لئے انٹرنیشنل مارکیٹ یا اندرون ملک کی مارکیٹ کے متعین کئے ہوئے بھاؤ کو ایسی حیثیت حاصل نہیں ہے کہ بائع یا مشتری کو اس کا پابند کیا جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ سے اس کے خلاف روایت موجود ہے آپ کے زمانہ میں کسی چیز کا بھاؤ زیادہ ہوگیا تو لوگوں نے کہا یارسول اللہ ایک بھاؤ طے کر دیجئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**ان الله هو المسعر القابض الباسط الرازق وإنی لأرجو أن ألقی الله تعالیٰ ولیس أحدمنکم یطالبنی بمظلمة من دم ولا مال وصححه الترمذی وابن حبان**'' (حاشیہ ہدایہ: ۴/ ۴۵۵)۔

(رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ بھاؤ طے کرنے والا ہے وہی تنگی اور کشادگی پیدا کرنے والا ہے روزی دینے والا ہے میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملوں کہ تم میں کا کوئی شخص مجھ سے خون یا مال میں ظلم وزیادتی کا مطالبہ نہ کرے)۔

بہت مجبوری کے حالات میں عوام کو ظلم وزیادتی سے بچانے کے لئے تسعیر کی گنجائش ہے جیسا کہ ہدایہ اور فقہ کی دوسری کتابوں میں اس کی صراحت ہے۔ عام حالات میں تسعیر فقہاء کے یہاں مکروہ ہے، ہدایہ میں مذکور ہے: ''**ولا ینبغی للسلطان یسعر علی الناس**'' (حوالہ بالا)۔

بادشاہ کو نہیں چاہئے کہ وہ لوگوں پر بھاؤ طے کرے، اسلام آزادنہ تجارت کو پسند کرتا ہے اور مشتری اور بائع کو آپسی رضامندی کے ساتھ خرید وفروخت کی تعلیم دیتا ہے۔

۲-(الف): سونے کے لین دین میں مقدار کا جو یہ فرق ہو رہا ہے اسے بیع نہیں کہا جا سکتا، بیع قرار دینے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ یہاں دونوں طرف سونا ہے سونے کا لین دین سونے سے ہو رہا ہے، لہٰذا شرعی نقطۂ نظر سے یہ معاملہ بیع صرف ہے اور اس بیع میں مثلا بمثلٍ کے ساتھ یداً بیدٍ بھی شرط ہے، یہاں معاملہ چند دنوں کے بعد ہو رہا ہے اس لئے اس کو بیع ماننے کی گنجائش نہیں ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

''حدثنا عبدالرحمن بن ابی بکرة عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثلا سواء بسواء یداً بیدٍ۔ عن عمروٍ عن ابی المنهال قال باع شریک لی ورقاً بنسیئة إلی الموسم أو الحج فجاء الی فأخبرنی فقلت هذا امر لایصلح قال قد بعته فی السوق فلم ینکر ذلک علی أحد فأتیت البراء بن عازب فقال قدم النبی ﷺ المدینة ونحن نبیع هذا البیع فقال ماکان یدا بیدٍ فلا باس به وماکان نسیئة فهو ربوا''۔

دوسری حدیث میں زید بن ارقم اور براء بن عازب دونوں حضرات سے مروی ہے:

''نهی رسول الله ﷺ عن بیع الورق بالذهب دیناً'' (صحیح مسلم: ۲/ ۲۵، بخاری شریف: ۱/ ۲۹۱)۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم، ترمذی شریف اور صحاح کی تمام کتابوں میں یہ حدیث مروی ہے اس لئے سونے کے تاجر اور زیور بنانے والے کاریگر کے درمیان جس معاملہ کا سوال میں ذکر کیا گیا ہے اس کو بیع بنانا جائز اور درست نہیں ہو سکتا۔

دوسرے یہ کہ سونے کا تاجر اپنا مال دے کر زیور کی شکل میں واپس لے رہا ہے تو اسے بیع ماننے کی صورت میں سونا دینے والے تاجر ہی کو بائع اور مشتری دونوں ماننا لازم آئے گا۔

تیسرے یہ کہ بیع اپنی ملک کی ہوتی ہے اگر اس کو بیع مانا جائے تو زیور بنانے والے کاریگر کو زیور کا مالک ماننا ہوگا اور پھر اسے اس بات کا پابند نہیں کیا جا سکتا کہ وہ سونے کا بنایا ہوا زیور اسی تاجر کے ہاتھ بیچے، مالک ہونے کی صورت میں کسی اور کے ساتھ بھی بیع کرنے کا اس کو اختیار ہوگا، حالانکہ یہاں ایسا نہیں ہے۔ لہٰذا یہ معاملہ بیع کے بجائے اجارہ ہے۔

(ب): فقہاء کے یہاں عقد اجارہ درست ہونے کے لئے اجرت کا متعین ہونا ضروری ہے۔ ہدایہ میں مذکور ہے:

''ولا یصح حتی تکون المنافع معلومة والأجرة معلومة'' (ہدایہ: ۴/ ۲۷۷، کتاب الاجارۃ)۔

(اور عقد اجارہ صحیح نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ منافع معلوم ہوں اور اجرت معلوم ہو)۔

صاحب ہدایہ نے اس کی ایک دلیل یہ ذکر کی ہے کہ معقود علیہ کی جہالت اور اس کے بدل یعنی اجرت کی جہالت منازعت کا سبب ہے جیسے بیع میں ثمن اور مبیع کی جہالت اور اسی کے ساتھ انھوں نے کتاب الآثار کی ایک حدیث نقل کی ہے:

''من استاجر أجیرا فلیعلمه أجره۔ قال المحشی رواه محمد بن الحسن فی کتاب الآثار''

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مزدور کو اجرت پر رکھے تو چاہئے کہ اس کو اس کی اجرت بتادے)۔

اس لئے فقہاء کے یہاں عقد اجارہ کی درستگی کے لئے اجرت کی تعیین ایک بنیادی چیز ہے مسئلہ مذکورہ میں زیورات بنانے میں جو ذرات بچ جائیں اگر انھیں کو اجرت قرار دیا جائے تو یہ ایک غیر متعین چیز ہے زیور بنانے والا کاریگر دوسری دھات زیادہ ملا کر سونے کے ذرات زیادہ مقدار میں بچا سکتا ہے، ایسا کرنا چوری اور خیانت کا دروازہ کھولنا ہوگا۔ اس لئے زیورات بنانے کی مزدوری الگ سے طے کرنا ضروری ہے اور جو دھات کاریگر اس میں ملا رہا ہے تاجر کی طرف سے اس دھات کو فراہم کرنا یا اس کی قیمت ادا کرنا ضروری ہے، سونے کے بچے ہوئے ذرات تاجر کی ملک ہیں انھیں تاجر کے پاس واپس آنا چاہئے تاجر اپنی مرضی سے اس میں تصرف کرنے کا حق رکھتا ہے۔

۳- سونا اموال ربویہ میں سے ہے اور وزنی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی وزن سے بکتا تھا اور آج بھی وزن سے بکتا ہے اور اموال ربویہ میں جب ثمن اور مبیع کی جنس ایک ہو تو ربوا تفاضل اور ربوا نسیئہ دونوں قسم حرام ہے چاہے ایک طرف جید مال ہو اور دوسری طرف ردی مال ہو۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''الذهب بالذهب مثلا بمثل وزناً بوزنٍ والفضل ربو''۔

اسی طرح سے آپ کا ارشاد ہے:

''جيدها ورديها سواء'' (نصب الرایہ ۳۷/۴، درایہ علی حاشیۃ الہدایہ ۸۸/۳)۔

اس مفہوم کی احادیث صحاح ستہ میں متعدد جگہ موجود ہے (صحیح مسلم: جلد ۲ کتاب البیوع، سنن ترمذی باب ماجاء فی الصرف ۱۴۹/۱)۔

لہٰذا براہ راست سونے کے پرانے زیور کو سونے کے نئے زیور کے ساتھ کمی کو ملحوظ رکھتے ہوئے بیچنا جائز نہیں ہوگا اس کے سود ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ کیونکہ اموال ربویہ میں اچھا اور خراب بیع کے معاملہ میں یکساں مانا جاتا ہے اس کی بہت واضح دلیل بخاری شریف کی یہ روایت ہے جو ابوسعید خدریؓ اور ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک شخص کو خیبر کا عامل بنایا وہ آپ کے پاس جنیب کھجور لایا اللہ کے رسول ﷺ نے پوچھا کہ کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی ہوتی ہیں تو اس نے کہا نہیں اللہ کی قسم ہم دو صاع کھجوریں دے کر ایک صاع کھجور لیتے ہیں یا تین صاع کھجور کے بدلے دو صاع لیتے ہیں، تو آپ ﷺ نے کہا ایسا نہ کرو، اور ارشاد فرمایا کہ اپنی کھجوروں کو پہلے دراہم کے ذریعہ بیچو اور پھر دراہم سے جنیب کھجور خریدو اللہ کے رسول ﷺ نے کھجوروں کے تبادلہ میں کمی بیشی کو منع کیا اور سود کا دروازہ بند کرنے کے لئے آپ نے جائز اور حلال طریقے پر رہنمائی فرمائی ہے (بخاری شریف: ۶۰۹/۲)۔

۴- **(الف):** فتاویٰ ہندیہ ج ۳ ص ۱۶ پر مذکور ہے کہ مبیع کو تسلیم کرنے میں اس بات کا اعتبار ہے کہ اس کو الگ کردیا جائے دوسرے کا حق اس میں شامل نہ ہو اور فقہاء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جائز بیع میں یہی تخلیہ قبضہ ہوتا ہے۔

''ويعتبر في السلم أن يكون المبيع مفرزاً غير مشغول بحق غيره هكذا في الوجيز لكردري،

وأجمعوا علی أن التخلية فی البيع الجائز تكون قبضاً"۔

بدائع ۵/ ۲۴۴ پر مذکور ہے:"**فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع وبين المشتری برفع الحائل بينهما علی وجه يتمكن المشتری من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشتری قابضا له**"۔

یعنی تسلیم اور قبضہ کی حقیقت ہمارے نزدیک تخلیہ اور تخلی ہے اور اس کی شکل یہ ہے کہ بائع مشتری اور مبیع کے درمیان ہر طرح کی رکاوٹ کو دور کردے اور مشتری مبیع کے اندر تصرف کرنے پر قادر ہو جس کا نتیجہ اس شکل میں ظاہر ہوگا کہ بائع مشتری کو مبیع حوالہ کرے اور اس پر قابض بنائے۔

سوال میں جو صورت حال بیان کی گئی ہے اس میں مشتری کا قبضہ ثابت نہیں ہوگا، اس لئے کہ مشتری کا خریدا ہوا پچاس گرام سونا اینٹ میں شامل ہے اس کو مجموعہ سے الگ نہیں کیا گیا ہے اور وہ اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ بائع اگر فوری طور پر اس پر قبضہ کرنا چاہے تو قبضہ کر سکے یا اس میں کوئی تصرف کرنا چاہے تو تصرف کر سکے۔

بدائع میں آگے یہ بھی تحریر ہے کہ دراہم ودنانیر عقد سے متعین نہیں ہوتے بلکہ قبضہ سے متعین ہوتے ہیں سونا بھی دراہم ودنانیر کی قبیل سے ہے، فتح القدیر سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔

محیط برہانی میں اس کی مزید وضاحت ہے کہ دراہم اور دنانیر عقد معاوضات میں قبضہ کے وقت متعین ہوتے ہیں۔ لہٰذا متعاقدین کے درمیان عقد اسی وقت مفید ملک ہوگا جب قبضہ کے ذریعہ اس کی تعیین ہوجائے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فقہاء کی عبارتیں اس بارے میں بہت واضح ہیں کہ سوال میں پوچھی ہوئی صورت حال میں پچاس گرام سونے کو اینٹ سے الگ کئے جانے سے پہلے خریدار کا قبضہ نہیں سمجھا جائے گا۔

(ب): دراہم ودینار اور دوسری اجناس کی تعیین میں یہ فرق ہے کہ دوسری اجناس اشارے یا علامتوں سے متعین ہوسکتی ہیں لیکن دراہم ودینار اس وقت متعین نہیں ہوسکتے جب تک اس پر کوئی شخص خود یا اپنے کسی نمائندے کے ذریعہ قبضہ نہ کرے۔ مذکورہ صورت میں صرف کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں خریدار کے نام سے پچاس گرام سونا یا خریدی ہوئی مقدار کا سکہ درج کیا گیا ہے اسی اندراج کو قبضہ کے لئے کافی تصور نہیں کیا جائے گا۔

بدائع ج ۵ ص ۲۱۸ پر مذکور ہے:"**إن الدراهم والدنانير وإن كانت لا تتعين بالعقد ولكنها تتعين بالقبض وقبضها واجب**"۔

اسی کے آگے ص ۲۱۹ پر مذکور ہے:"**إن الدراهم والدنانير لا تتعين بالتعيين وإنما تتعين بالقبض فشرطنا التقابض للتعيين لا للقبض**" (بدائع ۵/ ۱۹-۲۱۸ طبع سعید)۔

دونوں عبارتوں سے اس بات کی پورے طور پر وضاحت ہوتی ہے کہ محض بسکٹ الگ ہونے سے یا خریدار کے نام کا اندراج کردینے سے سونے پر قبضہ متحقق نہیں ہوگا، کیونکہ اتنے سے دراہم ودنانیر متعین نہیں ہوتے، تعیین کے لئے خریدار یا اس کے

نائب کا قبضہ ضروری ہے بدائع کی دوسری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دراہم ودنانیر میں تقابض کی شرط دراصل تعیین کے لئے ہے۔

فتح القدیر ۱۶۰/۶ پر مذکور ہے:'' **فإن الدراهم والدنانير لا تتعين مملوكة بالعقد إلا بالقبض**'' (طبع رشیدیہ کوئٹہ)۔

محیط برہانی میں اس کی مزید وضاحت ہے کہ دراہم ودنانیر عقد معاوضات میں قبضہ کے وقت متعین ہوتے ہیں، لہٰذا متعاقدین کے درمیان عقد اسی وقت مفید ملک ہوگا جب قبضہ کے ذریعہ اس کی تعیین ہوجائے (محیط برہانی ۶/۸ ۷-۵۷ طبع رشیدیہ کوئٹہ)۔

۵- ایکسچینج کے ذریعہ کاروبار کی جس صورت کا سوال میں تذکرہ کیا گیا ہے بیع کی یہ شکل متعدد وجوہ سے ناجائز ہے:

پہلی وجہ یہ ہے کہ یہاں ثمن اور مبیع دونوں ادھار ہیں، مشتری نے دس تولہ سونے کا ادھار سودا کرلیا اور اس پر قبضہ نہیں کیا، ادائیگی کی تاریخ آنے پر صرف قیمت کے تفاوت کا لین دین کرلیا اگر سونے کا بھاؤ پانچ ہزار ایک سو روپئے تولہ ہوگیا تو بائع خریدار کو ایک سو روپیہ فی تولہ دے دیتا ہے اور اگر اس دن چار ہزار نو سو روپئے بھاؤ ہوگیا تو خریدار بائع کو ایک سو روپئے فی تولہ ادا کردیتا ہے۔ ناجائز ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہاں ثمن اور مبیع دونوں ادھار ہیں اور یہ حدیث شریف کی رو سے جائز نہیں ہے جیسا کہ حاکم اور بیہقی رحمہما اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے:

''**نهى رسول الله ﷺ عن بيع الكالي بالكالي**'' (السراج المنیر للعزیزی ۳۷۲/۴)۔

(حضور اقدس ﷺ نے ادھار کو ادھار کے بدلہ بیچنے سے منع کیا ہے)۔

مولانا تقی عثمانی اپنے مقالہ (مستقبل کی تاریخ پر خرید وفروخت) میں تحریر فرماتے ہیں:

'' حقیقت یہ ہے کہ فیوچر مارکیٹ میں جو معاملات ہوتے ہیں ان سے تجارت مقصود نہیں ہوتی بلکہ نفع کی امید پر اپنا روپیہ داؤ پر لگانا مقصود ہوتا ہے اور یہ مقصد اس عقد کو بیع کے بجائے قمار (جوا) سے زیادہ مشابہ کردیتا ہے'' (فقہی مقالات ۲۱۳/۲)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب کی یہ بات حقیقت پر مبنی ہے اس لئے کہ اگر تجارت مقصود ہوتی تو مشتری سامان پر قبضہ کرتا اور وقت پر اس کی قیمت ادا کرتا یا بائع وقت پورا ہونے پر کہتا اپنا سامان لے جاؤ ہمارا پیسہ ادا کرو۔ لیکن دونوں طرف سے مبیع اور ثمن کے لین دین کا تقاضہ نہیں ہوتا صرف خرید اور ادائیگی کے دن کی قیمت کے تفاوت پر دونوں کی توجہ مرکوز ہوتی ہے۔

اس طرح کی فرضی خرید وفروخت کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ چیزوں کا دام چڑھتا ہے اور بازار میں گرانی پیدا ہوتی ہے اور اس کا ضرر عوام الناس کو اٹھانا پڑتا ہے۔

۶- امام ابوحنیفہ کے نزدیک احتکار آدمی اور جانوروں کی غذاؤں میں مکروہ ہے بشرطیکہ احتکار کا عمل ایسے شہر میں کیا جائے جہاں احتکار کی وجہ سے شہر والوں کو ضرر لاحق ہو۔ امام ابویوسف کے نزدیک احتکار غذاؤں کے ساتھ خاص نہیں ہے، ہر وہ چیز جس کا روکنا عامۃ الناس کے لئے ضرر کا باعث ہو وہ احتکار ہے چاہے وہ سونا چاندی ہو یا کپڑا، امام محمدؒ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ کپڑوں میں احتکار نہیں ہے ائمہ ثلاثہ کی ان آراء کو سامنے رکھئے تو یہی مفہوم ہوتا ہے کہ امام ابویوسفؒ کے نزدیک جو چیز کراہت میں موثر ہے وہ حقیقت ضرر ہے اس لئے انھوں نے احتکار کو غذاؤں کے ساتھ مخصوص نہیں کیا۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ضرر معہود معتبر ہے اور اس کا تعلق کھانے

پینے کے سامانوں سے ہے۔

’’ويكره الإحتكار فی أقوات الأدميين والبهائم اذاكان ذلک فی بلد يضر إلاحتكار بأهله وكذلک التلقی فأما إذاكان لايضر فلا باس به وقال أبويوسف كل ماأضر بالعامة حبسه فهو احتكار وإن كان ذهبا وفضة أو ثوبا وعن محمد أنه قال لاإحتكار فی الثياب فأبويوسف اعتبر حقيقة الضرإذهوالمؤثر فی الكلامة وأبوحنيفة اعتبر الضرر المعهود المتعارف‘‘ (ہدایہ اخیرین، کتاب الکراہیۃ ۴/۴۵۳)۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں شوافع اور حنابلہ کا قول وہی نقل کیا گیا ہے جو امام ابوحنیفہ کا ہے ’’لاإحتكار إلا فی القوت خاصة‘‘ اور الموسوعة الفقهية سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک بھی ان تمام چیزوں میں احتکار مکروہ ہے جس سے عام لوگوں کو ضرر لاحق ہو احتکار صرف غذا کے ساتھ خاص نہیں ہے گویا مالکیہ کا قول امام ابو یوسف کے قریب ہے (الموسوعۃ الفقہیۃ ۲/۹۲)۔

حدیث پاک میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ’’الجالب مرزوق والمحتكر ملعون ابن ماجه، حاكم‘‘ (دارمی الدرایہ علی حاشیۃ الہدایۃ ۴/۴۵۴)۔

حدیث کے الفاظ اشیاء ضروریہ میں احتکار کی ممانعت پر دلالت کرتے ہیں آج کے دور میں تاجروں کا ایک طبقہ غلہ کے علاوہ مختلف چیزوں میں ذخیرہ اندوزی کر کے عام انسانوں کا استحصال کرتا ہے، ذخیرہ اندوزی پیاز کی کرتے ہیں، کبھی دال کی اور کبھی گھی تیل کی، اس لئے سرکار نے دوکانداروں کے لئے اسٹاک کی ایک حد متعین کردی ہے، سارے دوکانداروں کو علی العموم اور مسلمان دوکانداروں کو بالخصوص اس حد کا لحاظ کرنا چاہئے، صاحب ہدایہ نے احتکار کی بحث میں حدیث کی مذکورہ لعنت سے بچنے کے لئے یہ کہا ہے: ’’والحاصل أن التجارة فی الطعام غير محمودة‘‘ یعنی شریعت کے مزاج کو دیکھتے ہوئے اور حدیث کی بددعا سے بچنے کے لئے آدمی کو چاہئے کہ وہ غلہ کی تجارت نہ کرے، غلوں کی تجارت ناپسندیدہ ہے لیکن ہندوستان جیسے ملک میں ہم مسلمان تاجروں کو غلہ کی تجارت کرنے سے نہیں روک سکتے ہیں، اس لئے کہ فساد زدہ علاقوں میں اگر مسلمانوں کے پاس غلہ کی دوکانیں نہ ہوں تو غیر دوکانداروں کے لئے مسلمانوں کو ستانے کا ایک بڑا موقع ہاتھ آجائے گا بہرحال ذخیرہ اندوزی آج کے اس دور میں غلوں کے ساتھ ساتھ تمام اشیاء ضروریہ سے متعلق ہے یہاں تک کہ اس کا گہرا تعلق دواؤں سے بھی ہے۔ اس لئے اگر سونے چاندی کی ذخیرہ اندوزی اس حد تک ہونے لگے کہ اس کا اثر دوسری اشیاء کی گرانی پر پڑے تو لوگوں کو اس سے روکا جائے گا ابھی نوٹ بندی کے زمانہ میں سرکار نے سب کے لئے سونا رکھنے کی ایک حد متعین کردی ہے اس حد کی رعایت کرنا اور اس مقدار کے اندر سونا رکھنا احتکار کے دائرے کے باہر ہے۔ اور اگر سونے کی اس سے زیادہ مقدار ملکی معیشت کے لئے ضرر رساں ہو اور دوسری چیزوں کو متاثر کر رہی ہو تو یقیناً یہ فعل ناپسندیدہ ہوگا۔

۷- آج دنیا کے حالات پچھلے زمانہ سے مختلف ہیں، پہلے ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانے کے لئے ویزا یا سپورٹ کی پابندیاں نہیں تھیں، بیسویں صدی میں دنیا کے حالات دھیرے دھیرے بدلتے گئے اور تقریباً ہر ملک نے اس طرح کی پابندیاں عائد کردی، اسی طرح سے پچھلے زمانہ میں ساری دنیا میں تاجروں کے لئے اپنا مال دوسرے ملک میں لے جا کر بیچنے کی اور وہاں سے مال

خریدنے کی کھلی چھوٹ تھی، پوری دنیا تاجروں اور سوداگروں کے لئے ایک آزاد منڈی تھی، لیکن بیسویں صدی میں دنیا کے معاشی حالات بدل گئے اور خرید وفروخت میں طرح طرح کی پابندیاں لاگو کردی گئیں۔آج بھی بعض ملکوں میں آزاد منڈی ہے اور باہر سے جانے والے تاجروں اور بیرون ملک سے درآمد کئے جانے والے مال پر کوئی محصول نہیں ہے، بعض عرب ملکوں میں اب بھی یہ سہولت موجود ہے لیکن اکثر ملکوں میں ایکسپورٹ اور امپورٹ پر طرح طرح کی پابندیاں ہیں اور ان کا الگ قانون ہے ہم جس ملک میں رہتے ہیں وہاں کے قوانین کے پابند ہیں خاص طور پر وہ قانون جو شریعت سے متصادم نہیں ہیں اس کی رعایت کرنا ہمارے لئے ضروری ہے اس لئے باہر سے سونا یا دوسرے سامان لانے کا جو قانون ہمارے ملک میں جاری ہے ہمیں اس کا پابند رہنا چاہئے اس کی خلاف ورزی کرنے میں بہت سے منکرات لازم آتے ہیں جن سے ہمیں منع کیا گیا ہے مثلاً اسمگلنگ کے ذریعہ مال لانے میں جھوٹ بولنا پڑتا ہے، جان ومال کو خطرہ میں ڈالنا پڑتا ہے اور ملک کے جن قوانین کی پابندی کا ہم نے وعدہ کیا ہے ان کی خلاف ورزی کا ارتکاب ہوتا ہے شریعت میں عہد وپیان کی رعایت کا حکم بہت تاکید کے ساتھ دیا گیا ہے ان منکرات سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس عمل سے اجتناب کریں ورنہ اصولی طور پر باہر کے ملک سے مال لانا اور یہاں سے لے جاکر دوسرے ملک میں بیچنا شرعی اعتبار سے بالکل جائز ہے لیکن چونکہ حکومت نے اس پر پابندی لگا رکھی ہے اور اس پابندی کی خلاف ورزی میں بہت سارے مفاسد پائے جاتے ہیں اس لئے علماء کرام اس سے بچنے کی تاکید کرتے ہیں۔

مولانا تقی عثمانی نے فتاویٰ عثمانی جلد سوم اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے جدید فقہی مسائل میں اس مسئلے سے مدلل بحث کی ہے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں کہ اسمگلنگ کرنے والا پوری قوم اور باشندگان ملک کو اپنی حرکت کے ذریعہ نقصان پہنچاتا اور زیر بار کرتا ہے جو غیر اسلامی ہونے کے علاوہ غیر انسانی حرکت بھی ہے۔معاشی مصالح کے پیش نظر اس قسم کی پابندیوں کی گنجائش ہے، اس کی نظیر تلقی جلب ہے جس کو مکروہ قرار دیا گیا ہے تلقی جلب سے مراد یہ ہے کہ باہر سے آنے والے تجارتی قافلے کے شہر میں آنے سے پہلے ہی کوئی شخص جاکر ان سے غلہ خرید لے اور شہر میں آکر اس سے زیادہ میں فروخت کردے، رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کیوں کہ اس کی وجہ سے گرانی بڑھتی ہے اور شہر کے باشندوں کو زک پہنچتی ہے، یہی صورت اسمگلنگ سے بھی پیدا ہوتی ہے کہ غیر ملکی مصنوعات کی آمد کی وجہ سے اس ملک کی صنعت اور یہاں کا معاشی توازن بگڑتا اور متاثر ہوتا ہے (جدید فقہی مسائل ۱/۲۴۹)۔

۸- سونا چاندی ثمن خلقی ہیں اور ان کو پیدائشی طور پر نامی تسلیم کیا گیا ہے، ہیرے جواہرات جو سونے چاندی سے زیادہ قیمتی ہیں انھیں استعمال کرنے میں اور مسئلہ زکوۃ میں سونے چاندی کے حکم میں نہیں رکھا گیا ہے۔سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال شریعت میں جائز نہیں ہے، جبکہ قیمتی پتھروں کے برتن کے استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ ہدایہ میں مذکور ہے: ''**ولا بأس باستعمال آنية الرصاص والزجاج والبلور والعقيق**'' (ہدایہ ۴/۴۴۳، فتاوی تاتارخانیہ ۱۸/۱۲۵، مجموعۃ الفتاویٰ الشرعیۃ کویت ۲/۲۶۵)۔

(اور کوئی حرج نہیں رصاص، شیشہ، بلور اور عقیق کے برتنوں کے استعمال میں) اسی طرح سے مرد کے لئے سونے کی انگوٹھی پہننا جائز نہیں ہے لیکن انگوٹھی میں ہیرے کا اور قیمتی پتھر کا استعمال بطور نگ کے جائز ہے حالانکہ بہت سے پتھر سونے سے زیادہ قیمتی

ہوتے ہیں: ”**والتختم بالذهب على الرجال حرام والحلقة هي المعتبرة لأن قوام الخاتم بها فلا معتبر بالفص حتى يجوز أن يكون من حجر**“۔

(مردوں کے لئے سونے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے اور انگوٹھی کے باب میں حلقہ کا اعتبار ہے، اس لئے کہ انگوٹھی کا وجود حلقے ہی سے ہے اور نگ کا اعتبار نہیں ہے وہ پتھر کا بھی ہوسکتا ہے)۔

لہٰذا صرف عرف کو دیکھتے ہوئے پلاٹین پر سونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا اور عقود اور زکوٰۃ کے باب میں اس پر سونے کے احکام منطبق نہیں ہوں گے آج کے زمانہ میں زمین اور فلیٹ وغیرہ غیر معمولی قیمتوں پر مشتمل ہوتے ہیں لیکن ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی پانچویں فقہی سمینار میں یہ بات طے ہوچکی ہے کہ جو ہیرے جواہرات زیورات کے لئے خریدے گئے ہوں ان کی زکوٰۃ مالک پر واجب نہیں البتہ جو ہیرے جواہرات تجارت کی نیت سے خریدے گئے ہوں ان کی زکوٰۃ مالک پر واجب ہوگی، یہی حکم پلاٹین کا بھی ہوگا اب اگر کوئی شخص زکوٰۃ سے فرار کے لئے بڑی رقم پلاٹین میں پھنساتا ہے تو وہ اپنی نیت کے حساب سے عنداللہ جواب دہ ہوگا۔

مولانا تقی عثمانی فقہی مقالات میں لکھتے ہیں: ”اموال زکوٰۃ کون کون سے ہیں“، استعمالی زیور پر بھی زکوٰۃ واجب ہے، البتہ صرف سونے اور چاندی کے زیور پر زکوٰۃ واجب ہے، لیکن اگر سونے اور چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کا زیور ہے چاہے پلاٹینم ہی کیوں نہ ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں جب تک کہ تجارت کے لئے نہ ہو بلکہ ذاتی استعمال کے لئے ہو (فقہی مقالات ۲/ ۱۴۸)۔

☆☆☆

سونا اور چاندی کی تجارت کے مسائل اوران کا حل

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی☆

۱-الف: روپئے پیسے سے سونا، چاندی کی ادھار بیع کا حکم:

روپئے پیسے ثمن اصطلاحی یا عرفی ہیں، سونا اور چاندی کی طرح ثمن خلقی نہیں ہیں، لہذا روپئے پیسے تمام احکام میں سونا اور چاندی کی طرح نہیں ہوں گے، اوران کی باہمی خرید وفروخت کو ''بیع صرف'' تصور نہیں کیا جائے گا اور روپئے پیسے کے ذریعہ سونا اور چاندی کو ادھار خریدنا شرعا جائز ودرست ہوگا، بشرطیکہ مجلس بیع میں بدلین میں سے کسی ایک پر قبضہ ہوجائے، مجلس بیع میں مبیع اور ثمن دونوں پر قبضہ ضروری نہیں ہوگا، علامہ ابن عابدین شامی ''ردالمحتار'' میں لکھتے ہیں:

''سئل الحانوتی عن بیع الذهب بالفلوس نسیئة فأجاب: بأنه یجوز إذا فبض أحد البدلین لما فی البزازیة لو اشتری مائة فلس بدرهم یکفی التقابض من أحد الجانبین، قال ومثله ما لو با ع فضة أو ذهبا بفلوس کما فی البحر'' (ردالمحتار مطلب فی استقراض الدراہم عددا ۱۷/ ۳۱۴)۔

(حانوتی سے پوچھا گیا کہ پیسے سے سونا کی ادھار بیع جائز ہے یا نہیں؟ توانہوں نے جواب دیا کہ جائز ہے جبکہ بدلین میں سے کسی ایک پر قبضہ ہوجائے، جیسا کہ بزازیہ میں ہے: اگر کوئی شخص ایک درہم کے بدلہ سو پیسے خریدے تو بدلین میں سے کسی ایک پر قبضہ کافی ہوگا، اوراسی طرح اگر سونا اور چاندی کو پیسے کے عوض فروخت کرے (تو بدلین میں سے کسی ایک پر قبضہ کافی ہوگا))۔

ب-سرکار کی طرف سے مقررکردہ قیمت سے کم یا زیادہ میں سونا، چاندی کی خرید وفروخت:

روپئے پیسے اور سونا چاندی الگ الگ جنس ہیں اور جب بدلین الگ الگ جنس ہوں تو کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز ہے، اس پر ربا تفاضل کا اطلاق نہیں ہوگا، البتہ اگر جنس اور قدر دونوں علتیں پائی جائیں تو ادھار بھی حرام ہے اور تفاضل بھی حرام ہے، اور اگر ان دونوں علتوں میں سے کوئی ایک مفقود ہو تو ادھار حرام ہے اور تفاضل جائز ہے، ہدایہ میں ہے:

''وإذا عدم الوصفان الجنس والمعنی المفهوم إلیه حل التفاضل والنسأ لعدم العلة المحرمة والأصل فیه الإباحة وإذا وجدا حرم التفاضل والنسأ لوجود العلة وإذا وجد أحدهما وعدم الآخر حل التفاضل وحرم النسأ'' (ہدایہ باب الربوا ۳/ ۶۳)۔

☆ ناظم وبانی دارالعلوم الاسلامیہ مفتی نگر مجھولیا، مغربی چمپارن۔

کتب فقہ میں یہ صراحت موجود ہے کہ سونا کو چاندی سے اندازہ کرکے یا کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے، فتاوی ہندیہ میں ہے: "ویجوز بیع الذهب بالفضة مجازفة و مفاضلة" (الفتاوی الہندیہ کتاب الصرف ۳/ ۲۰۴)۔

علامہ کاسانی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب بدائع الصنائع میں مزید وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ: گیہوں کو جو کے بدلہ یا سونا کو چاندی کے بدلہ اندازہ سے یا کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے کہ جب جنس کی بیع خلاف جنس سے ہو تو مساوات شرط نہیں ہے۔

"**ولو تبايعا حنطة بشعير أو ذهبا بفضة مجازفة جاز لأن المماثلة فی بیع الجنس بخلاف الجنس غير مشروطة ولهذ جازت المفاضلة فيه فالمجازفة أولى**" (بدائع الصنائع ۷/ ۳۷)۔

لہذا مذکورہ صورت میں حکومت یا مارکیٹ کی طرف سے سونا اور چاندی کی جو قیمت متعین ہو اس میں کمی یا زیادتی کے ساتھ خرید وفروخت شرعاً جائز و درست ہے، اس پر ربا تفاضل کا اطلاق نہیں ہوگا۔

۲، الف- زیور بنانے کی اجرت بچے ہوئے ذرات سے لینا بیع ہے یا اجارہ؟

زیور بنانے والے کاریگر کا زیورات کے تاجروں سے متعین مقدار میں سونا لینا اور زیور بنا کر ان کے حوالہ کرنا اور اجرت میں دوسری دھاتوں کی آمیزش کے بقدر بچے ہوئے سونا اور زیور بناتے وقت بچے ہوئے ذرات کا لینا یہ بیع نہیں ہے بلکہ اجارہ ہے، اس لئے کہ بیع کی تعریف "مبادلۃ المال بالمال بالتراضی" سے کی جاتی ہے، یعنی باہمی رضامندی سے کسی مال کا تبادلہ کسی دوسرے مال سے بیع ہے، اور اجارہ کی تعریف "تملیک المنافع بعوض" سے کی جاتی ہے، کسی چیز کے بدلہ منافع کا مالک بنانا اجارہ کہلاتا ہے، اور ظاہر سی بات ہے کہ مذکورہ صورت میں مال کا تبادلہ مال سے نہیں ہے، بلکہ کاریگر سونے کا زیور بنا کر اس کی اجرت لیتا ہے۔

ب- زیور بنانے کی اجرت بچے ہوئے ذرات سے لینے کا حکم:

جہاں تک زیورات کے بنانے میں بچے ہوئے ذرات کے لینے کی بات ہے کہ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ تو چونکہ مذکورہ صورت میں اجرت بھی مجہول ہے اور مدت بھی مجہول، نیز عامل کی اجرت اس کے عمل سے قرار پاتی ہے اور یہ تینوں چیزیں مفسدہ اجارہ ہیں، اس لئے حنفیہ کے اصول کے مطابق یہ صورت جائز نہیں ہونی چاہئے، لیکن یہ صورت بالکل عام ہے، اس کا عرف بن چکا ہے اور عرف وعادت وہ اصول ہیں جن پر بے شمار مسائل کی بنیاد ہے، جن کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے کہ اجرت بھی مجہول ہے اور مدت بھی مجہول اور عامل کی اجرت اس کے عمل سے قرار پاتی ہے پھر بھی عرف عام کی وجہ سے اس کو جائز قرار دیا گیا ہے، جیسے مزارعت، مساقات اور جانور بٹائی پر دینا وغیرہ، مدت اور اجرت مجہول ہوں تو اس وقت مفسدہ اجارہ ہیں جبکہ جہالت آپسی نزاع کا سبب بن جائے اور جس وقت جہالت مفضی الی النزاع نہ ہو تو وہ جہالت صحت اجارہ سے مانع نہیں ہے۔ اس لئے کہ جو جہالت نزاع کا سبب بن جائے وہ مبیع اور ثمن پر قبضہ سے مانع ہوگی اور عقد کا مقصد پورا نہیں ہوگا اور جو جہالت نزاع کا سبب نہ ہو وہ قبضہ سے مانع نہیں ہوگی اور عقد کا مقصد پورا ہو جائے گا۔

علامہ کاسانی صحت بیع کی شرطوں کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ومنها: أن يكون المبيع معلوما وثمنه معلوما علما يمنع من المنازعة فإن كان أحدهما مجهولا جهالة مفضية إلى المنازعة كانت مانعة من التسليم والتسلم فلا يحصل مقصود البيع، وإذا لم تكن مفضية إلى المنازعة لا تمنع من ذلک فيحصل المقصود" (بدائع الصنائع کتاب البیوع ۶/ ۵۲۹)۔

مذکورہ صورت میں اگر تھوڑی سی جہالت بھی ہے تو وہ نزاع کا سبب نہیں ہے، اس لئے کہ سونے کے تاجروں اور زیورات بنانے والے کاریگروں کے درمیان یہ معاملہ عام ہے، لڑائی جھگڑے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے، جہاں تک یہ معاملہ کہ عامل کی اجرت اس کے عمل سے قرار پاتی ہے، لہذا قفیز طحان والی روایت کے پیش نظر اجارہ کی یہ صورت ناجائز ہونی چاہئے، تو اس کا بہترین جواب علامہ ابن عابدین نے "شرح عقد رسم المفتی" میں تفصیل سے لکھا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عرف عام کی وجہ سے کسی نص کا ترک جائز نہیں ہے، لیکن کسی نص کی تخصیص جائز ہے، اگر قفیز طحان ہی پر عرف بن جائے اور عرف کی وجہ سے اس پر عمل کرلیا جائے تو یہ نص کا ترک ہوگا؛ لیکن اگر اس علت کی بنیاد پر کوئی دوسری صورت ناجائز بن رہی ہو اور عرف عام کی وجہ سے اس صورت کو جائز قرار دیا جائے تو یہ نص کی تخصیص ہوگی نہ کہ نص کا ترک، مذکورہ صورت کو عرف عام کی وجہ سے اگر جائز قرار دیا جائے تو یہ نص کی تخصیص ہوگی جو درست ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اجارہ کی مذکورہ صورت شرعاً جائز و درست ہے اور کاریگر اجرت میں ملے ہوئے سونا اور سونے کے ذرات کو استعمال کرسکتا ہے۔

۳- پرانے سونے کا تبادلہ نئے سونے سے کمی بیشی کے ساتھ:

سونا اموال ربویہ میں سے ہے اور اموال ربویہ میں عمدہ کی بیع ردی سے کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں ہے، بلکہ برابری ضروری ہے، نیا اور پرانا ہونا یہ وصف ہے اور وصف میں تفاوت کا کوئی اعتبار نہیں ہے، لہذا سونا کے پرانے زیور کا تبادلہ سونے کے نئے زیور سے کمی بیشی کے ساتھ شرعاً حرام ہے، ان دونوں میں برابری ضروری ہے، جو لوگ کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ کرتے ہیں وہ غلط کرتے ہیں، عنداللہ سخت پکڑ ہوگی، ان پر اس سے احتراز لازم ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی ردالمحتار میں لکھتے ہیں:

"قوله(وجيد مال الربوا ورديئه سواء) أى فلا يجوز بيع الجيد بالردى مما فيه الربا إلا مثلا بمثل لإهدار التفاوت في الوصف" (ردالمحتار کتاب البیوع باب الربوا ۷/ ۳۱۳)۔

۴- الف، ب: ان دونوں سوالوں کے جوابات سے قبل قبضہ کی حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے کہ کیا قبضہ کے لئے اپنی مٹھی میں لینا ضروری ہے یا قبضہ پر قدرت بھی کافی ہے؟ کتب فقہ کے مطالعہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ قبضہ کے لئے اپنی مٹھی میں لینا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ کسی شئ پر قبضہ کی قدرت کافی ہے، یعنی ایسا تخلیہ کہ بغیر کسی کلفت ومشقت کے اور بغیر کسی کی مدد کے اس شئ کو اپنے استعمال میں لاسکے، درمیان میں کوئی چیز حائل نہ ہو جو قبضہ کے لئے رکاوٹ بن سکے۔

صاحب بدائع الصنائع علامہ کاسانی لکھتے ہیں کہ قبضہ کے لئے انگلیوں سے پکڑنا شرط نہیں ہے، بلکہ قبضہ کی حقیقت یہ ہے

کہ قبضہ پرقدرت ہو،مبیع اورمشتری کے درمیان تخلیہ ہواورعرفا،عادۃ اورحقیقۃ کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

”ولا یشترط القبض بالبراجم لأن معنی القبض هو التمکین والتخلی وارتفاع الموانع عرفا وعادة حقیقة“(بدائع الصنائع ۴/ ۳۴۲)۔

علامہ علاء الدین الحصکفی اپنی شہرہ آفاق کتاب درمختار میں قبضہ سے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:مشتری اورمبیع کے درمیان ایسا تخلیہ کہ جس سے قبضہ پرقدرت ہوجائے اوردرمیان میں کوئی چیز حائل اوررکاوٹ نہ بنے قبضہ سمجھا جائے گا۔

”ثم التسلیم یکون بالتخلیة علی وجه یتمکن من القبض بلا مانع ولا حائل“ (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار کتاب البیوع ۷/ ۹۴ تا ۹۷)۔

علامہ ابن عابدین شامی نے **”علی وجه یتمکن من القبض“** کے تحت چند جزئیات بیان کئے ہیں جن سے قبضہ کی صحیح حقیقت سمجھ میں آتی ہے،مثلاً:

اگرکوئی شخص گیہوں خریدے جوکسی گھر میں ہواورفروخت کرنے والا چابی خریدار کے حوالہ کرکے یہ کہے کہ میں نے تمہارے اورگیہوں کے درمیان راستہ خالی کردیا ہے تویہ قبضہ سمجھا جائے گا اوراگر چابی دے کرکچھ بھی نہ کہے تویہ قبضہ نہیں ہوگا۔اوراگرکوئی مکان فروخت کرے جوسامنے نہ ہوبلکہ اس سے دورہواورفروخت کرنے والا یہ کہے کہ میں نے مکان تمہارے حوالہ کیا اورخریدار کہے کہ میں نے قبضہ کرلیا تو یہ قبضہ نہیں سمجھا جائے گا،اس لئے کہ فی الحال قبضہ پرقدرت نہیں ہوگی اوراگرمکان قریب ہوتو قبضہ سمجھا جائے گا، قریب وبعید کی پہچان یہ ہے کہ اگرفی الحال مکان کے بندکرنے پرقدرت ہوتو قریب ہے اوراگرفی الحال بندکرنے پرقدرت نہ ہوتو بعید ہے(ردالمحتار مطلب فیما یکون قبضا للمبیع کتاب البیوع ۷/ ۹۴ تا ۹۶)۔

علامہ شامی ایک صفحہ کے بعد لکھتے ہیں کہ اگرمکان قریب ہوگا توفی الحال حقیقی قبضہ متصور ہوگا،لہذا تخلیہ کوقبضہ کے قائم مقام قراردیا جائے گا اوراگرمکان دورہوتوفی الحال حقیقی قبضہ متصورنہیں ہوگا،لہذا تخلیہ کوقبضہ کے قائم مقام نہیں قراردیا جائے گا۔

”لأنه إذا کان قریبا یتصورفیه القبض الحقیقی فی الحال فتقام التخلیة مقام القبض أما إذا کان بعید ا لا یتصور القبض فی الحال فلا تقام التخلیة مقام القبض“ (ردالمحتار مطلب فیما یکون قبضا للمبیع کتاب البیوع ۷/ ۹۷)۔

علامہ شامی یہ اوراس طرح کے دیگرجزئیات بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

”وحاصله: أن التخلیة قبض حکما مع القدرة علیه بلا کلفة“(حوالہ مذکور ۷/ ۹۶)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یاتوحقیقی قبضہ ہو یاایسا تخلیہ ہوکہ فی الحال حقیقی قبضہ متصور ہویعنی خریداراورمبیع کے درمیان ایسا تخلیہ ہوکہ بغیرکسی مشقت وپریشانی کے فی الحال اس پرقبضہ ممکن ہواوردرمیان میں کوئی چیزحائل اوررکاوٹ نہ ہو۔

مذکورہ دونوں صورتوں میں خواہ خریدار کے حصہ کے بقدرسونا،سونے کی اینٹ میں محفوظ ہو یااس کے سونے کا سکہ الگ کردیا جائے قبضہ نہیں سمجھا جائے گا،پہلی صورت میں جبکہ خریدار کا سونا،سونے کی اینٹ میں محفوظ ہوتواس کوفی الحال خریدار کے حوالہ کرناممکن نہیں ہے،اس کے ساتھ غیرکاحق متعلق ہے۔

علامہ شامی قولہ "بلا مانع" کے تحت لکھتے ہیں: "بأن یکون مفرزا غیر مشغول بحق غیرہ" (حوالہ مذکور ۷/ ۹۶)، یعنی مبیع علاحدہ ہواور کسی غیر کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو۔

علامہ شامی "ملتقط" کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مکان فروخت کرے اور اس کو مشتری کے حوالہ کردے لیکن اس مکان میں فروخت کرنے والے کا کچھ سامان بھی ہو خواہ وہ کم ہو یا زیادہ تو یہ حوالہ کرنا نہیں ہوگا اور قبضہ نہیں سمجھا جائے گا، یہاں تک کہ اپنا سامان نکال کر مکان خریدار کے حوالہ کردے۔

"وفی الملتقط :ولو باع دارا وسلمها إلی المشتری وله فیها متاع قلیل أو کثیر لا یکون تسلیما حتی یسلمها فارغة" (حوالہ مذکور ۷/ ۹۶)۔

دوسری صورت میں گرچہ خریدار کے سونے کا سکہ الگ کردیا گیا لیکن فی الحال بغیر کسی مشقت وکلفت اور بغیر کسی حیلولت کے اس پر قبضہ کرنا اور اس کو اپنے استعمال میں لانا ممکن نہیں، اس لئے اس صورت میں بھی تخلیہ قبضہ کے قائم مقام نہیں ہوگا اور اس تخلیہ کو قبضہ نہیں سمجھا جائے گا، جیسا کہ ردالمحتار کے حوالہ سے قریب وبعید مکان کی خریداری کا حکم مذکور ہوا اور مزید دوسرے جزئیات ردالمحتار میں مذکور ہیں جن سے اس مسئلہ کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔

۵-مبیع اور ثمن پر قبضہ کئے بغیر بیع وشراء کا معاملہ:

خریدار نے اپنے ادھار خریدے ہوئے سونا پر اور فروخت کرنے والے نے ثمن پر قبضہ نہیں کیا اور سونا خریدگی کے وقت اس کی جو قیمت تھی اور ثمن کی ادائیگی کے وقت جو قیمت ہوئی ان دونوں کے درمیان جو کمی بیشی کا فرق ہوا اس کا لین دین کرلیا تو اس طرح کاروبار کرنا شرعا جائز ودرست نہیں ہے، اس سے احتراز لازم ہے، اس لئے کہ مبیع اور ثمن پر قبضہ کئے بغیر بیع وشراء کا معاملہ خلاف شرع ہے، مبیع خریدار کے اور ثمن فروخت کرنے والے کے حوالہ کرنا ضروری ہے، اس کے بعد ہی آگے کا معاملہ کیا جاسکتا ہے۔

٦-سونے کی ذخیرہ اندوزی احتکار ممنوع کے دائرہ میں داخل ہے یا نہیں:

اس کے جواب سے قبل یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ جمہور فقہاء خصوصا امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک صرف غذائی اشیاء میں احتکار کا تحقق ہوگا، غذائی اشیاء کے علاوہ دیگر ضروری اجناس میں احتکار کا تحقق نہیں ہوگا اور یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ جن احادیث مبارکہ میں احتکار کی ممانعت اور اس پر وعید آئی ہے ان میں غلہ کی صراحت موجود ہے اور ان حضرات نے جن روایات میں مطلق احتکار کی ممانعت آئی ہے ان کو غلہ کے ساتھ مقید کیا ہے، اس لئے کہ جب کسی ایک مسئلہ میں خاص وعام دونوں طرح کی نصوص ہوں تو عام کو خاص پر محمول کیا جاتا ہے۔

"وإذا اجتمعت نصوص عامة وأخری خاصة فی مسئلة واحدة عمل العام علی الخاص، والمطلق علی المقید" (الموسوعۃ الفقہیۃ ۲/ ۹۳)۔

غذائی اشیاء میں بھی احتکار کی ممانعت اس وقت ہے جبکہ غلہ خرید کر رکھا گیا ہو اور بازار میں غلہ کی کمی کی وجہ سے لوگ پریشان ہوں، اور اگر اپنے کھیت کا غلہ ہو تو اس کی ذخیرہ اندوزی اور گراں فروشی کی نیت سے اس کو روک کر رکھنا احتکار میں داخل نہیں ہے۔

"(وولا یکون محتکرا بحبس غلة أرضه)بلاخلاف" (درمختار)۔

"قوله (ولا یکون محتکر الخ) لأنه خالص حقه لم یتعلق به حق العامه، ألاتری أن له أن لا یزرع فکذا له أن لا یبیع" (ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ ۹/ ۵۷۲)۔

چونکہ سونا غذائی، اشیاء میں سے نہیں ہے اس لئے سونے کی ذخیرہ اندوزی اور اس کو گراں فروشی کی نیت سے روک کر رکھنا احتکار ممنوع کے دائرہ میں نہیں آئے گا اور ذخیرہ اندوزی کرنے والا گنہگار نہیں ہوگا گرچہ اس کا اثر دوسری اشیاء پر بھی پڑتا ہو۔

۷-اسمگلنگ کے راستہ سے سونا کی خرید وفروخت کا حکم:

چونکہ اسمگلنگ کا راستہ غیر قانونی ہے، پکڑے جانے کی صورت میں عزت پر دھبہ آئے گا، نیز ہم جس ملک میں رہتے ہیں اس سے ایک طرح کا ہمارا معاہدہ ہے کہ ہم اس کے قوانین کی پابندی کریں گے جب تک کہ وہ ہماری شریعت کے خلاف نہ ہوں، اس لئے اسمگلنگ کے راستہ سے سونے کی خرید وفروخت نہیں کرنی چاہئے، اس سے احتراز کرنا چاہئے، لیکن اگر کسی شخص نے اس راستہ سے سونا خرید لیا ہے تو وہ شرعا اس کا مالک ہے، اس کو وہ کسی دوسرے سے فروخت کرسکتا ہے اور دوسرا شخص اس سے خرید سکتا ہے، شرعا اس کی گنجائش ہوگی۔

۸- پلاٹین کا حکم:

پلاٹین خواہ جتنے قیمتی ہوں اور ان سے زیورات بھی بنائے جاتے ہوں پھر بھی وہ دھات ہیں، وہ حقیقی سونے کے حکم میں نہیں ہوں گے اور عقود نیز زکوۃ وغیرہ میں ان پر سونے کے احکام منطبق نہیں ہوں گے۔

☆☆☆

سونا چاندی کی تجارت کے شرعی احکام

مولانا محمد ظفر عالم ندوی ☆

روپئے یا کاغذی نوٹ جن کو موجودہ دور میں کرنسی سے تعبیر کرتے ہیں وہ ثمن اصطلاحی ہیں ثمن اصطلاحی جو ثمن اعتباری بھی کہلاتے ہیں اس کی اپنی کوئی قیمت نہیں ہوتی، لیکن دنیا کی حکومتیں قانونی اعتبار سے اسے ظاہری قیمت کا درجہ دیتی ہیں، اور یہ مختلف حالات، زمانے اور تغیرات کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں، اور ان کی حیثیت بھی انقلاب زمانہ اور تغیرات سے متاثر ہوتی رہتی ہے، اس لئے کرنسیوں اور کاغذی نوٹوں کی اپنی ذاتی قیمت نہیں ہوتی بلکہ حکومت کے اعلان کے بعد یہ قیمتی بن جاتے ہیں، اور ان میں ثمنیت آجاتی ہے، اگرچہ یہ ثمن خلقی نہیں بلکہ اعتباری یا اصطلاحی ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر حکومت ان کاغذی نوٹوں کی ثمنیت ختم ہونے کا اعلان کردے تو ان کی کوئی قیمت باقی نہیں رہتی، کاغذی نوٹوں کی اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے فقہی اور شرعی اعتبار سے اگر ہم اس کا جائزہ لیں تو یہ فلوس نافقہ کے دائرہ میں آتے ہیں جس طرح فلوس فلوس نافقہ (مروجہ سکوں) کی ظاہری قیمت ہوا کرتی ہے اور کرنسیاں بھی لین دین کا ذریعہ ہیں، یہ اگرچہ ثمن کے قائم مقام ہیں اور ایک ہی ملک کے نوٹوں کے درمیان تبادلہ کے وقت بطور کمی بیشی جائز نہیں پھر بھی یہ بیع صرف کے دائرہ میں نہیں آتے ہیں، کیونکہ کاغذی نوٹ یا کرنسیاں خلقتاً ثمن نہیں ہیں بلکہ یہ ثمن عرفی اور اصطلاحی، میں اور بیع صرف کے احکام صرف خلقی اثمان (سونے اور چاندی) میں جاری ہوتے ہیں، اس بنیادی نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے سوال نامہ کے جوابات ذیل میں درج کئے جارہے ہیں:

۱- (الف): اگر روپئے سے سونا خرید کیا جائے تو اس بیع کو بیع صرف نہیں کہا جائے گا۔

اگر کاغذی نوٹ اور کرنسیوں کے ذریعہ سونا چاندی خریدا جائے تو یہ بیع صرف نہیں ہوگی بلکہ عام بیع کے دائرہ میں آئیگی اور اس میں ایک عوض نقد اور دوسرا ادھار ہو تو بیع درست ہوگی۔

بیع صرف کے لئے ضروری ہے کہ عوضین اثمان ہوں اور اثمان سے مراد اثمان خلقیہ ہیں، روپے و کرنسیاں وغیرہ اگرچہ ثمن ہیں لیکن ثمن عرفی ہیں، اس لئے ایک طرف اگر سونا ہو اور دوسری طرف کرنسی یا کاغذی نوٹ تو یہ بیع صرف تصور نہیں کی جائے گی، شیخ وہبہ الزحیلیؒ بیع صرف کی تعریف وتشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"وهو بيع النقد بالنقد جنسا بجنس أو بغير جنس: اى بيع الذهب بالذهب أو الفضة بالفضة أو

☆ استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

الذهب بالفضة، مصوغاً أو نقداً"(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳۶۵۹/۵)۔

علامہ کاسانی بدائع الصنائع میں بیع صرف کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:"الصرف فی متعارف الشرع اسم لبیع الأثمان المطلقة بعضها ببعض وهو بیع الذهب بالذهب والفضة بالفظة أو أحد الجنسین بالآخر"(بدائع الصنائع ۴۵۳/۴)۔

علامہ حصکفیؒ نے وضاحت کی ہے کہ بیع صرف میں جوثمن ہوا کرتا ہے وہ ثمن خلقی ہوتا ہے،موصوف لکھتے ہیں:"بیع الثمن بالثمن (أی ما خلق للثمنیة، ومنه المصوغ)جنسا نجنس أو بغیر جنس"(الدرالمختارعلی الرد ۵۲۰/۷)،مذکورہ تصریحات سے معلوم ہوا کہ سوال میں درج صورت بیع صرف کی نہیں ہے لہذا اگر ایک عوض نقد ہواور دوسرا ادھار تو یہ درست ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ایک جزئیہ موجود ہے جس میں یہ صراحت ہے کہ اگر چاندی یا سونے کی انگوٹھی پیسے سے خریدی جائے اور پیسے پاس نہ ہوں تب بھی بیع جائز ہے کیونکہ یہ عام بیع ہے، بیع صرف نہیں ہے۔

ہندیہ کی عبارت اس طرح ہے:"وان اشتریٰ خاتم فضة أو خاتم ذهب فیه فص أولیس فیه فص بکذا فلسا ولیست الفلوس عندهٔ فهوجائز تقابضا قبل التفرق أو لم یتقابضا لأن هذا بیع ولیس بصرف"(فتاوی ہندیہ ۲۲۴/۳)۔

مذکورہ عبارت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فلوس اگر چہ ثمن ہیں لیکن عرفی ہیں نہ کہ خلقی، یہی وجہ ہے کہ ایک عوض ادھار ہوتو بیع جائز ہوگی۔

اس مسئلہ میں فقہاء کے مختلف نقطہائے نظر ہیں، امام ابوحنیفہؒ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اثمان کی بیع میں عندالعقد ثمن کا عقد کرنے والے کی ملک میں ہونا شرط نہیں ہے، لہذا جب جنس مختلف ہوں تو ادھار معاملہ کرنا درست ہے۔

شمس الأئمہ سرخسی لکھتے ہیں:

"واذا اشتری الرجل فلوساً بدراهم ونقد الثمن ولم تکن الفلوس عند البائع فالبیع جائز، لأن الفلوس الرائجة ثمن کالنقود وقد بینا أن حکم العقد في الثمن وجو بها ووجودها معاً، ولا یشرط قیمامها في ملک بائعها لصحة العقد کمالا یشترط ذلک في الدراهم والدنا نیر" (المبسوط للسرخسی ۲۴/۱۴)۔

اگر کسی شخص نے دراہم کے بدلے فلوس خریدے، اوراس نے دراہم بائع کو دیئے لیکن بائع کے پاس اس وقت فلوس موجود نہیں تھے تو یہ بیع درست ہو جائیگی۔ اسلئے کہ مروجہ سکے ثمن کے حکم میں ہوتے ہیں اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ ثمن پر عقد کرنے کا حکم یہ ہیکہ وہ ثمن (مشتری کے ذمہ) واجب بھی ہو جائے اور موجود بھی ہو لیکن ثمن کا بائع کی ملکیت میں ہونا شرط نہیں، جس طرح دراہم اور دنانیر کی بیع کے وقت ان کا ملک میں ہونا ضروری نہیں۔

علامہ ابن نجیم مصری نے البحر الرائق میں لکھا ہے:

"وقید بالذهب والفضة لأنه لو با ع فضة بفلوس أو ذهباً بفلوس فانه یشترط قبض أحد البدلین قبل الافتراق لا قبضهما کذا في الزخیره" (البحر الرائق ۱۹۴/۶)۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ وضاحت فرماتے ہیں:

"لو با ع فضة بفلوس فانه يشترط قبض أحد البدلين قبل الافتراق لا قبضهما" (ردالمحتار:۷/۵۲۲)،علامہ شامیؒ نے حانوتی کا ایک فتویٰ بھی نقل کیا ہے:"سئل الحانونی عن بيع الذهب بالفلوس نسيئةً فاجابه بأنه يجوز اذا قبض أحد البدلين"(ردالمحتار ۵/۱۸۰)،فتاوی ہندیہ میں ہے: "لم يشترط في بيع الفلوس بالدراهم اوالدنا نير قبض البدلين قبل الافتراق ويكتفى بقبض أحد البدلين"(الفتاوی ہندیہ ۳/ ۲۲۴)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اس موضوع پر ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے جو "احكام الأوراق النقديه" سے مشہور ہے اس میں آپ نے موضوع سے متعلق تمام گوشوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور زیر بحث مسئلہ سے متعلق بھی صراحت کی ہے کہ یہ بیع صرف نہیں ہے اسلئے ایک عوض ادھار ہو تو جائز ہے،ایک سوال کے جواب میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس سے سوالنامہ میں درج مسئلہ پر بھی روشنی پڑتی ہے موصوف فرماتے ہیں:"جعلوها في حكم الذهب سواء بسواء ولكن خالفتهم في رسالتي"احكام الأوراق النقدية وزكرت أنها ليست قائمة مقام الذهب في جميع الأمورفلا تجرى فيها أحكا الصرف ولذلک يجوز عندى أن يشترى الذهب أو الفضة بالنقد ويجوز ايضا أ ن يشترى الذهب نسيئةً بالأوراق النقدية"(فتاویٰ عثمانی ۳/ ۱۵۹)۔

موصوف ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"فانه يجوز شراء حليى الذهب والفضة بالنقود الورقية نسيئةً بشرط أن يكون بسعر يوم العقد ولا يشترط فيه التقابض"(فقہ البیوع ۲/ ۷۶۳)،ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اگر سونے کی خرید روپے سے ہو تو ادھار بھی جائز ہے۔

(ب):اسلام کا جو نظام معیشت ہے وہ اشتراکی اور سرمایہ دارنہ نظام سے جداگانہ ہے،اسلام کے نظام معیشت میں بنیادی طور پر یہ بات پائی جاتی ہے کہ فرد کی ملکیت کو تسلیم کیا جائے اور خرید وفروخت کے بازار میں عام لوگوں کو اخلاقی حدود وقیود کی رعایت کے ساتھ آزادنہ طور پر کاروبار کا موقع دیا جائے اور کسی قسم کی رکاوٹ نہ پیدا کی جائے۔اور نہ تسعیر (بھاؤ مقرر) کیا جائے،ترمذی میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے:"قال رسول الله ﷺلا يبيع حاضر لباد، دعواالناس يرزق الله بعضهم من بعض" (باب ماجاء لا یبیع حاضر لباد)۔

اس روایت میں رسول اللہ ﷺ نے یہ تعلیم دی ہے کہ لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو اللہ تعالیٰ بعض کو بعض سے رزق دیتا ہے۔سنن ابوداؤد میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے تسعیر کی تجویز کو رد کرتے ہوئے فرمایا:"إن الله هو المسعِّر القابض الباسط الرازق"(ابوداؤد باب في التسعير)،ابن ماجہ کی روایت ہے: "عن أنس بن مالک غلاالسعرفسعر لنا فقال إن الله هوا لمسعر القابض الباسط الرازق إنى لأرجو أن القى ربى وليس أحد يطلبنى بمظلمة بمظلبة في دم ولا مال" (ابن ماجہ حدیث:۲۲۰۰)۔

اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ نرخ طے نہ کیا جائے بلکہ متعاقدین کو آزادانہ طور پر معاملہ کرنے کے لئے چھوڑ دیا جائے؛ البتہ اگر اس آزادی سے لوگ غلط فائدہ اٹھائیں اور عام لوگوں کا استحصال کریں تو پھر حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ عوام الناس کو ضرر سے بچانے کی خاطر اشیاء کا بھاؤ مقرر کردے۔

علامہ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں صراحت کی ہے:

"**ولا ينبغي للسلطان أن يسعر على الناس إلا إذا تعلق دفع ضرر العامة**" (فتح القدیر علی الہدایہ ۱۰/۵۹)۔

فقہی تصریحات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مفاد عامہ کے تحفظ کی خاطر حکومت اگر اشیاء کی قیمتیں مقرر کردے تو ہمیں ایک وفادار شہری کی حیثیت سے قبول کرنا چاہئے اور پابند عہد ہو کر اس پر عمل کرنا چاہئے اور گورنمنٹ کے مقرر کردہ نرخ پر خرید وفروخت کرنی چاہئے، اگر کوئی اس کی پرواہ کئے بغیر خرید وفروخت کرے تو اگرچہ یہ نفع شرعاً درست ہوگا، لیکن حکومت کے نرخ کی پرواہ نہ کرنے کی وجہ سے وعدہ خلافی ہوگی اور گناہ ہوگا۔

مذکورہ اصولی گفتگو کے پیش نظر سوال (ا) کی شق (ب) کے بارے میں ناچیز کی رائے یہ ہے کہ سونا یا چاندی کا نرخ حکومت یا سونے کے مارکٹ نے جو طے کیا ہے اس کے خلاف کم یا زیادہ میں خرید وفروخت کرنے سے شرعاً اگرچہ ربا تفاضل نہیں ہوگا، لیکن شہری اور ملکی قانون کی خلاف ورزی کی وجہ سے گناہ ہوگا۔

۲-(الف): کاریگر سونے کے زیورات سے بطور اجرت بچے ہوئے جو ذرات لیتے ہیں یہ اجارہ میں داخل ہے۔

اگرچہ کاریگران زیورات میں دوسرے دھات شامل کرتے ہیں، اس میں کاریگر کی حیثیت اجیر مشترک کی ہوتی ہے، جیسے درزی کپڑے سلنے میں دھاگے اور بٹن وغیرہ شامل کرتے ہیں۔

(ب) البتہ دیئے ہوئے سونے ہی میں سے سونے کے ذرات اجرت ہوتے ہیں، اس لئے علماء احناف کے بیان کردہ اصول وقواعد کے مطابق یہ اجرت درست نہیں ہوگی؛ بلکہ مثل اجرت واجب ہوگی۔

فقہاء نے قفیز طحان والی روایت سامنے رکھ کر اس طرح کی اجرت کو فاسد قرار دیا ہے امام بیہقی اور امام دارقطنی نے یہ روایت حضرت ابوسعید خدریؓ کے واسطہ سے نقل کی ہے: "**نهى رسول الله ﷺ عن عسب الفحل وعن قفيز الطحان**" (نیل الاوطار ۵/۲۹۲)۔

بعض علماء نے قفیز طحان کی تشریح یہ کی ہے کہ غلہ کو پیسا جائے اور اس پسے ہوئے غلہ میں سے ایک مقدار اجرت دی جائے علامہ حصکفیؒ الدر المختار میں اس مسئلہ سے متعلق بعض جزئیات نقل فرماتے ہیں جن کو ہم نظیر بنا سکتے ہیں (دیکھئے: الدر المختار علی رد المحتار ۹/۷۸، ۷۹)۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے اس مسئلہ کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ اس صورت میں مثل اجرت واجب ہوگی جو مسمیٰ سے تجاوز نہ کرے۔

"(فسدت في الكل) ويجب أجر المثل لا يجاوزبه المسمىٰ.بجرء من عمله " کی شرح میں لکھا ہے:

"بعض مایخرج من عمله، والقدرة علی التسلیم شرط وهو لا یقدر بنفسه" ،اجارہ فاسد ہونے کی دووجہیں بیان کی ہیں ایک یہ ہے کہ جس چیز پرعمل کیا ہے اسی کے بعض حصہ کو اجرت بنانا دوسری وجہ یہ ہے کہ معاملہ کرتے وقت مستاجر کا اجرت دینے اور حوالہ کرنے پر قدرت نہ ہونا حالانکہ صحت اجارہ کے لئے قدرت علی التسلیم واجب ہے۔

شیخ وہبہ الزحیلیؒ نے تقریباً یہی بات لکھی ہے،موصوف فرماتے ہیں:

"وقدروی أن رسول الله ﷺ نھیٰ عن قفیز الطحان"وھو أن یعطی الرجل أقفزة معلومة یطحنها بقفیز دقیق منها وھٰذا ھو رأی الشافعیه أیضا عملاً بالنهی في ھذا الحدیث، "ولأن فیه نقضاً لشرط من شرائط الإجارة وھو القدرة علی تسلیم الأجر وقت التعاقد"(الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۳۸۲۱/۵)۔

فقہاءاحناف کے یہاں ایک قاعدہ شرعی بھی ہے:

"تعیین الأجر ممایعمل فیه الأجیر مفسد للعقد".

اس معاملہ میں مزید خرابی یہ ہے کہ سونے کے ذرات کتنے ہوں گے یا نہیں؟ یہ ایک مجہول اجرت ہے،معلوم نہیں ہے، حالانکہ اجارہ میں اجرت کا معلوم ہونا شرط ہے،اس مسئلہ میں مزید وضاحت شیخ وہبہ الزحیلیؒ کے یہاں ملتی ہے موصوف فرماتے ہیں:

"کون الأجرة جزء اً من المعقود علیه: قال الجمهور: تفسد الاجارة ولو استأجر السلاخ بالجلد، والطحان بالنخالة أو بصاع من الرقیق، لأنه لا یعلم ھل یخرج الجلد سلیماً أو لا؟ وھل ھو ثخین أو رقیق؟ وما مقدار الطحین؟ فقد تکون الحبوب مسوسة، فلا تصح الاجارة لجهالة العوض"(الفقہ الاسلامي وأدلتہ ۳۸۲۴/۵)۔

شیخ کی وضاحت سے معلوم ہوا کہ اجارہ فاسدہ کی وجہ عوض کا مجہول ہونا ہے اور زیورات بنانے میں سونے کے جو ذرات ہوں گے وہ بھی مجہول ہوں گے جو عقد کو فاسد کرنے والی چیز ہے۔

اس لئے ناچیز اسی نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ زیورات بنانے والے تاجر کو دئے ہوئے سونے چاندی کے ذرات سے اجرت دینا درست نہیں ہے۔

۴-(الف):خرید وفروخت میں قبضہ اصالۃً بھی درست ہے اور وکالۃً بھی۔

(ب):سوالنامہ میں جوصورت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سونا خرید وفروخت کرنے والے ادارہ کی حیثیت وکیل کی ہوتی ہے اور وکیل کا قبضہ مؤکل کا قبضہ مانا جائے گا،صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:"لأن الوکیل یملک التصرف من جهة المؤکل فلا بد أن یکون المؤکل مالکاً یملکهٗ من غیره"(ہدایہ ۷۷/۳)۔

"کل عقد أن یعقدهٗ الانسان بنفسه جاز أن یؤکل بهٖ غیره، لأن الانسان قد یعجز عن المباشرة بنفسه علی اعلی اعتبار بعض الأحوال فیحتاج الیٰ أن یؤکل غیرهٗ فیکون بسبیل منهٗ دفعا للحاجة وقد صح أن النبی صلی الله علیه وسلم وکل بالشراء حکیم بن حزام"(ہدایہ ۷۲/۳)۔

فقہا نے اس کی صراحت کردی ہے کہ بسا اوقات بذریعہ وکالت خرید وفروخت کی ضرورت پڑجاتی ہے خود نبی کریم

علیہ وسلم سے یہ ثابت بھی ہے۔موجودہ مشغول متحرک اور الیکٹرانک دنیا میں اسکی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہے، اس لئے اس میں بذریعہ وکالت کاروبار میں کوئی حرج نہیں ہے، مضاربت اور مشارکت تو اسی باہمی تعاون پر مبنی ہے۔اس بنیادی نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے اسکی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ سونے چاندی کی خرید فروخت جب کموڈیٹیز ایکسچینج کے ذریعہ ہو تو خریدار کبھی خریدار ہوتا ہے اور کبھی فروخت کنندہ اور دونوں صورتوں میں اسے ادارہ کو اپنا وکیل بنانا پڑتا ہے، اس لئے خرید کی شکل ہو یا فروخت کی ہر دو صورت میں وکالت درست ہے، چونکہ مبیع اینٹ کی شکل میں ہے اسلئے مختلف شرکاء کی شرکت مقصود ہوگی، اور اس شرکت میں موجودہ دور کے رواج کے مطابق کوئی نزاع نہیں ہوا کرتا ہے اس لئے یہ طریقہ خرید وفروخت سونے چاندی کی تجارت میں بھی درست ہے، ایک فریق جب کاغذی نوٹ یا کرنسی سپرد کرتا ہے اور دوسرا سونا چاندی تو یہ بیع صرف کے دائرہ میں بھی نہیں ہے کہ تقابض فی المجلس شرط ہو بلکہ بیع کا ضمان میں آجانا کافی ہے، کیونکہ نقصان کے خطرہ کو قبول کر لینا ہی ضمان ہے، اکسچینج آفس میں جو اندراج ہوا کرتا ہے وہ عرف عام میں ضمان وقبضہ کے درجہ میں ہوا کرتا ہے لہذا تاجروں کے عرف میں چونکہ یہ ضمان ہے اور قبضہ بھی تو اسے قبضہ مانا جائے گا۔اسکی نظیر فقہاء کے یہاں ملتی ہے ہدایہ میں ایک جزئیہ ہے:

"**ومن اشتریٰ جارية ولم يقبضها حتى يزوجها فوطيها فالنكاح جائز**" (ہدایہ ۸۶/۳)۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں کہ قبضہ کے لئے کسی چیز کو ہاتھ میں لینا شرط نہیں بلکہ قبضہ کے معنی قدرت دینا اور عرف وعادت کے اعتبار سے ایسے موانع کو ہٹا دینا ہے جو اسکے استعمال میں حارج ہوسکتا ہے: "**هو التمكن بالتخلي وارتفاع الموانع عرفاً وعادةً وحقيقةً**" (بدائع الصنائع ۲۲۴/۵)۔

موجودہ دور کے عرف میں جب کمپیوٹر یا رجسٹر میں اندراج معاملہ کی تکمیل کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے اور عملاً ایسا ہو رہا ہے اس لئے شرعاً یہ اندراج قبضہ مانا جائے گا۔

اس مسئلہ میں امام احمد اور امام اسحاقؒ کے مسلک کو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے کہ ان کے نزدیک بیع قبل القبض کی نہی والی روایت کا تعلق صرف طعام سے ہے جیسا کہ اس روایت میں صراحت ہے: "**نهى رسول الله ﷺ عن بيع الطعام حتى يستوفيه**" (صحیح البخاری باب بیع الطعام قبل أن یقبض)۔

۵- احناف کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ثمن عرفی میں تقابض فی المجلس شرط نہیں ہے لیکن عوضین میں سے ایک پر مجلس میں قبضہ ضروری ہے یعنی ایک فریق مجلس کے اندر قبضہ ضرور کرلے خواہ دوسرا فریق نہ کرے اس لئے اگر ایک فریق بھی مجلس میں احد العوضین پر قبضہ نہ کرے تو اس صورت میں دونوں طرف سے بدلیں متعین نہ ہوئے اور جب متعین نہ ہوئے تو ایک دوسرے کے ذمہ دین ہوگئے تو یہ بیع الدین بالدین ہوگئی جس کو بیع الکائی بالکائی کہتے ہیں، جسکی حدیث میں ممانعت آئی ہے، اس لئے سوال میں بذریعہ ایکسچینج سونے چاندی کے کاروبار کی جو ادھار صورت بیان کی گئی ہے وہ بیع الکائی بالکائی کے زمرہ میں آتی ہے جو جائز نہیں ہے۔اس صورت میں جس دن روپے خریدار کی طرف سے دیئے جائیں اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا اور اسی دن کا معاملہ متصور ہوگا، پچھلے دن کے معاملہ کا شرعاً اعتبار نہ ہوگا۔

۶- اس سوال کے جواب سے قبل یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ احتکار کا اطلاق کن اشیاء پر ہوتا ہے؟ اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک احتکار کا تعلق اشیاء خوردنی سے ہے اور یہ اس وقت ممنوع جبکہ ان اشیاء کی قلت ہو اور احتکار کی وجہ سے عوام الناس کو ضرر لاحق ہو رہا ہو، علامہ ابن ہمامؒ اس مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تخصيص الاحتكار بالأقوات كا لحنطة والشعير والتين والقت على قول أبى حنفية" (فتح القدیر ۱۰/۶۹)۔

"ويكره الاحتكار في أقوات الآدميين والبهائم ثم اذا كان في بلد يضر الاحتكام بأهله وكذلك التلقى فامّااذا كان لا يضر فلا بأس" (فتح القدیر ۱۰/۶۹)۔

معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک احتکار کا تعلق اشیاء خوردنی سے ہے اور اس میں انسان اور جانور دونوں کی خوراک شامل ہیں، لیکن یہ ممنوع اس صورت میں ہے جبکہ احتکار سے ضرر عام ہو۔ اگر ضرر نہ ہو تو احتکار ممنوع نہیں۔

امام ابو یوسفؒ احتکار کو صرف اشیاء خوردنی کے ساتھ خاص نہیں کرتے بلکہ ہر اس چیز کی ذخیرہ اندوزی کو احتکار میں شامل کرتے ہیں جس سے عام لوگوں کو ضرر لاحق ہو رہا ہو، علامہ ابن ہمامؒ امام ابو یوسفؒ کے نقطہ نظر کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"وقال أبو يوسفؒ: كل ما أضر بالعامة حبسهٔ فهو احتكار وان كان ذهباً أو فضة أو ثوباً" (فتح القدیر ۱۰/۶۹)۔

امام محمدؒ احتکار سے کپڑے کو خارج کرتے ہیں، ان کے نزدیک کپڑوں کا اسٹاک ممنوع نہیں ہے۔

"وعن محمدؒ أنه قال: لا احتكار في الثياب" (فتح القدیر ۱۰/۶۹)۔

غرض کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مخصوص قسم کا ضرر احتکار کے دائرہ میں آئے گا، یہاں تک کہ مختصر مدت کی ذخیرہ اندوزی ہو تو یہ بھی ممنوع احتکار میں نہیں ہے:

"اعتبر أبو حنيفة الضرر المعهود المتعارف ثم المدة إذا قصرت لا يكون احتكاراً لعدم الضرر" (فتح القدیر ۱۰/۶۹)، امام ابوسفؒ کے نزدیک ممانعت میں نفس ضرر موثر ہے۔

"فأبو يوسفؒ اعتبر حقيقة الضرر اذ هوالمؤثر في الكراهية" (حوالہ سابق)، فقہاء کی مذکورہ تصریحات کی روشنی میں ناچیز کا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ آج کل کی دنیا میں اشیاء خوردنی کے علاوہ بہت سی چیزیں ناگزیر ضرورتوں میں شامل ہوگئی ہیں، اور سونے کی قیمت کے اتار چڑھاؤ کا اثر بہت سی بنیادی چیزوں پر پڑتا ہے، اسلئے ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے احتکار سے متعلق روایات واحادیث نبوی پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ منع احتکار کا مقصود عام لوگوں کو ضرر سے بچانا ہے، اور ضرر کے جملہ اقسام جو عوام سے متعلق ہوں سب شامل ہیں، لہذا فی زماننا امام ابو یوسفؒ کا قوم اختیار کرنا مقاصد شرع اور مصالح ناس سے زیادہ قریب ہے.........خلاصہ یہ ہے کہ سونے کو روک رکھنے کی وجہ سے جب مہنگائی بڑھ جائے تو اسے احتکار کے زمرہ شامل سمجھا جائے گا اور ضرر عام کی وجہ سے ممنوع قرار پائے گا۔

۷- اسلامی شرع کے نقطہ نظر سے اگر چہ اشیاء کی آمدات پر پابندی نہیں ہے اور نہ ان پر کوئی واجبات اور ٹیکس ہیں، "كل يتصرف في ملكه كيف شاء" (شرح المجلۃ للأتاسی ۳/۱۳۲)، "لا يمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً الا اذا كان

ضرر لغیرہ"(شرح المجلہ ۴/۱۴۰)،البتہ ہم جس ملک میں ہیں وہاں کے قوانین کی پاسداری ہمارا ایک ملکی فریضہ ہے جسے ادا کرنا چاہئے،"کل من یسکن دولة فإنهٗ یلتزم قولاً أو عملاً بإنه یتبع قوانینه، وحینئذٍ یجب علیه اتباع أحکامها" (بحوث قضایا معاصرہ/ص۱۶۶)۔

اس کے پیش نظر اسمگلنگ کا عمل درست نہیں ہے،اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ غیر قانونی عمل ہونے کی وجہ سے اس پر سزا ہوسکتی ہے جو ہتک عزت ہے،اور ہتک عزت سے بچنا بھی ضروری ہے،اس لئے ملکی قانون کی رعایت اور اپنے کو ہتک عزت سے بچانے کے پیش نظر اسمگلنگ کا عمل درست نہیں ہے اور اس عمل سے برآمدات سونے کی اگر اطلاع ہوتو علم کے باوجود اسکی خرید وفروخت کراہت سے خالی نہیں،البتہ اگر علم ہی نہ ہوتو کراہت کی کوئی وجہ نہیں۔

۸- پلاٹینیم سے متعلق جو تحقیق آئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمینی دھاتوں میں سے ہے،سونا چاندی بھی دھاتوں کی مرغوب قسموں میں ہیں،تاریخ کے ہر دور میں سونا چاندی ان دونوں دھاتوں کو ثمن خلقی کے طور پر شمار کیا گیا ہے،احادیث نبویہ میں ان دونوں پر زکوۃ کی صراحت موجود ہے اور ان کا علحدہ علحدہ نصاب بھی مقرر ہے جو منصوص ہے؛لیکن جواہرات،یاقوت اور موتیاں اگرچہ کافی قیمتی اشیاء ہیں لیکن ان پر زکوۃ نہیں ہے جیسا کہ روایتوں میں صراحت ہے:

"عن سعید بن جبیرؒ قال: لیس في حجر زکوة إلا ماکان لتجارة من جو هرولایا قوت ولا لؤلؤ ولا غیرهٗ الا الذهب والفضة" (السنن الکبری للبیہقی ۴/۲۴۶)۔

"عن الحکم عن علیؓ قال: لیس في جو هر زکوة"۔

"عن عکرمة قال: لیس في حجراللولؤ ولا حجرالزمرد زکوة الا أن یکون لتجارة فان کان لتجارة ففیهازکوة"(تاتارخانیہ ۳/۱۷۳)۔

اس قسم کی روایات کو سامنے رکھتے ہوئے فقہاء نے سونے اور چاندی کے علاوہ دھاتوں پر زکوۃ کو واجب نہیں قرار دیا ہے، البتہ اگر یہ چیزیں برائے تجارت ہوں تو اموال تجارت میں شامل ہوجائیں گی اور ان پر زکوۃ واجب ہوگی۔

صاحب الدرالمختار صراحت کرتے ہیں:

"لا زکوة في اللىلالی والجواهر إلا أن یکون للتجارة" (الدرالمختار علی ردالمحتار ۳/۱۹۴)۔

"فتاوی ہندیہ"میں زمین سے نکلنے والے رقیق وغیر رقیق دھاتوں اور اشیاء کے بارے میں صراحت ہے کہ زکوۃ نہیں ہے:"أماالمائع کالقیر والنفط والملح وما لیس بمنطبع ولا مائع کالنورة والجص والجواهر والیواقیت فلا شئ فیها "الخ (فتاوی ہندیہ ۱/۱۸۰)۔

اس سلسلہ میں غور کیا جائے کہ کن اموال میں زکوٰۃ ہے؟ تو بنیادی طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ تین قسم کے اموال ہیں جن پر زکوۃ واجب ہوتی ہے:

(۱) اثمان مطلقہ: سونا چاندی۔

(۲) اموال تجارت: وہ سامان جو بغرض تجارت حاصل ہوں۔

(۳) اموال ظاہرہ: وہ جانور جو سائمہ ہوں اور سال کے زیادہ تر حصہ میں سرکاری چراہگاہ میں چرتے ہوں۔

صاحب بدائع الصنائع لکھتے ہیں:

"أموال الزكاة أنواع ثلاثة:

أحدها: الأثمان المطلقة وهي الذهب والفضة

والثاني: أموال التجارة: وهی العروض المعدة للتجارة

والثالث: السوائم"

ان بنیادی احکام پر غور کرنے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ پلاٹینیم اگرچہ ایک قیمتی دھات ہے لیکن اگر بغرض تجارت حاصل نہ ہو بلکہ استعمال کے لئے ہو تو اس کا شمار سونے چاندی میں نہیں ہوگا اور نہ اس پر زکوۃ واجب ہوگی، مولانا تقی عثمانی صاحب کی تحریر میں مجھے یہ صراحت ملی کہ اس پر زکوۃ نہیں انہی کی عبارت پر میں اپنی بات ختم کرتا ہوں:

"اگر سونے چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کا زیور ہے چاہے پلاٹینیم ہی کیوں نہ ہو اس پر زکوۃ واجب نہیں" (فقہی مقالات ۱۴۹/۳ از مولانا محمد تقی عثمانی)۔

خلاصہ یہ کہ پلاٹینیم اگرچہ مثل سونا ایک قیمتی دھات ہے لیکن اگر وہ بغرض استعمال ہو برائے تجارت نہ ہو تو اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

☆☆☆

سونے چاندی کی تجارت سے متعلق چند مسائل

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی☆

۱- اگر سونے کی خریداری روپئے سے کی جائے تو اس میں روپیہ کی حیثیت ثمنِ اعتباری، اصطلاحی، قانونی، غیر خلقی، غیر حقیقی، غیر صریحی کی ہوگی اور اس بیع کو ''بیع صرف'' تصور کیا جائے گا، کیونکہ عقد کی دونوں جانب ''ثمن'' ہونا ثمن خلقی، صریحی وغیرہ، اور ثمن اصطلاحی، غیر صریحی وغیرہ دونوں حالتوں میں موجود ہے، علامہ ابن نجیم مصریؒ نے ''بیع صرف'' کی تعریف میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے:

''أی بیع مامن جنس الأثمان بعضهابعض۔وإنمافسرناهٗ بهٖ ولم نبقهٖ علی ظاهرهٖ لیدخل فیه بیع المصوغ بالمصوغ أوبالنقد۔فإن المصوغ بسبب مااتصل بهٖ من الصنعة لم یبق ثمناصریحاولهٰذایتعین فی العقد ومع ذالک بیعهٗ صرف'' (البحر الرائق ۳۲۱/۶، زکریا دیوبند)۔

جو چیز بھی ثمن کی جنس سے ہو اس کو دوسرے ثمن سے بیچنا ''بیع صرف'' ہے، اور ہم نے اس کی تعریف ظاہر عبارت کو نظر انداز کرتے ہوئے اس لئے کی ہے، تاکہ اس میں زیور کی بیع زیور کے ساتھ یا سونے چاندی کے ساتھ تعریف میں داخل رہے، بایں وجہ کہ زیور میں کاریگر کی کاریگری شامل ہونے کے سبب زیور ثمنِ صریح نہیں رہا، یہی وجہ ہے کہ وہ عقد میں متعین کردینے سے متعین ہوجاتا ہے، اس کے باوجود یہ خرید وفروخت ''بیع صرف'' ہے۔

الف- خریداری میں سونا چاندی اور روپئے میں سے ایک نقد ہو اور دوسرا اُدھار ہو تو یہ شرعاً درست ہے، اس کی پہلی دلیل یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی میں جن چھ اشیاء کی خرید وفروخت میں حرمتِ ربا کا ذکر ہے ان میں جواز بیع کے لئے تماثل اور تقابض اتحادِ جنس کے ساتھ شرط ہے، الفاظِ حدیث یہ ہیں:

''عن عبادة بن الصامت قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبرّ بالبُرّ۔والشعیر بالشعیر۔والتمر بالتمر والملح بالمح۔مثلاً بمثلٍ سواءً بسواءٍ یداًبیدٍ فاذااختلف هذهٖ الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذاکان یداً بیدٍ'' (صحیح مسلم ۲۵/۲، اصح المطابع دہلی، ورواہ البخاری باب ۸۱/۸، ۸۴/ ورابوداؤد کتاب البیوع باب ۱۲/ ۱۸/ والترمذی کتاب البیوع باب ۴۲/ ۴۴/ ۴۹/ ورواحمد فی مسندهٖ ۲۰۰/۱، ۲۰۱)۔

☆ شیخ الحدیث مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ یوپی۔

سونے کے بدلے سونا، چاندی کے بدلے چاندی، گیہوں کے بدلے گیہوں، جو کے بدلے جو، کھجور کے بدلے کھجور، نمک کے بدلے نمک، بالکل ہم وزن، برابر سرابر، ہاتھوں ہاتھ (نقد) خرید وفروخت کر سکتے ہو۔ اگر ان سب قسموں کا آپس میں اختلاف ہو تو پھر جس طرح چاہو (کمی بیشی کے ساتھ بھی) خرید وفروخت کر سکتے ہو بشرطیکہ نقد معاملہ ہو، ادھار نہ ہو۔

صراحتِ حدیث کے مطابق اختلافِ جنس کی صورت میں ادھار خرید وفروخت کی ممانعت صرف انھیں چھ چیزوں کے ساتھ منصوص ہے، ان کے علاوہ اشیاء میں یہ حکم نہیں ہوگا، بالفاظ دیگر ثمن خلقی اور ثمن اصطلاحی کے درمیان کچھ احکام میں یکسانیت اور کچھ میں فرق ملحوظ ہوگا، مثال کے طور پر نقدین سونا چاندی میں صفتِ وزن حکم شریعت میں منصوص ہے، اس میں کسی صنعت اور کاریگری سے اس کی موزونی صفت کو بدل کر عددی نہیں بنایا جا سکتا عرف نے اس کو عددی بنا دیا ہو تب بھی یہ بحکم نص شریعت موزون ہی رہیں گے، ان کی خرید وفروخت اتحادِ جنس کی صورت میں مساواتِ وزن کے ساتھ ہی درست ہوگی اور اختلاف جنس کی صورت میں تقابض اور نقد خرید وفروخت جائز ہوگی اُدھار جائز نہیں ہوگی۔

لیکن ان اشیاء کے علاوہ چیزوں میں مذکورہ حکم نہیں ہوگا۔ روپئے یا نوٹ کرنسی قدیم فقہاء کے دور میں جاری نہیں ہوئے تھے ان کے زمانہ میں فلوسِ نافقہ یعنی ڈھلے ہوئے سکوں کا چلن تھا، اس لئے فقہی احکام کا تعلق انھیں سے وابستہ تھا، موجودہ زمانہ میں کرنسی نوٹ کو فلوس نافقہ کی نظیر مانا جاتا ہے، اور انھیں پر قیاس کرتے ہوئے کاغذی نوٹوں کے حکم میں فرق رکھا گیا ہے، علامہ ابن نجیمؒ تحریر فرماتے ہیں:

اثمان خلقیہ (مثلاً سونا، چاندی) میں صفۃ کے ساقط (غیر معتبر) ہونے کی قید ملحوظ ہے، اسی واسطے اگر کوئی شخص پیتل کے برتن کو دوسرے پیتل کے برتن سے خرید وفروخت کرے جس میں سے ایک دوسرے سے بھاری ہو تو ان کی خرید وفروخت کمی بیشی کے ساتھ وزن اور تول کے ذریعہ درست ہوگی، باوجودیکہ پیتل وغیرہ دھات موزون اور اموال ربویہ (سودی مالی جنس) بھی ہے، پھر بھی جواز کی وجہ یہ ہے کہ سونا چاندی میں صفۃ وزن کا اعتبار شریعت میں منصوص ہے؛ لہٰذا کسی صنعت اور کاریگری کا ان سے اتصال اس کے حکم میں تغیر پیدا نہیں کر سکتا اور نہ عرف عام میں ان کے عددی قرار دیے جانے کے باوجود اس کی موزونیت ختم ہوگی، لیکن سونے چاندی کے علاوہ چیزوں میں اگر ڈھلائی اور کاریگری کی صنعت شامل ہو جائے اور عرف عام میں انھیں عددی قرار دے دیا گیا ہو تو اس کی موزونیت ختم ہو جائے گی (البحر الرائق ۶/ ۲۲۳، زکریا دیوبند)، اور کمی بیشی کے ساتھ خرید وفروخت جائز ہوگی، بلکہ زیادہ درست بات یہ ہے کہ وزن کا اعتبار ہی ساقط ہو جائے گا۔

علامہ شامی نے اس پر اپنے حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

"فالصواب اسقاط قوله "وزنًا" والاقتصار علی قوله "فإنه یجوز" "(منحۃ الخالق علی البحر الرائق ۶/ ۲۲۳)۔

(درست بات یہی ہے کہ سونے چاندی کے علاوہ اشیاء میں وزن کا قول ساقط ہی کیا جائے گا اور صرف کمی بیشی کے جائز ہونے کے قول پر حکم کا دارومدار رکھا جائے گا)۔

یہیں سے یہ حکم بھی مستنبط ہوتا ہے کہ چونکہ شریعت نے ادھار خرید وفروخت کے عدم جواز کو صرف اشیاء ستہ میں منحصر رکھا

ہے، اور روپیہ یا کرنسی نوٹ ان کے علاوہ ثمن ہے وہ ثمنِ خلقی کے قائم مقام بھی نہیں ہے اور ان کی مالیت کا تقابل سونے سے پوری دنیا کے عرف عام میں بھی نہیں پایا جاتا، اسی طرح کرنسی نوٹ سونے کا وثیقہ یا رسید اور علامتی ثمن بھی نہیں ہے، بلکہ تمام تر علیحدہ حیثیت کا حامل مستقل ثمن ہے جس کو زرِ قانونی اور فلوس نافقہ اور دھات کے سکے کے درجہ میں رکھا گیا ہے، لہٰذا سونے یا چاندی کی روپئے سے خریداری نسیئۃً یعنی ادھار بھی جائز ہے اور اس اعتبار سے یہ ''بیع سلم'' سے قریب تر حکم ہے۔

ب-اس کا جواب یہ ہے کہ سونے اور چاندی کا نرخ بین الاقوامی سطح پر گولڈ مارکیٹ یا ہندوستان لیبل پر MC مارکیٹ طے کرتی ہے یہ کوئی چھپا ہوا سودا نہیں ہوتا، بلکہ اس کا اظہار و اعلان انٹرنیشنل مارکیٹ اور انڈیا مارکیٹ تمام ذرائع ابلاغ پر کرتی رہتی ہے اور سونے چاندی کے جلد جلد اترتے چڑھتے ریٹ کا علم بھی ٹی وی اور اخبار کے ذریعہ ہوتا رہتا ہے تاہم گورنمنٹ سے اس کی تھوک خریداری براہ راست نہیں ہوتی بلکہ دلال کے ذریعہ ہوتی ہے اور اس کی اجرت بھی خریدار کو ادا کرنی پڑتی ہے اور اس خریداری پر گورنمنٹ کو ۱۲ فیصد ٹیکس بھی بھرنا پڑتا ہے، پھر اس سونے کو گلا گلا کر صاف کرنا ہوتا ہے جس کی مزدوری خریدار ہی دیتا ہے، اس طرح انٹرنیشنل یا MC مارکیٹ کے مقرر کردہ نرخ سے زائد مصارف خریدار کو اٹھانے پڑتے ہیں، ایسی صورت میں وہ مقررہ نرخ پر مال فروخت کرے گا تو اسے اس کاروبار سے کیا حاصل ہوگا، کاروبار تو حصول نفع کے لئے ہی ہوا کرتا ہے، لہٰذا مارکیٹ کے طے کردہ ریٹ سے زیادہ یا کم میں بیچنا اس کا کاروباری حق ہے، اس پر ربا اور سود کا اطلاق نہیں ہوگا، پھر یہ خریداری چونکہ کرنسی سے ہو رہی ہے، لہٰذا ایک ہی جنس کے ثمن پر تفاضل بھی نہیں پایا گیا۔ اور چونکہ گورنمنٹ سے خریدار تک کے درمیان کے معاملات بالکل کھلے ہوتے ہیں، لہٰذا گورنمنٹ سے کوئی چوری بھی نہیں ہوتی، خریدار اپنی لاگت کے تناسب سے کم و بیش نفع حاصل کرنے کا حق دار ہوتا ہی ہے اور اس میں نہ غبن ہے نہ نجش یعنی کوئی شرعی قباحت ہے نہ دھوکا دھڑی۔

۲-(الف) شریعتِ اسلامیہ میں ''بیع'' کی تعریف عند الاحناف: ''**مبادلة المال بالمال بالتراضی**'' (کنز الدقائق ص ۲۲۷، دیوبند، کشاف اصطلاح الفنون ۱/۷۱۳)۔

عند الشوافع: ''**مقابلة مال بمال تمليكاً**'' (الامام النووی، مغنی المحتاج ۲/۲)۔

عند الحنابلہ: ''**مبادلة المال بالمال تمليكاً**'' (ابن قدامہ، المغنی ۴/۲، کتاب البیوع)۔

عند المالکیۃ: ''**عقدمعاوضه على غيرمنافع ومتعة لذةٍ**'' (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۵/۷، بحوالہ الحطاب ۴/۲۵۵)۔

قلیوبیؒ نے سب سے زیادہ جامع مانع تعریف کی ہے:

''**عقدمعاوضةٍ ماليةٍ تفيدملک عينٍ أومنفعةٍ على التابيدلاعلى وجه القربة ثم قال۔وخرج بالمعاوضةٍ نحوالهدية۔وبالمالية نحوالنكاح وبإفادة ملک العين أو المنفعة الإجارة وبالتابيد الإجاره أيضاًوبغيروجه القربة القرض**'' (الموسوعۃ الفقہیہ ۵/۷)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک ''بیع'' بائع اور مشتری دونوں کی جانب سے آپس میں مالکانہ مالی تبادلہ و معاوضہ ہوتا ہے کسی ایک جانب سے مال اور دوسری جانب سے منفعت کا تبادلہ نہیں ہوتا جیسا کہ عقدِ اجارہ میں ہوتا ہے، امام قدوری

نے اجارہ کی تعریف کی ہے:

”الإجارة عقدعلی المنافع بعوض“(المختصر القدوری ص ۱۰۰ ر یاسر ندیم کمپنی دیوبند)۔

اجارہ نفع کے تبادلے پر معاملہ کرنے کا نام ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ سوال میں مذکورہ صورتِ مسئلہ بیع نہیں خالص عقدِ اجارہ ہے؛ کیونکہ اس میں ایک طرف مال اور دوسری طرف محنت اور صناعت ہے جس پر حصول منفعت مقصود ہے اور اسی کا نام اصطلاح فقہاء میں اجارہ ہے۔

۲- زیورات کے بنانے میں صراف کاریگر کو جو متعین مقدار میں سونا دیتا ہے، اس میں دھات کی آمیزش کی مقدار بھی متعین ہوتی ہے، اور یہ دھات مثلاً پیتل کاریگر خود اپنی طرف سے ملاتا ہے اور سونے کو پگھلانے اور اس کی صفائی کرنے کے عمل میں کس مقدار میں سونا جھڑتا ہے وہ بھی کاریگر اور صراف کو معلوم ہوتا ہے، مثال کے طور پر صراف ۱۰۰ گرام سونے کا زیور بنوانا چاہتا ہے اور ۸۵ گرام پکا سونا کاریگر کے حوالے کرتا ہے، اس میں آپس میں طے ہوتا ہے کہ ۵ فیصد کاریگر کی مزدوری اور ۱۰ فیصد صراف کے لیبر اور دکان کی کرایہ داری اور دکان سے متعلق اخراجات کے ہوں گے۔ اس طرح ۸۵ فیصد سونے کا زیور جب کاریگر مالک کو تیار کر کے دیتا ہے تو صراف یہ سارے خرچ سونے میں جوڑ کر ۱۰۰ گرام سونے کی قیمت زیور خریدنے والے سے وصول کرتا ہے، یہ بات صراف بکری کے پرچے پر بھی لکھ کر دیتا ہے، اور زیور میں اصل سونا ۸۵ گرام ہونے کی گارنٹی گورنمنٹ کی مہر سے دی جاتی ہے جسے مشین سے چیک کر کے گاہک اطمینان حاصل کر سکتا ہے، اس سونے کے جو ۵ فیصد ذرات مزدور کے حصے میں آتے ہیں وہ سونے کے مالک صراف کی طرف سے کاریگر کی طے شدہ مزدوری ہوتی ہے جو فی گرام کی معمولی مقدار تک بھی مجہول نہیں ہوتی؛ بلکہ مشین کے ذریعہ معلوم المقدار ہوتی اور متعین ہوتی ہے۔

زیورسازی کی اجرت شرعی نقطۂ نظر سے:

اس مسئلہ کے حل کے لئے چند فقہی جزئیات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے جو زیورسازی کی اجرت کی نظیر بن سکتے ہیں جنہیں فقہاء نے ذکر کیا ہے۔ شیخ الاسلام برہان الدین ابوالحسن مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ اور امام الفقہ علامہ زین الدین ابن نجیم مصری متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

”ومن دفع إلی حائک غزلا ینسجهٗ بالنصف فلهٗ أجرمثلهٖ۔وکذا إذا استاجرحمارًا یحمل علیه طعامًابقفیزمنه فالإجارة فاسدة۔لأنه جعل الأجربعض مایخرج من عملهٖ فیصیرفی معنی قفیزالطحان وقد نهی النبی علیه السلام عنه۔ وهوأن یستاجرثورًا لیطحن له حنطة بقفیزمن دقیقهٖ۔وهذا أصل کبیریعرف به فسادکثیرمن الإجارات لاسیمافی دیارنا۔ والمعنی فیه أن المستاجرعاجزعن تسلیم الأجروهوبعض المنسوج أو المحمول وحصولهٗ بفعل الأجیر لایعدهوقادرًابقدرة غیره“(ہدایہ ۲۸۹/۳،اشرفیہ دیوبند،البحرالرائق ۴۱/۸،زکریا دیوبند)۔

(اگر کوئی شخص کسی بنکر کو دھاگہ دے کر کہے کہ تم اس سے کپڑا بن کر کپڑے کی نصف مزدوری پر مجھے دیدو تو اس کو بُنائی کی مروّج مزدوری دی جائے گی، اسی طرح اگر کسی گدھے والے کو کھانے والی چیز لادنے کی اجرت اسی خورا کی سامان میں سے ایک خاص

پیمانے سے ادا کرنے کے معاملہ پر دے تو اجارہ فاسد ہے، اس اجرت کے فاسد ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس نے ایسی چیز کو اجرت قرار دیا ہے جو خود اجیر کے عمل کے ذریعہ بعد میں وجود میں آنے والی ہے، یعنی یہ مزدوری خود اجیر کے عمل کا ایک جزء اور حصہ ہے، اس طرح یہ اجرت قفیز طحان کے ہم معنی معاملہ ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے)۔

"عن أبی سعیدؓ قال نھی عن عسب الفعل وعن قفیز الطحان" (الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایہ ۲۸۹/۳)۔

قفیز طحان کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص بیل کرائے پر لے، تا کہ وہ اس کے گیہوں کا آٹا بنا کر اسی گیہوں کے آٹے کے ایک پیمانے کی مزدوری پر پیس کر اسے دیدے، یہ بہت بڑی اصل ہے جس سے فساد اجارہ کی بہت ساری صورتوں کا حکم معلوم ہو جاتا ہے جو ہمارے علاقے میں رائج ہے۔

یہاں اجارہ کے فاسد ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اجرت پر کام کرانے والا شخص اجرت کو اجیر کے حوالے کرنے سے عاجز ہے کیونکہ اجرت مذکورہ دونوں مسئلوں میں بُنے ہوئے کپڑے اور خوراکی سامان جس کو اٹھانے پر اجرت طے ہوئی ہے، اجرت خود اسی سامان کا کچھ حصہ ہے، اور اس اجرت کا حصول اجیر کے عمل اور فعل پر موقوف ہے جس کو اجیر کے حوالے کرنے پر مستاجر کو کوئی کنٹرول حاصل نہیں ہے، کیونکہ کسی دوسرے کے فعل سے حاصل ہونے والی چیز پر اس کو قادر نہیں کہا جاسکتا (یعنی اجرت تو ایسی چیز ہونی چاہئے جس کو مستاجر جب چاہے اجیر کے حوالے کر سکے اور یہاں ایسا نہیں ہے)۔

عدم جواز کی بنیاد:

یہاں مسئلے کی دونوں صورتوں میں فساد اجارہ یا عقد اجارہ کے عدم جواز کی دو بنیادیں بتائی گئیں ہیں:

(۱) حدیث قفیز طحان۔

(۲) اجرت کی سپردگی پر عدم قدرت۔

اسی مسئلہ کی ایک اور نظیر صاحب ہدایہ ہی کے ہم عصر، ہم عمر بلکہ ہم وطن فقیہ امام فخر الدین حسن بن منصور اوز جندی فرغانی متوفی ۵۹۲ھ جو قاضی خاں کے نام سے زیادہ مشہور ہیں، لکھتے ہیں:

"ایک شخص نے کسی آدمی کو مزدوری پر لیا، تا کہ وہ اس شخص کے لئے بانسوں کے جھنڈ میں سے بانس کاٹ دے اس شرط پر کہ وہ مزدوری میں پانچ کھوکھلے بانس دے گا، تو یہ جائز نہیں ہے، جیسا کہ اگر وہ شخص کسی آٹا پیسنے والے کو مزدوری پر لے تا کہ وہ اس کے لئے گیہوں پیس دے اور اسی گیہوں کے آٹے سے ایک پیمانہ مزدوری میں اس کو دے گا تو یہ بھی جائز نہیں۔

اور اگر بانسوں میں سے پانچ کھوکھلے بانس متعین کر کے کہیں کہ ان پانچ بانسوں کی اجرت پر تجھے مقرر کرتا ہوں؛ تا کہ تو بانس کے اس جھنڈ کو کاٹ دے، تو یہ جائز ہے، لیکن اگر اسی صورت مسئلہ میں کہے کہ تجھے بانسوں کے اس جھنڈ کو کاٹنے کے لئے پانچ کھوکھلے بانسوں کی اجرت پر مقرر کرتا ہوں تو یہ اجارہ جائز نہیں ہوگا، ان کھوکھلے بانسوں کے غیر معلوم اور مجہول ہونے کی وجہ سے۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے آٹا پیسنے والے کو گیہوں پیسنے کے لئے مطلقاً ایک پیمانہ آٹا کی اجرت پر مقرر کیا، اور یہ نہیں کہا کہ اسی گیہوں کے آٹے کا ایک پیمانہ، تو یہ اجرت جائز ہے؛ کیونکہ مستاجر نے اسی گیہوں کے آٹے سے ایک پیمانہ کی اجرت پر اجیر نہیں رکھا

اور یہاں یہ ایک پیمانہ کسی بھی آٹے کا معلوم ہے مجہول نہیں ہے، برخلاف مذکورہ غیر متعین مجہول کھوکھلے پانچ بانسوں کے'' (فتاویٰ قاضی خاں ۳/ ۲۲، مصطفائی دہلی ۱۳۱۰ھ)۔

ہم قاضی خاں صاحبؒ کے نقل کردہ جزئیہ سے اس مسئلہ میں اجرت کے عدم جواز کی تیسری بنیاد کو واضح کرنا چاہتے ہیں جس کا ماحصل تقریباً وہی ہے جس کو امام طحاویؒ نے قفیز طحان والی حدیث سے استنباط کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ متاجر نے آٹا کو اجرت قرار دیا ہے جو فی الحال اس کے پاس موجود نہیں ہے بلکہ اس گیہوں کو پیسنے کے بعد ہی اس کا وجود ہو سکے گا، لہٰذا یہ اجرت ایک غیر موجود اور معدوم و مجہول چیز ہے جس پر متاجر کو سپردگی کی قدرت حاصل نہیں ہے، اس لئے یہ عقد اجارہ ناجائز ہے (مشکل الآثار لامام الطحاوی ۱/ ۳۰۷)۔

زیر بحث مسئلہ میں غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ تینوں بنیادیں بالآخر ایک ہی بنیاد میں سمٹ جاتی ہیں، اور وہ ہے اجرت کا بوقتِ اجارہ غیر موجود، غیر متعین اور غیر معلوم ہونا، جس کو ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے ''مجہول'' ہونا، حدیثِ قفیز طحان کے متکلم فیہ، مختلف فیہ اور صحت و سقم سے قطع نظر (جس کی تفصیل مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے اپنی کتاب ''جدید فقہی مسائل'' کی جلد چہارم میں ''قفیز طحان والی روایت اور اس سے مستنبط احکام'' کے عنوان سے پورے سولہ صفحات میں ذکر کی ہے) اس میں ممانعتِ اجارہ کی جو علت بتائی گئی وہ بھی ''جہالت اجرت'' ہے اور صاحب ہدایہ اور صاحب البحر الرائق نے جو ''جعل الأجرة بعض مایخرج من عمله'' کو عدم جواز کی وجہ قرار دیا ہے جس کا نتیجہ اجرت کی سپردگی پر قادر نہ ہونا ہے تو اس کا ماحصل بھی یہی ''جہالت اجرت'' ہی ہے، اس طرح حکم ممانعت کا دار و مدار صرف جہالت اجرت قرار پاتا ہے جس کو قاضی خاںؒ نے کئی جزئیات کے حوالے سے بیان کیا ہے اور اسی بنیاد پر ائمہ ثلاثہ نے عدمِ جواز کا حکم لگایا ہے، صحیح بخاری کے حاشیہ میں لکھا ہے:

''قال ابن بطّال منع ذالک مالک وأبوحنیفه والشافعی لأنها عندهم إجارة بثمن مجهول لایعرف''۔
(حاشیہ صحیح بخاری ۱/ ۳۱۳، نعیمیہ دیوبند)۔

نبی اکرم ﷺ اور صحابہؓ و تابعینؒ کا تعامل:

لیکن غور کیا جائے تو ''قفیز طحان'' والی حدیث کے برخلاف دوسری صحیح حدیث موجود ہے جس میں مذکورہ بالا ''جہالت اجرت'' کی صورتِ حال موجود ہونے کے باوجود خود جناب رسول اللہ ﷺ کے معاملہ سے جوازِ اجارہ کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، امام بخاری نے ''باب معاملة النبی ﷺ اہل خیبر'' کے تحت حدیث نقل کی ہے:

''عن عبدالله قال أعطی النبی ﷺ خیبر الیهود أن یعملوها ویزرعوها ولهم شطر ما یخرج منها'' (صحیح بخاری ۲/ ۶۱۰، مکتبہ نعیمیہ دیوبند)۔

(جناب رسول اللہ ﷺ نے خیبر یہود سے اس شرط پر معاملہ کیا کہ وہ خیبر کی زمین کے درختوں کی آبیاری کریں، اس میں کاشت کریں اور اس سے جو پیداوار حاصل ہو اس میں سے نصف ان کا ہوگا)۔

صحیح بخاری میں دوسری جگہ امام بخاری نے ایک مفصل باب قائم کیا ہے:

’’نصف یا کم وبیش کی شرط پر کھیتی کرنے کا بیان، اور قیس بن مسلم نے ابو جعفر سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: مدینہ میں مہاجرین صحابہ کا کوئی ایسا گھرانہ نہیں تھا جو تہائی یا چوتھائی پیداوار پر بٹائی نہ کرتے ہوں، اور علی وسعد بن مالک وعبداللہ بن مسعود وعمر بن عبدالعزیز وقاسم وعروہ اور ابوبکر اور عمر اور علی کے خاندان والے اور ابن سیرین سب بٹائی پر کاشتکاری کرتے تھے، اور عبدالرحمٰن بن الاسود کہتے تھے کہ میں کاشتکاری میں عبدالرحمٰن بن یزید کا شریک تھا، اور عمرؓ نے لوگوں سے اس شرط پر کاشتکاری کا معاملہ کیا تھا کہ اگر عمرؓ اپنی جانب سے بیج فراہم کریں تو ان کو پیداوار کا آدھا ملے گا، اور اگر لوگ بیج لائیں تو ان کو اتنی مقدار ملے گی اور حسن بصری کہتے ہیں کہ زمین کسی ایک شخص کی اور دونوں اس میں خرچ کریں اور جو پیداوار ہو اس میں آدھا آدھا بانٹ لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہی رائے زہری کی بھی ہے، اور حسن بصری یہ بھی کہتے تھے کہ اس میں کوئی برائی نہیں کہ کپاس چننے میں آدھوں آدھ پر معاملہ ٹھہرا لیں، اور ابراہیم نخعی اور ابن سیرین اور عطاء اور حکم اور زہری اور قتادہ نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ کپڑا بننے والے کو اسی کے بنے ہوئے کپڑے میں سے تہائی یا چوتھائی بطور مزدوری لینے پر معاملہ طے کرلے، اور معمر نے کہا کہ اس میں کوئی قباحت نہیں اگر معین مدت کے لئے جانور کو تہائی یا چوتھائی کرایہ داری پر دیا جائے‘‘ (صحیح بخاری ۱/ ۳۱۳، مکتبہ نعیمیہ دیوبند)۔

قائلین جواز:

زمین کی پیداوار میں آدھوں آدھ یا تہائی اور چوتھائی بٹائی پر کاشتکاری جو دراصل اجرت مجہولہ کی شکل ہے کے مجوزین کی فہرست اور بھی طویل ہے اور اس میں حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد بھی شامل ہیں۔ علامہ ابن بطال شافعی فرماتے ہیں:

’’اختلف العلماء فی کراء الأرض بالشطر والثلث والربع فأجاز ذالک علی وابن مسعود وسعد والزبیر وأسامه وابن عمر ومعاذ وخباب وهو قول ابن المسیب و طاؤس وابن أبی لیلٰی والأوزاعی والثوری وأبی یوسف ومحمد وأحمد وهٰؤلاء اجازوا المزارعة والمساقاة‘‘ (حاشیہ صحیح بخاری ۱/ ۳۱۳، مکتبہ نعیمیہ دیوبند)۔

شاید اسی کثرت تعامل کو دیکھتے ہوئے علامہ بدرالدین عینی نے بھی لکھ دیا:

’’هذا الحدیث عمدة من أجاز المزارعة‘‘ (حوالۂ بالا)۔

امام احمد اور مجوزینِ اجرت مجہولہ نے جو دلیل بیان کی ہے وہ بھی بہت جاندار ہے:

’’روئی (کپاس) اور زعفران اور زیتون کے پودوں سے گھٹیا پھلوں اور پھولوں کو علیحدہ کرکے بڑھیا چننے اور کھیتی کاٹنے کی فیصد اجرت سب غیر معلوم (مجہول) ہے پھر بھی تابعین کی ایک جماعت نے اس کو جائز رکھا ہے اور یہی قول ہے امام احمد بن حنبل کا، ان حضرات نے اس معاملے کو ’’مضاربت‘‘ پر قیاس کیا ہے؛ کیونکہ اس میں بھی ایک شخص مال کے ذریعہ اسی مال کے ایک معلوم حصہ اجرت پر محنت کرتا ہے؛ اگرچہ منفعت اور محنتانہ کس مقدار میں حاصل کرسکے گا وہ یہ نہیں جانتا‘‘ (عمدۃ القاری ۹/ ۲۰)۔

خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ سب صورتوں میں اجیر کو اس کا جزءِ عمل ہی اجرت میں حاصل ہوتا ہے۔ اور خاص طور پر عقد مضاربت میں تو اس کے جواز پر فقہاء کا اتفاق ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۸۳۷)۔

دلیلِ تعامل الناس:

اس کے علاوہ جواز اجرت مجہولہ کی ایک دلیل عرف عام اور تعامل الناس کو بھی کچھ مشائخ نے معتبر تسلیم کیا ہے، امام

فخرالدین قاضی خاںؒ نے لکھا ہے:

"**ومشائخ بلخ رحمهم الله جوزواذالک لمکان التعامل وبه أخذ الفقيه أبوالليث وشمس الأئمة الحلوائی والقاضی الإمام أبوعلی النسفی رحمهم الله**"(فتاویٰ قاضی خاں ۳/ ۲۲، مصطفائی دہلی)۔

(مشائخ بلخؒ نے تعامل کی وجہ سے اس کو جائز قرار دیا ہے اور فقہیہ ابواللیث اور شمس الائمہ حلوائی اور قاضی امام ابوعلی نسفی رحمہم اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے)۔

مزارعت کے معاملہ میں خود "صاحب ہدایہ" نے امام اعظم ابوحنیفہ کے قول عدم جواز کو نقل کرنے کے بعد امام ابویوسف اور امام محمد کے قولِ جواز کو اسی تعامل نبوی وتعامل صحابہ وتابعین کی دلیل سے مؤیّد کیا ہے:

"زمین کی پیداوار کے تہائی یا چوتھائی حصے پر بٹائی کا معاملہ کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فاسد (ناجائز) ہے اور امام ابویوسف اور امام محمد نے کہا کہ یہ جائز ہے؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اہل خیبر سے زمین کی پیداوار پھل اور غلہ میں سے آدھوں آدھ پر معاملہ کیا، اور دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ یہ مال اور عمل کے درمیان شرکت کا معاملہ ہے، لہٰذا "مضاربت" (جس میں ایک شخص کا مال اور دوسرے شخص کے عمل کی اجرت پر دونوں میں عقد شرکت ہوتا ہے) کا اعتبار کرتے ہوئے یہ مزارعت جائز ہے، اور دونوں معاملہ میں اصلِ جامع ایک دوسرے کی حاجت روائی ہے؛ کیونکہ کبھی مال والا عمل میں راہ یاب نہیں ہوتا اور کبھی عمل میں قوی شخص مال نہیں پاتا، اس لئے انسانی ضرورت کی تکمیل کے لئے آپس میں اس طرح کے عقد کی حاجت لاحق ہوئی"(ہدایہ ۳/ ۴۰۸-۴۰۹، اشرفیہ دیوبند)۔

امام ابوالحسن مرغینانی "صاحب ہدایہ" نے آگے صاحبین ہی کے قول پر احناف کا فتویٰ نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

"**إلّا أن الفتویٰ علی قولهمالحاجته الناس إليهاولظهورتعامل الأمة بهاوالقياس يترک بالتعامل کمافی الاستصناع**"(ہدایہ ۳/ ۴۰۹)۔

مگر فتویٰ امام ابویوسف اور امام محمد ہی کے قول پر (جواز کا) ہے، (۱) بٹائی اور مزارعت کی طرف لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر۔ (۲) اور اس طرح کے معاملات میں امت کے تعامل کے ظاہر ہونے کی دلیل کی وجہ سے اور تعامل امت (اتنی قوی دلیل ہے کہ) اس سے قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے جیسا کہ عقدِ استصناع (جس میں ایک شخص آرڈر دے کر دوسرے شخص سے مطلوبہ چیز تیار کراتا ہے، حالانکہ مطلوبہ چیز بوقت عقد موجود نہیں ابھی مجہول ہے۔ گویا مبیع نامعلوم پر معاملہ ہورہا ہے اور اگر پہلے شخص نے خام مال دے کر اسی مال کے ایک حصہ کو اجرت قرار دیا ہے مثلاً فلاں سائز کے پانچ جوڑے جوتوں میں سے ایک جوڑا دوسرے شخص (تیارکنندہ Manufacturer) کا ہوگا، تو یہ عقدِ اجرتِ مجہولہ ہے) کے معاملے میں ہوتا ہے، اور اس کے جواز پر تعاملِ عام کی وجہ سے فقہاء کا اتفاق ہے۔

یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوتی کہ قفیز طحان اور اس جیسی تمام جزئیات کے جواز کا تعلق کسی خاص علاقے کے تعامل سے نہیں؛ بلکہ بقول صاحب ہدایہ تعامل امت سے ہے، لہٰذا مشائخ بلخ ونسفی کے فتویٰ جواز کو یہ کہہ کر رد نہیں کیا جاسکتا:

”ومشائخنا رحمهم اللّٰه لم یجوزوا ذالک وقالوا ھذا التخصیص أھل بلدةٍ واحدہ ولایخص الأثر“
(البحر الرائق ۸/۱۴۱، زکریا دیوبند)۔

(اور ہمارے مشائخ رحمہم اللہ نے اس کو جائز قرار نہیں دیا اور فرمایا کہ یہ کسی خاص ایک شہر کے رہنے والوں کی خصوصیتِ تعامل کی بنا پر ہے اور اس طرح کی تخصیص سے حدیث کو خاص نہیں کیا جاسکتا)۔

حقیقت یہ ہے کہ کھیتی کی بٹائی یعنی مزارعت کے مسئلہ میں جناب رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام اور تابعین اور امت کا تعامل اس جیسے تمام مسائل جن میں اجرت مجہولہ یا اجیر کے جزءِ عمل کو اجرت بنایا گیا ہو، مضاربت، استصناع، قفیز طحان، اجتناء قطن، حصاد وغیرہ وغیرہ میں جواز اجارہ کی ایسی مضبوط دلیل ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

تعاملِ نبوی کی تاویل؟:

اور خیبر کی زمین میں یہودیوں سے تعاملِ نبوی کو خراجِ مقاسمہ قرار دینا جیسا کہ امام سرخسی نے ”المبسوط“ میں اور علامہ برہان الدین نے ”الھدایہ“ میں امام اعظم ابوحنیفہ کی طرف سے نقل کیا ہے وزن دار جواب نہیں ہے؛ کیونکہ خیبر کی اراضی فتح کے بعد غانمین کی ملکیت میں آگئی تھیں اور ان میں خراجِ مقاسمہ کا حکم جاری نہیں ہوسکتا تھا؛ کیونکہ یہ یہودیوں کی ملک نہیں رہ گئی تھیں، یہ مزارعت کا مسئلہ ہے، اسی واسطے اس کے کچھ حصوں سے جناب رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کا سالانہ نفقہ دیا کرتے تھے اور یہودیوں کی جلاوطنی کے بعد اسے غانمین میں تقسیم کردیا گیا (اس کی تفصیل خود صحیح بخاری ۱/۲۱۳ میں موجود ہے، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: ”العرف الشذی بذیل جامع الترمذی ۱/۲۵۷، اشرفیہ دیوبند)۔

امام احمد کے قول پر فتویٰ:

یہ بات حد درجہ قابل لحاظ ہے کہ موجودہ دور کاروبار کی ایسی ترقی کا دور ہے جس میں تجارت کی نت نئی شکلیں وجود میں آگئی ہیں۔ اگر شریعت کے دائرہ سے ان کو باہر کردیا جائے تو امت کو سخت تنگی اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا، مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”مثال کے طور پر ڈرائی کلینگ کا کاروبار ہے، اگر کوئی شخص دوسرے کو کام پر لگاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ مشنری لگادی ہے تم اس میں کام کرو اور جو کچھ نفع ہوگا ہم دونوں آدھا آدھا تقسیم کرلیں گے، اسی طرح بس سروس قائم کرکے چالیس، پچاس بسیں دوسرے کو دے دیں کہ تم ان کو چلاؤ جو کرایہ ہوگا ہم تقسیم کرلیں گے (یہ سب مسئلہ کی وہی صورتیں جنکا اوپر ذکر ہوا)، آج کل پتہ نہیں خدمات کی کتنی بے شمار قسمیں ہیں جو اس طریقے سے خدمات انجام دیتی ہیں، ان میں کوئی چیز بچی نہیں جاتی، تو ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک ان کو مضاربت پر لگانا ممکن نہیں ہے، لہٰذا اگر ان تمام کاروباروں میں جن کا میں نے ذکر کیا ہے مضاربت کو بالکل خارج کردیا جائے تو موجودہ کاروبار میں سخت تنگی اور حرج پیش آئے گا اور کوئی نص ایسی نہیں ہے جو ان چیزوں میں کاروبار کو ناجائز قرار دیتی ہو، لہٰذا اس مسئلہ میں امام احمد بن حنبل کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے“ (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/۲۴۴ فیصل دیوبند)۔

آخری فیصلہ:

مذکورۂ بالا تمام تحقیقات کو ایک مرتبہ پھر پیش نگاہ رکھ کر غور کیا جائے تو سونے کی زیور سازی کے کاروبار میں سونے کے اجزاء سے اجرت کا جواز واضح ہو جائے گا۔ کیونکہ زیور ساز سونے کے ذرات سے جو اجرت حاصل کرتا ہے وہ فیصد کے حساب سے صراف اور اجیر کے درمیان طے شدہ مقدار ہوتی ہے۔ جس کا دونوں کو پیشگی علم ہوتا ہے۔ اور اجرت اس میں اگرچہ اجیر کے عمل کا جزء ہوتا ہے مگر یہ جزء معلوم ہوتا ہے مجہول نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے بوقت معاملہ وہ حصہ سامنے موجود نہیں ہوتا۔ لیکن دونوں چاہیں تو سونے کو پگھلا کر اتنا حصہ الگ بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر یہ بھی قابل تسلیم نہ ہو تو زیور سازی کے کام میں جو تعامل الناس ہے وہ خود جوازِ اجرت کی دلیل ہے۔ اگر اس کو جائز نہ کہا جائے تو دنیا سے زیور کا وجود ہی عنقا ہو جائے گا۔ اور عورتوں کو سخت تنگی لائق ہو گی حالانکہ شریعت میں حرج مدفوع ہے۔

۳- یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سونے کے ہر زیور پر سونے کے اصل وزن کی سرکاری مہر لگی ہوتی ہے کوئی بھی زیور مقدار کے اعتبار سے یکساں ہوتا ہے نئے اور پرانے زیور میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ صراف خریدار کو خریداری کی جو سلپ دیتا ہے اس میں بھی کیرٹ کی تعیین ہوتی ہے۔ مثلاً ۲۲ کیرٹ یا ۲۴ کیرٹ سونا ہونے کی گارنٹی دی جاتی ہے استعمال کے بعد زیور کی ظاہری چمک دمک میں کمی یا دھندلا پن کا نام ''پرانا'' ہونا ہے ورنہ اصل سونا وزن میں جوں کا توں ہے۔

اب صراف پرانے زیور کی واپسی پر دس گرام والے زیور کو آٹھ گرام مان کر زیور کا تبادلہ کرتا ہے یا آٹھ گرام کی قیمت دیتا ہے تو یہ کمی بیشی اصل سونے کے وزن میں نہیں بلکہ زیور میں جو دھات کی آمیزش ہوتی ہے یا جو دھات کا ٹانکا لگا ہے (جس کے بغیر کوئی زیور بن ہی نہیں سکتا) یہ فرق اس کے اعتبار سے ہے۔ صراف نے زیور کی فروختگی کے وقت جو دس گرام سونے کی قیمت وصول کی تھی وہ سونا اور دھات کی آمیزش اور کاریگر کی اجرت کی مجموعی قیمت لگا کر دس گرام کی تھی۔ اب اسی زیور کو وہ آٹھ گرام کے بدلے واپس لے رہا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس زیور کو کسی اور ڈیزائن میں بنوائے گا یا اس کی پالش کرائے گا۔ تو اس میں دھات کی آمیزش اور کاریگر کی مزدوری بھی شامل ہو گی۔ تو گویا دو گرام سونا نئی شکل میں ڈھالنے کے عوض ہے اصل وزن سونے کا آٹھ گرام بالکل برابر سرابر ہے۔ اس لئے یہ صورت شرعاً جائز ہے اس کو سود قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ خریدار سے ۲ رگرام کی کمی پر واپسی ڈھلائی اور کاریگر کی مزدوری کے عوض ہے۔ اصل سونے کے وزن پر کوئی اضافہ نہیں۔

مجھے معتبر مسلم صراف سے یہ معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ اس لئے ان پر اعتماد کیا جانا چاہئے۔ اور اس کے جواز کا فیصلہ درست ہونا چاہئے۔

۴- (الف): اگر ادارے کے پاس سونا موجود ہے اور وہ غیر مقسوم شکل میں حصص متعین کر کے خریداروں کو فروخت کرتا ہے تو اسلامی اصولِ بیع وشراء کے مطابق یہ معاملہ درست ہے۔ سونے کی ایک اینٹ میں پچاس پچاس گرام فی حصہ دوسو آدمیوں کے درمیان معاملہ شرکتہ ''مشاع'' ہے۔ اب اگر ادارے نے تمام شرکاء کو سیل سرٹیفکٹ جاری کر دیا ہو یا ان کے حق میں محفوظ کر دینے کی گارنٹی فراہم کر دی ہو تو یہی مبیع پر قبضہ کے ہم معنی ہو گا۔

حنفیہ کے نزدیک مبیع پر قبضہ کے معتبر ہونے کے لئے ’’حسی قبضہ‘‘ ضروری نہیں بلکہ معنوی اور حکمی قبضہ بھی کافی ہوتا ہے، اس کو فقہاء کی اصطلاح میں ’’تخلیہ‘‘ سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مبیع اور خریدار کے درمیان کوئی مانع اور رکاوٹ موجود نہ ہو اور مبیع خریدار کے ضمان میں آجائے، اور نفع اور نقصان کی ذمہ داری اس کی طرف منتقل ہو جائے، بالفاظِ دیگر مبیع اس پوزیشن میں ہو کہ خریدار جب چاہے قبضہ و تصرف کر سکتا ہو، اس کی دلیل جناب رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے اور امام بخاری نے مختلف احکام کے ذیل میں بیس مقامات پر اس کو نقل کیا ہے، ایک جگہ:

’’**باب شراء الدّواب والحمير وإذا اشترىٰ دابّه أوجملا وهوعليه هل يكون ذالك قبضًا قبل أن ينزل وقال ابن عمر قال النبی ﷺ لعمر بعينه يعني جملاصعبًا**‘‘ (صحیح بخاری ۱/۲۴۲) کے تحت پوری مفصل حدیث نقل کی ہے جس میں سفر اور سواری اور خانگی حالات سے متعلق باتیں سوال وجواب کے پیرائے میں مذکور ہیں اور ترجمۃ الباب سے متعلق ’’**أتبيع جملك قلت نعم فاشتراهُ منى بأوقية**‘‘ اور آگے مدینہ واپسی اور اونٹ سے متعلق معاملہ کا ذکر ہے۔

اور ترجمۃ الباب کے مضمون کو ثابت کرنے کے لئے امام بخاری نے اسی حدیث میں راویوں سے مروی الفاظ کو دوسری جگہ ’’**إذا اشترط البائع ظهر الدابة إلى مكان مسمٰى جاز**‘‘ (صحیح بخاری ۱/۳۷۵) کے تحت ذکر کیا ہے، ان میں سے چند الفاظ یہ ہیں:

(۱) ’’**وقال شعبة عن مغيرة عن عامرعن جابرؓ افقرنى رسول الله ﷺ ظهرهُ إلى المدينة**‘‘۔

(شعبہ نے مغیرہ سے انہوں نے عامر شعبی سے انہوں نے جابر سے یوں روایت کیا ہے: ’’آنحضرت ﷺ نے مدینہ تک اس اونٹ پر چڑھنے کی مجھ کو اجازت دی)۔

(۲) ’’**وقال عطاوغيره ولك ظهره إلى المدينة**‘‘۔

(عطا ابن ابی رباح وغیرہ نے جابرؓ سے یوں نقل کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تو مدینہ تک اس کی پیٹھ پر چڑھ سکتا ہے (سوار رہ سکتا ہے))۔

(۳) ’’**وقال زيدبن أسلم عن جابرولك ظهرهُ حتى ترجع**‘‘

(اور زید بن اسلم نے جابرؓ سے یوں روایت کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، مدینہ لوٹنے تک اس کی پیٹھ پر سوار رہ سکتا ہے)۔

(۴) ’’**وقال أبوالزبيرعن جابر۔أفقرناك ظهرهُ إلى المدينة**‘‘۔

(اور ابوالزبیر نے جابرؓ سے یوں نقل کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم نے مدینہ تک اس کی پشت (پیٹھ یا کمر) تجھے دے دی)۔

(۵) ’’**وقال الأعمش عن سالم عن جابرؓ تبلّغُ عليه إلى أهلك**‘‘۔

(اور اعمش نے سالم سے انہوں نے جابرؓ سے نقل کیا، اس کی پیٹھ پر سوار رہتے ہوئے مدینہ تک پہنچ جا)۔

اس کے علاوہ امام بخاری نے ترجمۃ الباب کے دوسرے جزء ''**وقال ابن عمر قال النبی ﷺ لعمر بعنیه یعنی جملًا صعبًا**'' سے بھی اسی معنوی قبضہ کو ثابت کیا اور تفصیلی روایت دوسری جگہ ذکر کی ہے جس میں سفر کے دوران اسی انداز کی بات خریداری اور قبضہ کے سلسلے میں ہوئی ہے جیسی حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن عمر اپنے والد حضرت عمرؓ کی ایک اڑیل اونٹ پر سوار تھے وہ کبھی لوگوں کے سامنے سے آگے بڑھ جاتا۔ حضرت عمر ڈانٹ ڈپٹ کر اسے پیچھے لوٹاتے اور پھر آگے بڑھ جاتا۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے عمر سے کہا: ''**بعنیه**''۔ یہ اونٹ مجھ سے بیچ لو۔ عمرؓ نے کہا: ''**هو لک**'' یارسول اللہ! حضور آپ کے لئے ہدیہ ہے، آپ نے کہا: نہیں۔ ''**بعنیه**'' مجھ سے بیچ لو۔

''**فباعهٗ من رسول اللّٰه** ﷺ'' (حضرت عمر نے رسول اللہ ﷺ کو یہ اونٹ فروخت کردیا)، خریداری کے بعد ''**فقال النبی** ﷺ**: هو لک یاعبداللّٰه بن عمر تصنع بهٖ ماشئت**'' (صحیح بخاری ۱/۲۸۴، باب اذا اشتری شیأً فوھب فی ساعتہٖ الخ) (محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ تمہارے لئے ہبہ ہے، اے عبداللہ بن عمر، اس میں تمہیں اختیار ہے جو چاہے کرو)۔

ان سب صورتوں میں اونٹ پر رسول اللہ ﷺ کا معنوی قبضہ متحقق ہوگیا، کیونکہ خریدے ہوئے اونٹ پر حضرت جابر، اور دوسرے واقعہ میں حضرت عبداللہ بن عمر سوار تو ہیں، لیکن پوزیشن یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ چاہتے تو خود سوار ہوسکتے تھے، اور حسی قبضہ لے سکتے تھے، مگر جب خود آپ نے خریداری کے بعد مبیع میں تصرف کرلیا، حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عمرؓ کو ہبہ کردیا تو یہ قبضہ کے ہم معنی ہوگیا اور بیع درست ہوگئی؛ کیونکہ ہبہ کا تصرف قبضہ کے بعد ہی معتبر ہوتا ہے، محدث کبیر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں:

''**وقد احتج به أی بحدیث ابن عمر فی قصة البعیر الصعب المالکیه والحنفیه أن القبض فی جمیع الأشباء بالتخلیه وإلیه مال البخاری**'' (فیض الباری علی شرح البخاری ۳/۲۰۶)۔

(ابن عمر کی حدیث سے مالکیہ اور حنفیہ نے حجت لی ہے کہ تمام چیزوں پر قبضہ تخلیہ سے معتبر ہوجاتا ہے)۔

اِس روشنی میں زیر بحث مسئلہ کو دیکھا جائے تو ادارے کے سونے کی اینٹ فی پچاس گرام دوسو شرکاء کو فروخت کردینے اور قبضے میں رکاوٹ نہ ڈالنے کی وجہ سے خریدار کا مبیع پر معنوی قبضہ ہوگیا، اب اگر ان میں سے کوئی اپنے مشترکہ حصے کو دوسرے کو ہبہ، بیع، عطیہ، صدقہ وغیرہ کرنا چاہے اور اس میں ادارہ مانع نہ ہو تو یہی تصرف قبضہ کی دلیل بن جائے گی اور بیع درست ہوگی، فی الحال ہر حصے کی بسکٹ کی شکل میں علیحدہ تقسیم جواز بیع کے لئے ضروری نہیں ہے، کیونکہ ادارہ اگر تقسیم میں مانع بھی ہو تب بھی عدالتی چارہ جوئی کرکے یہ حق وصول کیا جاسکتا ہے۔

ب– اوپر ذکر کردہ تفصیلات سے اس سوال کے شق (ب) کا جواب بھی واضح ہوجاتا ہے کہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک قبضہ کے لئے حقیقی، حسی قبضہ ضروری نہیں ہے؛ بلکہ معنوی اور حکمی قبضہ بھی معتبر ہوتا ہے، چنانچہ ہر خریدار کے لئے اس کے حصہ کی مقدار کا سکہ الگ سے موجود ہو اور اس کے نام سے کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں اندراج خریدار کے نام سے کردیا گیا ہو تو یہ بھی معنوی قبضہ کی ایک صورت ہے، اس صورت میں خریدار کو چاہئے کہ اس کی نقل بھی اپنے پاس رکھے، تاکہ عندالنزاع عدالتی چارہ جوئی ممکن ہو۔

۵– اوپر بیان کردہ صورتِ مسئلہ، سٹہ بازی ہے جو شریعت میں حرام ہے، سٹّے بازی کا یہی کھیل شیئر مارکیٹ کی اکثر خریداریوں

میں ہوتا ہے جو سراسر حرام ہے، مفتی محمد تقی عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

سٹہ کیا ہوتا ہے؟

بیع قبل القبض کی ممانعت ایک ایسا حکم ہے جس نے بہت سے مفاسد کا سد باب کیا ہے اور موجودہ سرمایہ دارانہ نظام میں بہت سی خرابیاں اسی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں کہ انہوں نے بیع قبل القبض کو جائز قرار دیا ہوا ہے، سٹے کی تمام شکلیں تقریباً وہ اسی بیع قبل القبض پر مبنی ہیں۔

سٹہ کی حقیقت یہ ہے کہ اندازہ لگانا، تخمینہ لگانا، اس لئے کہ سٹہ کے اندر یہ ہوتا ہے کہ اس کا آغاز ہوا ہے اسٹاک ایکسچینج (Stock Exchange) سے، کمپنیوں کے شیئرز، ان کے حصص بازار میں فروخت ہوتے ہیں، جس بازار میں کمپنیوں کے حصص فروخت ہوتے ہیں اس کو اسٹاک ایکسچینج کہتے ہیں، اور یہ عجیب وغریب قسم کا بازار ہوتا ہے، اس میں کوئی سامان تجارت نہیں ہوتا، لیکن کروڑوں کے روزانہ سودے ہوتے ہیں، مختلف قسم کی کمپنیوں کے حصص اس بازار میں فروخت ہوتے ہیں، اس اسٹاک ایکسچینج میں یہ ہوتا ہے کہ لوگ ان حصص کو خریدتے اور بیچتے رہتے ہیں اور اس کا اندازہ کرتے ہیں کہ کونسی کمپنی زیادہ منافع میں جارہی ہے، جو کمپنی زیادہ منافع میں جارہی ہوتی ہے اس کے شیئرز کو خرید لیتے ہیں، تاکہ آگے چل کر اس کے دام بڑھیں گے تو اس وقت منافع ہوگا، مثلاً ایک کمپنی کا حصہ پچاس روپے میں بک رہا ہے اور آگے جاکر اس کا حصہ ساٹھ ستر روپے کا ہوجائے گا تو اس وقت بیچ دیں گے، تو اصل کاروبار اسٹاک ایکسچینج میں حصص کا ہے، اس میں اگر کوئی آدمی حصہ لے اور اس پر قبضہ کرلے اور قبضہ کرکے اس کو آگے فروخت کرے تو اس میں کوئی خرابی نہیں، لیکن اس میں سٹہ اس طرح ہوتا ہے کہ ہر آدمی اپنا اندازہ لگاتا ہے کہ کونسی کمپنی کے حصص اس وقت سستے ہیں اور کس کے مہنگے ہونے کا امکان ہے، تو اس کو لے کر خریدے گا اور اسے آگے بیچے گا لیکن ہوتے ہوئے یہ معاملہ اس طرح ہونے لگے گا کہ ایک شخص نے جس کے پاس بالکل کوئی شیئرز نہیں ہیں یعنی کوئی حصہ نہ اس کی ملک میں ہے اور نہ قبضے میں ہے، آخر میں جاکر آپس کا فرق (ڈیفرنس Difference) برابر کرلے گا اور جہاں یہ صورت ہو کہ قبضہ بالکل مقصود نہ ہو اور شیئرز کا نہ لینا مقصود ہو نہ دینا مقصود ہو؛ بلکہ اصل مقصد یہ ہو کہ اس طرح سٹہ بازی کرکے آپس کے ڈیفرنس کو برابر کرلیا جائے تو یہ صورت بالکل حرام ہے، اور شریعت میں اس کی اجازت نہیں (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/۱۸۸، ۳/۲۴)۔

حدیث کے مطابق یہی صورت ''بیع مالیس عندہ'' کی ہے جو ممنوع ہے۔

''عن حکیم بن حزام قال سألت رسول اللہ ﷺ فقلت یأتینی أرجل فیسألنی من البیع مالیس عندی۔ابتاع لہٗ من السوق ثم ابیعہٗ قال لاتبیع مالیس عندک'' (جامع ترمذی باب فی کراہیۃ مالیس عندہ ۱/۲۳۳ اشرفیہ دیوبند)۔

(حکیم بن حزامؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے میں نے پوچھا بعض اوقات میرے پاس کوئی شخص آتا ہے اور مجھ سے ایسی چیز کی بیع کا سوال کرتا ہے جو میرے پاس نہیں ہوتی تو میں ایسا کرتا ہوں کہ وہ چیز بازار سے خرید کر اس کو فروخت کردیتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو چیز تیرے پاس موجود نہ ہو اس کو فروخت مت کر)۔

سٹے کے اندر یہی ہوتا ہے کہ ایک انسان کے ہاتھ میں اور اس کی ملکیت میں ایک پیسے کا بھی مال نہیں ہے اور وہ کروڑوں روپئے کا کاروبار کرتا ہے، یہ تماشا دیکھنا ہو تو اسٹاک ایکسچینج میں جا کر دیکھو لو۔

۶- جن چیزوں کی ذخیرہ اندوزی سے براہِ راست عام انسان کو ضرر شدید لاحق ہو ان کا احتکار و ذخیرہ کرنا اسلامی شریعت میں حرام ہے، حدیث میں ہے:

"**لایحتکر إلا خاطی**"(صحیح مسلم ۲/۳۱، اشرفیہ دیوبند) (صرف گنہگار شخص ہی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے)۔

امام نووی فرماتے ہیں:

"**هذاالحديث صريح في تحريم الاحتكار**" (یہ حدیث احتکار کی حرمت میں بہت واضح ہے)۔

اس دوسری روایت میں ہے:

"**الجالب مرزوق والمحتكر ملعون**" (الفتاویٰ الہندیہ ۳/۱۰۳، فصل فی الاحتکار) (باہر سے سامان لاکر مناسب دام پر بیچنے والا من جانب اللہ روزی پانے والا ہوتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے)۔

لیکن ذخیرہ اندوزی کا تعلق کن چیزوں سے ہے، تو اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ براہ راست عام انسانوں کی خوراک کی ضرورت سے وابستہ اشیاء کا ذخیرہ کرنا، گودام میں چھپا کر رکھنا؛ تاکہ قیمت کے خوب چڑھ جانے اور مہنگائی بڑھ جانے کے وقت بیچا جائے، یہ حرام ہے۔

امام مالک اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ احتکار کا تعلق خورد و نوش کی اشیاء اور اس کے علاوہ سامانوں سے بھی ہے، ان کے نزدیک درہم و دینار (چاندی سونے کے سکوں) میں بھی احتکار ممنوع ہے، لیکن جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ احتکار صرف خوراکی اجناس میں ممنوع ہے دوسری چیزوں میں نہیں۔

"**والجمهور على أن الاحتكار خصّ بالأقوات**" (حاشیہ موطا امام مالک ص ۲۷۰، سعد بکڈپو دیوبند)۔

کچھ حضرات فقہاء ذخیرہ اندوزی کی حرمت کے لئے مدت کا بھی تعین کرتے ہیں:

"**ثم إن حبس القوت إنما يكون احتكارًا إذا طالت المدة لافيماقصرت وحدالطول أربعون يومًاوعن أحمدؒعن ابن عمرؓمن احتكر الطعام أربعين يومًافقدبرئ من الله، وبرى الله منه**" (حاشیہ موطا امام مالک ص ۲۷۰)۔

امام محی الدین النوویؒ اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہمارے اصحاب (شوافع) کہتے ہیں کہ حرام ذخیرہ اندوزی خاص طور پر صرف غذائی اجناس اور خوراک کی اشیاء میں ہے، ذخیرہ اندوزی اسے کہتے ہیں کہ کوئی شخص مہنگائی کے زمانہ میں تجارت کے لئے غلہ خرید لے اور اس کو فی الحال نہ بیچے بلکہ اسٹاک کر کے ذخیرہ کر لے دام چڑھنے کے وقت فروخت کرے۔

لیکن یہ صورت ذخیرہ اندوزی کی نہیں ہے کہ کسی شخص کے پاس گاؤں سے غلہ آجائے، یا اس کو سستے ریٹ کے وقت خرید لے اور ذخیرہ کر لے، یا مہنگائی کے وقت خود اپنی خوراکی کی ضرورت کے لئے خریدے، یا اسی مہنگائی کے وقت خریدے تاکہ اسی

مہنگائی میں بیچ دے تو اس کو ذخیرہ اندوزی نہیں کہیں گے اور اس صورت میں حرمت نہیں ہے، رہ گئیں خورا کی اجناس اور غذائی غلہ جات کے علاوہ اشیاء تو ان کا ذخیرہ کرنا کسی بھی حال میں حرام نہیں ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ ذخیرہ اندوزی کی حرمت کی حکمت ہے عام لوگوں کو غذائی قلت اور ضرر سے بچانا۔ اسی وجہ سے علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کسی کے پاس کھانے کا سامان ہے اور لوگ اس کے شدید حاجتمند ہیں اور اس کے لئے مجبور ہیں اور دوسری خورا کی اشیاء اس کے علاوہ نہ پارہے ہوں تو اس شخص کو بیچنے پر مجبور کیا جائے گا تا کہ لوگوں کی سخت تکلیف کو دور کیا جاسکے"۔

خلاصۂ بحث:

اوپر کی تفصیلات کو سامنے رکھنے سے تین باتیں واضح ہوتی ہیں:

(۱) ذخیرہ اندوزی ہر حال میں حرام نہیں ہے، بلکہ غذائی قلت کے زمانے میں حرام ہے۔

(۲) ذخیرہ اندوزی کی حرمت کا تعلق صرف غذائی اجناس اور خورا کی غلہ جات سے ہے، بالخصوص ان خوار کی غلہ جات سے جو براہ راست خوراک کی ضرورت سے متعلق ہوں، اور ذخیرہ کرنے کی وجہ سے اس کے اثرات عوامی ضررِ شدید پر پڑتے ہوں، لیکن جن غذائی اجناس کے ذخیرہ کر لینے سے عام حاجاتِ انسانی متاثر نہ ہوں تو اس کے ذخیرہ میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ "صحیح مسلم" میں حضرت سعید بن مسیّب اور معمر جو حدیثِ احتکار کی حرمت کے راوی ہیں بقول عبداللہ ابن عمر خود کشمش کا ذخیرہ کرتے تھے، صحیح مسلم کے "حاشیہ علامہ سندھی" میں ہے کہ اس بارے میں حضرت سعید سے پوچھا گیا کہ آپ احتکار کیوں کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ معمر راوی حدیث خود بھی تو احتکار کرتے ہیں، اگر کشمش میں احتکار ممنوع ہوتا تو وہ حدیثِ نبوی کے خلاف ہرگز نہیں کر سکتے تھے، پتہ چلا کہ کشمش (زبیب) کا ذخیرہ احتکار حرام میں داخل نہیں ہے، اور وجہ صاف ظاہر ہے کہ اس کا تعلق براہ راست ضروری خوراک سے نہیں ہے، کشمش اگرچہ طعام ہے لیکن وہ قوت (خوراک) نہیں ہے جس کے بغیر گزارہ نہ ہو سکے۔

(۳) درہم اور دینار کو امام مالک اور امام ابو یوسف نے اگرچہ "احتکار ممنوع" میں شامل رکھا ہے، لیکن اس کی وجہ بھی یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ دونوں نقود چاندی، سونے کے سکوں کی شکل میں فلوس نافقہ اور روپے پیسے کی طرح ان کے دور میں ذریعۂ تبادلہ تھے، اور ان کے ذخیرہ کر لینے سے لوگوں کو شدید ضرر کا سامنا ہوتا کیونکہ ان کے بغیر غلہ اور خوراک کے سامان خریدنے میں لوگ دقت اور قلت میں مبتلا ہو جاتے، جیسا کہ موجودہ نوٹ بندی میں ہوا، چونکہ درہم و دینار براہ راست ناگزیر ضرورتِ انسانی سے تعلق رکھتے تھے اور اس کے اثرات ضرر عامۃ الناس تک پہنچنے والے تھے، اس لئے ان کو حرمت احتکار میں شامل رکھا۔

یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ سونا اور چاندی اول تو قوت اور طعام نہیں ہیں، دوسرے ان کی ذخیرہ اندوزی کے اثرات براہ راست ضرر عامۃ الناس تک نہیں پہنچتے؛ کیونکہ یہ سامان زینت ہیں ثمن ضرورت نہیں، کیونکہ عوامی ضرورت کے سامان میں ذریعۂ تبادلہ نہیں ہیں، البتہ جہاں سونے چاندی کے سکے چلتے ہوں وہاں ان کا ذخیرہ ممنوع ہوگا، دوسری جگہوں پر ان کی ذخیرہ اندوزی کو حرام قرار نہیں دیا جاسکتا؛ جیسا کہ کشمش کے ذخیرہ کے سلسلے میں حضرت سعید بن مسیّب اور معمر راوی حدیثِ احتکار کا معمول تھا۔

۷ – انگریزی ڈکشنریوں میں اسمگلنگ کے معنی ہیں "خلاف قانون سامان کی درآمد و برآمد کرنا"، یہاں دو چیزیں الگ الگ

ہیں اور ان کے حکم میں دو علیحدہ نوعیتیں ہیں: ایک ہے اسمگلنگ کا عمل، اس کا حکم یہ ہے کہ یہ ملکی قانون کے خلاف عمل ہے اور ملک کا ہر شہری چونکہ ملکی قانون کی پابندی کا ذمہ دار ہے، اس اعتبار سے یہ عمل درست نہیں ہے۔

دوسری چیز ہے، اس عمل کے ذریعہ حاصل شدہ بیرونِ ملک کے مال کی خرید وفروخت، تو اس کا حکم یہ ہے کہ اپنی ذاتی حیثیت سے اس مال کی خرید وفروخت درست ہوگی، کیونکہ یہ اقسام بیع میں سے "بیع بماقام علیه بفضل" میں داخل ہے جو بیع مرابحہ کے ہم معنی ہے، اور کسی فعل کے حرام وناجائز ہونے کے باوجود اصل حکم میں حلت وجواز ہوسکتا ہے۔

"وحرمة الفعل لاتنافی ترتب الأحکام کطلاق الحائض والوضوبمیاه مغصوبة۔ والاصطیاد بقوس مغصوبه والذبح بسکین مغصوبة والصلوٰة علی الأرض الغصوبة۔والبیع فی وقت النداء فإنهٗ یترتب الحکم علی هٰذہِ التصرفات مع اشتمالهٖ علی الحرمة" (اصول الشاشی رص ۸۷، مکتبہ بلال دیوبند)۔

(اور کسی فعل کی حرمت، احکام کے مرتب (صحیح ہوجانے) کے منافی نہیں ہے، جیسے حیض کی حالت میں طلاق اور غصب کردہ پانی سے وضو کرنا اور غصب کئے ہوئے تیر وکمان سے شکار کرنا اور غصب کردہ چھری سے ذبح کرنا اور غصب کردہ زمین پر نماز پڑھنا اور اذان جمعہ کے وقت خرید وفروخت کرنا، ان سب صورتوں میں سارے تصرفات پر حکم مرتب ہوجاتا ہے باوجودیکہ وہ حرمت پر مشتمل ہے)۔

یہاں ایک اور وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے، وہ یہ کہ مذکورہ مسئلہ کو درج ذیل حدیث میں لایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

"عن أبی هریرةؓ قال نهی رسول اللهﷺ أن یتلقی الجلب وفی حدیث عنه لایبیع حاضر لباد" (صحیح مسلم ۲ر۴، اصح المطابع دہلی)۔

(حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غلہ والوں کے قافلے سے ملاقات کرکے بیع کرنے کو منع فرمایا ہے اور شہری دیہاتی سے باہر ملاقات کرکے خریداری نہ کرے)۔

یہ دو مختلف صورت بیع ہے جس کا مطلب ہے کہ دیہات کے کاشتکار زمین کی پیداوار اونٹوں پر لاد کر قافلے کی شکل میں شہر کی طرف آتے تھے؛ تاکہ وہ اپنا سامان شہر میں آکر فروخت کریں تو بعض سیانے قسم کے لوگ جو شہر کے رہنے والے تھے، شہر سے باہر آکر ان کا استقبال کرتے اور ان کی چاپلوسی کرتے، آپ کہاں بازار جانے کی زحمت کریں گے، ہم یہیں آپ کا سارا سامان خرید لیتے ہیں، اس طرح سستے داموں خرید لیتے اور بازار میں آکر اس کی من مانی قیمتیں وصول کرلیتے، اسی کو تلقی الرکبان، تلقی البیوع اور تلقیٔ جلب کہتے ہیں۔

"بیع حاضر لباد" میں بھی یہی صورت ہوتی تھی کہ چالاک شہری پیداوار لانے والے دیہاتی کو راستہ میں بہکا پھسلا کر کہتا کہ بھائی تم شہر کے بازاری حالات اور داموں کے اتار چڑھاؤ سے واقف نہیں ہو، مجھے اپنا وکیل یا دلال بنالو، میں تمہارا سامان بیچ دوں گا، اس طرح وہ شہر کے بازار میں لاکر مہنگے داموں پر بیچتا اور دیہاتی سے دلالی کی اجرت لیتا اور شہر والوں کو ضرر اور پریشانی میں مبتلا کردیتا، اس لئے جناب رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں قسم کی بیع سے منع فرمایا، اور اسی کے ساتھ یہ ہدایت بھی دی:

"دعوا الناس یرزق اللہ بعضھم من بعض" (صحیح مسلم ۲/۴)۔

(لوگوں کو آزاد چھوڑ دو تا کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ رزق عطا کرے)۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اسمگلنگ والی صورت اس میں شامل نہیں، اس لئے کہ یہاں دونوں صورت بیع میں ممانعت کا تعلق عام حاجتِ انسانی کے سامان سے ہے؛ جبکہ سونے کی اسمگلنگ کا تعلق سامان زینت و زیبائش سے ہے، لہٰذا دونوں کا حکم یکساں نہیں ہوسکتا، اس کے علاوہ واقعہ یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے مطابق یہاں بھی ممانعت کے باوجود اصل بیع درست تسلیم کی گئی ہے۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"اس میں اختلاف ہوا ہے کہ کوئی شخص تلقی جلب ناجائز طریقہ سے کرے، مثلاً دھوکہ دیا یا قافلہ والوں کو غلط بھاؤ بتائے تو آیا یہ بیع منعقد ہوئی یا نہیں، علامہ ابن حزم اور ظاہر یہ کہتے ہیں کہ ایسی بیع ہوئی ہی نہیں، دوسرے فقہاء شافعیہ وغیرہ (مالکیہ، حنابلہ) کہتے ہیں کہ بیع ہوگئی، لیکن صاحب سلعہ کو خیار مغبون حاصل ہوگا، امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ بیع ہوگئی، لیکن بائع کو خیار فسخ حاصل نہیں ہوگا" (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/۱۵۱ فیصل دیوبند)۔

۸- مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں: "سونے کے بارے میں حکم یہ ہے کہ وہ بالکل برابر سرابر کر کے خریدنا اور فروخت کرنا ضروری ہے، لیکن یہ حکم موتیوں کے بارے میں نہیں ہے، اس لئے دس موتی کے بدلے بارہ موتی لینا جائز ہے، لہٰذا اگر ایک ہار خریدنا ہو جو سونے اور موتی سے مرکب ہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ اس ہار میں جتنا سونا ہے اس سے تھوڑا سا زیادہ سونا دے کر اس کو خریدنا درست ہے، مثلاً فرض کیجئے کہ اس ہار میں ایک تولہ سونا ہے اور کچھ موتی لگے ہوئے ہیں، اب اگر کوئی شخص اس ہار کو ایک تولہ اور ایک رتّی سونے کے عوض خریدنا چاہے تو اس کے لئے خریدنا جائز ہے، اس لئے کہ یہ کہا جائے گا کہ ایک تولہ سونا تو ایک تولہ سونا کے عوض میں آ گیا اور ایک رتّی سونا موتیوں کے مقابلے میں آ گیا، اس طرح معاملہ درست ہوگیا" (اسلام اور معاشی مسائل ۳/۱۹، فیصل دیوبند)۔

موتی سمندری دھات ہے اور پلاٹین زمینی دھات ہے:

اس تحریر سے واضح ہوا کہ پلاٹین اور سونا دونوں الگ الگ دھات ہیں اور دونوں کے احکام جداگانہ ہیں، عقود اور زکوٰۃ کے مسئلہ میں پلاٹین کو سونے کے حکم میں شامل نہیں کیا جائے گا، پلاٹین اور اس سے بنے زیور میں زکوٰۃ نہیں، مگر تجارت کے لئے ہو تو زکوٰۃ واجب ہے، سونے میں بہرحال زکوٰۃ ہے۔

ایک سوال کہ:

"قیمتی پتھر یعنی فیروزہ، یاقوت وغیرہ اگر زیور میں جڑے ہوئے ہیں تو ان کی زکوٰۃ کس اصول کے تحت ادا کرنا چاہئے اور کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہے؟"

اس کے جواب میں حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ لکھتے ہیں:

"ایسے پتھروں پر زکوٰۃ واجب نہیں، ان کے وزن کو محسوب کر کے سونے چاندی کے زیور کی زکوٰۃ ادا کی جائے"۔

"أما الیواقیت واللآلی والجواھر فلا زکوٰۃ فیھا وإن کانت حلیًا إلا أن تکون للتجارۃ" (الفتاویٰ

العالمگیریہ ۱/۱۸۰، رشیدیہ پاکستان، کذافی الدرالمختار ۲/۲۷۳، سعید کمپنی کراچی، کذافی التاتارخانیہ ۲/۲۴۵، ادارۃ القرآن کراچی، فتاویٰ محمودیہ ۳۰۷/۹، مکتبہ شیخ الاسلام دیوبند)۔

تلخیص:

۱- سونا ثمن خلقی ہے اور روپیہ ثمنِ اعتباری یا زرقانونی ہے، عقد کے دونوں جانب ثمن ہے، اس لئے یہ ''بیع صرف'' ہے جیسا کہ علامہ ابن نجیم مصری کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

(الف) سونا، چاندی کی روپے سے خرید وفروخت میں ادھار جائز ہے، کیونکہ روپیہ فلوس نافقہ کے درجہ میں ہے، اور اس کی جنس الگ ہے اور سونا، چاندی الگ جنس ہے، حدیث میں چھ اشیاء کی خرید وفروخت میں اُدھار کا عدم جواز اُنھیں چھ کے ساتھ مخصوص ہے، ان کے علاوہ میں جواز ہے۔

(ب) انٹرنیشنل یا ہندوستانی گولڈ مارکیٹ کے طے کردہ ریٹ سے کم وبیش قیمت پر خرید وفروخت جائز ہے، کیونکہ یہ خریداری دلال کی اجرت اور سونے کی ڈھلائی وصفائی کی اجرت کے ساتھ ہے، اس لئے اس پر ربا تفاضل کا اطلاق نہیں ہوگا، زیادہ قیمت کے مقابلہ میں مذکورہ اخراجات ہوں گے۔

۲- (الف) یہ خالص عقد اجارہ ہے؛ کیونکہ یہ عقدٌ علیٰ منفعةٍ مالیةٍ ہے، ایک طرف مال اور دوسری طرف عمل صنعت کی منفعت ہے۔

(ب) کا جواب یہ ہے کہ اگر چہ یہاں اجرت خود اجیر کے عمل کا ایک جزء اور حصہ ہے، جو غیر معلوم اور مجہول ہے، پھر بھی یہ عقد درست ہے، کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ وتابعین اور امت کے تعامل سے اس قسم کے عقد ومعاملہ کا جواز ثابت ہے، احادیث صحیحہ اور آثارِ مرویہ اور تصریحاتِ فقہیہ اس کی دلیلیں ہیں، عقدِ مزارعت، عقدِ مضاربت، عقدِ استصناع وغیرہ اس کی فقہی نظائر ہیں۔

امام احمد بن حنبل، امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ بھی جواز کے قائل ہیں، صاحب ہدایہ نے صاحبین (امام ابویوسفؒ وامام محمدؒ) کے قول پر فتویٰ نقل کیا ہے۔

۳- سونے کے نئے اور پرانے زیور کے وزن میں کوئی فرق نہیں، صراف جو دس گرام کا پرانا زیور آٹھ گرام کے زیور کے بدلے لین دین کرتا ہے اس کی وجہ پرانے زیور پر آنے والے خرچ، ڈھلائی، نئی ڈیزائننگ یا پالش میں کچھ سونا کی کٹوتی اور مزدوری وغیرہ کو وصول کرنا ہے، لہٰذا یہ تبادلہ جائز ہے۔

۴- قبضہ دو قسم کا ہوتا ہے: ایک حسی قبضہ، دوسرا معنوی قبضہ، معنوی قبضہ یہ ہے کہ مبیع اور خریدار کے درمیان قبضہ میں کوئی چیز مانع یا رکاوٹ باقی نہ رکھی جائے، اس کو ''تخلیہ'' کہتے ہیں، یہاں خریدار کا معنوی قبضہ سمجھا جائے گا، اور یہ شرعاً معتبر ہے جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت جابرؓ اور حضرت عمرؓ سے رسول اللہ ﷺ کا اونٹ خریدنا اور معنوی قبضہ کے ذریعہ دونوں کو اونٹ کی سواری ہبہ کر دینا، قبضہ کے معتبر ہونے کی دلیل ہے۔

۵- یہ صورت سٹہ بازی کی ہے جو شریعت میں حرام ہے، اسٹاک ایکسچینج میں زیادہ تر یہی کاروبار ہوتا ہے، اس کی ممانعت کا حکم بیع مالیس عندہ (ترمذی) والی حدیث سے ثابت ہے۔

۶- سونے کا ذخیرہ کرنا احتکار کے حکم میں داخل نہیں ہے، احتکار ممنوع غذائی اجناس اور خوراکی اشیاء کے ساتھ مخصوص ہے، ممانعت بھی اس صورت میں ہے جبکہ براہِ راست لوگوں کو ضرر لاحق ہو، سونا چاندی سامان زینت ہے، سامانِ ضرورت نہیں، اس لئے ان کا ذخیرہ ممنوع نہیں ہے۔

۷- اسمگلنگ، خلاف قانون کسی سامان کی برآمد اور درآمد کا نام ہے، ہر ملک کا شہری اپنے ملک کے قانون کی پابندی کرنے کا ذمہ دار ہے، اس لئے اسمگلنگ کا عمل ناجائز ہے، لیکن اس ذریعہ سے حاصل شدہ سونے کی خرید وفروخت جائز ہے، کیونکہ بہت سے افعال حرام ہونے کے باوجود ترتب حکم میں مانع نہیں ہوتے، مثلاً غصب کردہ چھری سے جانور ذبح کرنا حرام ہے، لیکن ذبیحہ حرام نہیں بلکہ حلال ہے۔

۸- ''سونا'' اور ''پلاٹین'' دونوں زمینی دھات ہیں اور دونوں کی الگ الگ قسم ہے، لہٰذا عقود اور زکوٰۃ کے مسئلہ میں بھی دونوں کے احکام الگ الگ ہیں، زیور میں پلاٹین جڑا ہو تو کمی بیشی کے ساتھ خرید وفروخت جائز ہے، سونے میں زکوٰۃ فرض ہے جبکہ پلاٹین میں زکوٰۃ نہیں ہے، الّا یہ کہ تجارت کے لئے ہو۔

☆☆☆

سونا چاندی کی تجارت سے متعلق چند مسائل

مولانا خورشید انور اعظمی ☆

دنیا میں پائی جانے والی تمام معدنیات میں سونے چاندی کو قدیم زمانے سے سب سے زیادہ اہمیت حاصل رہی ہے اور آج بھی انسانی معاشرے میں ان کی قدر و قیمت میں کوئی کمی نہیں آئی ہے، بلکہ ان کی طرف میلان میں کچھ اضافہ ہی نظر آرہا ہے، اسی وجہ سے ہر زمانے میں متفقہ طور پر ان کی ثمنیت کو تسلیم کیا گیا ہے، انہیں خلقی اور حقیقی ثمن قرار دیا گیا ہے اور ان کے علاوہ دیگر اثمان کو اصطلاحی اور عرفی، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''حجۃ اللہ البالغہ،، میں اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

''اندفعوا إلى الاصطلاح على جوهر معدنية تبقى زمنا طويلا أن تكون المعاملة بها أمرا مسلما عندهم ، وكان الأليق من بينها الذهب والفضة ،لصغر حجمهما وتماثل أفرادهما وعظم نفعهما فى بدن الإنسان ولتاتى التجمل بهما فكانا نقدين بالطبع وكان غيرهما نقدا بالاصطلاح ''(حجۃ اللہ البالغہ ۱/ ۹۰)۔

(لوگوں کا خیال ہوا کہ طویل عرصے تک باقی رہنے والے ایسے جواہر معدنیہ پر اتفاق کیا جائے جن سے ان کے یہاں معاملہ کرنا متفق علیہ ہو، تو ان میں سونا چاندی، اپنے صغر حجم، تماثل افراد، بدن انسانی میں نفع عظیم اور ان سے حصول زینت کے سبب سب سے زیادہ مناسب نظر آئے، اس لئے یہ دونوں طبعی نقد ہوئے اور ان کے علاوہ اصطلاحی)۔

علامہ سرخسی نے بھی اس بات کی صراحت کی ہے کہ سونا چاندی خلقۃً ثمن ہیں اور ان کے علاوہ دیگر اثمان، عرفی اور اصطلاحی ہیں، مبسوط میں ہے:

''إن صفة الثمنية فى الفلوس عارضة باصطلاح الناس فأما الذهب والفضة فثمن بأصل الخلقة '' (المبسوط ۱۲/ ۷/ ۱۳)۔

(فلوس میں ثمنیت، لوگوں کی اصطلاح کے سبب عارضی ہے، اور سونا چاندی، اصل خلقت کے اعتبار سے ثمن ہیں)۔

۱- اس صورت حال میں غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ اگر روپے سے سونا خرید ا جائے تو روپے کی حیثیت مبیع کی ہوگی، اس وجہ سے کہ سونے چاندی کی تخلیق ہی ثمنیت کے لئے ہوئی ہے، لہذا اس کے مقابل میں ثمن عرفی کے ہونے کے باوجود اس کی ثمنیت برقرار رہے گی، علامہ کاسانی نے لکھا ہے:

☆ صدر مدرس جامعہ مظہر العلوم بنارس (یوپی)۔

"ثم الدراهم والدنانیرعندنا أثمان علی کل حال أی شیء کان فی مقابلتها ،سواء دخله حرف الباء فیهما أو فیما یقابلهما،لأنهما لاتتعین بالتعیین بحال فکانت أثمانا علی کل حال"(بدائع الصنائع ۵/۲۳۴)۔

(پھر دراہم ودنانیر ہمارے نزدیک بہر حال ثمن ہیں،ان کے مقابل میں جو بھی ہو،خواہ حرف باء ان پر داخل ہوا ہو یا ان کے مقابل پر،اس لئے کہ یہ کسی بھی حالت میں متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے،لہذا یہ بہر حال ثمن ہوں گے)۔

پھر جب ہم اس حیثیت سے غور کرتے ہیں کہ سونے سے روپیہ خریدنے کی صورت میں بظاہر ثمن سے ثمن کی بیع ہو رہی ہے، لہذا اسے بیع صرف ہونا چاہئے ،لیکن بیع صرف کی تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ثمن خلقی سے ثمن خلقی کی بیع مراد ہے، نہ کہ دوسرے اصطلاحی اثمان، یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے اس کی تعریف میں "ثمن مطلق" کا لفظ استعمال کیا ہے،جس سے اس بات کی جانب واضح اشارہ ملتا ہے کہ اس سے ثمن کا فرد کامل ہی مراد ہے اور وہ ثمن خلقی ہے، چنانچہ علامہ کاسانی بیع صرف کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اسم لبیع الأثمان المطلقة بعضها ببعض وهو بیع الذهب بالذهب والفضة بالفضة وأحد الجنسین بالآخر"(بدائع الصنائع ۵/۲۱۵)۔

(بیع صرف، نام ہے اثمان مطلقہ کے بعض کا بعض سے فروخت کرنے کا،اور وہ سونے کا سونے سے، چاندی کا چاندی سے اور دو جنسوں میں سے ایک کا دوسرے سے فروخت کرنا ہے)۔

اسی طرح بنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

"هو بیع الثمن المطلق بالثمن المطلق کبیع الدراهم والدنانیر بالدراهم والدنانیر وهو بیع الصرف"(البنایہ ۸/۳)۔

(وہ ثمن مطلق کا ثمن مطلق سے بیع کرنا ہے جیسے دراہم ودنانیر سے دراہم ودنانیر کی بیع،اور یہ بیع صرف ہے)۔

علامہ حصکفی نے درمختار میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ بیع صرف میں اثمان سے مراد خلقی ہیں نہ کہ اصطلاحی، جیسا کہ تحریر فرماتے ہیں:

"هو بیع الثمن بالثمن أی ما خلق للثمنیة ومنه المصوغ جنسا بجنس أو بغیر جنس کذهب بفضة"(الدرالمختار ۵/۲۵۷)۔

(وہ ثمن کی ثمن یعنی ایسی چیز سے بیع کرنا ہے جس کی خلقت ثمنیت کے لئے ہوئی ہے اور اس میں ڈھلا ہوا سونا بھی شامل ہے،ایک جنس کی اسی جنس سے یا دوسری جنس سے جیسے سونے کی چاندی سے)۔

زیر بحث مسئلے میں مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سونے سے روپیہ خریدنے کی صورت پر بیع صرف کا اطلاق نہیں ہوگا،علامہ سرخسی نے اس مسئلے کی بہت صاف لفظوں میں وضاحت فرمائی ہے،مبسوط میں ہے:

"وبیع الفلوس بالدراهم لیس بصرف"(المبسوط ۱۴/۲۴)(فلوس کی دراہم سے بیع،صرف نہیں ہے)۔

(الف) جب یہ بات طے ہوگئی کہ مذکورہ صورت پر بیع صرف کا اطلاق نہیں ہوگا تو اسی کے ساتھ یہ بھی طے ہوگیا کہ اس پر بیع صرف کے احکام وشرائط کا بھی انطباق نہیں ہوگا، لہذا اگر سونا چاندی اور روپئے میں سے ایک نقد اور دوسرا ادھار ہو تو یہ بیع درست ہوگی، ماضی قریب کے جید عالم دین حضرت مفتی محمد یسین صاحب مبارکپوریؒ سے استفتاء کیا گیا کہ ''نمک، سونا، چاندی، لوہا، جو، گیہوں ان اشیاء کو روپئے سے ادھار خریدنا کیسا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: چونکہ آج کل روپیہ میں چاندی بالکل نہیں ہے، لہذا اس سے تمام اشیاء مذکورہ کو ادھار خریدنا درست ہے'' (فتاوی احیاء العلوم ۱/ ۲۵۰)۔

(ب) حکومت یا کسی ادارے کے لئے کسی سامان کا نرخ طے کرنا شرعا درست نہیں ہے، الا یہ کہ گراں فروشی بہت زیادہ ہوجائے تو حکومت مفاد عامہ کے پیش نظر سامانوں کا نرخ طے کرسکتی ہے، تاہم اگر کوئی شخص، حکومت یا کسی ادارے کی جانب سے سونے چاندی کی مقررہ قیمت سے کم وبیش پر خرید وفروخت کرتا ہے تو درست ہے، ہدایہ میں ہے:

''فإذا فعل ذلک وتعدی رجل عن ذلک وباع بأکثر منه أجازه القاضی وهذا ظاهر عند أبی حنیفة لأنه لایری الحجر علی الحر وکذا عندهما'' (ہدایہ ۴/ ۲۷۲)۔

(جب قاضی نرخ طے کردے اور کوئی شخص اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس سے زیادہ قیمت پر فروخت کردے تو قاضی اس کو جائز قرار دے گا، یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ظاہر ہے اس وجہ سے کہ وہ آزاد آدمی کو تصرف سے روکنے کو صحیح نہیں سمجھتے، اسی طرح صاحبین کے یہاں بھی یہی ظاہر ہے)۔

اور نہ اس صورت پر ربا تفاضل کا اطلاق ہوگا حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ نے اس طرح کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے:

''رائج نوٹ اور اس کے سکے سونے چاندی کے حکم میں نہیں ہیں نہ ہی سونے یا چاندی کی رسید ہیں، لہذا ان سے بیع ذھب وفضہ بہرکیف جائز ہے، تفاضل ونسیئہ بھی جائز ہے'' (احسن الفتاوی ۶/ ۵۱۸)۔

۲- الف: زیور بنانے والے کاریگر زیور بنانے کے عوض کوئی الگ سے اجرت نہیں لیتے بلکہ زیور بنانے میں سونے کے جو ذرات نکلتے ہیں وہ لے لیتے ہیں نیز زیور بنانے میں جو دوسری دھات کی آمیزش ہوتی ہے اس کے بقدر جو سونا ان کو بچ جاتا ہے، یہی ان کی اجرت ہوجاتی ہے، لین دین کی اس صورت کو اجارہ کہا جائے گا، اس وجہ سے کہ اجارہ میں کسی عوض مالی پر منفعت کا مالک بنانا ہوتا ہے قدوری میں اجارہ کی تعریف ہے:

''الإجارة عقد علی المنافع بعوض '' (ہدایہ ۳/ ۲۳۰) (اجارہ نام ہے منافع پر بعوض عقد کرنے کا)۔

''الجوہرۃ النیرۃ'' میں ہے:

''الإجارة عقد علی المنافع بعوض مالی یتجدد انعقاده بحسب حدوث المنافع ساعة فساعة'' (الجوہرۃ النیرۃ ۱/ ۲۵۹)۔

(اجارہ نام ہے منافع پر ایسے مالی عوض کے ذریعہ عقد کرنے کا جو حدوث منافع کے مطابق لمحہ بہ لمحہ منعقد ہوتا رہتا ہے)۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ زیر بحث مسئلہ کو اجارہ تصور کیا جائے گا اس وجہ سے کہ زیور بنانے کا ریگر بنوانے والے کو مال کے عوض پر اپنے عمل کا نفع دے رہا ہے ۔

ب: اجارہ میں اجرت ومنفعت معلوم ہونی چاہئے تاکہ باہم نزاعی صورت نہ پیدا ہونے پائے جیسا کہ درمختار میں ہے:

"شرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة" (الدرالمختار ۹/۷)۔

(اجارہ کی شرط یہ ہے کہ اجرت ومنفعت معلوم ہوں اس وجہ سے کہ ان کی جہالت سے نزاع پیدا ہوتا ہے)۔

مذکورہ مسئلے میں اجرت واضح نہیں ہے کہ کاریگر کو کتنے ذرات ہاتھ لگیں گے اور کتنی دھات کی آمیزش کے بقدر سونا مل پائے گا جس سے زیور بنوانے والے کو یہ شکایت ہوسکتی ہے کہ سونے کی زیادہ گھسائی کی وجہ سے ذرات زیادہ نکل گئے اور دھات کی مقدار ضرورت سے زیادہ ملا دی گئی، کاریگر اس کے برخلاف کہے گا، اور جب کاریگر کو اسی سے اپنی اجرت نکالنی ہے تو جہاں طبیعت میں امانت داری کا ذرا سا بھی فقدان ہوگا وہاں کاریگر کا تجاوز کرجانا مستبعد نہیں ہے جس سے نزاع کا پیدا ہونا عین ممکن ہے اس لئے یہ اجارہ فاسدہ کے قبیل سے ہوگا۔

نیز دوسری بات یہ بھی ہے کہ اجارہ میں اجرت معقود علیہ کے جنس سے نہیں ہونا چاہئے جبکہ یہاں اسی کی جنس سے ہے جو درست نہیں ہے، علامہ کاسانی نے لکھا ہے:

"أن لا تكون الأجرة منفعة وهي من جنس المعقود عليه كاجارة السكنى بالسكنى والضدمة بالخدمة والركوب بالركوب والزراعة بالزراعة حتى لا يجوز شيء من ذلك عندنا" (بدائع الصنائع ۴/۱۹۴)۔

(اجرت معقود علیہ کی جنس سے نہ ہو جیسے سکنی کا اجارہ سکنی سے، خدمت کا خدمت سے، سواری کا سواری سے، زراعت کا زراعت سے، یہاں تک کہ ہمارے نزدیک ان میں سے کوئی بھی جائز نہیں ہے)۔

اس طرح لین دین کی یہ صورت درست نہیں ہے اور یہ اجارہ فاسدہ ہے، جس سے نزاعی صورت پیدا ہوتی ہے، فقہاء کرام نے رفع نزاع کے لئے اس صورت حال میں اجرت مثل طے کیا ہے، ہدایہ میں ہے:

"الواجب في الإجارة الفاسدة أجر المثل لايجاوز به المسمى" (ہدایہ ۳/۲۷۳)۔

(اس لئے اس صورت میں زیور کے کاریگر کی اجرت، سونے کے ذرات کے علاوہ اجرت مثل ہوگی)۔

۳- اگر سونے کا تاجر پرانے زیور کی قیمت کم متعین کرے اور اس پرانے زیور کا نئے زیور سے تبادلہ ہو اور اس کمی کا لحاظ کرتے ہوئے پرانا زیور زیادہ وزن کا لیا جائے اور نیا زیور کم وزن میں اس کے بدلہ دیا جائے تو یہ صورت درست نہیں ہوگی اس لئے کہ سونا جس حالت میں ہو سب کا حکم یکساں ہوتا ہے چنانچہ علامہ نوویؒ بیع صرف کے تعلق سے ایک جگہ رقم طراز ہیں:

"قال العلماء هذا يتناول جميع أنواع الذهب والورق من جيد وردى وصحيح ومكسور وحلى وتبر وغير ذلك وسواء الخالص والمخلوط بغيره وهذا مجمع عليه" (شرح النووی ۱۱/۱۰)۔

"المغنی" میں ہے: "والجيد والردى والتبر والمضروب والصحيح والمكسور سواء في جواز البيع مع

التماثل وتحريمه مع التفاضل وهذا قول أكثر اهل العلم" (المغنی ۸ / ۴)۔

۴ -الف: اگر سونا فروخت کرنے والے ادارے کے پاس ایک کلو سونا ہو اور وہ دو سو افراد کو پچاس پچاس گرام سونا فروخت کرے، لیکن ان سب کا سونا سونے کی اینٹ میں شامل ہو ان کے الگ الگ بسکٹ یا سکے نہیں بنائے جاتے ہوں اسے قبضہ نہیں سمجھا جائے گا، اس وجہ سے کہ قبضہ میں ایسا ہونا چاہئے کہ مشتری، اپنے خریدے ہوئے مال پر پورے طور پر تصرف کر سکتا ہو، بدائع میں ہے:

"**القبض عندنا التخلية والتخلي وهو ان يخلي البائع بين المبيع وبين المشتری برفع الحائل بينهما علی وجه يتمكن المشتری من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشری قابضا له**"(بدائع الصنائع ۵ / ۲۴۴)۔

موقع ومحل کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت مختلف ہوتی ہے، مگر درہم ودینار پر قبضہ، ہاتھ سے ہوتا ہے، جیسا کہ صاحب بدائع نے اس کی صراحت کی ہے:

"**اما فی الدراهم والدنانير فتناولهما بالبراجم**"(بدائع ۵ / ۲۴۴)۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ صورت کو قبضہ نہیں سمجھا جائے گا۔

ب: اور اگر ہر خریدار کے لئے اس کی خریدی ہوئی مقدار کا سکہ الگ ہو اور اس کو کمپیوٹر یا رجسٹر میں اس کے نام سے درج کر دیا گیا ہو تب بھی اس اندراج رجسٹر کو قبضہ کے لئے کافی نہیں سمجھا جائے گا جیسا کہ مذکورہ بالا تفصیل سے اس کی وضاحت ہوتی ہے کہ صرف رجسٹر میں اندراج کو قبضہ نہیں کہا جا سکتا یہ تو صرف بکنگ ہے، جس پر ابھی بائع کا پورے طور پر قبضہ ہے اور بیع کے تام ہونے سے پہلے بہت سے امکانات کے در آنے کا اندیشہ ہے، پھر اس صورت کو قبضہ قرار دینا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

۵ - ایکسچینج کے ذریعہ کاروبار کی اس صورت میں کہ ایک مخصوص مقدار میں سونے کا صرف سودا کر لیا جائے اس پر قبضہ نہ ہو اور جب ادائیگی کی تاریخ آئے تو سونے کے اس دن کے نرخ کو دیکھا جائے اور خریدنے اور ادائیگی کے دن کے نرخوں میں جو فرق ہو اس کی ادائیگی کر دی جائے نہ مشتری کا قبضہ سونے پر ہو اور نہ بائع کا قیمت پر، صرف نرخ میں جو کمی بیشی سے فرق آیا ہے اسی کا لین دین کر لیا جائے، نرخ میں اضافہ ہونے کی صورت میں خریدار دیدے اور کمی ہونے کی صورت میں بائع دیدے تو یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ یہ قمار ہے، علامہ ابن بطال نے قمار کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"**هومن أكل المال بالباطل لأن المقامر يقول لصاحبه :إن كا ن كذا فلي كذا وإن لم يكن فلك كذا**"(شرح صحیح البخاری لابن بطال ۶ / ۱۹۶)۔

(قمار مال کو باطل طریقے پر کھانے کو کہتے ہیں اس وجہ سے کہ قمار باز اپنے ساتھی سے کہتا ہے: اگر ایسا ہوگا تو میرا اتنا ہوگا اور اگر نہیں ہوگا تو تمہارا اتنا ہوگا)۔

شریعت اسلامی میں قمار حرام ہے، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

"**انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان**"(سورۂ مائدہ: ۹۰)۔

نیز زیر بحث صورت مسئلہ میں بیع قبل القبض ہے جس سے نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے:

''عن حکیم بن حزام قال أتیت رسول الله ﷺ فقلت: یاتینی الرجل یسألنی من البیع ما لیس عندی، أبتاع له من السوق ثم ابیعه؟ قال: لا تبع مالیس عندک'' (سنن ترمذی ۵۲۶/۳)۔

(حکیم بن حزام کا بیان ہے کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے کہا کہ آدمی میرے پاس آکر مجھ سے ایسی چیز کے بیچنے کی درخواست کرتا ہے جو میرے پاس نہیں ہے تو کیا میں اس کے لئے بازار سے خریدوں اور اس کے ہاتھ فروخت کردوں؟ آپ نے فرمایا: ایسی چیز نہ فروخت کرو جو تمہارے پاس نہیں ہے)۔

۶- اگر سونے چاندی کا تاجر، گراں فروشی کی غرض سے قیمت بڑھنے کے انتظار میں ان کو روک لے تو یہ احتکار نہیں ہوگا اس لئے کہ سونا چاندی غذائی اشیاء میں سے نہیں ہیں اور جو ذخیرہ اندوزی حرام ہے وہ صرف کھانے کی چیزوں میں ہے، علامہ نوویؒ نے نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی: ,,من احتکر فهو خاطی،، کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

''وهذا الحدیث صریح فی تحریم الاحتکار قال أصحابنا الاحتکار المحرم والاحتکار فی الأقوات خاصة '' (شرح النووی علی صحیح مسلم ۴۳/۱۱)۔

(یہ حدیث احتکار کی حرمت کے سلسلے میں صریح ہے، ہمارے اصحاب نے کہا حرام احتکار سے مراد، خاص طور پر غذائی اشیاء کی ذخیرہ اندوزی ہے)۔

اور اس کے آگے لکھتے ہیں:

''وأما غیر الأقوات فلایحرم الاحتکا رفیه بکل حال'' (شرح النووی علی صحیح مسلم ۴۳/۱۱)۔

(رہیں غیر غذائی اشیاء، تو ان میں کسی بھی حالت میں ذخیرہ اندوزی حرام نہیں ہے)۔

امام صاحبؒ کا یہی قول ہے، ہدایہ میں ہے:

''وتخصیص الاحتکار بالأقوات کالحنطة والشعیر والتبن والقت قول أبی حنیفة '' (ہدایہ ۴۷۰/۴)۔

(ذخیرہ اندوزی کو غذائی اشیاء مثلاً گیہوں، جو، گھاس اور بھوسہ کے ساتھ خاص کرنا امام ابوحنیفہ کا قول ہے)۔

یہی قول امام محمد کا بھی ہے اور اسی پر فتوی ہے، ردالمحتار میں کافی کے حوالے سے مذکور ہے:

''التقیید بقوت البشر قول أبی حنیفة ومحمد وعلیه الفتوی'' (ردالمحتار ۳۹۸/۶)۔

(ذخیرہ اندوزی کے سلسلے میں انسانی غذا کی قید لگانا امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا قول ہے اور اسی پر فتوی ہے)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ سونا چاندی میں ذخیرہ اندوزی جائز ہے، البتہ آج کی موجودہ صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق فتوی دینے پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہئے جس میں انہوں نے گراں فروشی کے لئے ہر اس چیز کے روکنے کو ذخیرہ اندوزی میں شمار کیا ہے جو عوام کے لئے ضرر رساں ہو، ''العنایہ'' میں ہے:

''قال أبو یوسفؒ کل ما أضر بالعامة حبسه فهو احتکار وإن کان ذهبا أو فضة أو ثوبا'' (العنایہ ۵۸/۱۰)۔

۷- اگر کوئی شخص کسی ملک میں جائز طریقے سے سونا خریدتا ہے اور اس کے واجبات ادا کئے بغیر، غیر قانونی طور پر اپنے ملک میں درآمد کرتا ہے تو اس کی خرید و فروخت شرعا درست ہے اس لئے کہ وہ اپنے حلال و مملوکہ مال کی خرید و فروخت کررہا ہے جو جائز ہے لیکن اس میں ملکی قانون کی خلاف ورزی ہے جس کی وجہ سے کسی بھی وقت کسی بھی پریشانی میں مبتلا ہونے کا شدید اندیشہ ہے اس لئے دائرہ شریعت میں رہتے ہوئے ہر ایسے عمل سے اجتناب کرنا چاہئے جس میں ملکی قانون کی خلاف ورزی لازم آئے اور اس کی وجہ سے دنیا کے سامنے بےعزت ہونا پڑے، نبی اکرم ﷺ نے ایسے امور کے اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے جن سے آدمی کو ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"**لا ينبغي للمسلم أن يذل نفسه ، قيل : وكيف يذل نفسه ، قال : يتعرض من البلاء لما لا يطيق**" (مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۳۴۴۴)۔

(کسی مسلمان کے لئے درست نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے، پوچھا گیا کہ کوئی اپنے آپ کو کیسے ذلیل کرے گا، آپ نے فرمایا کہ وہ ایسی بلا سے تعرض نہ کرے جس کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو)۔

مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ نے اس طرح کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے:

"اگر وہ مال نجس، ممنوع الاستعمال اور ممنوع البیع نہ ہو اور مالک سے خریدا ہوا ہو تو اس کی تجارت فی نفسہ حلال ہے لیکن حکومت کے قانون کے خلاف ہے اور مجرم سزا کا مستحق اور ذلیل ہوتا ہے اور اپنے آپ کو ذلیل کرنا جائز نہیں ہے اس لئے ایسا معاملہ اختیار نہ کیا جائے" (فتاوی رحیمیہ ۶/ ۲۷۸)۔

۸- یہ صحیح ہے کہ 'پلاٹین' ایک مہنگی دھات ہے اور آج کل اسے سفید سونا کہا جاتا ہے نیز اس سے زیورات بھی بنائے جاتے ہیں لیکن لوگوں کے اس عرف کی وجہ سے یہ حقیقی سونے کے حکم میں نہیں ہوگا اور نہ اس پر سونے کے احکام مرتب ہوں گے اس لئے کہ وہ حقیقت میں سونا نہیں ہے اور کسی دھات کو صرف سونا کہہ دینے سے اس پر حقیقی سونے کا حکم لگانا درست نہیں ہوگا، فقہ کا معروف قاعدہ ہے:

"**ان العبرة فی العقود للمقاصد و المعانی لا للألفاظ و المبانی**" (قواعد الفقہ ۱/ ۱۸۰، غمز عیون البصائر فی شرح الاشباہ والنظائر ۲/ ۲۶۸) (عقود میں مقاصد و معانی کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ الفاظ و حروف کا)۔

نیز پلاٹین کو سفید سونا کہنا مجازا ہے نہ کہ حقیقتا، اور کتب اصول فقہ میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ جب لفظ حقیقت و مجاز کے درمیان دائر ہو تو اسے حقیقت پر محمول کیا جاتا ہے نہ کہ مجاز پر الا یہ کہ کوئی قرینہ ہو جیسا کہ امام غزالی نے لکھا ہے:

"**إذا دار اللفظ بين الحقيقة والمجاز فاللفظ للحقيقة إلى أن يدل الدليل أنه أراد المجاز ولايكون مجملا كقوله: رأيت اليوم حمارا واستقبلني في الطريق أسد فلا يحمل على البليد والشجاع إلا بقرينة زائدة فإن لم تظهر فاللفظ للبهيمة والسبع**" (المستصفی ۱/ ۱۹۰)۔

(جب لفظ حقیقت و مجاز کے درمیان دائر ہو تو لفظ حقیقت کے لئے ہوتا ہے یہاں تک کہ دلیل سے معلوم ہوجائے کہ اس

سے مجاز مراد لیا گیا ہے یہ مجمل نہیں ہوگا جیسے کسی نے کہا میں نے آج ایک گدھا دیکھا، اور راستے میں میرے سامنے ایک شیر آیا، تو اسے بیوقوف اور بہادر پر محمول نہیں کیا جائے گا الا یہ کہ الگ سے کوئی قرینہ ہو اور اگر نہ ہو تو لفظ جانور اور درندے کے لئے ہوگا)۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص مطلق سونے کی بات کرتا ہے تو کسی کا ذہن اس ''سفید سونے'' کی طرف نہیں جاتا بلکہ ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ یہ گفتگو حقیقی سونے کے بارے میں ہو رہی ہے، اس لئے اس مجاز کو حقیقت کا درجہ حاصل نہیں ہوگا اور نہ 'پلاٹین' پر حقیقی سونے کا حکم مرتب ہوگا۔

☆☆☆

سونا چاندی کی تجارت کے جدید مسائل

مولانا بدر احمد مجیبی ندوی ☆

۱- موجودہ کرنسی نوٹ روپئے وغیرہ کے ذریعہ سونا یا چاندی خریدنا بیع صرف نہیں ہے، کیونکہ کرنسی نوٹ روپئے وغیرہ ثمن خلقی نہیں ہیں، یہ ثمن اصطلاحی ہیں اور بیع صرف ثمن خلقی میں ہوتی ہے، اس لئے یہ عام بیع ہے، اس کی وہی حیثیت ہے جو ثمن اصطلاحی فلوس کے ذریعہ سونا چاندی خریدنے کی ہے۔

بیع صرف کی تعریف ''الدر المختار'' میں یہ ہے:

''هو بيع الثمن بالثمن أى ماخلق للثمنية'' (الدر المختار)۔

کرنسی نوٹ روپئے وغیرہ خلقی ثمن نہیں ہیں، ان کی حیثیت فلوس کی ہے، جس طرح فلوس اصطلاحی اور عرفی ثمن ہیں، اسی طرح اس زمانے میں روپئے بھی اصطلاحی اور عرفی ثمن ہیں۔ فقہاء کرام نے صراحت فرمائی ہے کہ فلوس کی درہم ودینار (سونا چاندی) سے خرید وفروخت بیع صرف نہیں ہے، اس میں تقابض یعنی مجلس میں بدلین پر قبضہ ضروری نہیں ہے، ایک پر قبضہ کافی ہے۔

''لو باع الفلوس بالفلوس أوبالدراهم أوبالدنانير فنقد أحدهما دون الآخر جاز'' (البحر الرائق ۶/ ۱۳۲، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: المحیط البرہانی ۷/ ۲۷۱)۔

روپئے میں اور سونا، چاندی میں دو اعتبار سے فرق ہے: سونا چاندی خلقی ثمن ہیں اور روپیہ اصطلاحی ثمن ہے، سونا اور چاندی موزونی چیز ہے اور روپیہ عددی چیز ہے، اس لئے دونوں میں جنس کا بھی فرق ہے اور قدر کا بھی فرق ہے، جس طرح فلوس اور سونا چاندی میں جنس اور قدر دونوں کا فرق ہے، جب جنس اور قدر دونوں میں اتحاد نہیں ہے تو مجلس میں دونوں پر قبضہ بھی ضروری نہیں ہے۔

''وعلته القدر مع الجنس فإن وجدا حرم الفضل والنساء، وإن عدما حلا، وإن وجد أحدهما حل الفضل وحرم النساء'' (تنویر الابصار)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اس بیع کے بیع صرف نہ ہونے کے درج ذیل دلائل دیئے ہیں:

۱- کرنسی نوٹوں کا ثمن ہونا تو اب واضح ہو چکا ہے، لیکن یہ بات غور طلب ہے کہ ان کو ثمن خلقی کہا جائے گا یا ثمن اعتباری اور ثمن عرفی؟

☆ صدر مدرس المعہد العالی امارت شرعیہ، پھلواری شریف۔

ظاہر ہے کہ انہیں ثمن خلقی قرار دینے کا کوئی راستہ نہیں، لازماً انہیں ثمن اعتباری یا ثمن عرفی ہی کہا جاسکتا ہے، لہذا ان کا حکم فلوس جیسا ہوگا، کیونکہ وہ بھی ثمن اعتباری ہیں۔ بلکہ نوٹوں کا ثمن اعتباری ہونا زیادہ واضح ہے، کیونکہ ان کی ذاتی قدر و قیمت فلوس سے بھی کم ہوتی ہے، انہیں ثمن بنانے والی چیز اعتبار اور اصطلاح کے سوا کچھ نہیں۔ فلوس کے بارے میں فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ ان کا باہم تبادلہ صرف نہیں، نہ اس میں تقابض فی المجلس ضروری ہے۔

۲- اگر کرنسی نوٹوں کے باہم تبادلہ کو صرف کہا جائے تو لازم آئے گا کہ جن اشیاء میں صرف جاری ہوتا ہے ان میں ایک چیز کا اضافہ ہوگیا۔ یعنی نصوص سے صرف سونے چاندی میں صرف جاری ہونا ثابت ہے، اب لازم آئے گا کہ کرنسی نوٹ میں بھی سونے چاندی کے علاوہ صرف جاری ہو، "مایجری فیه الصرف" میں اس اضافے کی کوئی بنیاد نصوص یا کلام فقہاء میں نہیں ملتی۔

۳- نوٹوں کی پشت پر اب نہ کوئی سونا ہے، نہ چاندی ہے۔ لہذا ان کو سونے چاندی کا نمائندہ قرار دے کر بھی ان پر صرف کے احکام جاری کرنا مشکل ہے۔

۴- اگر ان میں صرف جاری کیا جائے اور ساتھ ہی سونے چاندی میں بھی صرف کو بدستور جاری سمجھا جائے تو سوال یہ ہے کہ کرنسی نوٹ سے سونا چاندی خریدنے کو صرف کہا جائے گا یا نہیں؟ اگر کہا جائے گا تو عجیب بات یہ ہے کہ غالب الغش سکوں سے سونے یا چاندی کے تبادلہ کو کلی طور پر صرف نہ کہا جائے جبکہ غالب الغش سکوں میں کچھ نہ کچھ سونا یا چاندی ہوتا ہے اور صرف ان ہی کے وزن کی حد تک ان میں تقابض شرط ہوتا ہے، زیادہ میں نہیں۔ اور کرنسی نوٹ کے تبادلہ کو کلی طور پر صرف کہا جائے جبکہ ان میں سونا چاندی بالکل موجود نہیں ہے (فتاوی عثمانی ۳/ ۱۴۳)۔

"فتاوی محمودیہ" میں ہے:

"آج کل روپئے (نوٹ) یا سکہ رائج الوقت سے چاندی سونا اگر خریدا جائے تو یہ بیع صرف نہیں، جس میں برابری اور تقابض فی المجلس (ہاتھ در ہاتھ) ہونا ضروری ہو" (فتاوی محمودیہ ۲۳/ ۵۳۹)۔

اس لئے کرنسی نوٹ روپئے وغیرہ سے سونا چاندی خریدنا بیع صرف نہیں ہے اور اس میں مجلس عقد میں بدلین پر قبضہ ضروری نہیں ہے۔

الف- جب یہ بیع صرف نہیں ہے تو یہ صورت درست ہے کہ روپئے کے ذریعہ سونا چاندی کی خرید وفروخت میں بدلین میں سے کوئی ایک نقد ہو اور دوسرا ادھار ہو۔

ب- سونا اور چاندی کا جو نرخ حکومت نے یا سونے کی مارکیٹ جیسے انٹرنیشنل سطح پر کومیکس گولڈ مارکیٹ یا ہندوستان کی سطح پر یہاں کی مارکیٹ MC نے طے کیا ہو اس سے زیادہ یا کم قیمت میں خرید وفروخت کرنا جائز ہے۔ کیونکہ مبیع کی قیمت متعین کرنے کا بائع اور مشتری کو اختیار ہوتا ہے۔ وہ جس قیمت کو طے کرکے اس پر بیع کرتے ہیں بیع درست ہو جاتی ہے۔

البتہ اگر غبن فاحش پایا جائے اور مشتری کو اس میں بائع کی طرف سے دھوکہ دیا گیا ہو تو مشتری کو خیار حاصل ہوگا۔ مثلاً بائع کہہ رہا ہے کہ سونے کی قیمت بازار میں ساڑھے تین ہزار روپئے فی گرام ہے، مشتری نے اس پر اعتبار کرتے ہوئے اس قیمت پر سونا

خرید لیا اور بعد میں مشتری کو معلوم ہوا کہ مارکیٹ میں سونے کی قیمت تین ہزار روپے فی گرام ہے اور بائع نے اس کو دھوکہ دے کر زیادہ قیمت بتادی تھی تو اس صورت میں مشتری کو لوٹانے کا خیار ہوگا (دیکھئے: تبیین الحقائق ۴/۳۴۴)۔

"إذاغرّ البائع المشتری وقال له: قیمةُ متاعی کذا فاشتره، فاشتراه بناءً علی قوله ثم ظهر فیه غبن فاحش فإنه یردّه وبه یفتی" (الاشباہ والنظائر/ص ۲۱۵)۔

۲- الف: یہ اجارہ کی صورت ہے۔ کیونکہ زیورات کا تاجر زیور بنانے والے سے کام لے رہا ہے اور زیور بنوار ہا ہے۔ لہذا یہ اجارہ ہے۔

ب- اگر اس کا عرف ورواج ہو کہ زیور بنانے والا علیحدہ سے اجرت نہیں لیتا، صرف بچے ہوئے سونے کے ذرات لیتا ہے تو اسی کو اجرت قرار دیا جائے گا۔ اگر یہ متعین ہو کہ دوسری دھات کی آمیزش کتنی ہوگی جس کے بقدر سونے کے ذرات (بطور اجرت) زیور بنانے والے کو ملیں گے تو اجرت مجہول نہیں رہے گی اور یہ بیع درست ہوگی۔

اگر یہ متعین نہیں ہو بلکہ زیور بنانے والے کو اختیار ہو کہ وہ جتنی چاہے دھات کی آمیزش کرے تو اس صورت میں اجرت مجہول ہوگی اور اجارہ فاسد ہوگا۔ اس میں نزاع کا بھی اندیشہ ہے۔

۳- سونے کے نئے زیور اور پرانے زیور کے ایک دوسرے سے خرید وفروخت میں سونا وزن میں برابر ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہ سونے کی سونے سے بیع ہے جو بیع صرف ہے اور اس میں جنس اور قدر کا اتحاد ہے جس میں تفاضل حرام ہوتا ہے۔ اس لئے جو صورت بیان کی گئی ہے کہ زیادہ وزن کے سونے کے پرانے زیور سے کم وزن کے سونے کے نئے زیور سے تبادلہ کیا جائے یہ صورت شرعاً جائز نہیں ہے، کیونکہ بدلین میں سے ایک میں زیادتی پائی جارہی ہے جو ربا الفضل ہے۔

۴- اس صورت میں سونے پر خریدار کا قبضہ نہیں ہوا ہے۔ کیونکہ مختلف افراد کا خرید کردہ سونا سب ایک ہی سونے کی اینٹ میں یکجا دوسرے لوگوں کے سونے کے ساتھ ملا ہوا ہے، علیحدہ نہیں ہے، اس پر قبضہ کی کوئی شکل نہیں پائی جارہی ہے کیونکہ وہ حق غیر میں مشغول ہے، اس لئے یہ خریدار کے قبضہ میں نہیں آیا ہے۔

"ثم التسلیم یکون بالتخلیة علی وجه یتمکن من القبض بلامانع ولاحائل" (الدر المختار)۔

"قوله بلامانع - بأن یکون مفرزاً غیر مشغول بحق غیره ... وفی الملتقط: ولوباع داراً وسلمها إلی المشتری و له فیها متاع قلیل أو کثیر لایکون تسلیماً حتی یسلمها فارغة وکذا لوباع أرضاً وفیها زرع" (رد المحتار للشامی ۷/۴۳)۔

ب- خریدار کے خرید کردہ سونے کے مقدار کا سکہ علیحدہ موجود ہے اور اس کو رجسٹر یا کمپیوٹر پر اس کے نام سے اندراج کرلیا جائے تو بھی قبضہ متحقق نہیں ہوگا۔ کیونکہ قبضہ کی حقیقت یہ ہے۔

"ولایشترط القبض بالبراجم ،لأن معنی القبض هو التمکین والتخلی وارتفاع الموانع عرفاً وعادةً حقیقةً" (بدائع ۴/۳۴۲)۔

"التسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي ، وهو أن يخلى البائع بين المبيع وبين المشترى برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشترى من التصرف فيه ،فيجعل البائع مسلّماً للمبيع والمشترى قابضاً له وكذا تسليم الثمن من المشترى إلى البائع" (بدائع ،فصل فی حکم البیع)۔

صرف کمپنی کے رجسٹر میں یا کمپیوٹر میں خریدار کے نام پر اس کے اندراج سے اس سونے پر خریدار کا قبضہ کیسے متحقق ہوگا۔ کیونکہ تخلیہ، تمکین اور ارتفاع موانع نہیں پائے گئے۔

۵ – بیان کردہ صورت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس میں سونے کی خرید وفروخت عاقدین کا مقصد ہی نہیں ہے۔صرف ظاہری طور پر بیع کے الفاظ ادا کئے جاتے ہیں۔نہ بائع (کمپنی) کا مقصد سونا بیچنا ہوتا ہے اور نہ خریدار کا مقصد سونا خریدنا ہوتا ہے۔نہ مشتری سونے پر قبضہ کرتا ہے اور نہ بائع قیمت پر۔اس لئے یہ بیع تلجیہ کی طرح ہے جس میں ظاھری طور سے بیع کی جاتی ہے جبکہ حقیقت میں عاقدین کا بیع کرنے کا ارادہ نہیں ہوتا ہے۔ائمہ احناف کے نزدیک بیع تلجیہ درست نہیں ہوتی اس لئے یہ بیع بھی درست نہیں ہوگی۔بیع تلجیہ کی تفسیر اور اس کا حکم بدائع میں اس طرح بیان کیا گیا ہے (تفصیل کے دیکھئے: بدائع الصنائع ،الدر المختار)۔

جب صورت مذکورہ میں بیع ہی منعقد نہیں ہوئی تو اس پر جو نفع دکھایا جا رہا ہے وہ کیسے درست ہوگا؟ نفع کے نام پر اس طریقہ سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے اور یہ طریقہ شرعاً درست نہیں ہے۔

٦ – احتکار کی تعریف صاحب بدائع اس طرح کرتے ہیں۔

"فهو أن يشترى طعاماً فى مصر ويمتنع عن بيعه وذلك يضر بالناس" (بدائع)۔

حدیث نبوی سے احتکار کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔

"لايحتكر إلا خاطئ " (مسلم ،باب تحریم الاحتکار)۔

"الجالب مرزوق والمحتكر ملعون " (ابن ماجہ ،باب الحکرۃ والجلب)۔

کن چیزوں میں احتکار کی حرمت ہے؟ اس میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک احتکار صرف "اقوات" میں ہے، یعنی غلہ کی چیزوں میں احتکار حرام ہے۔امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جن چیزوں کے روک لینے سے لوگوں کو نقصان پہنچے اس میں احتکار حرام ہے، خواہ وہ کپڑا ہو یا دراہم، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بھی احتکار کی حرمت غلہ کی چیزوں کے ساتھ خاص ہے (تبیین الحقائق ،الانصاف للمرداوی ۴/ ۲۴۴)۔

اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ احتکار کی حرمت کا تعلق غلہ کی چیزوں سے ہے۔سونا سے نہیں ہے۔اس لئے قیمت میں اضافہ کے پیش نظر سونے کو روک لینا اور مارکیٹ میں فروخت نہیں کرنا احتکار میں شامل نہیں ہے اور یہ حرام نہیں ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ سونا ایسی ضروری چیز نہیں ہے جس کے روک لئے جانے سے عوام الناس شدید ضرر میں مبتلا ہوجائیں۔

۷ – شرعی اعتبار سے اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس کی خرید وفروخت جائز ہے، کیونکہ مشتری نے اس کو خریدا ہے اور خرید کر فروخت کر رہا ہے، مگر ایسے سونے کی درآمدگی میں چونکہ حکومت کے واجبات ادا نہیں کئے جاتے ہیں اور حکومت کی طرف سے اس پر

پابندی بھی ہوتی ہے اس لئے اس سے بچنا ضروری ہے۔ کیونکہ جس ملک میں ہم رہتے ہیں وہاں کے قوانین کا احترام اوراس کی پابندی بھی ضروری ہے۔

۸- سونا اور چاندی ایسی چیزیں ہیں جو خلقۃً ثمن ہیں۔ دوسری چیزیں اس وصف میں اس کے برابر نہیں ہوسکتی ہیں۔ ان پر سونے کا حکم نہیں لگ سکتا ہے، اس لئے ''پلاٹین'' یا کوئی دوسری دھات ہو خواہ وہ کتنی ہی بیش قیمت ہو جائیں ان پر سونے کے احکام ثابت نہیں ہوں گے۔

☆☆☆

سونے چاندی کی تجارت کی جدید شکلیں اوران کے شرعی احکام

مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی☆

۱-الف: روپئے کے ذریعہ سونے، چاندی کی خرید وفروخت بیع صرف میں داخل نہیں ہے، لہذا بدلین پر مجلس واحد میں قبضہ ضروری نہیں ہے بلکہ بدلین میں سے ایک پر قبضہ کافی ہے اس لئے کہ شریعت اسلامیہ میں روپئے کی حیثیت ثمن اصطلاحی کی ہے اور فقہاء کرام نے ثمن خلقی اور ثمن اصطلاحی میں اس مسئلہ میں فرق کیا ہے یعنی سونا، چاندی کی خرید وفروخت ایک دوسرے کے بدلہ کی جائے تو ایک ہی مجلس میں بدلین پر قبضہ ضروری ہے جبکہ سونا یا چاندی کو فلوس نافقہ کے ذریعہ خریدا یا بیچا جائے تو بدلین پر ایک مجلس میں قبضہ ضروری نہیں ہے جیسا کہ ''فتاویٰ عالمگیری'' میں ہے:

''وإن اشتری ختم فضة أو ختم ذهب فيه فص أو ليس فيه فص بكذا فلساً وليست الفلوس عنده فهو جائز تقابضا قبل التفرق أم لم يتقابضا لأنّ هٰذا بيع ليس بصرف'' (فتاویٰ ہندیہ ۳؍ ۲۲۴)۔

(اوراگر چاندی یا سونے کی انگوٹھی جس میں نگینہ ہو یا نہ ہو، ایک متعینہ فلوس کے ذریعہ خریدی اور فلوس اس شخص کے پاس موجود نہ ہو تو بیع جائز ہے جدا ہونے سے قبل دونوں نے قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہو اس لئے کہ یہ بیع صرف نہیں ہے)۔

علامہ شامی نے حانونی سے اس کے جواز کا قول نقل کیا ہے:

''سئل الحانونی عن بيع الذهب بالفلوس نسئة فأجاب بأنه يجوز إذا قبض أحد البدلين'' (ردالمحتار ۷؍ ۴۱۴)۔

(حانونی سے سوال کیا گیا سونے کی بیع فلوس کے ذریعہ ادھار کے سلسلہ میں تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ جائز ہے بشرطیکہ بدلین میں سے ایک پر قبضہ ہو جائے)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب کا فتویٰ بھی جواز ہی کا ہے، چنانچہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''وذكرت أنّها ليست قائمة مقام الذهب فی جميع الأمور فلا تجری فيها أحكام الصرف ولذالک يجوز عندی أن يشتری الذهب أو الفضة بالنقود ويجوز أيضا أن يشتری الذهب نسئية الأوراق النقدية ولكن يجب أن يكون تقابض أحد البدلين فی المجلس'' (فتاویٰ عثمانی ۳؍ ۱۵۹)۔

☆ مفتی امارت شرعیہ، پھلواری شریف پٹنہ۔

(اور میں نے (اپنے رسالہ میں) ذکر کیا ہے کہ روپے تمام احکام میں سونا کے قائم مقام نہیں ہیں، بس اس میں صرف کے احکام جاری نہیں ہوں گے اور اسی وجہ سے میرے نزدیک سونا روپئے کے بدلہ ادھار خریدنا جائز ہے، لیکن بدلین میں سے ایک پر قبضہ مجلس میں ضروری ہے)۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحبؒ کا رجحان بھی جواز ہی کا ہے، چنانچہ وہ ایک استفتاء کے جواب میں رقمطراز ہیں۔

رائج نوٹ اور سکے سونے، چاندی کے حکم میں نہیں، نہ ہی سونے یا چاندی کی رسید ہیں، لہذا ان سے بیع ذھب وفضۃ بہرکیف جائز ہے تفاضل ونسیئہ بھی جائز ہے (احسن الفتاویٰ ۶/۵۱۸)۔

خلاصۂ کلام یہ کہ راقم الحروف کے نزدیک روپئے کے ذریعہ سونا و چاندی کی خرید وفروخت ادھار شرعاً جائز درست ہونی چاہیے اور یہ بیع صرف نہیں ہے۔

(ب) فقہاء کرام نے یہ صراحت کی ہے کہ سونا اور چاندی کی خرید وفروخت ایک دوسرے سے کمی بیشی کے ساتھ جائز ودرست ہے اس لئے کہ دونوں کی جنس مختلف ہے۔

"وإن با ع الذهب بالفضة جاز التفاضل لعدم المجانسة" (ہدایہ ۳/۱۰۵)۔

(اور اگر سونے کو چاندی کے بدلہ فروخت کیا جائے تو زیادتی جائز ہے جنس ایک نہ ہونے کی وجہ سے)۔

اور روپیہ اور سونا یا چاندی یہ دونوں ہم جنس نہیں ہیں بلکہ دونوں مختلف جنس ہیں۔

لہذا سونا اور چاندی کا جو نرخ حکومت یا سونے کی مارکیٹ جیسے انٹرنیشنل سطح پر میکس گولڈ مارکیٹ یا ہندوستانی سطح پر ایم سی نے طے کیا ہو اس سے زیادہ یا کم قیمت پر خرید وفروخت کر سکتے ہیں، شرعاً جائز ودرست ہے، اس پر ربا الفاضل کا اطلاق نہیں ہوگا، اس لئے کہ تفاضل ربا میں اس وقت داخل ہے جبکہ دونوں کا قدر وجنس ایک ہو لیکن اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک مفقود ہو یعنی قدر ایک ہو، جنس ایک نہ ہو، یا جنس ایک ہو، قدر ایک نہ ہو، تو اس صورت میں تفاضل ربا نہیں ہے، بلکہ جائز وحلال ہے۔

"وعلته أى علة تحريم الزيادة القدر المعهود بكيل أو وزن مع الجنس فإن وجدا حرم الفضل أى الزيادة ...... وإن وجد أحدهما أى القدر وحدة أو الجنس حل الفضل" (الدر المختار کتاب البیوع باب الربا ۷/ ۴۰۳، ۴۰۴)۔

(اور زیادتی کی حرمت کی علت قدر یعنی کیلی یا وزنی جنس کے ساتھ ہو تو جب دونوں پایا جائے تو فضل یعنی زیادتی حرام ہے اور اگر دونوں میں سے ایک یعنی صرف قدر یا صرف جنس پایا جائے تو زیادتی حلال ہے)۔

۲-الف: تاجر کا زیور بنانے کے لئے سونا کاریگر کو دینا اور کاریگر کا زیور بنا کر واپس کرنا اور آمیزش کے بقدر بچے ہوئے سونے کے ذرات کو اپنے پاس رکھ لینا یہ بیع نہیں ہے بلکہ یہ اجارہ ہے، اس لئے کہ بیع کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی ہے، بیع کی تعریف ہے، "مبادلة المال بالمال بالتراضى" (فتاویٰ ہندیہ ۳/۲)۔

(آپسی رضامندی سے مال کا تبادلہ مال کے ذریعہ) اور یہاں مال کا تبادلۃ مال کے ذریعہ نہیں ہو رہا ہے۔

ب- رہا یہ سوال کہ زیورات بنانے میں جو ذرات بچ جائیں وہی اجرت قرار پائے اس طرح کی اجرت جائز ہے یا نہیں؟ جب مذکورہ صورت پر ہم غور کرتے ہیں تو بظاہر دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔

۱۔ اجرت مجہول ہے۔

۲۔ اجرت عامل کے عمل (جزء عمل) سے قرار پائی ہے۔

اور اصولاً یہ دونوں چیزیں مفسد اجارہ ہیں۔

لیکن جہاں تک اجرت کے مجہول ہونے کی بات ہے تو میری سمجھ کی حد تک یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ تاجر اور کاریگر دونوں اپنے اپنے مشاہدے وتجربے کی وجہ سے جانتے ہیں کہ زیور بنانے کی صورت میں کتنی مقدار میں سونے کے ذرات بچ جائیں گے، تو گویا دونوں کے نزدیک وہ ذرات معلوم ومتعین ہیں، اور اگر اجرت کے مجہول ہونے کی بات تسلیم کر لی جائے تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ اجرت کے مجہول ہونے کی صورت میں مفسد اجارہ ہونے کی علت فقہاء نے مفضی إلی النزاع لکھی ہے، یعنی جب اجرت متعین نہ ہوگی مجہول ہوگی تو جھگڑا پیدا ہوگا۔

"وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين لأن جهالتهما تفضى إلى المنازعة" (الدر المختار علی صدر رد المحتار ۹/۷)۔

(اجرت کی شرط یہ ہے کہ اجرت اور منفعت معلوم ہو اس لئے کہ ان دونوں کی جہالت جھگڑے کا سبب ہے)۔

علامہ علاء الدین کاسانی نے اجرت کی جہالت کے سلسلہ میں بڑی ہی اہم اور قیمتی بات تحریر فرمائی ہے کہ ایسی جہالت جو جھگڑے کا سبب نہ ہو وہ صحت اجارہ کیلئے مانع نہیں ہے اس لئے کہ اس صورت میں اجرت کی حوالگی جو اجارہ کا مقصد ہے ممکن ہے۔

"منها أن يكون المعقود عليه والمنفعة معلوماً علماً يمنع من المنازعة فإن كان مجهولاً ينظر إن كانت تلك الجهالة مفضية إلى المنازعة تمنع صحة العقد وإلا لا۔ لأن الجهالة المفضية إلى المنازعة تمنع من التسليم والتسليم فلا يحصل المقصود من العقد فكان العقد عبثاً لخلوه عن العاقبة الحميدة وإذا لم تكن إلى المنازعة يوجد التسليم والتسليم فيحصل المقصود" (بدائع الصنائع ۴/ ۲۵، ۲۴)۔

(اس میں (صحت اجارہ کے شرائط) سے یہ ہے کہ معقود علیہ یعنی منفعت ایسا معلوم ومتعین ہو کہ جھگڑے کو روک دے، پس اگر مجہول ہو تو دیکھا جائے گا کہ اگر وہ جہالت مفضی إلی النزاع ہے تو عقد کی صحت کے لئے مانع ہوگا ورنہ نہیں، اس لئے کہ جو جہالت مفضی إلی النزاع ہو وہ تسلیم کو روک دے گی اور اس صورت میں عقد کا مقصد حاصل نہ ہوگا، لہذا اچھے انجام سے خالی ہونے کی وجہ سے عقد لغو ہوگا اور جب (جہالت) منازعت کا سبب نہ ہو تو تسلیم پایا جائے گا، اور جب تسلیم پایا جائے گا تو مقصود حاصل ہو جائے گا)۔

مذکورہ صورت میں چونکہ تاجر اور کاریگر کے درمیان کوئی نزاع پیدا نہیں ہوتا ہے اس لئے یہ جہالت صحت اجارہ کے لئے مانع نہیں ہونا چاہئے۔

رہی بات اجرت عامل کے عمل سے قرار پائی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عرف وعادت وہ اصول ہیں جن پر بے شمار احکام کی بنیاد ہے، اسی میں سے مزارعت کا مسئلہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مزارعت جائز نہیں ہے، البتہ عرف ورواج کو دیکھتے ہوئے

احناف نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا حالانکہ کھیتی بٹائی پر کرنے کی صورت میں بٹائی کرنے والے کو پیداوار کا ایک حصہ ہی بطور اجرت ملتا ہے، جو عامل کے جزعملی کو اجرت بنانے کی واضح نظیر ہے۔

"قال أبو حنيفة المزارعة بالثلث والربع باطلة ...... وقالا جائزة ...... أن الفتوىٰ على قولهما لحاجة الناس إليها ولظهور تعامل الأمة لها والقياس يترك بالتعامل" (ہدایہ کتاب المزارعۃ ۴/ ۴۲۵، ۴۲۴)۔

اسی طرح فقہاء نے پھلوں میں بٹائی داری کو جائز قرار دیا ہے، جبکہ یہاں بھی صراحۃً عامل کے عمل سے اجرت قرار پائی ہے۔

اسی سے جڑا ہوا مسئلہ جانور بٹائی پر دینے کا بھی ہے، اس سلسلہ میں ہمارے اکابر حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا رجحان عموم بلویٰ کی وجہ سے جواز کا معلوم ہوتا ہے۔

"لیکن بنا بر نقل بعض اصحاب امام احمد کے نزدیک اس میں جواز کی گنجائش ہے، پس تحرز احوط ہے اور جہاں ابتلاء شدید ہو، توسع کیا جاسکتا ہے" (امداد الفتاویٰ ۳/ ۳۴۳)۔

اور بعض مستند ادارے سے بھی جانور بٹائی پر دینے کے جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

الحاصل راقم الحروف کی رائے میں یہ عرف ورواج ہے کہ زیور بنانے کے بعد جو ذرات بچ جاتے ہیں وہی کاریگر کی اجرت ہوتی ہے تو اس کو جائز ہونا چاہئے۔

۳- سونا، سونا ہے خواہ نیا ہو یا پرانا، پرانا یا نیا ہونے سے سونے کی ذات پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے، کیونکہ نیا اور پُرانا ہونا وصف ہے اور وصف میں فرق کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اس لئے نئے سونے کے زیور کا تبادلہ پرانے سونے کے زیور سے کمی بیشی کے ساتھ شرعاً ناجائز وحرام ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ فقہاء کرام نے یہ صراحت کی ہے کہ عمدہ سونے کی خرید وفروخت ردّی سونے کے ذریعہ کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ عمدہ اور ردّی وصف ہے اور وصف میں تفاوت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

"لا يجوز بيع الجيد بالردى مما فيه الربوٰ إلا مثلاً بمثلٍ لانهدار التفاوت فى الوصف" (ہدایہ کتاب البیوع باب الربا ۳/ ۷۹)۔

(عمدہ کی بیع ردّی کے ذریعہ ان اشیاء میں جو اموال ربویہ میں سے ہیں جائز نہیں ہے، الّا یہ کہ برابر سرابر ہو، وصف میں تفاوت کے باطل ہونے کی وجہ سے)۔

علامہ علاء الدین حصکفی نے یہ صراحت کی ہے کہ اموال ربویہ میں جید اور ردی برابر ہے:

"وجيد مال الربوا .... ورديئه سواء" (الدر المختار علی صدر المحتار ۷/ ۴۱۲؛ کتاب البیوع باب الربا)۔

علامہ شامی نے اس کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ جید کی بیع ردی کے ذریعہ ان چیزوں میں جن میں ربا ہے جائز نہیں ہے مگر یہ کہ برابر سرابر ہو۔

"قوله (وجيد مال الربا ورديئه سواء) أى فلا يجوز بيع الجيد بالردئ مما فيه الربا إلا مثلا بمثل" (۷/ ۴۱۲)۔

۴- اس سوال کے جواب سے قبل قبضہ کی حقیقت شریعت کی نگاہ میں کیا ہے؟ اس کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اس لئے جواب سے قبل قبضہ کی حقیقت لکھی جارہی ہے۔

کتاب وسنت میں قبضہ کی کوئی خاص صورت ونوعیت متعین نہیں ہے اور اصول یہ ہے کہ جن چیزوں کی شریعت اسلامیہ اور لغت میں کوئی تحدید نہ ہو وہ چیزیں عرف وعادت پر محمول ہوں گی۔ ''الأ شباہ والنظائر'' میں ہے:

''کل ما ورد به الشرع مطلقاً ولا ضابط له فیه ولا فی اللغة یرجع فیه إلی العرف ومثلوه بالحرز فی السرقة والتفرق فی البیع والقبض'' (الأشباہ والنظائر للسیوطی: ۱۹۶)۔

(شریعت میں جو لفظ مطلق وارد ہوا ہو اور اس کی بابت نہ تو شریعت میں کوئی ضابطہ مقرر ہو اور نہ ہی لغت میں، تو اس میں عرف کی طرف لوٹایا جائے گا اور فقہاء نے اس کی مثال چوری کے مسئلہ میں حرز (حفاظت) بیع میں تفرق اور قبضہ سے دی ہے)۔

اور صاحب درمختار قبضہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ بائع اور مشتری کے درمیان ایسا تخلیہ جس سے قبضہ پر قدرت ہو جائے اور کوئی چیز رکاوٹ اور حائل نہ ہو یہ تخلیہ قبضہ سمجھا جائے گا۔

''ثم التسلیم یکون بالتخلیة علی وجه یتمکن من القبض بلا مانع وحائل'' (الدر المختار علی صدر رد المحتار ۷/ ۹۴)۔

اور تخلیہ مبیع کی حالت وکیفیت کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے، چنانچہ علامہ محمد بن عابدین شامیؒ ''علی وجه یتمکن من القبض'' کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں، تخلیہ بھی حکماً قبضہ ہے اور ہر چیز کا قبضہ اسی کے حساب سے ہے، مثلاً اگر کسی گھر میں گیہوں وغیرہ ہے تو اس کا تخلیہ یہ ہے کہ کنجی مشتری کے حوالہ کردی جائے اور وہ بغیر تکلف وپریشانی کے مکان کھولنے پر قادر ہو اور اگر مکان ہے تو اس کا تخلیہ یہ ہے کہ اس کے بند کرنے پر مشتری قادر ہو اور جانوروں میں اس کا تخلیہ یہ ہے کہ چراگاہ میں جانور دکھلا دیا جائے اور اس کی جانب اشارہ کردیا جائے اور کپڑا ہے تو اتنا قریب ہو کہ مشتری جب ہاتھ اس کی جانب بڑھائے تو ہاتھ کپڑے تک پہونچ جائے۔ کسی مکان میں بند گھوڑے اور پرندے پر قبضہ اس وقت متصور ہوگا جبکہ مشتری بغیر کسی کی مدد کے ان کو پکڑ سکے وغیرہ۔

''وحاصله أن التخلیة قبض حکما لو مع القدرة علیه بلا کلفة لکن ذلک یختلف بحسب حال المبیع ففی نحو حنطة فی بیت مثلا فدفع المفتاح إذا أمکنه الفتح بلا کلفة قبض وفی نحو دار فالقدرة علی إغلاقها قبض أی بأن تکون فی البلد فیما یظهر وفی نحو بقر فی مرعی فکونه بحیث یری ویشار إلیه قبض وفی نحو ثوب فکونه بحیث لو مد یده تصل إلیه قبض وفی نحو فرس أو طیر فی بیت إمکان أخذه منه بلا معین قبض'' (رد المحتار مطلب فی شروط التخلیة ۷/ ۹۶)۔

علامہ کاسانیؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب بدائع الصنائع میں قبضہ کی حقیقت ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:

''لا یشترط بالبراجم لأن من القبض هو التمکین والتخلیة وارتفاع الموانع عرفا وعادة حقیقة'' (بدائع الصنائع ۴/ ۳۴۲)۔

(انگلیوں سے قبضہ شرط نہیں ہے اس لئے کہ قبضہ کا مطلب تمکین تخلیہ اور عرف وعادت وحقیقت کے اعتبار سے رکاوٹ کا ختم

ہوجاناہے)۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ مبیع اور مشتری کے درمیان ایسا تخلیہ جس سے قبضہ پر قدرت ہوجائے اور کوئی چیز رکاوٹ اور حائل نہ ہو قبضہ سمجھا جائے گا، لہذا مذکورہ بالا مباحث کی روشنی میں راقم الحروف کے نزدیک یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ پہلی صورت جب تمام خریدار کا خریدا ہوا سونا سونے کی اینٹ کی شکل میں ہے تو اس کو خریدار کا قبضہ نہیں سمجھا جائے گا، اس لئے کہ مبیع ممیّز وممتاز نہیں ہے، جس کی وجہ کر تمام خریدار اپنے اپنے حصہ کے بقدر مبیع کے قبضہ کرنے پر قادر نہیں ہیں، البتہ دوسری صورت میں جبکہ ہر خریدار کے لئے سونے کا سکہ علاحدہ علاحدہ رکھا ہوا ہے اور اس کو کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں اس کے نام پر درج کر دیا گیا اور قبضہ سے کوئی چیز مانع ورکاوٹ نہیں ہے مشتری جب چاہے اس پر قبضہ کرسکتا ہے تو اس کو مشتری کا قبضہ تصور کیا جائے گا، اس لئے کہ اس پر قبضہ کی تعریف صادق آتی ہے۔

۵- مذکورہ صورت میں جبکہ معاملہ آپس کے قبضہ کے بغیر طے ہوتا ہے کہ نہ تو خریدار مبیع پر قبضہ کرتا ہے اور نہ ہی بیچنے والا ثمن (قیمت) پر قبضہ کرتا ہے، یعنی مبیع بائع کے پاس اور ثمن مشتری کے پاس رہتا ہے گویا مبیع اور ثمن دونوں ادھار ہیں، اور جب مبیع اور ثمن دونوں ادھار ہوں تو حدیث شریف میں ایسے بیع کی ممانعت آئی ہے۔

"عن ابن عمر أن النبی ﷺ نهی عن بیع الکالی بالکالی" (الدار قطنی ۶۰/۳ کتاب البیوع)۔

(حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی ﷺ نے ادھار کی بیع ادھار کے ذریعہ سے منع فرمایا ہے)۔

لہذا مذکورہ طریقہ پر کاروبار شرعا جائز نہیں ہے۔

۶- احتکار کی لغوی تعریف: لغت میں گراں فروشی کی نیت سے غلہ کی ذخیرہ اندوزی احتکار ہے۔

"الاحتکار لغة حبس الطعام إرادة الغلاء" (الموسوعۃ الفقہیۃ ۹۰/۲)۔

(غلہ اور اس جیسی ضروریات زندگی خرید کر گرانی کے زمانہ تک روکے رہنے کو احتکار کہتے ہیں)۔

"أما فی الشرع فقد عرفه الحنفیة بأنه اشتراء الطعام ونحوه وحبسه إلی الغلاء" (حوالہ سابق)۔

کن اشیاء کا احتکار ممنوع ہے اس سلسلہ میں فقہاء کرام کے تین اقوال ہیں۔

پہلا قول امام ابوحنیفہ، امام محمد، شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک یہ ہے کہ صرف غذائی اشیاء میں احتکار کا تحقق ہوگا۔

دوسرا قول مالکیہ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف کا ہے احتکار ان تمام چیزوں میں ہوسکتا ہے جو انسانی زندگی کے لئے ضروری ہو، اور جن کے روکنے سے عوام الناس کو ضرر لاحق ہو مثلا غلہ، سالن، لباس وغیرہ۔

تیسرا قول:۔ امام محمد بن حسن کا ہے کہ احتکار کا ثبوت صرف غذائی اشیاء اور کپڑوں میں ہوتا ہے۔

"هناک ثلاثة اتجاهات: الأول ما ذهب إلیه أبو حنیفة ومحمد والشافعیة والحنابلة أنه لا احتکار إلا فی القوت خاصة والاتجاه الثانی: أن الاحتکار یجری فی کل ما یحتاجه الناس ویتضرر ون من حبسه من قوت وإدام ولباس وغیر ذٰلک وهذا ما ذهب إلیه المالکیة وأبویوسف من الحنفیة ،والاتجاه الثالث : أنه لا احتکار إلا فی القوت والثیاب خاصة وهذا قول لمحمد بن الحسن" (الموسوعۃ الفقہیۃ ۹۲/۲)۔

جمہور فقہاء کی دلیل وہ احادیث ہیں، جن میں ذخیرہ اندوزی کے ممنوع ہونے کے سلسلہ میں غلہ کی صراحت موجود ہے۔ ابن ماجہ میں ہے۔

"عن عمر بن الخطاب قال سمعت رسول اللہ ﷺیقول من احتکر علی المسلمین طعامھم ضربة اللہ بالجذام و الإفلاس"(السنن لابن ماجہ)۔

(حضرت عمرؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جو شخص مسلمانوں سے ان کا غلہ روک دے اللہ تعالیٰ اسے جذام اور تنگی میں مبتلا کرے گا)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت میں ہے:

"عن أبی أمامة أن رسول اللہ ﷺقال من احتکر طعاما أربعین یوماً یرید به الغلا فقد برئ من اللہ وبرئ اللہ منه رواہ رزین"(مشکوٰۃ المصابیح:۲۵۱)۔

(حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے چالیس دنوں تک غلہ کو گراں فروشی کے ارادہ سے روکے رکھا اس کا رشتہ اللہ سے ٹوٹ گیا، اور اللہ تعالیٰ اس سے بیزار رہا)۔

مالکیہ اور امام ابو یوسفؒ کا استدلال ان روایات سے ہے جن میں مطلق احتکار سے منع کیا گیا ہے اور احتکار کرنے والے کو خاطی وملعون قرار دیا گیا ہے، حدیث شریف میں ہے:

"قال رسول اللہ ﷺ: من احتکر فھو خاطئ"(الصحیح لمسلم باب تحریم الاحتکار فی الأقوات ۲/۳۱)۔

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے احتکار کیا وہ گنہگار ہے)۔

دوسری روایت میں ہے: **"عن عمر عن النبی ﷺقال الجالب مرزوق والمحتکر ملعون"**(الصحیح لمسلم باب تحریم الاحتکار فی الأقوات ۲/۳۱)۔

(حضرت عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تاجر کو رزق دیا جاتا ہے اور احتکار کرنے والا ملعون ہے)۔

امام محمد بن الحسن نے کپڑوں کو غذائیات پر محمول کیا ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں انسان کے حوائج ضروریہ میں سے ہیں:

"فإنه حمل الثیاب علی القوت باعتبار أن کلامنھما من الحاجات الضروریة"(الموسوعة الفقھیة ۲/۹۳)۔

راجح قول:

جمہور فقہاء کا قول راجح معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ جب ایک مسئلہ میں نصوص مختلف ہوں ایک عام اور دوسرا خاص تو ایسی صورت میں عام کو خاص پر محمول کیا جائے گا۔ تو گویا جن احادیث میں مطلق احتکار کی ممانعت وارد ہوئی ہے، وہ بھی غذائی اجناس پر ہی محمول ہے۔

"وإذا اجتمعت نصوص عامة وأخری خاصة فی مسألة واحدة حمل العام علی الخاص والمطلق علی المقید"(حوالہ سابق)۔

علامہ نووی نے مسلم شریف کی شرح نووی میں یہ صراحت کی ہے کہ احتکار کی ممانعت صرف غذائی اجناس ہی میں خاص ہے، اس کے علاوہ دیگر چیزوں میں احتکار ممنوع نہیں ہے۔

"قال أصحابنا الاحتكار المحرم هو الاحتكار فى الأقوات خاصة وهو ان يشترى الطعام فى وقت الغلاء للتجارة ولا يبيعه فى الحال بل يدخره ليغلو ثمنه ...... وأما غير الأقوات فلا يحرم الاحتكار فيه بكل حال" (نووی مسلم شریف ۲/۳۱)۔

الغرض احتکار صرف غذائی اجناس میں ممنوع ہے اس کے علاوہ میں نہیں، لہذا احقر کی رائے میں گراں فروشی کی نیت سے سونے کی ذخیرہ اندوزی ممنوع نہیں ہونا چاہیے اور یہ احتکار کے دائرہ میں نہیں آئے گا۔ گرچہ اس کی وجہ سے گرانی کا اثر دوسری اشیاء پر بھی پڑتا ہو، اس لئے کہ فقہاء کرام نے یہ صراحت کی ہے کہ غلہ جس میں احتکار ممنوع ہے اگر کوئی شخص اپنی زمین کے غلہ کی ذخیرہ اندوزی کرے اور اس کی وجہ سے لوگوں کو نقصان ہو تو بھی یہ ذخیرہ اندوزی ممنوع نہیں ہے، بلکہ جائز ہے۔

"ولا يكون محتكرا بحبس غلة أرضه بلا خلاف" (الدر المختار علی صدر رد المحتار ۹/۵۷۲)۔

غلہ جس کی ذخیرہ اندوزی ممنوع ہے جب اپنی زمین کے غلہ کے ذخیرہ اندوزی کی اجازت ہے گرچہ اس کی کی وجہ سے لوگ پریشانی میں مبتلا ہوں اور غلہ گراں ہو جائے تو اگر جس کی ذخیرہ اندوزی ممنوع نہیں ہے، مثلاً سونے کی ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے دوسری اشیاء کی قیمت گراں ہو جائے تو بھی اس کے جواز میں کیا کلام ہوسکتا ہے؟

۷- اسمگلنگ فی نفسہ جائز وحلال ہونی چاہیے اور اس طریقہ سے آنے والے سونے کی خرید وفروخت بھی شرعاً جائز ودرست ہونی چاہیے، اس لئے کہ ہر شخص کو اپنے روپئے سے اپنی ضرورت اور پسند کے مطابق سامان خریدنے کا حق حاصل ہے۔

"لا يمنع أحد من التصرف فى ملكه أبدا" (رد المحتار ۵/۴۴۸)۔

البتہ چونکہ یہ حکومت کے قانون کے خلاف ہے، پکڑے جانے پر ہتک عزت کا اندیشہ ہے نیز جس ملک میں ہم رہتے ہیں قولاً یا عملاً ہمارا یہ معاہدہ ہے کہ جب تک حکومت کا حکم معصیت پر مشتمل نہ ہو اس کی پابندی کریں گے تو اس قانون کی پابندی ہم پر لازم ہے۔

"كل من يسكن دولة فإنه يلتزم قولا أو عملا بأنه يتبع قوانيها وحينئذ يجب عليه اتباع أحكامها" (فی بحوث قضایا فقہیۃ معاصرۃ ص ۱۶۶)۔

لہذا اسمگلنگ کا کاروبار نہ کیا جائے، یہی رائے حضرت مولانا مفتی نظام الدینؒ حضرت مولانا عبد الرحیم لاجپوریؒ اور مفتی تقی عثمانی صاحب کی ہے (ملاحظہ ہو: منتخبات نظام الفتاوی ۳/۲۸، فتاوی رحیمیہ ۶/۲۷۸، فتاوی عثمانی ۳/۹۰)۔

۸- اصول یہ ہے کہ سونا اور چاندی یا مختلف کرنسیاں جو ثمن کی حیثیت اختیار کرچکی ہیں، اور سائمہ جانوروں کے علاوہ کسی بھی مال میں خواہ وہ کتنا ہی قیمتی کیوں نہ ہو، جب تک اس میں تجارت کی نیت نہ کی جائے، زکواۃ واجب نہیں ہوتی ہے، جیسا کہ فقہاء کرام نے یہ صراحت کی ہے کہ ہیرے اور جواہرات پر زکواۃ واجب نہیں ہے۔

”**لا زكواة في اللآلي والجواهر و إن ساوت ألفاً إلا أن تكون للتجارة**“ (الدرالمختار علی صدر رد المحتار قبیل باب السائمۃ ۳/ ۱۹۴)۔

لہٰذا پلاٹینیم کا شمار اگرچہ مہنگی دھاتوں میں ہوتا ہو پھر بھی اس پر عقود اور زکوۃ کے سلسلہ میں سونے کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

☆☆☆

سونے چاندی کی تجارت

مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی ☆

اشیاء کی خرید وفروخت اور تجارت، انسانی معاشرت کی ضروریات سے ہے، انسان کو ایسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کے پاس نہیں ہے، دوسرے کے پاس وہ موجود ہے، جس کو حاصل کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ اپنی کسی چیز کے عوض میں باہمی رضامندی سے حاصل کرے، اس طرح باہمی رضامندی سے ایک مال کا دوسرے مال کے عوض میں لینے کو خرید اور دینے کو فروخت سے تعبیر کرتے ہیں،" أما ركن البيع فهو مبادلة شئ مرغوب بشئ مرغوب" (بدائع الصنائع ۴/ ۳۱۸) اور اسی خرید و فروخت کا نام تجارت ہے،" التاجر : الذی يبيع و يشتری" (القاموس المحیط: ت ج ر)۔

جس چیز کو خریدا یا بیچا جاتا ہے، اس کو مبیع کہتے ہیں، اور جس چیز کے بدلے میں خریدا یا بیچا جاتا ہے اس کو ثمن کہتے ہیں، ثمن کی نوعیت اختلاف ادوار کے ساتھ بدلتی رہی ہے، زمانۂ قدیم میں عموماً کسی سامان کے بدلے میں ہی دوسرا سامان خریدا جاتا تھا، مثلاً: کپڑے کے بدلہ میں غلہ، یا غلہ کے بدلہ میں جانور وغیرہ۔

اس کے بعد کے دور میں مختلف مقامات پر بطور ثمن کچھ متعین اشیاء کا رواج رہا، مثلا: چاقو، ہاتھی دانت، زعفران وغیرہ، اس کے بعد بطور ثمن، چاندی اور سونے کا رواج ہوا، اور پھر اسی چاندی اور سونے کے متعین اوزان کے سکے ڈھالے گئے، سونے کے سکہ کو دینار واشرفی اور چاندی کے سکہ کو درہم اور روپیہ سے تعبیر کیا گیا، اس کے علاوہ دوسری دھاتوں کے سکے بھی رواج میں آئے جو فلوس اور پیسے کہلائے، عصر حاضر میں سونے اور چاندی یا ان کے سکوں کے بجائے کاغذی نوٹ اور کرنسی عام ہوگیا ہے، جو ظاہر ہے کہ ایک طرح کا دھوکہ ہے، اس لئے کہ سونے اور چاندی یا ان سے ڈھالے گئے سکوں کی فی نفسہ مالیت ہے، وہ اگر ٹوٹ کر ٹکڑے اور ریزے بھی ہوجائیں تو ان کی مالیت برقرار رہتی ہے، برخلاف کاغذی کرنسی کے، کہ اگر یہ ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے یا کٹ پھٹ جائے تو اس کی مالیت ختم ہوجاتی ہے، اس لئے کہ ان کی ثمنیت محض قانونی ہے، عوام کو قانونی طور پر پابند کیا گیا ہے کہ وہ ان کاغذی کرنسیوں کو بطور ثمن قبول کریں، اور اپنی خرید وفروخت میں اس کا استعمال کریں، اور ان کے قبول نہ کرنے پر مجرم قرار دیئے جائیں گے، اور ان کاغذی کرنسیوں کے آغاز میں ان کے چلن کو عام کرنے کے لئے عوام کو یہ باور کرایا گیا کہ ان کاغذی نوٹوں کی پشت پر ان کے سونے محفوظ ہیں جو ایک چال اور دھوکہ سے ان سے سمیٹ لئے گئے، اور عوام نے سہولت پسندی کے تحت کہ سونے اور چاندی کے وزنی سکوں کی جگہ ان کاغذی ہلکے نوٹوں کا استعمال اور ان کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا آسان ہے، ان کو قبول کیا اور ان کے چلن کو رواج

☆ جامعہ عربیہ تعلیم الدین، مئو، یوپی۔

دیا، اور دھیرے دھیرے اپنے سونے چاندی کی مالیت سے بے ہاتھ ہو گئے، اور اب ایک نئی صورت حال درپیش ہے کہ یہ کاغذی نوٹ بھی عوام کے ہاتھ میں نہ رہے، اور یہ اپنا کاروبار اور لین دین مشین کے ذریعہ کریں، اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ کاغذی کرنسی اور نوٹ فی نفسہ ثمن نہیں ہیں، ان کی مالیت اور ثمنیت محض قانونی اور اصطلاحی ہے، حکومت جب چاہے ان کی قانونی حیثیت کو کالعدم کردے، اور اس کی جگہ کسی اور سکہ اور کرنسی کو رواج دے، لہذا ان کا حکم سونے اور چاندی کے مثل نہیں ہوگا، جن کی ثمنیت ہر حال میں باقی رہتی ہے؛ خواہ وہ خام شکل میں ہوں یا ڈھلے ہوئے سکے، زیورات اور عروض وسامان کی شکل میں۔

۱- اس لئے اگر کاغذی نوٹ سے سونا یا چاندی کی خرید وفروخت کی جائے، تو اس میں روپیہ (کاغذی کرنسی) کی حیثیت مبیع کی ہوگی، اور سونا یا چاندی خلقۃً ثمن ہونے کی وجہ سے ثمن ہی قرار پائیں گے، اموال کی کی تین قسمیں کی گئی ہیں: "و الأموال أنواع ثلا ثة، نوع منها في العقد ثمن على كل حال وهو الدراهم و الدنانير و نوع منها ما هو مبيع على كل حال و هو ما ليس من ذوات الأمثال من العروض، كالثياب و الدواب،و نوع هوثمن من وجه ومبيع من وجه ،كالمكيل والموزون ،فإنها إذا كانت معينة في العقد تكون مبيعة،وإن لم تكن مبيعة فإن صحبها حرف الباء و قابلها مبيع فهو ثمن ، وإن لم يصحبها حرف الباء وقابلها ثمن فهي مبيعة،و هذا لأن الثمن ما يثبت ديناً في الذمة" (المبسوط للسرخسی ۲/۱۴ کتاب البیع، بیع الصرف)۔

اور چونکہ کاغذی کرنسی بھی اصطلاحاً ثمن ہے اور اس کا چلن اور رواج بھی ثمن کی حیثیت سے ہی معروف ہے، لہذا ثمن کی بیع ثمن سے ہونے کی بنا پر اس کے بیع صرف ہونے کا وہم ہوتا ہے، اس لئے کہ بیع صرف: "اسم لنوع بيع ،و هو مبادلة الأثمان بعضها ببعض "(المبسوط للسرخسی ۲/۱۴ کتاب البیع، بیع الصرف)، مگر درمختار کی عبارت سے یہ وہم دور ہوجاتا ہے "هو لغةً الزيادة وشرعاً بيع الثمن بالثمن أي ما خلق للثمنية ومنه المصوغ جنساً بجنس أو بغير جنس كذهب بفضة" (الدر المختار ۷/۵۲۰)، اس میں مذکور" ما خلق للثمنية" کی قید سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ کاغذی کرنسی یا سکوں کے ذریعہ سونے یا چاندی کی خرید وفروخت پر بیع صرف کا اطلاق نہیں ہوگا، کیونکہ بیع صرف کی تعریف میں مذکور ثمن سے مراد ثمن خلقی سونا یا چاندی ہے اور کاغذی کرنسی حقیقۃً ثمن مطلق نہیں ہے؛ بلکہ عارضی واصطلاحی ثمن ہے۔

بیع صرف کی تعریف:

لغت میں صرف کا معنی، تبدیل کرنا، پھیرنا، منتقل کرنا، زیادہ کرنا وغیرہ مذکور ہے، فقہ کی اصطلاح میں بیع صرف سے مراد، ثمن کی ثمن سے خرید وفروخت ہے، جیسا کہ درمختار کی مذکورہ عبارت سے واضح ہے، نیز "بنایہ" میں ہے: "هو بيع الثمن المطلق بالثمن المطلق، كبيع الدراهم والدنانيربالدراهم و الدنانير،وهو بيع الصرف" (البنایہ ۸/۳)، وہ ثمن مطلق کی بیع ثمن مطلق سے ہے، جیسے دراہم ودنانیر کی بیع دراہم ودنانیر سے، اوی یہ بیع صرف ہے، الکفایہ میں ہے: "سمي به لأنه يحتاج إلى نقل بدليه من يد إلى يد ، والصرف هو الرد و النقل" (الکفایۃ مع فتح القدیر ۶/۲۵۸)، "إنه يسمى صرفاً لما فيه من صرف ما في يد كل واحد منهما إلى يد صاحبه" (المبسوط للسرخسی ۱۴/۳) (اس کا نام "صرف" اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس میں عاقدین

میں سے ہر ایک کی ملک میں جو ہوتا ہے اسے دوسرے کے حوالہ کرنا ہوتا ہے)۔

بیع صرف کی خصوصیات:

بیع صرف کے صحیح ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اگر مبیع وثمن دونوں ایک ہی جنس کے ہوں تو ان میں تفاضل اور ادھار نہیں ہونا چاہئے، یعنی دونوں کی کمیت میں تماثل اور مساوات ہو، اور مجلس میں ہی بدلین پر قبضہ بھی ہو، "والحكم الذى يختص به الصرف من بين سائر البيوع وجوب قبض البدلين فى المجلس و أنه لايكون فيه شرط خيار و لا أجل " (المبسوط للسرخسی ۱۴/ ۳)،" وإنما يجب التقابض فى الصرف بمقتضى اسم العقد"(ایضا ص ۲۴)،"فلو تجانسا شرط التماثل و التقابض،أى النقدان ، بأن بيع أحدهما بجنس الآخر فلا بد لصحته من التساوى وزناً ومن قبض البدلين قبل الافتراق وإن اختلفا جودة و صياغة "(البحر الرائق:۶/ ۳۲۲،کتاب الصرف)۔

اور اگر مبیع وثمن دونوں ایک جنس کے نہ ہوں، تو تفاضل جائز ہوتا ہے، ادھار جائز نہیں، بدلین پر مجلس میں ہی قبضہ ہونا لازم ہے،"وإلا شرط التقابض ، أى وإن لم يتجانسا يشترط التقابض قبل الافتراق دون التماثل،لما رويناه من الحديث "(ایضاً ص ۳۲۴)،سیدنا ابو سعید خدریؓ سے مروی رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:" لا تبيعوا الذهب با لذهب إلا مثلا بمثل ولا تشفوا بعضها على بعض،ولا تبيعوا الورِق بالورِق إلا مثلا بمثل ولا تشفوا بعضها على بعض، ولا تبيعوا منها غائبا بناجز"(صحیح مسلم مع شرح الامام النوویؒ ۱۱/ ۹)(سونے کو سونے سے مت فروخت کرو مگر برابر برابر، اور ان میں سے بعض کو بعض سے کم وبیش نہ کرو، اور چاندی کو چاندی سے نہ فروخت کرو مگر برابر برابر، اور ان میں سے بعض کو بعض سے کم وبیش نہ کرو، اور ان میں سے کسی ادھار کو نقد سے نہ فروخت کرو)۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی حدیث میں ہے:" الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل سواء بسواء يدا بيد فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذا كان يدا بيد"(صحیح مسلم مع شرح الامام النوویؒ ۱۱/ ۱۴)، ان احادیث اور ان کی روشنی میں فقہاء کی تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ بیع صرف کا اطلاق اس بیع پر ہوتا ہے جس میں ثمن حقیقی یعنی سونے چاندی کی بیع ثمن حقیقی سے ہو، اور اس کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے بدلین پر قبضہ مجلس بیع میں ہی تام ہو، اور بدلین کی جنس ایک ہو تو ان کے وزن مساوی ہوں کم وبیش نہ ہوں، خواہ وہ کسی شکل میں ہوں۔

اس تفصیل سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ کاغذی کرنسی کے ذریعہ سونے یا چاندی کی خرید، بیع صرف متصور نہیں ہوگی، اس پر بیع صرف کی تعریف صادق نہیں آتی، فلوس کے ذریعہ سونے چاندی کی بیع کے بارے میں بیع صرف نہ ہونے کی صراحت فقہاء سے منقول ہے،"وبيع الفلوس بالدراهم ليس بصرف "(المبسوط للسرخسی ۱۴/ ۲۴)(اور فلوس کی بیع دراہم سے بیع صرف نہیں ہے)، "وإن اشترى خاتم فضة أو خاتم ذهب ، فيه فص أو ليس فيه فص، بكذا فلسا ، و ليست الفلوس عنده ، فهو جائز إن تقابضا قبل التفرق أو لم يتقابضا ،لأن هذا بيع و ليس بصرف"(المبسوط للسرخسی ۱۴/ ۲۴)، لہذا:

الف - جب روپئے سے سونا یا چاندی خریدا جائے تو اس صورت میں بدلین پر مجلس میں قبضہ لازم نہیں، بلکہ اس صورت میں یہ جائز ہوگا کہ ان میں سے ایک نقد ہو اور دوسرا ادھار ہو، اس لئے کہ کاغذی روپئے میں سونے یا چاندی کا جزو نہیں پایا جاتا، نیز یہ موزون ومکیل کی قبیل سے بھی نہیں ہے، لہذا اس کی حیثیت سونے و چاندی کے ماسوا دھاتوں سے ڈھالے گئے فلوس اور پیسیوں کی ہوگی، کاغذی کرنسی کے بارے میں مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ''تکملہ فتح الملہم ''میں لکھتے ہیں: ''**أن المختار عندنا قول من يجعلها أثماناً اصطلاحية ، و حينئذ يجرى عليها أحكام الفلوس النافقة، سواء بسواء** ''(تکملۃ فتح الملہم ۱/ ۵۸۹، کتاب المساقاۃ والزراعۃ، حکم الاوراق النقدیۃ، المحیط البرہانی، ۶/ ۳۲۴، فتاوی البزازیہ علی ہامش عالمگیریہ ۵/ ۵، ردالمحتار علی الدرالمختار ۷/ ۵۲۲)۔

ب- حکومت کی طرف سے کسی سامان کا ریٹ اور نرخ طے کرنا شریعت میں مرغوب اور پسندیدہ عمل نہیں ہے، حضرت انسؓ سے منقول ہے:'' **قال الناس :يا رسول الله ،غلا السعر فسعر لنا، فقال رسول الله ﷺ إن الله هو المسعر القبض الباسط الرازق ،وإنى لأرجو أن ألقى الله وليس أحد منكم يطالبنى بمظلمة فى دم و لا مال**'' (سنن ابی داؤد: ۳/ ۲۷۲، کتاب البیوع، باب فی التسعیر، ح ۳۴۵۱، سنن الترمذی: ۳/ ۵۹۶، کتاب البیوع، باب ماجاء فی التسعیر، ح ۱۳۱۴، وقال ھذا حدیث حسن صحیح)، اور غالبا اسی مصلحت سے بیع میں تلقی جلب اور بیع حاضر لباد سے منع کیا گیا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:'' **لا يبيع حاضر لباد ، دعوا الناس يرزق الله بعضهم من بعض**'' ،چنانچہ امام نوویؒ لکھتے ہیں:''**إن الشرع ينظر فى مثل هذه المسائل الى مصلحة الناس ، و المصلحة تقتضى أن ينظر للجماعة على الواحد** ''(صحیح مسلم مع شرح الامام النووی ۱۰/ ۱۶۳، ۱۶۵)۔

نرخ کا طے کرنا مصلحت عامہ کے خلاف ہے، اسی لئے فقہاء نے تسعیر یعنی نرخ طے کرنے کو مکروہ لکھا ہے (ردالمحتار علی الدر المختار ۹/ ۵۷۳، مجمع الانہر ۴/ ۲۱۵، الکراھیۃ المحیط البرہانی ۸/ ۲۶۸ فصل ۲۵، بیاعات مکروھۃ، فتاوی ہندیہ ۳/ ۲۱۴)، لہذا سونے یا چاندی کو عالمی یا ملکی مقررہ نرخ سے کم یا زیادہ قیمت میں خرید وفروخت کرنا درست ہوگا، اور اس پر ربا تفاضل کا اطلاق نہیں ہوگا۔

۲- زیورات بنانے والے کاریگر زیورات کے تاجروں سے ایک متعینہ وزن میں سونا لیتے ہیں اور چند دنوں میں اس کے بدلے سونے سے بنائے ہوئے اتنے ہی وزن کے زیورات انہیں واپس کرتے ہیں، جبکہ زیور بنانے میں دوسری دھاتوں کی آمیزش ضروری ہوتی ہے، کیونکہ سونا سونے سے براہ راست نہیں جڑتا، لہذا جتنے وزن کا خالص سونا لیا جاتا ہے اتنا خالص واپس نہیں ہوتا، بلکہ آمیزش کے ساتھ اتنا وزن ہوتا ہے، اور زیور تیار کرنے میں جو کٹنگ اور ذرات اس آمیزش کے بقدر نکلتے ہیں وہی ان کی اجرت ہوتی ہے۔

الف-تاجر اور کاریگر کے مابین یہ معاملہ بیع متصور نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس معاملہ کے وقت کاریگر کے پاس سونا نہیں ہوتا، صحت بیع کی شرائط میں مذکور ہے:'' **و منها : وهو شرط انعقاد البيع للبائع أن يكون مملوكا للبائع عند البيع، فإن لم يكن لا ينعقد وإن ملكه بعد ذلك بوجه من الوجوه إلا السلم خاصة**'' (بدائع الصنائع: ۴/ ۳۴۰)، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:'' **لا يحل سلف و بيع، ولا شرطان فى بيع، ولا ربح ما لم تضمن ولا بيع ما ليس عندك**'' (سنن ابی داؤد ۳/ ۲۸۳، کتاب البیوع، باب فی الرجل یبیع مالیس عندہ، ح ۳۵۰۴- ۳۵۰۳)، اور اگر اس کی ملکیت میں دوسرا سونا موجود ہو بھی تو اس

لئے درست نہیں کہ بدلین پر مجلس میں تقابض نہیں ہوتا، اوراو پر مذکور ہو چکا ہے کہ سونے کی بیع سونے سے ہوتو وزن کے برابر ہونے کے ساتھ مجلس عقد میں بدلین پر قبضہ بھی شرط ہے،لہذا یہ صورت اجارہ قرار پائے گی، بیع کی صورت نہیں بنتی۔

ب-البتہ زیورات کو بنانے کی اجرت میں تاجر یا بنوانے والے کی طرف سے دیئے گئے سونے میں سے جوڑائی کے لئے دوسری دھاتوں کی آمیزش،کٹنگ اور چھلائی کے نتیجہ میں نکلے ہوئے سونے کے ذرات اور ٹکڑوں کو اجرت قرار دینا درست نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ مبہم ہیں ان کی مقدار غیر معلوم، مفضی إلی النزاع اور خداع کو مشتمل ہے، کاریگر اپنے نفع کے لئے چاہے گا کہ زیادہ سے زیادہ دوسری دھات کی آمیزش اور کٹنگ کرے، اس میں تاجر کا نقصان تو نہیں ہوتا، کیونکہ جتنا وزن سونا وہ دیتا ہے اتنے وزن کا اس کو زیور مل جاتا ہے اور وہ اتنے وزن سونے کی قیمت میں اس کو فروخت کرتا ہے، نقصان عام آدمی کا ہوتا ہے جو اس کو خریدتا ہے، یا جو عام آدمی اپنا سونا دے کر بنواتا ہے۔

صحت اجارہ کے لئے اجرت کا معلوم و متعین ہونا شرط ہے، اجارہ کی تعریف ہے: " **هی بیع منفعة معلومة بأجرة معلومة** " (کنز الدقائق مع البحر الرائق ۵/۸، نیز دیکھئے: رد المحتار علی الدر المختار ۹/۷، کتاب الاجارۃ)۔

مذکورہ مسئلہ میں اجارہ کے صحیح ہونے کی یہ صورت ہے کہ زیور کے بنوانے کی اجرت الگ سے روپئے میں طے کی جائے، اور کاریگر بچا ہوا سونا تاجر یا اس کے مالک کو واپس کردے، یا اگر سونے کی شکل میں اجرت لینا ہے تو اسے طے ہونا چاہئے کہ اجرت میں اتنا گرام سونا بنوائی لیں گے، اور تاجر یا بنوانے والا اتنے گرام سونا اس کو اجرت میں ادا کرے۔

٣- سونے کے پرانے زیور کا سونے کے نئے زیور سے تبادلہ وزن میں کم و بیش کے ساتھ جائز نہیں، کیونکہ یہ حقیقۃ سونے کی بیع سونے سے ہے جو بیع صرف کی ایک شکل ہے (فتح القدیر مع الہدایہ ۲۵۸/۶)، جس میں تفاضل اور کم و بیش سے منع کیا گیا ہے، " **فإن باع فضة بفضة أو ذهبا بذهب لا يجوز إلا مثلاً بمثل و إن اختلفا فی الجودة و الصیاغة** " (ہدایہ مع فتح القدیر ۲۵۹/۶)۔

اس کے جواز کی یہ صورت ہے کہ پرانے زیور کو روپئے سے خریدا جائے، چاہے جس بھاؤ میں باہم رضامندی سے طے ہو جائے، پھر نئے زیور کی روپئے سے فروخت کا الگ معاملہ کیا جائے، اور اس کا ریٹ الگ کچھ زائد طے کیا جائے، اس طرح یہ دونوں معاملے الگ ہونگے، جس میں سونے کی بیع سونے سے تفاضل کے ساتھ ہونا لازم نہیں آئے گا، ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: " **إن رسول الله ﷺ استعمل رجلا علی خیبر، فجاءه بتمر جنیب، فقال رسول الله ﷺ: أ كل تمر خیبر هكذا ؟ قال ؛ لاو الله یا رسول الله، إنا لنأخذ الصاع من هذا بالصاعین و الصاعین بالثلاثة، فقال رسول الله ﷺ: لا تفعل، بع الجمع بالدراهم، ثم ابتع بالدراهم جنیباً** " (صحیح بخاری مع فتح الباری ۳۹۹/۴، نیز دیکھئے: شرح صحیح مسلم للامام النووی ۲۱/۱۱، کتاب المساقاۃ، باب الربا)۔

٤- کمیوڈیٹیز ایکسچینج میں دوسری اشیاء کے ساتھ سونے چاندی کی بھی خرید و فروخت ہوتی ہے جس میں خریدار آرڈر دیتا ہے، اور جو کچھ اس نے آرڈر دیا ہے اس کے آرڈر کے بقدر وہ شئی اس کے نام سے محفوظ کردی جاتی ہے۔

الف: اگراس طور پر سونے کی خرید کی گئی، اور سونا فروخت کرنے والے ادارے کے پاس مثلاً ایک کلو سونا ہے اور اس نے دوسوافراد کو پچاس پچاس گرام سونا فروخت کیا لیکن ان سب کا خریدا ہوا سونا، سونے کی اینٹ میں شامل ہے، یا

ب: ہر خریدار کے لئے اس کی خریدی ہوئی مقدار کا سکہ یا بسکٹ الگ سے موجود ہے، اور اس کو کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں خریدار کے نام سے درج کر دیا گیا ہو، دونوں صورتوں میں خریدار کے نام صرف اندراج سے شرعی طور سے اس کا سونے پر قبضہ متصور نہیں ہوگا، اس لئے کہ شرعی طور پر قبضہ سے مراد یہ ہے کہ اپنی ملکیت سے دستبردار ہوکر صاحب معاملہ کے حوالہ اس طرح کر دی جائے کہ اس کے لئے اس میں تصرف سے کوئی رکاوٹ نہ ہو (بدائع الصنائع ۴/ ۴۹۸)۔

۵- کاروبار کی یہ صورت کہ مثلاً ایک مہینہ کے لئے ادھار ایک مخصوص مقدار جیسے دس تولے سونے کا سودا کرلیا جاتا ہے، خریدار سونے پر قبضہ نہیں کرتا، جب ادائیگی کی تاریخ آتی ہے، تو سونے کے اس دن کے نرخ کو دیکھ کر خرید کے دن اور ادائیگی کے دن سونے کے نرخوں میں جو فرق ہے اس کی ادائیگی کر دی جاتی ہے، مثلاً خریدنے کے دن سونے کا نرخ پانچ ہزار روپئے فی تولہ تھا، اور ادائیگی کے دن پانچ ہزار ایک سو روپئے ہو گیا تو خریدار بائع کو ایک سو روپئے دے گا، اور اگر اس دن چار ہزار نو سو تھی تو بائع خریدار کو ایک سو روپئے ادا کرے گا، نہ تو مشتری سونے پر قبضہ کرتا ہے، اور نہ بائع قیمت پر قبضہ کرتا ہے، بس نرخ میں کمی بیشی سے جو فرق آتا ہے اس کا لین دین کر لیتے ہیں۔

خرید وفروخت کی یہ صورت درست نہیں ہے، اس صورت میں قیمت بھی ادھار ہے اور مبیع بھی ادھار ہے، جبکہ فلوس کے بدلہ سونا یا چاندی کی خرید وفروخت میں یہ شرط ہے کہ بدلین میں سے ایک پر قبضہ ضروری ہے، "**لو با ع فلوسا بمثلها أو بدراهم أو بدنانير فإن نقد أحدهما جاز وإن تفرقا بلا قبض أحدهما لم يجز**" (الدر المختار مع رد المحتار ۷/ ۴۱۴، رد المحتار علی الدر المختار ۷/ ۵۲۲، فتاوی البزازیہ علی ہامش عالمگیریہ ۵/ ۵) اور دین کی بیع دین سے ممنوع ہے، نیز یہ صورت " ربح مالم یضمن " کو بھی مشتمل ہے، جس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے: "**لا يحل سلف و مبيع ، ولا شرطان في بيع ، ولا ربح مالم يُضمن و لا بيع ما ليس عندک**" (سنن الترمذی ۳/ ۵۲۷، کتاب البیوع، باب ماجاء فی کراھیۃ بیع مالیس عندک)۔

۶- بہت سی دفعہ سونے کی قیمت میں متوقع اضافہ کا سونے چاندی کے تاجروں کو علم ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں وہ سونے کو روک لیتے ہیں تاکہ قیمت بڑھنے کے بعد اسے فروخت کریں، سونا اس پہلو سے اشیائے ضروریہ میں شامل ہے کہ ثمن خلقی ہونے کے لحاظ سے وہ ذریعہ تبادلہ ہے، اس کو روک لینے کی وجہ سے سونے کی قیمت تو بڑھتی ہی ہے، اس گرانی کا اثر دوسری اشیاء پر بھی پڑتا ہے۔

اس مقصد سے کسی سامان کو روکے رکھنا کہ قیمت میں اضافہ ہونے پر اسے فرخت کرے گا، احتکار کہلاتا ہے، احتکار کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے: "**من احتكر فهو خاطئ**" (جس نے احتکار کیا وہ گنہگار ہے) اور ایک دوسری حدیث کے الفاظ ہیں: "**لايحتكر الا خاطئ**" (صحیح مسلم ۱۱/ ۴۳، باب السلم تحریم الاحتکار فی الاقوات)، اور ایک ان الفاظ میں منقول ہے: "**المحتكر ملعون ، والجالب مرزوق**" (مصنف عبدالرزاق ۸/ ۲۰۴، باب الحکرۃ)، اس حدیث کے مدنظر فقہاء نے احتکار کو مکروہ کہا ہے: " آدمی اور چوپائے کی غذا کا احتکار مکروہ ہے، جبکہ ایسے شہر میں ہو جہاں کے لوگوں کو ان اشیاء کا روکے رکھنا مضر ہو اور یہی حکم تلقی

رکبان کا بھی ہے، اور اگر اس سے ان کو ضرر لاحق نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، اور غذاؤں کے ساتھ احتکار کے مکروہ ہونے کی تخصیص، امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے، اور امام ابو یوسفؒ کا قول یہ ہے کہ جن اشیاء کا روکے رکھنا عوام کے لئے مضر ہو اس کا روکنا احتکار (مکروہ) ہوگا، اگر چہ وہ سونا یا چاندی یا کپڑا ہو'' (ہدایہ ۴/ ۴۵۴، کتاب الکراہیۃ)، ایسی حالت میں جبکہ سونے کے احتکار کی وجہ سے دوسری اشیاء کی قیمتیں بھی متاثر ہوتی ہیں جن میں غذائی اشیاء بھی شامل ہیں سونے کا احتکار بھی مکروہ ہوگا، امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک تو واضح ہے، امام ابوحنیفہؒ کے قول پر بھی مکروہ ہوگا، اس لئے کہ اس کا اثر غذائی اشیاء کی قیمتوں پر بھی پڑتا ہے۔

۷- ملک میں سونے کا بڑا حصہ تو قانونی طور پر آتا ہے، اور سونا لانے والا اس سے متعلق واجبات کو ادا کرتا ہے، دوسرا راستہ اسمگلنگ کا ہے، یہ طریقہ غیر قانونی ہے، اس میں سونا لانے والا ان واجبات کو ادا نہیں کرتا جو حکومت نے سونے کی درآمد سے متعلق مقرر کئے ہیں، ہر دو طریقے سے آنے والے سونے کا خریدنا اور پھر اس کو فروخت کرنا جائز ہے، ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی ملکیت میں جیسے چاہے تصرف کرے، اپنے مال سے جہاں سے جو سامان چاہے خریدے، اور جہاں چاہے اسے فروخت کرے، تجارت کرنا حلال اور جائز ہے '' **كل يتصرف في ملكه كيف شاء**'' (ہر شخص اپنی ملکیت میں جیسے چاہے تصرف کرے گا) (شرح المجلۃ المادۃ: ۱۹۲)، ''کسی شخص کو اپنی ملکیت میں تصرف سے روکا نہیں جائے گا، مگر یہ کہ اس کا تصرف کسی غیر کے لئے کھلے طور پر نقصان پہنچائے'' (ایضاً، المادۃ: ۱۱۹۷)، لہذا اس کا لایا ہوا سونا دونوں صورتوں میں اس کی ملکیت ہوگا، اور اس میں تصرف کا حق اسے حاصل ہوگا۔

البتہ اسمگلنگ کے غیر قانونی ہونے کی وجہ سے اس کے ذریعہ اپنے آپ کو پریشانی میں ڈالنا ہے، اس لئے اس سے بچنا بھی لازم ہے، ''**لا تلقوا بأيديكم الى التهلكة**'' (سورۂ بقرہ: ۱۹۵) (اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو)، اور کسی ملک کا شہری ہونا اس کے قوانین کا پابند ہونے کے مرادف ہے، اور حاکم کی اطاعت لازم ہے جبتک وہ کسی شرعی حکم کے مرادف نہ ہو، مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں: ''لیکن (امیر کی) اس طاعت کے لئے جیسا کہ یہ شرط ہے کہ امیر کا حکم معصیت کی قبیل سے نہ ہو، اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ وہ حکم مصلحت عوام کے لئے صادر ہوا ہو، نہ کہ خواہش نفس اور ظلم کے طور پر، اس لئے کہ حاکم کی اطاعت محض اس کی ذات کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس حیثیت سے وہ واجب الاطاعت ہے کہ وہ عامۃ الناس کی مصلحتوں کا ذمہ دار ہے'' (تکملۃ فتح الملہم ۳/ ۳۲۳)، اس لئے اپنے کو ہلاکت، اور قانونی گرفت میں آنے سے بچانا بھی لازم ہے، یہ طریقہ مستحسن نہیں ہوگا، مگر اسمگلنگ غیر قانونی ہونے کے باوجود اس کے ذریعہ لایا ہوا سونا کسب خبیث نہیں کہا جائے گا۔

۸- پلاٹین جسے سفید سونا کہا جاتا ہے اور اس کا شمار مہنگی دھاتوں میں ہوتا ہے، اس سے زیورات بھی بنائے جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس پر سونے کے احکام منطبق نہیں ہونگے، اس کا حکم عروض اور سامان کا ہی ہوگا، تجارت کے لئے ہونے کی صورت میں زکاۃ کی شرائط پائے جانے پر اس میں زکاۃ فرض ہوگی، اس کے زیورات پر زکاۃ نہیں ہوگی، ''**لا زكاة في اللآلي و الجواهر و إن ساوت ألفا اتفاقا، إلا أن تكون للتجارة والأصل أن ما عدا الحجرين والسوائم إنما يزكى بنية التجارة**''

(الدرالمختار مع ردالمحتار ۳/ ۱۹۴) (موتی و جواہرات میں بالاتفاق زکاۃ نہیں ہے اگر چہ وہ ہزاروں کے مساوی ہوں، مگر یہ کہ تجارت کی نیت سے ہوں، سونا چاندی اور سوائم کے علاوہ میں زکاۃ کے لئے اصل یہ ہے کہ تجارت کی نیت سے ہوں)، سونے چاندی کی طرح اسے ثمن کی حیثیت بھی نہیں ہوگی، لہذا اس کے باہم تبادلہ یا سونے چاندی کے ساتھ اس کے تبادلہ پر بیع صرف کا اطلاق بھی نہیں ہوگا اور نہ اس کے احکام اس پر منطبق ہوں گے۔

☆☆☆

سونا چاندی کی تجارت اور کرنسی نوٹ کے مسائل

مولانا محمد ابو بکر قاسمی☆

اللہ تعالی نے بیع وشراء اور خرید وفروخت کو "احل اللہ البیع" فرما کر حلال ومشروع قرار دیا ہے اور "حرم الربوا" فرما کر سود وربا کو ناجائز وحرام قرار دیا ہے، پس ربا کیا ہے، اس کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے اشیاء ستہ سونا چاندی، گیہوں، جو، نمک اور کھجور کا ذکر فرما کر "مثلاً بمثل سواء بسواء یدا بید" کی قید لگا کر دست بدست، برابر سرابر خرید وفروخت کرنے کو جائز قرار دیا لیکن کمی وزیادتی اور نقد ادھار فروخت کرنے سے منع فرمایا، ہاں اختلاف جنس کی صورت میں دست بدست کمی زیادتی کے ساتھ خرید وفروخت کو درست قرار دیا، اسی طرح صراحت کے ساتھ ایک صاع کھجور دو صاع کھجور دے کر خریدنے کو حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا اور اسے سراسر سود قرار دیا، ہاں کھجور کو دراہم سے فروخت کر کے پھر اس سے کمی زیادتی کے ساتھ دوسری کھجور خریدنے کی آپ ﷺ نے اجازت دی، صاحب مشکوۃ نے باب الربوا میں اس سلسلہ کی احادیث کو تفصیل سے ذکر کیا ہے (ملاحظہ ہو: مشکوۃ ص ۲۴۴، ۲۴۵)۔

مذکورہ احادیث کو ملحوظ رکھ کر حضرات مجتہدین نے سود وربا کی حرمت کی علت کا استنباط کیا ہے، حضرت امام ابو حنیفہؒ اور مشہور قول کے مطابق امام احمدؒ کے نزدیک ربا کی علت قدر وجنس کا اتحاد ہے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک طعم وثمنیت ہے اور امام مالک کے نزدیک طعم وادخار ہے (حاشیہ مشکوۃ ۱/ ۲۴۴)، "**قوله الذهب بالذهب هذا الحديث هو الأصل فى باب الربوا فإنه ذكر الأشياء الستة وترک ما سواها على القياس فقاس المجتهدون واستنبطوا العلة فعند ابى حنيفة القدروالجنس وكذا القول الأشهر عن أحمد وعند الشافعى الطعم والثمنية وعند مالک الطعم والادخار**" (لمعات حاشیہ مشکوۃ ۱/ ۲۴۴)۔

احادیث نبویہ میں مذکور اشیاء ستہ میں مکیلی وموزونی چیزوں کا ذکر ہے، لہذا عددی چیزوں کو کمی زیادتی کے ساتھ فروخت کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ عوضین میں سے ایک پر قبضہ ہو جائے، حیوان کو حیوان کے بدلے ادھار فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے، البتہ ایک اونٹ کو دو اونٹ کے بدلہ خریدنا خود حضور پاک ﷺ سے ثابت ہے (مشکوۃ شریف ۱/ ۲۴۵)، اس سے پتہ چلا کہ اگر دونوں جانب مبیع وثمن ادھار ہو تو ممنوع ہے اور اگر ایک نقد ہو اور دوسرا ادھار تو درست ہے، اور اگر جنس وقدر دونوں میں اختلاف ہو تو حضرات فقہاء نے نقد وادھار ہر طرح خرید وفروخت کرنے کو جائز قرار دیا ہے، اور اگر قدر میں اتحاد ہو اور جنس میں اختلاف ہو تو دست بدست نقد کمی زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا درست ہے لیکن ادھار خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔

☆ مفتی ومدرس مدرسہ اسلامیہ شکر پور، بھرواره دربھنگہ (بہار)۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے مالا بدمنہ کے کتاب التقوی میں سود کی اقسام وعلل کو تفصیل سے ذکر کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

اگر ہر دو چیز (اتحاد جنس، اتحاد قدر) نیافتہ شود ہم فضل حلال باشد و ہم نسیئہ مثلاً گندم را عوض زر یا آہن فروختہ شود فضل ونسیئہ ہر دو جائز است کہ این جانہ اتحاد جنس است ونہ اتحاد قدر کہ گندم کیلی است وزر وآہن وزنی وہمچنیں اگر زر را عوض آہن فروختہ شود ہم ہر دو چیز منتفی است نہ اتحاد جنس است ونہ اتحاد قدر کہ میزان وسنجات زر دیگر است ومیزان وسنجات آہن دیگر وہمچنیں اگر گندم را عوض آہک فروختہ شود کہ کیلی گندم دیگر است وکیل آہک دیگر (ملاحظہ ہو مالا بدمنہ رص ۱۰۹، ۱۱۰ مطبوعہ سبز رنگ کتاب گھر دہلی)۔

اموال ربویہ میں حرمت سود کی مذکورہ فقہی علتوں کو ملحوظ رکھ کر فقہ اکیڈمی کے سوالنامہ کا جواب لکھا جاتا ہے:

۱-سونا چاندی کو باہم صرف نقد فروخت کرنا:

سونا کو سونا کے بدلے یا چاندی کو چاندے کے بدلہ بیع کیا جائے تو بیع صرف کا تحقق ہوگا اور اس صورت میں نقد اور دست بدست عوضین پر قبضہ بھی ضروری ہے اور وزن میں برابری بھی ضروری ہے، اور سونا کو چاندی کے بدلے یا چاندی کو سونا کے بدلہ فروخت کرنے میں برابری تو ضروری نہیں ہے، البتہ عوضین پر مجلس عقد میں قبضہ ضروری ہے، "**عن عبادة بن الصامت أن رسول الله ﷺ قال: لا تبيعوا الذهب بالذهب ولا الورق بالورق ولا البر بالبر ولا الشعير بالشعير ولا التمر بالتمر ولا الملح بالملح إلاسواء بسواء عينا بعين يدا بيد ولكن بيعوا الذهب بالورق والورق بالذهب والبر بالشعير والشعير بالبر والتمر بالملح والملح بالتمر يدا بيد كيف شئتم" رواه الشافعي** (مشکوۃ ر ۲۴۵)۔

گویا سونا چاندی کو کمی بیشی کے ساتھ نقد بیچنا تو جائز ہے لیکن ادھار بیچنا جائز نہیں ہے۔

الف-سونا چاندی کو روپے یا نوٹ کے عوض فروخت کرنا:

البتہ سونا چاندی کو نوٹ یا روپئے کے عوض فروخت کرنا شرعا بیع صرف نہیں ہے، کیونکہ سونا چاندی وزنی چیز ہے وزن سے فروخت کیا جاتا ہے، اور روپئے یا نوٹ کا شمار عددی چیزوں میں ہوتا ہے، لہذا مروجہ نوٹ اور اس کے کے عوض سونا اور چاندی کی خرید و فروخت شرعاہر طرح جائز ہے، اور اگر روپئے یا نوٹ کو وزنی مانا جائے تب بھی اتحاد قدر نہیں ہے کیونکہ سونے چاندی کا ترازو اور باٹ الگ ہے اور لوہے گلٹ وغیرہ کا ترازو اور باٹ الگ ہے، اس لئے دونوں میں نہ اتحاد جنس ہے اور نہ ہی اتحاد قدر ہے، اس لئے تفاضل ونسیئہ دونوں طرح ان کی خرید وفروخت مروج سکے اور نوٹ سے جائز ہے، یاد رہے کہ سونا چاندی کا شمار ثمن خلقی میں ہوتا ہے اور مروجہ نوٹ وسکہ کا شمار ثمن عرفی واصطلاحی میں ہوتا ہے، اور گلٹ کے سکے کی تو خود مالیت ہوتی ہے، لیکن مروجہ نوٹ کی تو خود مالیت نہیں ہوتی، لیکن سرکار کے اسے شائع کرنے اور اس کے اوپر مثلاً "میں دھارک کو سو روپئے ادا کرنے کا وچن دیتا ہوں" لکھوا دینے کے سبب اس کی حیثیت جتنے عدد کا وہ نوٹ ہے اتنے سکے کے ہم وزن اسے مانا گیا ہے، لہذا باہم سکوں اور نوٹوں کو کمی بیشی کے ساتھ یا ادھار بیچنا جائز نہیں ہے، بلکہ ان کا باہم تبادلہ سکے کے عوض یا نوٹ کے عوض فقط برابر سرابر ہی جائز ہے، لیکن ہماری موجودہ حکومت کی نوٹ بندی نے بتا دیا کہ ثمن عرفی کو ثمن خلقی کے درجہ میں قرار سلسلہ سے خالی نہیں ہے، اس لئے میرے نزدیک موجودہ نوٹ درحقیقت مروجہ سکہ کا

عوض ہے اور عددی ہے، اس لئے کمی بیشی کے ساتھ اس کا تبادلہ جائز ہے، جیسا کہ غیر ملکی کرنسیوں کے ساتھ ہوتا ہے، حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ نے ''نظام الفتاوی'' میں نوٹ تبدیل کرنے کو جائز لکھا ہے، حضرت مفتی صاحب موصوف کی تحریر ملاحظہ ہو:

الجواب باللہ التوفیق:

''نوٹ (کاغذی نوٹ) نہ کیلی ہے اور نہ وزنی، بلکہ عددی ہے، اس لئے کمی بیشی کے ساتھ بدلنا جائز ہے''، فقط واللہ تعالیٰ اعلم (نظام الفتاوی)۔

حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے ''احسن الفتاوی'' جلد ششم ''کتاب البیوع'' کے تحت نوٹ سے سونے اور چاندی کی بیع کے جواز کے سلسلہ میں ایک فتوی لکھا ہے جو مع سوال وجواب حسب ذیل ہے:

سوال: آج کل کے مروجہ نوٹ اور سکے جو حکومت کی طرف سے رائج ہیں جن کے ساتھ لوگ بیع وشرا اور لین دین کرتے ہیں کیا یہ سونے چاندی یا صرف سونے یا صرف چاندی کے حکم میں ہیں کیا ان کے ساتھ سونے اور چاندی کی بیع بالفضل بالنسیئۃ یا صرف بالفضل یا صرف بالنسیئہ یا صرف بالنسیئۃ جائز ہے یا نہیں ہے؟

جواب:

رائج نوٹ اور سکے سونے اور چاندی کے حکم میں نہیں نہ ہی سونے چاندی کی رسید ہیں، لہذا ان سے بیع ذہب وفضہ بہر کیف جائز ہے، تفاضل ونسیئہ بھی جائز ہے، البتہ حرمت ربوا بصورت تبادل بالجنس واقع ہوگی اور فرضیت زکوۃ میں یہ سکہ بحکم فضہ ہے، کما قالوا فی الفلوس الرائجۃ، واللہ تعالیٰ اعلم (احسن الفتاوی ۶/ ۵۱۸)۔

ب- سونے چاندی کو حکومت کے مقرر کردہ نرخ سے زیادہ یا کم قیمت پر فروخت کرنا:

سونے چاندی کو حکومت یا انٹرنیشنل مارکیٹ یا ملکی مارکیٹ کے طے شدہ نرخ سے زیادہ یا کم قیمت پر خرید وفروخت کرنا شرعا ہر طرح جائز ہے، نسیئہ یعنی ادھار بھی اور تفاضل کے ساتھ یدا بید ابھی- کیونکہ یہاں ربا کی علت اتحاد قدر اتحاد جنس دونوں مفقود ہے، یاد رہے کہ مبیع وثمن میں سے ایک ادھار ہو ورنہ دونوں کے ادھار ہونے کی صورت میں بیع الکالی بالکالی ہونے کی وجہ سے بیع جائز نہ ہوگی، فقط واللہ تعالیٰ۔

۲- الف- زیورات بنانے والے کاریگر تاجروں سے متعینہ وزن میں سونا لے کر چند دنوں کے بعد اس میں دوسری دھات آمیزش کر کے زیور تیار کرنا اور اس کی اجرت میں آمیزش کی ہوئی دھات کے ہموزن سونا وضع کر لینا شرعا بیع نہیں بلکہ اجارہ ہے، اور بظاہر یہ اجارہ قفیز طحان والی صورت کے مماثل ہے، لیکن مفضی الی النزاع نہ ہونے اور اس کا عرف وتعامل ہونے کے سبب ایسا اجارہ شرعا جائز ہے، **''قال اللہ تعالی وأمر بالعرف واعرض عن الجاهلين''** (اعراف:۱۹۹)، **''يريد اللہ بكم اليسر ولا يريدبكم العسر''** (بقرہ:۱۸۵)، **''يريد اللہ أن يخفف عنكم''** (نساء:۲۸)۔

ب- سونے کے زیورات تیار کرنے میں دیگر دھات کی آمیزش کے سبب اس کے ہم وزن جو سونے کے ذرات فاضل بچتے ہیں اسے اجرت قرار دینا شرعا درست ہے، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔

۳-سونے کے پرانے زیورات کا نئے زیورات سے تبادلہ کمی زیادتی کے ساتھ کرنا:

سونے کے پرانے زیورات کے تبادلہ میں نیا زیور کمی زیادتی کے ساتھ لینا دینا شرعا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہاں اتحاد جنس اور اتحاد قدر دونوں موجود ہے، لہذا کمی زیادتی کے ساتھ نقد ادھار دونوں طرح معاملہ کرنا شرعا جائز نہیں ہے، حدیث نبوی میں صراحت کے ساتھ اس کی ممانعت موجود ہے۔

"عن ابی سعید الخدریؓ لا تبیعوا الذهب بالذهب إلا مثلا بمثل وفی روایة فمن زاد واستنزاد فقد أربی الآخذ والمعطی فیه سواء" (رواہ مسلم، مشکوۃ ۱/۲۴۴)۔

اگر کسی کو پرانی زیورات کے بدلہ نیا زیور لینا ہو تو پہلے اسے روپئے سے فروخت کردے پھر جو روپئے حاصل ہوں ان سے نیا زیور خریدے تو ایسا کرنا شرعا جائز ہے، جیسا کہ جید وردی کھجور کی باہم خرید وفروخت کو کمی زیادتی کے ساتھ کرنے کو حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا لیکن کھجور کو دراہم سے فروخت کرکے پھر دراہم سے دوسری کھجور کے خریدنے کو آپ ﷺ نے درست قرار دیا۔

"عن أبی سعید وأبی هریرة أن رسول الله ﷺ استعمل رجلا علی خیبر فجاء بتمر جنیب فقال أکل تمر خیبر هکذا قال لا والله یا رسول الله إنا لناخذ الصاع من هذا بالصاعین والصاعین بالثلاث فقال لا تفعل بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنیبا وقال فی المیزان مثل ذلک متفق علیه، وعن أبی سعید قال جاء بلال إلی النبی ﷺ بتمر برنی فقال له النبی ﷺ من أین هذا قال کان عندنا تمر ردی فبعت منه صاعین بصاع فقال أوّه عین الربوا عین الربوا لا تفعل ولکن إذا اردت أن تشتری بفع التمر ببیع آخر ثم اشتریه متفق علیه" (مشکوۃ/۲۴۵)۔

۴-آرڈر دے کر سونا خریدنا کیسا ہے؟

آرڈر دے کر سونا خرید کر اپنے ریکارڈ رجسٹر میں محفوظ کرلینے سے بھی شرعا قبضہ کا تحقق ہوجائے گا، بشرطیکہ کرنسی یا نوٹ کے عوض خریداری کا معاملہ طے ہوا ہو، اور فروخت شدہ مقدار کو سونے کی اینٹ سے علاحدہ کرکے رکھ دیا گیا ہو، **"قال الله تعالی إذا تداینتم بدین إلی اجل مسمی فاکتبوه"** (بقرہ:۲۸۲)، اور اگر فروخت شدہ سونے کی مقدار کو اس کی اینٹ یا سونے کے بسکٹ سے علاحدہ نہیں کیا گیا تو ایسی صورت میں فقط ریکارڈ رجسٹر میں لکھ دینے سے بیع کی تکمیل نہ ہوگی، کیونکہ مبیع وثمن دونوں کے ادھار والی بیع سے حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے حدیث پاک میں اس قسم کی بیع کا نام بیع الکالی بالکالی ہے، **"عن ابن عمر أن النبی ﷺ نهی عن بیع الکالی بالکالئی"** رواہ الدار القطنی (مشکوۃ ۱/۲۴۸)۔

۵- بغیر قبضہ کے فریقین کا سونے یا چاندی یا کسی اور چیز کو ادھار فروخت کرنا اور مبیع یا ثمن میں سے کسی ایک پر قبضہ کا نہ ہونا شرعا ممنوع ہے، اور فقہاء نے اسے بیع الکالئی بالکالئی قرار دے کر اسے ممنوع قرار دیا ہے اور حدیث نبوی ﷺ میں اس قسم کی بیع کی صراحت کے ساتھ ممانعت کی ہے، **"عن ابن عمر ان النبی ﷺ نهی عن بیع الکالئی بالکالئی"** رواہ الدار قطنی (مشکوۃ ۱/۲۴۸)، ہاں قیمت ادا کرکے بائع کو اپنا مبیع علاحدہ کرکے رکھنے کو کہہ دے اور بائع اس پر عمل کرے تو شرعا وہ بیع درست ہوگی۔

۶- قیمت میں متوقع اضافہ کے سبب سونے چاندی کا احتکار:

اشیائے خوردنی میں احتکار شرعاً ممنوع ہے، اگر اشیائے خوردنی کے علاوہ دیگر اشیاء میں احتکار کیا جائے اور قیمت میں متوقع اضافہ کے سبب اس کی سپلائی روک دی جائے تو شرعاً ایسا احتکار ممنوع نہیں ہے، چنانچہ احتکار کی ممانعت والی احادیث کے تحت مشکوۃ کے حاشیہ میں مذکور ہے، "**قوله من احتكر الاحتكار المحرم هو فى الأقوات خاصة بأن يشترى الطعام فى وقت الغلاء ولا يبيعه فى الحال بل يدخره ليغلو فاما إذا جاء من قريته أو اشتراه فى وقت الرخص وادخره وباعه فى وقت الغلاء فليس باحتكار وأما غير الأقوات فلا يحرم الاحتكار فيه بكل حال، طيبى**" (حاشیہ مشکوۃ ۲۵۰/)۔

۷-اسمگلنگ کے ذریعہ سونے چاندی کی خرید وفروخت:

جواز بیع کے لئے مبیع وثمن کا شرعاً مال متقوم ہونا ضروری ہے اگر کوئی فریقین کی باہمی رضامندی اور بیع کی ضروری شرطوں کا لحاظ رکھ کر کیا جائے تو شرعاً وہ جائز ہے، اسمگلنگ کا کاروبار ملکی قانون کی رو سے ممنوع ہے، اس کی خلاف ورزی عام لوگوں کی نگاہ میں عین ہتک حرمت کا سبب ہے جس سے بچنا چاہئے لیکن اگر کسی نے اس قسم کا سامان خرید لیا تو مال حرام کی خریداری کے تحت وہ نہیں آئے گا۔ اسمگلنگ والی بیع تقوی کے خلاف ہے، فتوی کے خلاف نہیں ہے۔

۸- پلاٹین کا حکم:

پلاٹین کو اگر ثمن عرفی کی جگہ اشیاء کے تبادلہ کے لئے اور ذخیرہ اندوزی کے لئے رکھا جاتا ہو تو مال تجارت کے حکم میں مان کر اس میں زکوۃ کا وجوب ہوگا اور حقیقی سونے کے حکم میں ہوگا، البتہ عقود کے سلسلہ میں اتحاد قدر وجنس کی صورت میں ربوا کا تحقق ہوگا اور اختلاف کی صورت میں نقد وادھار بیچنا جائز ہوگا۔

☆☆☆

سونے چاندی کی تجارت

مولانا مفتی محمد عثمان بستوی☆

سونے چاندی کی تجارت سے متعلق جو سوالات قائم کئے گئے ہیں ان میں پہلا سوال مروجہ کرنسی کے عوض سونے چاندی کی خرید وفروخت سے متعلق ہے کہ مروجہ کرنسی سے سونے کی تجارت بیع صرف میں داخل ہوگی یا نہیں؟ اس حکم کے متعین کرنے کے لئے مروجہ کرنسی کی شرعی حیثیت متعین کرنا لازم ہے، اس کے بغیر بیع صرف ہونے اور نہ ہونے کا حکم متعین نہیں ہوسکتا ہے، لہذا اولا مروجہ کرنسی کی شرعی حیثیت بیان کی جاتی ہے:

مروجہ کرنسی کا شرعی حکم:

مروجہ کرنسی کے حکم پر کئی دور گذرے ہیں، کسی زمانے میں مروجہ کرنسی کو ثمن خلقی کی رسید مان کر حکم لگایا گیا تھا کہ جب تک کرنسی سے کوئی مال یا سونا چاندی حاصل نہ کرلیا جاتا اس وقت تک زکوۃ کی ادائیگی کو صحیح نہیں مانتے تھے اور اس کرنسی سے سونے چاندی کی خریداری کو ناجائز کہتے تھے، پھر دوسرا دور یہ آیا کہ اس کو ثمن خلقی کے حکم میں رکھا گیا اور اس کے ذریعہ سے سونے چاندی کی خریداری پر بیع صرف کے احکام جاری کئے گئے چنانچہ عطر ہدایہ کے ضمیمہ میں مولانا سعید احمد لکھنوی بہت سے اقوال اور فتاوی وغیرہ اس سلسلے میں نقل کرتے ہیں، چنانچہ اپنے ایک فتوے میں وہ فرماتے ہیں کہ قول بسندیت حوالہ کا مقتضی یہ ہے کہ کسی صورت سے جائز نہ ہو، لیکن قول بمسکوکیت پر چونکہ عرفا وقانونا نوٹ ثمن خلقی اور بعینہ روپیہ اور جمیع احکام میں مثل روپیہ کے ہے، اس لئے مثل روپیہ سے اس کی خرید و فروخت برابری و کمی بیشی تینوں صورتوں سے جائز ہے، جبکہ عوضین مجلس عقد میں مقبوض ہوجائیں (تطہیر الاموال فی تحقیق الحلال والحرام رص ۲۲۵)۔

زمانہ حال میں کرنسی کا حکم:

زمانہ حال میں کرنسی کو ثمن اصطلاحی اور عرفی مان کر فلوس نافقہ کے حکم میں رکھا گیا ہے اور جو احکام فلوس نافقہ کے ہیں وہی احکام کرنسی کے بھی ہوں گے (فقہی مقالات ۱/ ۳۷، انعام الباری ۶/ ۳۳۵)، لہذا زمانہ موجودہ میں رائج کرنسی پر درج ذیل احکام نافذ ہوں گے:

۱- رائج کرنسی متعین کرنے سے متعین نہ ہوگی یعنی اگر متعین نوٹوں کے عوض معاملہ کیا جائے تو بھی نوٹوں کے بدلنے کا اختیار

☆ ریاض العلوم گورینی، جونپور (یوپی)۔

رہے گا، ''أما الفلوس فإن رائجة فکثمن والثمن من حکمه یصح التصرف به قبل قبضه فی غیر الصرف والسلم لأن الاستبدال یصح فی بدل الصرف لأنه لا یتعین بالتعیین'' (الدرمع الرد ملخصاً ۷؍۴۵۱، بدائع ۴؍۴۰۴-۴۸۷)۔

۲-موجودہ کرنسی کے عوض اگر کوئی معاملہ کیا گیا ہو اور کرنسی پر قبضہ نہ کیا گیا ہو تو اب کرنسی کے بدلے میں متعاقدین اگر کوئی دوسری چیز لینا دینا چاہیں تو اس کی اجازت ہوگی کیونکہ یہ ثمن خلقی کی طرح ثمن اصطلاحی ہے اور ثمن میں تصرف قبل القبض جائز ہے ''جاز التصرف فی الثمن أو بیع قبل قبضه'' (الدرالمختار ۷؍۳۷۵-۷۶)۔

۳-مروج کرنسی اگر کسی کے ذمہ دین ہو تو جس کے ذمہ دین ہے اس سے کرنسی کے علاوہ کوئی دوسری چیز لینا جائز ہے لیکن مدیون کے علاوہ کسی دوسرے سے ذمہ میں واجب کرنسی کو فروخت کرنا جائز نہیں، البتہ تین صورتیں مستثنیٰ ہیں۔ اول: دوسرے کو کرنسی پر قبضہ کرنے کا اپنی طرف سے وکیل بنائے تو اس صورت میں جس کو وکیل بنایا ہے اس سے کرنسی کو فروخت کرسکتا ہے، وکیل اولا قبضہ دائن (مؤکل) کی طرف سے کرے گا، دوم: اپنی طرف سے حوالہ کی شکل اختیار کی جائے یعنی دائن کسی سے کوئی سامان ادھار خریدے پھر ثمن کی وصولیابی اور ادائیگی کے لئے حوالہ ڈال دے یعنی اپنے مدیون سے کہہ دے کہ مجھے ادا نہ کرکے فلاں کو ادا کردو اور اپنے دائن سے کہہ دے کہ میرے فلاں مدیون سے وصول کرلو، سوم: دائن اپنے دین کی وصیت مدیون کے علاوہ کسی تیسرے کے لئے کردے تو یہ بھی درست ہے، حاصل یہ کہ صرف تین شکلوں میں دائن مدیون کے علاوہ کسی دوسرے کو دین کا مالک بنا سکتا ہے اور ان تین شکلوں میں اگر غور کیا جائے تو حقیقۃً صرف ایک شکل توکیل کی بنتی ہے کہ دائن مدیون کے علاوہ کسی دوسرے کو اپنا دین وصول کرنے کا وکیل بنادے تمام شکلوں میں یہی حقیقت مضمر ہے۔

''لا یجوز تملیک الدین من غیر من علیه الدین، إلا إذا سلطه علیه، واستثنی فی الأشباه من ذلک ثلث صور، الأولی: إذا سلطه علی قبضه فیکون وکیلا قابض اللموکل ثم لنفسه، الثانیة:الحوالة، الثالثة: الوصیة'' (الدرمع الرد ۷؍۳۷۶)۔

۴-مروج کرنسی فلوس نافقہ کے حکم میں ہے، لہٰذا جس طرح فلوس نافقہ کے ذریعہ سونے و چاندی کی خریداری کے لئے دونوں عوض پر قبضہ مجلس میں شرط نہیں ہے اسی طرح رائج کرنسی سے اگر سونے چاندی کی خریداری ہو تو عوضین پر قبضہ شرط نہیں ہوگا بلکہ عوضین میں سے کسی ایک پر قبضہ کرلینا صحت جواز کے لئے کافی ہے، لیکن اگر مجلس میں کسی ایک عوض پر بھی قبضہ نہیں پایا گیا تو یہ شکل بیع الکالی بالکالی میں داخل ہوکر شرعاً حرام و ناجائز ہوگی۔

''باع فلوسا بمثلها أو بدارهم أو بدنانیر، فإن نقد أحدهما جاز، وإن تفرقا بلا قبض أحدهما لم یجز'' (الدرالمختار والتفصیل فی الرد ۷؍۴۱۴)۔

فلوس نافقہ اور مروجہ کرنسی کا حکم متعین کرنے کے بعد مناسب ہے کہ اس سے متعلقہ سوال کا جواب عرض کیا جائے:

الف-اگر روپئے سے سونا خریدا جائے تو روپیہ کی حیثیت فلوس نافقہ کی طرح ہوگی، جس طرح فلوس نافقہ کے ذریعہ سونے کی خریداری کی صورت میں بیع صرف کے احکام نافذ نہیں ہوتے ہیں اسی طرح روپیہ کے ذریعہ سونا خریدنے پر بھی بیع صرف کے

احکام جاری نہیں ہوں گے، لہذا اگر روپیہ کے ذریعہ سونا یا چاندی کی خریداری ہوتو دونوں عوض (روپیہ اور سونا چاندی) میں سے کسی ایک پر قبضہ کرلینا صحت بیع کے لئے کافی ہے، دونوں عوض پر مجلس میں قبضہ کا پایا جانا ضروری نہیں، البتہ علماء عرب کی ایک بڑی تعداد روپے کو بعینہ سونے چاندی کے حکم میں رکھتی ہے، مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:''اب میری ذاتی رائے یہ ہے کہ نوٹ خود فلوس کا حکم اختیار کرگئے ہیں-عرب کے علماء کی ایک بڑی تعداد تو یہ کہتی ہے کہ یہ اب سونا چاندی کے قائم مقام ہوگئے ہیں، یعنی جو احکام سونا چاندی کے ہیں وہ اب ان پر بھی جاری ہوں گے، لہذا ربوا، صرف اور زکوۃ کے معاملات میں ان پر سارے احکام سونا چاندی والے جاری ہوں گے، البتہ میری رائے جس کی برصغیر کے بیشتر مفتی حضرات نے تائید کی ہے وہ یہ ہے کہ ان کا حکم فلوس جیسا ہے(انعام الباری ۶/ ۳۴۵، تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع ۴/ ۴۸۷، مبسوط ۱۴/ ۲۴، التفصیل فی فقہ البیوع ۲/ ۷۶۲)۔

ب-حکومتوں نے سونے چاندی کا عالمی یا ملکی جو ریٹ متعین کیا ہے اسی ریٹ پر فروخت کرنا لازم نہیں، بلکہ روپیہ سے خرید وفروخت کرنے کی صورت میں جنس مختلف ہوجانے کی وجہ سے عاقدین کو اختیار ہوگا جتنی قیمت پر چاہیں فروخت کریں، کمی بیشی کے ساتھ خرید وفروخت شرعاً ربوا میں داخل نہ ہوگی، البتہ حکومتوں کی طرف سے متعین کی گئی قیمت تسعیر میں داخل ہے، لہذا اس کی پابندی ملکی قوانین کی پابندی اور اولوالامر کی اطاعت میں داخل ہونے کی وجہ سے ہوگی، اس سلسلے میں مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: میرے نزدیک یہ بات درست نہیں، کیونکہ سرکاری طور پر نرخ مقرر کرنے سے یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ایک ڈالر بالکل پچاس روپے کے نوٹ جیسا ہوگیا بلکہ جب جنس مختلف ہے تو جنس مختلف ہونے کی صورت میں شریعت نے تفاضل کو جائز قرار دیا ہے، اب اس میں فریقین آپس میں جو بھی نرخ مقرر کرلیں شریعت نے اس کی اجازت دی ہے اس کو ربوا قرار نہیں دیا، لہذا یہ ربوا تو ہے ہی نہیں، البتہ اگر سرکاری طرف سے اشیاء کا کوئی نرخ مقرر ہے تو اس کا وہی حکم ہوگا جو تسعیر کا ہوتا ہے۔

تسعیر کا مطلب ہے حکومت کی طرف سے اشیاء کا کوئی نرخ مقرر کردینا جیسے گندم کا نرخ مقرر کردیا کہ سو روپے بوری سے زیادہ میں فروخت نہیں کرسکتے، تو یہ کرنسی کی تسعیر ہے کہ ڈالر کا نرخ مقرر کردیا کہ پچاس روپے ہوگا، اب سرکاری ریٹ سے کم وزیادہ بیچنا یہ تو ربوا نہیں ہے لیکن تسعیر کی خلاف ورزی ہے کیونکہ یہ حکم ہے "**أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم**"، لہذا حتی الوسع تسعیر کی پابندی کرنی چاہئے، اس سے کم وزیادہ میں بیچنا اولی الامر کے خلاف ہوگا، لیکن یہ ربوا نہیں ہے، سود نہیں ہے(انعام الباری ۶/ ۳۴۱)۔

"**ذكر في الهداية، قال النبي ﷺ إذا اختلف النوعان فبيعوا كيف شئتم**"(ہدایہ مع فتح القدیر ۷/ ۲۹)، "**وقال النبي ﷺ بيعوا الذهب بالفضة والفضة بالذهب كيف شئتم**"(بخاری شریف حدیث ۲۱۷۵)۔

الجواب الثانی:

زیورات کے تاجر کاریگروں کو متعینہ وزن میں سونا دے کر زیور میں ملاوٹ کی مقدار متعین کرکے زیور بنانے کا جو معاملہ کرتے ہیں اس میں جتنی مقدار میں دوسری دھات کی جو ملاوٹ ہوتی ہے اتنی مقدار سونا کاریگر کے پاس بچتا ہے اب اس بچے ہوئے سونے کو زیور بنانے کی اجرت پر محمول کیا جائے یا ملائی ہوئی دھات کے عوض پر محمول کیا جائے یہ تین احتمال نکلتے ہیں:

احتمال ا:

ملاوٹ کی جانے والی دھات اگر کاریگر کی ملک ہو، تاجر کی ملک نہ ہوتو اس کو بیع پر محمول کرنا ممکن ہے گویا کہ تاجر نے کاریگر کو ملاوٹ کے بقدر سونے کا فی الحال مالک بنایا اور کاریگر سے اس سونے کے بدلے میں دھات کو ادھار خرید لیا ہے اور چونکہ دھات اور سونے دونوں کی جنس مختلف ہے اسلئے یہ بیع الدین بالعین کی قبیل سے ہے اس صورت میں تاجر کا زائد سونا ثمن بنے گا اور کاریگر کی ملاوٹ والی دھات مبیع بنے گی اور اس کو بیع سلم پر محمول کیا جاسکتا ہے کیونکہ دھات کا ثمن کاریگر کو پیشگی وصول ہو گیا ہے اور کاریگر کی طرف سے دھات کی ادائیگی بعد میں کی جائے گی اور نیز اس کو بیع تعاطی پر محمول کر کے جواز کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے کہ بائع کی طرف سے ثمن کی پیشگی ادائیگی ہوتی ہے اور کاریگر کی طرف سے دھات کی ادائیگی بعد میں ہوگی لیکن اس کی جنس مقدار متعین ہوتی ہے اور اس معاملے میں ایجاب وقبول لفظا مفقود ہوتا ہے، لیکن معنی اور عملا موجود ہوتا ہے (ردالمحتار ۷/ ۲۸)۔

اشکال:

کاریگر کی طرف سے ملائے جانے والی دھات کو مبیع اور تاجر کی طرف سے دیئے جانے والے سونے میں سے بقدر ملاوٹ سونے کو ثمن پر محمول کرنے کی صورت میں درج ذیل چند اشکالات پیدا ہو رہے ہیں:

۱- اگر اس کو بیع سلم پر محمول کیا جائے تو اس کی شرائط کا پایا جانا لازم ہے، اور شرائط میں سے ایک شرط اجل (مدت) بھی ہے، جس کی مقدار کم از کم ایک مہینہ متعین کی گئی ہے، لہذا اگر اس میں مدت ایک مہینہ سے کم متعین کی جائے تو معاملہ فاسد ہو جاتا ہے۔

۲- اس شکل کو بیع سلم پر محمول کریں یا بیع تعاطی پر ایک بہت بڑا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ جب کاریگر کے ذمہ زیور کی صنعت کی شرط لگ گئی تو یہ بیع بشرط **لا یقتضیه العقد وفیه منفعة لا حد المتعاقدین** کی شکل بن رہی ہے جو عقد کے لئے مفسد ہے، اور دوسری خرابی صفقة فی صفقة کی معلوم ہو رہی ہے کیونکہ بچے ہوئے سونے میں سے اگر کچھ حصہ کو دھات کا عوض اور کچھ حصہ کو صناعی کی اجرت قرار دیا جائے تو یہ صفقة فی صفقة کی شکل بن رہی ہے جو شرعا ناجائز ہے۔

جواب:

سلم کی مدت والے خلجان کو اس طرح سے دور کیا جاسکتا ہے کہ اجل کی مقدار میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام محمدؒ نے کم از کم ایک مہینہ مانا ہے اور اسی کو علماء نے اختیار کیا ہے اور امام کرخی کے یہاں اجل کی کوئی تحدید نہیں ہے، بلکہ اس کی صرف اتنی مدت متعین ہونی چاہئے جتنی مدت میں عام طور سے مسلم فیہ کی حصولیابی ممکن ہو جاتی ہے، اور بعض مشائخ کے یہاں تو صرف تین دن کی مدت ہے اور بعض کے یہاں نصف یوم کی، اور امام شافعیؒ کے یہاں تو کوئی مدت ہے ہی نہیں، اس لئے جب اس میں کوئی نص موجود نہیں ہے صرف اتنی مدت کا ذکر ہو جس میں مسلم فیہ کی حوالگی ممکن ہو اور وہ مدت متعین ہو جس سے نزاع وغیرہ نہ پیدا ہو، عقد سلم کی صحت کے لئے اتنا کافی ہے، ایک مہینے کی تحدید لازم نہیں ہے، حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مدت متعین ہو خواہ کم ہو یا زیادہ (ملاحظہ ہو فقہ البیوع ۱/ ۵۷۷-۵۷۸)۔

اور دوسرے اشکال یعنی شرط مفسد کے لگائے جانے کا جواب یہ ہوگا کہ اس وقت یہ شرط معروف ہو چکی ہے اور جس وقت

شرط فاسدہ کا عرف ہوجائے تو وہ شرط فاسد جس کا عرف بن جائے مفسد نہیں رہتی ہے، "ولا بيع بشرط لا يقتضيه العقد وفيه نفع لأحدهما ولم يجر العرف به ولم يرد الشرع بجوازه أما لوجرى العرف به كبيع نعل مع شرط تشريكه أو ورد الشرع به كخيار شرط فلا فساد" (الدر المختار مع الرد ۷/ ۲۸۲-۸۳)۔

اور تیسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس کو صرف ایک عقد خواہ بیع پر محمول کیا جائے یا اجارہ پر، بیع پر محمول کر کے صنعت کو شرط زائد قرار دیا جائے اور عرف کی وجہ سے اس شرط کو صحیح قرار دے کر عقد کو لازم کیا جائے، یا اجارہ پر محمول کر کے بچے ہوئے سونے کو اجرت قرار دیا جائے اور صنعت کو کاریگر کا عمل، اور اس کی طرف سے ملائی جانے والی دھات کو عمل کے تابع مانا جائے۔

"واختلف العلماء فى المعقود عليه،فقيل هو المنافع وهى خدمتها للصبي والقيام به اللبن تبع كالصبغ فى الثوب وهو اختيار صاحب الذخيرة والايضاح والمصنف، وقيل هو اللبن والخدمة تابعة وهو اختيار شمس الأئمة السرخسى حيث قال فى المبسوط : والأصح أن العقد يرد على اللبن لأنه هو المقصود" (عنایہ علی ہامش تکملۃ الفتح ۹/ ۱۰۲)۔

دوسرا احتمال اوپر عرض کی گئی تفصیل کاریگر کی ملاوٹ کو مبیع اور تاجر کے بچے ہوئے سونے کو ثمن پر محمول کرنے سے متعلق تھی اور اس پر ذکر کئے گئے اشکالات اور جواب سے بہر حال یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیع پر محمول کرنا شبہات سے خالی نہیں، لہذا دوسرا احتمال جو اجارہ کا ہے وہ بہتر اور اعتراض سے خالی ہے کیونکہ اجارہ پر محمول کرنے کی صورت میں کاریگر کو اجیر اور اس کے عمل صنعت کو معقود علیہ اور تاجر کی طرف سے دئے گئے سونے میں سے بچے ہوئے حصے کو اجرت قرار دیا جائے، اس صورت میں کاریگر کی طرف سے ملائی جانے والی دھات کو اس کے عمل کے تابع قرار دیا جائے، جیسے کہ خیاط کے دھاگے کو، رنگریز کے رنگ کو اور نجار کے کیل کانٹے کو اس کے عمل کے تابع کر کے معاملہ کو صحیح قرار دیا جاتا ہے، تطہیر الاموال میں ہے: باعتبار معقود علیہ کے اجارے کی پندرہ قسمیں ہوجاتی ہیں اس لئے کہ معقود علیہ ۱-خواہ عمل محض ہے، جیسے نوکری، ۲- یا نفع محض ہے جیسے رکوب ولباس وسکنی، ۳- یا عمل اصل ہے اور مال تابع ہے جیسے سلائی، رنگائی جس میں تاگا درزی کا اور رنگ رنگریز کا ہوتا ہے۔

"ثم قيل:إن العقد يقع على المنافع وهى خدمة الصبي والقيام به واللبن يستحق على طريق التبع بمنزلة الصبغ فى الثوب، وقيل إن العقد يقع على اللبن والخدمة تابعة" (ہدایہ مع تکملہ فتح القدیر ۹/ ۱۰۲)۔

اور اس شکل کا اجارہ پر محمول ہونا بے غبار ہے کیونکہ استصناع میں جب میٹریل اور مواد مستصنع کی طرف سے ہوں تو اس کو استصناع (بیع) پر محمول نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کو اجارہ پر محمول کیا جائے گا کیونکہ استصناع کے لئے یہ شرط ہے کہ مواد اور میٹریل صانع کا اپنا ذاتی ہو اور مذکورہ شکل میں اصلی مواد مستصنع کا ہے صانع کا نہیں اب ملائی جانے والی دھات بھی اگر مستصنع کی ہو تو اس کا اجارہ پر محمول ہونا متعین ہے اور اگر میٹریل میں سے ملائی جانے والی دھات صانع کی ہو تو اس کو عمل کے تابع مان کر اجارہ پر محمول ہونا ظاہر ہے جیسے کہ خیاط، رنگریز اور نجار وغیرہ کے معاملات میں عمل اصل اور عین تابع ہے۔

"ويشترط فى الاستصناع أن يكون العمل والعين كلاهما من الصانع فلو كانت العين من

المستصنع كان العقد إجارة"(کذا فی الہندیۃ ۴/۵۱۷)،"وإذا دفع الرجل جلدا إلى الإسكاف واستاجره بأجر مسمى على أن يخرزله خفين وسمى له المقدار والصفة على أن يبغله الاسكاف ويبطنه من عنده ووصف له البطانه والنعل فهو جائز استحسانا"(ہندیہ ۴/۵۱۹)،"ولو شرط على الخياط لأن يكون كم القيمص من عنده كان فاسدا الانعدام العرف فيه"(ہندیہ ۱/۵۴۱)۔

احتمال اجارہ پر ایک اشکال:

تاجر کاریگر کو جو سونا دیتا ہے اسی سونے میں کاریگر کی اجرت بھی موجود ہوتی ہے جو اس کی صناعی کے عمل سے صناعت کے وقت علاحدہ ہوتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجرت قفیز طحان کی قبیل سے ہے جو شرعا جائز نہیں جیسا کہ حضرت فقہاء کی یہ عبارت اس پر دلالت کرتی ہے۔

"ولو دفع غزلا لآخر لينسجه له بنصفه أو استاجر بغلا ليحمل طعامه ببعضه أو ثورا ليطحن بره ببعض دقيقه فسدت فى الكل لأنه استأجره يجزء من عمله، والأصل فى ذلك نويه ﷺ عن قفيز الطحان"(الدرالمختار ۹/۷۸-۷۹)۔

جواب: اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ کے قفیز طحان میں داخل ہونے کا صرف شبہ ہے، حقیقۃً یہ قفیز طحان میں داخل نہیں، کیونکہ تاجر کی طرف سے دی جانے والی اجرت کاریگر کے عمل کی پیداوار نہیں بلکہ وہ اجرت بعینہ تاجر کی طرف سے دی گئی ہے، البتہ کاریگر کی طرف سے اس کا افراز پایا گیا ہے اور عمل افراز یہ موجب فساد نہیں کیونکہ مثلیات میں اگر اجرت کا حصہ ملا کر دیا گیا ہو اور اجرت کو الگ کرنے کی اجازت دے دی گئی ہو اور اجرت معلوم ہو تو یہ جائز ہے، جیسا کہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے"والحيلة أن يفرز الأجر أولا، أويسمى قفيزا بلا تعيين، ثم يعطيه قفيزا منه فيجوز"(شامی ۹/۷۹)۔

صناعی کے عمل سے حاصل ہونے والے ذرات کو اجرت میں دینا:

کاریگر کو اگر اپنی اجرت کے عوض صرف وہ ذرات ملتے ہوں جو اس کی صنعت کے نتیجہ میں حاصل ہوتے ہیں تو یہ بھی ذرات اس عین کا جز ہیں جو تاجر کی طرف سے دیا گیا تھا، یہ ذرات بھی افراز میں داخل ہو سکتے ہیں، البتہ اس کی جہالت یہ موجب فساد ہوسکتی ہے لیکن چونکہ یہ جہالت فاحشہ نہیں بلکہ یسیرہ ہے جس کا اندازہ کاریگر کو پہلے سے ہوتا ہے اس لئے یہ فساد کا سبب بنے گی اور اجارہ جائز ہوگا"قيدنا بالفاحشة لأن الجهالة اليسيرة تصح أى غير مفسدة"(شامی ملخصا ۷/۴۹)۔

اس کی تائید"احسن الفتاوی" میں درج ایک فتوی سے ہوتی ہے، سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے:

سوال: پنجاب میں یہ رواج ہے کہ دانے بھنوانے کے لئے دیتے ہیں تو بھٹی والا اجرت میں ان میں سے کچھ دانے ہی بھوننے کی اجرت میں رکھ لیتا ہے، نیز روٹیاں تنور پر لگوانے جائیں تو بجائے پیسے دینے کے ایک آدھ آٹے کا پیڑا یا کچھ آٹا ہی رکھ لیتا ہے تو کیا یہ صورت جائز ہے؟ اگر جائز نہ ہو تو اس گناہ سے کیسے بچا جائے۔

الجواب: یہ معاملہ جائز ہے، بظاہر اس میں دو اشکال ہیں: ۱- اجرت عمل سے ہے، ۲- اجرت مجہول ہے۔

اشکال اول کا جواب یہ ہے کہ دانے کچے لینے میں اور آٹا لینے میں تو اجرت عمل سے نہیں، ہاں روٹی اور بھنے ہوئے دانے لینے میں اجرت عمل سے ہے مگر چونکہ یہ شرط نہیں کہ اجرت انہیں سے ہوگی اگران کی بجائے دوسرے دانے اور آٹا دے دے تو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوتا، اجرت من العمل اس وقت ناجائز ہے جبکہ وہ مشروط ہو یہاں مشروط نہیں اس لئے جائز ہے۔

دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ جہالت اجرت جب مفضية إلى النزاع نہ ہو تو مفسد اجارہ نہیں (احسن الفتاوی ۷/ ۳۱۲، ۳۱۳)۔

قفیز طحان کے مسئلہ میں مذاہب ائمہ:

علامہ عینی کے مطابق احناف، مالکیہ وشافعیہ کے نزدیک قفیز طحان جائز نہیں، البتہ امام احمد کے نزدیک جائز ہے (انعام الباری ۶/ ۵۶۳، بحوالہ عمدۃ القاری ۹/ ۲۰)، البتہ اگر عرف عام ہو جائے تو مشائخ بلخ کے نزدیک قفیز طحان جائز ہے اور یہی حسن بصریؒ اور امام احمدؒ کا بھی قول ہے، یعنی یہ تمام بزرگ یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی نساج یا غزال کو کپڑا دے کہ اس کو بنو اور اس میں سے ایک تہائی تمہارا یا ایک چوتھائی تمہارا ہوگا تو یہ سب لوگ اس کو جائز کہتے ہیں (انعام الباری ۶/ ۵۶۴)۔

”ومشائخ بلخ والنسفي يجيزون حمل الطعام ببعض المحمول ونسج الثوب ببعض النسخ لتعامل أهل بلادهم“ (شامی ۹/ ۸۰)۔

احتمال ۳: مذکورہ شکل میں ایک احتمال یہ نکلتا ہے کہ تاجر کاریگر کو جو سونا حوالے کرتا ہے اس کا مقصود اسی سونے سے زیور بنوانا نہیں ہوتا بلکہ زیور کے تمام اوصاف ملاوٹ کی مقدار وغیرہ متعین کر کے تاجر کاریگر سے زیور لیتا ہے اور کاریگر تاجر سے غیر ڈھلا ہوا سونا لیتا ہے، تو اس صورت میں تاجر کا دیا ہوا سونا اور کاریگر کی طرف سے دیا گیا زیور دونوں کا تبادلہ ہوگا یہ شکل بیع صرف کی بن رہی ہے جس میں تقابض فی المجلس اور عوضین میں مساوات شرط ہے اور مذکورہ شکل میں اگر دونوں شرطیں موجود ہوں تو معاملہ صحیح ہو سکتا ہے، فساد وعدم جواز کی کوئی وجہ نہیں، البتہ اگر تاجر کی طرف سے سونا پہلے دے دیا جائے اور کاریگر کی طرف سے زیور بعد میں دیا جائے تو یہ شکل ربو نسیہ کی وجہ سے شرعا حرام ہوگی، لیکن اگر معاملہ نقد کیا جائے یعنی تاجر کی طرف سے خالص سونے کی حوالگی اور کاریگر کی طرف سے مغلوب ملاوٹ والے زیور کی سپردگی ایک مجلس میں ہو اور ملاوٹ والا زیور خالص سونے کے مساوی ہو تو یہ شکل شرعا جائز ہے، کیونکہ مساوات اور تقابض فی المجلس دونوں شرطیں موجود ہیں اور زیور میں ملاوٹ کے مغلوب ہونے کی وجہ سے وہ معدوم ہے اور یہ زیور خالص سونے کے حکم میں ہوگا اس لئے مساوات بھی موجود ہے۔

”وعلته القدر مع الجنس فإن وجدا حرم الفضل والنساء“ (الدر المختار ۷/ ۴۰۳)، ”وقال النبي ﷺ: لا تبيعوا الذهب بالذهب إلا مثلا بمثل، ولا تشفو بعضها على بعض، ولا تبيعوا الورق بالورق إلا مثلا بمثل، ولا تشفوا بعضها على بعض ولا تبيعوا منها غائبا بناجز“ (بخاری شریف، حدیث نمبر ۲۱۷۷)۔

کاریگر کے زیورات اور تاجر کے سونے کے مبادلہ کی مزید صورت:

تاجر کی طرف سے دئے جانے والے سونا اور کاریگر کی طرف سے دئے جانے والے زیور کو بیع پر محمول کیا جائے یا اجارہ پر،

بیع پر محمول کیا جائے توکل کی بیع پر یا بعض کی، اس کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے، بیع پر محمول کرنے کی چند شکلیں مزید نکلتی ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱- تاجر کے سونے کو قرض پر محمول کیا جائے اور کاریگر کی طرف سے ادا کئے جانے والے زیور کو اس قرض کی ادائیگی، چنانچہ کمپنی کے شیئر جس میں عروض کے ساتھ نقود بھی ہوں اور نقود کے عوض خریداری ہو تو اس صورت میں جو عروض کے بدل میں ہے اس میں تقابض فی المجلس شرط نہیں، لیکن جو نقود کا عوض ہو تو اتنے حصے میں تقابض فی المجلس شرط ہے اور مجلس میں تقابض مفقود ہوتا ہے تو جس طرح سے تاجر اور کاریگر کے درمیان ہونے والے معاملہ میں مجلس کے ایک عوض پر قبضہ ہوتا ہے دوسرے پر نہیں، اسی طرح اس میں بھی ایک عوض پر قبضہ ہوتا ہے اور ایک پر نہیں تو اس کی توجیہ حضرت تھانویؒ نے یہی بیان کی ہے کہ شیئر کے مالک کو دیا ہوا روپیہ جو نقود کے مقابل میں ہو اس کو قرض پر محمول کیا جائے پھر شیئر کا مالک کمپنی پر حوالہ ڈال دے، کہ اس کی طرف سے قرض ادا کر دیا جائے۔

"وأشرط التقابض في بيع الدولار بالدولار، فيتحقق من البائع فعلا، بأنه يقبض الدولار الذى هو ثمن الدولار الذى يمثله السهم أما قبض المشترى للدولار الذى هو مبيع فوجهه الإمام أشرف على التهانوى رحمه الله تعالى بأن ما يدفعه المشترى إلى البائع يعتبرقرضا، ثم يحيله البائع لى الشركة تسلم هذا القرض منها" (فقہ البیوع ۲/ ۶۹۴)۔

۲- ان کے درمیان ہونے والے معاملہ کو اس پر محمول کیا جائے کہ تاجر کی طرف سے جو سونا دیا گیا ہے اس کو بیع پر اولاً محمول نہ کیا جائے بلکہ مساومہ پر محمول کر کے سونے کی ادائیگی ہو جیسے کہ بہت سے فقہاء کتب فقہیہ کے اس مسئلہ **"من أعطى صيرفيا درهما كبيرا فقال أعطنى به نصف درهم فلوسا، ونصفا من الفضة صغيرا إلا حبة صح، ويكون النصف إلا حبة بمثله ومابقى بالفلوس"** (الدر المختار ۷/ ۵۳۹)، میں اقتضاء بیع والی توجیہ کی ہے، اور پھر اس کے لئے تقابض وغیرہ کی شرط لگائی ہے، بہت سے فقہاء نے اس کو بیع نہیں مانا ہے، بلکہ مساومہ مانا ہے کیونکہ ایجاب وقبول مستقبل کے صیغے سے نہیں ہوسکتا، اور أعطنی اور بعنی وغیرہ کے الفاظ مستقبل کے لئے موضوع ہیں، اس لئے اس کو مساومہ پر محمول کیا جائے اور جب لین دین ہو تو اس کو بیع تعاطی پر محمول کیا جائے۔

"أن الكلام فيما إذا دفع إليه المخاطب قبل الافتراق فإنه يجعل بيعا فى النصفين بالمعاطاة فيهما" (فتح القدیر)۔

حیلہ جواز:

تاجر کے دیئے گئے سونے اور کاریگر کی طرف سے دیئے گئے زیورات کے سلسلے میں بیع یا اجارہ وغیرہ ہونے کی جو شکلیں محتمل تھیں وہ عرض کر دی گئیں اگر کسی کو اطمینان ہو مزید احتیاط کا پہلو اختیار کرنا چاہے تو یہ حیلہ اختیار کرے کہ تاجر اپنے سونے کو کاریگر سے فروخت کر کے اپنا سونا حوالے کر دے اور قیمت کو بقایا چھوڑ دے اور کاریگر جب اپنا زیور حوالے کرے تو اسی بقایا رقم کے عوض اس کا زیور اس سے خرید لے اس حیلہ کے اختیار کرنے میں شرعاً کوئی گناہ بھی نہیں اور نہ کسی کی حق تلفی یہ حیلہ جواز کے حصول اور حرام سے

اجتناب کا ایک طریقہ ہے اور بس جیسے کہ آپ ﷺ نے تمر خیبر کے بارے میں خود اس کی تعلیم فرمائی:

”مذهب علمائنا أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير فهي مكروهة، وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن الحرام أو ليتوصل بها إلى الحلال فهي حسنة“(المحیط البرہانی ۲۱/۶۷)۔

۳- نئے زیور کو پرانے زیور سے بدلنے کی صورت میں نیا زیور مقدار میں کم دینا اور پرانا زیور زیادہ لینا، جبکہ دونوں میں سے کسی میں ملاوٹ غالب نہ ہو بلکہ مغلوب ہو تو ایسی صورت میں کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ کرنا شرعاً حرام و ناجائز ہے یہ ربوا میں داخل ہے، صرف نئے پرانے ہونے کی وجہ سے کمی بیشی کی اجازت نہیں ہوسکتی، کیونکہ سونے چاندی خواہ زیورات کی شکل میں ہوں یا ڈلے کی شکل میں، اگر ان کا تبادلہ آپس میں کیا جائے تو زیادتی کی حرمت منصوص ہے اور اس میں صفت جودت ورداءت کا کوئی اعتبار نہیں ہے، یہی جمہور علماء کا مسلک ہے اس میں کوئی اختلاف بھی نہیں سوائے علامہ ابن قیم کے، البتہ اگر ان میں سے کسی میں ملاوٹ غالب ہو تو کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ ہوسکتا ہے یعنی خالص والا سونا ملاوٹ میں موجود سونے سے زیادہ ہو تاکہ خالص والا سونا ملاوٹ میں موجود سونے کے برابر ہوجائے اور مابقیہ ملاوٹ کے عوض میں ہوجائے اور اگر دونوں میں ملاوٹ غالب ہو تو کمی بیشی کے ساتھ مطلقاً خرید وفروخت جائز ہے البتہ قبضہ بہرحال شرط ہوگا۔

”أما إذا كان الذهب والفضة مصوغين،مثل الحلي والأواني المصوغة من الذهب والفضة، فالجمهور على أنه صرف، وهو في حكم التبر والمسوك سواء بسواء، فيجب التماثل والتقابض إذا بيع حلي الذهب بتبره، أو بالدينار الذهبي أو بحلي آخر، ويجب التقابض إذا بيع بخلاف جنسه وهو المختار في المذاهب الأربعة وجماهير العلماء“(فقہ البیوع ۲/۷۰۸)، ”......فهذه الأحاديث والآثار أدلة ناطقة بأن المصوع وغير المصوغ سواء في وجوب التماثل والتقابض“(فقہ البیوع ۲/۷۱۲)۔

جواز کا حیلہ:

غیر غالب الغش سونے چاندی کے نئے پرانے زیورات کے تبادلہ میں کمی بیشی کے جائز ہونے کا حیلہ یہ ہے کہ نئے زیور کا مالک پرانے زیور کے مالک سے اپنا زیور زیادہ قیمت میں فروخت کردے اور پرانے زیور والے سے اس کا پرانا زیور اس کی موجودہ مالیت کے اعتبار سے خرید لے یا پرانے زیور کے مالک سے اس کا پرانا زیور موجودہ مالیت کے اعتبار سے خرید لے اور اپنا نیا زیور اس کی موجودہ مالیت کے اعتبار سے اس سے فروخت کردے اس طرح کرنے سے معاملہ جائز ہوجائے گا اور نئے زیور کے بدلے میں پرانا زیور زیادہ مقدار میں حاصل ہوجائے گا، مثلاً سو گرام کا نیا زیور اس کو پرانے زیور کے مالک سے ڈھائی لاکھ میں فروخت کرے گا اور پھر ڈھائی لاکھ کے بدلے میں پرانے زیور کے مالک سے پرانا زیور ۱۲۰ گرام کا خریدے گا تو یہ معاملہ شریعت کے اعتبار سے جائز بھی ہوگا اور نئے زیور کے بدلے میں پرانا زیور زیادہ مقدار میں حاصل بھی ہوجائے گا۔

اس طرح کا حیلہ آپ ﷺ نے اشیاء ربویہ کو اس کی صفت جودت کی وجہ سے کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنے کے لئے بیان فرمایا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کے پاس خیبر کی عمدہ کھجوریں پیش کی گئیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”أكل تمر خيبر

هكذا'' (کیا ساری کھجوریں ایسی ہی ہوتی ہیں؟) تو عرض کیا گیا نہیں، بلکہ ان کھجوروں کو دو صاع کے بدلے میں ایک صاع کے اعتبار سے حاصل کیا گیا ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس طرح نہ کیا کرو بلکہ ادنی درجے کی دو صاع کھجوریں دراہم کے عوض بیچ دو، پھر ان دراہم سے اچھی کھجوریں خرید لو۔

"عن أبی هريرةؓ أن رسول الله ﷺ استعمل رجلا على خيبر فجاء ه بتمر جنيب، فقال رسول الله ﷺ: أكل تمر خيبر هكذا؟ قال: لا، والله يا رسول الله إن النأخذ الصاع من هذا بالصاعين والصاعين بالثلاث، فقال رسول الله ﷺ: لا تفعل، بع الجمع بالدراهم، ثم ابتع بالدراهم جنيبا" (بخاری حدیث ۲۲۰۱)۔

حیلے کا شرعی حکم:

جو حیلے شریعت کے مقاصد کے ابطال کا سبب نہ ہوتے ہوں بلکہ حیلوں کے ذریعہ شریعت کے مقصد کی تکمیل ہو یا کسی امر حرام سے احتراز مقصود ہو یا حیلہ کے ذریعہ سے کسی حلال مقصد تک رسائی ہو تو اس طرح کے حیلے شرعاً جائز ہیں، البتہ جن حیلوں سے شریعت کے مقاصد کا ابطال ہو، یا کسی دوسرے کے حق کی تفویت ہو، یا دھوکا دھڑی مقصود ہو تو اس وقت اس طرح کے حیلے اختیار کرنا شرعاً جائز نہیں، **"مذهب علمائنا أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير، أو لإدخال شبهة فيه، أو لتمويه باطل، فهي مكروهة، وكل ح يلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن الحرام، أو ليتوصل بها إلى الحلال فهي حسنة"** (المحیط البرہانی ۲۱/۶۷)۔

ہمارے علاقے میں صراف کا طریقہ کار:

بندہ کے اپنے علم کے مطابق صراف نئے زیورات کو پرانے زیورات سے براہ راست تبادلہ نہیں کرتے ہیں بلکہ وہ اولا پرانے زیورات کی موجودہ مالیت لگاتے ہیں اور اس کی مالیت کے اعتبار سے پرانا زیور خرید لیتے ہیں پھر پرانے زیور والے کو اگر زیور درکار ہوتا ہے تو نئے زیور کی مالیت لگا کر اس کو زیور دے دیتے ہیں، اگر پرانے زیور کی قیمت زیادہ ہوئی تھی تو زائد رقم واپس کرتے ہیں اور اگر نئے زیور کی قیمت پرانے زیور سے زیادہ ہوئی تو پرانے زیور والے سے زائد رقم وصول کر لیتے ہیں، حاصل یہ کہ صراف مقاصہ کے طریقہ پر عمل کرتے ہیں جو شرعاً جائز ہے اور یہ وہی طریقہ ہے جس کی تعلیم آپ ﷺ نے دی ہے۔

سوال میں درج صورت ۳ کا حکم:

تفصیل مذکور سے معلوم ہوا کہ سونے چاندی کے نئے پرانے زیورات کا جس میں ملاوٹ غالب نہ ہو براہ راست کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ شرعاً جائز نہیں ہے، البتہ اگر مقاصہ کا طریقہ اختیار کیا جائے یعنی ہر ایک کی مالیت لگا کر اس کی مالیت سے خرید وفروخت ہو اور پھر جو کمی بیشی ہو اس کو لے دے کر کے حساب برابر کر لیا جاتا ہو تو اس طرح معاملہ کرنا شرعاً جائز ہے، اور اس کی تفصیل اوپر بیان کی جا چکی ہے، شاید کہ صراف کے یہاں نئے پرانے زیورات کی خرید وفروخت کا یہی طریقہ رائج ہے، پرانے زیور کو اس کی قیمت کے اعتبار سے خریدتے ہیں اور نئے زیور کو اس کی قیمت کے اعتبار سے بیچتے ہیں پھر دونوں کی قیمتوں میں جو تفاوت ہوتا ہے اس کو روپے کے ذریعہ سے برابر کرتے ہیں، غالباً براہ راست زیور سے زیور کے تبادلے کا طریقہ رائج نہیں ہے۔

۴- سونے چاندی کی خرید وفروخت کے رائج طریقوں کے ذریعہ خرید وفروخت سے قبضہ کا تحقق ہوگا یا نہیں؟ اس کو معلوم کرنے سے پہلے قبضے کی حقیقت کو سمجھ لینا ضروری ہے، اختصار کے ساتھ ذیل میں قبضہ کی وضاحت کی جاتی ہے۔

قبضہ کی حقیقت:

کسی چیز پر ہر طرح سے تصرف کے اختیار کا حاصل ہوجانا اور تمام قسم کے موانع خواہ عرفی ہوں یا عادی یا حقیقی سب کے مرتفع اور ختم ہوجانے کا نام قبضہ ہے، لہذا کمپنیوں اور فیکٹریوں میں سامان کا کارٹونوں میں پیک ہوجانا اور ہر کارٹون پر اس کے مالک کا پتہ وغیرہ لکھ دیا جانا، اس کے بل اور واؤچرس کا اس کے مالک کے سپرد ہوجانا اور ان کارٹونوں کی نقل وحمل پر پورے اختیار کامل کا پایا جانا اور ان کارٹونوں کا دوسرے کارٹونوں سے ممتاز ہوجانا کہ ان میں سے بعض کے ضائع ہونے کی صورت میں امتیاز کا ممکن ہونا، قبضہ کے تحقق کے لئے کافی ہے۔

"وقال الکاسانی رحمہ اللہ تعالی: معنی القبض، ھو التمکن والتخلی وارتفاع الموانع عرفا وعادۃ حقیقۃ، وقال العز بن عبد السلام رحمہ اللہ تعالی: قولھم "قبضت الدار والأرض، والعبد، والبعیر، یریدون بذلک الاستیلاء والتمکن من التصرف" (موسوعہ فقہیہ ۳۲/ ۲۵۷، فقہ البیوع ۱/ ۳۹۷، فقہ البیوع ۱/ ۴۱۱)۔

تفصیل مذکور سے معلوم ہوا کہ اگر خریدی ہوئی پیکٹ دوسری پیکٹوں سے ممتاز ہوجائے اور خریدی ہوئی پیکٹ کا نفع نقصان خریدنے والے سے متعلق ہوجائے تو اس کو قبضہ کا حکم دیا جائے گا، **"لکن الواقع أن التخلیۃ إنما تعتبر قبضا حکما إذا کان المبیع متعینا متمیزا عن غیر المبیع"** (فقہ البیوع ۱/ ۴۱۱)۔

سونے چاندی میں قبضہ:

۱- اگر سونے چاندی کی خرید وفروخت سونے چاندی کے ذریعہ ہو تو یہ حقیقۃ بیع صرف ہے، اس میں قبضہ کے تحقق کے لئے عوضین پر حسی قبضے کا پایا جانا لازم ہے، خواہ وہ سونے چاندی زیورات وغیرہ کی شکل میں ڈھلے ہوئے ہوں یا وہ ڈھلے ہوئے نہ ہوں، بہر صورت جب بیع صرف ہوگی تو اس میں قبضہ کے لئے تعیین وتخلیہ کافی نہ ہوگا بلکہ قبضہ حسی کا پایا جانا لازم ہے، **"الصرف ھو لغۃ بیع الثمن بالثمن أی ما خلق للثمنیۃ ومنہ المصوغ جنسا بجنس أو بغیر جنس کذھب وفضۃ ویشترط التماثل والتقابض بالبراجم لا بالتخلیۃ"** (الدر المختار ۷/ ۵۲۰-۲۱)۔

۲- البتہ اگر سونے چاندی کی خرید وفروخت سونے چاندی کے عوض نہ ہو بلکہ روپیہ پیسہ یا کسی اور چیز کے عوض میں ہو اور سونے چاندی اس شکل میں ہوں کہ وہ متعین کرنے سے متعین ہوسکتے ہوں تو ایسی صورت میں قبضہ کے تحقق کے لئے حسی قبضہ کا پایا جانا لازم نہیں بلکہ تعیین اور تخلیہ قبضہ کے لئے کافی ہے، کیونکہ ایسی صورت میں سونے چاندی متعین کرنے سے متعین ہوجاتے ہیں، چنانچہ حضرات فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر فلوس اور روپئے پیسے کے ذریعہ سونے چاندی کی انگوٹھی خریدی جائے اور انگوٹھی متعین کردی جائے تو اس صورت میں اگر کسی پر بھی قبضہ حسی نہیں پایا گیا تو بھی بیع صحیح ہے کیونکہ انگوٹھی متعین کرنے سے متعین ہوگئی جو قبضہ کے لئے کافی ہے۔

’’وإن اشترى خاتم فضة أو خاتم ذهب فيه فص أو ليس فيه فص بكذا فلوسا وليست الفلوس عنده فهو جائز إن تقابضا قبل التفرق أو لم يتقابضا لأن هذا بيع وليس بصرف فإنما افترقا عن عين بدين لأن الخاتم يتعين بالتعيين بخلاف ما سبق فإن الدراهم والدنانير لا تتعين بالتعيين فلهذا شرط هناک قبض أحد البدلين فى المجلس ولم يشترط هنا‘‘(المبسوط ۲۵/۱۴)،’’فإن المصوغ بسبب ما اتصل به من الصغة لم يبق ثمان صريحا ولهذا يتعين فى العقد‘‘(الدرالمختار ۵۲۱/۷)۔

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اگر بیع صرف نہ ہوتو سونا چاندی بھی متعین کرنے سے متعین ہو سکتے ہیں،البتہ دراہم ودنانیر جب جودت ورداءت وزن سب میں مساوی ہوں تو پھر تعیین کا کوئی فائدہ نہ ہوگا،لیکن اگر امتیاز اور تعیین کا کوئی طریقہ اختیار کیا جائے پھر اس کے متعین نہ ہونے کا کوئی مطلب نہیں بلکہ امتیاز وتعیین کا کوئی طریقہ اختیار کرنے سے متعین ہو سکتے ہیں۔

سونے چاندی کے بسکٹ کا قبضہ:

بسکٹ کی خریداری کی صورت میں خریدی ہوئی مقدار کے بسکٹ کا کمپیوٹر میں یا ریکارڈ رجسٹر میں خریدنے والے کے نام صرف اندارج کر دینا قبضہ کے لئے کافی نہیں ہے البتہ اگر خریدے ہوئے بسکٹ کی نمبرنگ اور پیکنگ وغیرہ کر کے کمپیوٹر ریکارڈ رجسٹر میں خریدنے والے کے نام اس طرح اندراج کر دینا کہ اس کے نفع نقصان، ہلاکت وغیرہ کی ذمہ داری خریدنے والے سے متعلق ہوجائے اس طریقے سے خریدے ہوئے بسکٹ پر خریدنے والے کے قبضہ کا تحقق ہوسکتا ہے،فتاوی عثمانی کے فتوی سے کچھ تائیدی اقتباس نقل کئے جاتے ہیں۔

’’پرچی کے ذریعہ خرید وفروخت کے مروج طریقے میں دو خرابیاں ہیں،ایک مبیع کا غیر متعین ہونا،دوسرے بیع قبل القبض، لہذا یہ طریقہ جائز نہیں ہے،البتہ مذکورہ کاروبار کی جائز صورت صرف یہ ہوسکتی ہے کہ بوروں پر نمبر ڈال کر خریداری کے وقت نمبروں کے ذریعہ ان کا تعین کرلیا جائے اور پرچی پر وہ نمبر درج ہوں، نیز بائع اپنی طرف سے تخلیہ کردے یعنی یہ کہہ دے کہ یہ بورے اب آپ کے ہیں، جب چاہیں اٹھا کرلے جائیں،اب میں ان بوروں کا ضامن نہیں ہوں، جب تک میرے گودام میں رہیں گے آپ کی امانت کے طور پر رہیں گے، میں ان کے نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوں گا، یہ بات پرچی پر بھی لکھ دی جائے،اس صورت میں چونکہ مبیع متعین بھی ہوجائے گی،اور ضمان بھی بائع کے تخلیہ کے ذریعہ مشتری کی طرف منتقل ہوجائے گا اس لئے خریدار کے لئے آگے فروخت کرنا جائز ہوگا(فتاوی عثمانی ۹۷/۳-۹۸)۔

’’رجل باع خلافى دن فى بيته، فخلى بينه وبين المشترى فختم المشترى على الدن وتركه فى بيت البائع فهلک بعد ذلک فإنه يهلک من مال المشترى فى قول محمد، وعليه الفتوى هكذا فى اللصغرى‘‘(فتاوی ہندیہ ۱۶/۳)۔

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اگر مبیع مثلی ہو اور نمبرنگ وغیرہ کے ذریعہ اس کی تعیین کردی جائے اور مبیع غیر مبیع سے ممتاز ہوجائے اور مشتری کو تصرف کا اختیار حاصل ہوجائے تو اسے مشتری کا قبضہ مان لیا جائے گا اگرچہ وہ چیز بائع کے زیر حفاظت وانتظام ہو۔

سونے چاندی کی اینٹ پر قبضہ:

سونے چاندی کو فروخت کرنے والے ادارے کے پاس موجود سلڈ میں سے بعض متعین مقدار کو فروخت کر دینا اور فروخت کی ہوئی مقدار کو اس سے الگ نہ کرنا بلکہ ہر ایک کے خریدے ہوئے حصے کو ایک ساتھ اینٹ وغیرہ کی شکل میں محفوظ رکھنا، اس طریقہ سے خریدنے والے کا اپنے خریدے ہوئے حصہ پر قبضہ ثابت نہ ہوگا کیونکہ قبضہ کے لئے ہر ایک کے خریدے ہوئے حصہ کا دوسرے کے خریدے ہوئے حصے سے ممتاز و علاحدہ ہونا قبضہ کے لئے شرط ہے، لہذا مجموعی طور پر ایک بڑے ڈلے کی شکل میں سب کے حصے کو محفوظ رکھنے سے قبضہ کا تحقق نہ ہوگا۔

"**وتسليم المبيع هو أن يخلى بين المبيع وبين المشترى على وجه يتمكن المشترى من قبضه بغير حائل، ويعتبر فى التسليم أن يكون المبيع مفرزا غير مشغول بحق غيره، هكذا فى الوجيز لكردرى**" (فتاوی ہندیہ ۳/۱۶)، وفیہ: **وأجمعوا على أن التخلية فى البيع الجائز تكون قبضا......الخ**"، نیز ہر ایک کی مبیع دوسرے کی مبیع سے بھی ممتاز اور علاحدہ نہ ہوگی، اگر خدانخواستہ کسی اینٹ کا کچھ حصہ ٹوٹ کر کے ضائع ہو جائے تو اس کا معلوم کرنا کہ کس کا ضائع ہو ممکن نہ رہے گا تو جب ہلاک ہونے کی صورت میں یہ امتیاز نہ ہو سکے کہ کس کا حصہ ضائع ہوا تو یہ دلیل ہے کہ تخلیہ کے نہ پائے جانے کی اور بغیر تخلیہ کے قبضہ کا تحقق نہیں ہو سکتا (فقہ البیوع ۱/۴۱۱)۔

سونے کی اینٹ کی خریدی ہوئی مقدار معلومہ کو قبل القبض فروخت کرنا:

سونے کی اینٹ میں سے بعض مقدار معلومہ کو خریدنے کے بعد قبضہ سے قبل فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس حکم کو سمجھنے سے پہلے چند اصولی مسئلے لکھے جاتے ہیں:

۱-مبیع میں قبل القبض تصرف جائز نہیں لیکن ثمن میں قبل القبض تصرف جائز ہے کیونکہ ثمن متعین نہیں ہوتا ہے، لہذا غرر انفساخ عقد کا خطرہ نہیں ہوتا اس لئے ثمن میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز ہے، "**وجاز التصرف فى الثمن قبل قبضه سواء تعين بالتعيين كمكيل أولا كنقود......الحاصل: جواز التصرف فى الأثمان والديون كلها قبل قبضها سوى صرف وسلم**" (درمختار ۷/۳۷۵ تا ۳۷۷)۔

۲-سونے چاندی کو اگر سونے چاندی سے یا مروجہ سکوں سے (فلوس نافقہ) یا مروجہ کرنسی سے فروخت کیا جائے تو سونا چاندی پر ثمن کے احکام نافذ ہوں گے، کیونکہ سونے چاندی ہر حال میں ثمن ہی ہوتے ہیں، "**وبما تقرر ظهر أن الأموال ثلاثة: الأول ثمن بكل حال وهو النقدان صحبته الباء أولاء، قوبل بجنسه أولا، والثانى مبيع بكل حال كالثياب والدواب، والثالث ثمن من وجه مبيع من وجه كالمثليات، فإن اتصل بها الباء فثمن وإلا فمبيع، وأما الفلوس فإن رائجة فكثمن**" (الدر المختار ۷/۵۴۰)۔

۳-اگر ثمن متعین ہو جیسے اشیاء کیلیہ اور نقود معینہ تو بائع اس پر قبضہ کرنے سے پہلے ہر طرح کا تصرف کر سکتا ہے خواہ مشتری سے معاملہ کرے یا مشتری کے علاوہ کسی دوسرے سے جس طرح قبل القبض تصرف کا اختیار ہے اسی طرح بعد القبض تصرف کا اختیار ہوگا۔

”إذا كان ثمن المبيع عينا كالمكيلات والنقود المعينة فللبائع أن يبيعها أو يهبها أويوصى بها للمشترى وغيره“(شرح المجلہ ۱/۲۰۰)جاز التصرف فى الثمن بهبة أو بيع أو غيرهما لوعينا أى مشارا إليه“(الدرالمختار ۷/۳۷۵-۷۶)۔

آمدم برسر مطلب:

سونے کی بسکٹ یا اس کی اینٹ کی متعینہ مقدار خریدنے کی صورت میں قبضہ کا تحقق ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلے میں وضاحت کے بعد بندہ نے اس کی فروخت سے متعلق حکم متعین کرنے کے لئے چند ضابطے مرتب کئے ہیں تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ خریدے ہوئے بسکٹ یا اینٹ کی خریدی ہوئی مقدار متعین کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو ذکر کردہ اصول سے یہ معلوم ہوا کہ خریدے ہوئے بسکٹ اور اینٹ کی خریدی ہوئی مقدار متعین پر اگر قبضہ نہ بھی پایا جائے لیکن اس کی تعیین اشارہ وغیرہ سے ہو جائے تو قبضہ سے پہلے اس میں ہر قسم کا تصرف جائز ہے خواہ وہ تصرف خود بائع اور مشتری کے درمیان ہو یا کسی اور کے ساتھ ہو کیونکہ یہ ثمن ہیں اور ثمن میں تصرف قبل القبض جائز ہے، لیکن اگر خریدے ہوئے بسکٹ یا مقدار متعین اشارہ وغیرہ سے متعین نہ ہوں تو اس میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز تو ہے لیکن یہ تصرف صرف بائع اور مشتری کے درمیان ہوگا، اور چند صورتیں غیر کے حق میں بھی تصرف کے جائز ہونے کی ہیں جس کو بیان کیا جا چکا ہے، اور یہ خلاصہ ہے اس تفصیل کا جو شامی اور شرح المجلہ لعلی حیدر میں ہے اس لئے سوال میں انسب یہ تھا کہ قبضہ سے پہلے اس میں تصرف کے جائز ہونے نہ ہونے کا سوال کیا گیا ہوتا نہ کہ صرف قبضہ کا کیونکہ صرف قبضہ کے تحقق یا عدم تحقق کا سوال بذات خود اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا ہے اب رہی بات یہ کہ خریدے ہوئے بسکٹ اور اینٹ کی خریدی ہوئی مقدار متعین کیسے ہو سکتی ہے تعیین کے لئے صرف قبضہ ہی ہے یا کوئی اور طریقہ؟ تو حضرات فقہاء نے اس کی صراحت فرمائی ہے کہ نقود یعنی دراہم ودنانیر بھی اشارہ سے متعین ہو جاتے ہیں لیکن استحقاقا تعیین نہیں ہوتی ہے، یعنی اگر اس کے علاوہ دوسرے دیئے جائیں تو اس کے رد کرنے کا اختیار نہیں ہوگا البتہ علم ومعرفت کے حق میں اشارہ سے تعیین ہو جاتی ہے حاصل یہ کہ نقود کی تعیین بطور استحقاق کے نہیں ہو سکتی، لیکن بطور علم ومعرفت کے ہو سکتی ہے، ”إذا كان الثمن حاجرا، فالعلم به يحصل بمشاهدته والإشارة إليه، وإذا كان غائبا يحصل ببيان مقداره ووصفه“(شرح المجلہ لعلی حیدر ۱-۳/۱۸۶، المادہ ۲۳۹، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شرح المجلہ ۱-۳/۱۹۰)، ”والحاصل أن الثمن لا يتعين استحقاقا إذا كان من النقود الرائجة“ (شرح المجلہ ۱-۳/۱۹۱)۔

اور ثمن ونقود رائجہ جب اشارہ سے متعین ہو جاتے ہیں تو غائبانہ خرید وفروخت کی صورت میں بیان مقدار اور بیان وصف وغیرہ سے بھی تعیین ہو جائے گی اور تعیین کے بعد نقود وثمن رائجہ میں تصرف قبضہ سے ہر طرح سے جائز ہے خواہ مشتری سے معاملہ ہو یا غیر مشتری سے اور سونے کی بسکٹ کی خریداری کی صورت میں اسی طرح سونے کی اینٹ کی متعینہ مقدار خریدنے کی صورت میں کمپیوٹر اور ریکارڈ رجسٹر میں اندراج یہ گرچہ قبضہ کے لئے کافی نہیں لیکن تعیین کے لئے بہر حال کافی ہے، لہذا مشتری کے لئے اس پر قبضہ کرنے سے پہلے بھی اس کو فروخت کر دینے کی شرعا اجازت ہے کیونکہ یہ نہ بیع صرف ہے کہ صحت کے لئے عوضین پر قبضہ شرط ہو اور نہ بیع مقایضہ ہے کہ تصرف کے لئے قبضہ لازم ہو بلکہ یہ بیع ثمن بثمن ہے جس میں ایک عوض رائج کرنسی ہے اور دوسرا عوض سونے اور

چاندی ہیں، سونے چاندی ثمن خلقی ہیں، ثمنیت سے اس کو نکالا نہیں جاسکتا، لہذا جب بیع صرف اور سلم نہ ہو تو اس میں تصرف کے لئے قبضہ لازم نہ ہوگا، تصرف عمومی کے لئے صرف تعیین کافی ہوگی اور تعیین کے لئے اندراج وغیرہ کافی ہے، نیز حضرات فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے کہ اگر کسی چیز کے اندر ثمن اور مبیع دونوں ہونے کا احتمال ہو تو اس کو ثمنیت پر محمول کیا جائے گا۔"إذا کان الثمن من الأموال"۔

۴-اگر ثمن غیر متعین ہو جیسے دراہم غیر متعینہ یا اشیاء کیلیہ وزنیہ غیر متعینہ تو ان کو اصطلاح میں دین کہتے ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ قبل القبض مشتری سے بیع کا معاملہ کرنا جائز ہے اور کسی دوسرے کے لئے وصیت کرنا بھی جائز ہے اور بطریق حوالہ بھی اس میں تصرف جائز ہے، "إذا کان الثمن دینا کنقود غیر معینة أو مکیلات أو موزونات أن یملکه المشتری بعوض أو بغیر عوض" (شرح المجلہ ۱/۲۰۰) "ولو دینا فالتصرف فیه تملیک ممن علیه الدین ولو بعوض ولا یجوز من غیره قبل قبضه، أی لا یجوز تملیک الدین من غیر من علیه الدین، إلا إذا سلطه علیه، واستثنی فی الأشباه من ذلک ثلث صور، الأولی: إذا سلطه علی قبضه، فیکون وکیلا قابضا للموکل ثم لنفسه، الثانیة: الحوالة، الثالثة: الوصیة" (الدر المختار مع رد المحتار ۷/۳۷۶)۔

غیر صرف میں اثمان خلقیہ اشارہ سے متعین ہوجاتے ہیں:

جب سونے چاندی کی خرید وفروخت مروجہ کرنسی کے ذریعہ ہو تو سونے چاندی کی حیثیت ثمن کی ہوگی کیونکہ یہ اثمان خلقیہ ہیں ہر حال میں ثمن ہی بنتے ہیں اور ثمن کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ متعین ہوں یعنی اس کی طرف اشارہ وغیرہ کردیا گیا ہو تو اس میں سونے چاندی میں تصرف کرنا ہر طرح سے جائز ہوگا خواہ اس سے معاملہ کرے جس سے خریدا ہے یا کسی دوسرے سے اس لئے کہ اثمان متعینہ مشار الیہ میں ہر طرح تصرف جائز ہے، البتہ اگر ثمن متعین مشار الیہ نہ ہو تو قبل القبض اس میں معاملہ کرنا صرف اس شخص سے جائز ہے جس کے ذمہ دین لازم ہے، اسی طرح اگر کسی دوسرے کو قبضہ کرنے کا وکیل بنادے یا دوسرے کے لئے وصیت کردے یا کسی دوسرے کے لئے حوالہ ڈال دے تو اس کی بھی اجازت ہے (رد المحتار ۷/۳۷۶)۔

"التی تتعین بالتعیین کالمکیلات والموزونات والعددیات المتقاربة، فلأن هذه مبیع من وجه وثمن من وجه اخر، رجحت جهة الثمن فی التصرف تیسیرا وتسهیلا" (شرح المجلہ تعلی حیدر ۱-۳/۲۰۰)۔

خلاصہ:

سوال نمبر ۴ کے لئے درج ذیل چیزوں کے الگ الگ جوابات معلوم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ مسئلہ بالکل بے غبار ہوجائے۔

۱-مروجہ کرنسی سے سونے یا چاندی کی بیع بیع صرف ہے یا نہیں؟-اس کا جواب معلوم ہو چکا ہے کہ یہ بیع صرف نہیں لہذا عوضین پر قبضہ صحت عقد کے لئے شرط نہیں ہے۔

۲-مروجہ کرنسی سے سونے چاندی کی خرید وفروخت کی صورت میں سونا چاندی ثمن ہوگا یا مبیع؟ اس کا جواب بھی اس تفصیل

کے تحت دیا جاچکا ہے کہ یہ ثمن ہی ہوگا مبیع نہیں۔

۳-ثمن میں تصرف کے لئے قبضہ لازم ہے یا نہیں؟ اس کا جواب بھی عرض کیا جاچکا ہے کہ ثمن میں تصرف کے لئے قبضہ شرط نہیں۔

۴-ثمن میں قبل القبض تصرف صرف متعاقدین کے درمیان ہوسکتا ہے یا عمومی تصرف کا اختیار ہے؟ اس کا بھی جواب عرض کیا جاچکا ہے کہ اگر ثمن متعین ہو خواہ تعیین اشارہ سے ہو یا کسی دوسرے مفید تعیین طریقہ سے تو عمومی تصرف کا اختیار ہے البتہ اگر تعیین نہ ہو تو صرف متعاقدین کے درمیان تصرف ہوسکتا ہے۔

۵-سونے چاندی کے سکے یا اینٹ کی متعینہ مقدار خریدنے کی صورت میں کمپیوٹر اور ریکارڈ رجسٹر میں اندراج تعیین کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ اس کا بھی جواب عرض کردیا گیا ہے کہ تعیین کے لئے یہ کافی معلوم ہوتا ہے۔

نتیجہ: مذکورہ بالا سوال وجوابات پر نظر ڈالنے سے اور اس کی تحقیق کے نتیجہ میں بندہ کی رائے یہ ہے کہ سونے چاندی کی خرید و فروخت کا یہ طریقہ شرعا جائز ہے بشرطیکہ ایک عوض پر قبضہ پالیا جائے کیونکہ سونے چاندی ثمن ہیں اور ثمن میں تصرف کے لئے قبضہ لازم نہیں بلکہ تعیین و بیان کافی ہے۔

ادھار سونے چاندی کی خرید وفروخت:

جب مروج کرنسی کے ذریعہ سونے چاندی کی خرید وفروخت ہو اور کرنسی یا سونے چاندی میں سے کسی ایک پر مجلس عقد میں قبضہ ہوجائے تو یہ بیع شرعا جائز ہے اور اس طرح سے خریدے ہوئے سونے چاندی کو قبضہ سے قبل فروخت کرنا بھی شرعا جائز ہے، اس لئے کہ سونا چاندی اس صورت میں ثمن کی حیثیت رکھے گا خواہ زیورات کی شکل میں ہو یا نقود کی شکل میں ہو اور ثمن میں قبل القبض تصرف کی شرعا اجازت ہے لیکن اگر سونے چاندی اور مروج کرنسی میں سے کسی پر بھی قبضہ نہیں پایا گیا تو اس طرح خرید وفروخت شرعا جائز نہیں، یہ بیع الکالی بالکالی ہے اگر اس طرح خرید وفروخت ہو تو اس کے لئے کچھ شرائط ہیں، جن کو مفتی تقی عثمانی صاحب نے ایک عربی فتوے میں نقل کیا ہے (ملاحظہ ہو: فتاوی عثمانی ۳/ ۱۵۳)۔

فتوی کی وضاحت اور اس کا مقصد:

مفتی تقی صاحب نے جب سونے کے کاروبار میں پوری قیمت ادا نہ کی گئی ہو اور سونے کو بھی عملی طور سے حاصل نہ کیا گیا ہو تو اس صورت میں سونے کے جتنے حصے کی قیمت ادا کی گئی ہے اس میں کوئی مسئلہ نہیں، بیع جائز اور درست ہے البتہ جتنے حصے کی قیمت ادا نہیں کی گئی ہے اتنے حصے میں بیع الکالی بالکالی لازم آرہی ہے، اس لئے معاملہ کے جائز ہونے کے لئے مفتی صاحب نے چند شرطیں لگائیں، ان شرائط کا مقصد یہ ہے کہ جتنے حصے کی قیمت ادا نہیں کی گئی ہے، اتنے حصے میں کم از کم خریدار کا قبضہ ثابت ہوجائے تاکہ یہ معاملہ بیع الکالی بالکالی ہونے سے نکل جائے، پھر اس کے بعد مفتی صاحب نے خریدے ہوئے سونے کو آگے فروخت کرنے کے لئے توکیل کی صورت ذکر کی ہے کہ خریدار بائع ہی کو اپنا خریدا ہوا سونا فروخت کرنے کے لئے وکیل بنادے اور اس وکالت کے صحیح ہونے کے لئے سونے کا خریدار کے قبضہ میں ہونا شرط نہیں کیونکہ یہ سونا حقیقت کے اعتبار سے ثمن ہے، اور ثمن میں تصرف کے لئے قبضہ کا ہونا

یا بائع کی ملکیت میں ہونا شرط نہیں، بلکہ بغیر قبضہ کے بھی ثمن میں تصرف بائع کے لئے جائز ہے جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

مفتی صاحب کا عربی فتوی اور اس کی وضاحت اس لئے کی گئی ہے تا کہ کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ مفتی صاحب نے سونا خریدنے کی صورت میں اس میں تصرف کے لئے قبضہ کی شرط لگائی ہے اور مقالہ میں تفصیل سے بغیر قبضہ کے بھی تصرف کے جواز کو ثابت کیا گیا ہے تو اب فرق یہ واضح ہو گیا کہ اگر سونے کی قیمت ادا کر دی جائے تو سونے میں تصرف کے لئے قبضہ لازم نہیں اور اگر سونے کی قیمت مجلس عقد میں ادا نہ کی جائے تو معاملہ کے جواز کے لئے سونے پر قبضہ لازم ہوگا، تحقق قبضہ کے لئے مفتی صاحب نے درج ذیل شرطیں لگائی ہیں:

۱- بائع کی طرف سے مشتری کو سونا لے جانے کا پورا اختیار ہو جائے۔

۲- یہ کہ فروخت شدہ سونا غیر فروخت شدہ سے ممتاز اور علاحدہ ہو۔

۳- اور خریدار کے ضمان میں وہ منتقل ہو گیا ہو کہ اگر ضائع ہو تو خریدار کا ضائع مانا جائے۔

۵- خرید و فروخت کا مقصود جوا کھیلنا نہیں بلکہ بیع کا مقصود کسی چیز کو اپنے ضمان میں لے کر پھر فروخت کر کے نفع کمانا ہوتا ہے یا اس کو باقی رکھ کر اس سے انتفاع مقصود ہوتا ہے، یعنی بیع میں اصل جو ہر مبیع کا ضمان میں آ جانا ہے، اسی لئے شریعت میں کسی چیز کے ضمان میں آنے سے پہلے فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے، نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**لا یحل سلف وبیع لا شرطان فی بیع ولا ربح مالم تضمن**" (ترمذی، ابوداؤد)، اسی طرح آپ ﷺ نے کسی چیز کے قبضہ میں آنے سے پہلے فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے، "**نھی رسول الله** ﷺ **عن بیع مالم یقبض**" (مصنف عبدالرزاق، حدیث نمبر: ۱۴۲۱۱، مسند احمد)، اسی طرح آپ ﷺ نے کسی چیز کی ملکیت میں آنے سے پہلے فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے: "**نھی رسول الله** ﷺ **عن بیع مالیس عند الإنسان**" (ترمذی، نسائی)، اسی طرح آپ ﷺ نے ایسی خرید و فروخت سے بھی منع فرمایا ہے جس میں نہ تو ثمن پر قبضہ پایا جائے اور نہ مبیع پر، "**نھی رسول الله** ﷺ **عن بیع الکالی بالکالی**" (السراج المنیر ۴/ ۳۰۷، بحوالہ فقہی مقالات)۔

نیز آپ ﷺ نے جس چیز کو ادھار خریدا ہو اس کے بدلے میں کوئی دوسری چیز لینے سے منع فرمایا ہے، یا تو معاملہ ختم کر کے اپنا پیسہ لینے کا حق ہے، یا خریدی ہوئی چیز لینے کا اختیار ہے، "**روی أبو سعید الخدری**ؓ **عن النبي علیه الصلاة والسلام أنه قال لرب السلم: لا تأخذ إلا سلمک أو رأس مالک، وفي روایة: خذ سلمک أو رأس مالک**" (بدائع عن البخاری وابی داؤد)۔

اور حضرات فقہاء نے بھی ربح مالم یضمن، بیع قبل القبض اور مسلم فیہ کے بدلے میں کوئی اور چیز وصول کرنے کی ممانعت کی تصریح فرمائی ہے، "**وبیع السلم فیه عن بائعه أو من غیره قبل قبضه فاسد**" (المغنی ۴/ ۳۴۱)۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ خرید و فروخت کا وہ طریقہ جس میں نہ تو ثمن پر سپردگی ہو اور نہ مبیع پر قبضہ شرعاً ناجائز و حرام ہے، اسی طرح جو چیزیں خریدی گئی ہوں ان پر قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کر دینے کی ممانعت منصوص ہے، نیز کسی چیز کے ضمان میں آنے سے پہلے نفع حاصل کرنے کی ممانعت صراحۃً روایت میں موجود ہے اور کاروبار کے اس طریقے میں جس میں سونا ادھار خریدا جاتا

ہے اور پھر قبضہ کرنے سے پہلے اس کو فروخت کیا جاتا ہے اور خریدنے اور فروخت کرنے کی قیمت میں جو کمی بیشی ہوتی ہے اس کا لین دین کرلیا جاتا ہے، یہ طریقہ نصوص صریحہ کثیرہ کے خلاف ہے اس کے جواز کی کوئی صورت نہیں اس طرح معاملہ کرنا شرعاً حرام وناجائز ہے، چنانچہ مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: لیکن اس خرید وفروخت کو درست کہنے کی دشواری اس سٹہ بازی کے وقت پیش آتی ہے جو اسٹاک ایکسچینج کا بہت بڑا اور اہم حصہ ہے جس میں بسا اوقات شیئرز کا لین دین بالکل مقصود نہیں ہوتا، بلکہ آخر میں جا کر آپس کا فرق (ڈیفرنس) برابر کرلیا جاتا ہے اور شیئرز پر نہ تو قبضہ ہوتا ہے اور نہ ہی قبضہ پیش نظر ہوتا ہے، لہٰذا جہاں یہ صورت ہو کہ قبضہ بالکل نہ ہو اور شیئرز کا نہ لینا مقصود ہو اور نہ دینا، بلکہ اصل مقصد یہ ہو کہ اس طرح سٹہ بازی کرے آپس میں ڈیفرنس کو برابر کرلیا جائے تو یہ صورت بالکل حرام ہے اور شریعت میں اس کی اجازت نہیں (فقہی مقالات ۱/ ۱۵۲)۔

اور مفتی صاحب نے سٹے کو بڑی تفصیل سے انعام الباری ۲۵۱/۶-۲۵۴ میں بیان فرمایا ہے، طوالت کے خوف کی وجہ سے صرف حوالے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

۶- تفصیل مذکور سے معلوم ہوا کہ نفع نقصان برابر کرنے کے لئے سونے کے کاروبار کا جو طریقہ رائج ہے جس میں نہ تو ثمن کی ادائیگی ہوتی ہے اور نہ ہی سونے پر قبضہ مقصود ہوتا ہے بلکہ خرید وفروخت کی تاریخوں میں قیمت کا جو تفاوت ہوتا ہے صرف اسی کو لینا دینا مقصود ہوتا ہے اس صورت میں فروخت کرنے والے کو نہ تو ثمن مطلوب ہوتا ہے اور خریدنے والے کو نہ مبیع مطلوب ہوتی ہے یہ مغرب کا رائج کیا ہوا طریقہ ہے جو سود وقمار پر مشتمل ہے، نفع حاصل ہوا تو بلا کسی عوض کے بہت کچھ حاصل ہو گیا اور گھاٹا ہوا تو گھر سے چلا گیا تو اس میں ضرر محض کا یا نفع محض کا احتمال ہوتا ہے، لہٰذا یہ طریقہ شرعاً ناجائز وحرام ہے اور اس طریقہ سے حاصل کیا ہوا نفع واجب التصدق ہے۔

۷- سونے چاندی کی ذخیرہ اندوزی اور گراں فروشی کے لئے روک کر رکھنا احتکار میں داخل ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ وجمہور کا مسلک:

جمہور کے نزدیک احتکار خاص ہے طعام اور اقوات بہائم کے ساتھ اور حنابلہ کے نزدیک صرف انسان کی غذا کے ساتھ احتکار کی ممانعت خاص ہے، لہٰذا جمہور کے نزدیک غذائی اشیاء میں ان کے علاوہ دوسری چیزوں میں احتکار اور ذخیرہ اندوزی ناجائز نہ ہوگی، "ثم ذهب أكثر الفقهاء إلى أن حرمة الاحتكار مختصة بالأقوات فلا يحرم الاحتكار في غير، وهو قول أبي حنيفة والشافعي و مالك وأحمد رحمهم الله" (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۶۰۶)، کیونکہ احتکار لغت میں غلہ کو قیمت بڑھنے کے انتظار کے لئے روکنے کو کہتے ہیں اور احتکار والی روایت کے راوی حضرت معمر غلہ کے علاوہ دوسری چیزوں میں احتکار کیا کرتے ہیں، "ولعل الجمهور قصروا حرمة الاحتكار إلى الطعام نظر إلى معنى كلمة الاحتكار في اللغة...... ولأن معمرا كان يحتكر في غير الأقوات وهو راوي هذا الحديث" (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۶۰۷)، وفي الدر المختار: كره احتكار قوت البشر والبهائم في بلد يضر بأهله، لحديث: "الجالب مرزوق والمحتكر معلون" وقوله عليه

والسلام الصلاة من احتكر على المسلمين أربعين يوما ضربه الله بالجذام والإفلاس، وفي رواية: فقد برئ من الله وبرئ الله منه، وفي رواية: فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين ، لا يقبل الله منه صرفا ولا عدلا"(شامی۹/۵۷۱)۔

حضرت امام ابویوسفؒ کا مسلک:

امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ ہروہ چیز جولوگوں کی ضرورت کی ہو، چاہے کھانے پینے سے متعلق ہو، چاہے پہننے سے متعلق ہو، یا کسی بھی شئ سے متعلق ہو ہر چیز پر احتکار ہوسکتا ہے،لیکن اس کی ممانعت انہی حالات پر ہوگی جب اس کو روکے رکھنے سے عامۃ الناس کوضرر پہنچے، اگرضرر نہ ہوتو احتکار ممنوع نہیں، جب ضرر لاحق ہوتو اس وقت ممانعت ہوگی، حاصل یہ کہ جس چیز کے روکنے سے عامۃ الناس کوضرر ہوتا ہوخواہ وہ سونا چاندی ہو یا کپڑا یا کوئی اور چیز ان سب کو حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک روکنا منع ہوگا:"أن كل ما أضر بالعامة حبسه فهو احتكار، ولو ذهبا أو فضة أو ثوبا"(شامی۹/۵۷۴)۔

فتوی:

عام حالات میں توفتوی امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے:"التقييد بقوت البشر قول أبي حنيفة ومحمد وعليه الفتوى"(شامی۹/۵۷۱)،البتہ غلے کےعلاوہ دوسری چیزوں کی ذخیرہ اندوزی سےلوگوں کوضررشدیدوحرج شدید ہوتو ارباب حکومت وانتظام کولوگوں کوضرروحرج سے بچانے کے لئے کسی بھی چیز کی ذخیرہ اندوزی سے روکنے کا اختیار ہے،جیسے کہ لوگوں کوضرر سے بچانے کے لئے حاکم کومصلحۃ للناس اشیاء کی قیمت ونرخ متعین کرنے کا اختیار ہے:"إذا تعدى أرباب غير القوتين وظلموا على العامة فيسعر عليهم الحاكم بناء على ما قال أبويوسف......ينبغي أن يجوز، فإن أبا يوسف يعتبر حقيقة الضرر كما تقرر، فتدبر"(الدرالمختار۹/۵۷۴،تکملہ فتح الملہم ۱/۶۰۷)۔

حاصل یہ کہ غلے کی ذخیرہ اندوزی سے پہنچنے والےضرر ونقصان کی طرح اگرکسی دوسری چیز کی ذخیرہ اندوزی سے نقصان پہنچےتو حاکم کوحضرت امام ابویوسفؒ کےقول کی بنا پر پابندی لگانے اور ممانعت کا اختیار ہوگا،اوراگراس طرح کا ضرر نہ پہنچےتو پابندی نہ لگائی جائے۔

۷- کسی حلال اور جائز چیزوں کی اسمگلنگ یعنی ملک سے برآمد اور ملک میں درآمد کرنا فی نفسہ اس کے ناجائز ہونے کی وجہ نہیں، کیونکہ ہرشخص اپنی ضرورت اور پسند کا جو مال جہاں چاہےخرید سکتا ہےاور جہاں چاہےفروخت کرسکتا ہے،شرعا اس سلسلے میں اس پرکوئی پابندی عائدنہیں ہے،لہذاکسی بیرون ملک سے مال خرید کراپنے ملک میں لانااوراپنے ملک سے مال لے جا کر دوسرے ملک میں بیچنا دونوں شرعا بلا کراہت جائز ہیں،ان کے جواز میں کوئی شبہ نہیں چاہے وہ سونے کی خرید وفروخت ہو یا کسی اور چیز کی،شرعا ہر طرح کی پوری آزادی ہےاس میں کوئی پابندی نہیں،"في الدر المختار، لا يمنع الشخص من تصرفه في ملكه إلا إذا كان الضرر بجاره ضررا بينا"(۸/۱۵۲، زکریا)،"كل يتصرف في ملكه كيف شاء لكن إذ تعلق به حق الغير"(شرح المجلہ لرستم باز ص ۶۵۴،مادہ ۱۱۹۲)۔

البتہ عوامی مصلحت کے تقاضے سے اگر کسی چیز کے باہر سے خرید وفروخت پر پابندی عائد کردی جائے یا کسی چیز کی درآمد پر پابندی لگادی جائے تو ایسے قوانین کی پابندی درج ذیل شرائط کے ساتھ واجب ہے۔

۱-یہ پابندی دائمی نہ ہو کہ اس کی وجہ سے اللہ کی حلال کردہ کوئی چیز حرام ہو جائے۔

"**یا یھا النبي لم تحرم ما أحل الله لک**" (التحریم:۱) (اور کسی مباح چیز پر دائمی پابندی یقیناً تحریم حلال کے مترادف ہے)۔

۲-یہ پابندی عادل حکمراں کی طرف سے عائد کی گئی ہو، "**أقول :وظاھر عبادة خزانة الفتاوی لزوم إطاعة من استوفی شروط الإمامة، وشروط الإمامة:أن یکون عدلا بالغا أمینا ورعاذکرا موثوقا به فی الدماء والفروج والأموال، زاھدا متوضعا مسایسا فی موضع السیاسة**" (شامی ۱۰/۴۴-۴۳)۔

۳-اگر ٹیکس حاصل کرنے کے لئے یہ پابندی لگائی گئی ہو تو اس کی پابندی اس وقت واجب ہوتی ہے جبکہ ٹیکس لگانے میں ان امور کا خیال کیا جائے، ۱-اسلام مخالف مصارف میں صرف نہ کیا جائے، ۲-منکرات، فواحش، عریانی، لہو ولعب، اسراف وفضول خرچی سے احتراز کیا جائے، ۳-حکومتی اخراجات میں اعتدال اختیار کیا جائے، ۴-ٹیکس میں آمد اور مصارف کا لحاظ بھی کیا جائے یعنی جس پر ٹیکس لگایا جائے اس کی آمدنی اور اس کے اخراجات ملحوظ رکھ کر لگایا جائے، اگر ان امور مذکورہ کو ٹیکس وصول کرنے میں ملحوظ رکھا جاتا ہے تو ٹیکس کے قانون کی پابندی واجب ہے ورنہ نہیں (التفصیل فی احسن الفتاوی ۸/۱۹۹، ۲۰۱، ۲۰۲)۔

۴-حکومتی قانون عوامی مصالح کے موافق ہو اس کے معارض نہ ہو "**تجب إطاعته فیما أباحه الشرع وھو ما یعود نفعه علی العامة**" (شامی ۱۰/۴۴)۔

اگر مذکورہ بالا شرائط کو ملحوظ رکھ کر حکومت کی طرف سے کوئی قانون بنایا جائے تو اس کی پابندی اولوالامر کی اطاعت میں داخل ہونے کی وجہ سے واجب ہے، اور اگر مسلم ملک کا باشندہ ہو تو اس کے قوانین قولی یا عملی معاہدہ میں داخل ہونے کی وجہ سے واجب العمل ہوتے ہیں، بشرطیکہ یہ قوانین شریعت کے مخالف نہ ہوں۔

"**کل من یسکن دولة فإنه یلتزم قولا أو عملا بأنه یتبع قوانینھا وحینئذ یجب علیه اتباع أحکامھا ما دامت تلک القوانین لاتجبرھا علی معسیة دینیة**" (أحکام القرآن للتھانوی ۵/۴۳)۔

اور اسمگلنگ میں حکومت کے قانون کی مخالفت بہرحال لازم آتی ہے، لہذا اگر یہ قوانین عوامی مصالح کے مطابق ہوں تو پابندی واجب ہوگی لیکن عموما اس طرح کے قانون حق پر مبنی نہیں ہوتے ہیں بلکہ ظلم پر مبنی ہوتے ہیں اور لوگوں کو مال بلا رضا کے لینا شرعا ناجائز وحرام ہے، لہذا اس اسمگلنگ والے قانون کی فی نفسہ پابندی واجب نہیں ہوگی۔

"**مالیس بحق کالجبایات الموظفة علی الناس فی زماننا ببلادفارس علی الخیاط والصباغ وغیرھم للسلطان فی کل یوم أو شھر فإنھا ظلم**" (شامی ۷/۲۲۰)، "**ودفع النائبة والظلم عن نفسه أولی، فإن أکثر النوائب فی زماننا بطریق الظلم، فمن تمکن من دفع الظلم عن نفسه فذلک خیر له**" (الدر المختار مع رد المحتار ۳/۲۸۰-۲۷۹)۔

تفصیل مذکور سے معلوم ہوا کہ اسمگلنگ کا عمل فی نفسہ ناجائز وحرام نہیں ہے، لہذا اس طریقے سے درآمد کئے ہوئے سونے کا خریدنا بیچنا شرعا جائز ہے، اور اس سے حاصل شدہ آمدنی حلال ہے (الدر المختار مع رد المحتار ۹/۳ ۵۷، مع تقریرات الرافعی ۱۰/۳ ملحق برد المحتار)۔

اسمگلنگ کرنے کا حکم:

تفصیل مذکور اسمگلنگ کے نفس حکم اور اس کے ذریعہ حاصل کئے گئے مال کی خرید وفروخت کے حکم کو بیان کر دیا گیا ہے، لیکن اسمگلنگ کرنے میں عزت نفس، اضاعت مال، کذب بیانی کا خطرہ لگا رہتا ہے، اس لئے فی نفسہ جائز ہونے کے باوجود جان و مال عزت وآبرو کی حفاظت کے لئے اس کی ممانعت ہوگی، کیونکہ کسی مسلمان کے لئے اپنی آبرو جان و مال کو خطرے میں لگانا شرعا جائز نہیں، لہذا اس سے اجتناب ضروری ہے، "**عن حذيفة قال رسول الله ﷺ لا ينبغي (أى لا يجوز) للمؤمن أن يذل نفسه (أى باختياره) قالوا كيف يذل نفسه؟ قال: يتعرض من البلاء لما لا يطيق**" (مشکاۃ مع مرقاۃ ۵/۱۷ ۴ آخر ابواب الدعاء)۔

سوال ۷ میں درج صورت کا حکم:

ٹیکس سے بچنے کے لئے غیر قانونی طور پر سونا وغیرہ اسمگلنگ کر کے لانا ذلت نفس، اضاعت مال وغیرہ کی وجہ سے ناجائز لغیرہ ہے، ورنہ اس کے جواز فی نفسہ میں کوئی شبہ نہیں، لہذا اس طرح سے درآمد کئے گئے سونے وغیرہ کو خریدنا بیچنا نفع حاصل کرنا سب جائز ہے، بشرطیکہ جان و مال آبرو سب محفوظ ہو، لیکن اگر اس کی خرید وفروخت میں عزت وآبرو پر بٹہ لگنے کا خطرہ ہو تو اس طرح کے کام سے بچنا لازم ہے (التفصیل فی فتاوی عثمانی ۳/۹۰-۹۱)۔

۸- سونے چاندی کے خصوصی احکام یعنی وجوب زکوۃ کے لئے نیت تجارت وغیرہ کا ضروری نہ ہونا اور آپس میں ان کے تبادلہ کے وقت قبضہ حسی کا لازم ہونا وغیرہ، اس کی ثمنیت (ذریعہ خرید وفروخت) ہونے کی وجہ سے ہے اور ثمنیت کا تحقق یا تو خلقی سے ہوگا جیسے سونا اور چاندی کہ اللہ رب العزت نے اس کو ثمنیت (ذریعہ خرید وفروخت) کے لئے پیدا کیا ہے اسی لئے ان کو اثمان خلقیہ کہا جاتا ہے، یا تو پھر ثمنیت کا تحقق عرف واصطلاح سے ہوگا جیسے فلوس نافقہ اور مروجہ کرنسی وغیرہ، سونے چاندی کے خصوصی احکام نہ تو اس کی دھات کی گرانی کی وجہ سے ہیں اور نہ ہی زینت کے لئے استعمال ہونے کی وجہ سے کیونکہ اگر گرانی اور زینت کے لئے استعمال کرنا اس کے خصوصی احکام کا سبب ہوتے تو ہیرے جواہرات بھی سونے چاندی کے حکم میں ہوتے کیونکہ یہ بھی زینت کے لئے استعمال ہوتے ہیں اور گراں بھی ہوتے ہیں، لیکن اس کے باوجود اس پر خصوصی احکام کا مرتب نہ ہونا دلیل ہے کہ سونے چاندی کے خصوصی احکام کا سبب گرانی اور زینت کے لئے استعمال ہونا نہیں، بلکہ اس کے خصوصی حکم کا سبب ثمنیت کا ہونا متعین ہے، لہذا پلاٹین جس کو سفید سونا کہا جاتا ہے، ثمنیت خلقیہ وعرفیہ واصطلاحیہ کے فوت ہونے کی وجہ سے اس پر سونے چاندی کے خصوصی احکام نافذ نہ ہوں گے، چنانچہ صاحب احسن الفتاوی فرماتے ہیں: پلاٹینم و پلاٹین دو الگ الگ دھاتیں ہیں ان میں سے کوئی بھی سونا نہیں، لہذا ان

پر زکوۃ نہیں "إلا أن يكون للتجارة" سفید سونا پلاٹینم کے ملانے سے بنتا ہے اس پر زکوۃ کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر سونا غالب ہو تو زکوۃ فرض ہے، اگر پلاٹینم غالب ہو تو زکوۃ فرض نہیں (احسن الفتاوی ۱۰/۴۴۱)۔

حاصل یہ کہ سونے کا خصوصی حکم نہ تو اس کے دھات ہونے کی وجہ سے ہے ورنہ تو تانبا پیتل بھی سونے کے حکم میں ہوتے اور نہ ہی اس کے گراں اور زینت کے لئے استعمال ہونے کی وجہ سے ہے ورنہ ہیرے جواہرات سونے کے حکم میں ہوتے، جب سونے کا حکم ان اسباب کی وجہ سے نہیں تو معلوم ہوا کہ کسی چیز کے دھات یا گراں ہونے یا زینت کے لئے استعمال ہونے کی وجہ سے اس پر سونے کے احکام نافذ نہ ہوں گے، اس لئے پلاٹین بھی سونے کے حکم میں نہ ہوگا چاہے جتنا گراں اور مہنگا ہو۔

☆☆☆

سونا چاندی کی تجارت کا شرعی حکم

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی☆

انسانوں کی ضروریات مختلف ہیں، ہر شخص ضروریات کی تمام اشیاء بیک وقت مہیا نہیں رکھ سکتا، کیونکہ جہاں اس کے لئے خطیر رقم کی ضرورت ہوتی ہے، حفاظت کے لئے افراد و مکان کی بھی حاجت ہوتی ہے، رفتہ رفتہ ہی ضرورت کی تکمیل ہوسکتی ہے جس کا آسان ذریعہ تجارت ہے، یعنی خرید وفروخت ہے، نیز جب سے انسان آباد کیا گیا اس وقت سے یہ سلسلہ چل رہا ہے اور ہر دور میں خرید وفروخت کو انسانی آبادی کی بنیادی ضرورت کے طور پر تسلیم کیا گیا، اسلام سے قبل اہل مکہ خاص طور پر تجارت کے لئے مشہور سمجھے جاتے تھے، اس وقت کی عالمی منڈی یمن وشام کا سفر اہل مکہ کی سرشت میں ایسا پیوست تھا کہ قرآن کریم نے اس کا ذکر بطور امتنان واحسان کیا، اللہ کے رسول ﷺ نے بھی بعثت سے قبل بغرض تجارت اسفار کئے ہیں، البتہ اسلامی تجارت وجاہلی تجارت میں فرق یہ ہے کہ جاہلی تجارت کا مطمح نظر زیادہ سے زیادہ حصول مال ہوا کرتا تھا، خواہ جائز طریقے سے ہو یا ناجائز طریقے سے، خواہ افراد واشخاص انفرادی یا اجتماعی حیثیت سے کتنا کچھ مجروح ہوجائیں اگر تحصیل مال کا ذریعہ یہی ہو تو بھی گوارہ کرلیا جاتا، مگر اسلامی نظام تجارت میں ظلم وجور سے پاک وصاف ایک مکمل ومستحکم سسٹم پیش کیا گیا ہے، تجارت کی مختلف انواع کو مختلف قیود وشروط کے بندھن کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔

تجارت کی تو مختلف قسمیں ہیں مگر ان میں سے ایک قسم ''بیع صرف'' کہلاتی ہے، جس کی تشریح علامہ کاسانی کی زبان میں اس طرح ہے: ''**فالصرف في متعارف الشرع اسم لبيع الأثمان المطلقة بعضها ببعض وهو بيع الذهب بالذهب والفضة بالفضة وأحد الجنسين بالآخر**'' (بدائع الصنائع ۴؍۴۵۳ کتاب الصرف، بیان شرائط طبع زکریا) (صرف عرف شرع میں نام ہے اثمان مطلقہ میں سے بعض کی بعض سے بیع کا، وہ سونے کو سونے سے، چاندی کو چاندی سے، اور ایک جنس کو دوسری جنس سے بیع کرنا ہے)۔

اثمان مطلقہ سے مراد مبادلہ کا وہ ذریعہ ہے جس اللہ نے ثمنیت کے ساتھ روز اول سے متصف کردیا ہے اس کو ثمن خلقی کہا جاتا ہے اور وہ سونا وچاندی ہے، ثمن کے طور پر دوسری اشیاء بھی رائج رہی ہیں مگر ان کو اصطلاحی وعرفی ثمن کی حیثیت حاصل رہی، رفتہ رفتہ خلقی ثمن کا رواج وچلن کم ہوتا گیا اور مختلف ادوار سے گزر کر اب اصطلاحی وعرفی ثمن کو زر قانونی کی حیثیت سے مان لیا گیا ہے

☆ مدرسہ حسینیہ کائیم کلم کیرالا۔

جو ہر ملک کی کرنسی کہلاتی ہے، جو باہم مختلف ہونے کے باوجود ثمنیت عرفیہ کی شان کے ساتھ متصف ہیں، نیز ان کرنسیوں کی یہی ثمنیت ان کی عزت ہے، اگر ثمنیت ختم کردی جائے تو محض کاغذ کے پرزے ہیں جو بے وقعت و بے اہمیت ہیں۔

بیع صرف چونکہ ثمن کا ثمن سے تبادلہ کا نام ہے، اس میں تھوڑی سی بھی بے احتیاطی سے ربا کا باب کھل سکتا تھا اس لئے اس کے صحیح ہونے کے لئے بنیادی طور پر چار شرطیں لگائی گئیں۔

"**ویشترط عدم التاجیل والخیار؛ والتماثل أي: التساوي وزنا، والتقابض**"(ردالمحتار ۴/۲۶۱ باب الصرف طبع رشیدیہ پاکستان)(صرف کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے: عدم تاجیل، وعدم خیار شرط نیز وزن کے لحاظ سے تماثل وتساوی، اور مجلس عقد میں تقابض)۔

تماثل وتساوی کی شرط اس وقت ہے جبکہ ہم جنس کا باہم تبادلہ ہو، اگر جنس مختلف ہو جائیں تو پھر اس شرط کی حاجت نہیں، البتہ تقابض فی المجلس کی شرط اساسی ہے، خواہ ایک ہی جنس سے تبادلہ ہو یا مختلف جنس سے بہر صورت شرط تقابض کا کلیدی کردار رہتا ہے، اسی بنیاد پر بعض معاملات حلت سے نکل کر حرمت کے دائرے میں داخل ہو جاتے ہیں:

سوال یہ ہے کہ یہ شرطیں بالخصوص تقابض کی شرط ان کرنسیوں میں بھی جاری ہوں گی جنھوں نے آج پوری دنیا میں "ثمن" وقیمت کی حیثیت اختیار کرلی ہے، کیونکہ شریعت نے تقابض کی شرط محض حرمت ربا سے بچنے کے لئے لگائی ہے تو کیا ان کرنسیوں کو بھی اموال ربویہ میں داخل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

فقہاء کے کلام سے ایسا لگتا ہے کہ امام مالک کے نزدیک تو اموال ربویہ میں شمار ہوں گے، دیگر فقہاء کے یہاں ان کا شمار اموال ربویہ میں مشکل ہے، اس لئے کہ فقہاء نے جس علت کی بنا پر کسی بھی مال کو سودی مال قرار دیا ہے، وہ علت صرف امام مالکؒ کے مسلک میں ان کرنسیوں میں پائی جارہی ہے، امام مالک کے نزدیک علت ربا ثمنیت ہے خواہ وہ ثمنیت خلقی ہو یا عرفی واصطلاحی، اسی لئے "المدونۃ الکبری" میں تحریر فرماتے ہیں:

"**ولو أن الناس أجازوا بینھم الجلود حتی تکون لھا سکة وعین لکرھتھا أن تباع بالذھب والورق نظرة لأن مالکا قال: لا یجوز فلس بفلسین ولا تجوز الفلوس بالذھب ولا بالدنانیر نظرة**" (المدونۃ الکبری ۳/۳۳۳، التاخیر فی صرف الفلوس طبع احیاء التراث العربی) (اگر لوگوں کے مابین چمڑے کے ذریعہ خرید وفروخت کا رواج ہو جائے کہ وہ چمڑا ثمن اور سکہ کی حیثیت اختیار کرجائے تو اس صورت میں میرے نزدیک سونے چاندی کے ذریعہ اس چمڑے کو ادھار فروخت کرنا جائز نہیں ہے...... چنانچہ امام مالکؒ فرماتے ہیں: ایک فلس کی دو فلسوں کے ساتھ بیع جائز نہیں، اسی طرح سونا چاندی اور درہم اور دینار کے ذریعہ بھی فلوس کی ادھار بیع جائز نہیں)۔

امام شافعی کے نزدیک بھی اثمان میں علت ربا "ثمنیت" ہی ہے مگر وہ اس کو مقید کرتے ہیں، ثمن خلقی کے ساتھ: "**وعلة الربافیه جوهرية الثمن فلا ربا في الفلوس وإن راجت**" (تحفۃ المحتاج ۴/۲۰۷ باب الربا، طبع دار الفکر)۔

(اس میں علت ربا اصلی ثمن ہونا ہے، لہٰذا فلوس میں چاہے رائج ہوں، ربا نہیں ہے)۔

موجودہ کرنسیاں ثمن ضرور ہیں مگر خلقی نہیں بلکہ عرفی واصطلاحی ہیں، اس لئے ان کا شمار اموال ربویہ میں نہیں ہوگا۔

امام احمد کے نزدیک تو علت ربا ظاہر قول میں وزن ہے، لہذا جن اشیاء کو وزن کر کے بیچا جاتا ہے انہی میں ربا کا تحقق ہوگا (المغنی لابن قدامہ ۴/ ۱۴۲ دارالفکر)۔

کرنسیاں عددی ہیں وزنی نہیں:

حنفیہ کے یہاں علت ربا قدر مع الجنس ہے، یعنی کیلی ووزنی ہونا ہے کرنسیوں کے عددی ہونے کی وجہ سے ان کو اموال ربویہ میں شمار نہیں کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا غنی ومالداری کا معیار اب یہی کرنسی ہے، انسان کی دنیاوی عزت وجاہ میں اضافہ ان کرنسیوں سے بھی وابستہ ہے، ان کا چلن سونا چاندی کے چلن کے ہو بہو ہے، فرق بس اتنا ہے کہ سونا چاندی کا رواج اگر بند ہوجائے تب بھی وہ مال نفیس ہے، کرنسیاں اگر ثمن کی حیثیت کو کھو دیں تو فالتو و بیکار کاغذ کے پرزے ہیں، قبل ازیں بھی اس کی نظیر ملتی ہے کہ سونا و چاندی کے علاوہ بھی بعض اشیاء سے ثمن کا کام لیا گیا ہے اور وہ مختلف ادوار میں مختلف اشیاء رہی ہیں، ایک زمانہ میں ''فلوس'' جو دراصل دھات کی قبیل سے ہیں ان کا چلن سونا چاندی کی طرح ہوا تھا، تو فقہاء نے اس کی بابت توضیح وتشریح کی، اس سے ہمیں مدد مل سکتی ہے، فلوس رائج کے سلسلہ میں جامعین موسوعہ نے فقہاء کے کلام کا خلاصہ اس طرح لکھا ہے:

''شافعیہ کا صحیح مسلک اور حنابلہ کا صحیح قول، نیز یہی حنفیہ میں سے شیخین کا قول اور مالکیہ کا ایک قول ہے کہ ثمن نہیں بلکہ عروض وسامان کی طرح ہیں۔

دوسرا نقطہ نظر امام محمد، ایک قول مالکیہ کا، شافعیہ کے یہاں اصح کے بالمقابل قول، حنابلہ کے یہاں صحیح کے بالمقابل قول یہ ہے کہ اموال ربویہ ہیں اور دراہم ودنانیر کی طرح ہیں۔

تیسرا نقطہ نظر مالکیہ کا قول ہے کہ یہ عروض ونقود کے بین بین ہیں، پس یہ صرف وربا کے باب میں نقد کی طرح ہیں اور دیگر ابواب میں سامان کی طرح بہر حال فلوس اگر رائج نہ ہوں تو عروض ہیں بالاتفاق'' (موسوعہ فقہیہ ۳۲/ ۲۰۶، مادہ: فلس)۔

دوسری جانب احناف کے یہاں اگر کسی مال کی ذاتی حیثیت ہو اور وہ قیمتی تصور کئے جاتے ہوں تو باہم تبادلہ میں تفاضل کو جائز نہیں سمجھا ہے گویا کہ ان نفیس اشیاء میں بھی ربا کا تحقق ہوسکتا ہے، اس سلسلہ میں مشائخ ماوراء النہر کا مندرجہ ذیل فتوی بہت اہم ہے:

''صاحب ہدایہ نے فرمایا: ہمارے مشائخ بخارا وسمرقند نے عدالی وغطارفہ (کھوٹے دراہم) میں جبکہ باہم بیع ہو تو تفاضل کی اجازت کا فتوی نہیں دیا، حالانکہ ان میں چاندی سے زیادہ کھوٹ ودوسری دھات ہوتے ہیں، اس لئے کہ ہمارے دیار میں یہ نفیس مال سمجھے جاتے ہیں، پس اگر تفاضل ان میں جائز کر دیا جائے تو سود کا باب کھل جائے گا اس لئے کہ لوگ اس وقت اموال نفیسہ میں عادی ہوں تو خالص دراہم ودنانیر میں بھی کرنے لگیں گے، لہذا مادہ فساد کو ختم کرنے کے لئے منع کیا گیا'' (رد المحتار علی الدر ۴/ ۲۶۷، کتاب الصرف، مطلب: مسائل فی المقاصۃ)۔

اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر ایک کرنسی کا آپس میں تبادلہ ہوتو نفیس ہونے کی وجہ سے تفاضل کی گنجائش نہیں دینی چاہئے، اوراس بابت امام محمد کا فلوس نافقہ کے سلسلہ میں فیصلہ بہت حد تک مزاج شریعت سے ہم آہنگ معلوم ہوتا ہے۔

۱-الف: سونا چاندی کی ادھار خرید وفروخت روپئے سے:

فلوس نافقہ کی بیع وشراء دوسری جنس مثلا دراہم ودنانیر سے ہوتو اس وقت اس پر صرف کے احکام کے بجائے بیع مطلق کے احکام جاری ہوتے ہیں، نیز اس وقت ایک جانب سے قبضہ ہوجانے کو بیع کے صحیح ہونے کے لئے کافی سمجھا گیا ہے۔

"**لم يشترط في بيع الفلوس بالدراهم أو بالدنانير قبض البدلين قبل الافتراق ويكتفى بقبض أحد البدلين كذا فى المحيط**"(ہندیہ ۳/۲۱۷ کتاب الصرف، الباب الأول)(فلوس کی بیع دراہم ودنانیر سے ہوتو مجلس بدلنے سے پہلے بدلین پر قبضہ شرط نہیں ہے، بدلین میں سے ایک پر قبضہ کافی ہوگا)۔

"**ولو باع فضة لفلوس فإنه يشترط قبض أحد البدلين قبل الافتراق لا قبضهما كما في العبرعن الذخيرة**"(ردالمحتار ۴/۲۶۲ باب الصرف، طبع رشیدیہ پاکستان)(اگر چاندی کو فلوس سے بیع کیا تو بدلین میں سے ایک پر قبضہ شرط ہے تفرق سے پہلے، دونوں پر قبضہ شرط نہیں ہے)۔

ایک جانب سے قبضہ اس لئے ضروری ہے کہ حدیثوں میں دین کی دین سے (یعنی بیع الکالی بالکالی) بیع کی بابت ممانعت وارد ہے، چونکہ فلوس ثمن کے طور پر رائج ہیں اس لحاظ سے متعین ہوں گے، اب اگر ایک پر بھی قبضہ نہ ہوتو بیع الکالئی بالکالئی ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوگا۔

اسی پر موجودہ کرنسیوں کے عوض سونا، چاندی کی خرید وفروخت کو قیاس کیا جاسکتا ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ دونوں میں سے ایک پر قبضہ متحقق ہوجائے گا تو جائز ہوگا ورنہ نہیں، کیونکہ اثمان میں تعیین قبضہ کے بغیر نہیں ہوتی ہے، الا یہ کہ تعیین عاقدین اپنے طور پر کرلیں تو شیخین کے مسلک کے مطابق تعیین ہوجاتی ہے لیکن امام محمد کے نزدیک پھر بھی تعیین نہیں ہوتی ہے جیسا کہ ایک فلس کی بیع دو فلس کے مسئلہ میں ان بزرگوں کا اختلاف مشہور ومعروف ہے، امام محمد کا نظریہ یہی راجح ہے کیونکہ جس چیز کی ثمنیت کو عرف عام نے قبول کیا ہے اس کو دو آدمی کیسے ختم کرسکتے ہیں، ان دونوں کا ختم کرنا بھی خواہ مخواہ کا ایک ظاہری حیلہ ہوگا اور زبانی دعوی ہوگا، قلب وذہن میں اس کی ثمنیت پھر بھی برقرار رہے گی، اس لئے ثمن ہونے کا تقاضا ہے کہ بغیر قبضہ متعین نہ ہو، لہذا ایک جانب کے قبضے سے اس محظور سے بچا جاسکتا ہے۔

ب-حکومت کی جانب سے یا کومیکس گولڈ مارکیٹ یا ایم سی مارکیٹ کی جانب سے نرخ کے تعین کے باوجود تفاضل:

اگر گورنمنٹ نے یا انٹرنیشنل مارکیٹ کومیکس گولڈ، اور ہندستانی مارکیٹ ایم سی نے کرنسی کی قیمت مقرر کردی ہو، لین دین میں اس قیمت کو ملحوظ نہ رکھا جائے بلکہ اس سے زیادہ یا کم بھاؤ پر سونے وچاندی کی خرید، یا دوسری کرنسی ڈالر وغیرہ کا تبادلہ کیا جائے تو تفاضل ہونے کی بنا پر حرام ہوگا یا نہیں؟

پیچھے کے سطور میں اس امر کو واضح کر دیا گیا ہے کہ نسیاں خواہ ثمن کی پوزیشن میں کیوں نہ ہوں ان کی حیثیت فلوس نافقہ کی ہے جس کو عرفی ثمن کہا جاتا ہے، امام مالک کے علاوہ دیگر ائمہ کے یہاں تو یہ اموال ربویہ میں سے ہیں ہی نہیں، اگر دراہم کی بیع دنانیر سے ہو جو کہ حقیقی اور خلقی ثمن ہیں ان میں کتنا بھی تفاضل ہو ربا کا تحقق نہیں ہوتا، تو ثمن عرفی کرنسی وغیرہ میں مقررہ نرخ سے کمی وزیادتی کی صورت میں تفاضل ہی ثابت ہو پائے گا تو یہ حرام کیوں کر ہوگا، یہ الگ بات ہے کہ حکومت کی مخالفت لازم آئے گی، جبکہ عام حالات میں حکومت کی مخالفت جائز نہیں ہے، بالخصوص جبکہ اسلامی احکام سے تصادم نہ ہوتا ہو، کیونکہ خواہ حکومت غیر مسلم کی ہو مگر مسلمانوں نے عملاً اس بات کا اقرار کر لیا ہے کہ ملکی قوانین کی پابندی کریں گے، اس کی خلاف ورزی کا جو وبال ہو سکتا ہے وہ ہوگا مگر فی نفسہ تفاضل کی صورت میں سود و ربا کا لزوم نہیں ہوگا۔

اس کو تسعیر الامام کے مسئلہ پر بھی قیاس کیا جا سکتا ہے، جن حضرات نے امام المسلمین کو اختیار دیا ہے کہ توازن کو برقرار رکھنے کے لئے اشیاء کی قیمتیں مقرر کر سکتے ہیں، ان کے یہاں بھی اس مقرر قیمت کی مخالفت سے بیع وشراء کی حلت پر فرق نہیں پڑتا ہے۔

"فإن سعر فباع الخباز بأكثرمما سعر جاز بيعه كذا في فتاوى قاضي خان ومن باع منهم بما قدر الإمام من الثمن جاز بيعه كذا فى التاتار خانية" (ہندیہ ۳/ ۲۱۴ باب الاحتکار طبع احیاء التراث العربی بیروت) (اگر قیمت مقرر کر دی پھر خباز نے مقررہ قیمت سے زائد میں بیع کی تو جائز ہے، فتاوی قاضی خاں، اور جس نے امام کی مقررہ قیمت میں بیع کی تو اس کی بیع جائز ہے، تاتارخانیہ)۔

۲-الف: کاریگروں سے زیورات بنوانے میں معاملہ کی شکل بیع ہے یا اجارہ؟

کاریگروں کو سونا یا چاندی دیکر زیورات بنوائے جاتے ہیں، اس کی شکل عام طور پر یہ ہوتی ہے کہ سونا یا چاندی ابھی دیا گیا کچھ دنوں کے بعد کاریگر زیور کی شکل میں سونے یا چاندی کی وہی مقدار وزن کر کے واپس کرتا ہے، جتنا اس نے مالک سے وصول کیا تھا، چونکہ زیورات بغیر دوسری دھات ملائے ہوئے بن نہیں سکتے، اس لئے بطور اجرت کاریگر سونے یا چاندی کے فاضل ذرات کو رکھ لیتے ہیں، تو یہ معاملہ اس لحاظ سے کہ مالک نے سونا دیا ہے، اس کے عوض میں کاریگر نے دھات دی ہے، ظاہر میں مبادلۃ المال بالمال ہے اور بیع کی شکل ہے، البتہ اس دھات کو سونے کے ساتھ پیوست کر کے دینا چونکہ عرف عام ہے، عرف عام قاضی ہوا کرتا ہے، اس لئے ایسی متعارف شرط کی گنجائش فقہاء احناف کے یہاں ہے اس لئے جائز ہے، البتہ اس پر شبہ ہو سکتا ہے کہ مبیع وثمن ہر دو مجہول ہیں جو کہ صحت بیع کے لئے مضر ہے۔

"جهالة المبيع أو الثمن تمنع جواز البيع إذا كان يتعذر معها التسليم، وإن كان لا يتعذر لم يفسد العقد" (ہندیہ ۳/ ۱۲۲ کتاب البیوع، الفصل الثامن فی جہالۃ المبیع والثمن) (مبیع یا ثمن کی جہالت جواز بیع کے لئے مانع ہے جبکہ اس جہالت کے ساتھ تسلیم متعذر رہو، اگر متعذر نہ ہو تو عقد فاسد نہیں ہے)۔

اس لئے اگر متعارف ہو کہ اتنے گرام کا زیور ڈھالنے میں اس مقدار دھات کی آمیزش ہوتی ہے تب تو متعارف ہونے کی وجہ سے جہالت ختم ہوگئی، اگر دھات میں کمی وبیشی ہوتی ہے جیسا کہ عام طور پر رواج بھی ہے تو ایسی صورت میں معاملہ اس وقت

درست ہوگا جبکہ سونا دیتے وقت دھات کی مقدار مقرر کرلی جائے تا کہ اس کے بقدر سونے کی مقدار بھی مقرر ہوجائے۔

ہاں ایک شبہ پھر بھی باقی رہتا ہے کہ بیع ماننے کی صورت میں دوموزونی شئ کی بیع ہورہی ہے، ایک طرف سے قبضہ تو ہورہا ہے مگر دوسری جانب سے قبضہ نہیں پایا جارہا ہے گویا کہ گندم کی بیع جو سے ہورہی ہے اور جانبین سے تقابض نہیں ہورہا ہے، معاملہ جس کی وجہ سے فاسد ہوجاتا ہے، بعینہ یہی صورت زیورات بنوانے کے مسئلہ میں بھی پیش آرہی ہے اس لئے مناسب ہے کہ بیع کے بجائے اجارہ کا معاملہ قرار دیا جائے۔

کاریگر جو دھات معنی اشیاء اس صنعت میں لگارہا ہے وہ عرف وعادت کے مطابق لگارہا ہے، اجارہ کے باب میں عرف وعادت کا اعتبار کیا گیا ہے۔

”**والأصل فيه أن الإجارة إذا وقعت على عمل وكل ماكان من توابع ذلک العمل ولم يشترط في الإجارة ذلک على الأجير فالمرجع العرف**“(تاتارخانیہ ۱۵/ ۱۵۳ کتاب الاجارۃ، الفصل ۱۶ مسئلہ ۲۲۵۳۸)(اصل یہ ہے کہ اجارہ جب ایک عمل پر ہو اس عمل کے توابع جو بھی ہیں اگر اجیر پر شرط نہیں ہیں تو ان میں عرف کی طرف رجوع کیا جائے گا)۔

اسی بنیاد پر درزی سے جب کپڑا سلوایا جاتا ہے تو دھاگا و بٹن وغیرہ خیاط کے ذمہ ہوتے ہیں: ”**وفي غزل الخياط إذا لم يكن فيه عادة فهو على صاحب الثوب وهو كالصباغ يكون الصبغ عليه، فإن لم يكن فيه عادة فعلى صاحب الثوب**“(تاتارخانیہ ۱۵/ ۱۵۳، کتاب الاجارہ، الفصل ۱۶، مسئلہ: ۲۲۵۴۰)(درزی کے سوت کے سلسلہ میں یہ ہے کہ جب عرف نہ ہو تو کپڑا کے مالک پر واجب ہوگا یہ رنگریز کی طرح ہے کہ رنگ اس پر ہوتا ہے، اگر عرف نہ ہو تو کپڑے کی مالک پر ہوتا ہے)، اس لئے بیع کے بجائے اجارہ ماننا چاہئے۔

ب- زیورساز کے اجرت کی تعیین معروف طریقے سے درست ہے:

یہ مسئلہ بھی حل طلب ہے کہ کاریگر نے جس سونے یا چاندی کو لیا ہے اس نے اپنی مزدوری اسی سے لے لی ہے، گویا کہ جنس عمل سے مزدوری متعین کی ہے جو کہ قفیز طحان کے زمرے میں آتا ہے، ایک حدیث میں اللہ کے رسول نے قفیز طحان سے منع فرمایا ہے، اسی وجہ سے ائمہ ثلاثہ اس کی ممانعت کے قائل ہیں، البتہ امام احمد اور حسن بصری وغیرہ بزرگان جواز کی طرف میلان رکھتے ہیں، غالبا یہ نظریہ زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کیونکہ حدیث کے سلسلہ میں ایک گروہ کی رائے ہے کہ یہ مرفوع کے بجائے حضرت ابوسعید خدری کا قول ہے، ہر چند کہ امام طحاوی اس نظریہ سے متفق نظر نہیں آتے ہیں، اگر اس کا مرفوع ہونا تسلیم بھی ہو تو غالبا اس صورت پر محمول ہے، جبکہ یہ شرط ہو کہ اجرت اس عمل پر حاصل ہونے والے اجزا سے ہی ہوگی، البتہ اگر اس طرح کی تعیین وتشخیص نہ ہو بلکہ صرف اجرت متعین ہو کہاں سے دے گا ہوسکتا ہے اپنے پاس سے دے دے تو اس حدیث کا محمل نہیں ہوگا۔

جبکہ اس کے برخلاف مشائخ بلخ کا نظریہ یہ ہے کہ اگر کسی چیز کا تعامل ہوجائے تو اس کی وجہ سے نص کی بھی تخصیص ہوسکتی ہے اس لئے خواہ شرط ہو کہ اسی عمل سے حاصل ہونے والی شئ اجرت ہوگی پھر بھی جائز ہوگا۔

(سراجیہ میں ہے: امام سرخسی نے اسی پر فتوی دیا ہے، مشائخ بلخ جیسے نصر بن یحیی، محمد بن سلمہ وغیرہ کپڑے میں اس اجارہ

کے جواز کا فتوی دیتے تھے کپڑے میں اہل بلد کے تعامل کی وجہ سے، تعامل حجت ہے اس کی وجہ سے قیاس کو ترک کیا جاسکتا ہے اور اثر کی تخصیص کی جاسکتی ہے، ظہیریہ میں ہے: اسی کو فقیہ ابو اللیث شمس الائمہ حلوانی اور قاضی ابو علی نفسی نے اختیار کیا ہے) (تاتارخانیہ ۱۵/ ۱۱۵ الفصل ۱۵، مسئلہ: ۲۲۳۷۲)۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جن چیزوں میں تعامل اس کے خلاف ہوجائے تو تعامل کو قاضی بنا کر فیصلہ کیا جاسکتا ہے، مزارعت و مساقات کو اس کی نظیر کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے، کیونکہ ان میں بھی جزء ہی کو اجرت بنایا جاتا ہے، حضرت امام ابوحنیفہ کے اصل مسئلہ میں عدم جواز کے باوجود حنفیہ کے یہاں جواز کا فتوی ہے۔

البتہ کاریگر سے اتنی بات طے کرنا بہر حال ضروری ہے کہ دھات کی کتنی مقدار کی آمیزش کرے گا تا کہ اسی کے بقدر سونے کے ذرات معین ہوسکیں اور اجرت کی جہالت کی وجہ سے اجارہ متاثر نہ ہوسکے۔

۳-سونے کے پرانے زیور کے عوض نئے زیور کی خریداری:

یہ بھی مارکیٹ میں رائج ایک معاملہ ہے، ایک شخص پرانے زیور کو دیتا ہے اور اس کے عوض نیا اسی نوع کا یا دوسری نوع کا زیور لیتا ہے، اس لین دین میں دکاندار پرانے زیور، نئے زیور کی بنسبت زیادہ مقدار میں لیتا ہے، سونے چاندی کی خرید وفروخت کا عام اصول یہ ہے کہ اگر دونوں کی جنس متحد ہوں تو ادھار کے ساتھ کمی وبیشی بھی جائز نہیں ہے، جودت ورداءت سونے چاندی کے باب میں غیر معتبر ہے، لہذا مذکورہ بالا معاملہ جائز نہیں ہے۔

"وإذا كان الغالب على الدراهم الفضة فهي فضة وإن كان الغالب على الدنانير الذهب فهي ذهب، ويعتبر فيهما من تحريم التفاضل ما يعتبر في الجياد حتى لا يجوز بيع الخالصة بها ولا بيع بعضها ببعض إلا متساويا في الوزن" (ہندیہ ۳/ ۲۱۹ کتاب الصرف، الفصل الأول في بيع الذهب والفضة) (جب دراہم پر غالب چاندی ہو تو وہ چاندی ہیں، اور اگر دینار پر غالب سونا ہے تو وہ سونا ہے، ان میں تفاضل کے سلسلہ میں وہی معتبر ہوگا جو جید ونفیس میں ہوتا ہے، حتی کہ خالص دراہم کی بیع ایسے مخلوط دراہم کے عوض یا بعض کا بعض کے عوض جائز نہیں ہے الا یہ کہ وزن میں مساوی ہو)۔

(اگر ایک پیتل کا برتن اسی جیسے پیتل کے برتن سے بیع کیا ان میں ایک دوسرے سے وزنی ہے تو جائز ہے، حالانکہ پیتل وغیرہ ان اموال ربویہ میں سے ہے جو موزون ہیں، اس لئے کہ سونے چاندی میں وزن کی صفت منصوص ہے تو صنعت کی وجہ سے تغیر نہیں ہوگا، اور موزون ہونے سے نہیں نکلے گا اس کے عددی ہونے کے تعارف کی وجہ سے برخلاف دوسری موزونی اشیاء کے کہ ان میں وزن عرف کی بنا پر ہے، لہذا عددی ہونے کا عرف ہونے کی وجہ سے موزون ہونے سے نکل جائے گا جبکہ صنعت وکاریگری اس میں کی گئی ہو) (ردالمحتار ۴/ ۲۶۲، باب الصرف، رشیدیہ پاکستان)۔

اس کے جواز کی شکل یہ ہے کہ پہلے اپنے پرانے زیور کو روپیوں کے عوض بیع کردے، پھر ان ہی روپیوں سے نئے زیور خرید لیا جائے تو جائز ہوجائے گا۔

۴-الف: سونا کی ایک مخصوص مقدار کی فروختگی کا معاملہ اگر مختلف حضرات کے مابین آرڈر کے مطابق ہو؟

بعض ادارے ایسے ہیں جو سونا کی بیع وشراء کرتے ہیں، اس کا طریقہ یوں ہوتا ہے کہ آرڈر کے مطابق گاہکوں سے معاملہ کرتے ہیں چنانچہ ایک ادارے کے پاس ایک کلو سونا ہے، دو گاہکوں نے آرڈر کیا آرڈر کے مطابق ہر ایک کے لئے سو سو گرام یا حسب آرڈر فکس کر دیا، مگر ایسا نہیں ہے کہ سب کے حصے کو الگ الگ کر کے ممتاز و مشخص کر دیا گیا ہو، بلکہ سونا اینٹ و ڈلا کی شکل میں ہے یعنی مشاع ہے۔

چونکہ نقود کی بیع ہے جس میں قبضہ صلب عقد میں داخل ہوتا ہے، قبضہ بھی حقیقی وحسی، صرف حکمی قبضہ کافی نہیں ہوا کرتا ہے جس کو تخلیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہاں تو ایسا قبضہ مشروط ہے جس میں مبیع ایسا قابل تصرف ہو کہ تصرف کا مکان نہ رہ جائے مثلاً اپنے ہاتھوں میں لے لیا، خریدار کے اکاؤنٹ میں جمع کر دیا جائے کہ اس کے علاوہ دوسرا اس کو نکال ہی نہیں سکتا ہے، اثمان کی بیع میں اس قسم کے قبضہ کی ضرورت ہوتی ہے، بیع صرف کی شرائط بیان کرتے ہوئے تقابض کی جب شرط بیان کی جاتی ہے تو اس طرح کی تعبیر اختیار کی جاتی ہے۔

"التقابض بالبراجم لا بالتخلية أشار إلى أن التقييد بالبراجم للاحتراز عن التخلية" (ردالمحتار علی الدر ۲۶۱/۴ باب الصرف، رشیدیہ پاکستان) (ہاتھوں سے تقابض ضروری ہے نہ کہ تخلیہ، براجم کے ساتھ تقیید سے اشارہ ہے تخلیہ سے احتراز کی جانب)۔

قبضہ فی معنی تخلیہ کے لئے بھی ضروری ہے کہ دوسرے کے حق میں مشغول نہ ہو، "التخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع بأن يكون مفرزا غير مشغول بحق غيره ولا حائل بأن يكون في حضرته" (ردالمحتار مع الدر المختار ۴۸/۴ باب البیع، شروط التخلیہ، رشیدیہ پاکستان) (تخلیہ اس طور پر ہو کہ قبضے پر قادر ہو کوئی مانع نہ ہو بایں طور کہ خریدا ہوا مال الگ ہو دوسرے کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو، اور نہ کوئی چیز حائل ہو بایں طور کہ اس کے پاس میں ہو)۔

مذکورہ بالا خرید کی صورت میں ہر چند کہ عام کرنسی سے بیع ہو رہی ہے، جب عام کرنسی سے بیع ہو تو احد البدلین پر قبضہ کافی ہے، جانبین سے قبضہ اس لئے ضروری نہیں ہے اصل مقصود بیع الکالی بالکالی یا بیع الدین بالدین کے محظور سے بچانا ہے، اس کی تفصیل پچھلے سطور میں آچکی ہے، ایک جانب سے قبضہ اس محظور سے بچنے کے لئے کافی ہے، مگر یہاں چونکہ آرڈر ہی ہے ثمن کا پیمنٹ نہیں ہوا ہے جبکہ دوسری جانب جو سونا خریدا جارہا ہے اس پر بھی قبضہ کا تحقق نہیں ہو پارہا ہے کیونکہ خریدار کے نام ابھی تک الارٹ نہیں ہوا ہے، نیز حق غیر کے ساتھ مشغول بھی ہے اس لئے یہ بیع ہی صحیح نہیں ہوئی۔

البتہ ثمن کو پیمنٹ کر دیا گیا خواہ اس کی کوئی بھی شکل ہو جس کی وجہ سے بائع کا قبضہ ہو گیا تو بیع منعقد ہو جائے گی مگر مبیع پر قبضہ ابھی تصور نہیں کیا جائے گا، جب تک سونے کا کاروباری ادارہ ہر خریدار کو الگ الگ حصہ کر کے نہ دے دے۔

ب- ہر خریدار کے نام کے ساتھ الگ الگ سونا کا حصہ کر دیا جائے اور تصرف کا مالک بنا دیا جائے:

اگر سونے کی اینٹ کے بجائے اس کے الگ الگ ٹکڑے ہوں اور ہر خریدار کے نام ایک ایک ٹکڑا اس طرح کر دیا جائے کہ

جب چاہے خریدار تصرف کرلے کوئی دوسرا اس میں تصرف نہیں کرسکتا ہوتو خریدار کا قبضہ تصور کیا جائے گا، سونے چاندی کے ڈلے ہوئے دراہم ودنانیر سے اس کے ڈلے کا حکم مختلف ہوا کرتا ہے، دراہم ودنانیر میں ہاتھ میں لئے بغیر قبضہ کا تصور ہی نہیں ہوسکتا ہے، لیکن ڈلے سے پہلے ایک طرح کی تعیین ہوجاتی ہے اسی وجہ سے بیع سلم کی بابت اختلاف ہوگیا کہ بلا ڈلے سونے میں جائز ہے یا نہیں، کیونکہ مسلم فیہ کا ایسی شئ ہونا ضروری ہے جو متعین کرنے سے متعین ہوجائے، تبر یعنی بلا ڈلے سونے کے بارے میں دورائے پائی جاتی ہے۔

"أن يكون المسلم فيه شيئا يتعين بالتعيين حتى لا يجوز السلم في الأثمان نحو الدراهم المحروبة والدنانير المضروبة، وهل يجوز السلم في التبر؟على رواية كتابة الصرف لا يجوز، وعلى رواية كتاب الشركة يجوز" (تاتارخانیہ ۹/۵ ۲۳ الفصل ۲۳، السلم وشرائط السلم، ۱۳۵۲۰) (مسلم فیہ یعنی مبیع کے لئے ضروری ہے کہ ایسی شئ ہو جو متعین کرنے سے متعین ہوجائے یہاں تک کہ مسلم ڈلے ہوئے دراہم ودنانیر میں جائز نہیں ہے، کیا بلا ڈلے ڈلے میں جائز ہے؟ کتاب الصرف کی روایت کے مطابق جائز نہیں ہے، اور کتاب الشرکۃ کے مطابق جائز ہے)۔

اس سے اتنی بات تو سمجھی جاسکتی ہے کہ سونے کے بسکٹ نما سکے کی شان دراہم ودنانیر کی طرح نہیں ہے، دراہم ودنانیر میں تو قبضہ اس وقت متحقق ہو ہی نہیں سکتا ہے جب تک کہ ہاتھوں میں لے کر قبضہ نہ کرلے، مگر بسکٹ نما سونے میں یک گونہ توسع اختیار کرکے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر کمپیوٹر کے ذریعہ یا رجسٹر وغیرہ میں نام ونمبر کے ساتھ ایسا اندارج کیا گیا کہ پھر دوسرے کے نام وہ نہیں ہوسکتا ہے تو گویا کہ خریدار کے لئے جو موانع تھے وہ باقی نہیں رہے اس لئے قبضہ کا تصور ہوجائے گا۔

۵- نرخ میں کمی وبیشی کا لین دین:

اسلام نے بیع وشراء کے سلسلے میں بہت سے ایسے رہنما اصول بیان کئے ہیں جن سے سودی نظام کے مفاسد کا سد باب ہوتا ہے، اور اس سے بازار کے عدم استحکام پر قابو پایا جاسکتا ہے، ان اصول میں سے ایک بنیادی ضابطہ یہ ہے کہ جب خریدار کے ضمان میں مبیع نہ آوے اس وقت تک وہ نفع ونقصان کا ذمہ دار نہیں ہے، کسی کے ضمان میں اشیاء اس وقت آتی ہیں جبکہ اس کے قبضہ وتصرف میں ہوں اسی لئے حدیثوں میں بیع قبل القبض سے منع فرماتے ہوئے ارشاد ہوا:

"إن رسول الله ﷺ قال: لا يحل سلف وبيع، ولا شرطان في بيع ولا ربح مالم يضمن ولا بيع ما ليس عندك" (ترمذی ۱/ ۲۳۳، ابواب البیو، باب ماجاء فی کراہیۃ مالیس عندہ) (اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جائز نہیں ہے قرض وبیع، اور نہ بیع میں دو شرط، اور نہ جو ضمان میں نہیں ہے اس کا نفع حلال ہے، اور نہ اس کی بیع جو تمہارے پاس نہیں ہے)۔

ایک آدمی سونا ادھار خریدتا ہے، فی الحال وہ ایکسچینج ہی میں ہے جو ادائیگی کی مدت ہے اس مدت میں سونے کی قیمت میں کمی وبیشی کے حساب سے لین دین ہوجاتا ہے، مثال سونے کی قیمت میں اچھال آگیا ہے تو خریدار کے ذمہ لازم کیا جاتا ہے کہ زائد قیمت ادا کردے، اگر نرخ میں کمی آتی ہے تو خریدار اس کمی کا بھگتان کرتا ہے۔

اس معاملہ کو کیا کہا جائے گا، ظاہر میں سلم کا معاملہ تھا، مگر سلم کے لئے ضروری ہے کہ رأس المال پر قبضہ مجلس عقد میں ہو جس

سے یہ معاملہ عاری ہے، نیز اس کی شرائط میں سے ہے کہ معاملہ قطعی ہر اس میں کسی کو خیار نہ ہو۔

"والثامن أن يكون العقد باتا لا خيار فيه لالهما ولا لأحدهما" (تاتارخانیہ ۳۴۱/۹، الفصل: ۲۳، باب شرائط المسلم ۱۳۵۳۳) (آٹھویں شرط یہ ہے کہ عقد لازم ہو، نہ تو دونوں کو اور نہ ہی کسی ایک کو اس میں خیار ہو)۔

کمی وبیشی کے لین دین سے محسوس ہوتا ہے کہ شروع سے ہی معاملہ کو لازم نہیں کیا ہے، اس لئے بیع سلم نہیں ہوئی۔ پھر خریدار نرخ میں کمی کی شکل میں نفع لے رہا ہے وہ کس ضمان کا ہے، جبکہ ابھی تک اس پر قبضہ نہیں کیا ہے، اگر یوں کہا جائے کہ اس نے بائع کے ہاتھ فروخت کر دیا اور چونکہ سامان کی قیمت زیادہ تھی اسکو قیمت ملی ہے اسی لئے وہ کمی کی تلافی اس بائع سے لے کر کر رہا ہے تو بھی معاملہ ناجائز ہوگا کیونکہ قبضہ سے پہلے بیع کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

(قبضہ سے پہلے بیع صحیح نہیں ہے اس لئے کہ مروی ہے کہ اللہ کے رسول نے قبضہ سے قبل بیع سے منع فرمایا ہے، نہی منہی کے فساد کو ثابت کرتی ہے، اور اس لئے کہ معقود علیہ کے ہلاک ہونے سے فسخ ہونے کا غرر پایا جارہا ہے...... خواہ دوسرے سے بیع کی ہو یا بائع سے بیع کی ہو، اس لئے کہ نہی مطلق ہے جو غیر بائع و بائع کے مابین فصل نہیں کر رہی ہے اسی طرح معنی غرر دونوں کے مابین فصل نہیں کر رہا ہے) (تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع ۳۹۴/۴ کتاب البیوع)۔

بلکہ یہ معاملہ سٹہ ہے جو معیشت کے نظام کو درہم برہم کر رہا ہے۔

۶-سونے کا احتکار:

شہر یا ایسی جگہ جہاں سے شہر میں غلہ آتا ہے وہاں سے غلہ خرید کر اپنے پاس روک لینا تاکہ مہنگا ہونے پر بیع کرے گا اور نفع زیادہ کمائے گا، فقہ کی اصطلاح میں احتکار کہلاتا ہے، اللہ کے رسول نے مختلف ارشادات میں اس فعل پر ناگواری کا اظہار فرمایا ہے، ایک حدیث میں ہے: "الجالب مرزوق والمحتكر ملعون" (ابن ماجہ ۱۵۶/۱ التجارات، باب الحکرۃ والجلب) (باہر سے سامان لاکر شہر میں سپلائی کرنے والا رزق دیا جائے گا، اور سامان روک کر رکھنے والا ملعون ہے)۔

احتکار کی ممانعت اس وقت ہے جبکہ اہل شہر اور باشندگان کو ضرر ہو، اگر ایسا نہیں ہے، یا ایسا سامان ہے جو اس نے خود تیار کیا ہے مثلاً کاشتکاری کے ذریعہ حاصل کی ہے اگر اس کو روک کر رکھتا ہے تو اس وعید کا مصداق نہیں ہوگا۔

احتکار کا کن اشیاء میں تحقق ہوتا ہے اس بابت اختلاف ہے، امام محمد کے نزدیک انسان وجانوروں کی غذائی اشیاء کا اسٹاک کر لینا اور نہ بیچنا احتکار کہلاتا ہے اس کے علاوہ جس سے ہلاکت کا اندیشہ نہیں ہو تو اس میں احتکار ممنوع نہیں ہے۔

جبکہ امام ابو یوسف کے نزدیک انسان کی ضرورت کی ہر شئی میں احتکار ممنوع ہے جبکہ عام انسانوں کو ضرر کا سامنا ہو جیسے ملبوسات ومفروشات وغیرہ (تاتارخانیہ ۴۱۵/۹، کتاب البیوع، الفصل ۲۷، مسئلہ: ۱۳۷۵۴)۔

دوکاندار کا سونے کو روک لینا کیا یہ بھی ممنوع احتکار کا حصہ ہے، غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نہ بیچنے سے گرانی کا سبب تو ہو سکتا ہے، لیکن خود سونا انسانی ضروریات کا حصہ نہیں ہے، اگر لوگ نہیں خریدیں گے تو کیا نقصان ہو جائے گا، اس لئے ایسی قیمتی اشیاء جن کی ضرورت زندگی گزارنے کے لئے نہیں ہوتی ہے ان کا احتکار ممنوع نہیں ہونا چاہئے۔

۷-اسمگلنگ کے ذریعہ سونے کی حصولیابی:

اسمگلنگ کا مطلب ہے غیر قانونی طور پر بیرون ممالک سے مال کی حصول یابی اور سپلائی، انسان اپنے مال کا مالک ہوتا ہے، اس میں جس طرح چاہے تصرف کرسکتا ہے، حتی کہ مسلم حکمرانوں کو بھی یہ اختیار نہیں کہ سامان کا نرخ متعین کرے، اس لئے اصل کے اعتبار سے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے مگر انسان جس ملک میں رہتا ہے اس سے عملاً عہد ہوتا ہے کہ اس کے قوانین کی پاسداری کرے گا، نیز اسمگلنگ سے معاشی توازن میں عدم استحکام آتا ہے، خاص طور پر ملکی مصنوعات کا بڑا نقصان ہوتا ہے، اس لئے قبیح لغیرہ ہو کر ناجائز ہوگا۔

تاہم اگر کسی نے اس ناجائز طریقے سے سونا چاندی کو حاصل کرلیا اور کاروبار میں لگا دیا تو جائز بھی ہوجائے گا، کیونکہ قبیح لغیرہ اصل کے لحاظ سے جائز ہی ہوتی ہے، اس کی نظیر میں تلقی جلب، بیع الحاضر للبادی کو پیش کیا جاسکتا ہے، اس قسم کے بیوع کی ممانعت وارد ہے، لیکن بیع ہوجانے کے بعد جواز کا فتوی دیا جاتا ہے۔

"أنه قال: لا يبيع حاضر لباد دعوا الناس يرزق الله بعضهم من بعض، ولو باع جاز البيع، لأن النهي لمعنى في غير البيع وهو الإضرار بأهل المصر فلا يوجب فساد البيع كالبيع وقت النداء" (بدائع ۴/۴۸۰ طبع زکریا) (اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: کوئی شہری دیہاتی کے لئے بیع نہ کرے، لوگوں کو چھوڑ دو اللہ بعض کو بعض کے ذریعہ سے رزق دیتا ہے، اور اگر اس طرح بیع کرلی تو جائز ہوجائے گی، اس لئے کہ نہی لغیرہ ہے اور وہ اہل شہر کو ضرر پہنچانا ہے، پس یہ فساد بیع کو ثابت نہیں کرے گا، جیسے اذان جمعہ کے وقت بیع کرنا)۔

۸- پلاٹین کا حکم:

آج کل بعض معدنیات کی اہمیت بہت ہوگئی ہے، ان ہی میں سے پلاٹین بھی ہے، جس کو سفید سونا کہا جاتا ہے، شرعی لحاظ سے ثمن خلقی و حقیقی کے احکام صرف سونے چاندی میں جاری ہوتے ہیں، حتی کہ اگر سونے و چاندی کسی دوسری دھات میں مخلوط ہو کر مغلوب ہوجائے تو اپنا حکم کھو بیٹھتے ہیں۔

"والغالب عليه الغش منهما في حكم عروض اعتبارا للغالب فصح بيعه بالخالص إن كان الخالص أكثر من المغشوش وبجنسه متفاضلا" (الدر المختار ۴/۲۶۷ کتاب الصرف، طبع رشیدیہ) (سونے و چاندی پر اگر غالب غش ہو تو وہ عروض کے حکم میں ہیں غالب کا اعتبار کرتے ہوئے، لہذا خالص سونے و چاندی سے بیع جائز ہے اگر خالص غش والے سے زیادہ ہو اور اسی جنس والے سے متفاضلا بھی جائز ہے)۔

اگر سونا و چاندی کے علاوہ کوئی قیمتی دھات و معدن ہو تو اس کا حکم سونا و چاندی کا نہیں ہوتا ہے۔

"لا زكاة في اللآلي والجواهر وإن ساوت ألفا، إلا أن تكون للتجارة والأصل أن ماعدا الحجرين وهذا علم بالغلبة على الذهب والفضة والسوائم إنما يزكى بنية التجارة" (الدر مع الرد ۲/۱۵ کتاب الزکاۃ) (موتی و جواہر میں زکاۃ نہیں ہے، اگرچہ ہزار کے برابر ہو، الا یہ کہ تجارت کے لئے ہو، اصل یہ ہے کہ سونے و چاندی کے علاوہ اس کا علم غلبہ سے

ہوگا، اور چرنے والے جانوروں کے علاوہ میں زکاۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جبکہ تجارت کی نیت ہو)۔

اس لئے پلاٹین کا حکم سونے کا تونہیں ہوگا، اب اگر وہ ذریعہ تبادلہ بھی ہے تو فلوس رائج کے قائم مقام ہوکر صرف وزکاۃ میں فلوس کا حکم حاصل کرے گا۔

"**أما الفلوس فإن رائجة فکثمن وإلافکسلع**" (درمختار ۲۷۱/۴ کتاب الصرف طبع رشیدیہ) (بہرحال فلوس تو اگر رائج ہوں تو ثمن کی طرح ہیں ورنہ سامان کی طرح)۔

لہذا پلاٹین کا چلن ثمن کے طور پر ہوجائے تو ثمن کا حکم ہوگا، پھر اگر وہ وزنی ہے تو گویا سونے کی قدر میں بھی شریک ہے اور مجلس میں تقابض ضروری ہوجائے گا، جنس کے الگ الگ ہونے کی وجہ سے تفاضل جائز ہوگا۔

اگر عدد ہے تو پھر ایک جانب سے تقابض کافی ہوگا، تاکہ بیع الکالی بالکالی لازم نہ آئے فلوس رائج میں جانبین سے تقابض ضروری نہیں قرار دیا جاتا، اس کی وجہ یہی ہے کہ علت ربا قدر وجنس نہیں ہے، اگر پلاٹین وسونے کے قدر میں اتحاد ہوجائے تو علت ربا کا تحقق ہوجائے گا اور ربا کے احکام نافذ ہوں گے، نیز بیع صرف کی وجہ سے تقابض مجلس میں ضروری ہوگا۔

خلاصہ جواب:

۱- بیع صرف، ثمن کا ثمن سے تبادلہ کا نام ہے۔

۲- ثمن کی دو قسمیں ہیں: خلقی واصطلاحی، خلقی ثمن سونا و چاندی ہیں، جبکہ اصطلاحی ثمن ہر وہ شی ہے جس کا چلن ورواج ثمن کی طرح ہوجائے۔

۳- ثمن خلقی کے احکام میں سے مجلس میں بدلین پر قبضہ ہے خواہ باہم مختلف جنس سے ہو رہا ہو یا ایک ہی جنس سے۔

۴- ثمن اصطلاحی میں اگر علت ربا پائی جارہی ہے تو وہ بھی خرید وفروخت میں ثمن خلقی کی طرح ہے۔

۵- علت ربا امام مالک کے نزدیک اثمان میں مطلق ثمنیت ہے، خواہ خلقی ہو یا عرفی، امام شافعی کے نزدیک صرف ثمن خلقی ہے، امام احمد کے نزدیک ظاہر قول میں وزنی ہونا ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک قدر مع الجنس ہے۔

۶- امام مالک کے نزدیک موجودہ زمانے کی کرنسیاں اموال ربویہ میں سے ہیں، جبکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ کرنسیاں اموال ربویہ میں سے نہیں ہیں، کیونکہ یہ یا تو ثمن اصطلاحی ہیں یا عددی ہیں، خلقی ثمن، اور وزنی نہیں ہیں۔

۷- لیکن کرنسیاں نفیس اشیاء سمجھی جاتی ہیں، حنفیہ کے یہاں اگر بدلین کی جنس متحد ہوں تو نفیس اموال میں بھی تفاضل ممنوع ہے، اس لئے کرنسیوں کے آپس میں تبادلہ میں تفاضل سے منع کیا جائے گا۔

۸- اگر سونے کو موجودہ کرنسی سے خریدا جائے تو بدلین میں سے ایک پر قبضہ ضروری ہے تاکہ بیع الکالی بالکالی کی ممانعت سے بچا جاسکے۔

۹- حکومت کی جانب سے سونے کا نرخ متعین ہونے کے باوجود اس سے زیادہ قیمت میں خریدنا جائز ہے، اس لئے کہ زیادہ سے زیادہ تفاضل لازم آئے گا، اور تفاضل مختلف الاجناس میں ممنوع نہیں ہے۔

۱۰-اگر زیورات بنانے کے لئے کاریگر کے حوالہ سونا کیا جائے، چونکہ زیورات بغیر دوسری دھات کی آمیزش کے بنتے نہیں ہیں، اس لئے کاریگر نے زیور بنانے کی اجرت متعین نہ کی اور دھات کی آمیزش کے بقدر سونے کے فاضل ذرات کو اپنے پاس رکھ لیا، اور زیور دیئے گئے سونے کے وزن کے برابر واپس کر دیا تو یہ معاملہ اجارہ کا ہوگا۔

۱۱-اجارہ میں اجرت کی تعیین بھی ضروری ہے، اس لئے اگر کاریگر، سونے کے ذرات کو ہی بطور اجرت رکھتا ہے تو تعامل کی وجہ سے جائز تو ہوگا مگر اس کا متعین ہونا ضروری ہوگا، لہذا سونا حوالہ کرتے وقت ہی طے کر لی جائے کہ کتنی مقدار کی آمیزش ہوگی تا کہ اجرت متعین ہو سکے۔

۱۲-پرانے زیور کے بدلے نئے زیور کی خریداری میں دونوں ہم جنس ہیں تو تفاضل جائز نہیں ہوگا، پرانے زیور کو روپئے سے بیع کر کے، ان روپیوں سے نئے زیور خرید لئے جائیں۔

۱۳-اگر سونے کی خرید کے لئے آرڈر بک کیا گیا، سونا اینٹ اور ڈلے کی شکل میں ہے جو کہ بائع کے پاس ہے، اس کو مشتری کے لئے دوسرے کے حصے سے الگ نہیں کیا گیا، اور نہ ہی ثمن پر قبضہ کیا گیا یہ بیع صحیح نہیں ہوگی کیونکہ یہ بیع کالی بالکالی ہے جو کہ ممنوع ہے۔

۱۴-اگر سونے کی خرید کے لئے آرڈر بک کیا گیا، ثمن پر قبضہ نہیں ہوا، مگر سونا بسکٹ نما سکے کی شکل میں الگ الگ ہے، اس پر نمبر کے ذریعہ مشتری کے حصہ کو الگ کیا جا سکتا ہے اور الگ کیا گیا کہ تصرف جب چاہے کر سکتا ہے تو بیع صحیح ہو جائے گی، ایک طرف سے قبضہ تصور کیا جائے گا جو کہ کرنسیوں سے بیع کے لئے کافی ہے۔

۱۵-صرف نرخ میں کمی وبیشی کا لین دین جو آج کل رائج ہے، یہ قمار کی ایک شکل ہے جو کہ جائز نہیں۔

۱۶-سونے کا احتکار جائز ہے۔

۱۷-اسمگلنگ شرعاً ممنوع، البتہ اس کے ذریعہ سونے کو حاصل کیا گیا تو اسکی حلت میں فرق نہیں پڑے گا۔

۱۸-پلاٹین کا حکم سونے کا نہیں ہے، البتہ اس کا رواج ثمن کے طور پر ہو تو ثمن عرفی کے احکام اس پر بھی جاری ہوں گے۔

☆☆☆

سوناچاندی کی تجارت شریعت کی نگاہ میں

مولانا اشتیاق احمد اعظمی قاسمی☆

بیع صرف کی تعریف:

”هو لغةً : الزيادة وشرعاً : بيع الثمن بالثمن أی ما خلق للثمنية ومنه المصوغ جنساً بجنس أو بغير جنس كذهب و فضة“ (تنویر الأبصار مع الدر المختار ورد المحتار ۷/۵۱۰: زکریا)۔

(لغۃً ”صرف“ کے معنی: زیادتی کے ہیں، اور شرعاً ”صرف“ نام ہے: ثمن کو ثمن کے بدلے بیچنے کا (ثمن سے مراد: وہ چیز ہے جو خلقۃً ثمن بننے ہی کے لئے منجانب اللہ پیدا کی گئی ہو اور ثمن ہی کی قبیل سے سونے چاندی کے بنے ہوئے زیورات بھی ہیں۔ ثمن کو ثمن کے بدلے، جنس کو جنس کے ساتھ یا غیر جنس کے ساتھ بیچنے کا نام ”صرف“ ہے، ثمن کی مثال میں سونا اور چاندی ہیں (جنہیں اللہ تعالیٰ نے خلقۃً ثمن ہی بننے کے لئے بنایا ہے) سونے اور چاندی کا اگر زیور بنا لیا جائے تو وہ بھی ثمن خلقی ہی ہوگا، جب ثمن کو ثمن کے بدلہ خریدا اور بیچا جائے گا تو دو امر ضروری ہونگے، (۱) تماثل (وزن میں مساوات) (۲) تقابض (بائع ومشتری کا جدا ہونے سے پہلے پہلے ثمن اور مبیع پر قبضہ کر لینا) ”ويشترط عدم التاجيل و الخيار والتماثل أی التساوی وزناً و التقابض بالبراجم لا بالتخلية قبل الإفتراق“ (حوالہ بالا)۔

۱- سکے اور کاغذی نوٹ، چونکہ ثمن خلقی نہیں ہیں؛ بلکہ ثمن اصطلاحی اور عرفی ہیں؛ اس لئے کاغذی نوٹوں اور سکوں کے عوض سونا یا چاندی کی خرید وفروخت کو ”بیع صرف“ نہیں کہا جا سکتا؛ کیونکہ بیع صرف کے اندر مبیع اور ثمن دونوں ہی ثمن خلقی ہوا کرتے ہیں، جیسا کہ اوپر ”تنویر الابصار“ کی عبارت گذر چکی ہے: ”هو (الصرف) بيع الثمن بالثمن“، صاحب درمختار نے اس کی وضاحت میں یہ اضافہ فرمایا: ”أی ما خلق للثمنية ومنه المصوغ جنساً بجنس أو بغير جنس“ (۷/۵۲۰)، چونکہ نوٹ اور سکے ثمن خلقی نہیں ہیں؛ بلکہ ثمن اصطلاحی اور عرفی ہیں، اس لئے اس بیع کو بیع صرف نہیں کہہ سکتے۔

الف- جب مذکورہ بالا صورت میں بیع صرف کا تصور ممکن نہیں، تو ”صرف“ کی شرائط کا نفاذ بھی ضروری نہیں ہوگا؛ کیونکہ ثمن حقیقی کے بدلے میں ثمن حقیقی کی خرید وفروخت میں نہ تو تفاضل جائز ہے اور نہ ہی ادھار درست ہے۔ ”درمختار“ کی اس عبارت میں اس مسئلہ کی صورت موجود ہے: ”لو باع فضةً بفلوس فإنه يشترط قبض أحد البدلين قبل الافتراق لا قبضهما كما فی

☆ دار العلوم، مئو (یوپی)۔

البحر عن الذخیرة "(الدر مع الرد ۷/ ۵۲۲)(اگر چاندی کو فلوس (سکوں) کے عوض فروخت کیا تو اس صورت میں بدلین (مبیع و ثمن) میں صرف ایک پر قبضہ کرنا ضروری ہوگا افتراق سے پہلے پہلے، نہ کہ دونوں پر)۔

ب- سونا اور چاندی کا جو نرخ، حکومت نے یا سونے کی مارکیٹ نے طے کر دیا ہو، اس سے زیادہ یا کم قیمت کے عوض، سونے اور چاندی کی خرید و فروخت کو ربا الفضل (سود) نہیں قرار دیا جا سکتا؛ کیونکہ کاغذی نوٹ اور سونا چاندی، دونوں الگ الگ اجناس ہیں، اس لئے کمی بیشی کے ساتھ خرید و فروخت پر ربا الفضل کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ ہاں! حکومت کے طے کردہ نرخ کے خلاف خرید و فروخت کی صورت میں امامِ وقت کی مخالفت کی بنیاد پر گنہگار ہو سکتا ہے۔

علامہ تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: " **ولا ینبغی مخالفة هذا السعر إما لأن طاعة الإمام فیما لیس بمعصیة واجب وإما لأن کل من سکن دولة فإنه یلتزم قولاً أو عملاً بأنه یتبع قوانینها وحینئذ یجب علیه اِتباع أحکامها** " (أوراق أحکام النقود والعملات ۲/ ۱۹۰۸)(حکومت کے طے کردہ نرخ کی مخالفت مناسب نہیں؛ کیونکہ امام وقت کی اطاعت ان امور میں واجب ہوا کرتی ہے، جو معصیت کے قبیل کے نہیں ہوا کرتے، اور یا تو اس وجہ سے کہ جو آدمی کسی بھی ملک میں سکونت پذیر ہوا کرتا ہے تو وہ وہاں کے جملہ قوانین کی عملاً یا قولاً پابندی کرنے کا التزام کئے ہوتا ہے، اس لئے اس پر حکومت کے احکام و قوانین کی اتباع لازم ہوا کرتی ہے)۔

۲- زیور بنانے والے کاریگر، زیورات کے تاجروں سے ایک معتد بہ وزن میں سونا لیتے ہیں، اور چند دنوں میں اس کے بدلے، سونے سے بنے ہوئے زیورات انہیں واپس کرتے ہیں، انہیں الگ سے کوئی اجرت نہیں دی جاتی؛ بلکہ زیورات کی شکل میں سونے کی اتنی ہی مقدار انہیں واپس کرنی ہوتی ہے، جتنی انہوں نے لی تھی؛ البتہ سونے کا زیور بنانے میں دوسری دھاتوں کی آمیزش ضروری ہوتی ہے، اس آمیزش کے بقدر سونا ان کو بچ جاتا ہے اور زیور بنانے میں سونے کے کچھ ذرات نکل آتے ہیں، یہی ان کی اجرت ہوتی ہے۔

مذکورہ صورت میں سونے کے لین دین میں مقدار کا جو فرق ہو رہا ہے، اسے بیع نہیں تصور کیا جا سکتا؛ کیونکہ یہاں معاملہ، کاریگر سے تاجر کا زیور بنوانے کا ہے، نہ کہ خرید و فروخت کا، تو یہ اجارہ ہی کی صورت بنے گی۔ ہاں، اجارہ میں صحت اجارہ کے لئے، اجرت معلومہ کا ہونا شرط ہے، اور یہاں بظاہر اجرت، مجہول محسوس ہو رہی ہے، اگر یہ جہالت، مفضی الی النزاع ہو تو اجارہ، فاسد ہونا چاہئے؛ لیکن کاریگروں اور تاجرانِ ذہب وفضہ کے یہاں یہ تعامل چلا آرہا ہے، اور ان میں اس کی وجہ سے نزاع بھی نہیں ہوتی، نزاع نہ ہونے کی وجہ، یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کتنے وزن کے سونے کا زیور بنانے میں کتنی مقدار میں اس کے اندر، دوسری دھاتیں ملانی پڑتی ہیں، یہ ان کے یہاں متعارف ہوا کرتا ہے؛ کیونکہ ٹانکہ (کھونٹ) معلوم کرنے کے لئے ان کے پاس کسوٹی (خاص پتھر) ہوا کرتا ہے، اس پر گھس کر، اس کے اندر موجود کھونٹ کی مقدار کو وہ معلوم کر لیا کرتے ہیں، اس لئے کاریگر اور تاجران کے مابین وہ ایک طرح سے معلوم کے درجہ میں ہوا کرتا ہے؛ اس لئے مذکورہ بالا صورت میں اجرت بالکلیہ مجہول نہیں ہے؛ بلکہ معلوم اور متعارف ہے اور اگر جہالت ہے بھی، تو معمولی جہالت ہے، اور جہالتِ یسیرہ، عقدِ اجارہ کے لئے موجب فساد نہیں ہوا کرتی۔

۳- عام طور پر سونے کے تاجر حضرات، پرانے زیور کی قیمت کم متعین کرتے ہیں؛ مثلاً دس گرام سونے کو آٹھ گرام کے درجہ میں رکھتے ہیں، تو اگر سونے کے پرانے زیورات کا سونے کے نئے زیورات سے تبادلہ ہو اور اس کمی کو ملحوظ رکھتے ہوئے سونے کا پرانا زیور، زیادہ وزن کا لیا جائے اور سونے کا نیا زیور کم وزن میں اس کے بدلے ادا کیا جائے تو یہ صورت جائز نہیں ہوسکتی؛ کیونکہ جنس کا جنس سے جب تبادلہ ہو تو تفاضل (کمی بیشی) جائز نہیں ہوا کرتی ہے؛ خواہ نئے پرانے، اور عمدہ اور گھٹیا کا فرق کیوں نہ ہو، مثلاً ۱۸ر کیرٹ کا سونا دس گرام دے کر، اگر کوئی ۲۴ر کیرٹ کا سونا آٹھ گرام لیتا ہے، تو یہ بیع جائز نہیں ہوسکتی۔ ''تنویر الابصار'' میں لکھا ہے کہ: بیع صرف میں دو چیزوں کی شرط ہے: ایک تماثل کی، دوسرے تقابض قبل الافتراق کی۔ عبارت یوں ہے: ''ویشترط التماثل أی التساوی وزناً والتقابض بالبراجم لا بالتخلية قبل الافتراق وهو شرط بقائه صحيحاً على الصحيح إن اتحد ا جنساً وإن وصلية اختلفا جودةً و صياغةً'' (تنویر الأبصار مع الدر ۷/ ۵۲۱، ۵۲۲) اور ہدایہ ''کتاب الصرف'' میں تحریر ہے: ''فإن باع فضةً بفضة وذهباً بذهب لا يجوز إلا مثلاً بمثل وإن اختلفت فی الجودة و الصياغة'' (ہدایہ ۳/ ۱۰۴)۔

۴- آج کل کموڈیٹیز ایکسچینج میں دوسری اشیاء کے ساتھ سونے چاندی کی بھی خرید و فروخت ہوتی ہے، جس میں خریدار آرڈر دیتا ہے اور جو کچھ اس نے آرڈر دیا ہے، اس کے آرڈر کے بقدر وہ شئی، اس کے نام سے محفوظ کردی جاتی ہے:

الف- تو اگر سونا فروخت کرنے والے ادارے کے پاس مثلاً ایک کلو سونا ہو اور وہ دو سو افراد کو پچاس پچاس گرام سونا فروخت کرے؛ لیکن ان سب کا خریدا ہوا سونا، سونے کی اینٹ میں شامل ہو، ان کے الگ الگ بسکٹ یا سکے نہیں بنائے گئے ہوں، تو اس صورت میں فقط خریدار کے نام سے اس کی خریدی ہوئی مقدار کے محفوظ کردئے جانے کو خریدار کا قبضہ نہیں سمجھا جاسکتا؛ کیونکہ مبیع کو مقدور التسلیم ہونا بھی ضروری ہے اور یہاں تمام خریداروں کا سونا، اینٹ کی شکل میں اکٹھا موجود ہے، سونے پر کسی خریدار کا قبضہ کیونکر متصور ہوسکتا ہے؛ جبکہ مبیع مشاع غیر مقدور التسلیم ہے۔

ب- اور اگر ہر خریدار کے لئے اس کی خریدی ہوئی مقدار کا سکہ الگ سے موجود ہو اور اس کو کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں اس کے نام سے درج کردیا گیا ہو؛ نیز اس کی رسید یا سرٹیفکیٹ مشتری کو دیدی جائے تو یہ شکل اس کے قبضے کی مانی جاسکتی ہے، کیونکہ مشتری کا گوکہ مبیع پر حساً قبضہ نہیں ہے؛ تاہم تخلیہ اور موانع عن التصرف کا ارتفاع پایا جارہا ہے، اور قبضہ سے مقصود درحقیقت رفع موانع ہی ہوا کرتا ہے۔

۵- ایکسچینج کے ذریعہ کاروبار کی ایک اور صورت جو آجکل رائج ہے، یہ ہے کہ مثلاً ایک مہینہ کے لئے ادھار ایک مخصوص مقدار جیسے ۱۰ر تولہ سونے کا سودا کرلیا جاتا ہے، خریدار سونے پر قبضہ نہیں کرتا، جب ادائیگی کی تاریخ آتی ہے تو سونے کے اس دن کے نرخ کو دیکھ لیا جاتا ہے، خریداری کے دن اور ادائیگی کے دن، سونے کے نرخوں میں جو فرق ہوتا ہے، اس کی ادائیگی کردی جاتی ہے، مثلاً خریدنے کے دن سونے کا نرخ پانچ ہزار روپئے فی تولہ تھا، ادائیگی کے دن پانچ ہزار ایک سو روپئے تولہ ہوگیا تو خریدار بائع کو ایک سو روپئے دے گا اور اگر اس دن قیمت چار ہزار نو سو روپئے تھی، تو بائع خریدار کو ایک سو روپئے ادا کرے گا، نہ تو مشتری سونے پر قبضہ کرتا

ہے اور نہ بائع قیمت پر قبضہ کرتا ہے، بس نرخ میں کمی بیشی سے جو فرق آتا ہے، اس کا لین دین کرتے ہیں۔

مذکورہ صورت، لین دین کی جائز نہیں ہے؛ کیونکہ یہ تو مکمل سٹہ بازی ہے، اور سٹہ بازی (Speculation) میں بھی مقررہ تاریخ پر سامان اور جنس کی لین دین کے بجائے قیمتوں کا فرق برابر کر کے نفع کمایا جاتا ہے اور سٹہ (Speculation) فیوچر سیل (Future Seles) کی ایک قسم ہے، جسے علامہ تقی عثمانی صاحب نے شرعاً ناجائز لکھا ہے (دیکھئے: اسلام اور جدید معیشت وتجارت ص ۹۱، اور دیکھئے: صفحہ ۷۵ پر سٹہ کا بیان)۔

۶- بہت سی دفعہ سونے کی قیمت میں متوقع اضافہ کا سونے اور چاندی کے تاجروں کو علم ہو جاتا ہے ایسی صورت میں وہ سونے کو روک لیتے ہیں؛ تا کہ قیمت بڑھنے کے بعد اسے فروخت کریں گے، سونا اس پہلو سے اشیاء ضروریہ میں شامل ہے کہ وہ ثمن خلقی ہونے کے لحاظ سے ذریعۂ تبادلہ ہے، اس کو روک لینے کی وجہ سے سونے کی قیمت تو بڑھتی ہی ہے، اس گرانی کا اثر دوسری اشیاء پر بھی پڑتا ہے؛ اس لئے سونے کی ذخیرہ اندوزی اور گراں فروشی کے لئے اسے روک کر رکھنا، احتکار کے دائرہ میں آئے گا، اور احتکار منہی عنہ اور حرام ہے۔

احتکار کے بارے میں فقہاء کرام کے درمیان اختلاف رائے ہے کہ احتکار کا تعلق صرف کھانے پینے کی اشیاء سے متعلق ہوا کرتا ہے، یا اس کا تعلق سبھی اشیائے ضروریہ سے ہوا کرتا ہے، اختلاف فقہاء کو ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

۱- احناف: اشیاء خورد ونوش کا ایک شہر سے دوسرے شہر میں لانا اور اسے اس نیت سے روک کر رکھنا کہ جب ان کی قیمت بڑھے گی، تب فروخت کروں گا، یہ احتکار میں داخل ہے، بشرطیکہ جس شہر میں غلہ روکا گیا ہے، وہاں کے لوگوں کو اس عمل سے نقصان کا اندیشہ ہو؛ کیونکہ اس شہر میں غلہ کی آمد کے بعد اس غلے سے شہر کے لوگوں کا حق متعلق ہو جایا کرتا ہے، اور اسے روک کر رکھنے میں لوگوں کے ساتھ ظلم ہے، علامہ کاسانیؒ نے فرمایا: "**لأن الاحتكار من باب الظلم ،لأن ما يبيع في المصر فقد يتعلق به حق العامة فإذا امتنع المشترى عن بيعه عند شدة حاجتهم إليه فقد منعهم حقهم ومنع الحق عن المستحق ظلم وأنه حرام**" (بدائع الصنائع ۵/ ۱۲۹) (کیونکہ احتکار من باب الظلم ہے، اس لئے کہ جو چیز شہر میں بکتی ہے، اس سے شہر کے لوگوں کا حق متعلق ہو جایا کرتا ہے، تو جب مشتری، خریدی ہوئی شی کو بیچنے سے رک جائے گا؛ جبکہ اہل شہر کو اس کی شدید ضرورت ہے تو دریں صورت اہل شہر کے حق کو روک کر رکھنا ہوا، اور مستحق کو اس کے حق سے روکنا ظلم ہے، اور ظلم حرام ہے)۔

فقہاء احناف میں امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ: احتکار کا تعلق صرف اشیائے خورد ونوش ہی سے نہیں ہے؛ بلکہ اس کا تعلق ہر اس چیز سے ہے، جس کی لوگوں کو ضرورت ہوا کرتی ہے؛ خواہ وہ ماکولات ومشروبات ہوں یا ملبوسات اور سونے چاندی ہی کیوں نہ ہوں۔

۲- امام مالکؒ: "**يمنع من يحتكر إذا كان فعله يضر بالسوق**" (المدونۃ ۳/ ۲۹۰) (احتکار کرنے والے کو احتکار سے روکا جائے گا، بشرطیکہ اس کے اس فعل سے بازار اور بازار والوں کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو) الغرض امام مالکؒ کے نزدیک بھی احتکار میں عموم ہے، خواہ وہ کسی چیز سے متعلق ہو، اگر لوگوں کو اس کی حاجت ہو اور کچھ لوگ اسے قیمت بڑھنے کی نیت سے روکیں تو وہ

احتکار کرنے والے شمار ہونگے۔

۳-امام شافعیؒ: ان کے نزدیک اقوات (اشیاءِ خوردونوش) میں احتکار حرام ہے؛ لیکن اصحاب امام شافعیؒ نے احتکار کو حرام نہیں بلکہ صرف مکروہ قرار دیا ہے (المجموع شرح المہذب للنووی ۱۳/ ۴۴ تا ۴۹)۔

۴-امام احمد بن حنبلؒ: امام احمدؒ نے احتکار کو حرام قرار دیا ہے، بدلیل حدیث رسول اللہ ﷺ: "من احتکر فهو خاطئ" (مسلم فی کتاب المساقاۃ والمزارعۃ)۔

امام احمدؒ کے نزدیک احتکار تین شرطوں کے ساتھ حرام ہے:

۱-احتکار کرنے والا سامان خرید کر لائے یعنی مشتری ہو نہ کہ باہر سے لانے والا ہو، یا اپنے غلہ میں کچھ ملا کر اسے ذخیرہ کرنے والا ہو تو احتکار نہیں ہوگا۔

۲-اشیاءِ خوردونوش (قوت) کا خرید کر روکنے والا ہو، لہذا حلوا، شہد، تیل اور جانوروں کے چارہ میں احتکار نہیں ہوگا۔

۳-ان اشیاءِ خوردونوش کے خریدنے کی بنا پر لوگوں کو تنگی میں پڑنے کا سبب بنے تو احتکار ہوگا، ورنہ نہیں (المغنی)۔

بعض معاصر عرب مصنفین و باحثین نے امام مالکؒ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے کو ترجیح دیا ہے؛ کیونکہ ضرورت کی کسی بھی چیز کا احتکار کرنے پر لوگوں کو تنگی اور پریشانی میں مبتلا کرنا ہوگا، اس لئے احتکار عمومی طور پر منہی عنہ اور حرام ہونا چاہئے۔

بناءً علیہ سونے کو بھی اس نیت سے روک کر رکھنا کہ جب اس کی قیمت بڑھے گی، تب فروخت کرونگا، یہ بھی احتکار میں داخل ہوگا۔

۷- ملک میں جو سونا آتا ہے، اس میں بڑا حصہ تو قانونی طریقہ پر آتا ہے اور سونا لانے والا اس کے واجبات کو ادا کرتا ہے، دوسرا طریقہ اسمگلنگ کا ہے، یہ طریقہ غیر قانونی ہے، اس میں سونا لانے والا ان واجبات کو ادا نہیں کرتا، جو حکومت نے سونے کی درآمد سے متعلق مقرر کئے ہیں۔

اسمگلنگ کا عمل جائز نہیں ہے، لہذا اسمگلنگ شدہ سونے کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں ہوگی۔

"فلا يجوز التهريب الذى يخالف ما نصت عليه الدولة ويسبب وقوع المشاكل بين الشعب والدولة ويوقع فى الحرام أيضاًفالواجب على الشعب أن يمتثل وأن يساعد الدولة فى منع ما ينبغى منعه وفى بقاء ما ينبغى بقاؤه لأن ذلک فيه التعاون على ما فيه مصلحةالجميع"(من النيت) (سو اسمگلنگ کا عمل جائز نہیں ہوسکتا،؛ جس میں حکومت کے فرمان کی مخالفت لازم آتی ہے اور جو عوام اور حکومت کے مابین مشکلات پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے، نیز یہ عمل حرام میں مبتلا کرتا ہے، بناءً علیہ عوام الناس پر واجب ہے کہ حکومت کے احکام کی اطاعت کریں اور حکومت کے ممنوعات سے بچیں اور جن چیزوں کی حکومت کی طرف سے اجازت ہو، وہیں تک اپنے کو محدود رکھیں، اسی میں سارے لوگوں کی مصلحت مضمر ہے)

سعودی عربیہ کے "**اللجنة الدائمة**" کے فتوی (رقم: ۶۴۳۴۰) میں کہا گیا ہے: "**وبناءً على حرمة التهريب يكون شراء البضائع المهربة محرماً لما فيه من الإضرار بالدولة ومخالفة ما يراه أولياء الأمور فيها من**

مصلحة منعه ولما فيه أيضاً من الإعانة على الإثم وقد قال تعالى: وتعاونوا على البر والتقوىٰ ولا تعاونوا على الإثم و العدوان"(سورۂ مائدہ:۲)(چونکہ اسمگلنگ کا عمل حرام ہے،اس لئے اسمگلنگ شدہ تمام سامانوں کی خرید وفروخت بھی حرام ہوگی؛ کیونکہ اس میں حکومت کو نقصان پہنچانا ہے اور اولیاء الامور کی مخالفت بھی لازم آتی ہے؛ کیونکہ جن امور سے انہوں نے روک رکھا ہے،اس کا ارتکاب لازم آتا ہے، نیز اس میں تعاون علی الاثم بھی ہے، جو بنص قرآنی ممنوع ومحرم ہے)۔

۸- آجکل پلاٹین کو سفید سونا کہا جاتا ہے، اب اس کا شمار مہنگی دھاتوں میں ہوتا ہے، اور اس کے زیورات بھی بنائے جاتے ہیں،تو چونکہ سونے چاندی کو شریعت میں اثمانِ خلقی تسلیم کیا گیا ہے، اب اس کے ساتھ کوئی دوسری دھات خواہ وہ کتنی ہی مہنگی کیوں نہ ہو اور خواہ لوگوں میں اس کے زیورات بنانے اور دیگر امور میں اس کا چلن کتنا ہی عام کیوں نہ ہوگیا ہو، وہ دھات سونے اور چاندی کا مقام نہیں لے سکتی، نہ اس کے اندر بیع وشراء کے وہ احکام منطبق ہونگے، جو سونے چاندے کے سلسلے میں ہوتے ہیں۔

☆☆☆

سونا چاندی کی تجارت سے متعلق اہم متعلق مسائل

مولانا محمد اقبال قاسمی☆

۱،۲- پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر روپے سے سونا یا چاندی خریدا جائے تو روپے کی حیثیت ثمن کی ہوگی اور اس بیع کو بیع صرف نہیں کہا جائے گا، چونکہ بیع صرف کی تعریف فقہاء نے یہ کی ہے کہ ثمن کو ثمن کے بدلہ بیچا جائے خواہ اس کی جنس سے یا غیر جنس سے، اور ثمن سے مراد وہ چیزیں ہیں جو خلقی اعتبار سے ثمن ہوں خواہ وہ زیورات کی شکل میں ہوں یا خالص سونے چاندی کی شکل میں یا دراہم ودنانیر کی شکل میں، موسوعہ میں بیع صرف کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:"هو بيع الثمن بالثمن جنسا بجنس أو بغير جنس، فيشمل بيع الذهب بالذهب والفضة بالفضة كما يشمل بيع الذهب بالفضة والمراد بالثمن ما خلق للثمنية فيدخل فيه المصوغ بالمصوغ أو بالنقد"(موسوعہ فقہیہ ۳۴۸/۲۶)، لہذا سونے کو سونے کے بدلہ یا سونے کو چاندی کے بدلے بیچنے کو بیع صرف کہیں گے، اور" الفقہ الاسلامی" میں بیع صرف کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے "هو بيع النقد بالنقد جنسا بجنس أو بغير جنس"أى بيع الذهب بالذهب والفضة بالفضة أو الذهب بالفضة مصوغا أو نقدا"(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴۰۴/۴) (نقد کو نقد کے بدلہ بیچنا، ایک جنس کو اسی کی جنس کے عوض یا غیر جنس کے عوض یعنی سونے کو سونے کے بدلے یا چاندی کو چاندی کے بدلہ یا سونے کو چاندی کے بدلہ خواہ وہ ڈھالا ہوا ہو یا نقدی ہو)۔

اور نقدی میں سونا، چاندی دونوں آتے ہیں اور یہ سب ثمن کہلاتے ہیں اور یہ خلقی ثمن ہیں، اللہ نے ان دونوں کو فطری اعتبار سے ثمن بنایا ہے، یہی وجہ ہے کہ پوری دنیا ان کو ثمن مانتی ہے اور تمام ہی ممالک میں ان کو اصل سرمایہ اور پونجی تصور کیا جاتا ہے، ان کی ثمنیت کسی کے ماننے پر موقوف نہیں ہے، دنیا کے کسی بھی ملک اور خطے میں سونا اور چاندی لے کر آپ چلے جائیں ان کے بدلہ میں وہاں کی کرنسی آرام سے مل جائے گی اور روپے یا کرنسی کی حیثیت ثمن اصطلاحی کی ہے، یعنی ہر ملک کی حکومت نے اپنے یہاں کے رائج سکوں کو ثمن کی حیثیت دے رہی ہے اور وہ ملک والے اسی سے خرید وفروخت کرتے ہیں، جب تک وہاں کی حکومت اس کو ثمن مانے گی، اس وقت تک اس کی حیثیت ثمن کی ہوگی اور جب اس پر پابندی لگادے گی جیسا کہ آج کل پانچ سو اور ہزار روپے کے نوٹ پر پابندی لگ گئی ہے تو اس کی ثمنیت باطل ہوجائے گی یہی وجہ ہے کہ ایک ملک کی کرنسی براہ راست دوسرے ملک میں نہیں چلتی لیکن سونا اور چاندی ہر ملک میں رائج ہے اور ہر جگہ اس کی حیثیت مسلم ہے، خلاصہ یہ ہے کہ سونا چاندی دونوں ثمن ہیں اور دونوں کی جنس الگ الگ

☆ قاضی شریعت واستاذ مدرسہ اسلامیہ شکرپور بھرواره دربھنگہ۔

ہے،فقہاء لکھتے ہیں:

’’والذهب والفضة أثمان بالخلقة سواء كانا مضروبين نقودا أو غير مضروبين‘‘(موسوعہ فقہیہ ۹/ ۲۷)۔

الف-سونا چاندی اورروپے میں سے ایک نقد اور دوسرا ادھار:

یہ بات درست ہے کہ سونا، چاندی اور روپے میں سے ایک نقد ہو اور دوسرا ادھار ہو کیونکہ یہ بیع صرف نہیں ہے چونکہ بیع صرف میں جانبین سے ثمن خلقی کا ہونا ضروری ہے، اور روپے سے سونا چاندی خریدنے کو بیع صرف نہیں کہتے۔

’’شامی‘‘ میں ہے، علامہ حانوتی سے سونے کو روپے کے بدلے ادھار بیچنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ جائز ہے جبکہ کسی ایک پر قبضہ ہوجائے،’’وفي ردالمحتار سئل الحانوتي عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة فأجاب بأنه يجوز إذا قبض أحد البدلين‘‘(ردالمحتار ۵/ ۱۸۰، مکتبہ سعیدیہ، المبسوط سرخسی ۱۴/ ۲۴)۔

اور’’فتاوی دارالعلوم زکریا‘‘ میں جدید معاملات کے شرعی احکام کے حوالہ سے لکھا ہے:’’سونا چاندی اس طرح فروخت کرنا کہ مثلاً سونے کے زیورات خریدے اور رقم کچھ ابھی دے دے اور کچھ بعد میں دینے کا وعدہ کیا یا کل رقم ادھار ہے شرعا اس کا حکم یہ ہے کہ کاغذی نوٹ کے ذریعہ سونے چاندی کا لین دین بیع صرف کے حکم میں داخل نہیں ہے، اس لئے ادھار خرید وفروخت جائز ہے شرط یہ ہے کہ عوضین میں سے کسی ایک پر مجلس عقد میں قبضہ ہوجائے تاکہ بیع الکالی بالکالی لازم نہ آئے (فتاوی دارالعلوم زکریا ۵/ ۳۴۹)۔

ب-سونے چاندی کو سرکاری ریٹ یا سونے کی مارکیٹ کی ریٹ سے کمی بیشی کے ساتھ خرید وفروخت کرنا، ہاں یہ درست ہے کہ سونا اور چاندی کا جو نرخ حکومت نے یا سونے کی مارکیٹ نے طے کیا ہو اس سے زیادہ یا کم قیمت میں سونے چاندی کی خرید و فروخت کی جائے اور اس صورت میں ربا الفضل کا اطلاق نہیں ہوگا کیونکہ سونے کی جنس الگ ہے، چاندی کی جنس الگ اور کرنسی کی جنس الگ ہے اور جب سونے کو چاندی یا کرنسی سے خریدا جائے یا کرنسی سے بیچا جائے تو دونوں کے مختلف الجنس ہونے کی وجہ سے کمی بیشی جائز ہوگی کیونکہ جب جنس مختلف ہو اور دونوں ثمن کی قبیل سے ہو تو کمی بیشی جائز ہے، اور ادھار حرام ہے، ہاں اگر ایک طرف سے کرنسی ہو تو وہ جائز’’لأن النبي ﷺ أجاز بيع الأموال الربوية بعضها ببعض عند اتحاد الجنس مع المماثلة أو عند اختلاف الجنس ولو مع التفاضل‘‘(الفقہ الإسلامی وأدلتہ ۴/ ۴)۔

(نبی اکرم ﷺ نے اموال ربویہ میں سے ایک کی بیع دوسرے سے جائز قرار دیا ہے، جنس ایک ہونے کے وقت برابری کے ساتھ یا جنس کے بدلنے کے وقت کمی بیشی کے ساتھ بشرطیکہ ہاتھ در ہاتھ ہو)۔

دوسری جگہ ہے:’’إن تبادل الأموال الربوية يجب فيه التساوي في الكميات المبادلة من الجنس الواحد‘‘(الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/ ۴۳۸)(یقیناً اموال ربویہ کے تبادلہ میں تساوی ضروری ہے ان مقداری چیزوں میں جن کا تبادلہ جنس واحد میں ہو)۔

اور جب جنس مختلف ہے ایک سونا ہے اور ایک کرنسی ہے تو کمی بیشی یقیناً جائز ہے، باقی سرکاری یا سونے کی مارکیٹ کی ریٹ سے کمی بیشی کے ساتھ خریدنا اس لئے جائز ہے کہ بائع اور مشتری دونوں اس ریٹ پر متفق ہیں، اور بائع اور مشتری جس ریٹ پر متفق

ہوجائیں یقیناً وہ بیع درست ہوتی ہے اورفقہاء کی اصطلاح میں اس کوثمن کہتے ہیں اورشریعت نے اس سلسلہ میں لوگوں کوآزادی دی ہے چاہے لوگ بازاری ریٹ پرخریدوفروخت کریں جس کوفقہ کی اصطلاح میں قیمت کہاجاتاہے اور چاہے آپسی رضامندی سے قیمت طے کرلیا کریں خواہ وہ بازاری ریٹ سے کم ہو یا زیادہ جس کوثمن کہاجاتاہے،فقہاء لکھتے ہیں:

''والثمن غير القيمة لأن القيمة هي مايساويه الشئ من تقويم المقومين''(موسوعہ فقہیہ:۹)(ثمن قیمت کا غیر ہوتاہے اس لئے کہ قیمت وہ ہے جوکسی چیز کے مساوی اور برابر ہو قیمت لگانے والوں کی نگاہ میں)۔

اورثمن وہ ہے جس پر بائع اورمشتری دونوں راضی ہوجائیں چاہے وہ قیمت سے زیادہ ہو یا کم ہو یا مساوی ہو،''الفقہ الاسلامی''میں ہے:''الثمن لا يتحقق إلا في العقد فهو ما يتراضى عليه المتبايعان سواء كان أكثر من القيمة أم اقل أم مساويا والثمر هو ما تراضى عليه المتبايعان مقابلا للمبيع''(الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۱۶۶/۴)(ثمن کا تحقق صرف عقد میں ہوتاہے،اورثمن وہ ہے جس پر بائع اورمشتری دونوں راضی ہوجائیں،چاہے قیمت سے زیادہ یا کم یا مساوی اورثمن وہ ہے جس پر بائع اورمشتری دونوں راضی ہوجائیں اوروہ مبیع کے مقابل ہو)۔

البتہ حکومت نے یا سونے کی مارکیٹ نے جو قیمت طے کی ہے اس کی پابندی شرعالازم نہیں ہے،البتہ اگر حکومت کے طے شدہ نرخ کی خلاف ورزی سے عزت نفس کا خطرہ ہوتو پھر احتیاط کرنا چاہئے،فتاوی دارالعلوم زکریا جلد پنجم میں حکومت کے طے شدہ قیمت کے خلاف کرنسی فروخت کرنے سے متعلق ایک سوال کے جواب میں لکھاہے: بصورت مسئولہ نفس جواز میں توکوئی کلام نہیں اس لئے کہ خلاف جنس کی بیع کمی بیشی کے ساتھ جائزہے،البتہ حکومت کے قانون کی خلاف ورزی لازم آئے گی اورعزت نفس ضروری ہے، اگرعزت کا خطرہ ہوتوایسا کام نہیں کرنا چاہئے اور چندکوڑیوں کے لئے عزت نفس کوخطرہ میں ڈالنا کوئی عقل مندی کی بات نہیں (فتاوی دارالعلوم زکریا۵/ ۳۵۴)۔

۲-الف: زیورات کے تاجرکا کاریگرکومتعینہ وزن سونا دینا پھراتنے ہی وزن کا زیورلینا:

اگرزیورات کے تاجرزیور بنانے والے کاریگرکومتعینہ وزن میں سونا دے اور چندد نوں میں اتنے ہی وزن کا زیور لے اور زیور بنانے میں دھات کی آمیزش سے جوسونا بچاہے اس کی اجرت قراردے اورالگ سے زیورکا تاجرکاریگرکوکچھ نہ دے توسونے کے لین دین میں مقدار کے اس فرق کواجارہ تصورکیاجائے گا،چونکہ تاجرنے کاریگرکوسونا دیاہے اوراسی سونے کا زیورکاریگراس کودے رہا ہے،اورکاریگری کی مزدوری اس سے سونے کے بچے ہوئے مقدارکی شکل میں مل رہاہے۔

اجارہ کی تعریف احناف کے نزدیک ''هو عقد على المنافع بعوض''(الفقہ الاسلامی ۵۲۵/۴) ہے،(یعنی منافع پرکوئی عقد کرناہے کسی عوض کے بدلہ)اوراس میں کاریگرکی کاریگری پرعقد ہورہاہے اوراس کا عوض سونے کے بچے ہوئے ذرات ہیں چونکہ زیوربنانے والے کاریگرسونے کومختلف شکلوں میں ڈھالتے ہیں اورڈھالنے کے لئے دوسری دھاتوں کی آمیزش ضروری ہے جس کی حیثیت تابع کی ہے ان دھاتوں کومستقل مبیع قرارنہیں دیاجاسکتا چونکہ وہ تابع ہیں،اورفقہاء نے اصول بیان کیاہے ''التابع تابع لا يفرد بالحكم'' (تابع تابع ہوتاہے اس کومستقل بالحکم قرارنہیں دیاجاسکتا)،لہذا اصل مال سوناہے جوسونے کے تاجر کے

کاریگر کے حوالہ کیا ہے اور زیور بنانے والے کاریگر اپنی کاریگری اور محنت کے ذریعہ اس کو مختلف شکلوں میں ڈھالتے ہیں اور خالص سونے اور چاندی کو بغیر دوسری دھات کے آمیزش کے نہیں ڈھالا جاسکتا اس لئے دھات ملایا گیا لہٰذا زیور بنانے والے کاریگر کی حیثیت اجیر (مزدور) کی ہوگی اور سونے کے مالک کی حیثیت مستاجر (مزدور رکھنے والے) کی ہوگئی، اس کی مثال بالکل رنگریز کی ہوگئی، جیسے کوئی آدمی کسی رنگریز کو کوئی کپڑا رنگنے کے لئے دے اور وہ رنگریز کپڑے کو رنگ کر مالک کے حوالہ کردے، رنگریز رنگ خود اپنی ڈالتا ہے وہ رنگ کپڑے والے سے نہیں مانگتا، اس کی محنت اور رنگ کی قیمت کو اجرت کہا جاتا ہے جو کپڑے رنگریز کو دیتا ہے، اس کو بیع قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ بیع کے لئے مبادلۃ المال بالمال بالتراضی ضروری ہے، اور صورت مسئولہ میں تبادلہ ہے ہی نہیں، صرف کاریگر کی محنت ہے اور بقدر ضرورت دھات کی آمیزش ہے اس محنت اور دھات کی آمیزش کو مال قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ب- زیورات کے بنانے میں بچے ہوئے سونے کے ذرات کو اجرت قرار دینا:

جب یہ بات متعین ہوگئی کہ سونے کے مالک کا کاریگر کو سونا دے کر ان سے زیورات بنانا عقد اجارہ ہے اور مالک کی حیثیت مستاجر کی ہے اور کاریگر کی حیثیت اجیر کی ہے تو اب یہ سوال ہے کہ زیورات کے بنانے میں جو ذرات بچ جائیں وہ اجرت قرار دیا جائے کیا یہ درست ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح کا عقد کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس دھات کی مقدار متعین ہو جس کی آمیزش زیور بنانے میں ہوگی تاکہ آپس میں کوئی نزاع نہ ہو اور کاریگر کو اپنی کاریگری کی اجرت کی مقدار معلوم ہو جائے، فقہاء نے صحت اجارہ کی شرائط میں اس کو ذکر کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ: "**أن يكون المعقود عليه وهو المنفعة معلوما علما يمنع من المنازعة فإن كان مجهولا جهالة مفضية إلى المنازعة لا يصح العقد**" (الفقہ الاسلامی ۴/ ۵۳۰)، مثلاً ایک سو گرام سونے کے زیور بنانے میں اگر دھات کی آمیزش دس فیصد ہو تو اس سے اس کی مزدوری بھی متعین ہوگئی کہ دھات اور میری محنت کی مزدوری دس گرام سونا اور مالک بھی گومگو کا شکار نہیں رہے گا کہ نہیں معلوم کتنی دھات ملائے گا، اگر اس طرح دھات کی مقدار اور اس کی کاریگری کی مکمل وضاحت ہو جائے جس سے بعد میں کوئی نزاع نہ ہو تو پھر سونے کے اس بچے ہوئے ذرات کو اجرت قرار دینے میں کوئی حرج نہیں، چونکہ اجرت بھی متعین ہے، اور محنت بھی متعین ہے، گویا مالک اس بات پر راضی ہے کہ کاریگر دس فیصد سونا لے لے اور باقی کا زیور بنا کر میرے حوالہ کرے، بظاہر ہر تو سو گرام سونے کے بدلہ سو گرام کا زیور دے رہا ہے لیکن حقیقت میں وہ نوے گرام سونے کا زیور دے رہا ہے اور دس فیصد اس کی مزدوری ہوئی ہے، اور اگر دھات کی مقدار اور کاریگری کی تفصیلات واضح نہ ہو تو پھر یہ اجارہ درست نہیں چونکہ اجرت بھی مجہول ہے اور معقود علیہ بھی مجہول ہے، جیسا کہ "**فإن كان مجهولا جهالة مفضية إلى المنازعة لا يصح العقد**" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/ ۵۳۰) کی عبارت سے واضح ہے۔

۳- سونے کے پرانے زیور کو نئے زیور سے کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ کا حکم:

سونے یا چاندی کے پرانے زیور کو عموماً تاجر کم قیمت میں خریدتے ہیں اور نئے زیور کو زیادہ قیمت میں بیچتے ہیں، تو اگر سونے یا چاندی کو بیچ کر روپے لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے چاہے اس کی قیمت سے کم ہو یا زیادہ، چونکہ روپے کی جنس الگ ہے اور سونے چاندی کی جنس الگ ہے اور مختلف الجنس کو کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے، اور اگر پرانے زیور کو اسی کی جنس نئے زیور کے

ساتھ کمی بیشی کے ساتھ بیچا جائے تو جائز نہیں چونکہ یہ ربا اور سود ہے، اور حدیث پاک میں ہے:

"لا تبیعوا الذهب بالذهب والورق بالورق إلاسواء بسواء، قال العلماء هذا يتناول جميع أنواع الذهب والورق من جيد ورديء وصحيح ومكسور، وحلي وتبر وغير ذلک وسواء الخالص والمخلوط بغيره وهذا كله مجمع عليه" (شرح الامام النووی لصحیح مسلم ۱۱/ ۱۲ مطبوعہ بیروت) (تم سونے کو سونے کے بدلے چاندی کو چاندی کے بدلے مت بیچو مگر برابر سرابر، علماء فرماتے ہیں کہ یہ سونے اور چاندی کے تمام اقسام کو شامل ہے خواہ جید ہو یا ردی سالم ہو یا ٹوٹے ہوئے، زیور ہو یا اس کے علاوہ خالص ہو، یا مخلوط، یہ سب بالا جماع ہیں)۔

ایک حدیث میں مزید اضافہ ہے کہ جنس ایک ہونے کی صورت میں زیادہ دینا یا زیادہ کا مطالبہ کرنا سود ہے جس میں دینے والا لینے والا دونوں برابر ہے، نصب الرایہ میں اشیاء ستہ والی حدیث کے آخر میں ہے:

"فمن زاد أو استزاد فقد أربى، الآخذ والمعطى فيه سواء" (نصب الرایہ ۴/ ۳۶) (جو شخص زیادہ دے یا زیادہ لے اس نے سودی کاروبار کیا اور اس میں لینے والا اور دینے والا دونوں برابر ہے)۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ سونے اور چاندی میں جنس ایک ہونے کی صورت میں وزن میں برابری ضروری ہے، اور نئے پرانے، جید اور ردی اور بناوٹ کا کوئی اعتبار نہیں، وزن میں دونوں میں برابری ضروری ہے اور اس کے علاوہ کرنا صراحتا سود ہے، لیکن زیورات کے تاجر اس طرح اگر برابری کے ساتھ بیچیں تو انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا اس لئے وہ عام طور پر پرانے زیورات کے بدلے نئے زیورات کم دیں گے، اس کا مناسب اور جائز حل یہی ہے کہ پرانے زیور کو کرنسی کے عوض بیچ دے پھر اس کرنسی سے نئے زیورات خرید لے اور کرنسی اور زیور کی جنس الگ الگ ہے، اس لئے اس میں وزن دیکھنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں، اور یہ بیع بالاتفاق جائز ہے، "ويجوز التفاضل بين مختلفي الجنس عند الحنفية" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/ ۴۴۹)، اللہ کے رسول ﷺ نے ایک صحابی کو یہی ترکیب بتائی تھی جب وہ عمدہ کھجور کو ردی کھجور کے بدلے کمی بیشی کے ساتھ خریدنا چاہتا تھا جیسا کہ مسلم شریف جلد ثانی میں ہے۔

۴-الف: مختلف سونا خریدنے والوں کا سونا اگر اینٹ کی شکل میں ہو تو کیا اس کو قبضہ سمجھا جائے گا؟

اگر سونا فروخت کرنے والے کے پاس مثلاً ایک کلو سونا اور وہ دو افراد کو پچاس پچاس گرام سونا فروخت کرے اور ان سب کا خریدا ہوا سونا سونے کی اینٹ میں شامل ہو، ان کے الگ الگ بسکٹ یا سکے نہیں بنائے جاتے ہوں تو اسکو خریدار کا قبضہ نہیں سمجھا جائے گا چونکہ جب تک سونا اینٹ کی شکل میں ہے اس میں دوسرے افراد کا حق ہے، ہر مشتری کا حق الگ الگ نہیں ہے اور قبضہ کے لئے ضروری ہے کہ اس میں کسی دوسرے کا کوئی حق نہ ہو اور خریدار جب چاہے خود سے یا نائب کے ذریعہ اس میں تصرف کر سکے، اور دوسروں کے ہاتھ اس کو فروخت کر سکے یا خود اپنے استعمال میں لا سکے، اس کے لئے اس میں کسی طرح کی کوئی رکاوٹ نہ ہو قبضہ کی تعریف الفقہ "الفقہ الاسلامی وأدلتہ" میں درج ذیل الفاظ میں مذکور ہے:

"التسليم أو القبض معناه عند الحنفية هو التخلية أو التخلي، وهو أن يخلى البائع بين المبيع وبين

المشتری برفع الحائل بنیهما علی وجه یتمکن المشتری من التصرف فیه فیجعل البائع مسلما للمبیع والمشتری قابضا له"(الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۱۸۰/۴)(تسلیم یا قبضہ کا مفہوم احناف کے نزدیک تخلیہ ہے، وہ یہ ہے کہ بائع مشتری اور مبیع کے درمیان تخلیہ کردے اوران دونوں کے درمیان رکاوٹ کو ہٹا کر اس طرح کہ خریدار اس میں تصرف کرنے پر قادر ہو سکے)۔

اور تخلیہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"التخلیة هی أن یتمکن المشتری من المبیع بلا مانع ولا حائل مع الإذن بالقبض"(تخلیہ یہ ہے کہ مشتری مبیع پر بغیر مانع اور حائل کے قدرت رکھے قبضہ کی اس کو اجازت کے ساتھ)۔

ب-خریدار کے نام سے کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں اندراج کیا قبضہ تصور کیا جائے گا؟

اگر ہر خریدار کے لئے اس کی خریدی ہوئی مقدار کا سکہ الگ سے موجود ہو اور اس کو کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں اس کے نام سے درج کر دیا گیا ہو تو اس اندراج کو قبضہ نہیں کہا جا سکتا، جب تک اس کے حوالہ نہ کیا جائے چونکہ تخلیہ نہیں پایا گیا، چونکہ خریدار اگر اس کو لینا چاہے اور اس میں تصرف کرنا چاہے تو بغیر بائع کی اجازت کے اس کو لینے کا اختیار نہیں، اور جب مبیع کو لینے اور تصرف کرنے میں بائع کی اجازت کی ضرورت پڑے تو یہ صریح دلیل ہے کہ مبیع ابھی بائع کے قبضہ میں ہے کیونکہ قبضہ اور تخلیہ کی حقیقت یہ ہے کہ خریدار خریدی ہوئی چیز پر بغیر کسی رکاوٹ کے تصرف پر قادر ہو اور بائع کی طرف سے اس کو قبضہ کی مکمل اجازت ہو" الفقہ الاسلامی وأدلتہ" میں ہے:

"التخلیة هی أن یتمکن المشتری من المبیع بلا مانع ولا حائل مع الإذن له بالقبض" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۱۸۱/۴)(تخلیہ یہ ہے کہ مشتری مبیع پر قدرت رکھے مانع اور رکاوٹ کے اور قبضہ کی اس کو مکمل اجازت ہو)۔

اور صورت مسئولہ میں کوئی بھی خریدار بغیر بائع کی اجازت کے اپنے خریدے ہوئے سکے میں تصرف کی قدرت نہیں رکھتا فقہاء نے لکھا ہے کہ:

اگر کسی شخص نے گھر میں رکھے ہوئے گندم کو کسی کے ہاتھ فروخت کیا اور مشتری کو اس گھر کی چابی دے دی اور کہہ دیا کہ میری طرف سے تم کو غلہ لینے کی اجازت ہے تو یہ قبضہ ہے اور اگر چابی دی اور کچھ نہیں بولا تو یہ قبضہ نہیں ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ)۔

۵-نرخ میں کمی بیشی کا لین دین کرنا:

ایکسچینج کے ذریعہ کاروبار کی جو ایک صورت آج کل رائج ہے کہ ایک مہینہ کے لئے ادھار ایک مخصوص مقدار مثلاً دس تولے سونے کا سودا کر لیا جاتا ہے، خریدار سونے پر قبضہ نہیں کرتا، جب ادائیگی کی تاریخ آتی ہے تو سونے کے اس دن کے نرخ کو دیکھ لیا جاتا ہے، خرید کے دن اور ادائیگی کے دن سونے کے نرخوں میں جو فرق ہوتا ہے اس کی ادائیگی کر دی جاتی ہے، مثلاً خریدنے کے دن سونے کا نرخ اگر پانچ ہزار روپے فی تولہ تھا، ادائیگی کے دن پانچ ہزار ایک سو قیمت پر، پس نرخ میں کمی بیشی سے جو فرق آتا ہے اس کا لین دین کرتے ہیں، اس صورت کا حکم یہ ہے کہ یہ جائز نہیں کیونکہ یہ بیع ہے ہی نہیں چونکہ بیع نام ہے،"مبادلة المال بالمال بالتراضی" کا اور اس میں تبادلہ ہے ہی نہیں، نہ تو بائع مشتری کو سونا دیتا ہے اور نہ مشتری بائع کو ثمن دیتا ہے، مشتری سونے پر قبضہ نہیں

کرتا اور بائع ثمن پر قبضہ نہیں کرتا اور جب مبادلۃ المال بالمال نہیں ہے تو یہ بیع ہے ہی نہیں، ہاں بیع کا نام ہے اور مبیع اور ثمن فرضی ہے اور نفع نقصان میں غرر ہے، قطعی طور پر یہ کسی کو معلوم نہیں کہ سونے کی قیمت آگے چل کر بڑھے گی یا گھٹے گی، اگر بڑھ گئی تو بائع کا فائدہ ہوا اور اس نے بغیر سونا دیئے ہوئے قیمت کی زیادتی کا فائدہ حاصل کرلیا اور اگر سونے کی قیمت کم ہوگئی تو مشتری کو فائدہ حاصل ہوگیا کہ مفت میں اس کو روپئے حاصل ہوگئے یہ قمار اور جوا ہے، چونکہ نہ اس میں نفع یقینی ہے اور نہ نقصان یقینی ہے، اور ہر وہ معاملہ جو نفع اور نقصان کے درمیان دائر ہو قمار اور جوا کہلاتا ہے "**المخاطرة من المقامرة**" نیز اللہ کے رسول ﷺ نے بیع غرر سے منع فرمایا اور فقہاء نے بیع معلق اور بیع مضاف کو فاسد قرار دیا ہے اور اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ عقد بیع تملیک فی الحال کا تقاضہ کرتا ہے اور وہ مستقبل کی طرف نسبت کو قبول نہیں کرتا ہے، جس طرح بیع کو شرط سے کوئی تعلق نہیں ہے، چونکہ اس میں قمار ہے اور وہ امر مترف پر معلق ہے، "الفقہ الاسلامی وأدلتہ" میں بیع معلق اور بیع مضاف کے فساد کی علت کو ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"**يظهر فيما ذكر أن علة فساد هذين النوعين من البيوع هو ما تشتمل عليه من الغرر إذ لا يدرى العاقد ان فى البيع المعلق هل يحصل الامر المعلق عليه أولا يحصل كما لا يدرى متى يحصل سفى البيع المضاف لا يدرى العاقد ان كيف يكون المبيع فى المستقبل وكيف يكون رضاهما بالعقد ومصلحتهما فيه عند ترتب أثر البيع عليه**" (مذکورہ تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیع کی ان دونوں قسموں کی فساد کی علت وہ غرر ہے جس پر وہ مشتمل ہے اس لئے کہ بیع معلق میں عاقدین کو اس کا علم نہیں ہوتا کہ مستقبل میں مبیع کس طرح ہوگی اور ان دونوں کے عقد سے رضامندی کی کیفیت کیا ہوگی اور بیع کے اثر مرتب ہونے کے وقت ان دونوں کے فائدے اور مصالح کس طرح کے ہوں گے)۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ حقیقت میں بیع نہیں ہے، بیع کا صرف نام ہے کیونکہ اس مبیع پر کس کی ملکیت ہے جو خریدار نے بائع سے خریدا ہے اور مشتری اگر اس کو اپنے قبضہ میں لینا چاہے تو کیا بائع کی طرف سے اس کو قبضہ کی اجازت دی جائے گی؟ نہیں، بالکل نہیں، مبیع فرض کرکے اس پر بیع کا حکم نافذ کر رہا ہے، نہیں معلوم کہ بائع کے پاس مبیع ہے بھی یا نہیں، اگر نہ ہو تو بھی زبانی اس طرح بیع کرکے انسان روپئے کما رہا ہے۔

۶-سونے کی ذخیرہ اندوزی گراں فروشی کی نیت سے احتکار ہے یا نہیں؟

بہت سی دفعہ سونے کی قیمت میں متوقع اضافہ کا سونے چاندی کے تاجروں کو علم ہوجاتا ہے، ایسی صورت میں وہ سونا روک لیتے ہیں تاکہ قیمت بڑھنے کے بعد اسے فروخت کریں، سونا اس پہلو سے اگرچہ اشیاء ضروریہ میں شامل ہے کہ ثمن خلقی ہونے کے لحاظ سے وہ ذریعہ متبادل ہے، اس کو روک لینے کی وجہ سے سونے کی قیمت تو بڑھتی ہے اور اس گرانے کا اثر دوسری اشیاء پر بھی پڑتا ہے، لیکن اس کے باوجود سونے کی ذخیرہ اندوزی گراں بیچنے کی نیت سے احتکار کے دائرہ میں نہیں آتا، احتکار کے دائرہ میں صرف اشیاء خوردنی آتے ہیں جن کو روک لینے سے عام آدمی مشقت اور تکلیف میں مبتلا ہوجاتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگوں کی زندگی اجیرن ہوجاتی ہے، اس لئے اگر کسی تاجر نے غلہ روک کر رکھا تاکہ جب بازار میں بھاؤ بڑھے تو اس وقت زیادہ قیمت میں فروخت کرے گا اور اس کے غلہ روک لینے سے عام آدمی کو کوئی فرق نہ پڑتا ہو تو اسے احتکار نہیں کہتے اور اس طرح غلہ اندوزی میں کس قسم کی کوئی قباحت

نہیں، قباحت تو اس وقت ہے جبکہ سارے ہی تاجر غلے کو روک لیں اور عام لوگوں کے پاس اشیاءخوردنی نہ ہو اور اس کی وجہ سے مشقت میں پڑ جائیں، اس طرح کے روکے لینے کو احتکار کہتے ہیں، احتکار کی تعریف میں کھانے پینے کی چیزوں کو روک کر رکھنا آتا ہے، ''موسوعۃ الفقہیہ'' میں ہے:

''الاحتكار هو شراء الطعام ونحوه وحبسه الخلاء وفس الحديث: من احتكر طعاما أربعه ليلة فقد برى من الله وبرى الله منه ولأنه ظلم لأن ما يباع في المصر فقد تعلق به حق العامة ومنع الحق عن المستحق ظلم وحرام'' (احتکار وہ غلہ اور اس جیسی دوسری چیز کو خرید کر قیمت بڑھنے تک روکنے کا نام ہے، حدیث پاک میں ہے، جو شخص چالیس روز غلہ روکتا ہے وہ اللہ سے اور اللہ اس سے بری ہے اور اس لئے کہ یہ ظلم ہے چونکہ شہر میں جو چیز بیچی جاتی ہے اس سے عام لوگوں کا حق وابستہ ہوتا ہے، اور حق کو مستحق سے روکنا ظلم اور حرام ہے)۔

پھر علماء اور فقہاء نے بحث کی ہے کہ احتکار کے دائرہ میں کیا کیا چیزیں آتی ہیں تو اس بارے میں عموما تین طرح کے اقوال ملتے ہیں:

۱-احتکار اشیاءخوردنی کے ساتھ خاص ہے، لہذا کھانے پینے کی چیزوں کو روکنا احتکار کہلائے گا یہ امام ابوحنیفہؒ، امام محمد، شوافع اور حنابلہ کا مذہب ہے۔

۲-احتکار کھانے پینے اور پہننے اور ان تمام چیزوں میں متحقق ہوتا ہے جن کی ضرورت عام لوگوں کو پڑتی ہے اور اس کو روک لینے سے وہ مشقت میں پڑ جاتے ہیں یہ مالکیہ اور امام ابویوسف کا مسلک ہے۔

۳-احتکار کھانے پینے اور کپڑوں کے ساتھ خاص ہے یہ امام محمد کا قول ہے۔

''موسوعہ فقہیہ'' میں ''ما يجرى فيه الاحتكار'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے:

''هناک ثلث اتجاهات-الأول: ما ذهب إليه أبوحنيفة ومحمد والشافعية والحنابلة أنه لا احتكار إلا القوت خاصة

الثاني: أن الاحتكار يرجى في كل ما يحتاجه الناس يتضرون من حبسه من قوت وإدام ولباس و غيرذلک وهذا مذهب المالكية وأبويوسف من الحنفية

الثالث: أنه لاحتكار إلافي القوت والثياب خاصة هذا قول محمد بن الحسن'' (موسوعہ فقہیہ ۹۱/۲)۔

اور فقہاء احناف نے احتکار کو اسی وقت مکروہ قرار دیا ہے جبکہ غلہ کے روکنے سے عام لوگوں کو نقصان ہوتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''لكن أكثر فقهاء الحنفية وبعض الشافعية عبروا عنه بالكراهة إذا كان يضر بالناس'' (موسوعہ فقہیہ ۹۱/۲)۔

مذکورہ تفصیلات سے یہ بات متحقق ہوگئی کہ احتکار کے دائرہ میں کھانے، پینے یا زیادہ سے زیادہ پہننے کی چیزیں آتی ہیں، اور

وہ بھی اس وقت جبکہ روک لینے سے عام لوگوں کو مشقت لاحق ہوتا ہو، سونے، چاندی کو گراں فروشی کے ارادہ سے روک لینے کو کسی بھی امام نے احتکار میں داخل نہیں مانا ہے کیونکہ سونا چاندی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو روک لینے سے عام لوگوں کو نقصان لاحق ہوتا ہے، اس لئے کہ سونا چاندی کا تعلق مردوں سے ہے ہی نہیں صرف عورتوں سے ہے اور وہ زینت میں اس کو استعمال کرتی ہیں، باقی سونے کی ذخیرہ اندوزی سے عام استعمال کی چیزیں مہنگی ہوجاتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا تعلق ارباب حکومت سے ہے، عام لوگوں سے نہیں، عام استعمال کی چیزیں کس وجہ سے مہنگی ہوتی ہیں اور کسی وجہ سے سستی ہوتی اس کا علم حکومت اور کمپنیوں کو ہے، کیا دلیل ہے کہ چیزوں کے سستا اور مہنگا ہونے کا تعلق صرف سونے کو روک لینے کی وجہ سے ہو کسی اور وجہ سے نہیں۔

یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ پیٹرول، ڈیزل اور اشیاء کی درآمد اور برآمد کی کمی بیشی پر ہو، اس لئے سونے کو گراں فروشی کے ارادے سے روک لینے کو احتکار نہیں کہیں گے، اور وہ احتکار کے دائرہ میں نہیں آتا ہے۔

۷- دوسرے ملک سے غیر قانونی طریقہ پر سونے کی تجارت کرنا کیا اسمگلنگ ہے؟

سونا لانے والا جب دوسرے ملک سے اپنی جائز کمائی سے جائز طریقہ پر سونا خریدتا ہے اور اپنے ملک میں لاکر بیچتا ہے تو شرعا یہ اسمگلنگ نہیں ہے بلکہ بیع ہے جو درست ہے، سونا لانے والے تاجر کا اس سونے کو بیچنا اور لوگوں کے لئے اس کا خریدنا جائز ہے، خریدار کو یہ تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ سونا لانے والے نے ان واجبات کو ادا کیا ہے جو حکومت نے اس سے متعلق مقرر کر رکھا ہے، یا ادا نہیں کیا ہے، چونکہ حکومت نے سونے کے کاروبار کرنے والے پر اتنے ٹیکس اور شرائط لازم کر رکھے ہیں کہ اگر تاجر ان تمام شرائط کو پوری کرے اور ٹیکسوں کو ادا کرے تو سوائے نقصان کے نفع کا سوال ہی نہیں، اور پھر کوئی بھی سونے کی تجارت نہیں کر سکے گا، اس کو اسمگلنگ کہنا ملکی قانون کے اعتبار سے تو درست ہوسکتا ہے چونکہ یہ ٹیکس وغیرہ کی چوری ہے لیکن شرعا یہ اسمگلنگ نہیں ہے، جس طرح لوگ اپنے ملک میں سونے، چاندی اور دیگر چیزوں کی تجارت کرتے ہیں اور سرکار سے اپنی کل آمدنی اور کل سرمایہ چھپا کر رکھتے ہیں تاکہ انکم ٹیکس سے بچ جائیں اور حکومت کی نظروں میں نہ آجائیں صرف بعض سرمایہ اور انکم کی اطلاع حکومت کو دیتے ہیں اور ان کا ٹیکس ادا کرتے ہیں، لہذا انکم ٹیکس نہ دینے سے اور سرکار کو اپنی کل آمدنی نہ بتانے سے لوگوں کی تجارت کو ناجائز قرار نہیں دیا جاسکتا اور ان کے سامان کو خریدنے یا ان کے ہاتھ بیچنے کو شرعا غلط نہیں کہا جاسکتا، چونکہ انسان جب اپنی کمائی سے جائز طریقہ سے تجارت کرتا ہے اور نفع کماتا ہے تو اس تجارت کو اور آمدنی کو ناجائز کیسے قرار دیا جائے گا، ہاں بہتر یہ ہے کہ ملکی قانون کو سامنے رکھ کر اور ان کے واجبات کو ادا کر کے لوگ کاروبار کریں خواہ سونے کی تجارت ہو یا کسی اور چیز کی، تاکہ ملک کو نقصان نہ ہو اور ملک ترقی کر سکے اور امیروں کی کمائی میں غریب بھی شریک ہوسکے اور ملکی قانون کا لحاظ بھی اس وقت ہوگا جبکہ وہ خدائی قانون سے متصادم نہ ہو "**لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق**"۔

۸- پلاٹین حقیقی سونے کے حکم میں نہیں:

پلاٹین حقیقی سونے کے حکم میں نہیں ہوگا اور عقود نیز زکوۃ میں اس پر سونے کے احکام منطبق نہیں ہوں گے چونکہ سونا خلقی ثمن ہے اور اس کی ثمنیت پر لوگ متفق ہیں بلکہ ثمن عربی اور اصطلاحی کا مدار بھی سونے ہی پر ہے، بغیر سونے کے کرنسی کی کوئی حیثیت نہیں،

سونے کو تمام ہی دنیا اصل ثمن مانتی ہے، دنیا کے کسی بھی ملک اور خطے میں آدمی سونا لے کر چلا جائے اسے وہاں کی کرنسی ہاتھوں ہاتھ مل جائے گی، لیکن پلاٹین کو وہ حیثیت حاصل نہیں اور اگر ہو بھی تو وہ عارضی ہے کیونکہ کب اس کی حیثیت ختم ہو جائے گی کچھ کہنا مشکل ہے، جس طرح ہیرے جواہرات اگرچہ سونا سے زیادہ قیمتی دھات ہیں لیکن اس کے باوجود اسے حقیقی سونے کے حکم میں نہیں لیا جاتا، اور زکوۃ وغیرہ میں اس پر سونے کے احکام منطبق نہیں ہوتے، لہذا پلاٹین کے بنے ہوئے زیورات سونے کے حکم میں نہیں ہوں گے، اور اس کے بنے ہوئے زیورات پر جبکہ پہننے کے لئے ہوں زکوۃ واجب نہیں ہوگی، ہاں اگر تجارت کے لئے ہو تو پھر مال تجارت کا حکم ہوگا، اگر اس کی مالیت نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے تو زکوۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں اور پلاٹین کو پلاٹین کے عوض بیچنے کی صورت میں کمی بیشی اور ادھار جائز ہوگا۔

☆☆☆

سونا چاندی کی تجارت شریعت اسلامی کی روشنی میں

مفتی روح الامین سعادتی ☆

اللہ حکیم وعلیم نے ایک طرف انسان کو اس کی دنیوی زندگی میں کائنات کی بہت سی چیزوں کا محتاج بنایا تو دوسری طرف اسے ہر چیز کا مالک بھی نہیں بنایا، چنانچہ بہت سی مرتبہ انسان ایک چیز کا مالک ہوتا ہے، لیکن وہ اس سے مستغنی ہوتا ہے، اور کبھی اپنی ضرورت کے خاطر ایک چیز کا محتاج ہوتا ہے لیکن وہ اس کی ملکیت میں نہیں ہوتی ہے، یہ صورت حال اس کو اشیاء کے درمیان باہمی تبادلہ پر مجبور کرتی ہے، اور تبادلہ کے لیے باہمی تناسب ضروری ہے، مگر بہت سی مرتبہ صورۃً یا وزناً اشیاء کے مابین کوئی تناسب نہیں ہوتا، لہذا ضروری تھا کہ ایسی اشیاء کے درمیان کوئی چیز ثالثی اور حکم کا کردار ادا کرسکے اور وہ ان کے لیے پیمانہ قدر بن سکے، اس مقصد کی تحصیل کے لیے اللہ تعالی نے نقود یعنی زر (Money) کی تخلیق فرمائی۔

پروفیسر کراؤتھر (Prof.Crowther) زر کی تعریف یوں کرتے ہیں:

”زر سے مراد وہ شئ ہے جو آلۂ مبادلہ کی حیثیت سے مقبول عام ہو اور ساتھ ہی معیار قدر اور ذخیرۂ قدر کا فرض بھی سرانجام دے“ (زر کا تحقیقی مطالعہ از ڈاکٹر عصمت اللہ کراچی، بحوالۂ تعارف زر بنکاری از شیخ مبارک علی رص ۲۶)۔

مذکورہ تعریف سے معلوم ہوا کہ نقود تین اہم خصوصیات کے حامل ہیں:

(۱) آلہ مبادلہ (Medium of Exchang) کے طور مقبول عام ہونا: ہر چیز کو آلۂ مبادلہ نہیں بنایا جاسکتا، اولاتو اس لیے کہ کچھ چیزوں کی انسان کو ہر وقت ضرورت پڑتی ہے، لہذا وہ اسے تبادلہ کے طور پر دینے میں راضی نہ ہوگا، دوسرے اس لیے کہ فریق آخر ضروری نہیں کہ اس کو قبول کرنے پر آمادہ ہو، لہذا ضروری ہے کہ کوئی ایسی چیز آلۂ مبادلہ ہو جس کی ہر کوئی رغبت رکھتا ہو، اور اس کی دلچسپی اس کو طبعی طور پر قبول کرنے کے لیے کسی حیل وحجت کے بغیر مجبور کردے۔

(۲) پیمانہ قدر (Standard of Value) ہونا: یہ اس پر مبنی ہے کہ وہ مقصود بالذات نہ ہو کہ براہ راست انسانی حاجت کو پورا کرسکے، ورنہ جس کے مطلب کی وہ چیز ہوگی اسی کے حق میں اس کو ترجیح حاصل ہوگی، ہر کوئی اسے قبول کرنے پر مجبور نہ ہوگا، نیز وہ بظاہر خود کچھ نہ ہو لیکن اپنی روح کے لحاظ سے سب کچھ ہو، اس کی کوئی مخصوص شکل نہیں، لیکن دوسری اشیاء کی نسبت سے مختلف شکلوں کی حامل ہو، جیسے آئینہ جس کا اپنا کوئی رنگ نہیں ہوتا، لیکن وہ ہر رنگ کی عکاسی کرتا ہے، ورنہ وہ ہر چیز کے لیے معیار قدر کیسے بن سکتا ہے (مستفاد از سود پر تاریخی فیصلہ از جسٹس تقی عثمانی بحوالہ احیاء العلوم غزالی رص ۱۰۱)۔

☆ استاذ جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ، بھروچ، گجرات۔

(۳) مالیت محفوظ رکھنے (Store of Value) کا ذریعہ ہونا: یعنی عموماً اشیاء کی قیمت کم وبیش ہوتی رہتی ہے، اس لیے اس کی مالیت مکمل طور پر محفوظ نہیں، اس کے برخلاف زر کی خصوصیت یہ ہے کہ غیر معمولی حالات سے قطع نظر اس کے ذاتی قیمت یکساں رہتی ہے اور مالیت محفوظ رہتی ہے، یہی وجہ ہے کہ سونا جو زر تخلیقی ہے ہر دور میں اسے محفوظ مال ہونے کی اہمیت حاصل رہی ہے۔

نقود وزر کی حقیقت:

مذکورہ گفتگو سے یہ ثابت ہوگیا کہ نقود ذریعہ مبادلہ ہیں، نہ وسائل پیداوار اور نہ اشیائے صرف، اسی لیے ماہرین اقتصادیات نے اشیاء کی تقسیم کو ثنائی نہیں بلکہ ثلاثی قرار دیا ہے۔

(۱) وسائل پیداوار (Production Goods):

جو محل تجارت ہو، اس کی خرید وفروخت ہو، اس کو اجارہ (Leasing) اور کرایہ پر دیا جائے اور اس سے منافع (Profit) حاصل ہو، جیسے زمین، مشینری، خام مال وغیرہ۔

(۲) اشیائے صرف (Consumer Goods):

جسے براہ راست صرف کر کے انسانی حاجت پوری کی جاسکے، مثلاً اس کو کھایا جائے، پیا جائے یا پہنا جائے وغیرہ۔

(۳) ذریعۂ مبادلہ (Exchange Goods):

جس سے براہ راست انسانی ضرورت پوری نہیں ہوتی اور نہ وہ منافع حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، بلکہ اس کا وظیفہ دونوں سے مختلف ہے، وہ صرف شئ مبادلہ ہے۔

سود کے لیے جو جواز پیش کیا جاتا ہے، اس کی ایک بنیاد یہ بھی ہے کہ نقود وزر سرمایۂ پیداوار ہے، اسی لیے وہ اشیاء کی تقسیم ثنائی کرتے ہیں، لیکن یہ نظریہ فقط شرعی نقطۂ نظر سے نہیں، بلکہ اقتصادیات کے ماہرین کی نظر میں بھی باطل ہے، کیوں کہ زر کی جن خصوصیات اور اس کے جس مقصد تخلیق کا تذکرہ اوپر کیا گیا اس اعتبار سے یہ سرمایۂ پیداوار سے بالکل مختلف چیز ہے۔

چنانچہ نقود اور سامان کے درمیان مندرجہ ذیل بنیادی فرق ہے:

(۱) نقود کا کوئی ذاتی فائدہ نہیں کہ انسانی ضرورت میں بلا واسطہ استعمال ہوسکے، اس کے برعکس سامان کی اپنی افادیت ہوتی ہے، اسے ذریعۂ مبادلہ بنائے بغیر بھی استعمال کر کے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

(۲) سامان مختلف اوصاف کے حامل ہوسکتے ہیں، اور اسی لحاظ سے اس کی مالیت مختلف ہوسکتی ہے، جب کہ نقود میں وصف کا کوئی اعتبار نہیں، جیسے نیا نوٹ اور پرانا نوٹ ایک ہی مالیت رکھتا ہے۔

(۳) سامان متعین ہوسکتا ہے، جب کہ نقود متعین نہیں، جیسے کوئی شخص ایک چیز مخصوص نوٹ دکھا کر خریدے تو ادائیگی کے وقت اسے اختیار ہے کہ اس کی جگہ کوئی دوسرا اس مالیت کا نوٹ دے دے (سود پر تاریخی فیصلہ ص ۹۸)۔

اسی لیے امام غزالیؒ فرماتے ہیں: "إذ طلب النقد لغير ما وضع له ظلم"۔

(نقود کو ایسے مقصد کے لیے لینا جس کے لیے وہ بنایا نہیں گیا ظلم ہے) (زر کا تحقیقی مطالعہ شرعی نقطۂ نظر سے، ص ۳۸)۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: "**والدراهم والدنانير لا تقصد لنفسها، بل هي وسيلة إلى التعامل بها، ولهذا كانت أثمانا، بخلاف سائر الأموال فإن المقصود الانتفاع بها بنفسها**"۔

(دراہم اور دنانیر مقصود بالذات نہیں، بلکہ یہ باہمی معاملات کا ایک ذریعہ ہیں، اسی وجہ سے یہ اثمان شمار ہوگئے، بخلاف دیگر اشیاء کے کہ وہ بذات خود مقصود ہیں) (مجموعۃ الفتاوی ۱۹/۲۵۲)۔

علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں: "**الأثمان لا تقصد لأعيانها، بل يقصد بها التوسل إلى السلع، فإذا صارت من نفسها سلعا تقصد لأعيانها فسد أمر الناس**"۔

(زر مقصود بالذات نہیں، بلکہ اس سے مقصود سامان کے حصول کا ذریعہ بنانا ہے، اگر یہ سامان میں شمار ہونے لگے تو لوگوں کے معاملات فاسد ہوجائیں گے) (اعلام الموقعین ۲/۱۰۵)۔

نقود کی مذکورہ خصوصیت کی وجہ سے شریعت نے اس کے لین دین سے متعلق مخصوص احکام دیئے ہیں، آئندہ ان میں سے کچھ احکام کا تذکرہ کیا جارہا ہے:

۱- اصل جواب سے پہلے دو باتوں کا ذکر ضروری ہے:

(۱) بیع صرف کی حقیقت کیا ہے؟

(۲) روپے (نوٹ) کی فقہی حیثیت کیا ہے؟

صرف کی حقیقت:

ثمن کے مقابلہ میں ثمن کی خرید وفروخت بیع صرف کہلاتی ہے، خواہ دونوں کی جنس ایک ہو یا مختلف ہو، یہ فقہائے حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی اصطلاح ہے۔

علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں: "**وشرعا بيع الثمن بالثمن أي ما خلق للثمنية، ومنه المصوغ جنسا بجنس أو بغير جنس**" (الدر المختار مع رد المحتار ۲/۵۵)۔

(اور شریعت میں بیع صرف یہ ہے کہ ثمن کی بیع ثمن کے عوض ہو یعنی وہ خلقی طور پر ثمن ہو اور اسی سے بنی ہوئی کوئی چیز ہو، خواہ جنس کا مقابلہ جنس کے ساتھ ہو یا خلاف جنس کے ساتھ ہو)۔

کشاف القناع میں ہے: "**فصل في المصارفة: وهي بيع نقد بنقد، اتحد الجنس أو اختلف**" (کشاف القناع ۳/۲۶۶)۔

(مصارفہ زر کے مقابلہ میں زر کی خرید وفروخت کو کہتے ہیں، خواہ جنس ایک ہو یا مختلف ہو)۔

مغنی المحتاج کی عبارت ہے: "**النقد بالنقد والمراد به الذهب والفضة مضروبا كان أو غير مضروب**"۔

(نقد کے مقابلہ نقد کی خرید وفروخت کرنا اور اس سے مراد سونا وچاندی ہے، خواہ سکہ کی شکل میں ہو یا نہ ہو)۔

اسی میں مزید ہے: "**تنبيه: بيع النقد بالنقد من جنسه وغيره يسمى صرفا**" (مغنی المحتاج ۲/۳۶۹)۔

(نقد کے مقابلہ میں نقد کی بیع کو صرف کہتے ہیں، خواہ جنس ایک ہو یا جنس مختلف ہو)۔

مالکیہ کے یہاں تین اصطلاحات رائج ہیں: مراطلہ، مبادلہ، صرف۔

ان کے نزدیک ''صرف'' کی اصطلاح اس صورت کے ساتھ خاص ہے جہاں نقود کی بیع خلاف جنس سے ہو، جیسے دینار کے مقابلہ میں درہم، اور اگر ہم جنس میں باہمی تبادلہ وزن کے اعتبار سے ہو تو اس کو مراطلة کہتے ہیں، اور اگر عدد کے اعتبار سے ہو تو اسے مبادلہ کہتے ہیں (دیکھئے: حاشیۃ الدسوقی ۲/۳)۔

بیع صرف کا حکم:

اس کی صحت کے لیے دو بنیادی شرط ہیں:

(۱) تقابض: عاقدین میں سے ہر ایک کے لیے ضروری ہے کہ عوض پر مجلس عقد ہی میں قبضہ کرلے، لہذا صرف میں خیار کی شرط اور تاجیل جائز نہیں، یہ شرط عام ہے، بہر صورت اس کا لحاظ ضروری ہے۔

(۲) تماثل: جب عوضین ہم جنس ہوں، جیسے دینار کے مقابلہ میں دینار یا درہم کے مقابلہ میں درہم کی بیع ہورہی ہو تو اس صورت میں کسی ایک جانب کسی قسم کی کوئی زیادتی جائز نہیں، البتہ اگر عوضین ہم جنس نہ ہوں تو اس صورت میں تماثل ضروری نہیں، لہذا پہلی صورت میں مجازفہ جائز نہیں، البتہ دوسری صورت میں اس کی اجازت ہوگی۔

عام بیوع میں قبضہ کے تحقیق کے لیے تخلیہ کافی ہوتا ہے، لیکن صرف میں بالا جماع تخلیہ کافی نہیں، بلکہ عملا اور حقیقۃ قبضہ ضروری ہے، درمختار میں ہے:

''والتقابض بالبراجم لا بالتخلية'' (ہاتھوں سے قبضہ میں لینا نہ کہ تخلیہ کرنا)۔

اس کے تحت ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:

''قوله: لا بالتخلية، أشار إلى أن التقييد بالبراجم للاحتراز عن التخلية، واشتراط القبض بالفعل، لا خصوص البراجم، حتى لو وضعه له في كفه أو في جيبه صار قابضا'' (ردالمحتار، باب الصرف ۲۵۸/۵)۔

''لا بالتخلیۃ'' سے اشارہ ہے کہ براجم کی قید تخلیہ اور بالفعل قبضہ سے احتراز کے لیے ہے، خاص ہاتھ میں پکڑنا شرط نہیں، چنانچہ اگر ہتھیلی میں رکھ دیا یا اس کے جیب میں ڈال دیا تو بھی قبضہ کرنا شمار ہوگا۔

پھر نقود اگر سونے یا چاندی سے ہوں جیسے دراہم ودنانیر، تب تو بالا جماع صرف کے احکام جاری ہوں گے، لیکن اگر سونے یا چاندی کے علاوہ کسی اور چیز کے ڈھلے ہوئے سکّے ہوں، جیسے فلوس جو ثمن عرفی واصطلاحی ہیں، تو اس بابت فقہائے کرام کے درمیان اختلاف ہے، ذیل میں اس کی وضاحت کی جارہی ہے۔

فلوس کے احکام:

اس سلسلہ میں فقہاء کے مسالک مندرجۂ ذیل ہیں:

(۱) امام مالکؒ کے نزدیک فلوس ثمن خلقی دراہم ودنانیر ہی کے حکم میں ہیں، لہذا جب ہم جنس کا باہمی تبادلہ ہو تو تماثل اور

مجلس ہی میں تقابض ضروری ہے، اور غیر جنس سے تبادلہ ہو تو فقط تقابض ضروری ہے، المدونۃ الکبری میں ہے:

"لا يجوز فلس بلفسين، ولا تجوز الفلوس بالذهب والفضة ولا بالدنانير نظِرة" (المدونۃ الکبری، کتاب الصرف، باب التاخیر فی صرف الفلوس ۳/۵-۶)۔

(ایک فلس دو فلوس کے بدلہ میں جائز نہیں ہے، اور فلوس کو سونے چاندی کے بدلہ اور نہ دینار کے بدلہ مہلت کے ساتھ بیچنا جائز ہے)

(۲) شافعیہ کے نزدیک سونے چاندی میں رِبا الفضل اور رِبا النسیئۃ کے حرام ہونے کی علت ثمنیت خلقیہ ہے، لہذا فلوس مال ربوی نہیں، کیوں کہ یہ ثمن عرفی اور اصطلاحی ہے، اس لیے فلوس کی بیع میں تفاضل اور اُدھار دونوں جائز ہے، زاد المحتاج میں ہے:

"وعلة الربا في الذهب والفضة الثمنية وهي منتفية عن العروض والفلوس" (زاد المحتاج شرح المنہاج ۲/۲۴)۔

(ربا کی علت سونے و چاندی میں ثمنیت ہے، اور یہ عروض و فلوس میں نہیں پائی جاتی)۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: "إذا راجت الفلوس رواج النقود لم يحرم الربا فيها، هذا هو الصحيح المنصوص وبه قطع المصنف والجمهور" (المجموع شرح المہذب ۹/۳۹۵)۔

(جب فلوس میں ایسا تعامل جاری ہو جائے جیسا کہ نقود میں ہے تو بھی ربا ان میں حرام نہیں ہوگا، یہی صحیح اور مصرح ہے، اسی کو مصنفؒ نے جزم کے ساتھ بیان کیا ہے اور جمہور کا یہی موقف ہے)۔

حواشی شروانی میں ہے: "وعلة الربا فيه جوهرية الثمن فلا ربا في الفلوس وإن راجت" الخ (حواشی الشروانی ۴/۲۷۹)۔

(اور ربا کی علت اس میں ثمن کی جوہریت ہے، لہذا فلوس میں رِبا نہیں اگرچہ رائج ہوں)۔

(۳) امام احمدؒ سے اس سلسلہ میں دو روایت منقول ہیں:

۱- فلوس میں ربا نہیں اس لیے کہ علت رِبا وزن ہے اور فلوس عددی ہیں، ابن قدامہؒ نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔

۲- فلوس میں ربا اور صرف جاری ہوگا، اس لیے فلوس کی اصل تانبا یا پیتل یا لوہا ہے، یعنی انہی دھاتوں سے بنائے جاتے ہیں، اور یہ سب وزنی ہیں (دیکھئے: المغنی لابن قدامہ ۴/۸)۔

(۴) حنفیہ کے نزدیک حرمت ربا کی علت وزن ہے، ثمنیت نہیں، اس کا تقاضہ ہے کہ فلوس میں ربا جاری نہ ہو، اس لیے کہ یہ عددی ہیں، لیکن ایک دوسری علت کی وجہ سے تفاضل جائز نہیں ہے، اور وہ یہ ہے کہ یہ ثمن ہونے کی وجہ سے متعین نہیں ہوتے اور یہ امثال متساویہ ہیں، یعنی مثلاً ایک روپیہ کا سکہ دوسرے ایک روپیہ کے سکہ کے بالکل مساوی ہے، اب اگر کسی جانب زیادتی ہو تو یہ زیادتی خالی عن العوض ہوگی اور اسی کا نام رِبا ہے، اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے علامہ بابرتیؒ فرماتے ہیں:

"اگر زید نے ایک فلس دو فلس کے عوض عمرو کو فروخت کیا، اور فلوس متعین نہیں ہیں، تو زید کے لیے گنجائش ہے کہ وہ عمرو سے

کہے کہ تجھ پر میرے دو فلوس ہیں، اور میرے ذمہ تیرا ایک فلس ہے، لہذا اس فلس کا جو میرے ذمہ ہے اس فلس کے بدلہ مقاصہ کرتا ہوں جو تیرے ذمہ ہے، چنانچہ میں تجھ کو ایک فلس دے رہا ہوں اور تیرے ذمہ میرا ایک فلس باقی ہے، لہذا وہ فلس مجھ کو دے دے، اس طرح زید بغیر کسی عوض کے عمرو کے ایک فلس کا مستحق ہو جائے گا، اور اس کا بطلان ظاہر ہے'' (عنایہ علی ہامش فتح القدیر ۱۶۲/۶)۔

یہ تو اس صورت میں ہے جب کہ فلوس متعین نہ ہوں، اور اگر متعین کر کے ایک فلس کو دو کے بدلہ بیچے، تو ائمہ حنفیہ کے مابین اختلاف ہے:

حضرات شیخین فرماتے ہیں کہ یہ تفاضل جائز ہے، کیوں کہ متعین ہونے کی صورت میں ان کی حیثیت عام سامان کی سی ہوگئی، لہذا تفاضل کے ساتھ معاملہ جائز ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: ''**أن الثمنية في حقهما تثبت باصطلاحهما، إذلا ولاية للغير عليهما، فتبطل باصطلاحهما، وإذا بطلت الثمنية تتعين بالتعيين، ولا يعود وزنيا لبقاء الاصطلاح على العد**'' (الہدایہ مع فتح القدیر ۱۶۲/۶)۔

(ثمنیت ان (متعاقدین) کے حق میں ان کے اتفاق کی وجہ سے ثابت ہوئی، اس لیے کہ ان پر دوسروں کو ولایت حاصل نہیں، لہذا ان کے اتفاق کی وجہ سے ثمنیت ختم ہو جائے گی، اور جب ثمنیت باقی نہ رہی تو تعیین سے فلوس متعین ہوں گے، اور دوبارہ وزنی بھی نہ ہوں گے، اس لیے کہ عددی ہونے پر ان کا اتفاق باقی ہے)۔

امام محمدؒ کے نزدیک فلوس میں تفاضل جائز نہیں، کیوں کہ ان کی ثمنیت تمام لوگوں کے تعامل سے ثابت ہے، لہذا ان دو کے اتفاق سے ثمنیت ختم نہ ہوگی، اور جب ثمنیت باقی ہے، تو تعیین سے متعین نہ ہوں گے اور دراہم و دنانیر کی طرح تفاضل جائز نہ ہوگا (حوالہ بالا)۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام مالکؒ کے نزدیک فلوس کی بیع فلوس کے عوض بیع صرف ہے، جب کہ شافعیہ اور حنابلہ کے اُصح قول کے مطابق صرف نہیں، اور حنفیہ کے مابین اگرچہ تفاضل کے جواز میں اختلاف ہے، تاہم ان کے نزدیک بھی صرف نہیں۔

جن کے نزدیک صرف نہیں ان کے نزدیک مجلس میں عوضین پر قبضہ بھی ضروری نہیں، یہی حنفیہ کے مذہب کا تقاضہ ہے، چنانچہ ''تنویر الابصار''، ''درمختار'' اور ''ردالمحتار'' میں یہی مذکور ہے (دیکھئے: ردالمحتار، باب الربا ۱۷۹/۵)۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسئلۂ تقابض میں مشائخ کی عبارتیں مختلف ہیں، جیسا کہ ابن عابدینؒ نے بھی ذکر کیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ فلوس کی بیع کی دو صورت ہیں:

۱-تماثل کے ساتھ بیع ہو:

اس صورت میں شیخین کے نزدیک بھی فلوس متعین کرنے سے متعین نہیں ہوں گے، اور عبارتوں کا اختلاف اسی صورت سے متعلق ہے، چنانچہ بعض نے ذکر کیا کہ مجلس میں قبضہ کرنا شرط ہے، اس لیے کہ جب فلوس متعین نہیں تو وہ دین ہیں، اب اگر کسی ایک جانب سے بھی قبضہ نہ ہوا تو یہ بیع الدین بالدین ہے، لہذا فاسد ہے، اور اگر ایک جانب سے قبضہ ہو گیا تو وہ فلس عین ہو گیا، لہذا اب بیع

الدین بالدین لازم نہیں آئے گا۔

اور بعض مشائخ نے ذکر کیا ہے کہ اس صورت میں بھی تقابض فی المجلس شرط ہے، اس لیے نہیں کہ یہ صرف ہے، بلکہ اس لیے کہ بدلین ہم جنس ہیں اور اتحادِ جنس تنہا حرمت نسیئہ کی علت ہے۔

۲-تفاضل کے ساتھ بیع ہو:

یہ صورت شیخین کے مسلک پر اسی وقت متصور ہے جب کہ فلوس دونوں جانب سے متعین ہوں، اور یہ تعین ان کے نزدیک معتبر بھی ہے، لہذا اس صورت میں تقابض فی المجلس شرط نہ ہونا چاہئے، نہ دونوں جانب سے اور نہ کسی ایک جانب سے، کیوں کہ یہ بیع العین بالعین ہے، لیکن اُدھار (نسیئۃ) معاملہ کرنا پھر بھی درست نہیں ہوگا، اس لیے نہیں کہ یہ صرف ہے، بلکہ اس لیے کہ بدلین متحد الجنس ہیں اور یہ حرمت نسیئہ کی علت ہے۔

فائدہ: عدم تقابض بظاہر نسیئۃ کو مستلزم ہے، اس لیے دونوں کے درمیان فرق کی وضاحت ضروری ہے، وہ یہ کہ نسیئۃ میں اجل عقد میں مشروط ہوتی ہے، اور اگر بدلین متعین ہوں، اس کے بعد بغیر شرط کے قبضہ مؤخر کردیا جائے تو اسے اصطلاح میں نسیئۃ نہیں کہا جاتا ہے (پوری تفصیل کے لیے دیکھئے فقہ البیوع ۲/۷۲۰)۔

نوٹوں کی فقہی اور شرعی حیثیت:

اصل تو زرِ تخلیقی سونا و چاندی ہے، اور دراہم و دنانیر ہیں، لیکن مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد آج اس کی جگہ کاغذی زر (Paper Money) نے لے لی ہے، جسے نوٹ اور عربی میں "الأوراق النقدية يا النقود الورقية يا الأنواط" کہا جاتا ہے، فقہی احکام کے لحاظ میں اس کی حیثیت کیا ہے؟ اس بابت مختلف نظریات رہے ہیں، دلائل اور تفریعات سے تعرض کئے بغیر اجمالاً چار نظریات کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔

(۱) دین کی سند ہے۔

گزشتہ صدی کے بیشتر علمائے ہند حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مفتی شفیع عثمانیؒ وغیرہ کا یہی موقف رہا ہے۔

(۲) مال اور سامان (Goods) ہے۔

علماء رام پور اور جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی یہی رائے رہی ہے، اس موضوع پر ان کا ایک رسالہ "**كفل الفقيه في أحكام القرطاس والدراهم**" نام سے ہے، اس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ نوٹ مال اور سامان ہے، سندِ دین یا خود ثمن نہیں۔

(۳) سونے و چاندی کے قائم مقام ہے۔

نہ محض سندِ دین اور نہ عروض و سامان ہے، بلکہ بذاتِ خود ثمن ہے، عرف و رواج کی بناء پر اصل ثمن کے قائم مقام ہے اور اس کا بدل ہے، لہذا جو احکام اصل اور مبدل کے ہیں وہی احکام نوٹ میں جاری ہوں گے، اکثر علماء عرب اسی کے قائل ہیں، اسلامی فقہ

اکیڈمی جدہ نے یہی تجویز منظور کی (دیکھئے: فقہ البیوع ۲/ ۷۳۰)، یہی مولانا فتح محمد لکھنوی صاحب عطر الہدایہ اور مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی رائے ہے (دیکھئے: بحوث فی قضایا فقہیہ معاصرہ/ص ۱۵۰)۔

۴-بذات خود ثمن عرفی ہے:

سونے چاندی کا بدل نہیں بلکہ خود ثمن ہے، اور فلوس کی طرح ثمن عرفی ہے، لہذا جو احکام فلوس پر جاری ہوتے ہیں وہی اس پر منطبق ہوں گے، اکثر علماء اسی نظریے کے قائل ہیں، سعودیہ عربیہ کے علماء کبار کی مجلس نے اکثریت کے ساتھ یہی قرارداد منظور کی۔

یہی آخری نظریہ راجح ہے، اول نظریہ سے اختلاف، زمانے کے اختلاف کی وجہ سے ہے، کیوں کہ اس زمانہ میں ہندوستان میں چاندی کا سکہ رائج تھا اور کاغذی نوٹ اس کی سند اور دستاویز کے طور پر ہی استعمال ہوتا تھا، لیکن اب اس کی یہ حیثیت باقی نہیں رہی، دوسرا نظریہ انتہائی ضعیف بلکہ باطل ہے، اس سے ربا کا دروازہ چوپٹ کھل جائے گا، بلکہ ربا کا تصور ہی ختم ہوجائے گا، تیسرے نظریہ میں عملی اعتبار سے بہت سی مشکلات ہیں، چوتھا نظریہ جہاں دلیل کے اعتبار سے قوی ہے، وہیں عملی لحاظ سے اس میں دشواریاں نہیں، لہذا فلوس کی طرح نوٹ ثمن عرفی اور اصطلاحی ہے، اس پر فلوس کے احکام منطبق ہوں گے۔

۱-(الف): روپئے کے سلسلہ میں ماقبل میں علماء کے چار موقف ذکر کئے گئے: ان میں سے پہلے اور تیسرے موقف کے اعتبار سے سونے اور چاندی کی روپئے کے عوض اُدھار خرید وفروخت جائز نہیں، کیوں کہ یہ عقد صرف ہے، اور مجلس عقد ہی میں بدلین پر قبضہ ضروری ہے، البتہ دوسرے اور چوتھے موقف کے اعتبار سے یہ معاملہ اُدھار جائز ہے، دوسرے موقف کے لحاظ سے تو واضح ہے (اگرچہ یہ موقف فی نفسہ باطل ہے)، اور چوتھے موقف کے لحاظ سے چوں کہ روپئے فلوس کے حکم میں ہے، اور وہ جمہور کے نزدیک عقد صرف میں داخل نہیں، لہذا مجلس میں بدلین پر قبضہ ضروری نہیں ہوگا، بلکہ کسی ایک پر قبضہ کرلینا کافی ہوگا۔

صاحب بدائع ''بیع الدرہم أو الدینار بالفلوس'' کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

''**ولو لم یوجد القبض إلا من أحد الجانبین دون الآخر، فافترقا، مضی العقد علی الصحة، لأن المقبوض صار عینا بالقبض، فکان افتراقا عن عین بدین**'' (بدائع الصنائع ۵/ ۲۳۷)۔

(اگر کسی جانب سے قبضہ ہو، دوسری جانب سے نہ ہو، اور دونوں جدا ہوجائیں تو عقد صحیح ہوگا، اس لیے کہ قبضہ کردہ چیز قبضہ کی وجہ سے عین ہوگئی، لہذا یہ ''افتراق عن عین بدین'' ہے)۔

مزید فرماتے ہیں:

''قبضہ کے حق میں متعین اصول یہ ہے کہ عقد کے چند مراتب ہیں: ۱/ وہ عقد جس میں تقابض شرط ہے یعنی جانبین سے قبضہ ہونا اور وہ عقد صرف ہے۔ ۲/ جس میں قبضہ بالکل شرط نہیں، جیسے بیع العین بالعین جب کہ سونے چاندی کے علاوہ ہو۔ ۳/ بیع العین بالدین جب کہ ربا النسیئہ کو متضمن نہ ہو، جیسے گیہوں وغیرہ کی بیع دراہم کے عوض ہو۔ ۴/ وہ عقد جس میں کسی ایک جانب سے قبضہ شرط ہے، جیسے دراہم کی بیع فلوس کے عوض ہو'' (بدائع الصنائع ۵/ ۲۳۷)۔

فتح القدیر میں ہے:

"وفي شرح الطحاوي: لو اشترى مائة فلس بدرهم وقبض الفلوس أو الدراهم ثم افترقا جاز البيع لأنهما افترقا عن عين بدين"(فتح القدیر۶/۲۷۸)۔

(شرح طحاوی میں ہے کہ اگر کسی نے ایک درہم کے بدلہ سوفلوس خریدے اور فلوس یا درہم پر قبضہ کرلیا اور پھر دونوں جدا ہوگئے، تو یہ بیع جائز ہے، کیوں کہ وہ دین کے بدلے میں عین کا سودا کر کے جدا ہوئے ہیں)۔

"سئل الحانوتي عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة فأجاب بأنه يجوز إذا قبض أحد البدلين لما في البزازية" الخ (الدرالمختار۵/۱۸۰)۔

(علامہ حانوتیؒ سے پوچھا گیا کہ فلوس کے بدلے سونے کو اُدھار فروخت کرنے کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ جائز ہے، بشرطیکہ ایک بدل پر قبضہ ہوجائے، جیسا کہ بزازیہ میں مذکور ہے)۔

علامہ سرخسیؒ کا رجحان بھی یہی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"جب ایک آدمی دراہم کے بدلہ فلوس خریدے اور ثمن (درہم) ادا کردے اور فلوس بائع کے پاس نہ ہوں تو یہ جائز ہے، اس لیے کہ رائج فلوس نقود کی طرح ثمن ہیں اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ ثمن میں عقد کا حکم صرف اس کے وجود اور وجوب کا ہے، اور ثمن کا بوقت حکم بائع کی ملکیت میں ہونا صحت عقد کے لیے ضروری نہیں، جیسا کہ دراہم اور دنانیر میں یہ شرط نہیں" (المبسوط للسرخسی ۴/۲۴)۔

چونکہ راجح یہی ہے کہ روپے فلوس کے حکم میں ہیں، لہٰذا مندرجۂ بالا عبارات کی روشنی میں سونے چاندی کی خرید وفروخت روپے کے عوض اُدھار جائز ہے، یعنی عوضین میں سے کسی ایک پر قبضہ کرنے سے عقد صحیح ہوجائے گا، ہاں دونوں جانب سے اُدھار درست نہیں، کیوں کہ وہ بیع الکالی بالکالی کے حکم میں ہے، جس کی ممانعت حدیث میں مصرح ہے۔

نیز اگر سونے یا چاندی کے زیور خریدے جارہے ہوں تو مجلس میں قبضہ بھی ضروری نہیں، بلکہ اس کی تعیین کافی ہے، علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

"اگر چاندی یا سونے کی انگوٹھی جس میں نگینہ ہو یا نہ ہو متعین فلوس کے بدلے میں خریدی اور فلوس پاس میں نہیں ہے، تو جائز ہے، خواہ جدائیگی سے پہلے قبضہ کرلیں یا نہ کریں، اس لیے کہ یہ (عام) بیع ہے، صرف نہیں ہے، وہ دین کے بدلے عین کا سودا کر کے جدا ہورہے ہیں، کیوں کہ انگوٹھی تعیین سے متعین ہوجاتی ہے، بخلاف گزشتہ صورت کے، اس لیے کہ دراہم اور دنانیر تعیین سے متعین نہیں ہوتے، اسی لیے وہاں شرط لگائی کہ عوضین میں سے کسی ایک پر قبضہ ضروری ہے" (المبسوط للسرخسی، باب البیع بالفلوس ۱۴/۲۵)۔

(ب) جب نقود ورقیہ نہ کیلی ہیں اور نہ وزنی، بلکہ عددی ہیں، اور اس کی قیمت اسمیہ (Face Value) کا اعتبار ہے، تو یہاں رِبا تفاضل کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس کی قیمت اسمیہ ہی کے اعتبار سے سونے چاندی کی قیمت متعین کی جائے گی، نیز اختلاف جنس کی صورت میں تو تفاضل کا جواز منصوص ہے، رہی یہ بات کہ حکومت کی طرف سے جو قیمت طے شدہ ہے، اس سے کم وبیش قیمت میں باہمی رضامندی سے خرید وفروخت کرنا اگرچہ فی نفسہ جائز ہے، اور یہ ربوی معاملہ نہیں ہے، لیکن ہاں قانون کی مخالفت درست نہیں، ایک تو اس بناء پر کہ جو امر معصیت کے قبیل سے نہ ہو اس میں امام کی طاعت واجب ہے، دوسرے اس اعتبار سے کہ ہر

ملک کا باشندہ قولا یا عملا اس ملک کے قانون کی پاسداری کا التزام کرتا ہے، اس لیے اس کی خلاف ورزی درست نہیں (فقہ البیوع ۷۳۸/۲)۔

۲- مذکورہ مسئلہ کی تین صورتیں ہیں:

(۱) تاجر کاریگر کو سونا دے یا کاریگر تاجر سے سونا لے اور اسی سونے سے زیور تیار کرے، تو یہ معاملہ بیع نہیں بلکہ اجارہ ہے، کیوں کہ بیع میں معقود علیہ عین ہوتی ہے اور اجارہ میں معقود علیہ منفعت یا عمل ہوتا ہے، اور یہاں معقود علیہ عمل ہے، جیسے کپڑے رنگریز کو رنگنے کے لیے یا درزی کو سینے کے لیے یا دھوبی کو دھونے کے لیے دینا، یہ عقد اجارہ ہی کی صورت ہے، بیع نہیں ہے۔

ابن قدامہؒ صورت اجارہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''هذه المسألة تدل على أحكام ستة أحدها أن المعقود عليه المنافع، وهذا قول أكثر أهل العلم منهم، مالک وأبوحنيفة وأكثر أصحاب الشافعي وذكر بعضهم أن المعقود عليه العين، لأنها الموجودة والعقد يضاف إليها، فيقول: أجرتک داري كما يقول بعتكها'' (المغنی لابن قدامہ ۳۲۲/۵)۔

(یہ مسئلہ چھ احکام پر دال ہے، ان میں سے ایک ہے کہ معقود علیہ منافع ہیں اور یہ اکثر اہل علم کا قول ہے، جیسے مالک، أبوحنیفہ اور اکثر شافعیہ، اور بعض نے ذکر کیا ہے کہ محل عقد عین ہے اس لیے کہ وہی موجود ہے اور عقد اسی کی طرف مضاف ہوتا ہے، کہتے ہیں: **أجرتک داري**، جیسے کہتے ہیں: **بعت داري**)۔

حکم:

یہ اجارہ کا معاملہ درست ہے، لیکن ضروری ہے کہ کاریگر کے عمل کی اجرت متعین ہو، البتہ ان ذرّات ہی کو کل اجرت یا اجرت کا جزء بنانا درست نہیں، کیوں کہ یہ ذرّات کم وبیش ہوسکتے ہیں، اگرچہ لوگ اس کی شرح مقرر کردیتے ہیں، مثلا ایک تولے کے زیور پر ایک ماشہ ذرّات کا اعتبار کرتے ہیں، لیکن اس کی مقدار کبھی مذکورہ شرح سے کچھ زیادہ ہوتی ہے اور کبھی کچھ کم ہوتی ہے، لہذا اس مجہول مقدار کو اجرت قرار دینا درست نہیں، ہاں ان ذرات کا لحاظ کرتے ہوئے اجرت متعین کردے اور پھر تاجر کاریگر کو وہ ذرات ہبہ کردے۔

''اجرت کے معلوم ہونے کے باب میں اصل حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس کسی نے کسی اجیر سے اجارہ کا معاملہ کیا تو اس کو اس کی اجرت بتادے''، اور اجرت کا علم اشارہ، تعیین یا بیان سے صحیح ہے،...... اگر کسی انسان کو معلوم اجرت اور کھانے کے عوض اجرت پر لیا تو اجارہ صحیح نہیں ہوگا اس لیے کہ کھانا یا جانور کا چارہ اجرت میں شامل ہے اور وہ غیر معلوم مقدار ہے، لہذا اجرت مجہول ہوگئی'' (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۳۸۲۳/۵)۔

(۲) کاریگر اپنے سونے سے زیور بناکر تاجر کے ہاتھ فروخت کرے، خواہ تاجر نے آڈر دیا ہو یعنی استصناع کی صورت ہو، یا آڈر نہ دیا ہو، بہر حال یہ بیع کا معاملہ ہے، لہذا بیع کی شرائط کا لحاظ ضروری ہے، پھر فروخت کی دو صورت ہوسکتی ہیں، روپے کے عوض فروخت کرنا یا سونے کے عوض فروخت کرنا۔

روپئے کے عوض فروخت کرنا:

اس صورت میں زیور کے وزن، محنت ومزدوری وغیرہ کا لحاظ کرتے ہوئے باہمی رضامندی سے جو قیمت طے کرلیں، معاملہ جائز ہوگا، کیوں کہ گزر چکا کہ یہ عقد صرف نہیں ہے، لہذا امانت ودیانت کے ساتھ عام بیوع کے اصول کوملحوظ رکھتے ہوئے معاملہ درست ہے۔

سونے کے عوض فروخت کرنا:

یعنی کاریگر تاجر کوزیور دے کر اس کے عوض خالص سونا وصول کرے، تو یہ بیع صرف ہے، لہذا دونوں طرف سونا وزن کے لحاظ سے برابر ہو اور لین دین دونوں طرف ہاتھ در ہاتھ ہو، نہ اُدھار ہو اور نہ چھیجت (Wastage) یا مزدوری وغیرہ کے نام پر زائد سونا ہو، جیسا کہ صرف کا اصول ہے۔

المغنی لابن قدامہ میں ہے:

’’عمدہ، گھٹیا، ڈھلا ہوا اور بلا ڈھلا ہوا، صحیح اور ٹوٹا ہوا، تمام کا حکم یکساں ہے، تماثل کے ساتھ جائز ہے، اور تفاضل کے ساتھ حرام ہے، یہ اکثر اہل علم کا قول ہے جیسے ابوحنیفہؒ، شافعیؒ اور مالکؒ سے منقول ہے کہ مضروب کو اس کی قیمت کے اعتبار سے ہم جنس کے عوض فروخت کرنا جائز ہے، اور اصحاب مالک نے اس کا انکار کیا ہے اور اس قول کی مالک سے نفی کی ہے، اور بعض حنابلہ نے احمد سے ایک روایت نقل کی ہے کہ صحیح کو ٹوٹے ہوئے کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ کاریگری کی بھی قیمت ہوتی ہے، اِتلاف کی صورت میں (اس کا لحاظ کرنا) اس پر دلیل ہے، لہذا یہ ایسا ہوگا گویا کہ کاریگری کی قیمت کو سونے کے ساتھ شامل کرلیا، اور ہماری دلیل حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے: ’’سونا سونے کے عوض (خواہ) پترا ہو یا کوئی بنی ہوئی چیز، چاندی چاندی کے عوض، پترا ہو یا عین، یعنی برابر سرابر بیچو‘‘ (سنن أبي داؤد، باب في الصرف من کتاب البیوع ۲/ ۲۲۲، ۲۳۲، المغنی لابن قدامہ ص ۶۰، دار عالم الکتب)۔

اس سلسلہ میں حضرت عبادہؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کے صریح آثار منقول ہیں (حوالہ بالا)۔

ہاں اگر زیور جڑا ہوا ہو، جیسے نگینہ وغیرہ شامل ہو تو زائد وزن پر بھی فروخت کیا جاسکتا ہے، اس صورت میں سونا سونے کے عوض اور زائد نگینہ وغیرہ کے عوض ہوجائے گا، البتہ زیور میں جتنا سونا ہے اس کے بقدر عوض کے سونے پر مجلس ہی میں قبضہ کرلینا ضروری ہے، یعنی یہاں مسئلہ مدعجوۃ والی صورت جاری ہوگی۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ تاجر نے کاریگر کوزیور بنانے کے لیے سونا دیا، لیکن کاریگر نے اپنے سونے ہی سے زیور بنایا، چوں کہ یہ صورت بھی رائج ہے، اس لیے عرف کی بنا پر یہ سمجھا جائے گا کہ تاجر نے اپنا سونا کاریگر کو قرض دیا ہے، اور بنے ہوئے زیور کو قرض میں سے وصول کیا ہے، اس کے بعد یہ صورت بھی پہلی صورت کی طرح ہوجائے گی، یعنی کاریگر متعین اجرت کا حقدار ہوگا۔

۳- اموال ربویہ میں چوں کہ وصف قدر ہے، نیا اور پرانا، جید اور ردی کا ایک ہی حکم ہے، اس لیے مذکورہ صورت جائز نہیں، البتہ اس کی متبادل صورت ہے:

(۱) دو معاملے علیحدہ علیحدہ کرلئے جائیں، اولا پرانا زیور روپئے کے بدلے تاجر کو فروخت کردے، اور اس کی قیمت وصول

کرلے، پھر نیا زیور خریدنے کے لیے مستقل دوسرا معاملہ کرلے۔

(۲) اگر زیور کا زیور سے تبادلہ کرنا ہو تو چند امور ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

(الف) اگر زیور سادہ ہو تو اس کے ساتھ کوئی اور چیز جیسے (Immitetion) زیور شامل کرلے تو پھر کمی بیشی کے ساتھ معاملہ درست ہوجائے گا۔

(ب) اگر زیور نگینہ یا کسی اور طرح کا جڑاؤ والا ہے، تو بھی وزن کے اعتبار سے کمی بیشی کے ساتھ معاملہ درست ہوجائے گا، جب کہ مرکب زیور میں شامل سونا مفرز سونے سے کم ہو، مساوی یا زائد نہ ہو (ماخوذ از بہشتی زیور ۵/ ۲۷-۲۸)۔

حاصل یہ ہے کہ مسئلہ مدعوہ والی شکل اختیار کرلی جائے اور معاملہ اس طرح کرلیا جائے کہ سونا سونے کے بدلہ میں برابر سرابر ہوجائے، اور زائد مقدار اس دوسری دھات کے بدلہ میں ہوجائے، تو ربا لازم نہیں آئے گا اور شرعا معاملہ صحیح ہوجائے گا۔

۴- اصل جواب سے پہلے قبضہ کی حقیقت فقہاء کے کلام سے ذکر کی جاتی ہے۔

قبضہ کی حقیقت:

علامہ کاسانیؒ کہتے ہیں:

"معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفا وعادة" (بدائع الصنائع ۵/ ۱۴۸)۔

(قبض کا معنی ہے قدرت دے دینا، تخلیہ کردینا اور عرف وعادت کے اعتبار سے تمام رکاوٹیں ختم کردینا)۔

اس سے معلوم ہوا کہ قبضہ کے تحقق کے لیے بنیادی طور پر دو باتیں ضروری ہیں:

(۱) بائع مبیع اور خریدار کے درمیان ہر قسم کی رکاوٹ ختم کردے۔

(۲) خریدار کو اس مبیع پر تصرف کرنے کا پورا اختیار حاصل ہو۔

البتہ مختلف اشیاء میں قبضہ کے متحقق ہونے کی صورتیں مختلف ہوسکتی ہیں، اسی لیے فقہائے کرام نے یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے:

"قبض كل شيئ بحسبه" (المغنی ۴/ ۸۵)۔

(ہر چیز کا قبضہ اس کی حقیقت کے اعتبار سے ہوتا ہے)۔

زمین اور غیر منقول اشیاء میں قبضہ بالاتفاق تخلیہ کے ذریعہ متحقق ہوجاتا ہے، البتہ منقولات کے اندر قبضہ متحقق ہونے میں فقہائے کرام کے درمیان اختلاف ہے، جس کی قدرے تفصیل درج ذیل ہے۔

حنفیہ کا مسلک: حنفیہ کے یہاں منقولات کے اندر بھی تخلیہ سے قبضہ متحقق ہوجاتا ہے، بشرطیکہ بلا تکلف اس کے استعمال پر قدرت حاصل ہو، البتہ تخلیہ کی کیفیت مختلف اشیاء میں مختلف ہوسکتی ہے۔

ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:

"أن التخلية قبض حكما لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع" الخ (رد المحتار ۴/ ۵۶۲)۔

(تخلیہ قبضہ کے حکم میں ہے بشرطیکہ خریدار کو بلا تکلف اس کے استعمال پر قدرت حاصل ہو اور اس کی صورت اشیاء کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے)۔

امام احمدؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے کہ جب کسی چیز کو ممتاز کرکے اس کا تخلیہ کردیا جائے تو اس پر قبضہ ہوجاتا ہے، ابن قدامہؒ فرماتے ہیں:

"وقد روى أبو الخطاب عن أحمد رواية أخرى أن القبض في كل شيئ بالتخلية مع التمييز لأنه خلى بينه وبين المبيع من غير حائل فكان قبضا له كالعقار" (المغنی ۸۵/۴)۔

(ابوالخطاب امام احمدؒ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ ہر چیز پر قبضہ اس وقت متحقق ہوجاتا ہے جب اسے ممتاز کرکے اس کا تخلیہ کردیا جائے، کیوں کہ اس صورت میں بائع نے مبیع اور خریدار کے درمیان کسی حائل کے بغیر تخلیہ کردیا تو یہی اس چیز کا قبضہ ہے، جیسے زمین کا قبضہ)۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا مسلک: ان حضرات کے یہاں غیر منقول اشیاء کا قبضہ عرف پر مبنی ہے، عرف میں جس عمل کو قبضہ سمجھا جاتا ہو، اسی کو شرعاً قبضہ تصور کیا جائے گا۔

علامہ دردیر مالکیؒ لکھتے ہیں: **"والقبض في غير العقار من حيوان وعرض يكون بالعرف"** (الشرح الصغیر ۲۰۰/۳) (زمین کے علاوہ دیگر اشیاء جیسے حیوان، سامان وغیرہ کا قبضہ عرف کے تابع ہے)۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

"ہمارے اصحاب کا کہنا ہے کہ قبضہ کے سلسلہ میں عرف کا اعتبار کیا جائے گا، اور وہ تین طرح کا ہے، (۱) زمین اور درخت پر لگے ہوئے پھل پر قبضہ تخلیہ سے ہوجائے گا، (۲) جن چیزوں کو عادۃً منتقل کیا جاتا ہے جیسے لکڑی، دانے، بیج، مچھلیاں وغیرہ، تو انہیں منتقل کرنے سے قبضہ متحقق ہوجائے گا اور اگر مبیع ایسی جگہ ہے جو بائع کے ساتھ خاص نہیں ہے جیسے افتادہ زمین، مسجد، سڑک وغیرہ، یا ایسی جگہ ہے جو خریدار کے ساتھ خاص ہے، تو اس صورت میں خریدار کی جگہ منتقل کرنا کافی ہے، (۳) جن چیزوں کو ہاتھ میں دیا جاتا ہے تو ہاتھ میں دینے سے ان پر قبضہ سمجھا جائے گا جیسے دراہم، دنانیر، رومال، کپڑے، چھوٹے برتن وغیرہ" (المجموع شرح المہذب ۲۷۶/۹)۔

موفق ابن قدامہ فرماتے ہیں:

"وقبض كل شيئ بحسبه، فإن كان مكيلا أوموزونا بيع كيلا أو وزنا فقبضه بكيله ووزنه...... وإن كان المبيع دراهم أو دنانير، فقبضها باليد، وإن كان ثيابا، فقبضها نقلها، وإن كان حيوانا، فقبضه لمشيته من مكانه، وإن كان مما لا ينقل ويحول، فقبضه التخلية بينه وبين مشتريه لا حائل دونه ...... لأن القبض مطلق في الشرع فيجب الرجوع فيه إلى العرف كالإحراز والتفرق والعادة في قبض هذه الأشياء ما ذكرنا"۔

(ہر چیز پر قبضہ اس کے لحاظ سے ہوگا، اگر وہ کیلی و وزنی ہے اور کیل و وزن کے لحاظ سے بیچی گئی تو اس پر قبضہ کیل و وزن کرنے سے ہوگا، ......اور اگر درہم و دینار ہیں تو اس پر قبضہ ہاتھ سے، اور اگر کپڑا ہے تو اس پر قبضہ منتقل کرنے سے، اور اگر حیوان ہے

تو اس پر قبضہ اس کو اس کی جگہ سے چلا دینے سے ہوگا، اور اگر وہ چیز اس قبیل سے ہے کہ اس کو منتقل نہیں کیا جا سکتا تو اس پر قبضہ اس وقت سمجھا جائے گا جب کہ مبیع اور خریدار کے درمیان اس طرح تخلیہ ہو جائے کہ کوئی مانع نہ رہے)۔

تخلیہ کی شرائط:

فقہاء نے تخلیہ متحقق ہونے کے لیے درج ذیل شرائط کو ضروری قرار دیا ہے:

(۱) بائع کی طرف سے مبیع پر قبضہ کرنے کی اجازت ہو اور یہ اجازت دینا مختلف طریقوں سے ہو سکتا ہے، مثلاً زبان سے کہہ دے یا لکھ کر اجازت دے دے یا خریدار کے آگے رکھ دے وغیرہ، یعنی عرف میں جس کو اجازت سمجھا جاتا ہے وہ معتبر ہے۔

(۲) مبیع خریدار کے سامنے ایسی جگہ ہو کہ وہ کسی مانع کے بغیر اسے حاصل کر سکے، امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ اگر مبیع کچھ دور بھی ہو، لیکن وہ اسے بآسانی حاصل کر سکے تو بھی تخلیہ پایا جائے گا۔

(۳) مبیع کسی دوسرے کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو، ورنہ تخلیہ متحقق نہ ہوگا، جیسے گندم بائع کی بوریوں میں ہے، تو تخلیہ معتبر نہیں، کیوں کہ یہ بائع کی چیز کے ساتھ مشغول ہے (دیکھیے: فتاوی قاضی خان علی ہامش الفتاوی الہندیۃ ۲/ ۲۵۸، ردالمحتار ۴/ ۵۶۲)۔

خلاصہ یہ ہے کہ قبضہ کی دو صورتیں ہیں: (۱) قبضہ حقیقی، یعنی حسی طور پر شئ کو اپنی تحویل میں لے لینا، (۲) قبضہ حکمی، یعنی تخلیہ، اور اس پر دو حکم متفرع ہوتے ہیں:

۱- ضمان کا منتقل ہونا۔

۲- تصرف میں آزادی اور اس کا شرعاً صحیح و معتبر ہونا، لہٰذا جب یہ دو حکم عرفاً و شرعاً متفرع نہ ہوں قبضہ شمار نہ ہوگا، اس لحاظ سے مسئولہ دونوں صورتوں کا حکم اس طرح ہوگا۔

(الف) اس صورت میں خریدار کا قبضہ متحقق نہیں ہوگا، اس لیے کہ تخلیہ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ مبیع غیر مبیع سے ممتاز ہو اور یہاں بظاہر ایسا نہیں ہے، نیز ضمان قبضہ کے تابع ہوتا ہے، اور مذکورہ صورت میں اگر کوئی حادثہ ہوتا ہے تو مشتری نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوتا ہے۔

(ب) فقط اندراج قبضہ کے وجود کے لیے کافی نہیں، اس لیے کہ حکمی قبضہ تخلیہ سے ہوتا ہے، جس میں خریدار کو آزادی ہوتی ہے کہ وہ جب چاہے اپنی خرید کردہ چیز کو لے جائے، یہاں بظاہر یہ آزادی نہیں ہوتی، نیز مبیع کا متعین ہونا بھی ضروری ہے، اور مذکورہ صورت میں خرید کردہ مقدار کا سکہ اگرچہ موجود ہے، تاہم متعدد سکوں کے درمیان اس کا سکہ متعین نہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر بعض سکے ضائع ہو جاتے ہیں تب بھی بائع مکلّف ہے کہ مشتری کو سکے فراہم کرے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ضمان ابھی منتقل نہیں ہوا۔

۵- Exchange کے ذریعہ جو کاروبار ہوتا ہے عموماً وہاں حقیقی خرید و فروخت مقصود نہیں ہوتی، اسی لیے نہ مبیع کی سپردگی ہوتی ہے اور نہ اس کا مطالبہ، بلکہ بازاری قیمتوں میں ہونے والی تبدیلی کے ذریعہ نفع حاصل کرنے کی کوشش ہوتی ہے، ساری دلچسپی قیمت کے اتار چڑھاؤ میں ہوتی ہے، اور پے در پے چند سودے کرنے کے بعد ان کا کام صرف فرق ادا کرنا یا وصول کرنا ہوتا ہے، اس لیے یہ معاملات قمار کے مشابہ ہیں، جس کو Speculation اور ہندی میں ''سٹہ'' کہا جاتا ہے، معاشی اصطلاح کے مطابق اس کی تعریف ہے:

''بازاری قیمت میں تبدیلیوں سے نفع حاصل کرنے کی کوشش، جس کے نتیجہ میں سرمائے میں متوقع اضافہ کی خاطر موجودہ آمدنی کو چھوڑ دیا جائے'' (دیکھئے: فقہی مقالات از تقی عثمانی ۵/۵۱، فقہ البیوع ۱/۴۱۴)۔

الغرض مذکورہ صورت ہرگز جائز نہیں، اور ماہرین کے نزدیک یہ معاشی بحران کی ایک بڑی وجہ ہے۔

۶- اشیائے حاجت کو مہنگا ہونے کے انتظار میں روک رکھنا ''احتکار'' کہلاتا ہے، چوں کہ اس کے نتیجہ میں عام لوگ ضرر وتنگی کا شکار ہوجاتے ہیں، اس لیے شرعاً یہ عمل ممنوع ہے، حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

''من احتکر فھو خاطئ'' (مسلم شریف: ۴۰۹۲) (جس نے احتکار کیا وہ خطاء کار ہے)۔

ایک دوسری حدیث میں وعید ہے:

''من احتكر على المسلمين طعامهم ضربه الله بالجذام والإفلاس'' (ابن ماجہ: ۲۱۵۵)، **''وقال البوصيري: إسناده صحيح رجاله موثقون''**۔

(جس نے مسلمانوں پر ان کے کھانے کی چیزوں کو روکے رکھا، اللہ تعالی اس کو جذام اور افلاس میں مبتلا کردیں گے)۔

اسی لیے علامہ کاسانیؒ نے اس کو ظلم اور حرام قرار دیا (بدائع الصنائع ۵/۱۲۹)، اور ابن حجر ہیثمیؒ نے اسے کبائر میں شمار کیا (نہایۃ المحتاج ۳/۴۷۳)۔

البتہ اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ احتکار کن اشیاء میں ممنوع ہے، اس سلسلہ میں تین رائے ہیں:

(۱) ابوحنیفہ، محمد، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک غذائی اشیاء میں احتکار کی ممانعت ہے۔

(۲) امام محمدؒ کے نزدیک کپڑوں میں بھی ممنوع ہے۔

(۳) امام ابویوسفؒ اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ بلا کسی تخصیص وہ تمام اشیاء اس میں داخل ہیں جن کے روک رکھنے سے لوگ ضرر اور تنگی میں مبتلا ہوجائیں (الموسوعۃ الفقہیۃ ۲/۹۲)۔

پھر جمہور فقہاء کے نزدیک اس ممانعت کی شرط یہ ہے کہ شہر کے بازار سے خرید کر ذخیرہ کیا ہو، لہذا اپنی زمین کی پیداوار، یا شہر کے بازار کے علاوہ کسی ایسے مقام سے جہاں سے عادۃ وہ مال برآمد نہیں ہوتا ہے، خرید کر ذخیرہ کیا تو ممنوع نہیں ہے، لیکن امام ابویوسفؒ اور بعض مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ مدار ضرر اور تنگی پر ہے، خواہ اس نے خریدا ہو یا باہر سے برآمد کیا ہو، یا اس کی زمین ہی کی پیداوار ہے اور اپنی واپنے اہل وعیال کی ضرورت سے زائد ذخیرہ کر رکھا ہو، چنانچہ ابن رشدؒ فرماتے ہیں:

''إذا وقعت الشدة أمر أهل الطعام بإخراجه مطلقا ولو كان جالبا له أو كان من زراعته'' (حوالہ بالا)۔

(جب تنگی ہوجائے، تو بہر حال جس کے پاس غلہ ہے نکالنے کا حکم دیا جائے گا، خواہ انہوں نے برآمد کیا ہو یا ان کی کاشت سے حاصل ہوا ہو)۔

حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے:

''من كان له فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له'' (مسلم)۔

(جس کے پاس زائد کھانے پینے کا سامان ہو، وہ اس کو دے دے جس کے پاس کچھ نہیں)۔

حدیث میں نہی عام ہے، اس کا تقاضہ یہی ہے، نیز علت ضرر ہے، لہذا یہ حکم ہر ضرورت کی چیز کو شامل ہوگا۔

اس لحاظ سے سونے کی ذخیرہ اندوزی اگر واقعی عام لوگوں کی زندگی کو تنگی میں ڈالتی ہو اور معیشت پر اس کا گہرا اثر پڑتا ہو تو یہ بھی احتکار میں شامل ہوگا۔

۷- اصل یہ ہے کہ شرعاً ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے مال سے اپنی ضرورت، یا اپنی پسند یا اپنے کاروبار کے لیے جہاں سے چاہے کوئی بھی چیز خریدے، لہذا بیرونی ملک سے کوئی بھی چیز درآمد یا برآمد کرنا شرعاً مباح ہے، لیکن معاشی اور عوامی مصالح کے پیش نظر حکومت اس کے لیے اس کے لیے قانون بناتی ہے، اور پابندی عائد کرتی ہے، شرعی لحاظ سے بھی اس کی گنجائش ہے، چنانچہ احادیث میں اس قسم کی کم از کم تین نظیریں ملتی ہیں:

(۱) بیع الحاضر للبادی، (۲) تلقی جلب، (۳) احتکار۔

ان تینوں کو اسی مصلحت کے خاطر ممنوع قرار دیا ہے، حالاں کہ شریعت چاہتی ہے کہ بازار اپنی فطری طریقے سے چلتا رہے، اور اس کی آزادی کو سلب نہ کیا جائے، اسی مقصد کے خاطر آپ نے تسعیر (قیمت کی تعیین) سے منع کر دیا، نیز فرمایا: ”**دعوا الناس یرزق الله بعضهم بعضا**“ (مسلم)، لوگوں کو (آزاد) چھوڑو! اللہ تعالی ایک کو دوسرے کے ذریعہ رزق پہنچائے گا۔

اس لیے قانونی طریقے کے خلاف مال درآمد کرنا اور اسمگلنگ کرنا درست نہیں، یہ بہت سے منکرات کو مستلزم ہے۔

(۱) قانون کی خلاف ورزی، حالاں کہ جوامر معصیت کی قبیل سے نہ ہو، اس میں حکومت کے قانون کی خلاف ورزی نہ کرنا چاہئے۔

(۲) نقض عہد، کیوں کہ ملک کے ہر باشندہ نے قانون کی پاسداری کا قولاً یا عملاً عہد لیا ہے۔

(۳) عموماً ایسے عمل کے لیے جھوٹ کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔

(۴) جان و مال یا عزت کو خطرے میں ڈالنا پڑتا ہے۔

تاہم فی نفسہ کمائی حلال ہے، اور اس کی خرید و فروخت حرام نہیں کہلائے گی۔

۸- سفید سونے کا اطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے:

(۱) حقیقی سونا جس میں رنگت کی تبدیلی اور تزیین کے لیے ایک مخصوص مقدار میں دوسری دھات شامل کی جاتی ہے۔

یہ حقیقی سونے ہی کے حکم میں ہے، لہذا اپنے شرائط کے ساتھ زکاۃ واجب ہوگی، اور عقود میں صرف کے احکام جاری ہوں گے، البتہ اس میں دوسری دھات بھی شامل ہوتی ہے، اس لیے یہ خالص ذہب کے حکم میں نہیں بلکہ دنانیر ودراہم مغشوشہ کے حکم میں ہے، جن میں حنفیہ کے نزدیک غالب کا اعتبار ہوتا ہے، اگر غش (کھوٹ) مغلوب ہے تو وہ خالص سونے ہی کے حکم میں ہے، ورنہ وہ عام عروض کے حکم میں ہوگا۔

”**و ما غلب فضته و ذهبه فضة و ذهب حكما ...... و الغالب عليه الغش منهما في حكم عروض اعتبارًا**

للغالب فصح بيعه بالخالص إن كان الخالص أكثر من المغشوش ليكون قدره بمثله والزائد بالغش'' الخ (درمع ردالمحتار ٥/٢٦٦)۔

(جس میں چاندی اور سونا غالب ہو وہ حکم کے اعتبار سے سونا اور چاندی ہی ہے،......اور جس میں غش غالب ہو وہ سامان کے حکم میں ہے، کہ غالب ہی کا اعتبار ہے، لہذا خالص کے بدلہ اس کی بیع صحیح ہوگی، بشرطیکہ خالص مغشوش سے زائد ہوتا کہ خالص کی مقدار اپنے مثل کے عوض میں ہوجائے، اور زائد مقدار کھوٹ کے بدلہ میں ہوجائے)۔

(٢) پلاٹین: اسے بھی سفید سونا کہا جاتا ہے، لیکن درحقیقت یہ سونا نہیں بلکہ ایک علیحدہ قسم کی دھات ہے، جس کو زنگ نہیں لگتا اور نہ مرور زمان سے اس کی چمک میں کوئی فرق آتا ہے، یہ انتہائی مہنگی دھات ہے، قیمت میں تقریباً سونے کے مساوی ہوتی ہے۔

اب حکم شرعی کے لحاظ سے دو امر قابل تحقیق ہیں: (١) پلاٹینم میں زکاۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ (٢) عقود میں صرف کے احکام اس پر منطبق ہوں گے یا نہیں؟ ذیل میں انہی دو لحاظ سے بحث کی جارہی ہے۔

پلاٹینم میں زکاۃ:

پلاٹینم معدنی اشیاء میں سے ہے، اور معدنی اشیاء میں سونا اور چاندی بالاجماع اموال زکاۃ میں شامل ہیں، لیکن ان دو کے علاوہ کے سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

حنفیہ کا مسلک: حنفیہ کے نزدیک صرف سونے اور چاندی میں زکاۃ واجب ہوتی ہے، اس کے علاوہ کسی دھات میں زکاۃ واجب نہیں، ہاں اگر جامد ومنطبع ہو جیسے لوہا، تانبا، پیتل وغیرہ، تو اس میں اپنے شرائط کے ساتھ خمس واجب ہوتا ہے۔

''والمعادن ثلاثة أنواع: جامد يذوب وينطبع بالنار كالنقدين الذهب والفضة والحديد والنحاس والرصاص، هذا هو الذي يجب فيه الزكاة وهي الخمس وإن لم يبلغ نصابا'' (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ٣/١٨٥٥)۔

مالکیہ اور شافعیہ کا مسلک: معدن میں زکاۃ (ربع عشر) واجب ہوتی ہے جب کہ وہ سونا و چاندی ہو، ان کے علاہ میں کچھ واجب نہیں، ہاں جب وہ مال تجارت بن جائے تو پھر اپنے شرائط کے ساتھ زکاۃ واجب ہوگی (مغنی المحتاج ١/٣٩٤، بدایۃ المجتہد ١/٢٥٠، الفقہ الاسلامی ٣/١٨٥٧-١٨٦٠)۔

حنابلہ کا مسلک: معدن سے نکلنے والی تمام چیزوں میں زکاۃ (ربع عشر) واجب ہے (المغنی لابن قدامۃ ٣/٥٢-٥٣)۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ پلاٹینم میں حنابلہ کے نزدیک زکاۃ واجب ہوگی، شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک کچھ بھی واجب نہیں، اور حنفیہ کے نزدیک خمس واجب ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہوگا جب کہ کوئی شخص براہ راست کان سے پلاٹینم حاصل کرے۔

اگر کوئی شخص کسی اور ذریعہ سے اس کا مالک بنتا ہے تو اس کی دو صورت ہیں:

(١) مال تجارت کی حیثیت سے اس کی ملکیت میں ہے۔

اس صورت میں بالاتفاق زکاۃ واجب ہوگی، فتح القدیر میں ہے:

"عروض التجارة...... هي في اصطلاح الفقهاء كل ما أعد للتجارة كائنة ما كانت سواء من جنس تجب فيه زكاة العين كالإبل والغنم والبقر، أو لا كالثياب والحمير والبغال"۔

(سامان تجارت فقہاء کی اصطلاح میں وہ ہے جو تجارت کے لیے مہیا کیا گیا ہو، خواہ وہ اس مال کی جنس سے ہو، جس میں زکاۃ العین واجب ہوتی ہے، جیسے اونٹ، بکری، گائے، یا اس قبیل سے نہ ہو جیسے کپڑے، گدھے اور خچر) (فتح القدیر ۱/۵۲٦)۔

"قال ابن المنذر: أجمع أهل العلم على أن في العروض التي يراد بها التجارة الزكاة، إذا حال عليها الحول"۔

ابن المنذر نے کہا کہ اس پر اہل علم کا اجماع ہے کہ جن سامان سے تجارت مقصود ہو، ان میں زکاۃ واجب ہوگی، بشرطیکہ حولان حول ہو جائے (المغنی لابن قدامۃ ۳/۵۸)۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ تجارت مقصود نہ ہو، تو اس کا حکم یہ ہے کہ زکاۃ واجب نہیں ہوگی، کیوں کہ وجوب زکاۃ کے لیے مال نامی ہونا شرط ہے، اس میں نمو نہ خلقۃ ہے اور نہ کسبا، جیسا کہ سونے اور چاندی میں خلقۃ نمو ہے اور مال تجارت میں کسبا نمو ہے۔

ابن رشدؒ فرماتے ہیں:

"أن الزكاة سميت بذلک لأنه لا توخذ إلا من الأموال التي يبتغي بهاالنماء لا من العروض المقتناة" (المقدمات ص ۲۵۱)۔

(زکاۃ اس نام سے اس لیے موسوم ہے کہ وہ ایسے ہی مال سے لی جائے گی جس میں نمو ہو، اس مال سے نہیں جو گزارے کے لیے ذخیرہ کیا گیا ہو)۔

بدائع میں ہے: **"إن معنى الزكاة وهو النماء لا يحصل إلا من المال النامي ولسنا نعني به حقيقة النماء، لأن ذلک غير معتبر، وإنما نعني به كون المال معدا للاستنماء بالتجارة أو بالأسامة، لأن الأسامة سبب حصول الدر والنسل والسمن والتجارة سبب لحصول الربح"** (بدائع ۲/۱۱)۔

(زکاۃ کا معنی نمو ہے جو مال نامی ہی سے حاصل ہوتا ہے اور ہماری مراد حقیقی نمو نہیں ہے، اس لیے کہ وہ معتبر نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ مال تجارت کے ذریعہ یا اسامۃ کے ذریعہ زیادتی حاصل کرنے کے لیے مہیا کیا گیا ہو، کیوں کہ اسامۃ (مباح چراگاہ میں جانور کا چرنا) دودھ، نسل اور گھی کے حصول کا ذریعہ ہے اور تجارت نفع کے حصول کا سبب ہے)۔

حدیث میں ہے: **"ليس على المسلم في فرسه ولا عبده صدقة"** (مسلمان پر اس کے گھوڑے اور غلام میں صدقہ نہیں ہے)۔

نوویؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

"هذا الحديث أصل في الأموال القنية لا زكاة فيها" (نووی مع مسلم ٦/۳۱٦) (یہ حدیث اصل ہے اس پر کہ جن اموال کا ضرورت کے لیے ذخیرہ کیا گیا ہو ان میں زکاۃ نہیں ہے)۔

الفروق میں ہے:"الزكاة تجب في الدراهم والدنانير، ينوي بها التجارة أو لم ينو، ولا تجب الزكاة في العروض إلا بنية التجارة" (الفروق للکرابیسی ۱/ ۷۵)۔(درہم ودینار میں زکاۃ واجب ہوگی، تجارت کی نیت ہو یا نہ ہو، اور سامان میں زکاۃ اسی وقت واجب ہوگی جب کہ تجارت کی نیت ہو)۔

مجموع شرح مہذب میں ہے:

"لا زكاة في ما سوى الذهب والفضة من الجواهر كالياقوت والفيروزج واللؤلؤ والمرجان والزمرد والزبرجد والحديد...... وإن حسنت صنعتها وكثرت قيمتها"(المجموع ۲/ ۷۰ ۱۲،بیت الافکار الدولیۃ)(سونے اور چاندی کے علاوہ میں زکاۃ نہیں ہے، جیسے یاقوت، فیروزہ، موتی، مونگا، زمرد، زبرجد اور لونا، اگرچہ اس کی بناوٹ عمدہ ہو اور قیمت زیادہ ہو)۔

مذکورہ تمام تصریحات سے معلوم ہوا کہ سونے اور چاندی کے علاوہ مال میں زکاۃ اس وقت واجب ہوتی ہے، جب کہ وہ مال تجارت ہو، محض قیمتی اور گراں ہونے کی بناء پر کسی چیز میں زکاۃ واجب نہیں ہوتی، لہذا پلاٹین زکاۃ کے باب میں حقیقی سونے کے حکم میں نہیں ہوگا۔

پلاٹین عقود کے باب میں:

عقود کے باب میں تمام اشیاء کے درمیان احکام مشترک ہیں، صرف "بیع صرف" اور اموال ربویہ کے سلسلہ میں کچھ مخصوص احکام ہیں، لہذا یہاں قابل لحاظ یہی امر ہے کہ علت ربا پلاٹین میں موجود ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں اجمالا ائمہ کے مسلک مندرجۂ ذیل ہیں:

"حنفیہ کے نزدیک قدر مع الجنس علت ہے، یہی امام احمدؒ کی ایک روایت ہے، شافعیہ کے نزدیک ثمنیت اور طعم مع الجنس علت ہے، یہی امام احمدؒ کی دوسری روایت ہے، مالکیہ کے نزدیک ذہب وفضہ میں ثمنیت علت ہے، اور مابقیہ میں نسیئہ کی حرمت کے لیے محض مطعومیت اور تفاضل کی حرمت کے لیے اقتیات وادخار علت ہے"(فقہ البیوع ۲/ ٦٦۳)۔

اس اعتبار سے حنفیہ کے نزدیک پلاٹینم اموال ربویہ میں سے ہے، اس لیے کہ وزنی ہیں، دیگر فقہاء کے نزدیک اموال ربویہ میں سے نہیں، اس لیے صرف کے احکام اس پر جاری نہیں ہوں گے، اور عقود میں یہ سونے کے حکم میں نہیں ہے، اور حنفیہ کے نزدیک پلاٹین کا پلاٹین سے تبادلہ ہو تو سونے کی طرح ربا کے احکام جاری ہوں گے، لہذا تفاضل کے ساتھ اور اُدھار فروخت کرنا جائز نہ ہوگا، اس لیے اس حد تک پلاٹین عقود میں سونے کے حکم میں ہے۔

بحث کے نتائج

نقود وزر کی حقیقت:

نقود ذریعۂ مبادلہ ہیں، نہ وسائل پیداوار ہیں، اور نہ اشیاء صرف ہیں، لہذا عام اشیاء کی طرح ان کا لین دین درست نہیں۔

روپے سے سونا خریدنا:

(الف) روپے راجح قول کے مطابق فلوس کے حکم میں ہیں اس لیے ان کے ذریعہ سونے وچاندی کی اُدھار خرید وفروخت جائز ہے۔

(ب) سونے اور چاندی کا جو نرخ حکومت نے طے کیا ہو، اس سے کم وبیش قیمت میں خرید وفروخت فی نفسہ جائز ہے، رِبا الفضل میں شامل نہیں، ہاں قانون کی مخالفت بھی درست نہیں۔

کاریگر کا سونے وچاندی کے زیورات بنانا:

(الف) اس کی ایک صورت یہ ہے کہ تاجر کاریگر کو سونا دے اور کاریگر اسی سونے سے زیور بنا کر تاجر کو دے، تو یہ اجارہ کا معاملہ ہے، بیع وشراء کا معاملہ نہیں، کیوں کہ یہاں معقود علیہ کاریگر کی خدمت اور اس کا عمل ہے، جب کہ بیع میں معقود علیہ عین ہوتی ہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ یہ اجارہ صحیح ہے، لیکن اجرت میں ذرات کو متعین کرنا درست نہیں، کیوں کہ یہ مجہول ہیں، ہاں مستقل اجرت کی تعیین میں ان ذرات کو ملحوظ رکھا جاسکتا ہے۔

(ب) کاریگر اپنے سونے سے زیور بنا کر تاجر کو دے، تو یہ بیع کا معاملہ ہے، پھر اگر روپے کے ذریعہ خرید وفروخت ہو تو یہ عام بیع ہے، اور اگر سونے ہی کے عوض ہو تو عقد صرف ہے۔

(ج) تیسری صورت یہ ہے کہ تاجر نے کاریگر کو سونا تو دیا، لیکن اس نے اپنے ہی سونے سے زیور بنا کر دیا، اس صورت میں صورت اولیٰ ہی کا حکم ہوگا۔

نئے اور پرانے زیور کا تبادلہ:

(الف) نئے اور پرانے زیور کی خرید وفروخت کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں، اس لیے کہ اموال ربویہ میں وصف ہدر ہے۔

(ب) دو عقد کر لئے جائیں، ایک پرانے کو روپے کے عوض فروخت کرنے کے لیے اور دوسرا عقد ان روپیوں کے عوض نیا زیور خریدنے کے لیے تو یہ جائز ہے۔

(ج) زیور کے ساتھ کوئی غیر ربوی چیز شامل کر کے مدّ عجوۃ والی شکل اختیار کر لی جائے تو بھی جائز ہے۔

ایکسچینج میں سونے کی خرید وفروخت:

(الف) خریدا ہوا سونا ممتاز ومفرز نہ ہو تو خریدار کا قبضہ شمار نہیں ہوگا۔

(ب) تسلیم کے بغیر محض اندراج بھی شرعی قبضہ کے لیے کافی نہیں۔

Exchange میں کاروبار کی رائج صورت:

عموماً یہ کاروبار معدوم کی بیع، بیع قبل القبض، غرر وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے، یہ ایک قسم کا سٹہ ہے، شرعاً اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

سونے کا احتکار:

اگر یہ ذخیرہ اندوزی واقعی عام لوگوں کے لیے تنگی کا باعث ہو، اور معیشت کو متأثر کرتی ہو تو یہ احتکار ممنوع میں شامل ہے۔

اسمگلنگ کا حکم:

قانون عموماً معاشی اور عوامی مصالح کے پیش نظر بنائے جاتے ہیں، لہذا اس کی خلاف ورزی جائز نہیں، تاہم شرعاً اس خرید وفروخت کو حرام نہیں کہا جائے گا، اور کمائی فی نفسہ حلال تصور کی جائے گی۔

پلاٹین اور سفید سونا:

(الف) اصل سونے کی تزیین کے لیے چاندی یا دوسری دھات شامل کی جاتی ہے، اسے بھی سفید سونا کہا جاتا ہے، یہ احکام شرعیہ زکاۃ وعقود وغیرہ میں دنانیر مغشوشہ کے حکم میں ہے۔

(ب) پلاٹین جو ایک مستقل دھات ہے، شرعاً حقیقی سونے کے حکم میں نہیں ہے۔

☆☆☆

سونا چاندی کی تجارت اور اس سے مربوط مسائل

مفتی عبداللہ خالد لوناواڑہ☆

اللہ تعالی کی طرف سے جو قدرتی وسائل زمین میں چھپا کر رکھے گئے ہیں، ان میں سونا اور چاندی بھی ہے، یہ نہایت قیمتی دھات ہے، جہاں اس کا استعمال زیبائش و آرائش کے لئے ہوتا رہا ہے اور خواتین اس کے زیورات پہنتی رہی ہیں، اور یہ دولت و قدر کو ناپنے کا ایک پیمانہ بھی ہے، اسی لئے قدیم زمانہ سے افراد ہو یا حکومتیں، انہوں نے دولت کے ایک محفوظ ذخیرہ کے طور پر سونے کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، اور اس کی اسی اہمیت کی وجہ سے بہت ہی قدیم زمانہ سے کرنسی کی حیثیت سے اس کا استعمال کیا گیا ہے، جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو اس وقت روم میں سونا اور ایران میں چاندی کی کرنسی کا رواج تھا، اور یہی اس وقت دنیا کی دو بڑی معاشی اور فوجی طاقتیں تھیں، عرب ان دونوں کرنسیوں کو استعمال کرتے تھے، سونے کی کرنسی دینار اور چاندی کی درہم کہلاتی تھی، اسلام نے اس کو اسی طرح باقی رکھا، البتہ درہم اور دینار کے مختلف سکوں کے وزن میں جو فرق ہو جاتا تھا، اس خامی کو دور کیا اور اس میں یکسانیت پیدا کرنے کی کوشش کی، حضرت عمرؓ نے جہاں اور بہت سی اصلاحات فرمائیں، ان میں ایک یہ بھی ہے۔

اگر چہ اب سونے اور چاندی کی وہ حیثیت نہیں رہی، چاندی کی حیثیت تو اب ایک عام دھات کی سی ہو گئی، اور کرنسی کی قدر میں سونے کی اہمیت بھی کم ہو کر رہ گئی، اور بظاہر بے قیمت نظر آنیوالے کاغذی نوٹوں نے اس کی جگہ لے لی، لیکن پھر بھی سونے کی اپنی ایک قیمت ہے، اس کی طلب ہے، افراد ہی نہیں حکومتیں بھی چاہتی ہیں کہ ان کے پاس سونے کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ ہو، آج بھی کسی ملک یا شخص کی دولت کو تولنے کے معیارات میں ایک سونا بھی ہے، اسی لئے بمقابلہ تمام دھاتوں کے اور خاص کر کاغذی نوٹوں کے سونے کی قیمت میں استحکام ہیں، بلکہ صورت حال یہ ہیں کہ کاغذی کرنسی کی قیمت تیزی سے گرتی جارہی ہے، اور سونے کی قیمت گھٹتی کم اور بڑھتی زیادہ ہے۔

دنیا کے معاشی نظام میں جو تبدیلیاں آتی رہی ہیں، ان کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارے فقہاء نے بھی ثمن کے سلسلہ میں ایک نئی اصطلاح قائم کرتے ہوئے اس کی دو قسمیں کی ہیں؛ ایک: ثمن حقیقی، دوسری: ثمن اصطلاحی۔ ثمن حقیقی سے مراد سونا اور چاندی ہے، اور ثمن اصطلاحی سے مراد وہ شئی ہے جو لوگوں کے عرف اور اتفاق کی وجہ سے ثمن کے درجہ میں آ گئی ہو؛ جیسے سکے اور کاغذی نوٹ، دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب ثمن کا ثمن سے تبادلہ ہو تو اس بیع کے خصوصی احکام ہیں، جن کو فقہاء نے بیع صرف سے تعبیر کیا ہے اور جس میں بے احتیاطی عقد کو ربا میں لے آتی ہے۔

☆ استاذ دار العلوم لوناواڑہ، گجرات۔

کاروباری نقطہ نظر سے سونے چاندی کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور بالخصوص ابلاغ کے جدید ذرائع کی پیدائش، نیز فون اور ای میل کے ذریعہ بین ملکی تجارت نے شرعی اعتبار سے بہت سے پیچیدہ مسائل پیدا کردیئے ہیں، جن پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

ا-الف: فقہاء کی عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ بیع صرف کا اطلاق اس بیع پر ہوگا جہاں دونوں طرف ثمن خلقی سونا یا چاندی ہو، خواہ فی الوقت ثمن کی صورت میں ہو، مثلاً دراہم ودنانیر، یا فی الوقت ثمن کی صورت میں نہ ہو، مثلاً سونا چاندی کے برتن اور زیورات وغیرہ۔

مطلب یہ ہے کہ سونے کی بیع سونے کے ساتھ، چاندی کی بیع چاندی کے ساتھ، یا سونا اور چاندی کی بیع ایک دوسرے کے ساتھ بیع صرف ہے، سونا اور چاندی خواہ جس شکل میں بھی ہو۔

علامہ کاسانیؒ بیع صرف کی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"فالصرف فی متعارف الشرع اسم لبیع الأثمان المطلقة بعضها ببعض،وهو بیع الذهب بالذهب والفضة بالفضة" (بدائع الصنائع ۵/۲۱۵)۔

اسی طرح صاحب درمختارؒ فرماتے ہیں:

"عقد الصرف بیع الثمن بالثمن أی ما خلق للثمنیة ومنه المصوغ جنساً بجنسٍ أو بغیر جنسٍ" (ردالمحتار ۵/۲۵۷)۔

اسی طرح صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں:

"الصرف هو البیع إذا کان واحد من عوضیه من جنس الأثمان" (ہدایہ ۳/۱۰۴)۔

اور اگر عوضین "ثمن خلقی" نہ ہوتو اگر چہ ان میں سے ایک ثمن خلقی ہی سہی بیع صرف نہیں، اور بیع صرف کے احکام بھی اس پر لاگو نہیں ہوں گے۔

چنانچہ علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

"إذا اشتری الرجل فلوساً بدراهم و نقد الثمن ولم تکن الفلوس عند البائع فالبیع جائز لأن الفلوس الرائجة ثمن کالنقود ...وبیع الفلوس بالدراهم لیس بصرفٍ" (المبسوط ۱۴/۲۴، ردالمحتار ۴/۲۳۵)۔

مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ نقدین کے سوا دوسرے اثمان رائجہ کی بیع بیع صرف نہیں، لہذا اس میں عوضین پر مجلس میں قبضہ کرنا، دست بدست ہونا بھی شرط نہیں۔

اسی تفصیل کی بنا پر چونکہ مروجہ کرنسی ثمن حقیقی نہیں ہے بلکہ ثمن عرفی ہے، لہذا اس کی تجارت سونے کے ساتھ بیع صرف نہیں ہے اور اس پر بیع صرف کے احکام جاری نہیں ہوں گے، بنابریں ادھار خرید وفروخت جائز ہوگی، ہاں عوضین میں سے کسی ایک پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہوگا، تاکہ بیع الدین بالدین لازم نہ آئے۔

اس سلسلہ میں سب سے چشم کشاں تحریر حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب کی ہے (ملاحظہ فرمائیں: فتاوی عثمانی ۳/۱۵۹)۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی تحریر فرماتے ہیں:

''اگر کرنسی کا تبادلہ سونے چاندی سے ہو، تو کرنسی کی حیثیت سامان کی ہو جائیگی اور سونا چاندی اصل زر متصور ہوگا، کیونکہ خلقی ثمن میں ثمنیت اور زر بننے کی صلاحیت زیادہ ہے اور اصطلاحی اور رواجی ثمن اس سے کم درجہ کی حامل ہے، لہذا کرنسی اور سونے چاندی کی تبادلہ کی صورت نہ مجلس میں قبضہ ضروری ہوگا نہ مقدار میں مماثلت، نقد، ادھار خرید وفروخت بھی جائز ہوگی'' (قاموس الفقہ ۲۲۶/۴)۔

ب-صورت مسئولہ میں نفس جواز میں تو کوئی کلام نہیں ہے، اس لئے کہ خلاف جنس کی بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے، اس کمی زیادتی کی شرعاً کوئی حد مقرر نہیں ہے، بلکہ فریقین کی باہمی رضامندی پر موقوف ہے، اس لئے صرف حکومت کے بھاؤ طے کرنے سے دوسری طرف زیادتی کو سود کہنا درست نہیں ہوگا۔

حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب فقہی مقالات میں تحریر فرماتے ہیں؛

حکومت کے مقرر کردہ بھاؤ کی مخالفت کرتے ہوئے کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ کرنے میں سود لازم نہیں آئیگا، اس لئے کہ دونوں کرنسیاں جنس کے اعتبار سے مختلف ہیں اور مختلف الاجناس کے تبادلہ میں کمی زیادتی جائز ہے اور اس کمی زیادتی کی شرعاً کوئی حد مقرر نہیں بلکہ یہ فریقین کی باہمی رضامندی پر موقوف ہے، البتہ اس پر تسعیر کے احکام جاری ہوں گے، لہذا جن فقہاء کے نزدیک اشیاء میں حکومت کی طرف سے تسعیر جائز ہے کرنسی میں بھی جائز ہوگی۔ لہذا اس کے لئے تو حکومت کے اس حکم کی مخالفت کرنا تو جائز نہیں (بشرطیکہ اسلامی حکومت ہو اور اسلامی اصول کی پابند ہو آج کل کی حکومتوں کی طرح نہ ہو) لیکن دوسری طرف اس زیادتی کو سود کہہ کر حرام کہنا بھی درست نہیں (فقہی مقالات ۴۰/۱)۔

۲-الف: اس شکل کو اجارہ مانا جائے گا، اس لئے کہ اس میں تاجر حضرات سونا دے کر زیور بنانے والے سے اس سونے کا زیور بناتے ہیں اور اجارہ نام ہے کسی معلوم منفعت کے مقابلہ میں کسی متعین عوض کا معاملہ کرنا۔

چنانچہ ''ہدایہ'' میں ہے: **''الاجارة عقد يرد على المنافع بعوض''** (ہدایہ ۲۹۳/۳)۔

اسی طرح ''فتاوی شامی'' میں ہے: **''تمليك المنفعة بعوض''** (الدرالمختار ۴/۶)۔

اسی طرح ''المبسوط'' میں ہے: **''اعلم أن الاجارة عقدٌ على المنفعة بعوض هو مال''** (المبسوط للسرخسی ۸۳/۸)۔

ب-شریعت میں اجارہ صحیح ہونے کے لئے اجرت کا متعین ہونا ضروری ہے، حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے:

''ان رسول الله ﷺ نهى عن استأجر الأجير حتى يبين له أجره'' (مراسل ابی داؤد: ۱۰)۔

اسی طرح ''ہدایہ'' میں ہے:

''لا يصح حتى تكون المنافع معلومة لما روينا، لأن الجهالة في المعقود عليه و في بدله تفضي إلى المنازعة'' (ہدایہ ۲۹۳/۳)۔

اسی طرح ''فتاوی ہندیہ'' میں ہے:

''ومنها أن يكون المعقود عليه، وهو المنفعة معلوماً علماً يمنع المنازعة'' (فتاوی ہندیہ ۴۱۱/۴)۔

اس صورت میں سونے کو زیور بنانے کے لئے جو دیا جاتا ہے اس سے جو ذرات نکلتے ہیں وہ معلوم ہو کہ کتنی مقدار میں نکلتے

ہیں تو معاملہ کرنے سے پہلے ہی اتنا سونا اجرت میں متعین کر دیا جائے اور یہ نہ کہا جائے اسی سونے میں سے دیا جائیگا تو یہ شکل جائز ہوگی کیونکہ جس طرح اجارہ صحیح ہونے کے لئے اجرت کا متعین ہونا ضروری ہے اسی طرح قفیز طحان والی صورت سے بچنا بھی ضروری ہے اس لئے کہ احادیث میں قفیز طحان سے منع کیا گیا ہے، قفیز طحان یہ ہے کہ کسی کو گندم پیسنے کے لئے دئے جائیں اور اجرت یہ طے کی جائے کہ اس گندم کے آٹے میں سے ایک قفیز آٹا تم کو ملے گا، اور فقہاء نے قفیز طحان سے بچنے کے لئے یہ طریقہ بتایا ہے کہ مطلق اجرت متعین کی جائے۔

چنانچہ ''فتاوی شامی'' میں ہے:

''والحيلة أن يغرز الأجر أولاً أو يسمى قفيزاً بلا تعيينٍ ثم يعطيه قفيزاً منه فيجوز (الدر المختار) أى و يسلمه إلى الأجير فلو خلطه بعد وطحن الكل ثم أفرز الأجرة و رد الباقى جاز .ولا يكون فى معنى قفيز الطحان'' (الدر المختار مع الشامی ۶/ ۵۷، ھکذا فی الہندیہ ۴/ ۴۴۴)۔

اسی طرح حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

اجارہ صحیح ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اجرت متعین ہو مجہول نہ ہو، اور ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ عند العقد مستاجر اجرت کی ادائیگی پر قادر ہو، اسی بنا پر حدیث میں قفیز طحان سے منع کیا گیا ہے، لہذا صورت مسئولہ میں اجارہ صحیح نہ ہوگا، صحیح ہونے کی صورت یہ ہے کہ اجرت میں روپیہ متعین کرے اور اگر سونا ہی متعین کرنا ہو تو مطلقاً سونا متعین کرے اور جتنا متعین کیا ہے وہ پورا ادا کیا جائے (فتاوی رحیمیہ ۵/ ۶)۔

۳- یہ معاملہ سودی ہے اور ناجائز ہے، اس لئے کہ سونے کو سونے کے بدلہ میں کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز نہیں، چاہے خالص سونے کو ملاوٹ والے سونے کے بدلہ میں بیچا جائے یا پرانے زیور کو نئے زیور کے بدلہ میں بیچا جائے، اس لئے کہ حدیث شریف میں اس سے منع فرمایا گیا ہے، حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثلٍ يداً بيدٍ فمن زاد او استزاد فقد أربى الآ خذ والمعطى فيه سواءٌ'' (مسلم شریف: ۱۵۸۷، بخاری شریف: ۲۱۷۶)۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''لا تبيعوا الذهب بالذهب الا مثلاً بمثلٍ ولا تشفوا بعضها على بعض، ولا تبيعوا الورق بالورق إلا مثلاً بمثلٍ ولا تشفوا بعضها على بعض، ولا تبيعوا منها غائباً بناجزٍ'' (بخاری شریف: ۲۱۷۷)۔

اور ایک ضعیف حدیث میں صاف وضاحت ہے کہ عمدہ اور گھٹیا دونوں کا حکم یکساں ہے۔

''جيد ها ورديئها سواء'' (العنایۃ علی ہامش الہدایۃ ۶/ ۲۶۰)۔

اور جمہور فقہاء کرام کا بھی اس بات پر اتفاق ہے کہ اس میں صیاغت اور صناعت کا بھی اعتبار نہیں ہوگا، جیسا کہ ''الموسوعہ الفقہیہ'' میں ہے (موسوعہ فقہیہ ۲۶/ ۳۵۶، شرح الامام النووی لصحیح مسلم ۱۱/ ۱۲، بیروت)۔

اسی طرح مولانا تقی عثمانی صاحب اپنی کتاب ''فقہ البیوع'' میں رقم طراز ہیں:

''إن كان البدلان فى الصرف من جنس واحد مثل بيع الذهب بالذهب ،أو الفضة بالفضة ،فيجب أن يكونا متساويين فى الوزن،ولو اختلفا جودةو صناعة وذالک مصرح فى حديث أبى سعيد الخدریؓ الذى مرنصه ،ومن أجل هذا الشرط اجمع الفقهاء على أن المجازفة فى الصرف لا تجوز'' (فقہ البیوع ۲/۷۰۷)۔

لیکن اس کی متبادل شکل یہ ہے کہ گاہک اپنا پرانا زیور پچاس ہزار میں مثلاً فروخت کردے اور ترپین ہزار سے نئے ڈیزائن کا زیور خرید لے تو یہ معاملہ جائز اور درست ہوگا، اسکی نظیر فقہاء کے یہاں ملتی ہے، چنانچہ ''فتاوی ہندیہ'' میں ہے:

''وإذا أشترى خاتم فضة أو خاتم ذهب فيه فص أو ليس فيه فص بكذا فلسا وليست الفلوس عنده فهو جائز تقابضا قبل التفرق أو لم يتقابضا لأن هذا بيع وليس بصرف'' (فتاوی ہندیہ ۳/۲۲۴، المبسوط للسرخسی ۱۴/۶۹)۔

۴- شریعت مطہرہ میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کرنے سے منع فرمایا ہے، اس کے متعلق بہت ساری احادیث مبارکہ وارد ہوئی ہیں، چنانچہ ایک حدیث میں ہے: اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه قال ابن عباسؓ وأحسب كل شئى مثله'' (مسلم ۲/۵، باب بطلان بیع مبیع قبل القبض)۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں حضرت حکیم بن حزامؓ سے منقول ہے:

قلت يا رسول الله انى اشتريت بيوعا فما يحل لى منها وما يحرم على ؟قال فإذا اشتريت فلا تبعه حتى تقبضه'' (مسند احمد ۳/۴۰۲)۔

ایک اور حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''من اشترى طعاما بكيل أو وزن فلا يبعه حتى يقبضه'' (مسند احمد ۲/۱۱۱)۔

ان احادیث کی روشنی میں فقہاء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کی خرید وفروخت کرنا ناجائز ہے۔

احناف کے نزدیک قبضہ کی نوعیت کیا ہوگی؟

احادیث میں قبضہ کا کوئی متعین ومحدود مصداق بیان نہیں کیا گیا ہے، بلکہ خود احادیث میں قبضہ کی مختلف کیفیت کی طرف اشارہ موجود ہے، اسی لئے فقہاء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قبضہ کا مصداق لغت اور چیزوں کی نوعیت کے لحاظ سے ہوگا، امام نوویؒ لکھتے ہیں:

''لأن القبض ورد به لشرع وأطلقه فحمل على العرف،والعرف فيما ينقل النقل و فى ما لا ينقل التخلية'' (شرح المہذب ۹/۲۷۵)۔

اسی طرح ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:

"لأن القبض مطلق فی الشرع فیجب الرجوع فیه إلی عرف کالإحراز والتفرق" (المغنی ۴/ ۹۰)۔

اس سلسلہ میں علامہ خطابیؒ کی تحریر ملاحظہ فرمائیں (بذل المجہود ۴/ ۲۸۴)۔

اسی لئے قبضہ کے سلسلہ میں یہ بات بھی متفق علیہ ہے کہ قبضہ دراصل "تخلیہ" یعنی مالک اور اس چیز کے درمیان مانع تصرف امر کو باقی نہ رکھنے کا نام ہے اور یہ عرف اور زمانے کے رواج وطور وطریق ہی سے معلوم ہوسکتا ہے، جیسے قبضہ میں ہر عہد کے عرف کا اعتبار ہے اسی طرح ہر چیز کا قبضہ اسی کے لحاظ سے ہوگا۔

"فتاوی شامی" میں ہے: "یختلف بحسب المبیع" (ردالمحتار ۴/ ۸۴)۔

اسی طرح "فتاوی قاضی خان" میں ہے:

"أجمعوا علی أن التخلیة فی البیع جائز تکون قبضاً" (فتاوی قاضی خان ۲/ ۴۷۴)۔

اسی طرح علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"ولا یشترط القبض بالبراجم، لأن معنی القبض هو التمکن والتخلی وارتفاع الموانع عرفاً وعادةً حقیقةً" (بدائع الصنائع ۵/ ۱۴۸)۔

انہیں تفصیلات کی روشنی میں پہلی شق جس میں اگر سونا فروخت کرنے والے ادارے کے پاس اگر مثلاً ایک کلو سونا ہو اور وہ دو سو افراد کو پچاس پچاس گرام سونا فروخت کرے، لیکن ان سب کا خریدا ہوا سونا سونے کی اینٹ میں شامل ہو، ان کے الگ الگ بسکٹ یا سکے نہ بنائے جاتے ہوں تو کیا اس کو خریدار کا قبضہ سمجھا جائیگا یا نہیں، اس لئے کہ یہاں بہت سارے افراد کا سونا ایک ہی اینٹ ہونے کی وجہ سے خریدار اور مبیع کے درمیان تخلیہ نہیں پایا جاتا۔

حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب تخلیہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ولکن الواقع أن التخلیة إنما تعتبر قبضاً حکمیاً إذا کان المبیعُ متعیناً متمیزاً عن غیر المبیع، أما التخلیة بدون التعیین فإنه لیس تخلیة فی الواقع إنما هو حق للأخذ بعد التعیین" (فقہ البیوع ۱/ ۴۱۱)۔

☆ اس سوال کی دوسری شق جس میں اگر ہر خریدار کے لئے اس کی خریدی ہوئی مقدار کا سکہ الگ سے موجود ہو اور اس کو کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں اس کے نام سے درج کر دیا گیا ہو، تو اس اندراج کو قبضہ کے لئے کافی سمجھا جائے گا، اس لئے کہ یہاں خریدار اور مبیع کے درمیان کسی قسم کی کوئی رکاوٹ اور خریدار کے لئے کوئی مانع تصرف باقی نہیں رہا اور تخلیہ اسی کا نام ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

اگر آپ نے بینک سے کموڈٹی ایکسچینج سے یا سونے کا کاروبار کرنے والے کسی شخص سے سونا خرید کیا اور سونا اپنی تحویل میں لے لیا یا اپنی تحویل میں نہیں لیا، اسی کے پاس محفوظ کر دیا، لیکن آپ کے نام کا وہ سونا الگ کر دیا گیا تو اب آپ کے لئے بعد میں اس کو فروخت کرنا اور بڑھی ہوئی قیمت سے فائدہ اٹھانا جائز ہوگا (کتاب الفتاوی ۹/ ۴۴۹)۔

۵- یہ صورت بالکل جائز نہیں ہے اس لئے کہ شریعت میں کسی بھی چیز کو قبضہ سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ اوپر کے

سوالات کے جوابات میں تفصیل سے گزرا، دوسری وجہ یہ ہے کہ اصل مبیع کا دور دور تک کہیں پتا نہیں، اور نہ ہی مشتری اصل مبیع کا مالک ہوتا ہے، یہ صورت محض جوا اور سٹہ پر مشتمل ہے، اس لئے بالکل حرام ہے، حضرت حکیم بن حزام سے مروی ہے:

"سألت رسول الله ﷺ فقلت يأتيني الرجل فيسألني من البيع ما ليس عندي فأبتاع له من السوق ثم أبيعه ،قال لا تبع ما ليس عندك" (سنن الترمذی ۱/ ۲۳۳، مزید دیکھئے: البحر الرائق ۵/ ۲۵۹، بدائع الصنائع ۴/ ۳۶۴)۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

اگر آپ نے بینک سے کموڈیٹیز ایکسچینج سے یا سونے کا کاروبار کرنے والے کسی شخص سے سونا خرید کیا اور سونا اپنی تحویل میں لے لیا، یا اپنی تحویل میں نہیں لیا، اسی کو اپنے پاس محفوظ کرلیا، لیکن آپ کے نام کا وہ سونا الگ کردیا گیا تو اب آپ کے لئے بعد میں اس کو فروخت کرنا اور بڑھی ہوئی قیمت سے فائدہ اٹھانا جائز ہوگا، لیکن اگر صرف حساب میں آپ کا نام شامل ہوگیا، آپ کے حصہ کا سونا الگ نہیں کیا گیا تو اس سونے پر آپ کا قبضہ متحقق نہیں ہوا، لہذا آپ کے لئے اس کو بیچنا اور اس پر نفع اٹھانا جائز نہیں ہوگا (کتاب الفتاوی ۹/ ۴۴۹)۔

۶ - اسلام ایک دین رحمت ہے، اس نے انسانوں کے لئے وہی احکام نازل کئے ہیں جو انسانوں کے لئے مفید ہو، اور ہر اس چیز سے روکا ہے جو انسانوں کے لئے مضرت رساں اور نقصان دہ ہو، انھیں میں سے ایک چیز جو انسانوں کے لئے نقصان دہ ہے وہ ذخیرہ اندوزی یعنی احتکار ہے، احتکار اشیاء ضروریہ کو خرید کر اس طرح روکے رکھنے کا نام ہے جس سے اہل شہر کو مشقت ہو، حدیث شریف میں اسکو سختی سے منع کیا گیا ہے، حضرت عمرؓ سے مروی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے، "الجالب مرزوق، والمحتكر ملعون" (ابن ماجہ: ۲۱۵۳)، ایک دوسری حدیث میں ہے: "من احتكر فهو خاطئى" (مسلم: ۴۰۹۲) (یعنی احتکار کرنے والا گنہگار ہے)۔

ایک اور حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"من احتكر على المسلمين طعامهم ضربه الله بالجذام والإفلاس" (ابن ماجہ: ۲۱۵۵)۔

احتکار کب متحقق ہوگا؟

امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ امام احمد ابن حنبلؒ کے نزدیک احتکار اور ذخیرہ اندوزی صرف انسانوں اور جانوروں کی غذائی اشیاء اور حیوانات کے چارے میں ممنوع ہے، لیکن امام ابو یوسف اور امام مالک کی رائے یہ ہے کہ ذخیرہ اندوزی تمام ضروری اشیاء میں ممنوع ہے چاہے انسانی غذا ہو یا اور کچھ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: موسوعہ فقہیہ ۲/ ۹۲، الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۳/ ۵۸۵، رد المحتار ۹/ ۵۷۱)۔

مسئولہ صورت کا حکم:

موجودہ زمانے میں سونے کے احتکار کا اثر انسانوں کی خوراک اور دوسری تمام ضروری اشیاء پر پڑتا ہے اس لئے سونے کی ذخیرہ اندوزی اور احتکار نا جائز اور حرام ہوگا، اس لئے کہ شریعت کا احتکار سے روکنے کا مقصد انسانوں اور جانوروں سے مضرت اور تکلیف کو دور کرنا ہے۔

اورعلامہ کاسانیؒ نے طرفین کی صرف انسانوں اور جانوروں کی غذا میں احتکار کو خاص کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ ضرر عام طور پر انسانوں اور جانوروں کی غذا روکنے سے ہوتا ہے۔

”**وجه قول محمد:أن الضرر فى الأعم الأغلب إنما يلحق العامة بحبس القوت والعلف فلا يتحقق الاحتكار إلا به**“ (بدائع الصنائع ۴/۳۰۹)۔

لیکن موجودہ زمانے میں ضرر عام صرف انسانوں اور جانوروں کی غذا کے احتکار سے نہیں ہوتا ہے، بلکہ سونے وغیرہ اور بہت ساری چیزوں کے احتکار سے بھی ہوتا ہے، اس لئے کہ آج کل مارکیٹ میں ایک چیز کی تنگی کا اثر دوسری چیز پر ضرور پڑتا ہے، اس لئے موجودہ زمانے میں امام ابو یوسف اور امام مالک کی رائے پر عمل کیا جانا چاہئے۔

اس لئے کہ شریعت کا ایک اہم قائدہ ہے، ”الضرر یزال“ اسی طرح کی رائے موجودہ زمانے کے محققین علماء کی ہے چنانچہ مفتی مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

”**وهذا القول يبدو راجحاً لعموم النهى ولأن علته الإضرار بأهل البلد فيشمل كل ما يحتاجون إليه**“(فقہ البیوع ۲/۹۹۹)۔

اسی طرح مولا خالد سیف اللہ صاحب فرماتے ہیں:

غیر معمولی حالات میں امام مالک اور امام احمد کے نزدیک تمام ہی اشیاء ضروریہ میں احتکار حرام ہے اور یہی رائے امام ابو یوسف کی ہے غالبًا یہ رائے زیادہ قرین صواب ہے (جدید فقہی مسائل ۱/۳۷۷)۔

اسی طرح حضرت مولانا یوسف لدھیانوی صاحبؒ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

چوتھی صورت یہ ہے کہ انسانوں یا چوپایوں کی خوراک کی ذخیرہ اندوزی نہیں کرتا، اسکے علاوہ دیگر چیزوں کی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے جس سے لوگوں کو تنگی لاحق ہوجاتی ہے یہ بھی ناجائز ہے (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۷/۱۱۱)۔

علامہ نوویؒ احتکار کی حرمت کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”**والحكمة فى الاحتكار رفع الضرر عن عامة الناس،كما أجمع العلماء على انه لو كان عند إنسان واضطر الناس إليه ولم يجدوا غيره أجبر على بيعه دفعاً للضرر عن الناس**“(شرح النووی علی صحیح مسلم، باب تحریم الاحتکار فی الأقوات ۱۱/۴۳)۔

۷- شریعت نے ہر شخص کو یہ حق دیا ہے کہ اپنے مملوکہ روپیوں سے اپنی ضرورت یا پسند کا جو مال جہاں سے چاہے خرید سکتا ہے، اسی طرح باہر ممالک سے مال لے کر آنا یا باہر ممالک مال لیکر جانا حلال مال ہو اور حلال طریقہ سے ہو تو جائز ہے، اس لئے اسمگلنگ کے طریقے سے سونا خریدنا اور فروخت کرنا درست ہوگا، لیکن چونکہ حکومت نے اس پر پابندی لگا رکھی ہے اور اس پابندی کی خلاف ورزی میں بہت سے گناہوں کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، مثلاً جھوٹ بولنا پڑتا ہے، رشوت دینی پڑتی ہے، جان مال یا عزت آبرو کو خطرہ میں ڈالنا پڑتا ہے اور اس کی حفاظت کا شریعت میں بڑا خیال رکھا گیا ہے، اس لئے حکومت کے قانون کی پابندی کرنی چاہئے

اوراس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

چنانچہ حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوری صاحبؒ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

اگر وہ مال نجس، ممنوع الاستعمال اور ممنوع البیع نہ ہواور وہ مالک سے خرید ہوا ہوتو اس کی تجارت فی نفسہ حلال ہے،لیکن چونکہ حکومت کے قانون کے خلاف ہے اور مجرم سزا کا مستحق اور ذلیل ہوتا ہے اور اپنے آپ کو ذلیل کرنا جائز نہیں ہے،اس لئے ایسا معاملہ اختیار نہ کیا جائے (فتاوی رحیمیہ ۲۵۸/۵)۔

اسی طرح ''فتاوی محمودیہ'' میں ہے:

جو شخص جو سامان خریدے اس کا مالک ہوجاتا ہے اس کو اپنے سامان کا حق ہوجاتا ہے کہ خود استعمال کرے یا کسی کو ہبہ کرے یا فروخت کرے،اور پھر اس سے خریدنے والے کو اس کا استعمال جائز ہوتا ہے، کیونکہ وہ مالک ہوگیا لیکن آدمی جب کسی حکومت کے ما تحت رہتا ہے تو اس کے قانون کی پابندی قانوناً لازم ہوتی ہے،اس کے خلاف کرنا قانونی چوری ہے جس سے عزت ومال دونوں کا خطرہ ہوتی ہے،اپنے عزت ومال کو خطرہ میں ڈالنا دانشمندی نہیں ہے (فتاوی محمودیہ ۱۴۸/۱۶)۔

۸- شریعت میں سونا چاندی کی ایک خاص اہمیت ہے،اس لئے کہ اللہ تعالی نے ثمنیت کے لئے صرف سونا چاندی کو پیدا فرمایا ہے،اوران کی قدیم زمانہ سے ایک اہمیت رہی ہے،اسی لئے شریعت میں ان کے مخصوص احکام ہیں،اسی لئے دوسری کوئی دھات اس کی جگہ نہیں لے سکتی،اس لئے اگر چہ پلاٹین کا مہنگی دھاتوں میں شمار ہے اور عرف میں اس کو سفید سونا کہا جاتا ہو اس کے باوجود وہ حقیقی سونے کے حکم میں نہیں ہوگا۔اسی لئے شریعت نے زکوۃ کے وجوب کے لئے صرف سونا چاندی کو ہی خلقۃً مال نامی شمار کیا ہے،ان کے علاوہ دوسری دھاتوں کے لئے تجارت کی نیت ہونا شرط ہے،حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے:

''ليس فی حجر زكوة إلا ماكان لتجارة من جوهر ولا ياقوت ولا لؤلؤ ولا غيره إلا الذهب و الفضة'' (السنن الکبری للبیہقی:۷۵۹۲)۔

اسی طرح حضرت عطاء سے مروی ہے:

''عن ابن جريج قال:قال لی عطاء:لا صدقة فی اللؤلؤولا زبرجد ولا ياقوت ولا فصوص ولا عرض ولا شئی لا يدار، وإن كان شئی من ذالک يدار ففيه الصدقة فی ثمنه حين يباع'' (المصنف لابن ابی شیبہ/۱۰۱۷۰)۔

اسی طرح عقود میں بھی سونے چاندی کے خاص احکام ہیں جیسا کہ اوپر تفصیل سے گزرا،کہ بیع صرف نام ہی ہے سونا کو سونا کے بدلے یا چاندی کو چاندی کے بدلے یا ان دونوں کو ایک دوسرے کے بدلہ میں بیچنے کا۔

''فالصرف فی متعارف الشرع اسم لبيع الأثمان المطلقة بعضها ببعض،وهو بيع الذهب بالذهب والفضة بالفضة'' (بدائع الصنائع ۲۱۵/۵)۔

اور ثمنیت کے اعتبار سے بھی اس کے خاص احکام ہیں کہ ثمن خلقی صرف دو ہی ہیں،سونا اور چاندی۔

صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں:

"**ولهما أن الثمنیه فی حقهما تثبت باصطلاحهما إذ لا ولایة للغیر علیهما، فتبطل باصطلاحهما**" (ہدایہ ۳/۸۱)۔

اسی طرح حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ فرماتے ہیں:

اللہ تعالی نے ثمنیت کے لئے صرف سونا چاندی پیدا فرمایا ہے، اس لئے ثمن خلقی محض سونا اور چاندی ہوتے ہیں اور تمام عالم نے اسی ذہب وفضۃ کو ثمن خلقی واصلی کے لئے تسلیم کرلیا ہے (منتخبات نظام الفتاوی ۳/ ۳۱۳)۔

☆☆☆

سونا چاندی کی تجارت فقہ اسلامی کی روشنی میں

مولانا محمد شاکر نثار اعظمی مدنی ☆

۱-الف: اسلامی شریعت نے ثمن حقیقی صرف سونا اور چاندی کو قرار دیا ہے؛ لیکن چوں کہ اس وقت حکومتوں نے کرنسی نوٹوں کو ان کا بدل قرار دے دیا ہے، اور سارے کاروبار کرنسی نوٹوں کے ذریعہ ہی طے پاتے ہیں؛ اس لیے فقہائے امت رواج کی وجہ سے اس کے ثمن ہونے پر متفق ہوگئے ہیں، جیسا کہ "الاختیار لتعلیل المختار" میں ہے: "**وأما الفلوس فلأنها إذا راجت التحقت بالأثمان**" (کتاب الشرکۃ ۳/۱۵، طبع بیروت)۔

لیکن کرنسی نوٹ کو سونے چاندی کی طرح ثمن حقیقی اور ثمن خلقی قرار دیا جائے، یا ثمن اعتباری اور اصطلاحی؟ اس مسئلہ میں فقہائے کرام میں اختلاف رہا ہے، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ کرنسی نوٹ نے ثمنِ خلقی کا درجہ اختیار کرلیا ہے؛ لہٰذا اگر نوٹوں کے ذریعہ سونا چاندی خریدا جائے، تو یہ معاملہ بیع صرف کہلائے گا؛ لہٰذا بدلین میں سے کسی ایک کا ادھار ہونا جائز نہیں ہے، چنانچہ حضرت مولانا محمد یوسف شہید لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب "آپ کے مسائل اور ان کا حل" (۷/۵۷) میں تحریر کرتے ہیں کہ سونے چاندی کو ادھار خریدنا جائز نہیں ہے۔

اسی طرح "**فقه المعاملات**" (۲/۲۰۸) میں ہے: "**أما مبادلة الذهب بالورق النقدي، فهي تعتبر في المصطلح الفقهي صرفا، وهي مثلها مثل مبادلة الأوراق النقدية المختلفة بعضها ببعض، ولا يشترط فيها التماثل، فيصح بأي سعر يتم الاتفاق عليه بين الطرفين، ولكن تشترط الفورية فی التقابض، فلا يجوز التأخير في تسليم و استلام البدلين**"۔

جب کہ اس وقت کے اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ کرنسی نوٹ ثمن اصطلاحی یا ثمن اعتباری کا درجہ رکھتے ہیں، اور یہی رائے دلیل کی رو سے زیادہ مضبوط ہے؛ کیوں کہ نوٹوں کی حیثیت فلوس سے بھی کم ہے، اور فلوس کو فقہائے احناف کے راجح قول کے مطابق ثمن خلقی قرار نہیں دیا گیا ہے؛ لہٰذا نوٹوں کا ثمن اعتباری ہونا ہی زیادہ واضح ہے، اور فقہاء کی تصریح کے مطابق فلوس کا باہم تبادلہ صَرف نہیں ہے، نہ ہی اس میں تقابض فی المجلس ضروری ہے (دیکھئے: فتاوی عثمانی ۳/۱۴۱-۱۴۵)۔

لہٰذا جب روپے پیسے فلوس کی طرح ثمن عرفی ہیں، ثمن حقیقی نہیں، تو روپے پیسے کے ذریعہ سونے چاندی کی خرید وفروخت نہ

☆ استاذ مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر، اعظم گڑھ۔

بیع صرف ہے اور نہ ہی بدلین کا نقد ہونا شرط ہے؛ لہذا کرنسی نوٹوں کے عوض سے سونے چاندی کو ادھار خرید نا شرعاً جائز ہے۔

المبسوط للسرخسی (۱۴/ ۲۵) میں ہے: "وإن اشترى خاتم فضة، أو خاتم ذهب، فيه فص، أو ليس فيه فص بكذا فلسًا، وليست الفلوس عنده، فهو جائز، تقابضا قبل التفرق، أو لم يتقابضا، لأن هذا بيع ، وليس بصرف" وکذا فی الفتاوی الہندیہ (۳/ ۲۲۴)،وفي ردالمحتار (۷/ ۴۱۴،طبع زکریا دیوبند): "سئل الحانوتي عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة ، فأجاب بأنه يجوز إذا قبض أحد البدلين"۔

(ب) سونے چاندی کا جو نرخ جو حکومت نے، یا سونے کی مارکیٹ، جیسے انٹرنیشنل سطح پر کومیکس گولڈ مارکیٹ (Comex Gold Market.)، یا ہندوستانی سطح پر یہاں کی مارکیٹ M.C.(Multy Commodity Exchange) نے طے کیا ہو، جس کو فقہاء کی اصطلاح میں تسعیر کہا جاتا ہے، اس سے زیادہ یا کم قیمت میں خرید وفروخت شرعاً جائز ہے؛ کیوں کہ شریعت نے بائع کو اختیار دیا ہے کہ اپنے سامان کو مشتری کی رضامندی سے جتنی قیمت میں چاہے فروخت کرے۔

"وللبائع أن يبيع بضاعته بما شاء من ثمن، ولا يجب عليه أن يبيعه بسعر السوق دائمًا، وللتجار ملاحظة مختلفة في تعيين الأثمان وتقديرها" (القضایا الفقہیۃ المعاصرۃ ص۸،کراتشي)۔

"وفي الهداية (۴/ ۲۷۲): ولا ينبغي للسلطان أن يسعّر للناس، لقوله عليه السلام: لا تسعروا، فإن الله هو المسعر، القابض الباسط الرازق، ولأن الثمن حق العاقد، فعليه تقديره، فلا ينبغي للإمام أن يتعرض لحقه، إلا إذا تعلق به دفع ضرر العامة"۔

لیکن فقہائے کرام نے تسعیر کی خلاف ورزی کرنے سے احتیاطاً منع فرمایا ہے؛ کیوں کہ اس میں حکومت کی خلاف ورزی ہے، اور اگر اسلامی حکومت ہو، تو اس میں اولی الامر کی مخالفت لازم آئے گی، حالانکہ قرآن کریم نے اولی الأمر کی اطاعت کا حکم دیا ہے، فرمان خداوندی ہے: "يا أيها الذين آمنوا أطيعو ا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم" (سورۂ نساء:۵۹)۔

اور اگر حکومت اسلامی نہ ہو، تب بھی خلافِ قانون کام کرنے کی صورت میں اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا ہے؛ اس لیے حکومت کی طرف سے مقرر کردہ قیمت کی مخالفت نہ کرنا ہی بہتر ہے؛ لیکن اگر کوئی خلاف ورزی کرلے، تو اس کو ربا اور سود نہیں کہہ سکتے (دیکھئے: اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/ ۵۲)۔

"قال الشيخ محمد تقي العثماني أطال الله بقائه: ثم إن العملات المختلفة لها قيمة معهودة في البنوك والدوائر الحكومية، فهل تجوز المبادلة بأكثر أو أقل من هذه القيمة المعهودة، كما يفعل ذلک في السوق السوداء؟ والجواب: أننا لما اعتبرنا العملة الأجنبية جنسًا آخر، فالأصل أن التفاضل في مثله جائز شرعًا بالغًا ما بلغ، فلا تكون المبادلة على خلاف سعرها الحكومي ربًا، ولكن يمنع من ذلک لكونه مخالفةً لأولي الأمر إذا كانت الحكومة إسلامية، ولكونه عرضًا للنفس لعقوبات قانونية، إذا كانت الحكومة غير إسلامية" (تکملۃ فتح الملہم ۷/ ۵۵۰،دیوبند)۔

۲- (الف): زیور بنانے والے کاریگر زیورات کے تاجروں سے ایک متعینہ مقدار میں سونا لیتے ہیں اور چند دنوں میں اس کے بدلے سونے سے بنے ہوئے زیورات انہیں واپس کرتے ہیں، لیکن ان کو الگ سے کوئی اجرت نہیں دی جاتی؛ بلکہ زیورات کی شکل میں سونے کی اتنی ہی مقدار واپس کرتے ہیں جتنی انہوں نے لی تھی؛ البتہ سونے کا زیور بنانے میں دیگر دھاتوں کی ملاوٹ کی وجہ سے سونے کی جو مقدار بچ جاتی ہے وہی ان کی اجرت ہوتی ہے۔ واضح ہونا چاہئے کہ اس طرح کا معاملہ شرعاً درست نہیں ہے؛ کیونکہ اگر صورت مذکورہ کو بیع تصور کیا جائے تو یہ سونے کی بیع سونے کے عوض ہے گرچہ ایک خالص اور دوسرے میں ملاوٹ ہے؛ لیکن قاعدہ ہے کہ جب تک ملاوٹ غالب نہ ہو وہ اصلی سونے کے حکم میں ہوتا ہے، لہذا مذکورہ بالا صورت میں ایک طرف زیادہ سونا اور دوسری طرف کم سونا ہے جو شریعت اسلامیہ کی رو سے سراسر ناجائز ہے، بلکہ عینِ ربوا ہے (دیکھئے: الدرالمختار مع ردالمحتار کتاب البیوع باب الصرف ۷/۵۳۱، ۵۳۲)۔

(ب) اور اگر صورت مذکورہ میں بچی ہوئی مقدار کو کاریگر کی اجرت مانا جائے، تو یہ صورت اجارہ فاسدہ کی ہے؛ کیونکہ اجرت کی مقدار مجہول ہے، لہذا کاریگر اجرت مثل کا مستحق ہوگا (الدر مع الرد باب الإجارۃ الفاسدۃ ۹/۶۶، طبع زکریا دیوبند، درر الحکام شرح غرر الأحکام، کتاب الإجارۃ، باب ما یفسد الإجارۃ ۷/۷۵)۔

۳- عام طور پر سونے کے تاجر پرانے زیورات کی قیمت نئے زیورات کے مقابلے میں کم رکھتے ہیں، مثلاً دس گرام کے پرانے زیور کو آٹھ گرام کے نئے زیور کے درجہ میں رکھتے ہیں، لہذا اگر پرانے زیور کا نئے زیور سے تبادلہ ہو اور کمی بیشی کو ملحوظ رکھا جائے، مثلاً دس گرام سونے کے پرانے زیور کا آٹھ گرام سونے کے نئے زیور سے تبادلہ کیا جائے، تو یہ بھی ناجائز ہے، البتہ اگر پرانے زیور کو فروخت کر کے اس کی قیمت وصول کر لی جائے پھر اسی سے نیا زیور خریدا جائے جو کہ وزن میں کم ہو تو کوئی حرج نہیں (ملاحظہ ہو البحر الرائق ۶/۲۱۰، طبع بیروت، ہدایہ ۳/۶۱ طبع بیروت، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق)۔

۴- آج کل کموڈیٹیز ایکسچینج میں دوسری اشیاء کے ساتھ سونے چاندی کی بھی خرید وفروخت ہوتی ہے، جس میں خریدار جو آرڈر دیتا ہے وہ شئی اس کے نام محفوظ کر دی جاتی ہے، اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔

(الف): اگر بائع خریدار کے آرڈر کے مطابق مبیع کو اس کے نام محفوظ تو کر دے؛ لیکن اس مبیع میں دوسرے آرڈر دینے والوں کا حصہ بھی ہو اور ہر ایک کے حصے کو الگ نہ کیا گیا ہو، مثلاً سونا فروخت کرنے والے ادارہ کا پاس ایک کلو سونے کی اینٹ ہو اور وہ پچاس پچاس گرام سونا بیس لوگوں کو فروخت کرے، لیکن ان سب کا خریدا ہوا سونا اینٹ میں شامل ہو اور الگ الگ ان کے نام کے بسکٹ نہ بنائے گئے ہوں تو صرف کمپیوٹر میں ریکارڈ کر دینے سے قبضہ مکمل نہیں ہوگا؛ کیونکہ بائع نے تخلیہ نہیں کیا اور مشتری کی ملکیت دوسرے کی ملکیت سے مشغول بھی ہے، نیز صورت مذکورہ میں بائع مشتری کا وکیل بن کر بھی قبضہ نہیں کر سکتا، کیونکہ بائع مشتری کا وکیل نہیں بن سکتا، لہذا یہ صورت بھی ناجائز ہوگی۔

"کما فی البدائع الصنائع (الطلاق/شرائط رکن الطلاق ۷/۲۱۶ ط بیروت): الواحد لا یتولی عقد المعاوضة من الجانبین کالبیع"۔

''وفي المبسوط للسرخسي (۲۸/ ۳۱ ط بيروت): لأن الواحد لا يتولى طرفي العقد من الجانبين في البيع والشراء كالوكيل، وهذا لأنه يؤدي إلى تضاد الأحكام؛ لأنه يكون مستزيدا ومستنقصا، مُسلِما ومستسلما، طالبا ومطالَبا في حق نفسه وهو متهم''۔

''وفی کتاب الفقه على المذاهب الأربعة (۲/ ۲۳۴) الحنفية قالوا: من البيع الفاسد بيع الأعيان المنقولة قبل قبضها، سواء باعها لمن اشتراها منه أو لغيره''۔

(ب) اور اگر مذکورہ بالا صورت میں الگ الگ بسکٹ بنا کر خریدار کے نام کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں درج کر دیئے جائیں، تو یہ اندراج قبضہ سمجھا جائے گا کیونکہ اب اس بسکٹ میں مشتری کی اجازت کے بغیر کوئی تصرف نہیں کر سکتا، لہٰذا اس طرح سونا کا خریدنا درست ہوگا (مجلّہ مجمع الفقہ الاسلامی ۱۰/ ۳۱۲، بحوث لبعض النوازل الفقہیہ المعاصرۃ ۴/ ۱۱، طبع مکتبہ شاملہ، المغنی ۸/ ۲۰۰)۔

۵- ایکسچینج کے ذریعہ کاروبار کی ایک صورت آج کل یہ بھی رائج ہے کہ ایک متعینہ مدت تک کے لئے کسی سامان کا ادھار سودا کر لیا جاتا ہے مشتری نہ تو اس پر قبضہ کرتا ہے اور نہ ہی مشتری کا خریدنے کا ارادہ ہوتا ہے بلکہ متعینہ مدت آنے کے بعد اس مدت میں قیمت میں جو فرق ہوتا ہے صرف اس کی ادائیگی ہوتی ہے، یعنی اگر قیمت میں اضافہ ہو گیا تو مشتری اتنی مقدار بائع کو ادا کرتا ہے اور اگر قیمت میں کمی ہو گئی تو اتنی مقدار بائع سے واپس لے لیتا ہے، مثلاً مشتری دس گرام سونا ایک مہینہ کے لئے پانچ ہزار روپے میں ادھار خریدا اور سونے پر قبضہ نہیں کیا، جب مہینہ پورا ہوا تو دس گرام سونے کی قیمت پانچ ہزار ایک سو روپے ہو گئی، تو مشتری بائع کو صرف سو روپے ادا کرے گا اور سونا بائع کے پاس ہی رہے گا، اسی طرح اگر مہینہ مکمل ہونے پر قیمت چار ہزار نو سو روپے ہو گئی تو مشتری بائع سے سو روپے لے گا اور سونا بائع کے پاس رہے گا۔

واضح ہونا چاہئے کہ مذکورہ بالا صورت سٹہ بازی اور قمار کی ہے جو شرعاً ممنوع ہے؛ کیونکہ اس میں یہ معلوم نہیں کہ کس کا فائدہ ہوگا اور کس کا نقصان، اور اسی کا نام قمار ہے۔

''قال الله تعالى: يا أيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رِجسٌ من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون'' (سورۂ مائدہ: ۹۰)۔

''وفی تفسير ابن كثير: وقال الضحاک عن ابن عباس قال: الميسر هو القمار، كانوا يتقامرون فی الجاهلية إلى مجیء الإسلام، فنهاهم الله عن هذه الأخلاق القبيحة'' (سورۂ مائدہ: ۹۰)۔

''وفی رد المحتار: وحاصله (القمار) أنه تمليک على سبيل المخاطرة'' (۵/ ۲۵۷، طبع بیروت)۔

''وذكر النووي أنه مأخوذ من القمر؛ لأن ماله تارة يزداد إذا غَلب وينتقص إذا غُلب كالقمر يزيد وينقص'' (البحر الرائق ۷/ ۹۱، طبع بیروت)۔

''وقال فی حجة الله البالغة واعلم أن من البيوع ما يجري فيه معنى الميسر، وكان أهل الجاهلية يتعاملون بها فيما بينهم، فنهى عنها النبي ﷺ'' (۲/ ۱۰۸، طبع رشیدہ دہلی)۔

۶- اگر تاجروں کو آئندہ سونے کی قیمت میں اضافہ کا علم ہوجائے اور وہ فائدہ حاصل کرنے کے لیے سونے کو روک لیں، اور ان کے روکنے کی وجہ سے دوسری اشیاء کی قیمتوں پر اثر پڑے؛ کیوں کہ سونا ثمن خلقی ہونے کے لحاظ سے ذریعہ تبادلہ ہے، جس کے روکنے کی وجہ سے اشیاء کی قیمتوں پر لازماً اثر پڑتا ہے، تو ان کا یہ عمل احتکار کے دائرے میں آئے گا، جس سے شریعت نے منع کیا ہے، احتکار اور حکرہ کے لغوی معنی ذخیرہ اندوزی کے ہیں، اور فقہی اصطلاح میں کسی سامان کو لوگوں کی ضرورت کے وقت فروخت نہ کرنا، تاکہ مارکیٹ میں اس سامان کے نہ ہونے سے قیمت میں اضافہ ہوجائے۔

"**الاحتكار: جمع الطعام ونحوه مما يؤكل واحتباسه انتظار وقت الغلاء به**"(لسان العرب، مادۃ: ح ک ر)۔

"**وقال في معجم لغة الفقهاء: الاحتكار جمع السلعة، وحبسها إلى الغلاء، والاسم منه حُكرة: حبس ما يضر بالناس حبسه، بقصد إغلاء السعر**"(مادۃ: ح ک ر)۔

جس سامان کا احتکار کیا ہے، اگر وہ مارکیٹ میں بالکل موجود نہیں ہے، یا موجود تو ہے؛ لیکن اس کے احتکار کی وجہ سے عام لوگ پریشانی میں مبتلا ہوجائیں، تو یہ احتکار ناجائز ہے۔ اور اگر اس کے احتکار کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو ضرر نہ ہو، تو یہ شرعاً ممنوع نہیں ہے (الجوہرۃ النیرۃ کتاب الحظر والإباحۃ، الاحتکار فی أقوات الآدمیین والبہائم ۲/ ۳۶۸ طبع دیوبند، بدائع الصنائع کتاب الاستحسان ۱۱/ ۲۳)۔

۷- غیر قانونی طور پر اپنے سونے کو دوسرے ملک میں لے جا کر فروخت کرنا، یا وہاں سے خرید کر اپنے یہاں لانا اور حکومت نے کسی سامان کی برآمد یا درآمد پر جو واجبات یعنی ٹیکس مقرر کیے ہیں، ان کو ادا نہ کرنا، جس کو عرف عام میں اسمگلنگ کہا جاتا ہے، اس کا شرعی حکم جاننے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ شریعت اسلامیہ نے خرید وفروخت کے حلال ہونے کے لیے جن شرائط کا ذکر کیا ہے، یعنی بائع ومشتری کا رضامندی کے ساتھ اپنے مال کو دوسرے کے مال سے بدلنا، یہ تمام شرطیں اسمگلنگ میں بھی پائی جاتی ہیں، اس لیے اس طریقے میں شرعاً فی نفسہ کوئی قباحت نہیں ہے؛ لیکن اگر حکومت اسلامی ہو، اور عام مسلمانوں کے مفاد کی خاطر کسی مباح چیز پر پابندی عائد کردے، تو عوام کے لیے اس کا پابند رہنا شرعاً ضروری ہوجاتا ہے، اور اگر اسلامی حکومت نہ ہو، تب بھی ہر ملک کا باشندہ اپنے ملک کے قوانین پر قولاً یا فعلاً عمل کا عہد کرتا ہے، اور اس عہد کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جب تک حکومت کا حکم معصیت پر مشتمل نہ ہو، اس کی پابندی کرنی چاہیے، چونکہ اسمگلنگ حکومت کی طرف سے ممنوع ہے؛ اس لیے اس کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں بہت سے منکرات لازم آتے ہیں، مثلاً اکثر جھوٹ بولنا پڑتا ہے، نیز جان ومال اور عزت وآبرو کو ہر وقت خطرہ لاحق رہتا ہے؛ اس لیے حکومت کے جائز قوانین کی پابندی کرنی چاہیے۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی اسمگلنگ کیے ہوئے سونے کی خرید وفروخت کرے، تو شرعاً جائز ہے۔

وقال تعالى: "يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم"(سورۂ نساء: ۵۹)۔

"**وفي أحكام القرآن للعلامة ظفر أحمد العثماني رحمه الله (۲/ ۲۵۱): وهذا الحكم أي: وجوب طاعة الأمير يختص بما إذا لم يخالف أمره الشرع، يدل عليه الآية؛ فإن الله تعالى أمر الناس بطاعة أولي الأمر بعد ما أمرهم بالعدل في الحكم؛ تنبيهًا على أن طاعتهم واجبة ما داموا على العمل، انتهى،** (وکذا فی التفسیر المظہری

۲/۱۵۲، والجامع لأحکام القرآن ۵/۲۵۹، الدر المختار ۴/۲۶۴، کوئٹہ، تکملۃ فتح الملہم ۹/۲۶۸، دیو بند، الأشباہ والنظائر ۱/۱۵۷، بحوث القضایا الفقہیۃ المعاصرۃ ص:۶۱)۔

۸- آج کل پلاٹین کو سفید سونا کہا جاتا ہے اور اس سے زیورات بھی بنائے جاتے ہیں اور قیمت بھی بہت گراں ہوتی ہے، تو کیا لوگوں کے عرف کی وجہ سے سفید سونے پر اصلی سونے کے شرعی احکام جاری ہوں گے یا نہیں؟ مثلاً زکوۃ کا نصاب بننا، اصلی سونے سے تبادلہ میں کمی زیادتی کا حرام ہونا وغیرہ۔

اس لئے ذیل میں سفید سونا کی اقسام اور شرعی احکام کو درج کیا جاتا ہے:

۱- خالص سونا جس پر صرف پلاٹین کا رنگ چڑھایا جاتا ہے یعنی اوپر سے سفید ہوتا ہے؛ لیکن اندر سے خالص سونا ہی ہوتا ہے، اس کا شرعی حکم خالص سونے ہی کی طرح ہے، یعنی یہ سونا اگر ساڑھے سات تولہ سال بھر رہے تو اس کی زکوۃ واجب ہوگی، دوسرے سونے سے کمی بیشی کے ساتھ خرید وفروخت ناجائز ہوگی، وغیرہ وغیرہ۔

کما في فتاوی اللجنة الدائمة (۲۴/۶۰): "الذهب إذا خلط بغيره لا یخرج عن أحکامه من تحریم التفاضل إذا بیع بجنسه، ووجوب التقابض في المجلس، سواء بیع بجنسه أو بیع بفضة، أو نقود ورقیة، وتحریم لبسه علی الرجال، وتحریم اتخاذ الأواني منه، وتسمیته ذهبًا أبیض لا یخرجه عن تلک الأحکام"۔

۲- خالص سفید سونا: اس سونے کے بارے میں ماہرین کی رائے یہ ہے کہ یہ خالص سونا ہی ہوتا ہے، صرف اس میں چاندی، رانگا اور نکل وغیرہ دیگر معدنیات کو ملا کر اس کا رنگ بدل دیا جاتا ہے، چنانچہ ۲۴ کیریٹ ۸۷۵ گرام خالص سونے میں ۱۲۵ گرام دیگر معدنیات کو ملانے سے ایک کلو ۲۱ کیریٹ کا سونا تیار ہوتا ہے۔ اور ۲۴ کیریٹ ۷۵۰ گرام خالص سونے میں ۲۵۰ گرام دیگر معدنیات کو ملانے سے ۱۸ کیریٹ کا ایک کلو سونا تیار ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس سونے میں ملاوٹ معمولی درجہ ہے، اس لیے اس کا حکم بھی خالص سونے کا ہوگا، جو کہ نمبر ایک کے تحت اوپر گزر چکا۔

۳- پلاٹینم سفید سونا، حقیقت میں یہ سونے کی قبیل سے نہیں ہے، صرف قیمت زیادہ ہونے کی وجہ سے لوگوں نے اس کا نام سونا رکھ دیا ہے، اس لیے معلوم ہونا چاہیے کہ صرف نام رکھنے سے اصلی سونے کا حکم نہیں ہوگا؛ لہٰذا اس طرح کے سفید سونے (پلاٹینم) سے بنے ہوئے برتن میں کھانا پینا اور مردوں کے لیے اس کا استعمال جائز ہوگا۔ البتہ احتیاط استعمال نہ کرنے میں ہے؛ اس لیے کہ جن لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ یہ سونا ہے، یا پلاٹینم، وہ اسے خالص سونا سمجھ کر استعمال کرنے والے کے بارے میں غلط گمان رکھیں گے، یا اس کو دلیل بنا کر خود خالص سونا ہی استعمال کرنے لگیں گے، اسی طرح اس سونے کی کمی بیشی کے ساتھ اور ادھار خرید وفروخت سب جائز ہے؛ لیکن چوں کہ اس کا شمار قیمتی اشیاء میں ہو رہا ہے، اور مال ودولت کے طور پر رکھا جا رہا ہے؛ اس لیے روپئے پیسے کی طرح اگر اس کی قیمت بھی سونے چاندی میں سے کسی ایک کے نصاب تک پہنچ جائے، تو حولان حول کے بعد زکوۃ واجب ہوگی۔

"قال الله تعالی: وفي أموالهم حق للسائل والمحروم" (سورۂ ذاریات:۱۹)۔

"وفي فتاوى اللجنة الدائمة (٢٦/٢٤): لبس الألماس لا نعلم فيه بأسًا إذا كان خالصًا، ليس معه ذهب ولا فضة" (دیکھئے: المجموع ۴/ ۳۲۷، الإنصاف ۱/ ۸۱)۔

☆☆☆

سونا چاندی کی تجارت کے اہم مسائل

مفتی محمد ابوالمکارم قاسمی☆

۱- الف- روپئے پیسے یا کسی کرنسی کے ذریعہ سونے، چاندی کی خرید وفروخت، بیع صرف نہیں ہے، اس لئے اس طرح کی بیع میں مجلس عقد میں صرف احد البدلین پر قبضہ کافی ہے، ایک نقد ہو دوسرا ادھار ہو تو بیع درست ہو جائے گی، روپئے فلوس کے درجے میں ہیں، فلوس کی بیع ادھار درست ہے، لہذا روپیوں کی بیع بھی ادھار درست ہوگی۔

"باع فلوسا بمثلها أو بدراهم أو بدنانير فإن نقد أحدهما جاز-وفي ردالمحتار: لأن الفلوس لها حكم العروض من وجه، وحكم الثمن من وجه، فجاز التفاضل للأول واشترط التقابض للثاني" (ردالمحتار علی در المختار ۷/ ۴۱۴ طبع دیوبند زکریا)۔

"والمراد بالتقابض القبض من أحد الجانبين لما في البزازية: ولو اشترى مائة، فلوس بدرهم، يكفي التقابض من أحد الجانبين" (فتاوی بزازیہ ۲/ ۶ طبع زکریا دیوبند)۔

"سئل الحانوتي عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة فأجاب: بأنه يجوز إذا قبض أحد البدلين" (ردالمحتار ۷/ ۴۱۴، نیز البحر الرائق طبع دیوبند زکریا، ہندیہ ۳/ ۲۰۳ دیوبند زکریا)۔

ب- سونے چاندی کو اگر روپیوں پیسوں کے عوض خریدا یا بیچا جائے تو یہ تبادلہ مالی بیع صرف نہیں ہے، البتہ ان میں ثمنیت عرفیہ بھی ہے، اس لئے بیع صرف کے دو بنیادی رکنوں "سواء بسواء يدا بيد" میں سے ایک یعنی یدا بید کو لازم قرار دیا جائے گا، جیسے سونے کی بیع سونے کے عوض ہو تو تفاضل اور نسیہ دونوں ناجائز ہیں اور سونے کی بیع چاندی کے عوض ہو تو تفاضل جائز ہے، ادھار جائز نہیں ہے، اور روپیوں پیسوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے، کہ ان میں خلقی ثمنیت نہیں ہے، لہذا احد المتعاقدین کا احد العوضین پر قبضہ ہو جائے تو یہ بیع درست اور صحیح ہو جائے گی۔

اور کمی بیشی سے چونکہ اس بیع پر اثر نہیں پڑتا؛ اس لئے کہ یہ بیع صرف نہیں ہے، تو حکومت یا کسی گولڈ مارکیٹ کے نرخ سے زیادہ میں بھی فروخت کیا جائے تو اس کو ناجائز نہیں کہیں گے، اور اس پر ربا تفاضل کا اطلاق نہیں ہوگا، نیز نوٹ نہ کیلی ہے نہ وزنی، بلکہ عددی ہے، اس لئے کمی بیشی کے ساتھ بدلنا جائز ہے (کتاب المعاملات ۱/ ۲۹۹ نظام الفتاوی)۔

☆ مفتی شہر بھوپال (مدھیہ پردیش)۔

ہاں البتہ اس پر تسعیر کے احکام جاری ہوں گے، اس میں حکومت کے اس حکم کی مخالف کرنا تو جائز نہیں، لیکن دوسری طرف اس زیادتی کو سود کہہ کر حرام کہنا بھی درست نہیں ہے (فتاوی دارالعلوم زکریا،فقہی مقالات ۱/ ۴۰،فتاوی محمدیہ ۱۴۸/۶۱، کفایۃ المفتی ۳۵۶/۷، رحیمیہ ۲۲۲/۹)۔

۲- صورت مسئولہ میں اجرت من جنس العمل ہونے کی وجہ سے یہ معاملہ ناجائز قرار دیا جائے گا، اور اس کی نظیر ''قفیز طحان'' والا مسئلہ ہے، جو کتب فقہ متداولہ میں مذکور ہے، نیز اس مسئلہ میں متعاقدین کے درمیان اجرت مجہول ہونے کی وجہ سے بھی یہ صورت ممنوع ہے، زیورات کا کاریگر تو جانتا ہے کہ میں کتنی دھات الگ سے ملاؤں گا، اور سونے کے کس قدر ذرات مجھے بچ جائیں گے، مگر سونے کے مالک کو معلوم نہیں ہوتا اور متعاقدین باہم اس دھات کو اور سونے کے ذرات کو متعین بھی نہیں کرتے اس لئے اس صورت کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

''ولا يصح حتى تكون المنافع معلومة، والأجرة معلومة'' (الہدایہ مع الدرایۃ، کتاب الاجارات ۲۹۶/۲ دیوبند دارالعلم)۔

''وكذا إذا استأجر حمارا يحمل عليه طعاما بقفيز منه فالإجارة فاسدة؛ لأنه جعل الأجر بعض ما يخرج من عمله فيصير في معنى ''قفيز الطحان'' وقد نهى النبى عليه السلام عنه وهو أن يستأجر ثور اليطحن له حنطة بقفيز من دقيقه'' (المصدر السابق ۳۰۸/۳)۔

۳- اشیائے ربویہ خصوصا سونے چاندی کی بیع وشرا میں شریعت نے وصف جودت اور رداءت کو ہدر قرار دیا ہے اور اس کا اعتبار نہیں کیا، بلکہ نفس سونا چاندی کا اعتبار کیا ہے، اس اعتبار سے عمدہ اور نیا زیور پرانے زیور کے بدلے فروخت کیا جائے تب بھی کمی زیادتی درست نہیں، بلکہ برابری ضروری ہے، جیسے: جید کو جید کے بدلے بیچا جائے تو کمی زیادتی درست نہیں ہے، لہذا سوال میں مذکور صورت کا جائز ہونا بالکل واضح ہے، جیسا کہ کتب فقہ کی صریح عبارات اس پر دال ہیں:

''فإن باع فضة بفضة أو ذهبا بذهب لا يجوز إلا مثلا بمثل، وإن اختلفت في الجودة والصياغة'' (الہدایۃ مع الدرایۃ، کتاب الصرف ۱۱۱/۲، طبع دیوبند دارالعلم)۔

''ولا يجوز بيع الجيد بالردي مما فيه الربا إلا مثلا بمثل، لإهدار التفاوت في الوصف'' (المصدر السابق، باب الربا ۸۴/۲)۔

''عن أبى سعيد الخدرى رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺ قال لا تبيعوا الذهب بالذهب إلا مثلا بمثل'' (الصحیح لمسلم المساقاۃ ۲۴/۳، الہند، دیوبند مکتبۃ اشرفی)۔

۴- انسان زندگی میں کئی چیزوں کا محتاج ہوتا ہے جس کی اس کو ضرورت ہوتی ہے، اور بعض چیزیں انسان کے پاس زائد ہوتی ہیں جن کو بیچ کر انسان اپنی ضرورت کی چیزیں خریدتا ہے اس مصلحت کے لئے اللہ تعالی نے بیع وشراء کو جائز قرار دیا اور انسانی ضروریات کی تکمیل کے لئے اس کو مشروع قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: ''أحل الله البيع وحرم الربوا'' (بقرہ:۲۷۵)۔

لیکن ہر چیز کے کچھ ارکان اور شرائط ہوتے ہیں: جن پر اس شی کے جواز اور عدم جواز کا مدار ہوتا ہے، چنانچہ بیع وشرا یعنی خرید وفروخت کے بھی چند بنیادی ارکان ہیں جن کے بغیر خرید وفروخت درست نہیں بنیادی ارکان میں ایجاب وقبول ہے جس کے بغیر بیع کا تحقق ہی نہیں ہوتا۔

"البيع ينعقد بالإيجاب والقبول إذا كانا بلفظ الماضى" (قدوری ص ۱۷)۔

اس کے بعد یہ سمجھنا چاہئے کہ انسان جس چیز کو فروخت کرتا ہے اس پر اس کا مکمل قبضہ اور تصرف ہونا چاہئے، تاکہ اس کو بیچنا اور دوسروں کے لئے اس کو خریدنا آسان ہو جائے نیز یہ بھی شرط ہے کہ مبیع موجود ہو معدوم نہ ہو، تاکہ موجود شئ پر مشتری یا تو خود قبضہ کر سکے یا اس کا وکیل اس خریدی ہوئی چیز پر قبضہ کرے اس کے بغیر اگر کوئی خرید وفروخت کرتا ہے تو یہ ممنوع ہوگا۔

"وأما شرائط الا نعقاد فأنواع: منها: في المبيع وهو أن يكون موجودا، فلا ينعقد بيع المعدوم وماله خطر العدم"

"ومنها : القبض في بيع المشترى المنقول وفي الدين، فبيع الدين قبل قبضه فاسد" (ہندیہ ۶/۳)۔

صورت مذکورہ کی پہلی شکل میں خریداروں کا مبیع پر قبضہ نہیں ہوتا، کیونکہ قبضہ کی حقیقت شریعت میں تمکین تخلیہ اور رفع موانع ہے یعنی مشتری کو مبیع میں ہر قسم کے تصرف پر قدرت حاصل ہو جائے، مبیع حق غیر کے ساتھ مشغول نہ ہو اور وہ غیر مبیع سے علاحدہ ہو اور ہر قسم کے موانع ختم ہو جائیں۔

"وقال الكاسانى: معنى القبض وهو التمكين والتخلى وارتفاع الموانع عرفا وعادة حقيقة" (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۴/ ۳۴۲، دیوبند، المکتبۃ النعیمیۃ، فقہ البیوع ۱/ ۳۹۷)۔

یہاں مبیع پر خریداروں کا قبضہ ہوتا ہے نہ تصرف پر قدرت حاصل ہوتی ہے، اور اگر وہ اس سے استفادہ کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے نہ اس کو دوسرے کے ہاتھوں بیچنے پر قادر ہیں تو گویا مبیع پر قبضہ ہی نہیں ہوا، اور بیع قبل القبض بیع فاسد ہے، نیز اس میں مبیع حقیقت میں معدوم ہوتی ہے، ہاتھی کے دانت کھانے کے کچھ اور دکھانے کے کچھ اور، دکھایا یہ جاتا ہے کہ ایک کلو سونا ہے جس کے مثلا پچاس آدمی مالک بن گئے مگر ہوتا کچھ نہیں ہے، جس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ بالکل فرضی ہے، حقیقت میں یہاں نہ کوئی مال ہوتا ہے نہ مبیع، لہذا ایسی بیع جس میں اس قدر خرابیاں ہوں اس کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اور یہ کہنا کہ رجسٹری کردی جاتی ہے اور ہر ایک کے نام پر پچاس پچاس گرام سونے کی اندراج کر دیا جاتا ہے، تو یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ محض رجسٹری خواہ اشیائے منقولہ میں ہو یا غیر منقولہ میں قبضے کے لئے کافی نہیں ہے، اس سے قبضے کا تحقق نہیں ہوتا، چنانچہ جمعیۃ علماء ہند کے تحت ہونے والے فقہی سمینار میں بھی دلائل کی روشنی میں یہی فیصلہ ہوا کہ محض رجسٹری قبضہ شرعی نہیں ہے، لہذا صورت مسئولہ کی دوسری شکل میں جو رجسٹری ہوتی ہے اس کو قبضہ نہیں کہا جائے گا، اور یہ بیع قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے فاسد ہوگی، جس کی ممانعت شریعت میں وارد ہوئی ہے۔

۵- عین شئ کی بیع وشراء درست اور صحیح ہے مگر کسی شی کے منافع اور مارجن کی بیع وشرا شرعا ممنوع ہے صورت مسئولہ میں ایکسچینج

کی جوصورت رائج ہے، اس میں حقیقت میں کوئی بیع وشرانہیں ہے، بلکہ یہ محض فرضی معاملہ ہے، نیز سٹہ کی شکل بھی ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہے، اس کا حکم تقریباوہی ہے جو فاریکس ٹریڈنگ کا ہے علت میں اشتراک کی وجہ سے، لہذا اس قسم کے لین دین سے مکمل اجتناب کی ضرورت ہے۔

"**عن ابن عمرؓ عن النبی ﷺ أنه نهى عن بيع الكالي بالكالي**" (المستدرک علی الصحیحین، رقم الحدیث ۲۳۴۳)۔

۶- احتکار یعنی ذخیرہ اندوزی مکروہ ہے، اشیائے خوردونوش میں احتکار باتفاق ائمہ احناف مکروہ اور ممنوع ہے، پھر امام محمدؒ نے دائرہ احتکار کو وسیع کرتے ہوئے فرمایا کہ احتکار ہر اس چیز میں ہے جو انسانوں اور چوپایوں کی غذا بنتی ہے، اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ہر اس چیز کا احتکار ممنوع ہے جس سے عوام کو ضرر پہنچے خواہ سونا چاندی ہی ہو "ہندیہ" میں اس کی تصریح ہے۔

پس صورت مسئولہ میں سونے چاندی کا احتکار بہ چند وجوہ ممنوع ہے۔

۱-اس میں عوام کو ضرر اور مشقت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

۲-نقدین کے احتکار اور پھر گراں فروشی کا اثر دیگر اشیاء پر پڑ رہا ہے۔

۳-سونے چاندی کے احتکار سے اس کا ضرر لازم نہ رہ کر متعدی ہو گیا ہے۔

نیز باب احتکار کا بہ غور مطالعہ کرنے کے بعد یہ نکتہ کھل کر سامنے آتا ہے کہ احتکار کی ممانعت کی بنیادی علت "ضرر" ہے، لہذا جہاں عوام ضرر اور تنگی میں مبتلا ہیں ان کو مشکلات سے دوچار ہونا پڑے تو ایسا احتکار ممنوع ہوگا۔

سونے چاندی میں اگر یہ علت پائی جارہی ہے تو اس کے احتکار کو بھی ممنوع قرار دیا جائے گا، جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کا قول، کتب فقہ کی عبارات اور عمومی روایات اس پر دال ہیں اور اس قول کی مؤید ہیں۔

مذکورہ بالا سطور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر اس چیز میں احتکار ممنوع ہے جس سے عوام کو ضرر ہو اور اگر ضرر نہ ہو تو پھر احتکار اور ادخار ممنوع نہیں ہوگا جیسا کہ "درمختار" میں اس کی صراحت ہے: "**فإن لم يضر لم يكره**" (ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الحظر ۃ والإباحۃ، فصل فی البیع ۹/۶۵۷ دیوبند الفیصل)۔

مگر موجودہ زمانے میں اہالیان اسلام کو سونے چاندی وغیرہ کے احتکار سے منع کرنے میں مسلمانوں کا نقصان ہے فائدہ نہیں ہے، مسلمان اس سے رک جائیں گے اور باز تو آجائیں گے، مگر اس سے مسئلہ قابو میں نہیں آئے گا۔

ایک بات تو یہ ہے کہ یہ مسئلہ نیشنل اور قومی نہیں ہے، بلکہ انٹرنیشنل اور بین الاقوامی ہے، اس لئے اس کے احتکار سے امت کو جو حرج عظیم لاحق ہو رہا ہے، اور امت جس پریشانی کا سامنا کر رہی ہے، اس کو چند مسلمان ختم نہیں کر سکتے اور شرذمہ قلیلہ کے احتکار سے رک جانے سے حرج عام دفع نہیں ہوگا۔

نیز ہمارے براہ راست مخاطبین برادران وطن ہیں جو سونے کا بڑا کاروبار کرتے ہیں ان کا شرع اور احکام شرعی سے کوئی واسطہ نہیں، لہذا وہ تو باز آنے سے رہے اب مسلمانوں کو اس سے روکنا اور منع کرنا مسلمانوں کو حرج میں مبتلا کرنا ہے، اور اس سے بچانا بھی ارباب حل وعقد کا فریضہ ہے۔

لہذا سونے کے احتکار کی ممانعت کا حکم نہیں لگائیں گے اور احتکار کی ممانعت کو اشیائے خورد ونوش میں منحصر رکھیں گے جیسا کہ یہ منصوص ہے اور احناف کا مفتی بہ قول ہے۔

فقہی عبارات وروایات واخبار بر ممانعت احتکار وادخار سے واضح ہے (ملاحظہ ہو: مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر، کتاب الکراہیۃ، فصل فی البیع ۴/۲۱۳، دیوبند، فقیہ الأمۃ، الہدایہ مع الدرایۃ، کتاب الکراہیۃ ۲/۴۷۴، الہندیہ، کتاب البیوع فصل فی الاحتکار ۳/۲۰۰، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الاستحسان ۴/۳۰۹، شامی ۹/۶۵۷)۔

۷- قانون شریعت کی پابندی ہر مسلم حکومت کے لئے ضروری ہے، مگر قانون حکومت کی شریعت میں کس حد تک پابندی ضروری ہے یہ مسئلہ اہم ہے، کیونکہ اس کے متعدد پہلو ہیں اور سب کا حکم جداگانہ ہے۔

جس کی تفصیل یہ ہے کہ:

۱- حکومت خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم یا ظالم اس کے ان تمام قوانین کی مخالفت لازم اور ضروری ہے جو شریعت اسلامیہ کے قوانین سے متصادم ہیں، یعنی خلاف شریعت قانون کی مخالفت ضروری ہے۔

۲- وہ تمام قوانین جو ایک ملک یا حکومت نے اپنے باشندوں پر عائد کئے ہیں، جو مفاد عامہ کے لئے ہیں، مصالح بلاد سے متعلق ہیں، مباح امور میں ہیں شریعت سے متصادم نہیں ہیں اور کسی خاص جماعت خصوصا جماعت المسلمین کو ضرر ونقصان پہنچانے کے لئے نہ ہوں تو ایسے قوانین کی عزت کرنا اور پابندی ہم سب پر لازم اور ضروری ہے اس کی خلاف ورزی شرعا محمود اور پسندیدہ نہیں ہے، بلکہ شریعت اس کی پابندی کا حکم دیتی ہے۔

لہذا جب تک وہ قانون ہمیں کسی گناہ پر مجبور نہ کرے اس وقت تک اس پر عمل کرنا واجب ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جو کوئی شخص جس ملک کا باشندہ ہوتا ہے اور اس کی شہریت اختیار کرتا ہے تو وہ عملا اس بات کا عہد کرتا ہے کہ میں اس ملک کے قانون کی پابندی کا عہد کرتا ہوں۔

اور عہد کی خلاف ورزی شریعت میں ممنوع ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**والذین هم لأماناتهم وعهدهم رعون**" (مومنون: ۸)۔

صورت مسئولہ میں سونے چاندی کی اسمگلنگ جو ایک خطرناک چیز ہے اس سے اسلام کے ماننے والوں کو منع کیا جائے گا اور مسلمانوں کو اس سے روکا جائے گا اور اس عمل اور طریقے کو چند وجوہ کی بنا پر ممنوع قرار دیا جائے گا۔

۱- اسمگلنگ سے حکومت نے منع کیا ہے اور اسمگلنگ کرنا حکومت کے قانون کو توڑنا ہے، اس لئے کہ حکومت نے اس عمل سے اس لئے منع کیا ہے تا کہ ملک میں فساد نہ پھیلے اور صحیح طریقے سے تجارت کرنے والوں کو نقصان نہ پہنچے، اس لئے اسمگلنگ کی راہ سے آنے والی اشیاء پر ٹیکس وغیرہ نہ ہونے کی بنا پر وہ چیزیں ارزاں داموں پر فروخت کی جاتی ہیں بہ نسبت ان اشیاء کے جو صحیح راہ سے آنے والی ہیں، جس سے نظام تجارت پر کافی اثر پڑتا ہے جس سے روکنا بھی ضروری ہے۔

نیز اس عمل میں عزت اور جان کا بھی خطرہ ہوتا ہے، کیونکہ اسمگلر بڑے بڑے خطرات مول لیتے ہیں اور حکومت کی پرواہ

نہیں کرتے پھر جب پکڑے جاتے ہیں تو بری طرح ذلیل وخوار ہوتے ہیں، نیز قید وبند کی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کثیر مقدار میں مالی تاوان بھی بھرنا پڑتا ہے۔

اور اپنی عزت وحیثیت کا خیال رکھنا، اپنی جان کی حفاظت کرنا اور اپنے مال وجائداد کو ضائع ہونے سے بچانا انسان کی ذمہ داری ہے اور شریعت مطہرہ نے ان تمام چیزوں کی حفاظت کا حکم دیا ہے جیسا کہ قرآن وحدیث اس پر شاہد عدل ہیں، البتہ اسمگلنگ کرنے والوں سے سونا خریدنے اور پھر اس کو فروخت کرنے کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا، اس لئے کہ انسان اپنی ملکیت کا مالک ہوتا ہے وہ اگر اس کو فروخت کرے تو اس کا خریدنا اور پھر بیچنا درست ہے اس میں شرعا قباحت نہیں ہے۔

اب آگے دلائل ذکر کئے جاتے ہیں:

"إذا كان فعل الإمام مبنيا على المصلحة فيما يتعلق بالأمور العامة لم ينفذ أمره شرعا إلا إذا واقفه، فإن خالفه لم ينفذ" (شرح الحموی علی الأشباہ والنظائر ۱/ ۳۲۱، دیوبند مکتبہ الفیصل)۔

"أمر السلطان إنما ينفذ أى يتبع ولا تجوز مخالفته إذا اوفق الشرع، وإلا فلا" (شامی، کتاب القضاء ۸/ ۱۱۷)۔

"ولا يمنع الشخص من تصرفه في ملكه إلا إذا كان الضرر بجاره ضررا بينا فيمنع من ذلك وعليه الفتوى -بزازيه" (المصدر السابق ۸/ ۱۵۲)۔

۸- اللہ تعالی نے سونے کو جو اہمیت اور فضیلت دی ہے وہ فضیلت کسی اور دھات کو حاصل نہیں ہوسکتی خواہ اس کی قیمت آسمان کو چھولے، اور یہ اہمیت وفضیلت منصوص ہے کہ اللہ تعالی نے سونے اور چاندی میں خلقی ثمنیت رکھی ہے، یعنی اس کی خلقت ہی ثمن بننے کے لئے ہوئی ہے۔

پلاٹین اور دیگر دھاتیں خواہ کتنی ہی مہنگی ہو جائیں ان میں خلقی ثمنیت نہ ہونے کی وجہ سے وہ سونے کے مساوی نہیں ہوسکتیں نہ ہی ان پر سونے چاندی کے احکام جاری ہوں گے، یہاں چند اہم امور قابل لحاظ ہیں، جن کے پس منظر میں یہ جواب مرتب کیا گیا ہے:

۱- نام رکھنے یا بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی، پلاٹین کو اگرچہ سفید سونا کہا جاتا ہے، مگر وہ "گولڈن سونے" کے مساوی نہیں ہوسکتا، کیونکہ سونے میں خلقی ثمنیت ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ اس کی اہمیت اور فضیلت کسی زمانے میں کم نہیں ہوئی، جب کہ پلاٹین وغیرہ میں ثمنیت نام کو بھی نہیں۔

"وثمنية المال كالدراهم والدنانير لتعينهما للتجارة بأصل الخلقة فتلزم الزكاة كيف ما أمسكها ولو للنفقة" (رد المحتار، کتاب الزکاۃ ۳/ ۱۸۶)۔

"قوله: بأصل الخلقة أى أن الله خلقها أى الدراهم والدنانير أثمانا" (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، الزکاۃ ۱/ ۳۹۳، دیوبند، مکتبۃ الاتحاد)۔

”وأما اليواقيت واللآلىء والجواهر، فلا زكاة فيها وإن كانت حليا إلا أن تكون للتجارة ، كذا فى الجوهر النيرة“ (فتاوی ہندیہ، باب ثالث: فی زکاۃ الذہب والفضۃ والعروض، فصل: فی العروض ۱/۲۴۱، وفی الجوہرۃ النیرۃ علی مختصر القدوری کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الذہب ۱/۱۴۹ دیوبند، دار الکتاب)۔

”وفى حاشية الطحطاوى لأنها غير معدة للثمنية خلقة“ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر ۱/۳۹۶)۔

۲- نیز اس کے گراں قیمت ہونے کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے، اس لئے کہ معدنیات میں گرانی اور ارزانی قیمت کے اعتبار سے ہوتی رہتی ہے تو اس کے بیش قیمت ہونے کی وجہ سے اس کو حقیقی سونے کا درجہ نہیں دیا جاسکتا اس کی نظیر کتب متقدمین میں ہیرے جواہرات، فیروزہ اور موگی مونگے سے دی جاسکتی ہے، چنانچہ علامہ شامی نے ”درمختار“ کے حاشیہ میں یہ بات کہی ہے کہ جواہر ولآ لی میں زکاۃ نہیں ہے، اگرچہ ہزاروں دراہم ودنانیر کے مساوی ہوجائے بس معلوم ہوا کہ پلاٹین کی قیمت خواہ کتنی ہی بڑھ جائے اس کو سونے کے درجے میں نہیں رکھا جاسکتا۔

”لا زكاة فى الجواهر واللآلى وإن ساوت ألفا وفي نسخة ألوفا“ (ردالمحتار ۳/۱۸۲)۔

۳- اور سوال میں یہ بات جو مذکور ہے کہ عرف کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو سونے کا حکم دیا جاسکتا ہے کیا؟ تو یہاں یہ بات ملحوظ رہنا چاہئے کہ عرف مسائل غیر منصوصہ میں تو معتبر ہے، مگر منصوص علیہ مسائل میں عرف کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ ہیرے جواہرات جو بیش قیمت ہوتے ہیں اور پلاٹین جو کہ بیش قیمت دھات ہے اور دھات ہونے کی حیثیت سے دونوں کو ایک درجے اور حکم میں رکھا گیا ہے، تو جو حکم جواہر کا ہے وہی حکم پلاٹینم کا ہوگا۔

اور ہیرے جواہرات عروض کے درجے میں ہیں اور ان کی زکاۃ کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ تجارت کی غرض سے کسی کے پاس ہیں تو اس میں بھی زکاۃ واجب ہے اور اگر بغرض تجارت نہیں، بلکہ اپنے استعمال کے لئے ہیں تو اس میں حضور ﷺ اور خلفائے راشدین نے زکاۃ وصول نہیں کی ہے، اس لئے فقہاء نے بھی اس میں عدم وجوب کا قول نقل کیا ہے، رہا سونا چاندی یعنی نقود تو اس میں استعمالی اور تجارتی میں حضور پاک ﷺ نے زکاۃ وصول کرنے کا حکم دیا ہے، نیز یہ مال نامی بھی نہیں ہے اور وجوب زکاۃ کے لئے ہے مال نامی ہونا بھی شرط ہے، آگے کتب حدیث اور کتب فقہ سے دلائل پیش کئے جاتے ہیں:

”العرف غير معتبر في المنصوص عليه“ (قواعد الفقہ، رقم القاعدۃ: ۱۸۵، رقم الصفحۃ ۸۲، دیوبند مکتبۃ الاتحاد)۔

”ولا زكوة فى الجواهر واللآلى إلا أن يتملكها بينة التجارة كسائر العروض“ (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی، کتاب الزکاۃ ۷۱۸ دیوبند، دار الکتاب)۔

”وليس فى عين القيرة والنقط والملح شئ، وكذا فى الجص والنورة والياقوت الزمرد، والؤلؤوالفيروزج، والزيبق“ (الفتاوی السراجیہ، کتاب الزکاۃ، باب المعدن والرکاز ۱۵۲ دیوبند، مکتبہ تھانوی)۔

”وكذا الكتب وإن لم تكن لأهلها إذا لم تنوللتجارة، غير أن الأصل له أخذ الزكاة، وإن مساوت نصبا“ (ردالمحتار ۳/۱۸۲)۔

سونے چاندی کی تجارت سے متعلق احکام شریعت

مفتی محمد شاہد حسین قاسمی☆

۱-الف: روپے اور سکے وثیقہ کا حکم رکھتے ہیں، بعینہ ثمن نہیں ہیں، فقہ کی اصطلاح میں وثیقہ کو حوالہ کہتے ہیں تو گویا روپے ادا کرنے والا محیل، وصول کرنے محتال اور بنک محتال علیہ ہے، جس نے اس کی ادائیگی کا ذمہ لیا ہے۔

"یمکن اعتباره کسند عند الدائن کدین له علی البنک" (تکملہ فتح الملہم ۱/۵۱۹)۔

تو نوٹوں کی فقہی تخریج یہ کی گئی کہ بذات خود مال نہیں بلکہ مال کی رسید ہے، اور جب کوئی اپنا دین ادا کرنے کے لئے کسی کو نوٹ دیتا ہے تو وہ دین اس کے حوالہ کرتا ہے جو بنک کے پاس ہے، تو روپے کی حیثیت ثمن اصطلاحی کی ہوئی، جس کے ذریعہ سونا، چاندی کی خریداری بایں طور کی جائے کہ کچھ رقم ابھی دے دی اور کچھ بعد میں دینے کا وعدہ کیا یا کل رقم ادھار ہے تو شرعا اس کا حکم یہ ہے کہ چونکہ روپے کے ذریعہ سے سونا چاندی کا لین دین بیع صرف میں داخل نہیں ہے اس لئے ادھار خرید و فروخت جائز ہے، بشرطیکہ عوض میں سے کسی ایک پر مجلس عقد میں قبضہ ہو جائے۔

"بما قال العلامه ابن عابدینؒ سئل الحانوتی عن بیع الذهب بالفلوس نسیئة فأجاب بأنه یجوز إذا قبض أحد البدلین" (ردالمحتار ۷/۴۱۴)۔

(یعنی حانوتی سے سوال کیا گیا سونے کی بیع فلوس کے ذریعہ ادھار کے سلسلہ میں تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ جائز ہے بشرطیکہ بدلین میں سے ایک پر قبضہ ہو جائے)۔

"وفی الهندیة: قال إذا اشتری فلوسا بدراهم ولیس عنده فلوس ولا عند الآخر دراهم ، ثم إن أحدهما دفع وتفرقا جاز وإن لم ینقد واحد منهما حتی تفرقا لم یجز کذا فی المحیط" (۳/۲۲۴ الفصل الثانی: فی بیع الفلوس)۔

حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ کا رجحان بھی جواز ہی کا ہے، ایک استفتاء کا جواب بایں طور تحریر فرماتے ہیں: "چاندی کے حکم میں نہیں، نہ ہی سونے یا چاندی کی رسید ہیں، لہذا ان سے بیع ذہب وفضہ بہر کیف جائز ہے تفاضل اور نسیئہ بھی جائز ہے" (احسن الفتاوی ۶/۵۱۸)۔

☆ مدرسہ چشمۂ رحمت، ضلع مدھوبنی، بہار۔

خلاصہ کلام سونا چاندی اور روپے میں سے ایک نقد ہو اور دوسرا ادھار تو اس طرح کی بیع جائز و درست ہے۔

(ب) انٹرنیشنل سطح پر کومکس گولڈ مارکیٹ یا M.C مارکیٹ سے کم یا زیادہ نرخ میں سونا چاندی بیچنا مارکیٹ میں اشیاء ضروریہ کی خریداری کو سہل بنانے اور قیمت پر کنٹرولنگ کے لئے منجانب حکومت بعض مرتبہ اشیاء کا نرخ طے کر دی جاتی ہے اور دوکاندار اسی قیمت پر سامان بیچنے کا پابند ہوتا ہے، حکومت کے اس طرح کے اقدام و فیصلہ کو خاص خاص حالت میں جائز قرار دیا ہے، چنانچہ حصکفیؒ رقم طراز ہیں:

''ولا يشعر كم حاكم إلا إذا تعدى الأرباب عن القيمة نقديا فاحشا'' (درمختار علی ہامش ردالمختار ۹/۳ ۵۷)۔

(حاکم اشیاء کا نرخ متعین نہیں کرے گا الا یہ کہ تاجر حضرات قیمت میں حد سے زیادہ اضافہ کردیں)، تاجروں کے لئے اس صیغہ نرخ کی پابندی لازم ہے اور طے شدہ نرخ سے زیادہ لینا مکروہ ہے، درمختار ۴/۷ ۵ فقہاء نے عدول حکمی کرنے والوں کو سرزنش اور قید کی اجازت دی ہے، تاہم طے شدہ نرخ سے زیادہ قیمت میں فروخت کیا تو یہ رقم اس کے لئے حلال وطیب ہوگی، ربا تفاضل کا اطلاق نہ ہوگا۔

''فإن سعر فباع الخباز بأكثر ما سعر جاز'' (فتاوی قاضی خان ۳/ ۲۱۴) (اگر نرخ متعین ہو اور نان بائی متعین سے زیادہ قیمت میں بیچ دے تو اس کا بیچنا جائز ہے)۔

۲- اجارہ کسی چیز کو کرایہ پر دینا ہے اسی طرح کوئی شخص اپنی خدمات کسی کو مزدوری لے کر مہیا کرے تو اسے اجارہ کہتے ہیں، نیز کسی چیز کو اجرت پر دینے کو فقہی اصطلاح میں اجارۃ الاعیان (کرایہ داری) کہتے ہیں، جبکہ خدمات فروخت کرنے کو فقہی اصطلاح میں اجارۃ الاشخاص (ملازمت، مزدوری) کہا جاتا ہے، معقود علیہ وہ منافع یا خدمات جن پر اجارہ کا عقد کیا جائے، مثلاً کرایہ والے گھر کی رہائش یا مزدور یا ملازم کا کام:

''فإجارة بيع المنفعة لغة ولهذا سماها أهل المدينة بيعا وأرادوا به بيع المنفعة ولهذا سمى البدل فى هذا العقد أجرة'' (بدائع الصنائع ۴/۱۶)۔

اجارہ کا عقد بھی بیع کی طرح ہے البتہ درج ذیل امور میں فرق پایا جاتا ہے۔

۱- اجارہ میں چیز کے بجائے کسی منفعت پر عقد کیا جاتا ہے، لہٰذا اجارہ کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ منفعت عقد کے وقت موجود ہو۔

۲- بیع میں بائع ایک مرتبہ مبیع کو دے کر فراغت پالیتا ہے، لیکن اجارہ میں منفعت مستقل طور پر وجود میں آتی رہتی ہے۔

۳- بیع میں مبیع پر قبضہ کے بعد خیار شرط نہیں رہتا جبکہ اجارہ میں عیب کے وقت کرایہ کا عقد ختم کیا جا سکتا ہے۔

۴- بیع میں مبیع کی ملکیت خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، اجارہ میں مستاجر کی ذات کا مالک نہیں ہوتا بلکہ اس کے بعض منافع کا مالک ہوتا ہے۔

زیور بنانے والے کاریگر زیورات کے تاجروں سے ایک متعیہ وزن سونا لیتے ہیں اور چند دنوں بعد دوسرے دھاتوں کی

آمیزش کے بقدر سونا ان کو بچ جاتا ہے اور زیور بنانے میں سونے کے کچھ ذرات نکل آتے ہیں جو اپنے پاس کاریگر رکھ لیتا ہے تو اسے اجارہ کہیں گے، بیع نہیں کہیں گے، جہاں تک زیورات کے بنانے میں جو ذرات بچ جائیں اسے اجرت قرار دینے کی صورت میں یہ اشکال یہ کہ اجرت مجہول ہے اور اجرت عامل کے جزءعمل سے قرار پائی ہے جو کہ مفسد اجارہ ہے تو اس سلسلہ میں محل غور یہ ہے کہ احکام شریعت دو طرح کے ہیں عبادات، عادات عبادات سے متعلق احکام اصلا حکم خداوندی پر مبنی ہے انہیں فقہاء تعبدی احکام کہتے ہیں اور اجرت مجہول کے مفسد ہونے کی علت فقہاء کرام نے مفضی الی النزاع لکھی ہے۔

"**وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين لأن جهالتهما تفضى إلى المنازعة**" (الدر المختار ۹/۷)۔

اس سلسلہ میں علامہ علاء الدین کاسانی کی بھی رائے یہ ہے کہ اس طرح کا اجارہ درست ہے۔

"**منها أن يكون المعقود عليه والمنفعة معلوما علما يمنع من المنازعة فإن كان مجهولا ينظر إن كانت تلك الجهالة مفضية إلى المنازعة تمنع صحة العقد وإلا لا لأن الجهالة المفضية إلى المنازعة تمنع من التسليم والتسلم فلا يحصل المقصود من العقد فكان العقد عبثا لخلوه عن العاقبة الحميدة وإذا لم تكن إلى المنازعة يوجد التسليم والتسلم فيحصل المقصود**" (بدائع الصنائع ۴/۲۵، ۲۴)۔

اب رہا معاملہ اجرت جزء عامل کا تو ایسے عادات نہیں ہیں جن سے ظلم و ناانصافی ہوتی ہو، بلکہ استحسان بالضرورۃ ہے، اور جس طرح کھیتی کی بٹائی کی صورت میں بٹائی دار کو پیداوار کا ایک حصہ ہی بطور اجرت ملتا ہے جو عامل کے جزء عمل کو اجرت بنانے کی صریح نظیر ہے۔

لہٰذا ہماری رائے یہ ہے کہ سونے کے لین دین میں مقدار کا یہ فرق اجارہ ہے اور زیورات کے بنانے میں جو ذرات بچ جائیں وہی اجرت قرار پائے گی۔

۳- فقہاء کرام نے صراحتاً فرمایا ہے کہ عمدہ سونا کی خرید و فروخت ردی سونے کے ذریعہ کمی بیشی کے ساتھ ناجائز ہے، اس میں ربا پایا جاتا ہے جو کہ حرام ہے، نیز وصف کے تفاوت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

"**لا يجوز بيع الجيد بالردى فيما فيه الربوا إلا مثلا بمثل لانهدار التفاوت فى الوصف**" (ہدایہ کتاب البیوع باب الربوا ۳/۷۹)۔

(عمدہ کی بیع ردی کے ذریعہ جائز نہیں ہے، اموال ربویہ میں مگر یہ کہ برابر سرابر ہو وصف میں فرق کے باطل ہونے کی وجہ سے) یہی رائی علامہ علاء الدین حصکفی کی ہے۔

"**وجيد مال الربوٰ وردیئه سواء**" (الدر المختار ۴/۱۸۳)۔

خلاصہ یہ ہے کہ سونا کا پرانا زیور زیادہ وزن کا لیا جائے اور سونے کا نیا زیور کم وزن میں بدلہ کیا جائے تو یہ شرعاً جائز نہیں ہے۔

۴- قبضہ کی حقیقت:

قبضہ کا مفہوم یہ ہے کہ بائع شئی مبیع کو اپنے مال سے اس طرح الگ کر کے رکھ دے کہ خریدار جب چاہے اپنی چیز اپنی مرضی سے اٹھا کر لے جانے میں اس پر کوئی پابندی یا رکاوٹ درپیش نہ ہو۔

"ولا يشترط بالبراجم لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفا وعادة حقيقة" (بدائع الصنائع ۴/۳۴۲)۔

اور صاحب درمختار قبضہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ مبیع اور مشتری کے درمیان ایسا تخلیہ جس سے قبضہ پر قدرت ہو جائے اور کوئی چیز رکاوٹ نہ ہو تو یہ تخلیہ قبضہ متصور ہوگا۔

"ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع وحائل"(الدر المختار علی صدر رد المحتار ۷/ ۹۴)۔

پھر یہ تخلیہ مبیع کی حالت وکیفیت کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے جو درج ذیل ہے۔

۱- کیلی اشیاء، مثلا دودھ، تیل، گھی، مکھن وغیرہ کیل کر کے الگ کر دینے سے مشتری کا قبضہ سمجھا جائے گا۔

۲- وزنی اشیاء مثلا سونا، چاندی، دھات، پیتل، دال، چاول وغیرہ وزن کر کے الگ کر دینے سے مشتری کا قبضہ ثابت ہو جائے گا۔

۳- زرعی زمین اور پیمائشی اشیاء مثلا کپڑا وغیرہ جو پیمائش سے فروخت کیا جاتا ہے پیمائش کر کے الگ کر دینے سے مشتری کا قبضہ ثابت ہو جائے گا۔

۴- عددی اشیاء: مثلا انڈا، جانور، گاڑی وغیرہ شمار کر کے الگ کر دینے سے مشتری کا قبضہ ثابت ہو جائے گا (رد المحتار ۷/۹۶ وبدائع الصنائع ۴/۳۴۲)۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ مبیع اور مشتری کے درمیان ایسا تخلیہ جس سے قبضہ پر قدرت ہو جائے اور کوئی چیز حائل نہ ہو تو ایسا تخلیہ قبضہ سمجھا جائے گا نیز کتاب وسنت میں قبضہ کی کوئی خاص صورت ونوعیت متعین نہیں ہے اور اصول یہ ہے کہ جن چیزوں کی شریعت اور لغت میں مخصوص تحدید نہ ہو وہ عرف وعادت پر محمول ہوگی۔ "الاشباہ والنظائر" میں ہے:

" كل ما ورد به الشرع مطلقا ولا ضابط له منه ولا في اللغة يرجع فيه إلى العرف ومثلوه بالحرز في السرقة والتفرق في البيع والقبض"(ص:۱۹۶)۔

لہٰذا تمام خریدار کا خریدا ہوا سونا سونے کی اینٹ میں شامل ہے تو اس کو خریدار کا قبضہ نہیں سمجھا جائے گا اسی طرح ہر خریدار کا سکہ الگ سے کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں اس کے نام اندراج کرنے سے قبضہ نہیں سمجھا جائے گا، ہاں البتہ اگر خریدی ہوئی مقدار کا سکہ الگ سے موجود ہو جس پر مشتری اپنی مرضی اور سہولت سے بلا رکاوٹ قبضہ کر سکتا ہو تو اس اندراج کو قبضہ کے لئے کافی سمجھا جائے گا۔

۵- ادھار کی بیع ادھار سے جائز نہیں ہے۔

"عن ابن عمر أن النبی ﷺ نهی عن بیع الکالی بالکالی" (مشکوٰۃ ۲۴۸ باب المنھی عنھا وھکذا مظاہر حق جدید ۳/ ۵۰۴)۔

(حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ادھار کو ادھار کے ساتھ بیچنے سے منع فرمایا ہے)، آج سرمایہ دارانہ نظام کے اندر جو مفاسد پائے جاتے ہیں، وہ بیع قبل القبض کی دین ہے۔

لہذا ایکسچینج کے ذریعہ کاروبار کی مروج ایسی صورت جس میں نہ تو مشتری سونے پر قبضہ کرتا ہے اور نہ بائع قیمت پر قبضہ کرتا ہے، بس نرخ میں کمی بیشی سے جو فرق آتا ہے اس کا لین دین کر لیتے ہیں، جس میں نہ تو خریدار مبیع پر قبضہ کرتا ہے اور نہ ہی بائع قیمت پر قبضہ کرتا ہے، گویا مبیع وثمن دونوں ادھار ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے۔

۶- احتکار لغت میں غلہ کو گراں فروشی کے ارادہ سے روکے رکھنا ہے، اس کا اسم مکرہ ہے (موسوعہ فقہیہ ۲/ ۹۴)۔

ائمہ کرام نے بایں طور اس کی تعریف کی ہے:

۱- حنفیہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ غلہ اور اس جیسی ضروریات زندگی خرید کر گراں فروشی کے زمانہ تک روکے رکھنا ہے۔

۲- مالکیہ نے احتکار کی یہ تعریف کی ہے کہ مارکیٹ میں قیمتوں کے بڑھنے کے انتظار میں روکے رکھنا۔

۳- شافعیہ نے احتکار کی یہ تعریف کی ہے کہ گرانی کے زمانہ میں غذائیں خریدنا اور اسے روکے رکھنا قیمت کے بڑھنے پر بیچنا۔

جمہور فقہاء نے ذخیرہ اندوزی کے سلسلہ میں غلہ کی صراحت کی ہے، اس کی دلیل وہ حدیث شریف ہے جس میں احتکار کی ممانعت غلہ کے ساتھ صراحتا ہے۔

ابن ماجہ میں: **"عن عمر بن الخطاب قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: "من احتکر علی المسلمین طعامھم ضرب اللہ بالجذام والإفلاس"** (ابن ماجہ وفی القدیر ۶/ ۳۵)۔

(حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص مسلمانوں سے اس کا غلہ اسٹاک کر دے اللہ تعالیٰ اسے جذام اور تنگی وافلاس میں مبتلا کرے گا)، اس طرح کی بہت ساری حدیثیں ممانعت کی موجود ہیں۔

مالکیہ اور امام ابو یوسفؒ کا استدلال ان روایات سے ہے جس میں مطلقا احتکار کی ممانعت ہے اور احتکار کرنے والوں کو ملعون اور خاطی کہا گیا ہے۔

"قال رسول اللہ ﷺ من احتکر فھو خاطی" (صحیح مسلم ۲/ ۳۱)۔

جمہور فقہاء کرام کا قول راجح معلوم ہوتا ہے اس لئے جب کسی مسئلہ نصوص مختلف ہوں ایک خاص اور دوسرا عام تو ایسی صورت میں عام کو خاص پر محمول کیا جائے گا۔ اور مطلق کو مقید پر، "موسوعہ فقہیہ" میں ہے:

"وإذا اجتمعت نصوص عامة وأخری خاصة فی مسألة واحدة حمل العام علی الخاص والمطلق

علی المقید"(الموسوعۃ الفقہیۃ)۔

مسلم شریف کی شرح نووی میں بالتصریح ہے کہ ذخیرہ اندوزی صرف غذائی اجناس کے ساتھ مخصوص ہے اس کے علاوہ دیگر چیزوں میں ممنوع نہیں ہے۔

"**قال أصحابنا الاحتكار المحرم هو الاحتكار فی الأقوات خاصة وهو أن يشتری الطعام فی وقت الغلاء للتجارة ولا يبيعه فی الحال بل يدخره ليغلو ثمنه ..... وأما غير الأقوات فلا يحرم الاحتكار فيه لكل حال**"(نووی، شرح مسلم شریف ۲/۳۱)۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے پتہ چلا کہ گراں فروشی کی نیت سے سونے کی ذخیرہ اندوزی عندالشرع جائز ہے، یہ احتکار کے دائرہ سے خارج ہے، گرچہ گرانی کا اثر دوسری اشیاء پر بھی واقع ہوتا ہو، جیسا کہ شامی میں ہے:

"**ولا يكون محتكرا بحبس غلة أرضه بلا خلاف**" (الدر المختار علی صدر رد المحتار ۹/۵۷)۔

۷- ہر شخص کو حلال وطیب روپے سے ضرورت کی چیزیں خریدنے کا شریعت نے اختیار دیا ہے، رد المحتار میں ہے:

"**لا يمنع أحد من التصرف فی ملكه أبدا**" (۵/۴۴۸)۔

لہٰذا اسمگلنگ شرعاً جائز و درست ہے البتہ چونکہ حکومت کے قانون کی خلاف ورزی ہے اور جب تک حکومت معصیت کا قانون عائد نہ کرے اس کی پابندی ضروری ہے، تاکہ ہتک عزت کے مرتکب نہ ہو بنا بریں اسمگلنگ نہ کرنا بہتر ہے۔

"**كل من يسكن دولته فإنه يلتزم قولا أو عملا بانه يتبع قوانينها وحينئذ يجب عليه اتباع أحكامها**" (فی بحوث قضایا فقہیۃ معاصرۃ ص۱۴۶)۔

۸- سونا اور چاندی کو اللہ نے ثمن بننے ہی کے لئے پیدا کیا ہے جبکہ اس کے علاوہ دھات مثلاً پلاٹین، جیسے سفید سونا کہا جاتا ہو تو اسے ثمنیت اعتباریہ مانتے ہوئے سونے کے احکام جاری ہوں گے یعنی تفاضل حرام ہوگا، اور نسیئہ بھی حرام ہوگا، چنانچہ "**الثابت بالعرف كالثابت بالنص-العادة محكمة** "اصول کے تحت حقیقی سونے کے حکم میں نہ ہو کر ثمنیت اعتباریہ سمجھا جائے گا اور ہیرے جواہرات کی طرح اس پر بھی زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

"**لا زكوٰة فی اللآلی والجواهر** " (رد المحتار قبیل باب السائمۃ ۲/۱۴)۔

☆☆☆

سونا چاندی کی تجارت کے جدید مسائل

مفتی محمد روح اللہ قاسمی☆

یہاں بنیادی طور پر یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ربا کا حکم اشیاء ستہ کے ساتھ خاص ہے یا اس کے علاوہ میں بھی متعدی ہے؟ اس سلسلے میں علماء کی دو جماعتیں ہیں: ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ حکم اشیاء ستہ کے ساتھ خاص ہے، لہذا اس کے علاوہ چیزوں میں ربا جاری نہیں ہوگا، مفتی تقی عثمانی صاحب نے ''المغنی لابن قدامہ'' اور ''عمدۃ القاری'' وغیرہ کے حوالہ سے طاؤس، قتادہ، داؤد ظاہری، مسروق اور عثمان بتی وغیرہم کا یہی موقف ذکر کیا ہے (دیکھئے: تکملہ فتح الملہم، المساقاۃ ۱/ ۵۳۹)۔

جبکہ جمہور کا کہنا ہے کہ یہ حکم حدیث پاک میں ذکر ان اشیاء کے ساتھ خاص نہیں؛ بلکہ اس کے علاوہ دیگر اشیاء کی طرف بھی متعدی ہے، چنانچہ احناف نے اس کی علت کے بارے میں غور کیا کہ ایک تو جنس کا جنس سے تبادلہ ہے اور دوسرے دو طرح کی چیزوں کا اس میں تذکرہ ہے، سونا چاندی موزونی اشیاء کے قبیل سے ہے، بقیہ چار اشیاء مکیلی ہیں؛ اس لئے احناف کے نزدیک ربا کی علت سونا چاندی میں وزن مع الجنس اور اشیاء اربعہ میں کیل مع الجنس قرار پائی اور طے پایا کہ ہر مکیلی یا موزونی چیز (جسے اصطلاح میں قدر سے تعبیر کیا جاتا ہے) اموال ربویہ میں داخل ہے، اگر اس میں جنس کا جنس سے تبادلہ ہو تو زیادتی اور ادھار دونوں حرام ہے اور اگر دونوں میں سے ایک علت پائی جائے تو زیادتی جائز ہے اور ادھار حرام، اس طرح اس مسئلہ کی چار شکلیں بنتی ہیں:

الف-جنس وقدر دونوں کا اتحاد ہو، مثلاً سونے کا سونے سے تبادلہ، اس صورت میں زیادتی اور ادھار دونوں حرام ہوگا۔

ب-اتحاد قدر ہو، اتحاد جنس نہ ہو، مثلاً گیہوں کا تبادلہ جو سے ہو، اس صورت میں زیادتی جائز ہے؛ مگر نسیئۃ حرام ہے۔

ج-اتحاد جنس ہو، اتحاد قدر نہ ہو، جیسے حیوان کا تبادلہ حیوان سے ہو، اس صورت میں بھی زیادتی جائز ہے؛ مگر ادھار حرام ہے، مثلاً ایک بکری کی بیع دو بکری سے نقد کی شرط کے ساتھ جائز ہے۔

د-جنس وقدر دونوں معدوم ہوں، مثلاً دو سیب کا تبادلہ ایک انڈے سے ہو یا اس کے برعکس، اس صورت میں زیادتی اور ادھار دونوں جائز ہے۔

۱-کاغذی روپیوں سے سونا چاندی کی خریداری بیع صرف نہیں ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہے کہ ربا کی علت احناف کے یہاں جنس وقدر کا اتحاد ہے اور جب کسی چیز کی بیع میں یہ

☆ مدرسہ فلاح المسلمین، مدھوبنی، بہار۔

دونوں علت پائی جائے تو مساوات کے ساتھ نقد معاملہ کرنا ضروری ہوگا۔ سونا چاندی کے آپس میں لین دین میں ربا کی دونوں علت یا ایک کا وجود ہوتا ہے؛ اس لئے اس تبادلہ میں اس معاملہ کی نزاکت کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ اگر سونا کا سونے سے یا چاندی کا چاندی سے تبادلہ ہو تو جنس وقدر دونوں کے پائے جانے کی وجہ سے مساوات اور نقد معاملہ ضروری ہوتا ہے۔ اور اگر خلاف جنس معاملہ ہو تو ایک علت کے پائے جانے کی وجہ سے تفاضل جائز اور ادھار حرام ہوتا ہے۔ اس معاملہ کو ''بیع صرف'' کہتے ہیں۔ البتہ جب نوٹ سے سونا چاندی کا تبادلہ ہو رہا ہو تو یہ نزاکت موجود ہوگی یا نہیں؟ اس کے لئے پہلے خود بیع صرف اور نوٹ کی حقیقت کا واضح ہونا ضروری ہے۔

بیع صرف کی تعریف میں فقہاء کے یہاں جو تعبیرات ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ صرف خلقی ثمن یعنی سونا چاندی کا آپس میں لین دین ''بیع صرف'' کہلاتا ہے۔ چنانچہ علامہ کاسانی نے بیع صرف کی یہ تعریف کی ہے: ''**اسم لبيع الأثمان المطلقة بعضها من بعض وهو بيع الذهب بالذهب والفضة بالفضة وأحد الجنسين بالآخر**'' (بدائع، کتاب البیوع، الصرف وتفسیرہ ۴؍۴۵۳)۔

''مجلۃ الاحکام العدلیۃ'' میں ہے: ''**الصرف بيع النقد بالنقد**'' (مادہ ۱۲۱)۔ اور اس کی شرح ''درر الحکام'' میں ہے: ''**يعنى ان بيع الصرف هو بيع الذهب المسكوك أو غير المسكوك بذهب أو فضة والفضة بذهب أو مثلها فضة**'' (الشاملۃ، درر)۔

''الجوہرۃ النیرۃ'' میں ہے: ''**الصرف اسم لعقود ثلاثة بيع الذهب بالذهب والفضة بالفضة وأحدهما بالآخر**'' (کتاب البیوع، باب الصرف ۱؍۲۶۹)۔

''شامی'' کی عبارت ہے: ''**(بيع الثمن بالثمن) أى ما خلق للثمنية**'' (رد المحتار، البیوع، الصرف ۴؍۲۳۴ نعمانی، مزید دیکھئے: موسوعہ فقہیہ کویت، مادہ: صرف، رقم: ۱)۔

ان تمام عبارتوں کا حاصل یہی ہے کہ ''بیع صرف'' خلقی ثمن یعنی سونا چاندی کے آپس کے تبادلہ کا نام ہے، یعنی یا تو سونے کا سونے سے تبادلہ ہو یا چاندی کا چاندی سے یا سونے کا چاندی سے، خواہ وہ جس شکل میں بھی ہو۔ کیونکہ ان تعبیرات میں فقہاء نے جہاں یہ لکھا ہے کہ نقد و ثمنیت سے مراد وہ ہے جو خلقی طور پر ثمنیت کے لئے ہے، وہیں اس کے تبادلہ کی محض تین شکلیں بتائیں ہیں، اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ''بیع صرف'' ثمن خلقی کے آپس میں تبادلہ کا نام ہے، چنانچہ فلوس کے آپس میں تبادلہ کو بیع صرف نہیں مانا جاتا جبکہ یہ بھی باتفاق ثمن ہے گو اصطلاحی ہی سہی۔ اسی طرح غالب الغش سکوں سے سونے چاندی کی خریداری صرف نہیں کہلاتی جبکہ اس میں کچھ نہ کچھ سونا یا چاندی موجود ہوتا ہے۔

اس مسئلہ میں اگر چہ عرب علماء کا اختلاف ہے۔ ان کے یہاں ثمن خلقی کا رواج ختم ہوجانے کے بعد ثمن اصطلاحی نے اس کی جگہ لے لی ہے، لہذا ثمن خلقی کے تمام احکام اس پر منطبق ہونگے، چنانچہ اس میں زکوۃ کا وجوب ہوگا، اس کے ذریعہ زکوۃ کی ادئیگی ہوگی، ربا کا اس میں تحقق ہوگا اور بیع صرف کے احکام بھی اس پر جاری ہونگے۔ پس اگر نوٹ کا تبادلہ نوٹ سے ہوتا ہے تو یدا بید اور سواء بسواء ضروری ہوگا، تفاضل ونسیئۃ دونوں حرام ہونگے۔ چنانچہ ''مجمع الفقہ الاسلامی جدہ'' نے اپنے تیسرے اور پانچویں سمینار کے فیصلے

میں اسی کو منظور کیا ہے کہ'' کاغذی نوٹ اعتباری نوٹ ہیں اور مکمل طور ثمن کی حیثیت رکھتے ہیں لہذا سود، سلم، زکاۃ اور دیگر تمام احکام کے سلسلہ میں سونے چاندی ہی کے سارے احکام ان پر بھی جاری ہونگے'' (فقہ اکیڈمی جدہ کے فیصلے رص ۱۰۸)۔

لیکن عام طور سے برصغیر ہندو پاک میں ثمن اصطلاحی کے باہم تبادلہ کو بیع صرف نہیں کہا جاتا ہے، یہ اور بات ہے کہ ایک ملک کی کرنسی کے باہم تبادلہ میں امام محمدؒ کا قول اختیار کرتے ہوئے تفاضل ونسیئہ دونوں حرام ہوتا ہے جیسا کہ فلوس میں یہ حکم ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک فلوس کے آپس میں تبادلہ کے وقت تفاضل ونسیئہ جائز نہیں ہوتا ہے چاہے وہ متعین ہوں یا غیر متعین۔ اس اختلاف کا ثمرہ یہاں ظاہر ہوگا کہ دو الگ ملکوں کی کرنسی کے تبادلہ کے وقت پہلے قول کے مطابق نسیئہ جائز نہیں ہوگا جبکہ اس قول کے مطابق جائز ہوگا جبکہ احد البدلین پر قبضہ ہوجائے تاکہ افتراق عن دین بدین لازم نہیں آئے (فقہ البیوع ۲ر۷۳۹)۔

دوسری طرف نوٹ اور کاغذی روپیوں کی صورتحال یہ ہے کہ اس پر مختلف ادوار گذرے ہیں۔ کبھی اس کی حیثیت ثمن کی نہیں تھی، بلکہ ثمن کے لئے اسے وثیقہ اور سند مانا جاتا تھا اور اس وقت یہ اس خلقی ثمن کی نمائندگی کرتا تھا جس کی مقدار اس نوٹ پر درج ہوتی تھی۔ اس لئے اس وقت فقہاء نوٹ سے سونے چاندی کے تبادلہ میں کمی بیشی کو ناجائز کہتے تھے اور اس معاملہ کو بیع صرف مانا جاتا تھا؛ کیونکہ ایک طرف خلقی ثمن ہوتا اور دوسری طرف اس کی سند ہوا کرتی تھی۔ مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے:'' نوٹ کا چاندی کے روپیے سے تبادلہ کرنے میں کمی بیشی کرنا ناجائز ہے'' (کفایت المفتی ۸ر۱۱۱)۔

ظاہر ہے کہ یہ اس وقت کی بات تھی جب نوٹ کی حیثیت وثیقہ کی تھی۔ لیکن اب کاغذی نوٹوں کی شرعی حیثیت پر تقریباً علماء کرام کا اتفاق ہو چکا ہے کہ وہ اصطلاحی ثمن ہے، بطور وثیقہ وسند اب کسی ثمن کی نمائندگی نہیں کرتا اور اس کے پشت پر کوئی سونا وغیرہ نہیں ہے؛ بلکہ وہ خود اصلی حیثیت کا مالک ہے، اسے زر قانونی کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے، یعنی قانونی طور پر اسے لینے پر مجبور کیا جائیگا یہ اور بات ہے کہ اس کا اختیار حکومت وقت کو ہے کہ جب چاہے اس کی اس حیثیت عرفی کے خاتمہ کا اعلان کردے۔ اس تعلق سے خود فقہ اکیڈمی کے دوسرے سمینار میں کرنسی نوٹ کے متعلق فیصلہ میں موجود ہے کہ'' کرنسی نوٹ سند وحوالہ نہیں بلکہ ثمن ہے اور اسلامی شریعت کی نظر میں کرنسی کی حیثیت زر اصطلاحی وقانونی کی ہے''۔

زر قانونی کی حیثیت پالینے کے بعد کیا اس سے سونے چاندی کا تبادلہ بیع صرف کہلائیگا یا نہیں؟ اور اگر یہ معاملہ بیع صرف نہیں بھی کہلائے تو کیا نوٹ کی حیثیت ثمن خلقی کی ہوگی اور اس کے سونے چاندی سے تبادلہ کے وقت تماثل ضروری ہوگا یا دونوں دو الگ الگ جنس ہونگے اور اس پر فلوس کے احکام جاری ہوکر تفاضل ونسیئہ کی اجازت ہوگی؟۔

جہاں تک بیع صرف کا معاملہ ہے تو یہ بات آچکی ہے کہ بیع صرف کا اطلاق صرف اس بیع پر ہوتا ہے جس میں دونوں طرف سے ثمن خلقی ہو۔ اگر ثمن اصطلاحی کا آپس میں تبادلہ ہو یا کسی ایک طرف ثمن خلقی نہ ہو تو اسے بیع صرف نہیں کہیں گے، لہذا نوٹ سے سونے چاندی کے تبادلہ پر یہ تعریف صادق نہیں آتی ہے اس لئے اسے بیع صرف نہیں کہا جائے گا۔

نیز جیسا کہ گذرا کہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ غالب الغش سکوں سے سونے چاندی کی خریداری صرف نہیں کہلاتی جبکہ اس میں کچھ نہ کچھ سونا یا چاندی موجود ہوتا ہے اس لئے صرف اسی کے وزن کی حد تک اس میں قبضہ ضروری ہوتا ہے تو پھر کرنسی نوٹوں

کے تبادلہ کو کلی طور پر صرف کیسے کہا جائے گا جبکہ اس میں سونا چاندی بالکل بھی موجود نہیں ہے (دیکھئے: فتاوی عثمانی ۳/ ۱۴۳)۔

اس کے علاوہ نوٹ ثمن اعتباری ہے، ثمن خلقی نہیں جو بنسبت سونا چاندی کے فلوس نافقہ سے زیادہ مشابہ ہے کیونکہ یہ بھی ثمن اعتباری و اصطلاحی ہے لہذا اسے فلوس نافقہ پر قیاس کیا جائے گا اور فلوس سے سونا چاندی کی بیع ''بیع صرف'' نہیں کہلاتی ہے۔

فلوس کا حکم: فلوس سونا چاندی کے علاوہ دوسری دھات مثلاً لوہا پیتل وغیرہ سے بنائے گئے سکوں کو کہا جاتا ہے۔ احناف کے نزدیک اگر فلوس کا فلوس سے تبادلہ ہوا اور وہ غیر متعین ہو خواہ دونوں یا کوئی ایک تو یہ صورت جائز نہیں ہے؛ علامہ کاسانیؒ اس کی علت بیان کرتے ہیں: ''**لأن الفلس فی هذه الحالة لایخلو من أن یکون من العروض أو من الأثمان فإن کان من العروض فالتعیین فی العروض شرط الجواز ولم یوجد وإن کان من الأثمان فالمساواة فیها شرط الجواز ولم یوجد**'' (بدائع ۴/ ۸۸ ۴ زکریا) (یعنی اس صورت میں فلوس یا تو عروض کی قبیل سے مانے جائیں گے یا اثمان کی قبیل سے، اگر عروض کی قبیل سے ہے تو عروض کی تعیین عقد کے جواز کی شرط ہے اور اگر اثمان کی قبیل سے ہے تو اس میں مساوات شرط ہے اور یہ دونوں ندارد ہیں)۔

اور اگر فلوس متعین ہوں تو اس صورت میں حضرات شیخینؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف بہت مشہور ہے۔ حضرات شیخینؒ کے نزدیک اگر فلوس کا فلوس سے تبادلہ ہوا اور وہ متعین ہوں تو یہ معاملہ تفاضل کے ساتھ بھی جائز ہے، البتہ ادھار حرام ہوگا۔ ادھار کے حرام ہونے کی وجہ تو اتحاد جنس ہے، اور تفاضل کے جائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ فلوس کا ثمن ہونا اصطلاح ناس کی بنیاد پر ہوا ہے۔ عرف عام نے اسے بطور ثمن کے قبول کرلیا ورنہ اس کی ذاتی کوئی خاص حیثیت نہیں؛ لہذا اگر عاقدین اس کی ثمنیت کے ختم کرنے پر اتفاق کر لیتے ہیں تو انہیں اس کا اختیار ہوگا۔ پھر ثمنیت ختم ہو جانے کے بعد اس کی سابقہ قدری حیثیت عود نہیں کرتی کہ جس دھات سے وہ بنی ہے اس کا اعتبار کر کے اسے کیلی یا وزنی مانا جائے؛ کیونکہ سونا چاندی کے علاوہ کسی بھی چیز کے کیلی یا وزنی ہونے میں اس کے مادہ اور جوہر کا اعتبار نہیں کیا جاتا بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ خود اس کی خرید و فروخت کس حیثیت سے ہے، اگر اس کا لین دین عدد کے حساب سے ہے تو وہ عددی ہے چاہے اس کی اصل کیلی یا وزنی ہو۔

علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں: ''**بیع الأوانی الصفریة وأحدا باثنین کبیع قمقمة بقمقمتین ونحو ذلک فإن کان مما یباع عددا یجوز ......وإن کان مما لا یباع وزنا لا یجوز**'' (البیوع ۴/ ۴۰۴، زکریا) (کہ پیتل کے برتنوں کی ایک کے بدلے دو کی بیع جیسے ایک لوٹا کی بیع دو لوٹا کے بدلے، اگر یہ عدد سے بیچے جاتے ہیں تو جائز ہے اور اگر وزن سے بیچے جاتے ہیں تو جائز نہیں)۔

اس قاعدہ سے سونا چاندی مستثنیٰ ہے، کیونکہ ان دونوں کا موزونی ہونا منصوص علیہ ہے؛ لہذا کسی عرف و عادت کی بنیاد پر اس کی وزنی حیثیت ختم نہیں ہوسکتی؛ کیونکہ عرف نص کا مقابل نہیں ہوسکتا ہے۔

''**لوباع إناء فضة بإناء فضة لایجوز متفاضلا بخلاف ما إذا باع إناء مصوغا من نحاس بإناء من نحاس حیث یجوز متفاضلا مع أن النحاس بالنحاس متفاضلا لایجوز؛ لان الوزن منصوص علیه فی الذهب و**

الفضة فلا يتغير فيه بالصناعة ولايخرج عن أن يكون موزونا بالعادة لأن العادة لاتعارض النص" (الجوہرۃ النیرۃ، باب الصرف:۱؍۲۶۹)(اگر چاندی کے برتن کو چاندی کے برتن سے بیچے تو کمی زیادتی کے ساتھ جائز نہیں ہے، برخلاف اس کے کہ جب پیتل سے بنے برتن کو پیتل کے برتن سے بیچے تو تفاضل جائز ہے باجودیکہ پیتل کا پیتل سے تبادلہ کمی زیادتی کے ساتھ جائز نہیں ہے؛اس لئے کہ سونا چاندی میں وزن منصوص ہے،لہذا کاریگری کی وجہ سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی اور وہ عرف کی بنیاد پر وزنی ہونے سے خارج نہیں ہوگا، کیونکہ عرف نص کا مقابل نہیں ہوسکتا ہے)۔

پس اگر فلوس کی ثمنیت ختم کرلینے پر عاقدین کا اتفاق ہوبھی جاتا ہے تو اس کی عددی ہونے کا عرف باقی ہے۔"**ولایعود وزنیا لبقاء الاصطلاح علی العدد**"(ہدایہ، البیوع، الربا،قولہ: یجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانہا، نیز دیکھئے:موسوعہ فقہیہ اردو کویت ۲۶؍۳۹۳)،لہذا جب عاقدین نے فلوس کی ثمنیت ختم کرلینے پر اتفاق کرلیا تو اب اسمیں صرف ایک علت باقی رہ گئی یعنی جنس کا اتحاد؛ اس لئے تفاضل جائز ہوگا۔

امام محمدؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی تفاضل جائز نہیں ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ اتفاق عام کی بنیاد پر فلوس کی ثمنیت ثابت ہوئی ہے؛لہذا محض عاقدین کے اتفاق کرلینے کی سے عام اتفاق ختم نہیں ہوگا اور اس کی ثمنیت باقی رہے گی۔

اس اختلاف کے باجود اس پر سب کا اتفاق ہے کہ فلوس کا آپس میں تبادلہ بیع صرف نہیں ہے،لہذا اس پر صرف کے احکام جاری نہیں ہونگے،البتہ علامہ کاسانیؒ کی صراحت کے مطابق فلوس کے آپس میں تبادلہ کے وقت تقابض ضروری ہے اور اس کے بغیر یہ معاملہ باطل ہے۔ایسا اس لئے نہیں کہ یہ بیع صرف ہے؛ بلکہ اس لئے کہ اتحاد جنس کی وجہ سے نسیئہ حرام ہوتا ہے۔

"اگر فلوس متعینہ کا باہم تبادلہ ہو تو یہ متعین کرنے کے باوجود متعین نہیں ہونگے،البتہ مجلس میں قبضہ ضروری ہوگا اور بغیر قبضہ کے افتراق عین بالدین ہونے کی وجہ سے عقد باطل ہوگی۔اور اگر احد البدلین پر قبضہ ہوجائے اور دوسرے پر قبضہ کے بغیر دونوں علیحدہ ہوجائیں تو امام کرخی کے بیان کے مطابق معاملہ باطل نہیں ہوگا؛ کیونکہ جانبین سے قبضہ کی شرط بیع صرف کی خصوصیت ہے اور یہ معاملہ صرف نہیں ہے، پس ایک جانب سے قبضہ کافی ہوگا؛اس لئے کہ اس کی وجہ سے یہ افتراق دین بالدین سے نکل جاتا ہے۔اور مختصر الطحاوی کی بعض شروح کے مطابق یہ معاملہ باطل ہے،اس وجہ سے نہیں کہ یہ بیع صرف ہے بلکہ اس وجہ سے کہ ربا کی ایک علت یعنی جنس کا تحقق ہونے کی وجہ سے ادھار حرام ہے۔اور یہی صحیح ہے"(بدائع ۴؍۴۸۷،۴۸۸)۔

یہ تو اس صورت میں ہے جب فلوس کا فلوس سے تبادلہ ہولیکن جب فلوس کا درہم یا دینار سے تبادلہ ہو تو احد بدلین پر قبضہ کافی ہوگا۔

"**ولو لم يوجد القبض إلا من أحد الجانبين دون الأخر فافترقا مضى العقد على الصحة لأن المقبوض صار عينا بالقبض فكان افتراقا عن عين بدين**"(بدائع ۴؍۴۸۷)۔

اسی طرح بدائع میں ہے:"**منها ما يشترط فيه التقابض وهو القبض من الجانبين وهو الصرف ...... ومنها ما يشترط فيه القبض من أحد الجانبين كبيع الدراهم بالفلوس**"(بدائع ۴؍۴۸۸)۔

الغرض جب فلوس کی صورتحال یہ ہے کہ بالاتفاق اس میں بیع صرف جاری نہیں ہوتی ہے، نہ آپس میں تبادلہ کے وقت، نہ ہی سونا چاندی سے تبادلہ کے وقت، تو یہی حکم کرنسی نوٹوں کا بھی ہوگا کہ سونا چاندی سے اس کا تبادلہ بیع صرف نہیں کہلائے گا، کیونکہ کرنسی نوٹ سونا چاندی کے مقابلہ میں فلوس سے زیادہ مشابہ ہیں اس لئے کہ یہ دونوں ثمن اعتباری ہیں۔ مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں: آج کل روپئے (نوٹ) یا سکہ رائج الوقت سے چاندی سونا اگر خریدا جائے تو یہ بیع صرف نہیں جس میں برابری اور تقابض فی المجلس (ہاتھ در ہاتھ ہونا) ضروری ہو (فتاوی محمودیہ ۲۳/۵۳۹)۔

روپئے سے سونا چاندی کے تبادلہ کے وقت روپیے کی حیثیت:

البتہ یہ اہم مسئلہ ہے کہ جب نوٹوں سے سونا چاندی کا تبادلہ بیع صرف نہیں ہے تو یہ معاملہ فقہاء کے یہاں بیان کردہ بیع کی اقسام اربعہ میں سے کس زمرہ میں آئے گا۔ فقہاء نے بدلین کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں بتائی ہیں۔ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

(بدلین کے اعتبار سے بیع چار قسم ہے۔ بیع العین بالعین یعنی سامان سے سامان کی بیع، اور اسے بیع مقایضہ کہتے ہیں۔ بیع الدین بالعین اور یہ ثمن مطلق یعنی سونا چاندی سے یا رائج سکوں سے یا ذمہ میں واجب مکیلی یا موزونی یا عددی متقارب اشیاء سے سامانوں کی بیع۔ بیع الدین بالعین اور یہ بیع سلم ہے، اور بیع الدین بالدین اور یہ بیع صرف ہے) (بدائع الصنائع ۴/۳۲۰)۔

ظاہر ہے کہ یہ معاملہ اول الذکر اور ثالث ورابع قسم میں سے نہیں ہوسکتا ہے۔ بیع العین بالعین اور بیع الدین بالدین میں اس کا نہ ہونا واضح ہے، بیع الدین بالعین میں بھی نہیں ہے کیونکہ یہ معاملہ ''سلم'' کہلاتا ہے جس میں مسلم فیہ یعنی مبیع دین ہوا کرتی ہے اور رأس المال یعنی ثمن عین ہوتا ہے۔

''فان المسلم فيه مبيع وهو دين وراس المال قد يكون عينا وقد يكون دينا ولكن قبضه شرط قبل افتراق العاقدين بانفسهما فيصير عينا'' (الشاملة، تحفة الفقهاء، البیوع، السلم)۔ لامحالہ یہ معاملہ بیع العین بالدین کے قبیل سے ہی مانا جائے گا جس میں بیع مقایضہ، سلم اور صرف کے علاوہ دیگر معاملات داخل ہوتے ہیں اور ماننا پڑیگا کہ ان میں کوئی ایک مبیع اور دوسرا ثمن ہے۔

ثمنیت کی شان نوٹ کے مقابلہ میں سونا چاندی میں زیادہ قوی ہے؛ کیونکہ وہ خلقی طور پر ثمنیت کا حامل ہے اور اس کی ثمنیت باطل نہیں ہوتی ہے۔ چنانچہ بحیثیت ثمن حنفیہ کے نزدیک مال کی چار قسمیں ہیں۔ پہلا وہ مال جو ہر حال میں ثمن ہو اور وہ خلقی نقود یعنی سونے وچاندی ہیں خواہ اس پر حرف با داخل ہو یا نہ ہو خواہ اس کا تبادلہ ہم جنس سے ہو یا غیر جنس سے (موسوعہ اردو ۱۵/۵۶)۔

''ثم الدراهم والدنانير عندنا أثمان على كل حال أى شئ كان فى مقابلتها وسواء دخله حرف الباء فيهما أو فيما يقابلهما لأنهما لاتتعين بالتعيين بحال فكانت أثمانا على كل حال'' (بدائع، البیوع ۴/۴۸۳)۔

(پھر دنانیر ودراہم ہمارے نزدیک ہر حال میں ثمن ہے خواہ جو بھی اس کے مقابلہ میں ہو خواہ حرف با اس پر داخل ہو یا اس کے مقابل پر؛ اس لئے کہ یہ دونوں کسی حال میں متعین نہیں ہوتے پس ہر حال میں ثمن ہی رہیں گے۔

جبکہ نوٹ اصطلاح وعرف کی بناء پر ثمن بنا ہے، اگر عرف ختم ہوجائے تو اس کی ذاتی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی ہے جیسا کہ

ابھی اپنے ملک میں ہوا کہ حکومت وقت نے پانچ سو اور ایک ہزار روپیہ کی ثمنیت کے خاتمہ کا اعلان کر دیا، اب اس کی حیثیت صرف کاغذ کے ایک ٹکڑے کی ہے، جب صورتحال یہ ہے کہ سونا چاندی کی ثمنیت اصلی اور خلقی ہے، کسی کے ختم کرنے سے اس کی ثمنیت باطل نہیں ہوسکتی ہے جبکہ نوٹوں کی ثمنیت غیر اصلی ہے تو اس عقد میں جبکہ کاغذی نوٹوں سے سونے یا چاندی کا تبادلہ ہو، سونے چاندی کو ثمن اور کاغذی نوٹ کو مبیع مانا جائیگا۔ اس کی تصریح مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے قاموس الفقہ میں کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں: اگر کرنسی کا تبادلہ سونے چاندی سے ہو تو کرنسی کی حیثیت سامان کی ہو جائیگی اور سونا چاندی اصل زر متصور ہوگا کیونکہ خلقی ثمن میں ثمنیت اور زر بننے کی صلاحیت زیادہ ہے اور اصطلاحی اور رواجی ثمن اس سے کمتر درجہ کی حامل ہے۔ (قاموس الفقہ ۴/۲۲۶)۔ الغرض کاغذی نوٹ سے سونا چاندی کا تبادلہ بیع صرف کی قبیل سے نہیں ہے، نیز اس تبادلہ میں سونا چاندی کی حیثیت ثمن کی اور کاغذی نوٹ کی حیثیت مبیع کی ہوگی۔

(الف)۔ کیا یہ بات درست ہے کہ سونا چاندی اور نوٹ میں ایک نقد ہو اور دوسرا ادھار؟ اس کے لئے اس بات پر غور کرنا ہوگا کہ دونوں کی جنس ایک ہے یا الگ الگ؟۔ ظاہر ہے کہ ثمنیت میں دونوں کے اشتراک کے باوجود اس معنی کر دونوں الگ الگ ہیں کہ ایک کی ثمنیت خلقی ہے اور دوسرے کی اعتباری و اصطلاحی۔ لیکن کیا اس کی وجہ دونوں دو الگ الگ جنس شمار کئے جائیں گے؟ اس کیلئے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کا جنس کا اختلاف کن باتوں سے متحقق ہوتا ہے؟۔

جنس کا اختلاف درج ذیل امور سے متحقق ہوجا تا ہے۔

دونوں نام اور حقیقت و ماہیت میں الگ الگ ہوا گرچہ دونوں کا مقصود ایک ہو، جیسے گیہوں اور جو۔

دونوں کی اصل الگ الگ ہوا گرچہ دونوں ایک نام سے جانے جاتے ہوں، جیسے انگور اور کھجور کا سرکہ کہ دونوں ہم نام ہے؛ مگر دونوں کی اصل الگ الگ ہے۔

دونوں میں مقاصد کا اختلاف ہو، جیسے شعر معز اور صوف ضأن میں، کہ معز و ضان کے گوشت اگرچہ جنس واحد شمار ہوتے ہیں؛ مگر دونوں کے بال کے مقاصد الگ الگ ہیں، اسی طرح لحم و شحم دو جنس ہے۔

"فصار ما یوجب اختلاف الامور المتفرعة ثلاثة اشیاء۔ اختلاف الاصول و اختلاف المقاصد و زیادة الصنعة" (فتح القدیر، البیوع، باب الربا ۷/۳۵)۔

اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے نوٹ اور سونے چاندی میں جنس کا اختلاف واضح ہوجاتا ہے، کیونکہ دونوں کی اصل اور ماہیت الگ ہے ہی، مقصود بھی الگ ہے، سونا چاندی کا مقصود جہاں زر مبادلہ وہیں تزین اور زینت بھی ہے جبکہ نوٹ میں یہ بات نہیں ہے۔

جب صورتحال یہ ہے کہ دونوں دو مختلف جنس ہیں تو اگر روپیوں سے سونا چاندی خریدا جائے تو ربا کی کوئی علت نہ پاجانے کی وجہ سے تفاضل و نسیئة دونوں جائز ہوگا۔ یعنی اس تبادلہ میں باہمی رضامندی سے جس مقدار پر عاقدین راضی ہوجائیں، جائز ہوگا؛ کیونکہ دونوں الگ الگ جنس ہیں اور قدر کا اتحاد بھی نہیں ہے، کہ ایک وزنی ہے اور دوسرا عددی تو نسیئة بھی جائز ہوگا (دیکھئے: فتاوی محمودیہ

۲۳/ ۵۳۹)، البتہ یہ ضروری ہے کہ احد البدلین پر قبضہ ہوجائے تا کہ افتراق عن دین بدین لازم نہ آئے۔ نیز نوٹ فلوس کے زیادہ مشابہ ہے اور فلوس سے سونا چاندی کے تبادلہ میں نقد و ادھار دونوں جائز ہے، لہذا اس پر قیاس کرتے ہوئے اس صورت میں بھی نقد ادھار جائز ہوگا۔ علامہ کاسانی یہ مسئلہ بیان کرتے ہوئے کہ اگر متعین درہم یا دینار سے متعین فلوس کا تبادلہ کرے تو یہ دراہم و دنانیر اور فلوس متعین نہیں ہوتے، البتہ عقد کے صحیح ہونے کے لئے مجلس میں قبضہ ضروری ہے، فرماتے ہیں:

"ولو لم يوجد القبض إلا من أحد الجانبين دون الاخر فافترقا مضى العقد على الصحة لأن المقبوض صار عينا بالقبض فكان افتراقا عن عين بدين وانه جائز إذا لم يتضمن ربا النساء ولم يتضمن ههنا لانعدام القدر المتفق والجنس" (بدائع ۴/ ۴۸۷)۔

(اور اگر صرف ایک جانب سے قبضہ ہوجائے تو عقد صحیح ہوجائے گا اس لئے کہ مقبوض قبضہ کی وجہ سے عین بن چکا پس یہ افتراقِ عین بالدین ہوا اور جب ربا ءنسیئہ نہ ہو تو یہ جائز ہے اور یہاں ربا ءنسیئہ موجود نہیں ہے کیونکہ قدر و جنس مفقود ہے)۔

"ثم فرق بين بيع الدراهم بالدراهم وبين بيع الفلوس بالدراهم أو الدنانير حيث لم يشترط في بيع الفلوس بالدراهم أو الدنانير قبض البدلين قبل الإفتراق ويكتفى قبض أحد البدلين" (ہندیہ، الصرف، الباب الاول قبیل الفصل الاول)۔

(پھر دراہم کے دراہم سے تبادلہ میں اور فلوس کے دراہم دنانیر سے تبادلہ میں فرق ہے کہ دوسری شکل میں افتراق سے پہلے بدلین پر قبضہ ضروری نہیں، احد البدلین پر قبضہ کافی ہے)۔

(ب) جب یہ بات طے ہوگئی کہ روپیوں سے سونا چاندی کی خرید وفروخت میں تفاضل نسیئہ دونوں جائز ہے اور اس سلسلے میں عاقدین جس ثمن پر راضی ہوجائیں معاملہ صحیح ہوگا تو حکومت کے متعین کردہ نرخ سے کمی زیادتی کرنے میں مسئلہ کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑیگا اور نرخ متعین کی مخالفت کرنے باوجود یہ عقد صحیح ہوگا اور زیادتی حلال ہوگی۔ مثلاً مارکیٹ میں دس گرام سونا کا دام دس ہزار طے ہے؛ لیکن عاقدین دس گرام سونا کو پانچ ہزار یا پندرہ ہزار میں خرید وفروخت پر راضی ہوجاتے ہیں تو اسے ربا نہیں کہیں گے اور یہ زیادتی اس کے لئے جائز ہوگی۔ یہ اور بات ہے کہ حکومت کے متعین کردہ قیمت کی خلاف ورزی میں اگر قانون شکنی کا خطرہ ہے تو ایسا کرنا ممنوع ہے۔

درحقیقت اس مسئلہ کا تعلق تسعیر سے ہے۔ تسعیر کا مطلب یہ ہے کہ بادشاہ یا اس کا نائب یا بازار کے ذمہ داران سامانوں کی متعینہ قیمت طے کردیں اور بازار والوں کو یہ ہدایت جاری کردیں کہ مقررہ قیمت سے زائد قیمت پر سامان فروخت نہ کریں۔ کمی بیشی پر بالکل پابندی لگادی جائے الا یہ کہ کوئی مصلحت سامنے آجائے۔

تسعیر بالاتفاق حرام ہے کیونکہ لوگوں کو اپنے اموال میں تصرف کرنے کے سلسلے میں شرعاً جو آزادی ہے، تسعیر کے ذریعہ اس کی آزادی ختم کرکے اس پر پابندی عائد کردی جاتی ہے، اس طرح جہاں معاملات کرنے میں عاقدین کی رضامندی ختم ہوجاتی ہے، وہیں تسعیر کے ذریعہ ایک فریق ظلم کا شکار ہوجاتا ہے، البتہ بعض مخصوص شرائط کے ساتھ اس کی اجازت بھی ہے۔

اس سے قطع نظر کہ کن حالات میں اور کن شرطوں کے ساتھ تسعیر کی اجازت ہے اور اس کے دائرے میں کیا کیا چیزیں آتی ہیں، اگر حکومت سامانوں کے دام طے کردے اور لوگوں کو اسی متعینہ قیمت میں بیع وشراء کا پابند بنادے تو بھی حنفیہ، حنابلہ اور شافعیہ کا اصح قول یہی ہے کہ جو شخص تسعیر کی مخالفت کرتے ہوئے عقد بیع کرے تو اس کی بیع درست ہے۔ اور اس کا یہ معاملہ سود کے زمرے میں نہیں آئیگا؛ اس لئے کہ کسی کو اپنی مملوکہ چیز کسی معین قیمت پر فروخت کرنے کا پابند بنانا مشروع نہیں ہے، البتہ قانون کی مخالفت کر کے اپنی جان وعزت کو خطرے میں ڈالنا شرعاً ممنوع ہے۔ "ولاتلقوا بایدیکم الی التھلکة"(تفصیل دیکھئے: موسوعہ فقہیہ کویت اردو، تسعیر)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب اسی طرح کے ایک مسئلہ کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: اگر اس (سرکاری طور پر مقرر کردہ) نرخ سے کم وبیش مقرر کیا جائے تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر ملک ایسا ہے جہاں سرکاری طور پر مقرر کردہ نرخ کی مخالفت قانوناً جائز نہیں ہے تو وہاں اس نرخ سے کمی بیشی کرنا سود تو نہیں ہوگا لیکن ملکی قوانین کی مخالفت اور اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنے کی بناء پر جائز نہیں ہوگا۔ (فتاوی عثمانی ۳/ ۱۴۸)

۲-سونا دیکر زیور بنانے کا معاملہ:

(الف)۔ جب زیور بنانے والے کاریگر نے زیور کے تاجروں سے ایک متعینہ مقدار میں سونا لیا اور کچھ دنوں میں زیور بنا کر اسی مقدار میں اسے واپس کیا ہے جتنی مقدار اس نے سونا لیا تھا تو اس معاملہ کو بیع تصور کیا جائے یا اجارہ بہرصورت یہ معاملہ شرعاً ناجائز ہوگا۔

اگر اسے بیع تصور کرتے ہیں تو یہ سونے کا سونے سے تبادلہ ہے جس میں برابری اور نقد معاملہ ضروری ہوگا نیز زیور میں کاریگری کی بنیاد پر تفاضل کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس سلسلے میں جمہور فقہاء کی رائے یہ موسوعہ میں یہ ہے: "**وجمهور الفقهاء على أنه لا اعتبار بالصياغة والصناعة أيضا فيدخل فى إطلاق المساوات المصوغ بالمصوغ والتبر بالآنية. فعين الذهب والفضة وتبرهما ومضروبهما وغير المضروب منهما والصحيح منهما والمكسور كلها سواء فى جواز بيعهما مع التماثل فى المقدار وتحريمه مع التفاضل**" (موسوعہ/الصرف/شروط الصرف/انواع الصرف/رقم ۲۲) (کہ مساوات میں ڈھلائی اور کاریگری کا بھی اعتبار نہیں، لہذا مطلق مساوات میں ڈھلے ہوئے کو ڈھلے ہوئے کے عوض اور تبر (جو ڈھلا ہوا نہ ہو) کو برتن کے عوض فروخت کرنا داخل ہے، لہذا بعینہ سونا چاندی، ان کے ڈلے، ڈھالے ہوئے اور بغیر ڈھلے ہوئے ان دونوں میں صحیح سالم اور ٹوٹے ہوئے مقدار میں برابری کے ساتھ ان کی بیع جائز ہونے اور کمی بیشی کے ساتھ حرام ہونے میں سب برابر ہے، حتی کہ اگر چاندی کے برتن کو چاندی کے عوض یا سونے کے برتن کو سونے کے عوض فروخت کرے جن میں سے ایک کا وزن دوسرے سے زیادہ ہو تو ناجائز ہے)۔

جہاں تک زیور میں دوسرے دھاتوں کی آمیزش کی وجہ سے وزن کی کمی کا تعلق ہے تو یہ درحقیقت خالص سونے کے اعتبار سے وزن کی کمی ہے لیکن تاجر کی طرف سے دیئے گئے سونا اور کاریگر کی طرف سے دیئے گئے زیور کا وزن برابر ہے اس طرح خالص

سونے میں کمی کے باوجود یہاں مساوات موجود ہے، البتہ زیور میں دوسری دھات کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ یہ زیور مغلوب الغش سونے کے دائرہ میں آئے گا جو خالص سونا کے حکم میں ہوتا ہے، نیز تھوڑے بہت ملاوٹ سے کوئی زیور خالی نہیں ہوتا؛ کیونکہ زیور بنانے کے لئے اس کی آمیزش ضروری ہوتی ہے، لہذا وہ معدوم کے درجہ میں ہوگا۔ علامہ کاسانی فرماتے ہیں: "**فإن كانت الفضة فيها هی الغالبة...... فحكمها حكم الفضة الخالصة لايجوز بيعها بالفضة الخالصة الا سواء بسواء ...... لأن اعتبار الغالب والحاق المغلوب بالعدم هو الأصل فی أحكام الشرع ولأن الدراهم الجياد لاتخلو عن قليل غش لأن الفضة لاتنطبع بدونه على ماقيل فكان قليل الغش مما لا يمكن التحرز عنه فكانت العبرة للغلبة**" (بدائع ۴/۴۲۳، وکذا فی الموسوعۃ، الصرف، انواع الصرف، النوع السادس، رقم: ۴۱)۔

(اگر زیور میں چاندی ہی غالب ہو...... تو اس کا حکم خالص چاندی کا ہوگا کہ اس کی بیع خالص چاندی سے برابری کے علاوہ جائز نہیں ہوگی ...... کیونکہ شریعت میں غالب کا اعتبار کرنا اور مغلوب کو معدوم ماننا ہی اصل ہے، نیز خالص اور عمدہ درہم بھی تھوڑے کھوٹ سے خالی نہیں ہوتے، کیونکہ اس کے بغیر وہ ڈھل نہیں سکتے، پس تھوڑے کھوٹ سے بچنا ممکن نہیں ہے، لہذا اعتبار غلبہ کا ہوگا)۔

الغرض جب زیور بنانے والے کاریگر اور زیور تاجر کے درمیان ہونے والے اس معاملہ کو بیع تصور کیا جائے تو یہ معاملہ بیع صرف کا ہوتا ہے جس میں مساوات اور نقد معاملہ ہونا ضروری ہے۔ یہاں کاریگر نے چونکہ اتنی مقدار کا زیور تاجر کے حوالہ کردیا ہے جتنا اس نے لیا تھا اس طرح مساوات اور وزن میں برابری کا تحقق ہوگیا، لیکن یدا بید نہیں ہوسکا اور عاقدین کا ایک ہی مجلس میں قبضہ نہیں ہوا اس لئے یہ شکل ناجائز ہوگی۔

اور اگر اسے عقد اجارہ پر محمول کیا جائے اور زیور بنانے میں سونے کے جو ذرات بچے ہیں اسے کاریگر کی اجرت مان لی جائے تب بھی یہ معاملہ جائز نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ عقد اجارہ میں ضروری ہے کہ اجیر کی اجرت متعین ہو، اور عند العقد مستاجر اس کی ادئیگی پر قادر ہو، نیز اجرت اجیر کے عمل سے حاصل نہ ہوئی ہو۔ اور یہاں یہ باتیں موجود نہیں ہیں، کیونکہ اگر اس بچے ہوئے ذرات کو اجرت مانا جائے تو اس کی مقدار کا علم نہیں ہے کہ کیا ہوگا؟۔ کبھی ذرات زیادہ نکلیں گے اور کبھی کم، کہ زیور بنانے میں کسی خاص متعین مقدار سے ذرات نکالنا ممکن نہیں ہے، نیز یہ ذرات وقت عقد موجود نہیں ہیں اور اجیر کے عمل کے نتیجے میں حاصل ہورہے ہیں پس یہ قفیز طحان کی شکل ہوگی اس لئے اجارہ فاسد ہوگا۔ قفیز طحان یہ ہے کہ کسی کو گندم پینے کے لئے دی جائے او اسی گیہوں کے آٹا سے ایک کیلو یا کوئی متعین مقدار اجرت طے ہو۔ اس کی ممانعت ہے۔

"**استأجر بغلا ليحمل طعامه ببعضه او ثورا ليطحن بره ببعض دقيقه فسدت فی الكل لانه استأجره بجزء من عمله۔ والأصل فی ذلک نهيه ﷺ عن قفيز الطحان۔ قوله بجزء من عمله: ای ببعض ما يخرج من عمله والقدرة على التسليم شرط وهو لايقدر بنفسه**" (درمع الشامی، کتاب الاجارۃ، باب الاجارۃ الفاسدۃ ۶/۳۵ نعمانی)۔

(ب) جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اسے عقد اجارہ مان کر بچے ہوئے ذرات کو اجرت نہیں مان سکتے کیونکہ یہ قفیز طحان کی شکل ہوتی ہے، البتہ اس بچے ہوئے ذرات کی مقدار کو عند العقد مطلقاً اجرت مقرر کرلیا جائے تو اسے اجرت بنانا درست ہوگا۔ جس کی شکل یہ

ہے کہ سونا تاجروں کاریگروں کواپنے تجربات کی روشنی میں اتنا اندازہ ہوگا کہ اس سونا کو زیور بنانے سے کتنی مقدار ذرات کے بچیں گے، لہذا اجرت میں سونے کی کوئی متعین مقدار طے کرلی جائے کہ مثلا دو گرام یا تین گرام اس کی اجرت ہوگی پھر اگر سونے کی وہ مقدار اس بچے ہوئے ذرات سے پورے ہوجائیں تو فبہا ورنہ تاجر اتنی مقدار مکمل کرے۔

"**فلو استأجر طحانا ليطحن له هذه الحنطة بقفيز من الدقيق ولم يقل بقفيز من ذلك الدقيق جاز له، لأنه لم يجعل الأجر من دقيق هذه الحنطة والقفيز معلوم**" (الشاملۃ،فتاوی قاضی خان)۔

یا یہ کہ یہ معاملہ دست بدست کرے اس طور پر کہ اگر کاریگر کے پاس پہلے سے تیارشدہ مطلوبہ معیار کے مطابق زیور موجود ہوتو اس سے تبادلہ کرلے یا پھر تاجر اس کاریگر کو پیشگی اپنے بیع کی اطلاع دیدیا کرے کہ وہ فلاں شکل وصورت اور وزن کا سامان اس سے خریدنا چاہتا ہے اور کاریگر اس کے موافق اپنے پاس وہ زیور مہیا کرلے پھر وہ معاملہ ہو۔ دوسری صورت یہ ہے تاجر اس کاریگر سے سونا کسی متعینہ رقم کے بدلے ادھار فروخت کرے اور سونا اس کے حوالہ کردے تاکہ احدالبدلین پر قبضہ ہوکر یہ معاملہ درست ہوجائے (کمامر) پھر زیور کی تیاری کے بعد ازسرنو معاملہ کرکے تاجر اس کاریگر سے اس رقم کے بدلے جو اس ذمہ میں ہے زیور خریدلے۔

۳- نئے پرانے زیور کا آپس میں کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ:

درحقیقت اس میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ آیا پرانے زیور کا کم دام لگانا محض اس بنیاد پر ہے کہ وہ پرانا ہے، باقی وہ نئے زیور کے مماثل ہے؟ تو ظاہر ہے کہ نقدین کے باہم جنس تبادلہ میں عمدگی وغیر عمدگی کا اعتبار نہیں ہوتا ہے۔ جیدھا وردیئھا سواء۔ اور اگر یہ فرق اس لئے ہے کہ پرانے زیور میں دوسرے دھات کی آمیزش زیادہ ہے تو اگر یہ آمیزش مغلوب اور نقد غالب ہے تو اس کا حکم بھی خالص سونا کا ہے جیسا کہ اس سے قبل گذرا اور اس صورت میں بھی نئے اور پرانے زیور کا کمی زیادتی کے ساتھ معاملہ کرنا جائز نہیں ہوگا، اور اگر اس پرانے زیور میں کھوٹ غالب ہے تو اس صورت میں غالب کا اعتبار کرکے وہ زیور عروض کے حکم میں ہوگا، لہذا اس کو خالص کے عوض فروخت کرنا جائز ہوگا بشرطیکہ خالص اس سونا سے زیادہ ہو جو کھوٹ والے زیور میں موجود ہے تاکہ کھوٹ والے میں موجود سونا کی مقدار کے مثل خالص میں سے ہوجائے اور زائد کھوٹ کے عوض ہوجائے، اور اگر خالص سونا کھوٹ زیور میں ملے سونا کا برابر یا کم ہو یا برابری کا علم نہیں ہوتو یہ بیع درست نہیں ہوگی؛ کیونکہ پہلی اور دوسری صورت میں سود ہوگا اور تیسری صورت میں سود کا احتمال ہوگا اور باب ربا میں شبہ کو حقیقت کا حکم ہوتا ہے (دیکھئے: موسوعہ فقہیہ کویت اردو ۲۶/ ۳۸۹)۔

جواز کی شکل: یہاں بھی اگر براہ راست زیورات کا آپس میں معاملہ کرنے کے بجائے متعین رقم سے تبادلہ ہوتو آسانی کے ساتھ یہ معاملہ درست ہوجائے گا۔

۴- کمیوڈیٹیز ایکسچینج سے سونا چاندی کی خریداری:

کمیوڈیٹیز ایکسچینج جہاں سونا چاندی پیتل اور دیگر دھاتوں کی خرید فروخت آن لائن ہوتی ہے یا اس طرح کے آن لائن تجارتی ادارے عام طور سے شرعی جواز کے دائرے میں نہیں آتے؛ کیونکہ اس میں عقود کے شرعی شرائط کا کوئی لحاظ نہیں ہو پاتا ہے، یہ ادارے خرید فروخت اور سرمایہ کاری کے لئے کم اور نفع نقصان کو برابر کرنے کے لئے زیادہ استعمال ہوتے ہیں۔

کمیوڈٹیز ایکسچینج سے اگر سونا محض خریدا جائے اور اسے آگے فروخت کرنے کا ارادہ نہیں ہو تو ظاہر ہے کہ روپے سے سونا چاندی ادھار خریدنا جائز ہے، لہذا اگر روپے کی ادائیگی نقد کردی گئی ہے تو بغیر قبضہ کے بھی بیع صحیح ہوگی کیونکہ قبضہ بیع کی صحت پر اثر انداز نہیں ہوتا ہے۔ لیکن یہاں کچھ دشواری ہوتی ہے۔

۱- اگر مشتری سونا حاصل کرنا چاہے تو کیا یہ ادارہ اسے سونا فراہم کرائے گا؟۔

۲- اگر مشتری اس مبیع پر اپنا قبضہ برقرار رکھنا چاہے اور آگے اسے فروخت کرنا نہیں چاہے تو کیا اسے اس کی اجازت ہوگی؟، یعنی یہ عقد دائمی ہوگا یا مؤقت؟۔

۳- کیا مشتری اس خریداری میں پوری قیمت یکمشت ادا کردیتا ہے یا محض کچھ رقم بطور پیشگی ادا کرتا ہے۔ اگر پوری رقم کی ادائیگی یکمشت نہیں ہوتی تو کیا سونا پر فی الفور معاملہ کرتے وقت قبضہ دلا دیا جاتا ہے یا اس میں تاخیر ہوتی ہے؟۔

ان اداروں کی صورتحال یہ ہے کہ اگر مشتری نے ایک متعینہ مدت تک اس سامان کو آگے فروخت نہیں کیا تو دلال کی طرف سے اس پر ہرجانہ عائد ہوسکتا ہے یا پھر اسے اپنی مدت بڑھانے کے لئے دلال سے از سر نو معاملہ کرنے کی نوبت آئیگی اور اس صورت میں نفع ونقصان کا معاملہ برابر کرنا پڑے گا، اگر اس وقت اس کی قیمت بڑھ گئی ہے تو اسے وہ زیادتی مل جائیگی اور اگر کم ہوگئی ہے تو نقصان ادا کرنا پڑیگا۔ یعنی شروع سے یہ بات طے ہوتی ہے کہ اس مبیع کو ہمیشہ کیلئے آپ نہیں رکھ سکیں گے اور ایک خاص مدت کے بعد اسے کسی دوسرے بائع سے فروخت کرنا ہوگا۔ یہ شرط فاسد ہے جس کی وجہ سے بیع کی صحت پر اثر پڑتا ہے کیونکہ بیع میں ثمن تو مبیع کے مقابلہ میں ہوتا ہے اور شرط لگانے کی وجہ سے احد المتعاقدین کا فائدہ ہوتا ہے جو من غیر عوض ہے جو ربا کے حکم میں ہوگا۔ ''لأن الشرط الفاسد إنما يؤثر في البيع لأنه يمكن الربا فيه'' (بدائع ۴/۵۹۴ زکریا)، نیز اس سے مشتری خودمختاری متأثر ہوتی ہے اور مبیع پر اس کی ملکیت ثابت ہوجانے کے بعد بھی اپنی مرضی کے مطابق اس میں تصرف نہیں کرسکتا۔ اسی طرح اگر مشتری مبیع کا خواہاں ہوجائے تو شاید و باید اسے مبیع مل سکے۔ پس اگر یہ محض الفاظ کی بیع ہو اور حقیقی مبیع کا کوئی پتہ نہیں ہو، مبیع کے نام پر محض چند کوڈ مل جائے یا مشتری بااختیار نہیں ہوسکے تو ظاہر ہے یہ معاملہ محض ہوائی ہوگا اور گویا نفع نقصان کے برابر کرلینے والا معاملہ ہوگا جو کہ قمار پر مشتمل ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہوگا۔

الغرض اگر اس معاملہ میں بیع کی صحت ونفاذ کو متأثر کرنے والی کوئی بات نہیں پائی جاتی جو تقاضائے عقد کے خلاف ہو اور کئی سونا خریداروں کا حصہ سونے کی اینٹ میں موجود ہے، ہر ایک کا حصہ الگ نہیں ہو تو اسے قبضہ مانا جائے یا نہیں؟۔

قبضہ کی حقیقت جیسا کہ کتب فقہ سے واضح ہے اور خود اکیڈمی کے نویں سمینار کے فیصلہ میں موجود ہے کہ ''قبضہ اصل میں مبیع پر خریدار کے استیلاء کا نام ہے کہ مبیع پر اس کے تصرف میں کوئی مانع باقی نہ رہے''۔ اسی لئے فقہاء کرام کے یہاں قبضہ کے صحیح ہونے کی شرطیں ہیں، احناف کے یہاں ایک شرط یہ ہے کہ شئی مقبوض حق غیر کے ساتھ مشغول نہیں ہو مثلاً مکان پر مشتری کو قبضہ دلانا ہے اور اس میں بائع کا سامان موجود ہے تو جب تک وہ سامان نکال نہیں لیتا قبضہ صحیح نہیں ہوگا۔

ایک شرط یہ ہے کہ شئی مقبوض حق غیر سے منفصل اور ممتاز ہو مثلاً درخت پر قبضہ اس کے پھل کے بغیر یا پھل پر قبضہ درخت

کے بغیر صحیح نہیں ہوگا۔

اسی طرح قبضہ کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ شئی مقبوض حصہ شائع نہیں ہو کیونکہ قبضہ کا اصل مقصد اس شئی میں تصرف کرنا ہے اور جزو شائع میں دوسرے کا حق متعلق ہونے کی وجہ سے ایسا ممکن نہیں ہوگا (الموسوعۃ الفقہیۃ، القبض، شروط صحۃ القبض، رقم: ۲۸ الی ۳۰)۔

یہ بھی امر واقعہ ہے کہ قبضہ کی شرعا کوئی متعین شکل نہیں ہے ہر چیز کا قبضہ اس کے حساب سے ہوگا، چنانچہ اکیڈمی کے نویں سمینار میں یہ بھی فیصلہ ہے کہ ”کتاب وسنت میں قبضہ کی حقیقت اور اس کی کوئی خاص صورت مقرر نہیں کی گئی ہے، گویا شریعت نے اس مسئلہ میں مسلمانوں کے عرف کو اصل قرار دیا ہے، لہذا ہر عہد کے مروجہ طریقوں اور اشیاء کی مختلف انواع کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت متعین ہوگی“۔

اس تفصیل کی روشنی میں:

(الف)۔ اگر مشتری سے سونا خریدنے والے ادارے سے سونا خرید تو لیا مگر اس کا سونا سونے کی اینٹ میں شامل ہے اور اسے الگ نہیں کیا گیا ہے تو اس پر خریدار کا قبضہ نہیں سمجھا جائیگا کیونکہ مبیع ممتاز اور فارغ عن حق الغیر نہیں ہے بلکہ جزو شائع کی شکل میں ہے جس سے انتفاع بحالت موجودہ ممکن نہیں۔

(ب)۔ اور اگر خریدی ہوئی مقدار کا سونا الگ موجود ہے اس طرح کہ اگر خریدار اس مبیع کو حاصل کرنا چاہے تو اسے فراہم کیا جاسکے، محض کاغذی خانہ پری نہیں ہو رہی ہے، نیز مبیع کے تعلق سے تمام حقوق اور ذمہ داریاں مشتری کی طرف منتقل ہوجائیں، پھر بیع کو متاثر کرنے والی کوئی دوسری بات موجود نہیں ہو اور اس کو کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں خریدار کے نام سے درج کرلیا گیا تو اس اندراج کو قبضہ کے لئے کافی تصور ہونا چاہئے؛ کیونکہ جیسا کہ گذرا کہ ہر عہد کے مروجہ طریقوں اور اشیاء کی مختلف انواع کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت ہوتی ہے اور اس طرح کے تجارتی اداروں میں قبضہ کی نوعیت تقریبا یہی ہوتی ہے کہ تمام ریکارڈ مشتری کے نام کردیا جائے اور ساری ذمہ داری اس کی طرف منتقل کردی جائے۔ لیکن دوسری طرف صورتحال یہ ہے کہ یہاں قبضہ حسی ممکن ہے۔ جب اس کے حصہ کی مبیع کو بسکٹ سے الگ کرکے اس کی مقدار بنائی جاسکتی ہے تو اس پر حسی طور پر قبضہ بھی آسانی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔ اگر قبضہ حسی ممکن نہیں ہوتا تو اس شکل کو قبضہ کے لئے کافی ہونے کی گنجائش ہوسکتی تھی جیسا کہ حاضر سودے میں شیئرز کی خریداری کے وقت حسی قبضہ ناممکن ہونے کی وجہ سے اس کی سرٹیفکٹ پر قبضہ کو کافی تصور کیا جاتا ہے (دیکھئے: نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے رص ۱۲۵)۔ یہاں تو حسی قبضہ ممکن ہے، علاوہ ازیں شیئرز کے قبضہ میں کم از کم سرٹیفکٹ پر مشتری کا قبضہ ہوجاتا ہے جبکہ قبضہ کے نام پر ایسی کوئی چیز موجود نہیں ہوئی، اس کے علاوہ اگر حکمی قبضہ کو ہی کافی مانا جائے تو بقول مفتی تقی عثمانی صاحب ”کرنسی کے حکمی قبضے کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ کرنسی کی قیمت بڑھنے یا گھٹنے کا نقصان متعلقہ شخص کے ذمے ہوجائے بلکہ قبضہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ خریدی ہوئی کرنسی غیر خرید شدہ کرنسی سے بالکل ممتاز کرکے الگ کرلی جائے، اور خریدار یا تو خود قبضہ کرے یا اس کا کوئی وکیل اس کی طرف سے اسے اپنی تحویل میں اس طرح لے لے کہ وہ متعینہ کرنسی جل جائے یا چوری ہوجائے تو نقصان خریدار کے ذمے سمجھا جائے ...... (کیونکہ) شرعی اعتبار سے کرنسی اور دوسری اجناس کی تعیین میں یہ فرق ہے کہ دوسری اجناس اشارے یا علامتوں سے متعین ہوسکتی ہیں؛ لیکن کرنسی اس وقت تک متعین

نہیں ہوتی جب تک کہ اس پر کوئی شخص خود یا اپنے نمائندے کے ذریعے قبضہ نہ کرلے (فتاویٰ عثمانی ۳/۱۵۷)۔

پھر یہ کہ اگر اسے قبضہ تصور کرلیا جائے تو ان اداروں میں غیر معمولی شرعی بے احتیاطیوں کے پیش نظر عین ممکن ہے کہ اس تقسیم واندراج کے بغیر کبھی مبیع کو آگے فروخت کردیا جائے جس سے قمار کا دروازہ کھلنے کا غالب امکان ہے، اس لئے اس صورت کو بھی قبضہ ماننا بڑا دشوار معلوم ہوتا ہے۔

۵-نفع نقصان برابر کرنے کا معاملہ:

وہ کاروبار جس میں جنس لینے دینے کے بجائے قیمتوں کا فرق کرکے نفع کمایا جاتا ہو محض قمار اور جوئے کی شکل ہے جو کہ حرام ہے، سونے کی صورتحال بھی یہی ہوگی کہ اگر سونا مستقبل کی کسی تاریخ پر ادھار خریدا جائے اور اس تاریخ کے آنے کے بعد مبیع کو حوالہ کرنے اور اس پر قبضہ کرنے کے بجائے قیمتوں کا فرق دیکھ کر نفع نقصان کو برابر کرلیا جائے کہ اگر اس متعینہ تاریخ میں سونا کی قیمت بڑھ گئی ہے تو بائع سونا دینے کے بجائے مشتری کو متعینہ قیمت سے بڑھی ہوئی رقم حوالہ کردے یا اگر قیمت کم ہوگئی ہے تو اس نقصان کو حاصل کرلے اور اس طرح نفع نقصان کو برابر کرکے معاملہ کو ختم کرلیا جائے، یہ شکل جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ کھلا ہوا جوا ہے۔

۶-سونا تاجر اگر قیمت میں متوقع اضافہ کے پیش نظر سونا روک لے:

شرعاً اس طرح کے معاملات کو احتکار کہا جاتا ہے۔ احتکار غلہ اور اس جیسی ضروریات زندگی خرید کر گرانی کے زمانے تک روکے رکھنے کا نام ہے۔ اور اس کا تحقق امام ابوحنیفہ، امام محمد، فقہاء شافعیہ اور فقہاء حنابلہ کے نزدیک صرف غذائی اجناس اور جانوروں کے چارے میں ہوتا ہے (موسوعۃ فقہیہ اردو، احتکار)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ نے لکھا ہے: "**والخلاصة أن جمهور الفقهاء خصوا الاحتكار بالقوتين (قوت الناس وقوت البهائم) نظرا للحكمة المناسبة للتحريم وهي دفع الضرر عن الناس والأغلب في ذلك إنما يكون في القوتين**" (الشاملۃ، الفقہ الاسلامی وادلتہ، الجزء الرابع، المبحث الخامس، سابعا الاحتکار) (خلاصہ یہ ہے کہ جمہور فقہاء نے تحریم کی حکمت یعنی ضرر سے لوگوں کو بچانے کے پیش نظر احتکار کو انسانوں اور چوپایوں کے غذائی اشیاء کے ساتھ خاص کیا ہے، کیونکہ عام طور سے غذائی اشیاء میں ہی ضرر کا تحقق ہوتا ہے)۔

احناف میں حضرت امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کا موقف بھی یہی ہے اور فتوی انہی کے قول پر ہے۔ "**والتقييد بقوت البشر قول أبي حنيفة ومحمد وعليه الفتوى كذا في الكافي**" (شامی، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی البیع ۵/۲۵۵)۔

البتہ امام محمد سے ایک روایت کپڑوں میں احتکار کا بھی ہے۔ "**وعن محمد الاحتكار في الثياب**" (شامی/ایضاً)۔

نوٹ: امام محمد کا کپڑوں میں احتکار کا قول موسوعہ فقہیہ کویت عربی میں موجود ہے۔ عبارت یہ ہے: "**الاتجاه الثالث أنه لا احتكار إلا في القوت والثياب خاصة وهذا قول لمحمد بن الحسن**" (احتکار، ما یجری فیہ الاحتکار، رقم: ۷)، اسی طرح اردو ترجمہ میں (۲/۱۶۴) پر یہی درج ہے، نیز شامی نے بھی ابن کمال (احمد بن سلیمان بن کمال پاشا) کے حوالہ سے یہی لکھا ہے (کمامر)، جبکہ ہدایہ، عنایہ، فتح القدیر، الجوہرۃ النیرۃ وغیرہ کتابوں میں امام محمد کی روایت "**لا احتكار في الثياب**" کا ہے نہ کہ "**الاحتكار**

فی الثیاب" کا۔

امام ابو یوسفؒ کا اس سلسلہ میں قول یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کی کمی انسانی مضرت کا باعث ہو اس کی ذخیرہ اندوزی احتکار میں شامل ہے، خواہ اس کا تعلق غذائی اجناس سے ہو، کپڑے سے ہو یا دراہم ودنانیر سے؛ کیونکہ کراہت کی بنیادی وجہ یہی ہے۔

"وتخصيص الاحتكار بالأقوات قول الإمام والثالث وقال أبويوسف :كل ما يضر العامة فهو احتكار بالأقوات كان أو ثيابا او دراهم أو دنانير اعتبارا لحقيقة الضرر لأنه هو المؤثر فى الكراهة"(البحر، الکراہیۃ، فصل فی البیع ۸/۳۷۰)۔

صاحب ہدایہ نے ان دونوں قولوں کی بڑی اچھی توجیہ کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:"فأبو يوسف رحمه الله اعتبر حقيقة الضرر اذهو المؤثر فى الكراهة وأبوحنيفة رحمه الله اعتبر الضرر المعهود المتعارف"(ہدایہ علی الفتح، الکراہیۃ، فصل فی البیع ۱۰/۶۹)(امام ابو یوسفؒ نے حقیقت ضرر کا اعتبار کیا ہے جبکہ امام صاحبؒ نے عام طور سے پیش آنے والے ضرر کا اعتبار کیا ہے)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ لوگوں کو اپنی ملکیت میں تصرف کرنے اور انہیں روکے رکھنے کا پورا حق ہے؛ لیکن جن چیزوں کے روکے رکھنے سے ضرر عام کا اندیشہ ہو اس کا روکنا مخصوص شرائط کے ساتھ احتکار میں داخل ہے اور اس کی بنیادی علت ضرر عام سے لوگوں کو بچانا ہے۔ نصوص میں احتکار کے باب میں جو کچھ وارد ہے یا تو وہ عام ہیں یا اس میں غذائی اجناس کا تذکرہ موجود ہے۔ جمہور فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ جب ایک مسئلہ میں بعض نصوص عام اور بعض خاص ہوں تو عام کو خاص پر محمول کرلیا جاتا ہے، اس لئے گویا احتکار کے باب میں وارد ہونے والی تمام نصوص کا تعلق غذائی اجناس سے ہوگا؛ کیونکہ ضرر عام اسی سے زیادہ لاحق ہوتا ہے۔ جبکہ حضرت امام ابو یوسفؒ نے عموم والی نصوص سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ انسانی ضرورتوں میں داخل کسی بھی اشیاء سے ضرر لاحق ہوسکتا ہے اور جو نصوص خاص وارد ہیں ان میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہیں کہ ان میں ذکر اشیاء کے علاوہ احتکار نہیں ہو؛ لہذا ہر وہ چیز جو انسانی مضرت کا باعث ہو اس کی ذخیرہ اندوزی احتکار میں داخل ہے۔ اور صاحب ہدایہ کی ماقبل میں ذکر کردہ توجیہ کے مطابق امام ابو یوسفؒ نے حقیقتِ ضرر کا اعتبار کیا ہے، کیونکہ احتکار کی تحریم کی اصل علت ضرر ناس ہی ہے؛ لہذا جہاں یہ علت پائی جائے وہاں حکم موجود ہوگا، جبکہ حضرات طرفین نے غذائی اجناس میں جو احتکار کو منحصر کیا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ عام طور سے ضرر عام اسی میں معہود ومعروف ہے جس سے یہ واضح ہے کہ اگر اس کے علاوہ اشیاء میں بھی ایسا ہونے لگے تو حضرات طرفین کے اصول کے مطابق اسے بھی احتکار کے دائرہ میں داخل ہونا چاہئے، چنانچہ خود امام محمد کی ایک روایت کپڑوں میں احتکار کے تعلق سے موجود ہے۔ اس تفصیل کو سامنے رکھنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر واقعی سونا کی ذخیرہ اندوزی سے دوسری اشیاء کی گرانی اور ضرر عام ہونے لگے تو امام ابو یوسفؒ کے قول کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

۷-سونا اسمگلنگ کا مسئلہ:

غیر قانونی طریقہ پر اموال کو درآمد وبرآمد کرنے کا نام اسمگلنگ ہے جو قانون کی نگاہ میں خلاف قانون اور جرم ہوتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ شریعت میں ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے مملوک اشیاء واموال میں اپنی ضرورت یا پسند کے مطابق ہر جائز تصرف کرے، جو مال جہاں سے چاہے خریدے اور جہاں چاہے اسے فروخت کرے۔"لایمنع أحد من التصرف فی ملکه أبدا الا إذا أضر بغیره ضررا فاحشا"(شرح المجلۃ لسلیم رستم باز رقم المادۃ ۱۱۹۷،از حاشیہ فتاویٰ محمودیہ ۲۳/ ۴۸۷)۔اسلامی اصول کے مطابق اس سلسلے میں مالکان اشیاء کو اس کا پابند نہیں بنایا جاسکتا کہ وہ اپنا مال فلاں متعین مقامات پر ہی خرید وفروخت کرسکتا ہے اور دوسرے مقام پر نہیں کرسکتا۔اس میں اپنے ملک اور دوسرے ملک کی کوئی قید نہیں ہے۔درحقیقت اسلام کا مزاج اس معاملہ میں آزاد تجارت کا ہے کہ اپنی سہولت کے اعتبار سے جو جہاں چاہے بیع وشراء کا معاملہ انجام دے۔بلکہ بقول مفتی تقی عثمانی صاحب "بعض احادیث ایسی ہیں جن سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر ملکی تجارت کو پابند بنانے کے بجائے آزاد چھوڑنے کو پسند فرمایا ہے، امام دارقطنی بیہقی اور یعلی اور طبرانی نے حضرت عائشہؓ سے اور ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عیاش بن ربیعہؓ سے یہ مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ" اطلبوا الرزق فی خبایا الارض" (رزق کو زمین کے تمام گوشوں میں تلاش کرو)۔"من تعذرت علیه التجارة فعلیه بعمان"(جس کے لئے تجارت مشکل ہوجائے اسے چاہئے کہ عمان چلا جائے)،اور ایک روایت اسی طرح مصر جانے کا عمومی مشورہ موجود ہے(کنز العمال حدیث ۴۱۷۴)،یہ تجارتی سفر درآمد وبرآمد دونوں کے لئے ہوسکتا ہے۔اس وقت کے تجار عموما بیک وقت دونوں مقاصد کے لئے سفر کیا کرتے تھے۔غرض عہد رسالت یا عہد صحابہ میں تو کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جس میں درآمد وبرآمد پر باقاعدہ پابندی عائد کی گئی ہو بلکہ اس کے خلاف صراحتیں ملتی ہیں"(اسلام اور جدید معاشی مسائل ۷/ ۱۲۸،۱۲۹)۔

یہ صورتحال اس وقت تھی جب دوسرے ملکوں میں جانے پر کوئی پابندی نہیں ہوتی تھی۔لیکن جب سے آمد ورفت کی دشواریوں کی وجہ سے قانونی پیچیدگیاں پیدا ہونے لگی تو اس وقت آزادانہ طور پر تجارت کی یہ شکل نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ اس کی وجہ سے درآمد وبرآمد میں ملکی معیشت کو خطرہ کا اندیشہ تھا اس لئے ملکوں میں اس تعلق سے قانون بنائے گئے اور اس پر عمل اس کے شہریوں کے لئے ضروری قرار دیا جانے لگا۔

پس اگر اس سے ملکی معیشت کا نظام غیر متوازن ہوجائے اور کوئی حکومت درآمد وبرآمد پر پابندی لگائے اور شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کی گئی ہو تو اولوالامر کی اطاعت کے پیش نظر اس قانون کی پابندی وہاں کے رعایا پر لازم ہوگی۔لیکن ظاہر ہے کہ جو صحیح اسلامی حکومت کے اختیارات ہیں وہ ان حکومتوں کو نہیں حاصل ہوسکتے جو اسلامی اصول پر گامزن نہیں ہو لیکن اس کے باوجود اگر اس کی اطاعت میں کسی امر محظور کا ارتکاب لازم نہیں آتا تو ایک شہری ہونے کے ناطے وہ اس قانون کا پابند ہوگا؛ کیونکہ شریعت میں یہ اجازت ہے کہ انتظامی طور پر حکومت عوام پر ایسی پابندی یا پالیسی لگائے جو مفاد عامہ میں ہو اور اسلام کے بنیادی اصول کے خلاف نہیں ہو،البتہ قانون بناتے ہوئے اس میں اعتدال رکھنا حکومت کی ذمہ داری ہے؛لیکن کون فیصلہ ظالمانہ ہے اور کون نہیں،اگر اسے لوگوں کے صوابدید پر چھوڑ دیا جائے تو صحیح وغلط فیصلہ کا کوئی معیار باقی نہیں رہیگا۔مولانا خالد سیف اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: "معاشی مصالح کے پیش نظر اس قسم کی پابندیوں کی گنجائش ہے۔اس کی نظیر تلقی جلب اور بیع حاضر للبادی ہے جس کو مکروہ قرار دیا گیا ہے"۔

ان دونوں فقہی اصطلاح کی وضاحت کے بعد آگے تحریر فرماتے ہیں: '' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے گرانی بڑھتی ہے اور اس شہر کے باشندوں کو زک پہونچتی ہے۔ یہی مضرت اسمگلنگ میں سے بھی پیدا ہوتی ہے کہ غیر ملکی مصنوعات کی آمد کی وجہ سے اس ملک کی صنعت اور یہاں کا معاشی توازن بگڑتا اور متاثر ہوتا ہے'' (جدید فقہی مسائل ۱/ ۳۵۲)۔

اسمگلنگ میں قانون کی خلاف ورزی کے علاوہ اور بھی دیگر ممنوع کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔ اگر سب پر نظر رکھی جائے تو اس کا عدم جواز اور بھی واضح ہوتا ہے۔ چنانچہ مفتی تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ان کے احکام کی خلاف ورزی میں چونکہ بہت سے منکرات لازم آتے ہیں، مثلاً اکثر جھوٹ بولنا پڑتا ہے، نیز جان و مال یا عزت کو خطرے میں ڈالنا پڑتا ہے، لہذا ان کے جائز قوانین کی پابندی کرنی چاہئے اس کے علاوہ جب کوئی شخص کسی ملک کی شہریت اختیار کرتا ہے تو وہ قولاً یا عملاً یہ معاہدہ کرتا ہے کہ وہ اس حکومت کے قوانین کا پابند رہیگا اس معاہدے کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ جب تک حکومت کا حکم معصیت پر مشتمل نہ ہو اس کی پابندی کی جائے، اسمگلنگ کا معاملہ بھی یہ ہے کہ اصلاً باہر کے ملک سے مال لیکر آنا یا یہاں سے باہر لے جانا شرعی اعتبار سے جائز ہے، لیکن چونکہ حکومت نے اس پر پابندی لگا رکھی ہے اور اس پابندی کی خلاف ورزی میں مذکورہ مفاسد پائے جاتے ہیں اس لئے علماء نے اس سے منع فرمایا ہے اور اس سے اجتناب کی تاکید کی گئی ہے (فتاوی عثمانی ۳/ ۹۰، ۹۱)۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: اسمگلنگ کا کاروبار درست نہیں ہے اس لئے کہ ایک تو یہ اس معاہدہ کی خلاف ورزی ہے جو اس ملک کا شہری ہونے کے لحاظ سے اس کے قانون کے احترام کے سلسلہ میں ضروری ہے دوسرے اس طرح وہ پوری قوم اور باشندگان ملک کو اپنی حرکت کے ذریعہ نقصان پہنچاتا اور زیر بار کرتا ہے جو غیر اسلامی ہونے کے علاوہ غیر انسانی حرکت بھی ہے (جدید فقہی مسائل ۱/ ۳۵۲)۔

مفتی رشید احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں: اسمگلنگ میں حکومت کے قانون کی خلاف ورزی، ملک کا نقصان اور عزت کا خطرہ ہے اس لئے ناجائز ہے۔ ایسے مال کی خرید و فروخت اور اس میں تعاون کرنا بھی ناجائز ہے؛ مگر اس کے منافع حرام نہیں (احسن الفتاوی ۸/ ۹۵، کذا فی فتاوی محمودیہ ۲۳/ ۴۸۷، ۴۸۸)۔

نیز اپنی ملکیت میں ایسا تصرف کرنے سے روکا جائے گا جس سے دوسرے کا نقصان ہو۔ ''درء المفاسد أولى من جلب المنافع۔ ومما يتفرع من هذا القاعدة أن الرجل يمنع من التصرف في ملكه إذا كان تصرفه يضر بجاره ضررا فاحشا لأن درء المفاسد عن جاره أولى من جلب المنافع لنفسه'' (شرح المجلۃ رقم المادۃ: ۳۰)۔

الغرض مختلف محظورات و ممنوعات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے یہ طریقہ شرعاً ناجائز ہوگا اور اس کے ذریعہ خرید و فروخت جائز نہیں ہوگی۔ تاہم اگر کوئی یہ معاملہ کرتا ہے تو صلاۃ فی الارض المغصوبہ جیسی نظائر پر قیاس کرتے ہوئے اس سے حاصل ہونے والی آمدنی اور منافع حرام نہیں ہونگے۔

۸- پلاٹین کا حکم:

پلاٹین ایک قسم کی دھات ہے جس سے زیورات بنائے جاتے ہیں اور یہ قیمت میں کم وبیش سونا کی طرح مہنگا ہوتا ہے۔اسے عرف میں سفید سونا بھی کہتے ہیں مگر اس عرف کی بنیاد پر یہ سونے کی قسم میں داخل نہیں ہوگا،محض قیمتی اور منافع بخش ہونے یا باعث تزین ہونے میں اسے سونے سے تشبیہ دیکر سفید سونا کہتے ہیں جیسے پٹرول کو کالا سونا کہا جاتا ہے تو اس کا یہ مطلب بالکل نہیں ہے کہ پٹرول سونے کی کوئی قسم ہے؛ کیونکہ سونے میں نہ سیاہی ہوتی ہے نہ سفیدی، بلکہ وہ مخصوص لال رنگ کی ایک دھات ہے جو مشہور ومعروف ہے۔

جب پلاٹین سونا سے الگ مستقل ایک دھات ہے تو اسے باعث تزین ہونے، یا مہنگا ہونے یا قابل ذخیرہ ہونے کی بناء پر سونا کے احکام اس پر منطبق ہونگے یا نہیں؟۔

یہاں دیکھنا یہ ہے کہ سونے کے احکام اس پر منطبق ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ تمام حکم جو سونا سے متعلق ہے اس سے بھی متعلق ہوجائے،مثلاً زیورات بنائے جانے اور نہ بنائے جانے کا مسئلہ،مردوں کے لئے اس کے استعمال کا مسئلہ، پلاٹین سے بنائے گئے کھانے پینے کے برتن کے استعمال کا مسئلہ، یا اس کے علاوہ دوسرے مختلف طریقوں سے استعمال کے مسئلوں میں جو حکم سونا کا ہے وہی حکم اس کا بھی ہو؛ بلکہ مقصود یہ ہے کہ سونے کو جن بعض احکام میں خاص انفرادیت حاصل ہے وہ پلاٹین کو حاصل ہوگا یا نہیں؟۔اور یہ تین مسئلے ہیں۔سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ سونے کی طرح پلاٹین پر صرف کے احکام نافذ ہونگے یا نہیں،یعنی اگر پلاٹین کا آپس میں تبادلہ ہو تو یدا بید اور سواء بسواء ضروری ہوگا یا کمی زیادتی اور نقد وادھار کی اجازت ہوگی۔اسی طرح خیار شرط اور میعاد کی شرط سے خالی ہونا ضروری ہوگا یا نہیں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اسے ثمن کا درجہ حاصل ہوگا یا نہیں؟ اور تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ یہ اموال زکاۃ میں شامل ہوگا یا نہیں؟ یعنی اگر کسی کے پاس نصاب کی مقدار میں پلاٹین موجود ہو تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

جہاں تک عقد صرف کے احکام اس سے متعلق ہونے کی بات ہے تو وضاحت کے ساتھ آچکا ہے کہ عقد صرف کا اطلاق صرف نقدین یعنی سونا چاندی کے آپسی تبادلہ والی بیع کا نام ہے۔اس کے علاوہ چیزوں کے تبادلہ کو''صرف''نہیں کہیں گے چاہے وہ ثمن اصطلاحی ہی کیوں نہ ہو جو بہت سارے احکام میں ثمن خلقی کے مشابہ ہوتا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اسے ثمنیت کا درجہ حاصل ہوگا یا نہیں؟۔اس سے مراد یہ ہے کہ اسے سونا چاندی یا دیگر اثمان عرفی کی طرح خرید وفروحت میں ثمن خلقی یا ثمن رواجی کی جگہ میں اسے ادا کیا جائے تو بائع کو لینے پر مجبور کیا جائیگا یا نہیں؛ کیونکہ اگر عاقدین اسے ثمن بنانے پر راضی ہوں تو محض مبیع کے مقابلہ میں ثمن بننے کی صلاحیت تو ان تمام چیزوں میں ہے جس میں مبیع بننے کی صلاحیت ہے اور اس میں کسی کی کوئی تخصیص نہیں۔

کسی بھی چیز کے باضابطہ ثمن بننے کی دو شکل ہے۔یا تو وہ خلقی طور پر اس کے لئے بنایا گیا ہو یا اس کی ثمنیت پر اتفاق ہو چکا ہو اور پلاٹین میں یہ دونوں باتیں موجود نہیں ہیں۔لہذا اسے ثمنیت کا درجہ حاصل نہیں ہوگا اور تبادلہ میں بطور ثمن اسے لینے پر قانونا مجبور

نہیں کیا جائے گا، نہ ہی ثمن کے دوسرے احکام اس پر نافذ ہونگے۔

تیسرا مسئلہ وجوب زکوۃ کا ہے۔ کن مالوں میں زکوۃ واجب ہے؟ علامہ کاسانیؒ اس تعلق سے فرماتے ہیں: ''أموال الزكاة أنواع ثلاثة أحدها الأثمان المطلقة وهى الذهب والفضة والثانى أموال التجارة وهى العروض المعدة للتجارة والثالث السوائم'' (بدائع الزکاۃ، ۲/۱۰۰ زکریا) (تین طرح کے مال اموال زکوۃ میں سے ہیں۔ ایک ثمن مطلق یعنی سونا چاندی، دوسرا وہ سامان جو تجارت کے لئے ہوں، اور تیسرا سائمہ جانور)۔

یہ تین اموال ہیں جو اموال زکوۃ کہلاتے ہیں، البتہ یہاں ثمن مطلق یعنی سونا چاندی میں فقہاء نے ثمن اصطلاحی کو بھی شامل کیا ہے کہ ثمن مطلق کا رواج ختم ہونے کے بعد ثمن اصطلاحی فلوس اور اس کے بعد کاغذی نوٹ اموال زکوۃ میں شمار ہونگے اور مقدار نصاب کی صورت میں اس پر زکوۃ کا وجوب ہوگا۔

''وذهب الحنفية وهو قول عند المالكية إلى أن الفلوس الرائجة تجب فيه الزكاة مطلقا كالذهب والفضة لأنهما أثمان مطلقة فإذا كسدت عدت عروضا فلم تجب فيها الزكاة الا إذا عرضت للتجارة'' (موسوعۃ، فلوس، رقم: ۴)۔

پلاٹین یہاں بھی اس معیار پر نہیں اترتا ہے۔ کیونکہ ثمن خلقی اور سوائم جانوروں کے علاوہ جو بھی ہے وہ عروض میں داخل ہے اور عروض میں بغیر نیت تجارت کے زکاۃ نہیں ہے۔

''فصل فى العروض : العروض جمع عرض بفتحتين حطام الدنيا كذا فى المغرب والصحاح. والعرض بسكون الراء المتاع وكل شئ فهو عرض سوى الدراهم والدنانير'' (شرح فتح القدیر، کتاب الزکاۃ، فصل فی العروض ۲/۲۲۵)۔

''وتشترط نية التجارة لانه لما لم تكن للتجارة خلقة فلايصير لها الا بقصدها فيه وذلک هو نية التجارة'' (ایضاً، ۲/۲۲۶) (اس لئے اگر پلاٹین بطور تجارت کے نہیں ہے تو اس پر زکوۃ فرض نہیں ہوگی۔ اگر تجارت کیلئے ہو تو اموال تجارت میں شامل ہوکر وجوب زکوۃ کا مسئلہ دیگر ہے)۔

خلاصہ بحث

۱- کاغذی روپیوں سے سونا چاندی کی خریداری بیع صرف نہیں ہے اور اس معاملہ میں یعنی روپیے سے سونا چاندی کے تبادلہ کے وقت سونا چاندی کی حیثیت ثمن کی اور روپیہ کی حیثیت مبیع کی ہوگی۔

(الف)- یہ بات درست ہے کہ سونا چاندی اور نوٹ میں ایک نقد ہو اور دوسرا ادھار؛ کیونکہ دونوں کی جنس الگ ہے اور قدر کا اتحاد بھی نہیں ہے لہذا تفاضل ونسیئۃ دونوں جائز ہوگا۔

(ب)- حکومت کے متعین نرخ سے زیادہ میں سونا چاندی کی خرید وفروخت میں قانون شکنی کا خطرہ اور دیگر ممنوعات موجود ہیں اس لئے ایسا کرنا ناجائز اور ممنوع ہوگا، تاہم اگر کوئی اس کے باوجود ایسا کرلے تو زیادتی جائز ہوگی اور اس پر ربا کا اطلاق نہیں

ہوگا۔

۲-(الف)۔ جب زیور بنانے والے کاریگر نے زیور کے تاجروں سے ایک متعینہ مقدار میں سونا لیا اور کچھ دنوں میں زیور بنا کر اسی مقدار میں اسے واپس کیا ہے جتنی مقدار اس نے سونا لیا تھا تو اس معاملہ کو بیع تصور کیا جائے یا اجارہ، بہرصورت یہ معاملہ شرعاً ناجائز ہوگا۔

(ب)-اس معاملہ میں بچے ہوئے ذرات کو اجرت نہیں مان سکتے؛ کیونکہ یہ قفیز طحان کی شکل ہوتی ہے۔ البتہ اس بچے ہوئے ذرات کی مقدار کو عند العقد مطلقاً اجرت مقرر کرلیا جائے تو اسے اجرت بنانا درست ہوگا۔ یا یہ کہ یہ معاملہ دست بدست کرے یا تاجر اس کاریگر سے سونا کسی متعینہ رقم کے بدلے ادھار فروخت کرے اور سونا اس کے حوالہ کردے تاکہ احد البدلین پر قبضہ ہوکر یہ معاملہ درست ہوجائے پھر زیور کی تیاری کے بعد از سر نو معاملہ کرکے تاجر اس کاریگر سے اس رقم کے بدلے جو اس ذمہ میں ہے زیور خرید لے۔

۳-نئے پرانے زیور کا آپس میں کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ میں اگر یہ فرق محض عمدگی وغیر عمدگی کا ہے تو جائز نہیں ہے۔ اور اگر یہ فرق اس لئے ہے کہ پرانے زیور میں دوسرے دھات کی آمیزش زیادہ ہے تو اس کا حکم کھوٹے سونے کا ہوگا۔ نیز براہ راست زیورات کا آپس میں معاملہ کرنے کے بجائے متعین رقم سے تبادلہ ہوتو جائز ہے۔

۴-(الف) کموڈیٹیز ایکسچینج سے اگر مشتری نے سونا خرید تو لیا مگر اس کا سونا سونے کی اینٹ میں شامل ہے اور اسے الگ نہیں کیا گیا ہے تو اس پر خریدار کا قبضہ نہیں سمجھا جائیگا کیونکہ مبیع ممتاز اور فارغ عن حق الغیر نہیں ہے بلکہ جزو شائع کی شکل میں ہے جس سے انتفاع بحالت موجودہ ممکن نہیں۔

(ب)-اور اگر خریدی ہوئی مقدار کا سونا الگ موجود ہے اور ریکارڈ کو بھی مشتری کے نام کردیا گیا ہے جب بھی اس معاملہ میں قبضہ کا تصور دشوار ہے۔

۵-سونا کی ایسی تجارت جس میں جنس لینے دینے کے بجائے قیمتوں کا فرق کرکے نفع کمایا جاتا ہو محض قمار اور جوئے کی شکل ہے جو کہ حرام ہے۔

۶-سونا تاجر اگر قیمت میں متوقع اضافہ کے پیش نظر سونا روک لے اور سونا کی ذخیرہ اندوزی سے واقعی دوسری اشیاء کی گرانی اور ضرر عام ہونے لگے تو امام ابو یوسفؒ کے قول کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

۷-سونا اسمگلنگ اور پھر اس کی خرید و فروخت مختلف محظورات وممنوعات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے شرعاً ناجائز ہوگا۔ تاہم اگر کوئی یہ معاملہ کرتا ہے تو ''صلاۃ فی الارض المغصوبہ'' جیسی نظائر پر قیاس کرتے ہوئے اس سے حاصل ہونے والی آمدنی جائز ہوگی۔

۸-پلاٹین سونا جیسا نہیں ہے اور اس پر سونا کے احکام منطبق نہیں ہونگے۔

☆☆☆

سونا چاندی کی تجارت کے احکام

مولانا ابوالمکارم معروفی ☆

کاغذی نوٹ سے سونے کی بیع، بیع صرف ہے یا نہیں؟ اس کا مدار اس پر ہے کہ کاغذی نوٹ کی فقہی حیثیت کیا ہے؟ آیا اس کی حیثیت قرض کی دستاویز کی ہے یا فلوس نافقہ یا سونے اور چاندی کی؟ اس لئے پہلے اس کی فقہی حیثیت ذکر کی جاتی ہے:

نوٹ کی فقہی حیثیت:

کاغذی نوٹ کی فقہی حیثیت کے بارے میں اہل علم کے مختلف نقطہائے نظر پائے جاتے ہیں: ''**أحکام الاوراق النقدیة والتجاریة فی الفقه الاسلامی**'' میں اس پر دلائل کے ساتھ مفصل کلام کیا گیا ہے، ان میں سے تین نقطہ نظر زیادہ مشہور ہیں:

۱-نوٹ خود مال نہیں ہے بلکہ دین کی رسید ہے، ماضی قریب میں علماء ہند میں سے اکثر کی یہ رائے رہی ہے۔

۲-نوٹ سونے چاندی کے قائم مقام ہے، جو احکام سونے چاندی کے ہیں وہی کاغذی نوٹ کے ہیں، بیشتر علماء عرب کا یہی نظریہ ہے۔

۳-کاغذی نوٹ دین کی رسید نہیں ہے اور نہ سونے چاندی کی طرح ثمن حقیقی ہے بلکہ ثمن عرفی ہے کاغذی نوٹ کا وہی حکم ہے جو فلوس کا ہے۔

ان میں سے تیسرا نظریہ راجح اور صحیح ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (فقہ البیوع، فقہی مقالات، اسلام اور جدید معیشت وتجارت)۔

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے دوسرے سمینار کے فیصلہ میں اسی تیسرے نظریہ کو اختیار کیا گیا ہے، تجویز کے الفاظ یہ ہیں: ''کرنسی نوٹ سند وحوالہ نہیں ہے بلکہ ثمن ہے اور اسلامی شریعت کی نظر میں اس کی حیثیت زر قانونی اور اصطلاحی کی ہے'' (جدید فقہی تحقیقات ۲/۵۱)۔

کیا روپئے سے سونا چاندی کی خرید وفروخت بیع صرف ہے؟

روپئے سے سونے کی بیع میں روپئے کی حیثیت ثمن کی ہے مگر چونکہ رائج الوقت کاغذی نوٹ اور سکے خلقۃً ثمن نہیں ہیں بلکہ یہ ثمن عرفی یا اصطلاحی ہیں اور بیع صرف خلقی اثمان میں منحصر ہے اس لئے روپیوں سے سونے کی خرید وفروخت کو بیع صرف نہیں کیا جائے گا۔

☆ ریاض العلوم گورینی جونپور، یوپی۔

”وإن اشترى خاتم فضة أو خاتم ذهب فيه فص أو ليس فيه فص بكذا فلوسا وليست الفلوس عنده فهو جائز إن تقابضا قبل التفرقه أو لم يتقابضا لأن هذا بيع وليس بصرف“(مبسوط السرخسی ۱۴/ ۲۵ دارالمعرفہ)۔

”وهو (الصرف) بيع الثمن بالثمن أى ما خلقه للثمنية ومنه المصوغ جنسا بجنس أو بغير جنس“(درمختار ۷/ ۴۰۲ دارالکتاب)۔

الف-روپے سے سونا چاندی ادھار خریدنے کا حکم:

چونکہ یہ بیع صرف نہیں ہے اس لئے اس طرح ادھار خرید وفروخت کرنا کہ رقم کچھ بوقت عقد دے دی جائے اور کچھ کے بعد میں دینے کا وعدہ کرلیا جائے یا کل رقم ادھار رہے جائز ہے، شرط یہ ہے کہ احد العوضین پر مجلس عقد میں قبضہ ہوجائے تاکہ بیع الکالی بالکالی لازم نہ آئے، جس طرح فلوس سے سونے کی بیع ادھار درست ہے۔

”تنبيه!سئل الحانوتى عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة، فأجاب بأنه يجوز إذا قبض أحد البدلين لما فى البزازية: لو اشترى مائة فلس بدرهم يكفى التقابض من أحد الجانبين“(شامی ۷/ ۱۴ ۳دارالکتاب دیوبند)۔

”روى الحسن عن أبى حنيفة: إذا اشترى فلوسا بدراهم وليس عند هذا فلوس ولا عند الآخر دراهم ثم إن أحد هما دفع وتفرقا جاز وإن لم ينقد واحد منهما حتى تفرقا“(فتاوی عالمگیری ۳/ ۲۲۴ دار الکتاب دیوبند)۔

ب-حکومت کے طے کردہ نرخ سے زیادہ یا کم میں فروخت:

سونے چاندی کا جو نرخ حکومت یا سونے کی مارکیٹ (کوملکیس گولڈ مارکیٹ یا ایم سی) نے طے کیا ہے یہ تسعیر ہے اس نرخ سے زیادہ یا کم قیمت میں، خرید وفروخت کرنا تسعیر اور قانون کی خلاف ورزی ہے، حکومت کی اطاعت جائز امور میں ضروری ہے اور مخالفت کرنے والا مجرم مستحق سزا اور ذلیل ہوتا ہے اور اپنے کو ذلیل کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے حتی الوسع یہ طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔

”قال رسول الله ﷺ لا ينبغى المؤمن أن يذل نفسه قالوا وكيف يذل نفسه قال يتعرض مفسد البلاء لما لا يطيقه“ (سنن ترمذی ۲/ ۵۱ مکتبہ تھانوی دیوبند)۔

لیکن دوسری طرف اس کمی بیشی کو ربوالفضل بھی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ روپے سے سونے کی بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے اور مالک کو شرعاً اختیار ہے کہ اپنی مملوکہ چیز جس قیمت پر چاہے فروخت کردے۔

”لأن الثمن حق العاقد فإليه تقديره فلا ينبغى للإمام أن يتعرض لحقه إلا إذا تعلق به دفع ضرر العامة......كل يتصرف فى ملكه كيف شاء“(ہدایہ ۴/ ۴۷ یاسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند)۔

۲-کاریگر کا تاجر سے متعینہ مقدار میں سونا لے کر زیورسازی کا معاملہ بیع ہے یا اجارہ؟

سوال ۲ میں ذکر کی ہوئی تفصیل کے مطابق زیور بنانے والے کاریگر اور زیورات کے تاجر کے درمیان ہونے والے معاملہ

کی دو شکل ہے:

۱-کاریگر تاجر کے سونے سے زیور تیار کر کے چند دن بعد واپس کرے، اس صورت کا حکم یہ ہے کہ یہ معاملہ عقد اجارہ ہے اور درست ہے اور اجرت دوسری دھات کی آمیزش کے بقدر سونے کے بچے ہوئے ذرات ہیں جس کی مقدار کاریگر اور تاجر دونوں کو معلوم ہوتی ہے، یا بعد میں معلوم ہوجاتی ہے اس طرح کی جہالت مفضی إلی النزاع نہ ہونے کی وجہ سے مانع جواز نہیں ہے۔

۲-کاریگر، تاجر کے سونے سے زیور تیار نہ کرے بلکہ اپنے سونے سے زیور تیار کر کے چند دن بعد واپس کرے-اس پر بیع کی تعریف صادق آتی ہے اور کاریگر کے سونے پر قبضہ کرتے وقت کے معاملہ کو وعدہ بیع کہا جائے اور بیع کا انعقاد اس وقت ہو جب کاریگر تیار شدہ زیور تاجر کو حوالہ کرے اور مجلس عقد میں عوضین پر قبضہ اس طرح متحقق ہے کہ تاجر کا سونا کاریگر کے قبضہ میں پہلے سے موجود ہے اور تاجر کا قبضہ تیار شدہ زیور کی سپردگی کے وقت پایا جاتا ہے تو عوضین میں سے کسی کا ادھار ہونا لازم نہیں آتا ہے، بیع الزیتون بالزیت اور بیع السمسم بالشیرج کی طرح یہ بیع درست ہونی چاہئے کہ تاجر کا سونا مثلاً ایک ہزار گرام ہے اور کاریگر کے تیار کردہ زیور میں سونا نوسو گرام ہے تو نوسو گرام کے عوض میں اور سو گرام دوسری دھات کے عوض میں ہوگا، لیکن اس میں خرابی یہ ہے کہ کاریگر کا قبضہ قبضہ امانت ہے جس کا حکم یہ ہے کہ وہ قبضہ ضمان (یعنی بیع کے قبضہ) کے لئے کافی نہیں ہوتا بلکہ تجدید قبضہ ضروری ہے جو یہاں مفقود ہے اس لئے ناجائز ہے۔

”**وإن كانت يد المشترى يدأ مانة كيدالوديعة والعارية لا يصر قابضا**“ (بدائع)۔

اور اگر کاریگر اور تاجر کے مابین ہونے والے معاملہ کو عقد سلم اور تاجر کے سونے کو رأس المال اور کاریگر کے تیار کردہ زیور کو مسلم فیہ قرار دیا جائے تب بھی یہ معاملہ جائز نہیں ہوسکتا ہے، کیونکہ بتصریح فقہاء بیع سلم اثمان میں صحیح نہیں ہے: ”**لايصح السلم فى الأثمان**“ (شامی ۷/۳۱۵)۔

حاصل یہ ہے کہ اگر کاریگر اپنے سونے سے تیار کر کے چند دن بعد واپس کرتا ہے تو اسے اجارہ نہیں کہا جاسکتا بلکہ بیع ہے اور ناجائز ہے اس لئے ضروری ہے کہ کاریگر تاجر کے سونے سے زیور تیار کرے تا کہ یہ معاملہ اجارہ کے دائرے میں داخل ہو کر درست ہو۔

سونے کے پرانے زیور کا تبادلہ نئے زیور سے:

سونے کے پرانے زیور کا نئے زیور سے اس طرح تبادلہ کیا جائے کہ پرانے زیور کی قیمت میں جو کمی ہے اس کا لحاظ رکھتے ہوئے پرانا زیور وزن میں زیادہ لیا جائے اور اس کے بدلے نیا زیور وزن میں کم ادا کیا جائے یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اموال ربویہ میں جو تماثل اور برابری مطلوب ہے وہ مقدار میں برابری ہے قیمت میں برابری اور تماثل مطلوب نہیں ہے بلکہ اموال ربویہ میں قیمت اور وصف کے تفاوت کا بالکل اعتبار نہیں ہے۔

”**قوله جيد مال الربوا ورديئه سواء-أى فلا يجوز بيع الجيد بالردى مما فيه الربوا إلا مثلا بمثل لإهدار التفاوت فى الوصف**“ (شامی ۷/۳۱۳)، ”**ويشترط التماثل أى التساوى وزنا والتقابض بالبراجم لا بالتخلية**“ (درمختار ۷/۴۰۳ دار الکتاب دیوبند)۔

"فلوتجانسا شرط التماثل والتقابض أى النقد ان بأن بيع أحدهما بجنس الآخر فلا بدلصحته من التساوى وزنا الخ" (البحرالرائق ۶/۲۲۳زکریابکڈپو)۔

حیلہ جواز:

جواز کا حیلہ یہ ہے کہ سونے کا پرانا زیور جس کی مقدار مثلاً ۱۰۰ گرام ہے اور قیمت ایک لاکھ ہے دوسرے نئے سونے سے جس کی مقدار مثلاً ۹۰ گرام ہے اور قیمت ایک لاکھ ہے تبادلہ نہ کرے، بلکہ پرانا سونا ایک لاکھ میں فروخت کردے پھر نیا سونا اس ایک لاکھ روپئے سے خریدلے، اس طرح کا حیلہ آپ ﷺ سے منقول ہے، صحیحین میں حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو خیبر کا عامل بنا کر بھیجا وہ عامل جب واپس آئے تو حضور ﷺ کی خدمت میں جنیب (عمدہ قسم کی کھجور) پیش کیں، حضور ﷺ نے سوال کیا کہ کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی ہوتی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ہم اس (عمدہ کھجور) کے ایک صاع کو (گھٹیا کھجور کے) دوصاع کے بدلے میں اور دوصاع کھجور کو تین صاع کے بدلے میں تبدیل کرلیتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا ایسا مت کرو بلکہ جمع کھجور (مختلف قسم کی ملی جلی کھجوریں) کو پہلے دراہم کے عوض فروخت کردو پھر ان دراہم سے جنیب کھجور خریدلیا کرو (صحیح البخاری ۱/۲۹۳صحیح مسلم ۲/۲۶۰ مکتبہ بلال دیوبند)۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اموال ربویہ میں جو برابری مطلوب ہے وہ مقدار میں برابری ہے، قیمت میں برابری مطلوب نہیں ہے اس لئے کہ جنیب کھجور جمع کھجور کے مقابلہ میں اعلی درجہ کی قیمتی اور عمدہ تھی لیکن حضور پاک ﷺ نے کھجور کی ایک قسم کو دوسری قسم سے تبدیل کرنے کی صورت میں عمدہ اور گھٹیا ہونے کا بالکل اعتبار نہیں کیا بلکہ وزن میں برابری کو ضروری قرار دیا۔

خریدار کے آرڈر کے بقدر سونا اس کے نام سے محفوظ کرنے کا حکم:

نقدین محض متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے جب تک کہ اس پر خود یا اپنے وکیل کے ہاتھ سے قبضہ نہ کرلیا جائے صرف تخلیہ کافی نہیں ہے اس لئے محض خریدار کے آرڈر کے بقدر سونا اس کے نام سے محفوظ کردینے سے قبضہ کا تحقق نہیں ہوگا۔

الف-خواہ اس کا خریدا ہوا سونا سونے کی اینٹ میں شامل ہو یا (ب)-اس کی خریدی ہوئی مقدار کا سکہ یا بسکٹ الگ سے موجود ہو اور کمپیوٹر اور ریکارڈ رجسٹر میں اس کے نام سے درج کردیا گیا ہو۔

"إن الدراهم والدنانير وإن كانت لا تتعين بالعقد ولكنها تتعين بالقبض وقبضها واجب" (بدائع الصنائع ۴/۴۵۷)۔

"إن الدراهم والدنانير لا تتعين بالتعيين وإنما تتعين بالقبض فشرطنا التقابض للتعيين لا للقبض" (ایضاص ۴۵۹)۔

"ويشترط التماثل أى التساوى وزنا والتقابض بالبراجيم لابالتخلية-قوله لا بالتخلية أشار إلى أن التقييد بالبراجم للإحتراز عن التخلية وإشتراط القبض بالفعل" (شامی ۷/۴۰۳دارالکتاب دیوبند)۔

البتہ اگر خریدار کے لئے اس کی خریدی ہوئی مقدار کا سکہ الگ سے موجود ہو جیسا کہ سوال کے جزء (ب) میں اس کا ذکر

ہے تو معاملہ درج ذیل شرطوں کے ساتھ حد جواز میں داخل ہوسکتا ہے۔

۱- بیع بات (یقینی) ہو صرف آرڈر نہ ہو۔

۲- مشتری اپنی خریدی ہوئی مقدار کے سکہ پر قبضہ کرنے کا خود بائع کو وکیل بنادے اور بائع نیابۃً اس کی طرف سے قبضہ کرلے۔

۳- خریدی ہوئی مقدار کا سونا مبیع سے الگ ہونے کے ساتھ ساتھ مشتری کے ضمان میں اس طرح آجائے کہ اگر وہ متعینہ سونا ہلاک ہوجائے تو نقصان مشتری کے ذمہ سمجھا جائے (مستفاد از فتاوی عثمانی ۳/ ۱۵۳ نعیمیہ دیوبند)۔

سونے پر قبضہ نہ کرکے صرف ڈیفرنس برابر کرنے کا حکم:

اس کاروبار میں خریدار اپنے خریدے ہوئے سونے پر قبضہ نہیں کرتا ہے بلکہ ادائیگی کی تاریخ پر سونے کا نرخ دیکھ کر اگر نفع ہوا تو خریدار بائع کو صرف نفع ادا کرتا ہے اور اگر نقصان ہوا تو خریدار بائع سے صرف نقصان واپس لے لیتا ہے نہ تو مشتری سونے پر قبضہ کرتا ہے اور نہ بائع ثمن پر بلکہ صرف کاغذی طور پر کارروائی ہوتی ہے اور آخر میں نرخ کی کمی بیشی سے جو فرق آتا ہے اس کا لین دین کرکے نفع نقصان کا تناسب برابر کرلیا جاتا ہے نہ تو عوضین پر قبضہ ہوتا ہے اور نہ ہی قبضہ پیش نظر ہوتا ہے کاروبار کی اس صورت پر بیع کی تعریف صادق نہیں آتی کیونکہ بیع کا مقصد تسلیم وتسلم ہے وہ یہاں مفقود ہے اصل مقصود تو ڈیفرنس برابر کرنا ہے صرف بیع کا نام رکھ دینے سے شرعا اس کو بیع نہیں کہا جاسکتا یہ سٹہ بازی ہے جو بالکل حرام ہے شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے (مستفاد از فتاوی عثمانی ۳/ ۱۵۳)۔

"**العبرة للمعاني**" (شامی ۹/ ۱۱۰ دار الکتاب دیوبند)۔

"**العقد إذا خلا عن مقصوده لا يكون منعقدا أصلا**" (مبسوط ص ۱۱۵)۔

"**إن السبب إنما يلغو إذا خلا عن الحكم شرعا**" (مبسوط ۱۳/ ۱۵۵ دار المعرفہ)۔

کیا گرانی کے انتظار میں سونا روکنا احتکار ہے؟

مفتی بہ قول کے مطابق احتکار کی ممانعت انسان اور حیوان کی غذائی چیزوں سے متعلق ہے، ہر قسم کی اشیاء ضروریہ کو گرانی کے انتظار میں روکے رکھنا احتکار نہیں ہے اس لئے سونا گو خلقۃً ذریعہ تبادلہ ہونے کی وجہ سے اشیاء ضروریہ میں شامل ہے لیکن اس کو ذخیرہ اندوزی اور گراں فروشی کے لئے روکنا احتکار میں شامل نہیں ہے۔

"**في الدر المختار: وكره إحتكار قوت البشر كتبن وعنب ولوزوالبهائم كتبن وقت في بلد يضر بأهله**"۔

"**وفي ردالمحتار: التقييد بقوت البشر قول أبي حنيفة ومحمد عليه الفتوى كذا في الكافي وعن أبي يوسف كل ما أضر بالعامة حبسه فهو احتكار**" (شامی ۹/ ۴۸۶ دار الکتاب دیوبند)۔

سونے چاندی کی اسمگلنگ کا حکم:

اسمگلنگ کا یہ غیر قانونی عمل دو وجہ سے درست نہیں ہے:

۱-ایک تو اس لئے کہ فقہ کا قاعدہ ہے کہ جو کام معصیت اور گناہ نہ ہو اس میں حکومت کی اطاعت واجب ہے۔

۲-دوسرے اس لئے کہ جو شخص جس ملک میں قیام پذیر ہوتا ہے وہ قولا یا عملا اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ جب تک ملک کے قوانین کسی گناہ کے کرنے پر مجبور نہیں کریں گے وہ قوانین کی ضرور پابندی کرے گا، اور مخالفت کرنے والا مستحق سزا اور ذلیل ہوتا ہے اور اپنے کو ذلیل کرنا جائز نہیں ہے اس لئے ان قواعد کے پیش نظر اسمگلنگ کا غیر قانونی طریقہ درست نہیں ہوگا، اس لئے حتی الوسع اس سے احتراز نہ کیا جائے۔

”طاعة الإمام فيما ليس بمعاصية واجبة“(شامی ۳/۵۰)۔

”كل من يسكن دولة فإنه يلتزم قولا أو عملا أنه يتبع قوانينها وحيئنذ يجب عليه إتباع أحكامها ما دامت تلك القوانين لا تجبره على معسية دينية“ (فقہ البیوع ۲/۷۳۸)۔

”قال رسول الله ﷺ لا ينبغي للمؤمن أن يذل نفسه قالوا وكيف يذل نفسه قال يتعرض من البلاء لما لا يطيقه“ (ترمذی ۲/۵۱)۔

لیکن دوسری طرف اس طریقے پر آنے والے سونے کی خریداری اور اس کے منافع کو حرام بھی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ مالک اپنا مال رضامندی کے ساتھ بیچ رہا ہے اور وہ اس میں مکرہ کے درجہ میں بھی نہیں ہے جس طرح تسعیر کی خلاف ورزی کی صورت میں بیع درست ہوتی ہے جیسا کہ ذیل کی عبارت کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے۔

”ومن باع منهم بماقدره الإمام صح لأنه غير مكره على البيع-قالوا فيمن صادره السلطان بمال ولم يبعين بيع ماله فصار يبيع أملاكه بنفسه ينفذ بيعه لانه غير مكره على البيع“(شامی ۹/۴۸۹ دار الکتاب)۔

عقود وزکوۃ میں پلاٹین کا حکم:

پلاٹین خلقۃ سونا نہیں ہے اور نہ بطور ثمن کے تبادلہ کا ذریعہ ہے اس لئے محض عرف میں سونا کہے جانے کی وجہ سے اس پر زکوۃ اور عقود وغیرہ میں سونے کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

”وهو (الصرف) بيع الثمن بالثمن أى ماخلق للثمنية ومنه المصوغ جنسا بجنس أو بغير جنس“(درمختار ۷/۴۰۲)۔

”لا زكوة فى الآلي والجواهر وإن سادت الفا إتفاقا إلا أن يكون للتجارة والأصل أن ماعد الحجرين والسوائم إنما يزكى بنية التجارة“(درمختار مع الشامی ۳/۱۸۰ دار الکتاب)۔

☆☆☆

سونے چاندی کی تجارت کی شرعی حیثیت

مولانا محمد اشرف قاسمی گونڈوی☆

۱-سونے چاندی کی، روپیوں سے ادھار خرید وفروخت:

۱-اشیاء ستہ ربویہ کیلی اور وزنی ہیں، اسی لیے تحقق ربا کے لیے علت ''جنس'' کے ساتھ علت ''قدر'' کا پایا نا بھی ضروری ہے، مختلف فقہی مجالس اور علماء کی تحقیقات کے مطابق ایک ملک کی کرنسی دوسرے ملک کی کرنسی سے الگ جنس ہے، روپے قدر میں بھی مکیلی اور موزونی نہیں بلکہ عددی ہیں، البتہ مکیلی اوموزونی نہ ہونے کے باوجود عرف میں وہ ثمن ہیں، اس لیے ربا کے سلسلے میں ایک ہی ملک کی کرنسی کا باہم تبادلہ کمی زیادتی کے ساتھ ربا کی تعریف میں آئے گی؛ لیکن دوسرے ملک کی کرنسی سے تبادلے میں کمی زیادتی ربا کی تعریف میں نہیں آئے گی، کیوں کہ:

''الصرف... فی الشرع: هو بیع الأثمان بجنسها'' (مختارات النوازل ۳/ ۳۲۳)۔

بنابریں اختلاف جنس وقدر کی وجہ سے، اگر روپے سے سونا چاندی خریدا جائے تو یہ صرف نہیں ہے؛ اس لیے:

الف: یہ بات درست ہے کہ سونا، چاندی اور روپے میں ایک نقد ہو اور دوسرا ادھار۔

''إذا اختلف االنوعان فبیعوا کیف شئتم'' قال المحشی حفظه الله، وروی مسلم عن عبادة بن الصامت أن رسول الله ﷺ قال: ''... إذا اختلف هذه الأصناف فبیعوا کیف شئتم'' [کتاب المساقات باب الصرف وبیع الذهب بالورق نقدا)، والدارالقطنی عنه و عن انس بن مالک عن النبی ﷺ أنه قال"... فإذا اختلف النو عان فلا بأس به" (البیوع ۲/ ۱۸، مختارات النوازل ۳/ ۳۲۸ ایفا)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی فرماتے ہیں: ''لہذا کرنسی اور سونے چاندی کے تبادلہ کی صورت میں نہ مجلس میں قبضہ ضروری ہوگا اور نہ مقدار میں مماثلت، نقد ادھار خرید وفروخت بھی جائز ہوگی'' (قاموس الفقہ جلد ۴/ ۲۲۶)۔

قیمتوں کی تسعیر وتقدیر:

ب-اشیاء، خاص طور پر ماکولات کی قیمتوں کی تقدیر وتعیین کرنا منع ہے؛ حتی کہ قحط کے دنوں میں بھی حکومت کو قیمتوں کی تعیین سے منع کیا گیا ہے، صاحب مال جو کہ اپنے مال کا مالک ہے وہ اور خریدار دونوں اپنی رضا اور خوشی سے قیمتیں طے کر کے خرید و

☆ مفتی دارالافتاء شہر مہد پور، ضلع اجین، مدھیہ پردیش۔

فروخت کرنے میں پوری طرح آزاد ہیں۔ حکام کی طرف سے قیمتوں کی تعیین میں بائع ومشتری کو بیع بالتراضی (جواللہ نے انہیں دی ہے) سے محروم کرنا ہے۔

"یٰا یھا الذین اٰمنوا لا تأ کلوا أموالکم بینکم با لبا طل إلا أن تکون تجا رۃ عن ترا ض منکم" (سورۂ نساء:۲۹)۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"عن أبی حرۃ الرقاشیؓ عن عمه قال قال رسول اللہ ﷺ ألا لا تظلموا ألا لا یحل مال امرءٍ إلا بطیب نفس منه"، رواہ البیھقی فی شعب الإیمان والدارقطنی فی المجتبی (مشکوۃ، حدیث نمبر:۲۹۴۶رص ۲۵۵)۔

ایک دوسری روایت میں قیمتوں کی تسعیر سے صاف صاف منع فرمایا، روایت اس طرح ہے:

"إنه سعر فی المدینة فطلبوا التسعیر من رسول اللہ ﷺ فقال رسول اللہ ﷺ: إن اللہ تبا رک وتعالی ھو المسعر القابض الباسط" (بدائع الصنائع ۵ر۱۳۰ر بیروت)۔

حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کی رعیت کی جان، مال، عزت، مذہب، ذریعۂ معاش کو پورا تحفظ فراہم کرے، رعایا کسی بھی مذہب یا قوم سے تعلق رکھتی ہو۔ اسلام میں اس کو یہ پانچوں حقوق حاصل ہوتے ہیں، اشیاء کی گرانی سے اگر عوام کی ان پانچوں میں سے کوئی ایک بھی متاثر ہونے لگے تو پھر حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اس کی حفاظت کا بندوبست کرے، خاص طور پر لازمی اور ضروری اشیاء کی قیمتوں کی تقدیر وتسعیر سے ممانعت کی وجہ یہی ہے کہ مالی معاملات میں لوگوں کی آزادی سلب نہ ہونے پائے؛ اسی لیے جب اس قسم کی اشیاء گراں فروخت کی جانے لگیں اور لوگوں کو مشکلات یعنی جان ومال عزت وغیرہ کو نقصان درپیش ہو، تو ایسی صورت میں حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ایسی لازمی وبنیادی چیزوں کی قیمتیں مقرر کردے۔

ایک مستند طبیب اور میڈ کوز ہونے کی حیثیت سے راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ: ادویہ میں بے شمار دوائیں انتہائی رخیص اور سستی ہوتی ہیں، مثلا سپروفلاکساسین ۵۰۰ ایم جی کی قیمت، ڈاکٹر تک پہنچتے پہنچتے زیادہ سے زیادہ ۱۲ر یا پندرہ روپیہ کی دس گولیاں ہو جاتی ہیں، لیکن مریض سے ان دس گولیوں کی قیمتیں، پرنٹ کے لحاظ سے ۸۰ر یا ۱۲۰ر روپے کی شکل میں وصولی جاتی ہیں، ایسی بے جوڑ، قیمتوں اور گران فروشی پر روک لگا کر غریبوں کو زندگی کا سامان کرنا سرکار کی ذمہ داری ہے، یہی مثال مأکولات کی بھی ہے، اگر بے جوڑ اور غبن فاحش کے ساتھ اشیاء کی فروخت ہونے لگے تو پھر حکومت ایسے موقعوں پر قیمتوں کی تعیین وتقدیر کا حق رکھتی ہے۔

"ولا یسعر السلطان إلا أن یتعدیٰ أرباب الطعام عن القیمة تعدیا فا حشا" (کنزالدقائق رص ۴۲۷)۔

"وفی الحا شیة برقم ۴ر قوله : إلا أن یتعدیٰ ..الخ أی لا یسعر السلطان إلا إذا تعدی أرباب الطعام با لتحکیم علی المسلمین تعدیا فا حشا و عجزالسلطان عن صیا نة حقھم إلا با لتسعیر فلا بأ س به حینئذٍ بمشورۃ أھل الرا ئی و النظر، ولا یسعر إلا إذا أبوا أن یبیعوا إلا بغبن فا حش ضعف القیمة" (الحاشیۃ برقم ۴رعلی کنزالدقائق رص ۴۲۷)۔

سونے کی گرانی اور ارزانی سے عوام کے پانچوں بنیادی حقوق پر کوئی خاص اثر نہیں پڑ سکتا ہے، اس لیے ان کی قیمتوں کی تعیین وتقدیر میں حکومت کو دخیل بن کر تاجروں وخریداروں کی آزادی پر ضرب نہیں پہنچانی چاہئے، البتہ سونے چاندی کی درآمدات سے بالواسطہ طور پر ملک کی معیشت کے ساتھ ہی خارجہ پالیسیاں بھی مستحکم ہوتی ہیں۔ جس کا فائدہ ملک کی عوام کو بھی پہونچتا ہے، اس لیے حکومت کی طرف سے ان کی قیمتوں کو متعین کرنے سے ایک گونہ ملکی مفادات حاصل ہوتی ہیں۔ اس تعیین سے ایک سرسری قیمت عام لوگوں میں چل پڑتی ہے۔ جس کے مفید نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اس لیے شرعی طور پر ایسی تعیین وتقدیر درست ہے۔ جیسا کہ ایم پی حکومت کسانوں کو نقصان سے بچانے کے لیے گیہوں وغیرہ فصلوں کو خریدتی ہے، جس دام میں سرکار، پیداوار کو لیتی ہے عموماً بازار میں وہی بھاؤ جاری ہوجاتا ہے۔ حکومت کے اس عمل سے نہ کسانوں کا نقصان ہوتا ہے اور نہ عوام کو غبن فاحش کا شکار ہونا پڑتا ہے، اس کے باوجود اشیاء کی خرید وفروخت کے لیے عوام پر سرکار کی طرف سے طے کردہ قیمت لازم نہیں ہوتی ہے۔ اسی طرح سونے چاندی کی خرید وفروخت کے تعلق سے حکومت کا عمل ہونا چاہئے ممکن ہے یہ جذبات سرکار کے ہوں۔ ایسی صورت میں سرکار کا عمل، استحباب وجواز کے دائرے میں آتا ہے۔ لیکن سونے چاندی کی گرانی اور ارزانی سے عام لوگوں کے لیے بنیادی پانچوں حقوق متأثر نہیں ہوتے، اس لیے حکومت کے ذریعہ مقررہ قیمتوں پر بیچنا اور خریدنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ حکومت کی طے کردہ قیمتوں کے علاوہ قیمتوں سے بھی خرید وفروخت جائز ہے، اس صورت میں ربا تفاضل کا اطلاق نہیں ہوسکتا ہے۔

نوٹ: زیر بحث مسئلہ کے ''جزوءب'' سے متعلق کچھ فقہی اقتباسات جواب نمبر ۷ رکے ذیل میں آئیں گے۔

۲-سونے سے نکلنے والے ذرات صانع کی اجرت:

۲-''قال شیخ الإسلام بر ھان الدین المر غینا نیؒ:ولا تصح الإجا رة حتی تکون المنا فع معلومة والأجرة معلومة، لان الجھا لة فیھا تفضی إلی المنا زعة کجھا لة الثمن و المثمن فی عقد البیع وبیان جنس العمل وبیان للمدة کالخیاط"(مختارات النوازل جلد ۳/ ۳۵۵)۔

مذکورہ بالا تصریحات میں عقد اجارہ کی جائز شکل وطریقے کا بیان ہوا ہے، ساتھ ہی اجرتِ خدمت کے استحقاق کے بارے میں ائمہ کا اختلاف بھی بتلایا گیا ہے، لیکن صورت مسئلہ پر اس اختلاف سے جواز اور عدم جواز کا کوئی اثر نہیں پڑتا ہے، تاجر نے کاریگر کو مخصوص مقدار میں سونا دیا، اور اجرتِ صنعت کے بارے میں دونوں کو معلوم ہے کہ ''زیوارات بناتے وقت اس مقدار سونا میں لازمی طور پر کسی دوسری دھات کی آمیزش ہوتی ہے، اس دھات کی مقدارِ وزن سے، دئے گئے سونے میں کمی ہوتی ہے''، اور جانبین کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے: ''دھات کی آمیزش اور سونے کی کمی میں غبن نہیں ہوگا''۔

خاص طور پر تاجر بہرحال اس پر نظر رکھتا ہے کہ ''کاری گر زیادہ سونا نہ نکال لے''، اس لحاظ سے تاجر کی طرف سے کاریگر کو دیئے گئے سونے کی مقدار کے ساتھ ہی، کاری گر کی مزدوری طے ہوجاتی ہے۔ جس میں کوئی ابہام اور غرر نہیں ہوتا ہے، اور اس میں قفیز طحان کی شکل نہیں پائی جاتی ہے؛ کیوں کہ مخصوص مقدار میں سونے کے جو ذرات حاصل ہوئے ہیں وہ دھات کی لازمی آمیزش کے کی وجہ سے لازمی طور پر نکلے ہیں، وہ ذرات، کاری گر کی محنت کا نتیجہ نہیں ہیں، بلکہ وہ مستقل مالیت ہیں اور کاری گر کی محنت وہ ہے جو اس

نے دھات کی آمیزش سے زیور بنانے میں صرف کی ہے، اس لیے متعین مقدار میں ذرات کو بطور اجرت ٹھہرانا اور لینا، اس طرح معاملہ کرنا جائز ہے۔ بنابریں

الف۔سونے کی لین دین میں مقدار کا جو یہ فرق ہو رہا ہے وہ اجارہ ہوگا۔

ب۔سونے کے وزن کے تناسب سے اس میں آمیزش کی جانے والی دھاتوں کی مقدار لازمی طور پر طے کی جائے اور اسی تناسب سے دھاتوں کی آمیزش کی جائے، اس طرح صاف طور پر ذرات کی مقدار یعنی کاری گر کی اجرت بھی معلوم ہوجائے، تو اُسے بطور اجرت، کاری گر کو دینا اور لینا جائز ہے۔

۳-قدیم وجدید سونے کا باہم تبادلہ:

۳- قال شیخ الاسلام بر هان الدین المر غینانیؒ: "[۷۱۹]...ولا اعتبار للجو دة والصنعة فی الفضة والذهب فی حق الصرف، والتبر المضروب والمصوغ وغیره سواءٌ لإِ طلا ق النص ا ھ وفی الحا شیة ا ھ "قال أبو بکر: قال رسو ل الله ﷺ: لا تبیعوا الذهب با لذ هب إلا سواء بسواء، والفضة با لفضة إلا سواء بسواءٍ" (البخاری، باب بیع الذهب ۱/۲۹۰، مختارات النوازل جلد ۳/ص ۳۲۵/ ایفا)۔

"[۷۲۵] رجل له عشرة دراهم صحاح، فأراد أن یشتری بها إثنا عشر مکسرة لا یجوز لأنه ربا، فالحیلة فیه أن یقرض صاحب الدراهم المکسرة دراهم المکسرة، ثم یقبض من صاحب الصحاح عشرة صحیحة، و یبرأ عن درهمین" (مختارات النوازل جلد ۳/ص ۳۲۷ طبع اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)۔

سونے کا سونے سے تبادلہ ہو یا چاندی کا چاندی سے تبادلہ ہو، قدامت اور جودۃ کا اعتبار کرتے ہوئے وزن میں کمی زیادتی جائز نہیں ہے، کمی زیادتی سود ہے، اس لیے حرام ہے، ایسی صورت میں جواز کا راستہ یہ ہے کہ پرانا زیور جس وزن میں ہو، پہلے اس کی قیمت طے کی جائے، اور پھر روپے سے دوسرا نیا زیور لینے کا عقد کیا جائے، اس طرح پرانا زیور جو بیچا گیا، اس پُرانے زیور کے بدلے میں حاصل ہونے والے روپے سے نیا زیور خریدنا جائز ہوگا، یہ حیلۂ جواز خود حضرت رسول اللہ ﷺ کا بتلایا ہوا ہے۔

فی حا شیة مختارات النوا زل:" عن أبی سعید الخدری من عدة طرق، فأخرجهٗ عنه أحمد فی مسندهٖ أنه قال: جاء ہ(ﷺ) صا حب تمرة بتمرة طیب، وکان تمر النبی(ﷺ) یقال له اللون، قال: فقال له رسول الله(ﷺ): من أین لک هذا التمر الطیب؟ قال ذهبتُ بصا عین من تمرنا، واشتریتُ صاعا من هذا، قال، فقال: رسول الله ﷺ أربیتَ!(۳/۱۰، دیکھئے: ۳/۴۵، ۶۰، ۶۶، ۶۷)، وأخرج البیهقی عنه قال: قال رسول الله (ﷺ) اربیتَ، **إذا أردتَ ذالک فبع تمرک بسلعة، ثم اشتر بسلعتک أی تمر شئتَ**!(السنن الکبری، باب من قال بجریان الربا فی کل ما یکال و یوزن ۵/۲۸۶، حاشیہ علی مختارات النوازل ۳/۳۴۲ طبع ایفا)۔

لہٰذا براہ راست ردی سونے کا تبادلہ جید سونے سے وزن میں کمی بیشی کے ساتھ قطعی جائز نہیں، البتہ ردی سونے کی قیمت طے کی جائے اور اس قیمت کے بدلے میں جید سونے کی قیمت طے کی جائے تو یہ صورت جائز ہے۔

۴-سافٹ ویئر قبضہ:

کمپیوٹرائزا یکسچینج میں قابل غور اصل نکتہ ''قبضہ'' ہے، قبضہ جب بولا جاتا ہے تو ایسا ذہن میں آتا ہے کہ مشتری کے ہاتھ میں مبیع آجائے، یا مشتری اس پر کامل طور پر متصرف ہوجائے، قبضہ کی یہی تعریف یہ عام حالات میں تسلیم کی جاتی ہے، عقار جیسی غیر منقولہ مبیعات میں قبض بالبراجم کے بجائے، بائع کی طرف سے مشتری کو اس میں اختیاراتِ تصرف حاصل ہوجانا، قبضہ مانا جاتا ہے، وہاں قبض بالبراجم ضروری نہیں ہے، یعنی اشیاء اور حالات کے اختلاف سے مبیع پر قبضے کی تعریف بدلتی رہتی ہے۔

قا ل العلامۃالکا سانیؒ۔''قبضه: هو التمكين با لتخلي وارتفا ع الموانع عرفا و عا دة وحقيقة۔''
(بدائع الصنائع ۵/ ۲۴۴، مزید دیکھئے: ردالمحتار ۷/ ۹۴-۹۵)۔

قبضہ کی مختلف صورتیں یہ ہیں:

۱-فروخت شدہ گیہوں، بائع کے گھر میں ہے اور بائع نے مشتری کو گھر کی چابی دے دی، گھر کھولنے بند کرنے میں مشتری کے لیے کوئی مانع نہیں رہا تو غلہ پر مشتری کا قبضہ ہوگیا۔

۲-مبیع اثمار، بائع کے اشجار پر ہیں، توڑنے اور کاٹنے سے بائع کی طرف سے آزادی دے دی گئی ہے، تو اثمار علی اشجار البائع ہونے کی باجود، اس پر مشتری کا قبضہ مانا گیا ہے۔

۳-مشتری نے بائع کی اجازت کے بغیر، ثمن (Cost) ادا کرنے سے پہلے ہی مبیع کو اپنے قبضہ میں لینے کے بعد، ثمن پر بائع سے قبضے کا مطالبہ کیا اور اس نے ثمن پر قبضہ کے لیے موانع ہٹا لیا اور تو جب تک ہاتھ سے بائع قبضہ نہ کرلے، قبضہ نہیں ہوگا۔

۴-بائع کو ابھی ثمن نہیں ملا۔ پھر بھی اس نے مشتری اور مبیع کے درمیان قبضہ کے لیے تخلیہ کردیا ہے، تو یہی تخلیہ قبضہ مانا جائے گا۔

کمپیوٹر میں مشتری کے نام سے کسی شیٔ کا اندراج اس طور پر ہو کہ اس سے متعلق تاجر کے جملہ شعبہ جات، حکومت کے متعلقہ محکموں اور خود بائع کی سائٹ کے ساتھ، مشتری کی سائٹ، ای میل یا موبائل پر اطلاعات آجائیں، اس طرح آن لائن اندراج کے بعد بائع قانونی طور پر اس شیٔ کے تعلق سے مالکانہ حق سے دست بردار ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد بائع سامان کی حوالگی سے انکار نہیں کرسکتا ہے، اس شیٔ پر مشتری کو تصرف کا پورا اختیار حاصل ہوجاتا ہے، اس لیے ''**إثما رعلی الأشجار، حنطة فی بیت البا ئع**'' کی طرح وہ سامان بائع کے پاس رہتے ہوئے بھی مشتری کی ملکیت میں آجاتا ہے، اس لیے کمپوٹر میں اس طرح مشتری کے نام سے مبیع کا اندراج ہی اس پر مشتری کا قبضہ سمجھا جائے گا، چونکہ یہاں بائع کی طرف سے مشتری کو قبضہ دلایا جاتا ہے، اس لیے اگر مشتری نے ثمن نہ ادا نہ کیا ہو تو بھی شرعی قبضہ پالیا جائے گا، اگرچہ وہ چیز ہاتھ میں نہ آئی ہو، جیسے ''**اثما ر علی الاشجار، حنطة فی البیت، متصلة بملک البا ئع**'' وغیرہ۔

سونے کی اینٹ میں شامل مثلاً ۵۰ رگرام سونا خریدنا:

الف-فی الرد المحتا ر: بخلاف بیع قن ضم إلی مدبره أو نحوه فإنه یصح۔ وفی الدر المختار: علم من

هذا ما یقع کثیرا وهو أن أحد الشریکین فی دارٍ نحوها یشتری من شریکه جمیع الدار بثمن معلوم فإنه یصح علی الأصح بهبة شریکه من الثمن"(الدرالمختار ۷ / ۲۴۳، طبع زکریا)۔

"وأیضا فی رد المحتا ر: استحق بعض المبیع فإن کان استحقا قه قبل القبض للکل خیر فی الکل لتفرق الصفقة وان بعده خیر فی القیمی لا فی غیره لأن تبعیض القیمی عیب لا المثلی ۔ وفی الدر المختار: حا صل ما ذکره المصنف.....لو استحق بعض المبیع قبل قبضه بطل البیع فی قدر المستحق، ویخیر المشتری فی البا قی سواء اور ث الاستحقاق عیبا فی البا قی اولا، لتفرق الصفقة قبل التمام، وکذا لو استحق بعد قبض بعضهٖ ،سواء استحق المقبوض أو غیره، یخیر لمامر من التفرق۔ ولو قبض کله فا ستحق ولو لم یورث عیبا فیه کثوبین أوقنین استحق أحدهما أوکیلی أو وزنی استحق بعضه ولا یضر تبعیضه فالمشتری یأ خذ البا قی بلا خیار"(الدرالمختار ۷ / ۲۰۶، طبع زکریا)۔

بائع جب ایک کلوسونے کو دوسوحصوں میں پچاس پچاس گرام کی اکائیاں بنا کر فروخت کرتا ہے۔ تو ظاہری بات ہے کہ کسی مشتری نے ایک یونٹ یا دو یا جتنی بھی یونٹ خریدی تو اس میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ اور آن لائن کمپوٹرائز ڈ اندراج کے بعد اپنی مطلوبہ یونٹ کا مستحق ہوجا تا ہے۔ اس لیے بائع کے پاس ایک کلوسونے کی اینٹ میں اس کی یونٹ شامل ہے یا بسکٹ اور سکوں کی صورت میں، اس سے صحت عقد پر کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، اگر بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ اس کی یونٹ، اینٹ میں شامل ہے تو بھی مشتری اُتنی مقدار سونے کا مستحق ہوتا ہے اور خاص طور پر اس معاملہ کے کمپوٹرائز اندراج کی وجہ سے بائع قانونی طور پر مجبور ہوتا ہے کہ وہ متعینہ مقدار میں مشتری کو سونا دے، لہٰذا مذکورہ بالا طریقے سے اندراج کے بعد، ۵۰ / گرام سونے کی ایک یا زیادہ یونٹ خریدنے والا اپنی یونٹ پر قابض مانا جائے گا۔

البتہ اگر قبل العقد با قاعدہ بائع کی طرف سے بتا یا جائے کہ مشتری کا حصہ اینٹ میں شامل ہے، تو مشتری کے نام کا، مذکورہ بالا طریق پر اندراج، قبضہ نہیں ہوگا، کیوں کہ ایسی صورت میں اس کا حصہ پورے اینٹ میں شائع ہوگا، اور اس مشائعت کی وجہ اس کے حصے (یونٹ) میں بائع اور دوسرے مشتری کے حصے بھی شائع ہوں گے، بائع اور دوسرے مشتری کے حصوں کے شیوع کی وجہ سے اس پر مشتری کا قبضہ نہیں مانا جاسکتا ہے، البتہ ایسی صورت میں بھی بیع درست ہوجائے گی، اور مشتری اپنے حصے کو لے سکتا ہے۔

اس عقد کی صحت کے سلسلے میں، استحقاق مبیع کی مختلف صوتوں کی صحت اور عدم صحت کے سلسلے میں نقل کردہ فقہی عبارات کے علاوہ بیع قوائم الشجر، بیع الصوف علی الغنم کی عدم صحت پر جو دلیل دی جاتی ہے وہی یہاں اس عقد کی صحت کی دلیل ہے۔

"[۴۰۷] ویجو ز بیع قوائم الشجر علیه وبیع الصفوف علی الغنم عند أبی یو سف ؒ"وفی الحا شیة: "والمتون علی خلا فه بأن الصوف علی ظهر الغنم لا یجوز بیعهٗ.... ولأنه قبل الجز لیس بمال متقوم فی نفسهٖ لأنه بمنزلة وصف الحیوان... ولأنه یزید من أسفل فیختلط المبیع بغیره"(التبیین ۴ / ۴۶، مختارات النوازل ۳ / ۳۳۵، طبع ایفا انڈیا)۔

سونا مال متقوم ہے، اپنی ذات میں اس کے تمام اجزاء مستقل ہیں، اور اس کی ذات میں اضافہ نہیں ہوتا ہے، اس لیے اینٹ میں شامل ہونے کے باوجود اس کی بیع جائز و نافذ ہے۔

نیز مبیع پر قبضہ نہ ہونے کے باوجود، سونا چوں کہ ثمن خلقی اور سلعہ مثلی ہے، اس لیے مشتری کسی دوسرے سے اپنی یونٹ فروخت کرسکتا ہے۔

"[۶۷۹] والتصرف فی الثمن قبل القبض جا ئز، لأنه ليس فيه غرر انفساخ العقد بالهلاک لعدم تعيينها بالتعيين، بخلا ف المبيع۔" (مختارات النوازل ۳/۳۰۲،طبع ایفا انڈیا)۔

"[۶۸۶].....وهلاک العقار نادر فيجوز بيعه قبل القبض عند أبی حنيفه وأبی يو سف رحمهماالله ۴ **کالصرف فی الثمن لأن الثمن فی الذمة فلا يتصور الهلاک"** وفی الحاشیۃ" ۴ **ای التصرف فی الثمن قبل القبض يجوز** (فتح القدیر ۶/۴۷۵،دارالکتاب العلمیۃ بیروت لبنان، مختارات النوازل ۳/۳۰۰،ایفا انڈیا)۔

ب۔ آن لائن اندراج کے بعد، قانونی طور پر بائع، اس شی ء کے تعلق سے مالکانہ حق سے دست بردار ہوجاتا ہے، اس طرح اندراج کے بعد بائع سامان کی حوالگی سے انکار نہیں کرسکتا ہے، مشتری کو اس شی میں تصرف کا پورا اختیار حاصل ہوجاتا ہے، اس لیے اس قسم کا اندراج ہی مشتری کا قبضہ ہے۔

اگر اس طرح اندراج نہ ہو بلکہ صرف رجسٹر میں مشتری کا نام لکھا دیا جائے تو وہ مشتری کا قبضہ نہیں ہوگا، کیوں کہ ایسی صورت میں بائع پر قانونی گرفت بہت ڈھیلی رہتی ہے، وہ مال کی حوالگی میں ٹال مٹول کرسکتا ہے، اور ممکن ہے کہ کاغذی دستاویز کو ضائع کردے، جس سے مشتری کے لیے مبیع کا حصول مشکل ہوجائے، اس لیے غیر کمپیوٹرائزڈ اور غیر آن لائن اندراج کو قبضہ نہیں مانا جاسکتا ہے۔

۵-سونے کی مخصوص مقدار پر فرضی خرید وفروخت:

۵۔ بیان کردہ صورت مسئلہ میں درحقیقت بیع ہوتی ہی نہیں ہے، بلکہ قمار اور صفقة فی صفقة پایا جاتا ہے، اس لیے یہ صورت ناجائز ہے۔

"يا أيها الذين اٰمنوا إنما الخمر والميسر الأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطن فا جتنبوه لعلكم تفلحون" (مائدہ:۹۰)۔

لیکن لین دین کا یہ معاملہ اتنی مختصر باتوں پر نہیں قائم ہوتا ہوگا، بلکہ اس کی کاروباری شکلوں کی تفصیل ضرور ہوگی، جس کی پوری صورتیں اور شرطیں معلوم ہونے کے بعد ممکن ہے کہ: محصولات و مالیات کی قوت کو باقی رکھنے اور انہیں مستحکم بنانے کے لیے **عقد مقا ئضة، بيع التلجئة، بيع ا لوفاء، بيع العينه**، وغیرہ کی مختلف جائز و ناجائز صورتوں کی مماثلت کے ساتھ کچھ ایسی جائز شکلیں دستیاب ہوجائیں جو جدید کاروباری دنیا میں قمار اور ربوا وغیرہ حرام کاروبار سے حفاظت کا ذریعہ ثابت ہوں، اس لیے اس کاروبار کی پوری تفصیل حاصل کرنے کی کوشش ہونی چاہئے۔

۶-سونے اور چاندی کا احتکار:

احتکار کی تفصیل (بدائع الصنائع ۵/۱۲۹ میں مذکور ہے) اس کو جاننے کے بعد، دیکھیں کہ کن چیزوں کے احتکار سے عام لوگوں کو پریشانی ہوتی ہے، غلوں کو روک لیا جائے اور پہاڑ کی طرح سونے کا ڈھیر بازاروں میں لگا دیا جائے، بھوکے لوگ سونے کے ڈھیر سے زندہ نہیں بچ سکتے ہیں، اس کے برخلاف، تمام لوگوں سے سونے چاندی لے کر جمع کر دیا جائے اور ان کو خوراک ملتی رہے، تو زندگی کی گاڑی چلتی رہے گی، آدی واسی اور بے شمار غریب قومیں سونا چاندی سے سالوں سال محروم رہتی ہیں لیکن ان کے شب و روز کے معمولات میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، معلوم ہوا کہ سونا چاندی کے احتکار سے عام لوگوں کو تکلیف نہیں ہوتی ہے، سونا چاندی ثمن خلقی ہونے کے باوجود اِس وقت ذریعہ تبادلہ کے طور پر رائج نہیں ہیں، اس لیے بھی ان کے احتکار سے اشیاء کی قیمتوں پر کوئی فرق نہیں پڑسکتا ہے، سونے چاندی کے احتکار سے اشیاء کی گرانی نہیں ہوتی ہے، بلکہ اشیاء اور ماکولات کے احتکار سے اِن کی قیمتیں گراں ہوتی ہیں، اس لیے سونے چاندی کا کاروبار کرنے والے اگر سونے چاندی کا احتکار کریں تو جائز ہے، وہ گنہگار نہیں ہوں گے۔

۷-غیر قانونی طور پر دوسرے ممالک سے درآمد و برآمد شدہ سونے چاندی کی خرید و فروخت:

۷-سوال (ا) کے جزوء (ب) اور زیر ملاحظہ سوال (۷) کے تعلق سے ذیل میں اولاً کچھ فقہی اقتباسات نقل کی جاتی ہیں:

"إذاكان فعل الإمام مبنيا على المصلحة فيما يتعلق بالأمور العامة لم ينفذ أمرُهٗ شرعا إلا وا فقهٗ، فإن خا لفهٗ لم ينفذ، لهذا قال الإمام أبويوسف في :كتاب الخراج:من باب إحياء الموا ت، ليس للإمام أن يخرج شيئا من يد أحد الا بحق ثا بت معروفٍ".

وقال قاضي خان في فتاواه من كتاب الوقف: ولو أن سلطانا اذن لقوم ان يجعلوا ارضاً من أراضي البلدة حوا نيت موقوفة على المسجد أوأمرهم أن يزيدوا في مسجدهم قالوا: **إن كانت البلدة فتحت عنوة و ذالک لا يضر بالمار والنا سِ، ينفذ امرُالسلطان فيها،** وإن كانت البلدة فتحت صلحا تبقى على الملک ملاكها، فلا ينفذ امرُ السلطان فيها" (الاشباہ والنظائر مع شرحھا نورالبصائر ۱/ ۵۶۳، ناشر بزم نصر المؤمنین بڑودہ گجرات)۔

مذکورہ بالا فقہی تصریح میں مالیات کے باب میں عوام کے اموال کے تعلق سے امیر اور حاکم کے حکم کے نفاذ کی شکلیں بیان ہوئیں ہیں، نفاذ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ان حکموں کی خلاف ورزی کرے تو وہ عنداللہ گنہگار ہوگا، اور عدم نفاذ کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس حکم کے خلاف کوئی عمل کرے تو عنداللہ وہ شخص مجرم نہیں ہوگا اور شرعی نقطۂ نظر سے اس کا عمل قابل مواخذہ نہیں ہوگا، بلکہ اس سلسلے میں اس کا عمل اور معاملہ، حاکم وقت کی ہدایت کے خلاف ہونے کے باجود درست ہوگا۔

ایک ملک سے دوسرے ملک میں اشیاء کی درآمدگی اور برآمدگی میں حکومت کے قوانین سے صارفین کو عموما کافی تحفظ فراہم ہوتا ہے، اور اس حفاظتی بندوبست میں جو اخراجات آتے ہیں وہ بہرحال انہیں لوگوں پر ڈالنا چاہئے۔ جو اِس سرکاری حفاظت کا فائدہ اٹھاتے ہیں، چونکہ سرکار ملکی اور عوامی مفادات کے تحت دوسرے ممالک سے کاروبار کرنے والوں سے واجبات وصول کرتی ہے، اس لیے اس کو ادا کر کے سرکاری حفاظت میں اپنے کاروبار کو انجام دینا پسندیدہ، اور ایک حد تک ضروری بھی ہے، اوپر نقل ہوئی فقہی

عبارات کی روشنی میں سرکار کے واجبات کی ادائیگی کے ساتھ کاروبار کرنے کے لیے لازمی طور پر پابند ہونے کی شرط اور تفصیل یہ ہے کہ:

۱-اس قانون میں عوام کا فائدہ ہو،عوام کا نقصان نہ ہو۔

۲-تاجر کے کاروبار میں حکومت کا مادی سہارا شامل ہو۔

یہ دونوں شرطیں ''مختارات النوازل'' کی خط کشیدہ عبارت سے معلوم ہوتی ہیں۔

درآمدات اور برآمدات کے سلسلے میں زیر بحث معاملے میں دوسری شرط،حکومت کی طرف سے صارفین کو مادی اور قانونی تحفظ فراہم ہوتا ہے۔لیکن بعض عقود میں پہلی شرط مفقود ہوتی ہے۔مثلاً سونے کے کاروبار میں تاجر جو واجبات ادا کرتا ہے وہ اپنے اگلے مشتری سے وصول کرتا ہے۔

اس طرح آخری گاہک کو وہ مال کافی مہنگا ملتا ہے،جس سے بالعموم عام لوگوں کے مفادات کو فائدہ کے بجائے نقصان پہونچتا ہے، بنابریں غیر قانونی راستے سے سونے چاندی کی درآمدگی اور برآمدگی کے سلسلے میں شرعی طور پر عام حالات میں امیر کی اطاعت ضروری نہیں ہے،اس لیے امیر کے ذریعہ جاری ہدایات کے خلاف،سونے چاندی کا کاروبار کرنا جائز ہے،اسی کے ساتھ ہی اس کاروبار سے جڑے لوگوں کی دینی ذمہ داری ہے کہ ارکان حکومت اور سرکاری انتظامیہ سے ملکی اور عوامی مفادات کے لیے سرکاری واجبات میں تخفیف اور سہولیات فراہم کرنے کا اُصولی اور منطقی مطالبہ کرتے رہیں۔

۸- پلاٹین اور جواہرات میں زکوۃ:

فرضیت زکوۃ کے لیے سونا اور چاندی کے ساتھ سوائم کا نصاب منصوص اور متعین ہے اس لیے ان کے نصاب کی تکمیل اور شرائط کی موجودگی میں،ان پر زکوۃ واجب ہوتی ہے،لیکن ان کے علاوہ اشیاء میں جب تک تجارت کی نیت نہ کی جائے،اس وقت تک ان پر زکوۃ نہیں آتی ہے۔اور نیت تجارت کا اعتبار اشیاء کی ملکیت حاصل ہوتے وقت ہی مانا جائے گا۔اسی لیے اگر کوئی کسی چیز کا مالک بذریعہ میراث بنتا ہے تو فرضیت زکوۃ کے سلسلے میں اس پر نیتِ تجارت کا حکم نہیں جاری ہوگا،کیونکہ میت کے انتقال کے ساتھ اپنی وراثت میں نیت کرنا دشوار ہے،اس کے علاوہ مثلاً کوئی مال خرید رہا ہے اور اس وقت اس نے حاصل ہونے والی مبیع کے بارے میں تجارت کی نیت کر لی تو اس پر زکوۃ کا حکم جاری ہوگا۔اسی طرح مزدوری کر کے کچھ مال حاصل کرتا ہے اور مال حاصل ہوتے وقت اس کو فروخت کی نیت کرتا ہے تو اس پر بھی زکوۃ کا حکم جاری ہوگا،نیز کسی سے کوئی سامان فروخت کرنے کی نیت سے قرض حاصل کرتا ہے،تو وہ سامان مالِ تجارت ہوگا۔نصاب کی تکمیل اور شرائط زکوۃ کی موجودگی میں اس پر بھی زکوۃ آئے گی،اس مال کو حاصل کرتے یا حاصل ہوتے وقت اس میں تجارت کی نیت نہیں کی گئی تو پھر اس پر زکوۃ نہیں آئے گی۔خواہ وہ مال کتنی ہی زیادہ مالیت کا ہو، پلاٹین اگر میراث میں حاصل ہوتی ہے، یا خریداری یا اجاری یا استقراض کے ذریعہ اس کو حاصل کرتا ہے اور اس کو بطور زیب وزینت کے استعمال کرنے کا ارادہ ہے،تو اس پر بھی زکوۃ نہیں آئے گی،جیسا کہ ہیرا موتی اور دوسرے جواہرات پر زکوۃ نہیں آتی ہے۔

''ولا زكوة في اللآ لى والجوا هر وإن ساوت ألفا اتفاقاً إلا أن تكون للتجا رة والأصل ان ما عد

الحجرين والسوائم إنما يزكى بنية التجا رة بشرط عدم الما نع المودى إلى الثنى۔ شرط مقا رنتها بعقد التجارة وهو كسب المال بالمال بشراء أو اجارة أو استقراض۔ وفى الدرالمختار قوله ااالجوا هر: فاللؤلؤ والياقوت والزمردو أمثالها، درر عن الكافى۔ قوله وإن سا وت ألفا: فى نسخة " الو فا" (الدرالمختار مع الردالمختار ۳/ ۱۹۳،طبع زکریا)۔

اس وقت جو پلاٹین یا دوسرے جواہرات خریدے جاتے ہیں،اس کی خریداری کے وقت اگر یہ نیت رہی ہو کہ چونکہ اس کی قیمت بڑھتی رہتی ہے،اس لیے روپیوں کی گرتی ہوئی حیثیت کے پیش نظر پلاٹین کی شکل میں اپنی مالیت کو محفوظ کرلیا جائے،تو یہ نیت تجارت ہی ہے۔

کیونکہ روپیوں کی گرتی حیثیت کو اس جوہر کی قیمت سے پورا کیا جارہا ہے۔جو کہ مال میں نمو ہے،نیز اس ارادے میں اس کو فروختگی کی نیت صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے،اگر زیب وزینت اور ضروریات آرائش کے لیے نہیں خریدا ہے تو اپنا روپیہ اس میں مصروف کرنا ہی قرینہ ہے اس میں نیت تجارت کا،اس لیے ایسی صورت میں وہ مال تجارت ہوگا،اور اس میں زکوۃ کے احکام جاری ہوں گے۔

"وفا رغ عن حا جته الأصلية تام لو تقديراً با لقدرة على الا ستنماء ولو بنا ئبه۔ وفى الدر:قوله تام لو تقديراً: النما فى اللغة بالمد: الزيادة،.....التقديرى تمكنه من الزيادة يكون فى يده أو يد نائبه" بحر قوله الاستنماء أى طلب النمو" (الدرالمختار مع الردالمختار ۳/۱۷۹،طبع زکریا)۔

اس کی خریداری پر صراحۃً نیتِ تجارت نہ ہو بلکہ دلالۃً ہو،تو بھی اس پر احکام زکوۃ جاری ہوں گے،لیکن سونے چاندی سے مختلف ہونے کی وجہ سے اس پر سونے چاندی کے دوسرے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

خلاصہ جوابات:

۱-اگر روپے سے سونے چاندی کی خرید وفروخت ہو تو یہ "عقدِ صرف" نہیں ہے۔

الف-سونا چاندی اور روپیوں میں سے ایک نقد اور دوسرا ادھار ہو تو یہ جائز ہے۔

ب-حکومت کی طرف مقررہ قیمتیں بہت سے فوائد کی حامل ہیں،لیکن عام حالات میں بائع ومشتری اپنا سامان بیچنے اور خریدنے کے لیے،قیمتوں کی تعیین میں شرعی طور پر آزاد ہیں،حکومتوں کی طرف سے مقررہ قیمتوں سے کم یا زیادہ میں خرید وفروخت پر ربا فضل کا اطلاق نہیں ہوگا۔

۲-الف- سونے کی لین دین میں مقدار کا جو یہ فرق ہو رہا ہے وہ اجارہ ہوگا۔

ب-سونے کے وزن کے تناسب سے اس میں آمیزش کی جانے والی دھاتوں کی مقدار لازمی طور پر طے کی جائے اور اسی تناسب سے دھاتوں کی آمیزش کی جائے،اس طرح صاف طور پر ذرات کی مقدار یعنی کاری گر کی اجرت بھی معلوم ہو جائے،تو اُسے بطور اجرت،کاری گر کو دینا اور لینا جائز ہے۔

۳-سونے کا سونے سے تبادلہ ہو یا چاندی کا چاندی سے، تو قدامت اور جودۃ کا اعتبار کرتے ہوئے وزن میں کمی زیادتی جائز نہیں ہے، کمی زیادتی سود ہے اس لیے حرام ہے، البتہ ردی سونے کی قیمت طے کی جائے اور اس قیمت کے بدلے میں جید سونے کی قیمت طے کی جائے تو یہ صورت جائز ہے۔

۴-الف: بائع ایک کلو سونے کو دو سو حصوں میں پچاس پچاس گرام کی اکائیاں بنا کر فروخت کرتا ہے، لہٰذا مذکورہ بالا طریقے سے اندراج کے بعد، ۵۰ر گرام سونے کی ایک یا زیادہ یونٹ خریدنے والا اپنی یونٹ پر قابض مانا جائے گا۔

البتہ اگر قبل العقد باقاعدہ بائع کی طرف سے بتایا جائے کہ مشتری کا حصہ اینٹ میں شامل ہے، تو مشتری کے نام کا، مذکورہ بالا طریق پر اندراج، قبضہ نہیں ہوگا، البتہ ایسی صورت میں بھی بیع درست ہو جائے گی، اور مشتری اپنے حصے کو لے سکتا ہے۔

ب-آن لائن اندراج کے بعد بائع قانونی طور پر اس شی ء کے تعلق سے مالکانہ حق سے دست بردار ہو جاتا ہے، اس لیے اس قسم کا اندراج ہی مشتری کا قبضہ ہے، اگر اس طرح اندراج نہ ہو بلکہ صرف رجسٹر میں مشتری کا نام لکھا دیا جائے تو وہ مشتری کا قبضہ نہیں ہوگا۔

۵-بیان کردہ صورت مسئلہ میں درحقیقت بیع ہوتی ہی نہیں ہے۔ بلکہ قمار اور صفقة فی صفقة پایا جاتا ہے اس لیے یہ صورت ناجائز ہے۔

۶-سونے چاندی کے احتکار سے اشیاء کی گرانی نہیں ہوتی ہے، بلکہ اشیاء اور ماکولات کے احتکار سے اِن کی قیمتیں گراں ہوتی ہیں، اس لیے سونے چاندی کا کاروبار کرنے والے اگر سونے چاندی کا احتکار کریں تو جائز ہے، وہ گنہگار نہیں ہوں گے۔

۷-سونے چاندی کی درآمدگی اور برآمدگی کے سلسلے میں شرعی طور پر عام حالات میں امیر کی اطاعت ضروری نہیں ہے، اس لیے امیر کے ذریعہ جاری ہدایات کے خلاف، سونے چاندی کا کاروبار کرنا جائز ہے۔

۸-(الف): فرضیت زکوۃ کے لیے سونا اور چاندی کے ساتھ سوائم کا نصاب منصوص اور متعین ہے اس لیے ان کے نصاب کی تکمیل اور شرائط کی موجودگی میں، ان پر زکوۃ واجب ہوتی ہے، لیکن ان کے علاوہ اشیاء میں جب تک تجارت کی نیت نہ کی جائے، اس وقت تک ان پر زکوۃ نہیں آتی ہے۔

(ب) نیتِ تجارت کا اعتبار اشیاء کی ملکیت حاصل ہوتے وقت ہی مانا جائیگا۔ اس کی خریداری پر صراحۃً نیتِ تجارت نہ ہو بلکہ دلالۃً ہو، تو بھی اس پر احکام زکوۃ جاری ہوں گے۔

(ج) لیکن سونے چاندی سے مختلف ہونے کی وجہ سے اس پر سونے چاندی کے دوسرے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

☆☆☆

سونا چاندی کی تجارت اسلامی تناظر میں

مولانا ابُومحمد، محمد سعد نور القاسمی☆

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصل مسئلہ پر گفتگو سے پہلے بیع صرف اور کرنسی سے متعلق کچھ گفتگو ہو جائے، چنانچہ بیع صرف کے متعلق مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب ''قاموس الفقہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

صرف: ثمن کا ثمن سے تبادلہ:

صرف کے معنی لغت میں زیادتی اور اضافہ کے ہیں اس لئے ایک حدیث میں نفل عبادت کو صرف سے تعبیر کیا گیا ہے، کہ نفل کی حیثیت بمقابلہ فرائض کے اضافی ہے، اور چونکہ تجار کو سونے چاندی میں رغبت اسی لئے ہوتی ہے کہ اس سے مال میں اضافہ کیا جائے، ورنہ تو خود سونا چاندی انسان کی کسی بنیادی ضرورت کو پورا نہیں کرتا، اسی لئے اس معاملہ کو صرف کہتے ہیں (ہدایہ مع الفتح ۷/ ۱۳۳)، صرف کے معنی کسی چیز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے بھی ہیں چونکہ زر ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتا رہتا ہے اور اس کی گردش جاری رہتی ہے۔ کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے کی چیزوں کی طرح استعمال میں نہیں آتی اور انکی گردش کا سلسلہ کہیں تھمتا نہیں ہے، شاید اس لئے بھی زر کی خرید وفروخت کو صرف کہا جاتا ہے (حوالۂ سابق)۔

فقہ کی اصطلاح میں ''صرف'' سونے چاندی کی ایک دوسرے سے خرید وفروخت کا نام ہے۔ **''الصرف هو البيع إذا كان كل واحد من عوضيه من جنس الأثمان''** (ہدایہ ۳/ ۱۰۴ کتاب الصرف)۔

درست ہونے کی شرطیں:

صرف کے درست ہونے کے کے لئے مجموعی طور پر چار شرطیں ہیں۔

۱-فریقین کی طرف سے اپنے عوض پر الگ ہونے سے پہلے قبضہ حاصل کر لینا۔

۲-اگر دونوں طرف سے ایک ہی جنس کی شئے ہو تو دونوں کا برابر ہونا۔

۳-فریقین یا ان میں سے ایک کا اپنے لئے غور وفکر کی مہلت حاصل نہ کرنا۔

۴-فریقین میں سے کسی کی جانب سے معاوضہ کی ادائیگی کے لئے کوئی خاص مدت مقرر نہ کرنا۔

اب ان شرائط کو کسی قدر وضاحت سے بیان کیا جاتا ہے:

☆ مدرس ومفتی مدرسہ مظہر العلوم مسجد نکھوشاہ، بیکن گنج، کانپور (یوپی)۔

مجلس میں قبضہ:

سونا سونے چاندی چاندی یا سونے چاندی میں سے ایک دوسرے کے بدلہ فروخت کیا جائے تو ضرور ہے کہ دست بدست لین دین ہو یعنی جس مجلس میں معاملہ طے ہوا اسی مجلس میں دونوں فریق اپنی مطلوبہ چیز پر قبضہ کرلیں، اگر قبضہ سے پہلے مجلس ختم ہوگئی یعنی ایک دوسرے سے الگ ہوگئے تو یہ خرید وفروخت فاسد ہوجائے گی (فتاوی قاضی خاں ۲/ ۲۵۲)۔

مقدار میں برابری:

اگر سونا سونے کے بدلہ اور چاندی چاندی ہی کے بدلہ فروخت کی جائے تو یہ بھی ضروری ہے کہ مقدار کے اعتبار سے برابر ہو، گو عمدگی اور ساخت کے اعتبار سے دونوں میں تفاوت پایا جاتا ہے پھر بھی کمی بیشی کی گنجائش نہیں۔

خیار شرط نہ ہونا چاہئے:

چونکہ صرف میں فریقین کا ایک دوسرے کو مالک بنادینا ضروری ہے اس لئے فریقین میں سے کوئی اپنے لئے ایسا اختیار حاصل نہیں کرسکتا جس کے تحت دوسرا پوری ملکیت سے محروم ہوجائے۔ مثلاً اپنے لئے دو تین دن غور کرنے کی مہلت حاصل کرلے، (جسکو فقہ کی اصطلاح میں خیار شرط کہتے ہیں) ہاں اگر سامان میں کوئی عیب نظر آئے جسکی معاملہ کے وقت وضاحت نہیں ہوئی تھی تو اسکو واپس کرنے کا حق حاصل ہوگا (یہ خیار عیب کہلاتا ہے)، اسی طرح قبضہ کرتے ہوئے سامان دیکھ نہ پایا تھا تو قبضہ کرنے کے بعد اس سامان کو واپس کرنے کی گنجائش ہوگی (یہ صورت خیار رویت کہلاتی ہے)، کیونکہ ان صورتوں میں مجلس کے اندر قبضہ ثابت ہوجاتا ہے (فتح القدیر ۷/ ۱۳۷)۔

فریقین کی طرف سے عوض کی حوالگی میں مہلت دینے اور لینے کا حکم:

مجلس کے اندر دونوں طرف سے قبضہ کے ضروری ہونے کی وجہ سے اس معاملہ میں فریقین یا ان میں سے کسی ایک کی طرف سے عوض حوالہ کرنے کے لئے مہلت دینا یا مہلت حاصل کرنا درست نہیں ہے (حوالہ سابق)، ہاں اگر مجلس ختم ہونے سے پہلے مہلت ختم کردی جائے اور فریقین قبضہ حاصل کرلیں تو یہ معاملہ درست ہوجائے گا (قاموس الفقہ ۴/ ۲۲۴-۲۲۵)۔

دوسرا مسئلہ:

کرنسی نوٹوں کا حکم:

کرنسی نوٹ کے متعلق فقہاء کرام کی قدیم تحقیق یہ تھی کہ براہ راست ثمن نہیں؛ بلکہ اسکی حقیقت صرف اتنی ہے کہ سونا اور چاندی جو ثمن خلقی ہیں یہ نوٹ اسکی دستاویز سند کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، لیکن موجودہ زمانہ میں کرنسی نوٹ کے متعلق جو تحقیق سامنے آئی ہے اس کی رو سے یہ کرنسی نوٹ ثمن ہی ہیں، البتہ ان کو ثمن عرفی کہا جاتا ہے، کیونکہ موجودہ زمانہ میں ان کی ماہیت اور حقیقت یکسر تبدیل ہوگئی ہے، اور سونا چاندی کے ساتھ کرنسی نوٹ کا کوئی تعلق باقی نہیں رہا، اسی طرح ان نوٹوں نے پوری طرح سونے اور چاندی کی جگہ لے لی ہے، یعنی اب یہ نوٹ سونے چاندی کی دستاویز کے طور پر استعمال نہیں ہوتے بلکہ فرضی قوت خرید کی نمائندگی

کررہے حکومت کی طرف سے ہر شخص مجبور ہے کہ انکو عوض کے طور پر قبول کرے لہذا یہ کرنسی نوٹ عرفاً قانوناً ثمن ہی متصور ہوتے ہیں۔

اور یہی رائے اس زمانہ کے فقہائے کرام کی ہے چنانچہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اپنی عربی مقالہ ''احکام الاوراق النقدیہ'' میں جس کا اردو ترجمہ مختلف کتابوں میں شائع ہوچکا ہے، نیز یہ مقالہ صاحب احسن الفتاوی نے بھی اپنی کتاب (احسن الفتاویٰ ۷/۵۱) میں نقل کیا ہے اسی قول کو ترجیح دیا ہے، یہی رائے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی بھی ہے (دیکھئے: قاموس الفقہ ۲۲۵/۴،مزید تفصیل کے لئے عصر حاضر کے فقہاء کے فتاوی ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں)۔

اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ نوٹ اور سکے ثمن اصطلاحی ہیں یعنی لوگوں کے تعامل اور رواج کی وجہ سے ثمن کے درجہ میں آگئے ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کرنسی کے تبادلہ کے مسئلہ پر بھی غور کرلیا جائے۔

کرنسی کے تبادلہ کی تین صورتیں ہیں:

(۱) ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ اسی ملک کی کرنسی سے۔

(۲) ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ دوسری ملک کے کرنسی سے۔

(۳) کرنسی کا تبادلہ سونے چاندی سے (جوکہ ہمارا اصل مسئلہ ہے)

☆ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ اسی ملک کی کرنسی سے ہوتو برابری بھی ضروری ہوگی۔اور ایک ہی مجلس میں قبضہ بھی لہذا آج کل خراب نوٹ زیادہ مقدار میں لے کر اچھے نوٹ کم مقدار میں دینا اور کسی قدر زیادہ پیسہ لے کر روپیہ بھنانے کا جو رواج ہے وہ جائز نہیں،اور سود میں داخل ہے (دیکھئے: قاموس الفقہ ۲۲۶/۴)۔

☆نیز مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ''فتاوی عثمانی''میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

جواب: سو روپے کے نوٹ کو چالیس یا پچاس روپے میں خریدنا جائز نہیں، کیونکہ آج کل یہ نوٹ فلوس کے حکم میں آگئے ہیں،اور بیع الفلس بالفلس امام محمدؒ کے قول پر مطلقاً اور شیخینؒ کے قول پر غیر معین ہونے کی صورت میں ناجائز ہے۔اور فتوی امام محمدؒ کے قول پر ہے،لہذا نوٹوں کا تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں،اور جو حضرات نوٹوں کو فلوس کے بجائے دین کی رسید قرار دیتے ہیں ان کے قول پر بھی یہ بیع الکالی بالکالی ہونے کی بنیاد پر ناجائز ہوگی (فتاوی عثمانی ۱۴۸/۳)۔

۲- کرنسی کے تبادلہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ کسی دوسرے ملک کی کرنسی سے ہوتو اس سلسلے میں ہمارے زمانے کے اہل علم حضرات نے مختلف ملکوں کی کرنسیوں کو علیحدہ جنس کا درجہ دیا ہے اس لئے انکے تبادلہ میں کمی کی جائے تو کوئی حرج نہیں،یہی رائے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی ہے (قاموس الفقہ ۲۲۶/۴)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

جواب:مختلف ملکوں کی کرنسیوں کا کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ جائز ہے۔بشرطیکہ کم ازکم ایک فریق اپنے روپیہ پر قبضہ کرلے۔

''لئلا یکون افتراقا عن دین بدین''۔ فی المستدرک للحاکم ج ۲ ص: ۶۵۔۶۶(بیروت) عن ابن عمرؓ أن النبی ﷺ نهی عن بیع الکالی بالکالی رقم ۲۳۴۲ ۔ عن ابن عمرؓ عن النبی ﷺ انه نهی عن بیع الکالی

بالکالی هو النسیئة بالنسیئة ۔ رقم ۲۳۴۳ ۔ واللّٰہ اعلم (فتاوی عثمانی ۳/۱۴۸)۔

۳- کرنسی کا تبادلہ سونے چاندی سے جو ہمارا اصل مسئلہ ہے اور جسکے جواب کے لئے یہ گفتگو چل رہی ہے، اگر کرنسی کا تبادلہ سونے چاندی سے ہو تو کرنسی کی حیثیت سامان کی ہو جائے گی اور سونا چاندی اصل زر متصور ہوگا۔ کیونکہ خلقی ثمن میں ثمنیت اور زر بننے کی صلاحیت زیادہ ہے اور اصطلاحی اور رواجی ثمن اس سے کم تر درجہ کی حامل ہے، لہذا کرنسی اور سونے چاندی کے تبادلہ کی صورت یہ بیع صرف نہیں ہوگی کیونکہ صرف کہتے ہیں سونے چاندی کی ایک دوسرے سے خرید وفروخت کو، یہاں سامان کا سونے چاندی سے تبادلہ ہو رہا ہے۔ اور جب یہ بیع صرف نہیں ہے تو پھر جانبین سے مجلس میں قبضہ بھی ضروری نہیں ہوگا۔ اور نہ مقدار میں مماثلت لازم ہوگی، بلکہ ایک کو نقد اور دوسرے کو ادھار کر کے نقد ادھار ہر طرح خرید وفروخت جائز ہوگی۔

چنانچہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت سے متعلق اپنی رائے اور نوٹ کے بدلے سونے چاندی کی نقد اور ادھار خرید وفروخت کا حکم تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

جواب: الی الأخ العزیز الأستاذ خیر الدین شاهین

السلام علیکم و رحمة الله و برکاته

اما الذهب سواء کان تبراأو مصوغاً فقد أجمع الأئمة الأربعة على انه لايُعامل معاملة البضائع ، وإنما یعمل أحکام النقود فی جمیع الأمور ، لکن " الأوراق النقدیة" وقع فیه خلاف بین العلماء المعاصرین، و إن کثیراً من علماء البلاد العربیة جعلوها فی حکم الذهب سواء بسواء ولکن خالفتهم فی رسالتی" أحکام الأوراق النقدیة" وذکرت أنها لیست قائمة مقام الذهب فی جمیع الأمور، فلاتجری فیها أحکام الصرف، ولذلک یجوز عندی أن یشتری الذهب أو الفضة بالنقود، ویجوز أیضا أن یشتری الذهب نسیئة بالأوراق النقدیة (۱)ولکن یجب أن یکون تقابض أحد البدلین فی المجلس إذا کان ذهبا خالصاًوان یعرف الأجل عند العقد وقد قبل هذاالموقف معظم علماء الهند و کثیر من باکستان، والتفصیل فی رسالتی" أحکام الأوراق النقدیة"أما کون الذهب والفضة فقد اصفة النقدیة ، فهذا غیر مسلم حتی الآن

والسلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

محمد تقی العثمانی بقلم : عبداللّٰه میمن

۱۴۲۱/۹/۲۴ھ (فتوی نمبر ۴۸/۴۵۹) (فتاوی عثمانی ۳/ ۱۵۹،مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: المبسوط للسرخسی ۱۴/ ۲۵، ہدایہ ۳/ ۲۲۴، ردالمحتار ۷/ ۴۱۴، البحرالرائق ۶/ ۱۹۴، الفتاوی الہندیہ ۳/ ۲۲۴)۔

اسی طرح جیولری کے کاروبار اور سونے کی خرید وفروخت کے بارے میں اہم نوعیت کے مختلف سوالات کے جوابات تحریر کئے ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: فتاوی عثمانی ۳/ ۱۵۴)۔

صاحب احسن الفتاوی تحریر فرماتے ہیں:

سوال: آج کل کے مروجہ نوٹ اور سکے جو حکومت کی طرف سے رائج ہیں جن کے ساتھ لوگ بیع وشراء اور لین دین

کرتے ہیں کیا یہ سونے اور چاندی دونوں یا صرف سونے یا صرف چاندی کے حکم میں ہے؟ کیا ان کے ساتھ سونے اور چاندی کی بیع بالفضل والنسیئۃ یا صرف بالفضل یا صرف بالنسیئۃ جائز ہے یا نہیں؟ بینو ا و توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

رائج نوٹ اور سکے سونے چاندی کے حکم میں نہیں نہ ہی سونے چاندی کی رسید ہیں لہذا ان سے بیع ذہب وفضۃ بہر کیف جائز ہے تفاضل ونسیئہ بھی جائز ہے البتہ حرمت ربوبصورت تبادل بالجنس واقع ہوگی اور فرضیت زکوٰۃ میں یہ سکہ بحکم فضہ ہے، ’’کماقالوا فی الفلوس الرائجة ‘‘(احسن الفتاوی ۶/۵۱۸)۔

نیز اسلامی فقہ اکیڈمی کے چوتھے سمینار میں جو کہ حیدرآباد میں ۲۷۔ ۳۰ محرم ۱۴۱۲ھ مطابق ۹۔ ۱۲ ر اگست ۱۹۹۱ء بعنوان ’’دوملکوں کی کرنسی کا تبادلہ‘‘منعقد ہوا تھا یہ تجویز پاس ہوئی تھی۔

چوتھے سمینار میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ دوملکوں کی کرنسیوں کے تبادلہ میں عوضین پر فوری قبضہ مجلس عقد میں ضروری ہے یا نہیں۔شریک علماء کے دو رجحانات سامنے آئے۔ایک رائے یہ ہے کہ مجلس عقد میں ہر دوعوض پر فوری قبضہ ضروری نہیں ایک عوض پر قبضہ کافی ہے کیونکہ نوٹوں کی حیثیت کلی طور پر سونے چاندی جیسی نہیں کہ یہ اعتباری اور اصطلاحی اثمان ہیں۔

علماء کی ایک جماعت اسے خلقی اثمان (سونے چاندی) کی طرح تصور کرتی ہے اس لئے بدلین پر قبضہ کو مجلس عقد میں ضروری قرار دیتی ہے البتہ یہ حضرات عام طور پر قبضہ کی تعریف کو وسیع کرتے ہوئے ڈرافٹ اور چیک کے حصول کو اصل بدل پر قبضہ کے مترادف قرار دیتے ہیں۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ اجلاس ہر دو مؤقر آراء کو سامنے رکھتے ہوئے طے کرتا ہے کہ دوملکوں کی کرنسیوں کے ادھار تبادلہ میں بہر حال احتیاط برتی جائے۔لیکن واقعی حاجت وضرورت کی صورت میں اول الذکر رائے پر عمل کیا جاسکتا ہے(نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے ص ۱۶۷)۔

یہ قرارداد آج سے ۲۶ سال پرانی ہے ظاہر ہے اب علمائے کرام کی آراء بدل چکی ہے اور اب مفتیان عظام پہلی رائے کو ہی ترجیح دیتے ہیں جیسا کہ مولانا خالد سیف اللہ صاحب نے (قاموس الفقہ ۴/ ۲۲۶) میں اسی کو اختیار کیا ہے۔

(۵) مفتی احسان اللہ شائق صاحب پاکستان لکھتے ہیں:

رائج الوقت کاغذی نوٹ اور سکے سونے چاندی کے حکم میں نہیں نہ ہی سونے اور چاندی کی رسید ہیں لہذا انکے ذریعہ سونا اور چاندی خریدنا جائز ہے چاہے زیورات خریدیں یا اشرفی یا دراہم ان پر بیع صرف کے احکام جاری نہیں ہونگی (جدید معاملات کے شرعی احکام ۱/۱۲۸)۔

نیز مفتی احسان اللہ شائق صاحب سونے چاندی کی ادھار خرید وفروخت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں سونا چاندی اس طرح ادھار پر فروخت کرنا کہ مثلاً سونے کے زیورات خریدلے اور رقم کچھ ابھی دیدی اور کچھ بعد میں دینے کا وعدہ کیا یا کل رقم ادھار ہے شرعا اسکا حکم یہ ہے کہ چونکہ کاغذی نوٹ کے ذریعہ سے سونے چاندی کا لین دین بیع صرف کے حکم میں داخل نہیں ہے۔اس لئے ادھار خرید وفروخت جائز ہے۔شرط یہ ہے کہ عوضین میں سے کسی ایک پر مجلس عقد میں قبضہ ہوجائے تاکہ بیع الکالی بالکالی لازم نہ آئے۔

"لما قال العلامة ابن عابدين رحمه الله (تنبيه) سئل الحانوتى عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة فأجاب بانه يجوز إذا قبض أحد البدلين "(درالمختار ۴/ ۲۰۵ باب الربوٰ کتاب البیوع)۔

وفى الهندية قال وروى الحسن عن أبى حنيفة إذا اشترى فلوساً بدارهم وليس عندهذا فلوس ولاعند الاخر دراهم ثم إن احدهما دفع وتفرق جازو إن لم ينقدوا حدمنهما حتى تفرقا لم يجز كذا فى المحيط (عالمگیریہ ۳/ ۱۲۴ الفصل الثالث فی بیع الفلوس)(جدید معاملات کے شرعی احکام ۱/ ۱۲۸)۔

مذکورہ بالاتحریرات کی روشنی میں سوال کی شق الف کا جواب واضح ہوگیا کہ جیسا کہ کرنسی کے ذریعہ سونے چاندی کی خرید و فروخت بیع صرف نہیں تو پھر سونے چاندی اور کرنسی میں سے ایک کو نقد اور دوسرے کو ادھار کر کے خرید وفروخت بھی بلاتکلف جائز ہوگی،بس شرط یہ ہے کہ عوضین میں سے کسی ایک پر مجلس عقد میں قبضہ ہوجائے تا کہ بیع الکالی بالکالی لازم نہ آئے۔

اب رہا مسئلہ سوال کی شق ثانی کا تو اس پر گفتگو سے پہلے ایک اور مسئلہ پر گفتگو ہونی چاہئے کہ حکومتوں یا جمعیتوں اور تنظیموں کا اشیاء کی قیمت متعین کرنا اور دوکانداروں کو اسی متعینہ قیمت پر خرید وفروخت کا پابند بنانا کیسا ہے؟

تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ شریعت الٰہیہ کی حکمت میں اصل یہ ہے کہ بیچنے والے اور خریدنے والے کے درمیان باہمی رضامندی والی تجارت میں کوئی بھی مداخلت نہ کرے اور بازار میں ریٹ کا معاملہ طرفین کے درمیان پوری آزادی سے طے ہو اور اس میں کسی طرح کی مداخلت اور دخل اندازی نہ ہو جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان دعوا الناس يرزق الله بعضهم من بعض مشیر ہے یعنی لوگوں کو آزاد چھوڑ دو۔ اللہ تعالی نے بعض کی بعض سے روزی طے کردی ہے اسی وجہ سے تسعیر یعنی نرخ متعین سے حدیث پاک میں ممانعت آئی ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف کی روایت میں ہے: "غلاالسعر على عهد رسول الله ﷺ فقالوا: يا رسول الله ! سعّر لنا۔ فقال ﷺ: إن الله هو المسعر القابض الباسط الرزاق و إن لأرجوأن ألقى ربى وليس أحدمنكم يطلبنى بمظلمة فى دم و لامال" (أخرجہ الترمذی باب ماجاء فی التسعیر ۱۳۱۴)۔

(یعنی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قیمتوں میں گرانی ہوگئی تو آپ سے عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول ہمارے لئے نرخ متعین فرما دیجئے! تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی ہی قیمت متعین کرنے والا، رزق تنگ کرنے والا، روزی کشادہ کرنے والا اور روزی دینے والا ہے، میں چاہتا ہوں کہ اپنے رب سے اس طرح ملوں کہ تم میں سے کوئی بھی مجھ سے کسی طرح کے جانی یا مالی ظلم کا مطالبہ نہ کرے)۔

اس حدیث پاک کی بنیاد پر جمہور فقہاء نے حکام کو قیمت متعین کرنے سے منع کیا ہے، چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: "ولاينبغى للسلطان أن يسعر على الناس لقوله عليه السلام لاتسعروا فإن الله هو المسعر القابض الباسط الرزاق" (الہدایہ مع التکملہ ۸/ ۴۹۲)، لیکن یہ اور اس طرح کی عبارتوں میں بیان کردہ حکم اُن حالات میں ہے جبکہ اس کی ضرورت نہ ہو یا اس سے لوگوں کو ضرر ہو، البتہ اگر ایسے حالات پیدا ہوجائیں کہ تاجروں کی طرف سے زیادہ قیمت بڑھادی جائے کہ جس سے لوگوں کو کھانے، پینے اور پہننے کی ضروری چیزوں میں ضرر اور پریشانی لاحق ہونے لگے۔ اور تجار بار بار تنبیہ اور سرزنش کے بعد بھی اپنی منمانی اور شرارت سے باز نہ آئیں اور حکام کے پاس قیمت متعین کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ ہو تو پھر قاضی یا حکام أصحاب الرائے اور اہل

بصیرت حضرات کے مشورے سے قیمت متعین کردیں تاکہ لوگ اسی متعینہ قیمت کے مطابق خرید وفروخت کریں۔

جیسا کہ صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں: "فإن كان ارباب الطعام يتحكمون و يتعدون عن القيمة تعديا فاحشاوعجز القاضى عن صيانة حقوق المسلمين إلا بالتسعير فحنيئذلابأس به بمشورةمن أهل الرأى والبصيرة" (الہدایہ مع التکملۃ ۸/۴۹۲، شامی ۹/۵۷۳، زکریا دیوبند)۔

ہدایہ کی مذکورہ بالا عبارت سے یہ واضح ہوگیا کہ ارباب طعام کے تعدی فاحش کی صورت میں قاضی اہل رائی اور بصیرت حضرات کے مشورے سے قیمت متعین کردے گا۔اور اس تعدی فاحش کا اندازہ امام زیلعیؒ کے نزدیک قیمت کا دوگنا ہونا ہے۔

چنانچہ مفتی تقی عثمانی صاحب "فقہ البیوع" میں فرماتے ہیں: "وقدر الزيلعىؒ التعدى الفاحش بضعف القيمة" (تبیین الحقائق ۶/۲۸ بحوالہ فقہ البیوع ۲/۱۰۰۱)۔

پتہ چلا کہ شریعت الہیہ نے عام حالات میں قیمت متعین کرنے کے عمل کو اچھا نہیں سمجھا ہے البتہ خاص حالات میں اس کی گنجائش ہے اب یہاں پر ایک مسئلہ یہ ہے کہ جب حکومت نے قیمت متعین کردی تو اس کی پابندی کا کیا حکم ہے، نیز اگر کوئی مخالفت کرے تو اسکی بیع نافذ ہوگی یا نہیں اور یہ رقم اس کے لئے جائز اور حلال ہوگی یا نہیں؟

تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ حکومت کے نرخ اور بھاؤ متعین کرنے کے بعد اسکی پابندی واجب اور ضروری ہے اور اس سے زیادہ قیمت لینا مکروہ ہے۔حتی کہ فقہا نے حکم عدولی کرنے والوں کی سرزنش اور قید وغیرہ کی اجازت دی ہے (دیکھئے: شامی ۵/۱۹۶)۔

تاہم اگر کسی نے اس سے زیادہ قیمت پر بیچ دیا تو اس کی بیع صحیح ہوگی اور زائد قیمت اس کے لئے جائز اور حلال ہوگی۔

چنانچہ صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں: "فإذافعل ذلك وتعدى رجل عن ذلك و باع بأكثر منه أجازه القاضى و هذا ظاهر عند أبى حنيفة رحمه الله لانه لايرى الحجر على الحر و كذا عندهما" (الہدایہ مع التکملۃ ۸/۴۹۲)۔

شامی میں ہے: "و ظاهره انه لو باعه بأكثر يحل وينفذ البيع" (شامی ۹/۵۷۴ زکریا دیوبند)۔

عالمگیری میں ہے: "فإن سعّر فباع الخباز باكثر مما سعّر جاز بيعه" (ہندیہ ۳/۱۰۳)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

اشیاء ضروریہ کا نرخ مقرر کرنا اور اس سے زیادہ میں فروخت کرنا مارکیٹ میں اشیاء ضروریہ کی خرید کو آسان بنانے اور قیمت پر کنٹرول قائم رکھنے کے لئے حکومت کی جانب سے بعض اوقات اشیاء کا نرخ متعین کردیا جاتا ہے اور دوکاندار اسی قیمت پر سامان فروخت کرنے کے پابند ہوتے ہیں۔حکومت کے اس طرح کے اقدام کو فقہاء نے خصوصی حالات میں جائز قرار دیا ہے، چنانچہ حصکفیؒ کا بیان ہے:

"ولايسعر الحاكم إلا إذا تعدى الأرباب عن القيمة تعديا فاحشا" (درمختار علی ہامش الرد ۵/۲۵۶)۔

حاکم اشیاء کا نرخ متعین نہیں کرے گا سوائے اس کے کہ تاجر حضرات قیمت میں غیر معمولی اضافہ کردیں۔

تاجروں کے لئے اس متعینہ نرخ کی پابندی واجب ہے اور اس سے زیادہ قیمت لینا مکروہ ہے۔اسی لئے فقہا نے عدول حکمی کرنے والوں کی سرزنش اور قید وغیرہ کی اجازت دی ہے (دیکھئے: ردالمحتار ۴/۱۹۶)، تاہم اگر اس نے زیادہ قیمت میں سامان

فروخت کیا تو یہ رقم اس کے لئے جائز وحلال ہوگی۔ عالمگیری میں ہے: "فان سعر فباع الخباز باکثر مما سعر، جاز بیعه" (ہندیہ ۳/۳ ۱۰)۔

(پس اگر حکومت کی طرف سے متعینہ نرخ سے بڑھ کر نان بائی نے قیمت لے لی تو بھی خرید وفروخت جائز ہوگی) (جدید فقہی مسائل ۱/۳۵۱-۳۵۲)۔

مذکورہ بالا گفتگو سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مخصوص حالات میں حکومتوں اور مختلف اہم اداروں کے لئے قیمت متعین کرنے کی گنجائش ہے، البتہ قیمت متعین ہوجانے کے بعد پھر اس کی پابندی ضروری ہے تاہم اگر اس کے خلاف زیادہ یا کم قیمت پر بیچ دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

اب ہمارے اس زمانے میں لوگوں میں امانت ودیانت مفقود ہوچکی ہے۔ حرص لالچ، جھوٹ، عیاری، چالاکی کا دور دورہ ہے ایسی صورت میں اگر ان کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو پتہ نہیں بیچاری عوام کا کیا حال ہوگا۔ اس لئے خیال ہوتا ہے کہ اس زمانے میں حکومت یا اس طرح کے اداروں کا قیمت متعین کرنا بہت ضروری ہے۔ اور لوگوں پر اس کی پابندی واجب ہے۔ تاہم اگر کوئی شخص سونے چاندی کی متعینہ قیمت سے کم یا زیادہ قیمت پر خرید وفروخت کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ بلاشبہ اسکی آمدنی حلال ہوگی۔ اور چونکہ کرنسی اور سونا چاندی باہم جنس نہیں ہیں اس لئے قیمت کی کمی زیادتی کے ساتھ خرید وفروخت بلاتکلف درست ہوگی اور اس کمی زیادتی پر ربا کا اطلاق نہیں ہوگا۔ کیونکہ ربا تفاضل کا اطلاق وہاں پر ہوتا ہے جہاں پر دونوں چیزیں ایک ہی جنس کی ہوں اور یہاں دونوں الگ الگ جنس ہیں جیسا کہ تفصیل سے اس مسئلہ پر کلام ہو چکا ہے تو پھر ان میں کمی بیشی بھی حلال ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب

۲- سوال نمبر ۲ کے اندر جو صورت ذکر کی گئی ہے اگر اس میں سونے اور زیورات کے لین دین کے فرق کو بیع مانا جائے تو اس میں کئی قباحتیں لازم آتی ہیں۔

۱- ایک تو یہ کہ سونے اور سونے کے زیورات کے اندر جو بیع ہورہی ہے یہ بیع صرف ہے اور بیع صرف کے جواز کی مجموعی طور پر چار شرطیں ہیں:

(۱) اگر جنس واحد ہو تو برابر ہونا ضروری ہے کمی زیادتی جائز نہیں۔ (۲) مجلس عقد میں عوضین پر قبضہ ہوجائے۔ (۳) فریقین یا ان میں سے ایک کا اپنے لئے غور وفکر کی مہلت حاصل نہ کرنا۔ (۴) فریقین میں سے کسی کی جانب سے معاوضہ کی ادائیگی کیلئے کوئی خاص مدت مقرر نہ کرنا، چنانچہ ہدایہ میں ہے:

"الصرف هو البيع إذا كان كل واحد من عوضيه من جنس الأثمان فإن باع فضة بفضة أو ذهبا بذهب لايجوز إلا مثلابمثل. ولابد من قبض العوضين قبل الافتراق .... ولهذا لايصح شرط الخيار فيه ولاالأجل" (ہدایہ ۳/۱۰۴ کتاب الصرف کتاب البیوع)۔

اور یہاں پر اکثر شرطیں مفقود ہیں:

(۱) جنس واحد ہونے کے باوجود برابری اور مساوات مفقود ہے۔ (۲) مجلس عقد میں عوضین پر قبضہ بھی نہیں ہے۔ (۳)

معاوضہ ایک جانب سے ادھار ہے اگر سونے کو بیع مانا جائے تو ثمن ادھار ہے۔ اور اگر ثمن مانا جائے تو مبیع غیر معدوم ادھار ہے۔ اس لئے یہ صورت بیع ماننے کی صورت میں ناجائز ہوگی۔

(۲) دوسری خرابی یہ لازم آرہی ہے کہ عام بیوعات کے اندر بھی مبیع کی موجودگی ضروری ہے حالانکہ یہاں پر اگر زیورات کو مبیع مانا جائے تو مبیع معدوم ہے اور معدوم چیز کی بیع باطل ہے مثلاً درخت میں پھل لگنے سے پہلے فروخت کردینا یا کھیتی ظاہر ہونے سے پہلے کھیتی فروخت کرنا یا فلیٹ کی تعمیر سے پہلے اسکو فروخت کرنا یا گاڑی بک کروانے کے بعد تیار ہوکر قبضہ میں آنے سے پہلے آگے فروخت کردینا وغیرہ۔

(۳) تیسری خرابی یہ لازم آرہی ہے کہ زیورات مبیع مقدور التسلیم نہیں ہے حالانکہ بیع کے صحیح ہونے کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مبیع مقدور التسلیم ہو یعنی ایسا مال ہو کہ بائع اسکو خریدار کے حوالہ کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ جن صورتوں میں بائع مال خریدار کے حوالہ کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو مثلاً کوئی جانور بھاگا ہوا ہو جب تک قبضہ میں نہ آجائے یا مچھلی شکار کرنے سے پہلے فروخت کرنا وغیرہ ناجائز وحرام ہے۔

(۴) چوتھی خرابی یہ لازم آرہی ہے کہ زیورات مبیع کی مقدار معلوم نہیں حالانکہ بیع کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ مقدار مبیع معلوم ہو کیونکہ اگر مبیع کی مقدار معلوم نہ ہوگی تو عقد بیع میں نافذ نہ ہوگا۔ بلکہ جہالت کی وجہ سے فاسد ہوگا۔ مثلاً تقسیم سے قبل ایک وارث اپنے غیر معینہ حصہ کو فروخت کردے۔

چنانچہ ہدایہ میں ہے: ”**ولایجوز بیع السمک قبل أن یصطاد لأنه با ع مالا یملکه ولافی حظیرة إذا کان لایؤخذ إلا بصید لأنه غیر مقدور التسلیم**“ (ہدایہ ۵۱/۳ کتاب البیوع)۔

(۵) پانچویں خرابی یہ ہے کہ اگر زیورات کو ثمن مانا جائے تو ثمن مجہول ہے۔ اور ثمن کی یہ جہالت مفضی إلی المنازعة ہوسکتی ہے، لہذا یہ بھی فساد سے خالی نہیں، ہدایہ میں ہے: ”**والأثمان المطلقة لاتصح إلا أن تکون معروفة القدر والصفة لأن التسلیم والتسلم واجب بالعقد وهذه الجهالة مفضیة إلی المنازعة فیمتنع التسلیم والتسلم وکل جهالة هذه صفتها تمنع الجواز هذا هو الأصل**“ (ہدایہ ۳/۲۰-۲۱)۔

اس لئے مذکورہ بالا خرابیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اسکو بیع قرار دینا درست نہیں ہے۔ اب ایک ہی صورت ہے کہ اسکو اجارہ مانا جائے۔ اور اجارہ ماننے کی صورت میں بھی ایک خرابی لازم آرہی ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہاں کاریگر کو سونے کے بچے ہوئے ذرات اجرت میں ملے ہیں جو کہ اجرت العامل من جزء العمل کی قبیل سے ہے، اور یہ قفیز طحان والی روایت کی وجہ سے ناجائز اور ممنوع ہے، لیکن اس کا ایک حل موجود ہے۔ بہتر ہوگا کہ اس حل کو پیش کرنے سے پہلے قفیز طحان کے مسئلے کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔

اجرت کی تعیین میں جن صورتوں کو ناکافی یا نادرست سمجھا گیا ہے ان میں ایک صورت یہ ہے کہ کسی ایسی چیز کو اجرت بنایا جائے جو خود اجیر اور عامل کے عمل کے ذریعہ بعد کو وجود میں آنے والی ہے فقہاء کی زبان اور تعبیر میں خود اجیر کے جزء عمل کو اجرت بنایا جائے، اس کے درست ہونے اور نہ ہونے پر بہت سی صورتوں کا حکم موقوف ہے، اسی لئے صاحب ہدایہ نے لکھا ہے:

”**هذا أصل کبیر یعرف به فساد کثیر من الإجارات لاسیما فی زماننا**“ (ہدایہ ۲۸۹/۳)۔

لیکن یہ مسئلہ متفق علیہ نہیں بلکہ اس میں اختلاف ہے۔ کہ اس طرح اجرت کی تعیین درست ہوگی یا نہیں امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، ابوثور، ابن منذر، حسن، اورابراہیم نخعیؒ نے اسکو منع کیا ہے، امام احمدؒ، امام اوزاعیؒ ابن سیرین، عطاء، حکم، زہریؒ، قتادہؒ، معمرؒ اوران کے علاوہ مشہور تابعی محدث اور فقیہ سعید بن المسیب کی بھی یہی رائے ہے اسی کے قائل ابن ابی لیلیٰ، اوزاعیؒ اور لیثؒ بھی ہیں شوافع میں امام مزنیؒ بھی جائز قرار دیتے ہیں امام مالکؒ سے اکثر اہل علم نے اس سلسلے میں امام ابوحنیفہؒ کی موافقت نقل کی ہے کہ وہ اسکو ناجائز قرار دیتے ہیں لیکن ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے مالکیہ کا مسلک بھی اس کے جائز ہونے کی بابت نقل کیا ہے (دیکھئے الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/ ۱۷۵)۔

مانعین کی دلیل یہ حدیث ہے: **"عن أبی سعید خدریؓ قال: نهى عن عسب الفحل و عن قفیز الطحان"** (الدرایہ فی تخریج أحادیث الهدایة ۳/ ۲۸۹)۔

(حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ اونٹ کی جفتی کی اجرت اور قفیز طحان سے آپ نے منع فرمایا ہے، قفیز طحان سے مراد یہ کہ کسی کو گیہوں وغیرہ پینے کو دیا جائے اور اس سے کہا جائے کہ پیسے ہوئے آٹے میں سے اتنی مقدار میں پسائی کی اجرت کے بطور اس کو دیا جائے گا۔ اس حدیث کے سند ومتن پر محدثین نے کلام کیا ہے، چنانچہ حدیث پاک کے جزء ثانی کے بارے میں حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ دارقطنی ابویعلی اور بیہقی میں مذکور ہے اور ضعیف ہے (الدرایہ فی تخریج أحادیث الهدایة ۳/ ۲۸۹)۔

علامہ ابن قدامہ مقدسی نے ابن عقیل سے نقل کیا ہے کہ یہ روایت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی ہے **"وهذا الحدیث لانعرفة ولایثبت عندنا حجة"** (المغنی ۵/ ۸)۔

اور اس حدیث کی سند کے اندر بھی محدثین نے کافی کلام کیا ہے حتی کہ سند کے محدثین کے نزدیک متکلم فیہ ہونے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ سے منقول ہونا بھی مشکوک ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: تدریب الراوی ۱/ ۲۱۱)۔

دوسرے یہ بھی احتمال ہے کہ حدیث میں اس صورت کی ممانعت مقصود ہو جب کہ مقدار اور تعداد مقرر نہ کی جائے آٹا پینے والے (طحان) کو کتنے قفیز اجرت کے طور پر دیئے جائیں گے۔ اس صورت میں اجرت کے غیر متعین ہونے کی وجہ سے یہ معاملہ درست نہ ہوگا۔ اور اگر مقدار متعین کردی جائے اور اجرت واضح ہوجائے تو اب یہ معاملہ درست ہوجائے گا تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ یہ حدیث ایسے مروج معاملات کو شامل نہ ہوگی جن میں اجیر کے عمل کے اس جزء کو پوری طرح متعین اور واضح کرلیا گیا ہو۔ جس کی حیثیت اجرت کی ہے۔

تیسرے، ہم کو اس امر پر بھی غور کرنا چاہئے کہ احناف نے قفیز طحان والی حدیث میں ممانعت کے لئے کسی سبب اور علت کا استخراج کیا ہے امام طحاوی نے جو کچھ لکھا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ اس نے آٹا کو اجرت بنایا ہے جو فی الحال اس کے پاس موجود نہیں ہے بلکہ اسکے پینے کے بعد ہی اسکا وجود ہوسکے گا۔ پس ایک معدوم اور غیر موجود شئے کو اس نے اجرت بنایا ہے اور یہ درست نہیں ہے۔ اسی لئے اس معاملہ سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ ایسی چیزوں کے بیچنے سے منع فرمایا گیا ہے جو بیچنے والے کے پاس معاملہ کرتے وقت موجود نہ ہوں (دیکھئے: مشکل الآثار ۱/ ۳۰۷)۔

اب اس خاص معاملہ کے علاوہ جہاں کہیں بھی علت پائی جاتی ہے اور غیر موجود شئے کو اجرت بنایا جاتا ہے وہ تمام چیزیں

ناجائز قرار پائیں گی۔

اسی کا نام قیاس ہے اور جو احکام قیاس کے ذریعہ ثابت ہوں اگر عرف وعادت اسکے خلاف ہو تو قیاس کو ترک کر دیا جاتا ہے اور عرف کی بنا پر ایسے مروج عمل کو درست قرار دیا جاتا ہے، جیسا کہ فقہاء نے کاریگروں کے معاملے میں کیا ہے کہ جوتا ساز کو جوتا کا آرڈر دیا جائے اور خرید کا معاملہ طے کرلیا جائے یہ درست ہے، حالانکہ یہاں بھی بیچنے والا جن جوتوں یا سامانوں کو فروخت کرتا ہے وہ ابھی موجود نہیں ہوتا، لیکن لوگوں کے تعامل عرف اور رواج کی رعایت کرتے ہوئے فقہاء نے اس کو جائز قرار دیا ہے، اسی کو کتب فقہ میں استصناع سے تعبیر کیا گیا ہے (دیکھئے: ہدایہ ۴۵/۳)۔

اور فقہ کی کتابوں میں اس کے حسب ذیل نظائر موجود ہیں:

۱- حدیث سے مزارعت کا جواز معلوم ہوتا ہے: فقہاء کے درمیان گو اس میں اختلاف ہے اور امام ابوحنیفہؒ مزارعت کو درست نہیں کہتے ہیں؛ لیکن تعامل اور رواج کو دیکھتے ہوئے احناف نے بھی اسکے جواز ہی کا فتوی دیا ہے (ہدایہ ۴۰۹/۴)۔

مزارعت میں مزارع کو پیداوار کا ایک حصہ ہی اجرت کے طور پر ملتا ہے جو صریحا عامل کے جزء عمل کو اجرت بنانے کی نظیر ہے۔

۲-فقہاء نے کھیتی ہی کی طرح پھلوں میں بھی بٹائی داری کی اجازت دی ہے، جس کو فقہ کی زبان میں،، مساقاۃ،، کہا جاتا ہے یہاں بھی صراحۃ عامل کے جزء عمل کو ہی اجرت بنایا جارہا ہے۔

۳-اس کی تیسری نظیر،مضاربت،، ہے، مضاربت یہ ہے کہ ایک فریق کی طرف سے سرمایہ ہو اور دوسرے کی طرف سے محنت، اور اس سے جو نفع حاصل ہو وہ ایک خاص تناسب کے ساتھ دونوں میں تقسیم ہوجائے، یہاں بھی تاجر و مضارب کو اس کا جزء عمل ہی اجرت کے طور پر ملتا ہے حالانکہ اس کے جواز پر فقہاء کا اتفاق ہے انہیں نظائر کو اسی نوعیت کے ایک مسئلہ میں علامہ مقدسی نے اس طرح ذکر کیا ہے: ''وإنها عين ينتمى بالعمل عليها فصح العقد عليها ببعض نما ئها كالدراهم والدنانير كالشجر فى المسا قاة والأرض فى المزارعة (المغنی ۷/۵)۔

۴- ہمارے اس زمانے میں زکوٰۃ اور چندوں کے وصول کرنے پر کچھ فیصد کمیشن مقرر کرنا بھی اسی باب کا مسئلہ ہے اور یہ صرف ایک زکوۃ پر موقوف نہیں بلکہ آج کی کاروباری دنیا میں مختلف معاملات میں کمیشن ایجنٹ کی صورت رواج پذیر ہوگئی ہے، ایجنٹ ادارہ یا کاروبار کو جتنی رقم کا ممبر فراہم کرتا ہے اسی تناسب سے اس کو اجرت دی جاتی ہے، عجیب اتفاق ہے کہ یہ مختلف صورتیں کثرت سے رائج ہیں، اور عرف کا درجہ حاصل کرچکی ہیں، دوسری طرف اوپر یہ بات گذر چکی ہیں کہ قفیز طحان سے متعلق مسائل قیاس پر مبنی ہیں اور قیاسی مسائل میں عرف کو راجح قرار دیا جاتا ہے۔

چندوں کے وصول کرنے میں سفراء اور محصلین وعاملین کے لئے کمیشن کی ایک بڑی مصلحت یہ بھی ہے کہ ایسے مدارس اور ادارے جنکی پشت پر تاریخی عظمت نہ ہو، اور جو عام مسلمانوں کے چار آٹھ آنے کے ذریعہ اپنی ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں، سفراء کے لئے یہ صورت زبردست ترغیب کا باعث بن جاتی ہے، اور وہ زیادہ سے زیادہ محنت اور لگن کے ساتھ اپنا فرض انجام دیتے ہیں، اگر تنخواہیں مقرر ہیں تو بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کی وصولی اور سفر کے اخراجات نیز تنخواہ برابر ہوجاتی ہے، اور ادارہ کو ان سے

خاطر خواہ نفع نہیں پہونچتا۔

قفیز طحان والی روایت کے علاوہ اس طرح کے معاملات کو نہ درست قرار دیئے جانے کی دوسری وجہ یہ ذکر کی جاتی ہے کہ ان صورتوں میں اجرت کی مقدار پوری طرح متعین نہیں ہوتی۔ اور اجرت کا غیر متعین (مجہول) ہونا من جملہ ان اسباب کے ہیں جن کی وجہ سے اجارہ کا معاملہ درست نہیں ہوتا۔ یہ شبہ درست نہیں اس سلسلہ میں عاملین زکوٰۃ کے لئے کمیشن کے مسئلہ پر راقم سطور نے اپنی تالیف قاموس الفقہ میں جو کچھ لکھا ہے اسکا ایک حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

رہ گئی بات یہ کہ اس میں اجرت متعین نہیں ہوتی اور اجارہ کے منعقد ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اجرت معلوم ہو جائے ہم عرض کریں گے کہ اجرت کا اس طرح غیر متعین اور نا معلوم ہونا اجارہ کے درست ہونے کے لئے رکاوٹ ہے۔ جو آئندہ چل کر نزاع اور باہمی اختلاف کا سبب بن سکتا ہے یہاں ایسی بات نہیں بلکہ یہ متعین ہے کہ وہ جس قدر چندہ وصول کرے گا اس تناسب سے اجرت کا مستحق ہوگا اس لئے بعد میں نزاع پیدا ہونے کا امکان نہیں اور تعامل وتجربات اس پر شاہد ہیں۔

چنانچہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے خرید وفروخت کے ایسے معاملات کو دیانتاً درست قرار دیا ہے جس میں گو کہ قیمت یا سودا پوری طرح متعین نہ ہو مگر آئندہ نزاع یا اختلاف پیدا ہونے امکان نہ ہو۔

”إن من البيوع الفاسدة مالواتیٰ بها أحد جازت ديانة و إن كانت فاسدة قضاءً أو ذلک لأن الفساد قد يكون لحق الشرع بإن اشتمل العقد على ماثم فلايجوز بحال وقد يكون الفساد لمخافة التنازع ولايكون فيه شئى آخريوجب الاثم ۔ فذلک ان لم يقع فيه التنازع جاز عندى ديانة وإن بقى فاسداً قضاءً الا رتفاع علة الفساد وهو المنازعة“(فیض الباری ۳/۲۵۸ کتاب البیوع)۔

(بعض بیوع فاسدہ ایسی ہیں اگر کوئی شخص ان کا معاملہ کرلے تو دیانۃً جائز ہیں گو قضاءً فاسد ہیں ایسا اس لئے کہ فساد کبھی حق شرع کی بنا پر ہوتا ہے کہ وہ معاملہ کسی گناہ پر مشتمل ہو یہ معاملہ کسی صورت میں جائز نہیں ہوگا اور کبھی فساد نزع کے اندیشہ سے پیدا ہوتا ہے اور اس میں اور کوئی باعث گناہ نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں اگر نزاع نہیں پیدا ہو تو میرے نزدیک دیانۃً جائز ہوگا چونکہ فساد ختم ہو چکا ہے گو وہ قضاء فاسد باقی رہے گی)(ماخوذ ملخصاً از جدید فقہی مسائل ۴/۳۱۹-۳۳۳)۔

اب تک کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے:

۱- قفیز طحان والی روایت کی سند محدثین کے نزدیک متکلم فیہ ہے۔

۲- اس کا متن بھی محدثین کے نزدیک مشکوک ہے۔

۳- اس میں یہ تاویل ممکن ہے کہ یہ اس صورت پر محمول ہے جس میں مقدار مقرر نہ کی گئی ہو۔

۴- اگر تاویل نہ ہو اور یہ سمجھا جائے کہ عامل کے جس عمل کو اجرت نہ بنایا جائے تو ایسی تمام جزئیات پر اسکا انطباق قیاس کے قبیل سے ہوگا۔

۵- اور قاعدہ ہے کہ قیاس کے ذریعہ ثابت شدہ احکام کا اگر عرف ورواج کے مطابق ثابت شدہ احکام سے تعارض ہو تو قیاس کو چھوڑ کر مروج اور معروف عمل کو جائز قرار دیا جاتا ہے۔

۶- اوراسی وجہ سے ہمارے زمانے میں تجارت کے اندر بہت سے ایسے طریقے رائج ہیں جن میں عامل کے جس عمل کو اجرت قرار دیا جاتا ہے اوراس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے معاملات میں اگر چہ قطعی مقدار مقرر نہیں کی جاتی لیکن ایسا تناسب طے کر دیا جاتا ہے جو اجرت کی مقدار مآلاً متعین کر دیتا ہے اور نزاع پیدا نہیں ہوتا اور کسی معاملہ میں ایسی جہالت اور عدم تعین جو نزاع کا باعث نہ ہو مضر نہیں۔

۷- اور شریعت الہیہ میں مزارعت مساقات اور مضاربت کی شکل میں اسکے نظائر موجود ہیں۔ اور صحت وصراحت کے ساتھ ثابت ہے جو عامل کے جزء عمل کو اجرت قرار دینے کو درست قرار دیتی ہیں اس لئے ہمارے زمانے میں تجارت اور معاملات کے اندر ایسی صورتیں جو قفیز طحان کے قبیل سے ہیں اور کثرت سے رائج ہیں جائز ہونی چاہئے لہذا سونے کے زیورات کی شکل میں جو ذرات اجرت بن رہے ہیں وہ اجرت من جزء العمل ہیں۔ اور قفیز طحان کے قبیل سے ہونے کی وجہ سے ناجائز ہونا چاہئے۔ لیکن چونکہ یہ مسئلہ قیاسی ہے، اور عرف ورواج اسکے برخلاف جواز کا فتویٰ دیتا ہے۔ اور قیاس وعرف ورواج میں تعارض کی شکل میں عرف ورواج کو ہی ترجیح ہوتی ہے۔ اس لئے یہ سونے کی ذرات کے اجرت عرف ورواج کے مطابق جائز ہونی چاہئے۔ یہی رائے خاتم المحدثین حضرت علامہ انور شاہؒ کی بھی ہے۔ جیسا کہ پیچھے (فیض الباری ۲۵۸/۳) کے حوالہ سے اقتباس گذر چکا ہے اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی بھی ہے (دیکھئے: جدید فقہی مسائل ۳۲۸/۴-۳۳۲)۔

اوراب یہی رائے اس زمانہ کے اکثر اہل علم اور ارباب افتاء کی ہے۔

۳- سونا چاندی اگر ڈلے یا سکے کی شکل میں ہو تو باتفاق فقہاء انکا تبادلہ صرف ہوگا۔ اسی طرح فقہاء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ سونا چاندی اگر ڈھلا ہوا ہو زیورات اور سونے چاندے کے برتنوں وغیرہ کی شکل میں تو انکا تبادلہ بھی صرف ہی ہوگا۔ اور وہ بھی بے ڈھلے سونے چاندی کے حکم میں ہوگا۔ لہذا اگر سونے کے زیورات کو سونے کے ڈلے، یا دینار یا کسی دوسرے زیور کے بدلے میں بیچا جائے تو اس میں تماثل اور تقابض ضروری ہوگا۔ اور اگر خلاف جنس کے ساتھ بیچا جائے تو تقابض ضروری ہوگا۔ یہی ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کا پسندیدہ مذہب ہے (فقہ البیوع ۷۰۸/۲)، اگر چہ ابن قیمؒ نے جمہور کی مخالفت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ڈھلے ہوئے سونے چاندی کی بیع دینار یا بے ڈھلے سونے چاندی کے ساتھ تفاضل یعنی کمی زیادتی کے ساتھ بھی جائز ہے اوراس میں تقابض بھی شرط نہیں۔ گویا کہ انہوں نے اسکو صرف نہیں مانا بلکہ عمل صناعت کی وجہ سے وہ سونے چاندی کے حکم سے نکل کر دیگر مال کی طرح ہو گیا (اعلام الموقعین ۱۰۴/۲)، لیکن یہ قول شاذ ہے۔ روایت درایت دونوں کے خلاف ہے (فقہ البیوع ۷۰۹/۲، تفصیل کے لئے دیکھئے: إعلام الموقعين ۱۰۴/۲، نیز فقہ البیوع للشیخ عثمانی ۷۰۹/۲)۔

اس لئے صورت مسئولہ میں جبکہ گاہک پرانا مال لاتا ہے جسکا کل وزن ۱۰ گرام ہوتا ہے اور قیمت مثلاً پندرہ ہزار طے ہوتی ہے اور نئے مال کا وزن ۸ گرام ہوتا ہے اور قیمت پندرہ ہزار طے ہوتی ہے یعنی صرف مال کا تبادلہ ہوتا ہے نقد روپیوں کا کوئی دخل نہیں ہوتا یہ طریقہ ناجائز اور حرام ہوگا۔ اس لئے کہ سونے چاندی کے زیورات بھی سونا چاندی کے حکم میں ہے لہذا کمی زیادتی کے ساتھ انکی خرید وفروخت درست نہیں ہے ربا اور سود میں داخل ہے۔

چنانچہ مسلم شریف کی روایت ہے، حضرت فضالہ بن عبیدؓ فرماتے ہیں: " **أتى رسول الله ﷺ وهو بخيبر بقلادة**

فیها خرز و ذهب وهی من المغانم تُباع۔ فأمر رسول الله ﷺ بالذهب الذی فی القلادۃ، فنزع وحدہ ثم قال لھم رسول الله ﷺ: الذھب بالذھب وزناً بوزنٍ"(صحیح مسلم باب بیع القلادۃ فیہا خرز وذہب، حدیث:۴۰۴۶)۔

(کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں خیبر میں ایک ہار پیش کیا گیا جس میں موتی اور سونا تھا اور اسکو مال غنیمت کے بدلے میں فروخت کیا جارہا تھا تو آپ ﷺ نے ہار کے سونے کے بارے میں حکم دیا تو وہ ہار سے الگ کردیا گیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ سونے کو سونے کے بدلے برابر برابر وزن میں خرید وفروخت کی جائے۔ دیکھئے اس روایت میں بظاہر یہ معلوم ہورہا ہے کہ وہ ہار ڈھال کر کے تیار کیا ہوا تھا تو اگر ڈھالے ہوئے زیور کی بیع بے ڈھلے سونے کے ساتھ حرام نہ ہوتی تو سونا الگ کرنے کا حکم نہ دیا جاتا تھا۔ اور اگر یہ ڈھلا ہوا سونا سامان کے حکم میں ہوتا جیسا کہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں تو پھر چونکہ اس ہار میں موتی شامل تھا اور اس کے ساتھ بنا ہوا تھا تو یقیناً اس ہار کو سامان کی حیثیت دیا جانا زیادہ درست اور لائق ہوتا۔ لیکن اس ہار کو سامان کی حیثیت نہ دینا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ڈھلے ہوئے سونے کو سامان نہیں بلکہ سونے کے حکم میں ہی رکھا ہے۔ اسی طرح ایک اور روایت ہے۔

(ابورافع کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ میرے پاس آئے، آپ کے پاس چاندی تھی، اور کہا کہ ہماری ایک بچی کے لئے پازیب بنادو، میں نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! میرے پاس بنے ہوئے پازیب رکھے ہیں، آپ چاہیں تو چاندی میں لے لیتا ہوں، اور آپ پازیب لے لیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا برابر وزن دینے کو تیار ہو، میں نے کہا کہ جی ہاں، تو حضرت عمرؓ نے چاندی ترازو کے ایک پلڑے میں رکھی اور پازیب دوسرے میں جب ترازو سیدھی ہوگئی تو آپ نے ایک ہاتھ سے پازیب لیا اور دوسرے ہاتھ سے چاندی پکڑائی (معانی الآثار بحوالہ اعلاء السنن ۱۴/۲۸۸)۔

موضوع سے متعلق اور بھی روایتیں ہیں لیکن اختصاراً انہیں پر اکتفا کرتا ہوں ان روایتوں وآثار سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ سونے چاندی کے تیار شدہ زیورات بھی سونے اور چاندی کے ہی حکم میں ہے اس لئے جیسے سونے کے تیار زیور کو زائد سونے کے عوض اور چاندی کے تیار زیور کو زائد چاندی کے عوض میں فروخت کرنا جائز نہیں اسی طرح سونے چاندی کے زیورات کا آپس میں کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ بھی ناجائز اور حرام ہوگا اس لئے سوال میں ذکر کردہ طریقہ بھی ناجائز اور حرام ہوگا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب مذکورہ صورت ناجائز ہوگئی تو پرانے زیور کے نئے زیور سے تبادلہ کی جائز صورت کیا ہوگی؟

اسکا جواب یہ ہے کہ جو عام فہم اور آسان طریقہ ہے وہ یہ کہ دوکاندار گاہک سے روپئے میں اسکا پرانا زیور خریدے اور گاہک کو روپیہ ادا کردے اسکے بعد گاہک جو نیا زیور خریدے اس کی قیمت اس سے وصول کرلے۔ اسکے لئے دوکاندار کو صرف اتنا اہتمام کرنا پڑے گا کہ اپنے پاس نقدی کی ایک مقدار حاضر رکھنی پڑے گی۔ لیکن یہ کوئی مشکل بات نہیں اور اس تھوڑے سے اہتمام کی برکت سے وہ بڑے گناہ سے بچ جائے گا۔

زیور کے زیور سے تبادلہ کے چند اصول:

اگر زیور کا زیور سے تبادلہ کرنا ہو تو مندرجہ ذیل چند اصول کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

الف: اگر دونوں زیور سادہ ہواور دوکاندار کا زیور گاہک کے زیور کے وزن کے مساوی ہو یا اس سے وزن میں کم ہواور دوکاندار مزید گاہک سے کچھ لینا چاہتا ہوتو اپنے زیور کے ساتھ (Immitation) کی مثلاً بالیاں ساتھ کردے۔

اور اگر دوکاندار کا زیور گاہک کے زیور سے زیادہ وزن کا ہے تو دوکاندار گاہک سے زائد روپئے بھی لے سکتا ہے۔

ب: اگر زیور جڑاؤ ہوتو ہر طرح سے زیور کا زیور کے بدلے تبادلہ جائز ہوگا۔ اس وقت ایک طرف کا زائد سونا بمعہ روپئے کے (اگر ہو) دوسرے کے نگینوں کی قیمت ہوجائے گی، ایسا دونوں طرف سے سمجھا جائے گا۔

ج: اگر ایک طرف سادا زیور ہواور دوسری طرف جڑاؤ اور دوکاندار گاہک سے مزید لینا چاہتا ہو۔

۱۔ اگر جڑاؤ زیور دوکاندار کا ہواور سادا زیور گاہک کا ہوتو خواہ گاہک کے زیور کا سونا دوکاندار کے زیور میں موجود سونے سے کم ہو یا زیادہ ہو یا اسکے برابر ہو، ہر صورت میں زائد روپئے لینا جائز ہے۔

۲۔ اگر سادہ زیور دوکاندار کا ہو، اور جڑاؤ گاہک کا ہوتو اگر گاہک کے زیور میں سونا دوکاندار کے سونے سے کم ہوتو دوکاندار گاہک سے روپیہ لے سکتا ہے۔ اور اسکے زیور میں موجود مساوی سونا ہو یا زائد ہوتو دوکاندار گاہک سے مزید روپئے نہیں لے سکتا (ماخوذ: زرکا تحقیقی مطالعہ ص: ۱۹۰)۔

۴- الف- احناف کے یہاں تمام اموال میں تسلیم و قبضہ کی حقیقت ایک ہی ہے یعنی تخلیہ و تخلی، چنانچہ علامہ کاسانی ''بدائع الصنائع'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''ثم لاخلاف بين أصحابنا أن أصل القبض يحصل بالتخلية فی سائر الأموال'' (بدائع ۲۴۴/۵)۔

تخلیہ کا مطلب یہ ہے کہ بائع مبیع اور مشتری کے درمیان تمام موانع اور رکاوٹوں کو اس طور پر ختم کردے کہ مشتری بیع کے اندر ہر طرح کے تصرف پر پوری طرح قادر ہوجائے، علامہ کاسانی نے تسلیم اور قبضہ کے مفہوم کی وضاحت ان لفظوں میں فرمائی ہے۔

''أما تفسير التسليم والقبض عندنا هوالتخلية والتخلی وهو أن يخلی البائع بين المبيع و بين المشتری برفع الحائل بينها علی وجه يتمكن المشتری من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشتری قابضاًله'' (بدائع ۲۴۴/۵)۔

صاحب بدائع کی اس عبارت سے یہ واضح ہوگیا کہ احناف کے نزدیک اصل حوالگیٔ مبیع بائع کی طرف سے تخلیہ اور مشتری کی طرف سے تخلی ہے۔ ہاں تخلیہ کی نوعیت میں اختلاف ہوسکتا ہے جبکہ مبیع کے انواع میں اختلاف ہواور تخلیہ کی نوعیت میں تبدیلی کا دار و مدار عرف و عادت پر محمول ہوگا چنانچہ جس مقام پر جس طرح کے استیلاء کو وہاں کے عرف میں قبضہ سمجھا جاتا ہوگا، اسی کو اس معاملہ میں شرعاً قبضہ مانا جائے گا۔

علامہ شامیؒ بحر کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں: ''حاصله أن التخلية قبض حكماً لو مع القدرة عليه بلاكلفة لكن ذلک يختلف بحسب حال المبيع'' (شامی ۹۶/۷، زکریا، دیوبند)، اور بدائع میں ہے: ''لأن معنی القبض هو التمكين والتخلی وارتفاع الموانع عرفا و عادةً حقيقةً'' (بدائع ۱۴۸/۵)۔

درمختار میں ہے: ’’ثم التسلیم یکون بالتخلیة علی وجه یتمکن من القبض بلا مانع ولاحائل‘‘(الدرالمختار مع الشامی ۷/ ۹۴-۹۷،زکریادیوبند)۔

درمختار کی مذکورہ عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ بیع کی تسلیم وسپردگی تخلیہ کی صورت میں اس وقت مکمل مانی جائے گی جبکہ مشتری مبیع پر بلاکسی مانع اور حائل کے تصرف پر قادر ہوجائے۔

تخلیہ کے اندر بلامانع اور بلا حائل کی شرط کامفہوم یہ ہے کہ مبیع بالکل علاحدہ الگ تھلگ اس انداز سے ہوکہ اس سے غیر کا حق متعلق نہ ہو ’’بأن یکون مفرزاً غیر مشغول بحق غیره‘‘(شامی ۷/ ۹۶،زکریا،دیوبند)۔

چنانچہ اگرکسی نے گھر بیچا اور مشتری کے حوالہ بھی کردیا۔لیکن اس مکان کے اندر تھوڑا یا زیادہ بائع کا سامان موجود ہے تو اس صورت میں مبیع کی حوالگی اور تسلیم اس وقت تک نہ ہوگی جب تک بائع اس مکان کو مکمل خالی نہ کردے۔

’’ولو باع داراً و سلمها إلی المشتری وله فیها متاع قلیل أو کثیر لایکون تسلیماً حتی یسلمها فارغة‘‘(شامی ۷/ ۹۶،زکریادیوبند)۔

الغرض شریعت نے قبضہ کی اصل اور حقیقت تخلیہ کی شکل میں متعین کردی ہے۔لیکن اس کی نوعیت میں مکان اور مبیع کے اختلاف کے باعث اختلاف ہوسکتا ہے، ’’لکن ذلک یختلف بحسب حال المبیع‘‘اور اس کاتعلق ہر زمانہ میں اس زمانہ کے عرف وعادت سے ہوگا۔اس کی مختلف صورتوں کا ذکر علامہ شامی نے ان لفظوں میں فرمایا ہے:

’’ففی نحو حنطة فی بیت مثلاً فدفع المفتاح إذا أمکنه الفتح بلا کلفة قبض وفی نحو دار فالقدرة علی إغلاقها قبض و نحو بقر فی مرعی فکونه بحیث یری ویشار إلیه قبض وفی نحو ثوب فکونه بحیث لو مدیده تصل إلیه قبض... إلی غیر ذالک ‘‘(شامی ۷/ ۹۶زکریادیوبند)۔

مثلاً کسی مکان کے اندر موجود گیہوں خریدا تو بائع کا مشتری کو اس مکان کی کنجی اس طور پر حوالہ کردینا کہ وہ اس کو بلاکسی تردد کے کھول سکے مشتری کے حق میں قبضہ مانا جائے گا۔اور اگرکسی نے گھر خریدا اور بائع اس کی کنجی مشتری کو دیدے کہ وہ اس گھر کو بند کرسکے تو اس صورت میں مشتری کا کنجی پالینا ہی قبضہ ہوگا بشرطیکہ وہ گھر اس شہر میں ہو۔ و فی نحو دار فالقدرة علی إغلاقها قبض أی بأن تکون فی البلد فیما یظهر (شامی ۷ /۹۶ زکریادیوبند)

ہمارے موجودہ زمانے میں اس کی مثال وہ صورت ہے جس میں بین الاقوامی تجارت میں شپنگ (جہاز پر مال چڑھانے) کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہوجاتا ہے اور اگر مشتری تک مال پہنچنے سے پہلے ضائع ہوجائے تو وہ اس کا ضامن نہیں ہوتا ہے۔کیونکہ یہاں پر بائع کی طرف حوالگی مبیع اور تخلیہ پایا گیا اور وہ یہاں پر مال کی شپنگ ہے۔اس لئے اس صورت میں بائع کا فارغ الذمہ ہونا ہی قرین قیاس ہے اور یہ بیع بھی درست ہے کیونکہ بائع کی طرف سے مبیع کی تسلیم بصورت شپنگ موجود ہے اب اگر یہ مشتری اس مال کو اپنے ضمان میں لے لیتا ہے۔اور پھر کسی کے ہاتھ اُسے فروخت کرتا ہے تو یہ بیع بھی درست مانی جائے گی۔

مذکورہ بالا مثالوں سے یہ واضح ہوگیا کہ بائع کی طرف سے حوالگی کی ایسی صورت سامنے آجائے جس کے بعد مشتری مبیع پر

قابض ومتصرف ہوسکے تواس کی طرف سے تسلیم کی یہ صورت تخلیہ ہوگی۔اور مشتری کے حق میں تخلی یعنی قبضہ ہوگا خواہ مبیع منقول ہو یا غیر منقولہ جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے واضح ہوگیا۔البتہ تخلیہ کی صورتیں مبیع کی مختلف نوعیّتوں کی بناء پر مختلف ہوں گی۔جو ہر زمانے کے عرف و عادت پر محمول ہوگی۔اوراس کا فیصلہ ہر زمانے کے علماء اس زمانے کے عرف و عادت اور مزاج ومذاق کو سامنے رکھ کر کریں گے۔

اور انٹرنیٹ کی موجودہ صورت میں غالباتخلیہ کی شکل یہ ہوگی کہ بیع الگ کر کے مشتری کے نام رجسٹرڈ کر کے کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر وغیرہ میں درج کی جائے۔تا کہ وہ اس مبیع کا ذمہ دار ہوجائے اور مبیع کے ہلاک ہونے کی صورت میں وہ اسکا ضامن ہوگا۔جیسا کہ ابھی شامی کے حوالے سے گذرا ہے کہ” بأن یکون مفرزاً غیر مشغول بحق غیر ہ“(شامی ۹۶/۷)،یعنی مبیع اس انداز سے الگ تھلگ ہو کہ اس سے غیر کا حق متعلق نہ ہواور سوال میں مذکور صورت پر غور کیا جائے تو اولاً مبیع معدوم ہے۔کیونکہ ایک کلوگرام اگر ۵۰۔۵۰ گرام کر کے فروخت کیا جائے تو صرف بیس افراد پر تقسیم ہوسکے گا حالانکہ یہاں پر ۲۰۰ افراد کو بیچا گیا ہے۔ظاہر ہے کہ اسکے علاوہ کے حق میں مبیع غیر موجود یعنی معدوم ہے۔اور معدوم کی بیع باطل ہوتی ہے۔جیسا کہ قدوری، ہدایہ وغیرہ میں ہے۔چنانچہ شامی میں ہے:”وکل ما أورث خللاًفی رکن البیع فهو مبطل وماأورثه فی غیر ہ فمفسد۔(درمختار)قوله فی رکن البیع هوالإیجاب والقبول ۔ أو فی محله أعنی المبیع فإن الخلل فیه مبطل۔ (شامی۔۴/۱۰۰)

لہذا پہلے کے بیس کے حق میں مبیع موجود ہوگی۔اور ۲۱ سے لیکر دوسو کے حق میں معدوم ہوگی۔اس لئے ۲۱ سے دوسو تک بیع باطل ہوگی۔

چنانچہ مفتی سلمان منصور پوری صاحب انٹرنیٹ پرخرید وفروخت کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

الجواب وباللّٰه التوفیق :

سوال میں انٹرنیٹ پر بیٹھے بیٹھے جس خرید وفروخت کا ذکر ہے، وہ شرعاً حرام ہے اوراس سے حاصل شدہ نفع بھی ہرگز حلال نہیں ہے،اس لئے کہ شریعت میں کسی بھی چیز کو قبضہ سے قبل بیچنا جائز نہیں ہوتا۔اور یہاں ساری خرید وفروخت محض ہوا میں ہوتی ہے۔ اصل مبیع کا دور دور تک کہیں پتہ نہیں ہوتا۔اور نہ ہی مشتری اصل مبیع کا مالک ہوتا ہے لہذا کاروبار کی یہ تمام صورتیں محض جوئے اور سٹے پر مشتمل ہونے کی وجہ سے قطعاً حرام ہے کسی مسلمان کے لئے ایسے کاروبار میں شرکت کرنا اوراس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ:”یاأیها الذین اٰمنو انما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبو ہ لعلکم تفلحون“(سورۂ مائدہ ۹۰)۔

”عن ابن عباسؓ قال : قال رسول اللہ ﷺ من ابتا ع طعاما فلایبعه حتی یستوفیه قال ابن عباس وأحسب کل شئی مثله“(صحیح مسلم ۵/۲)۔

”عن عمرؓ قال: قال ﷺ :نهی عن بیع الطعام حتی یقبض“(المعجم الاوسط للطبرانی ۳۶۸/۷،رقم:۲۷۱۴)۔

"عن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ قال: یارسول اللہ یأتینی الرجل فیرید منی البیع لیس عندی، أفأبتاعہ لہ من السوق ؟ فقال: لا تبع مالیس عندک" أخرجہ أبو داؤد وسکت عنہ" (سنن ابوداؤدرقم:۳-۳۵۰،سنن الترمذی ۱۲۳۲،سنن ابن ماجۃ رقم ۲۱۸۷،سنن الدارقطنی ۹/۳، إعلاء السنن، باب بیع مالیس عندہ ۱۴/۱۸۰ رقم:۴۶۶۸،دارالکتب العلمیۃ بیروت)۔

"لایصح اتفاقاً بیع منقول قبل قبضہ ولو من بائعہ"(درمختار مع الشامی ۷/۳۶۹، زکریا دیوبند، کتاب النوازل ۱۱/۱۰۸)۔

اب رہا مسئلہ ۱۔۲۰ تک تو یہاں پر اگر چہ مبیع موجود ہے لیکن ظاہر ہے وہ الگ الگ متعین نہیں کی گئی ہے بلکہ غیر متعین ہے اور مبیع غیر متعین ہونے کی وجہ سے قبضہ کا بھی تحقق نہ ہوسکے گا۔ کیونکہ ابھی پتہ چلا کہ قبضہ کے تحقق کے لئے ضروری ہے مبیع کو مشتری کے لئے بالکل الگ تھلگ کردیا جائے اور یہاں پر ایسا نہیں ہے لہذا مبیع کے غیر متعین ہونے کی وجہ سے یہ صورت بعض مواقع میں مفضی الی المنازعۃ ہوگی اور بیع فاسد ہوگی۔ مثلاً اگر سونے کا پچاس گرام کا ایک حصہ ضائع ہوجائے یا کم نکلے تو پھر نزاع ہوگا۔ کہ یہ نقصان کس کا مانا جائے یا سب پر تقسیم کیا جائے۔ اسی نزاع کی وجہ سے یہ بیع فاسد کہلائے گی۔

(ب) اسی سوال کی شق الف کے جواب میں قبضہ کے سلسلے میں بھی بات آئی تھی جس کے بارے میں عرض کیا گیا تھا کہ احناف کے یہاں قبضہ کی حقیقت ہے تخلیہ وتخلی البتہ مبیع کے انواع میں اختلاف سے تخلیہ کی نوعیت میں بھی اختلاف ہوسکتا ہے۔ اور تخلیہ کی نوعیت میں تبدیلی کا دارومدار عرف وعادت پر محمول ہوگا چنانچہ جس مقام پر جس طرح کے استیلاء کو وہاں کے عرف میں قبضہ سمجھا جائے گا اسی کو اس معاملے میں شرعاً قبضہ مانا جائے گا۔ اور اسکی مثال موجودہ زمانہ کے لحاظ سے وہ صورت ہے جس میں بین الاقوامی تجارت میں شپنگ (جہاز پر مال چڑھانے) کے بعد اصل بائع کا ذمہ دار فارغ ہوجاتا ہے اور مشتری کے ضمان اور رسک میں آجاتا ہے، لہذا اگر وہ مال مشتری تک پہنچنے سے پہلے ضائع ہوجائے تو وہ اسکا ضامن نہیں ہوتا ہے کیونکہ یہاں پر بائع کی طرف سے حوالگی مبیع اور تخلیہ پایا گیا اور وہ یہاں پر مال کی شپنگ ہے تو یہاں پر جہاز پر مال کے چڑھادینے سے ہی مشتری کے ضمان میں آگیا اور اس کو تخلیہ مان کر قبضہ کو ثابت مان لیا گیا حالانکہ مال پہ مشتری کا حقیقی قبضہ نہیں ہوا۔

اسی طرح صورت مسئولہ میں اگر خریدی ہوئی مقدار کا سکہ الگ سے موجود ہے اور اسکو کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں اسکے نام درج کردیا گیا تو اگر چہ یہاں پر حقیقتاً مشتری کا قبضہ نہیں ہوا لیکن مال حکماً مشتری کے قبضہ میں آگیا مشتری کے ضمان اور رسک میں آجانے کی وجہ سے، اس لئے یہاں پر بھی قبضہ متحقق اور ثابت ہوگا اور اندراج کے لئے قبضہ کو کافی مان کر مشتری کے لئے مشتری آخر کے ساتھ بیچنا درست ہوگا۔

چنانچہ مفتی سلمان صاحب انٹرنیٹ کے ذریعہ خرید وفروخت کے متعلق ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

الجواب و باللہ التوفیق:

آج کل انٹرنیٹ پر خرید وفروخت کا جو سلسلہ جاری ہے وہ محض جوا اور سٹہ ہے، اور مختلف وجوہات کی وجہ سے حرام ہے، کیونکہ اس میں مبیع معدوم ہوتی ہے، نیز قبضہ کے بغیر بیع در بیع ہوتی ہے، دراصل یہ بیع نہیں، بلکہ بیع کا مذاق ہے، البتہ اگر باقاعدہ سامان تجارت متعین اور موجود ہو اور حقیقی طور پر مبیع پر قبضہ کی صورتیں متحقق ہوں اور انٹرنیٹ کو صرف آپسی معاملات اور رابطہ کا ذریعہ

بنایا جائے، جیسا کہ بڑی بڑی فرموں اور کمپنیوں کا طریقہ ہے، تو اس مقصد کے لئے انٹرنیٹ کا استعمال اسی طرح جائز ہے جیسے فیکس اور خط وکتابت جائز ہے۔

"عن حکیم بن حزام قال سألت رسول الله ﷺ فقلت یأتینی الرجل فیسألنی من البیع مالیس عندی فأ بتا ع له من السوق ثم أبیعه ، قال لاتبع ما لیس عندک "(سنن الترمذی ۱/۲۳۳)۔

"و أن یکون مقدور التسلیم فلم ینعقد بیع المعدوم"(البحر الرائق ۵/۲۵۹ کوئٹہ، کذا فی بدائع الصنائع رمن شروط البیع کونہ مقدور التسلیم ۴/۳۴۷ زکریا)۔

"وأما المعدوم فلایحتمل العقد أصلاً ، لأنه لیس بشیٔ" (بدائع الصنائع ربیع الموزونات ۴/۳۶۴ زکریا، کتاب النوازل ۱۱/۱۰۹)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ – سوال میں ذکر کردہ تفصیل کے مطابق یہ صورت ناجائز اور حرام ہے جسکی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں (۱) اگر چہ سونا چاندی کی روپیوں کے عوض ادھار خرید وفروخت جائز ہے لیکن سودے کے وقت ایک جانب سے قبضہ ضروری ہے اور یہاں پر جانبین سے قبضہ مفقود ہے جسکی بنا پر یہ صورت درست نہیں ہے۔

"فی شرح الطحاوی : لو اشتری مائة فلس بدرهم و قبض الفلوس أو الدراهم ثم افترقا جاز البیع لانهما افترقا عن عین بدین "(فتح القدیر ۶/۲۷۸)۔

اور شرح طحاوی میں ہے کہ اگر کسی نے ایک درہم کے بدلے سو فلس خریدیں اور فلوس یا درہم پر قبضہ کرلیا اور پھر دونوں الگ الگ ہوگئے تو یہ بیع جائز ہے کیونکہ اس میں دین کے بدلے میں عین کا سودا کر کے جدا ہوگئے۔

"سئل الحانوتی عن بیع الذهب بالفلوس نسیئة فأجاب بأنه یجوز إذا قبض أحد البدلین لما فی البزازیه لو اشتری مائة فلس بدرهم یکفی التقابض من أحد الجانبین قال و مثله مالو با ع فضة أو ذهبا بفلوس کما فی البحر عن المحیط "(شامی ۷/۴۱۴)۔

(علامہ حانوتی سے فلوس کے بدلے سونے کو ادھار فروخت کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ جائز ہے بشرطیکہ ایک بدل پر قبضہ ہو کیونکہ بزازیہ میں مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص سو فلس ایک درہم کے بدلے خریدے تو ایک جانب سے قبضہ کافی ہے فرمایا اسی طرح اگر فلوس کے بدلے چاندی یا سونے کو بیچا)۔

نیز علامہ سرخسیؒ کا رجحان بھی اسی طرف ہے (المبسوط للسرخسی ۱۴/۲۴)۔

چونکہ روپئے بھی فلوس کے حکم میں ہے، لہذا مندرجہ بالا عبارات کی روشنی میں سونے چاندی کی خرید وفروخت روپے کے عوض میں جائز ہے۔ البتہ یہ شرط ہے کہ ایک جانب سے مال پر قبضہ جدا ہونے سے پہلے کرلیا جائے، دونوں اُدھار ہو، تو یہ جائز نہیں خواہ کتنی ہی تھوڑی مدت کے لئے ہو، کیونکہ اس صورت میں یہ بیع الکالی بالکالی کے حکم میں ہوگا اور اس سے احادیث میں ممانعت آئی ہے۔

"عن ابی عمر أن النبی ﷺ نهی عن بیع الکالی بالکالی"

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اُدھار کی اُدھار کے عوض بیع سے منع فرمایا:

چنانچہ مفتی تقی عثمانی صاحب نوٹ کے بدلے سونے چاندی کی نقد اور ادھار خرید وفروخت کے متعلق عربی میں ایک سوال ہے، جس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ”ویجوز عندی أن یشتری الذهب أوالفضة بالنقود ، یجوز أیضاً أن یشتری الذهب نسیئة بالأوراق النقدیة ولکن یجب أن یکون تقابض أحد البدلین فی المجلس إذا کان ذهباً خالصاً و أن یعرف الأجل عند العقد و قد قبل هذا الموقف معظم علماء الهند و کثیر من باکستان“ (فتاوی عثمانی ۱۵۹/۳)۔

(۲) جہاں تک معلوم ہوا اس طرح کے کاروبار میں جب کوئی چیز سونا وغیرہ خریدا جاتا ہے تو وہ خریدار کو متعین اور الگ کر کے حوالے نہیں کی جاتی بلکہ اس کے اکاؤنٹ میں تحریر کردی جاتی ہے پھر جب وہ خریدار اُسے آگے کسی شخص کو فروخت کرتا ہے تو اس وقت اگر اس کو نفع ہو تو صرف نفع واپس کر دیا جاتا ہے اور اگر نقصان ہو تو اس سے نقصان طلب کرلیا جاتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ پوری خریدی ہوئی چیز اس کے حوالے نہیں کی جاتی بلکہ کاغذی طور پر اس کے اکاؤنٹ میں منتقل کردی جاتی ہے۔ اور نفع اور نقصان کا فرق برابر کرلیا جاتا ہے جو سٹے کی ایک قسم ہے۔

”وفی البدائع : فالتسلیم والقبض عندنا هو التخلیة والتخلی وهو أن یخلی البائع بین المبیع وبین المشتری برفع الحائل بینها علی وجه یتمکن المشتری من التصرف فیه فیجعل البائع مسلماً للمبیع والمشتری قابضاً له“ (۲۴۴/۵)۔

”ویعتبر فی التسلیم أن یکون المبیع مفرزاً غیر مشغول بحق غیره هکذ فی الوجیز للکردری وأجمعوا علی أن التخلیة فی البیع الجائز تکون قبضاً“۔ .... الخ (ہندیہ ۱۶/۳)۔

لہٰذا مذکورہ بالا مفاسد کی وجہ سے یہ صورت ناجائز اور حرام ہوگی۔

۶ - اصل مسئلہ پر گفتگو سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ احتکار کی تعریف اور اس کے سلسلے میں حضرات فقہائے کرام کی آراء نقل کردی جائیں تاکہ متعلقہ مسئلہ کا حل آسان ہوجائے۔

احتکار لغت میں کہتے ہیں غلہ کو اس نیت سے ذخیرہ کرلینا کہ جب مہنگا ہوجائے گا تو فروخت کروں گا اور شرعاً احتکار کا معنی یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو انسان یا حیوان کی غذا ہو اسکو ایسے وقت روک لینا جب شہر والوں کو اس کی ضرورت ہو، مقصد یہ ہے کہ بعد میں خوب زیادہ قیمت لے کر فروخت کروں گا چونکہ اس سے لوگوں اور حیوانات کو تکلیف پہنچتی ہے (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وأدلتہ للزحیلی ۵۸۶/۳، فقہ البیوع ۹۹۶/۲، قاموس الفقہ ۳۹/۲)۔

رسول اللہ ﷺ نے بڑے سخت الفاظ میں اس طرز عمل کی مذمت فرمائی ہے آپ نے فرمایا جس شخص نے احتکار کیا وہ گنہگار ہے۔

”من احتکر فهو خاطی“ (أخرجہ مسلم فی باب تحریم الاحتکار ۳۱/۲)۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل شہر کے مشقت اور نظم مملکت کے لئے فساد اور بگاڑ کا باعث ہے (حجۃ اللہ البالغہ ۲/۱۰۲، بحوالہ قاموس الفقہ ۲/۳۹)۔فقہاء کرام نے اسے مکروہ بلکہ حرام قرار دیا ہے اس لئے کہ اسکی وجہ سے بازار گراں ہوتا ہے۔اور عام لوگوں کے لئے ضروریات زندگی کا حصول دشوار ہوتا ہے۔

حضرات شیخین حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور دیگر فقہاء کے یہاں احتکار اور ذخیرہ اندوزی صرف غذائی اشیاء میں ممنوع ہے۔لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ

"کل مایضر بالعامة فهو احتكار بالأقوات كان أوثياباً أو دراهم أو دنانير اعتباراً لحقيقة الضرر لأنه هو الموثر فى الكراهة"(البحر الرائق ج۸/۲۲۹ فصل فی البیع)۔

یعنی ہر وہ ضروریات زندگی کی چیز جس کی ذخیرہ اندوزی سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہو وہ احتکار میں داخل ہے چاہے اسکا تعلق غذا سے ہو یا کپڑوں سے یا دراہم اور دنانیر سے۔حقیقت ضرر کا اعتبار کرتے ہوئے کیونکہ وہی کراہت میں مؤثر ہوتی ہے۔یہی رائے امام مالکؒ کی بھی ہے چنانچہ دکتور وہبہ زحیلیؒ فرماتے ہیں:

"ويحرم الاحتكار أيضا عند المالكية و أبى يوسف فى غير الطعام فى وقت الضرورة"(الفقہ الإسلامی وأدلتہ ۳/۵۸۸)۔

علامہ صابونیؒ حضرت امام ابو یوسف اور امام مالکؒ کے قول کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہی قول مزاج شریعت کے زیادہ موافق معلوم ہوتا ہے کیونکہ کسی انسان کو کسی بھی طریقہ سے تکلیف پہنچانا یہ انسانیت کے خلاف ہے (فقہ المعاملات للصابونی، بحوالہ جدید معاملات کے شرعی احکام ۱/۹۳)۔

علامہ ظفر احمد تھانویؒ اقوال فقہاء کرنے کے بعد فرماتے ہیں : **"وقال فى الهداية: اعتبر ابو حنيفةؒ الضرر المعهود المتعارف وهو ضعيف لأنه لاعهد ولاتعارف خلفنا بالأقوات، بل هو معهود و متعارف فى كل شئى كمالايخفى"**(اعلاء السنن ۱۷/۴۳۰)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب "فقہ البیوع" میں حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: **"وهذ القول يبدو راجحاً لعموم النهى ولأن علته الإضرارُ بأهل البلد فيشمل كل مايحتاجون إليه"**(فقہ البیوع ۲/۹۹۹)۔

نیز مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب فرماتے ہیں: غیر معمولی حالات میں امام مالک اور امام احمد کے نزدیک تمام ہی اشیاء ضروریہ میں احتکار حرام ہے اور یہی رائے امام ابو یوسفؒ کی ہے غالباً یہ رائے زیادہ قرین صواب ہے (جدید فقہی مسائل ۱/۳۵۵)۔

نیز آپ کے مسائل اور انکا حل میں مولانا یوسف صاحب لدھیانویؒ فرماتے ہیں: چوتھی صورت یہ ہے کہ انسانوں یا چوپایوں کی خوراک کی ذخیرہ اندوزی نہیں کرتا اس کے علاوہ دیگر چیزوں کی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے جس سے لوگوں کو تنگی لاحق ہوجاتی ہے یہ بھی ناجائز ہے (آپ کے مسائل اور انکا حل ۷/۱۱۱)۔

حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام مالکؒ اور عصر حاضر کے دیگر فقہائے کرام کی مذکورہ آراء کی روشنی میں احقر اس نتیجہ پر پہنچا

ہے کہ سوال میں ذکر کردہ صورت احتکار کے دائرہ میں داخل ہوگی کیونکہ اس میں بھی سونے کو روک لینے کی صورت میں سونے کی قیمت تو بڑھتی ہی ہے اس گرانی کا اثر دوسری اشیاء پر بھی پڑتا ہے، جسکا ضرر ہر خاص وعام کو لاحق ہوتا ہے، جو یقیناً انسانیت سے گرا ہوا اور ایک ناجائز فعل ہے، جس سے نمٹنے کے لئے حکومت اور انتظامیہ کو اس بات کا حق گردانا ہے کہ وہ ضروری سمجھے تو ایسے ذخیرہ اندوز اور خودغرض تاجروں کے خلاف اقدام کرتے ہوئے انکو اپنا مال بازار میں لانے پر مجبور کرے، اور اگر وہ اشیاء بہت قیمت پر فروخت کریں تو قیمتوں کا یہ تعین اصحاب رائے کے مشورہ کے بعد کردے اور انکو اسی قیمت پر بیچنے پر مجبور کرے اس لئے کہ شریعت کا اہم قاعدہ ہے، الضرر یزال یعنی نقصان اور دشواری کا ازالہ کیا جائے گا، بلکہ اسلامی تعلیمات ہمیں بتاتی ہیں کہ معاشرہ کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے حکومت ارباب دولت اور سرمایہ داروں کو بلا قیمت بھی اپنے سامان نکالنے پر مجبور کرسکتی ہے، چنانچہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''من كان له فضل من زاد فليعد به على من لازاد له'' (مسلم ۸۱/۲)۔

(کہ جس شخص کے پاس سامان خورد ونوش ضرورت سے زیادہ ہو وہ اسے دے دے جو اس سے محروم ہے)۔

اس قسم کی مختلف روایات اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے استدلال کرتے ہوئے علامہ ابن حزم اندلسی نے جو رائے قائم کی ہے وہ یہ ہے کہ ہر بستی کے دولتمندوں کا فریضہ ہے کہ وہ فقراء اور محتاجوں کی معیشت کے ذمہ دار ہوں اور امیر المسلمین ان کو اس کے لئے مجبور کرسکتا ہے، اور ان کی بنیادی ضروریات میں حاجت کے مطابق روٹی، موسم کے لحاظ سے سردی اور گرمی کپڑے اور رہائش کے لئے ایک ایسے مکان کی فراہمی ہے جو گرمی، دھوپ، بارش اور سیلاب سے محفوظ رہ سکے (المحلی ۱۵۶/۲)۔

ابن حزم ظاہری گو اپنے تشدد اور ظاہریت میں مشہور ہیں اور ان کی مایہ ناز تصنیف المحلی اسکا واضح ثبوت ہے، مگر یہاں انہوں نے جس رائے کا اظہار کیا ہے وہ شرع اسلامی کے مجموعی مزاج اور اس کی روح کے عین مطابق ہے (ماخوذ قاموس الفقہ ۴۰/۲)۔

قیمت متعین کرنے والے تاجروں کی جمعتیں:

مذکورہ بالا گفتگو سے اس صورت کا حکم بھی واضح ہوگیا کہ جو آج کل ہر صنعت وتجارت والے اپنے ہم پیشہ لوگوں کے ساتھ مل کر جمعتیں اور تنظیمیں بناتے ہیں جس کا مقصد چیزوں کی قیمت اور ریٹ متعین کرنا ہوتا ہے اور لوگوں کو اس پر مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اس متعینہ قیمت کی پابندی کریں اور جو لوگ اس قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں انکے خلاف باقاعدہ کارروائی کی جاتی ہے اور سخت سزائیں طے کی جاتی ہیں تاکہ آئندہ کوئی اس کی خلاف ورزی نہ کرسکے۔

ظاہر ہے کہ یہ صورت بھی احتکار میں داخل ہے، کیونکہ اس میں لوگوں کا اختیار ختم ہوجاتا ہے اور لوگ اسی مہنگی قیمت پر خریدنے پر مجبور ہوتے ہیں جس پر جمعیت کے لوگوں نے اتفاق کیا ہے، جس کی وجہ سے بازار گراں ہوتا ہے اور عام لوگوں کے لئے ضروریات زندگی کا حصول دشوار ہوجاتا ہے، لہذا حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس طرح کی جمعیتوں اور تنظیموں کو ختم کردیں یا اس کا پابند کریں کہ وہ مناسب ریٹ متعین کریں اور وقتاً فوقتاً انکی نگرانی بھی کرتی رہے، اس کی نظیر باب القسمة کی یہ عبارت ہے:

''ولايترک القسام يشتركون كى لاتصير الأجرة غالية بتواكلهم و عند عدم الشركة يتبادر كل

منهم إليه خيفة الفوت فيرخص الأجر"(ہدایہ مع الفتح ۸/۳۵۱، کتاب القسمۃ)۔

قُسام سے مراد وہ لوگ ہیں جو چند شریکوں کے درمیان مشترک زمینوں کو اجرت لیکر تقسیم کرنے کا عمل انجام دیتے ہیں لہذا حکومت وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے تقسیم کرنے والوں کو اکٹھا نہ ہونے دے تاکہ آپس میں مل کر کسی ایک ریٹ پر اتفاق نہ کرلیں اور پھر عوام الناس ضرر میں مبتلا ہوجائے۔ اور ظاہر ہے کہ کھانے پینے اور غذائی اشیاء میں گراں فروشی زیادہ مضر ہے بنسبت تقسیم وغیرہ کی اجرتوں میں گرانی سے تو جب تقسیم جیسے چھوٹے مسئلے میں اسکو برداشت نہیں کیا گیا کہ وہ لوگ اکٹھے ہوکر کوئی قیمت متعین کرلیں تو اس سے زیادہ اہم مسئلہ یعنی خوراک کے مسئلہ میں اسکو کیسے برداشت کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی تنظیم بنا کر گراں فروشی کا ارتکاب کرے جس سے لوگوں کو ضرر لاحق ہو اسی لئے اس طرح کی جمعیتیں اور تنظیمیں جو تجارت پیشہ حضرات بناتے ہیں ہرگز درست نہ ہوگی اور حکومت کی ذمہ داری ہوگی کہ اس طرح کی تنظیمیں بننے نہ دیں اور اگر بنی ہوئی ہو تو پھر انکو ختم کرکے قیمت کو آزاد رکھے۔ تاکہ عوام کو کسی بھی طرح کے ضرر کا سامنا نہ ہو (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: فقہ البیوع للشیخ العثمانی ۲/۹۹۹، ۱۰۰۰) واللہ اعلم بالصواب

۷۔ اسمگلنگ جس کو بلیک مارکیٹ اور دو نمبر کا دھندہ بھی کہتے ہیں کی حقیقت یہ ہے کہ حکومت کی نگاہوں سے چھپا کر اور اسکے واجبات ادا نہ کرکے باہر ممالک سے مال لانا یا باہر ممالک لے جانا اور اسکا حکم یہ ہے کہ یہ مال اگر نجس، ممنوع الاستعمال اور ممنوع البیع نہ ہو اور مالک سے ہی مال خرید اجائے تو شرعاً یہ بیع وشراء درست اور جائز ہے، کیونکہ اصلاً ہر شخص کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ اپنے مملوک روپئے سے اپنی ضرورت اور پسند کا جو مال جہاں سے چاہے خرید سکتا ہے "**كل يتصرف فى ملكه كيف شاء**" (شرح المجلۃ للأتاسی ۲/۳/۱۳۲ رقم المادۃ ۱۱۹۲)۔

لہذا بیرونی ممالک سے بھی مال خریدنا اور وہاں لے جاکر بیچنا شرعا مباح ہے۔ لیکن چونکہ جب کوئی شخص کسی ملک کی شہریت اختیار کرتا ہے تو وہ قولاً یا عملاً یہ معاہدہ کرتا ہے کہ وہ اس حکومت کے قوانین کا پابند رہے گا۔

"**كل من يسكن دولة فإنه يلتزم قولاً او عملاً بأنه يتبع قوانينها وحينئذ يجب عليه اتباع أحكامه الخ**" (بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ، ص۱۶۶)۔

اس معاہدے کا تقاضہ یہ ہے کہ جب تک حکومت کا حکم معصیت پر مشتمل نہ ہو اسکی پابندی کی جائے۔ "**تجب طاعة الإمام فيما ليس بمعصية**" (درمختار ۲/۱۷۲)۔

اور اپنے ملک کی مصنوعات اور نکاسی کو نقصان سے بچانے کے لئے دوسرے ممالک کی برآمدات پر پابندی لگانے کی بھی گنجائش ہے۔ اسکی نظیر تلقی جلب اور بیع حاضر للبادی ہے جسکو مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ تلقی جلب سے مراد یہ ہے کہ باہر سے آنے والے تجارتی قافلہ کے شہروں میں آنے سے پہلے ہی کوئی شخص جاکر ان سے غلہ خرید لے اور شہر میں آکر اس سے زیادہ میں فروخت کردے اور بیع حاضر للبادی یہ ہے کہ شہر کا تجربہ کار تاجر دیہات کے تاجر سے کہے کہ میں شہر کے بھاؤ سے واقف ہوں میں تمہارے لئے فروخت کرادوں گا کیونکہ اس سے گرانی بڑھتی ہے اور اس شہر کے باشندوں کو زک پہنچتی ہے۔ اور یہی مضرت اسمگلنگ سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ غیرملکی مصنوعات کی آمد کی وجہ سے اس ملک کی صنعت اور یہاں کا معاشی توازن بگڑتا ہے اور متاثر ہوتا ہے۔ اس لئے اس معاہدہ کی

خلاف ورزی کر کے قانون ملک کی بے احترامی کرنا نیز اپنی اس غیر اسلامی بلکہ غیر انسانی حرکت سے ذریعہ ملک کے تمام باشندوں کو نقصان پہونچانا ہرگز درست نہ ہوگا،لہذا اسمگلنگ کا غیر قانونی عمل درست نہیں ہوگا۔

پھر اگر غور کیا جائے تو اس پابندی کی خلاف ورزی میں بہت سے گناہوں کا ارتکاب بھی کرنا پڑتا ہے مثلاً اکثر جھوٹ بھی بولنا پڑتا ہے۔رشوت دینی پڑتی ہے۔جان، مال یا عزت وآبرو کو خطرہ میں ڈالنا پرتا ہے جس کی حفاظت کا شریعت میں بڑا خیال رکھا ہے اور بسا اوقات جسمانی تکلیف اور قید و بند کی صعوبت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ظاہر ہے کہ جس عمل میں اتنے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے اور اتنے مفاسد کو جو متضمن ہوگا اسکے عدم جواز میں کیا شبہ ہوسکتا ہے اس لئے حکومت کے قانون کی پابندی کرنی چاہئے۔اور ایسے کاروبار سے اجتناب کرنا چاہئے۔تاہم اسمگل ہوکر آنے والی حلال ومباح چیزوں کی خرید وفروخت جائز ہے اور انکو اپنے استعمال میں لانا بھی درست ہے،اور آمدنی میں بھی حلال ہے۔

چنانچہ صاحب فتاوی رحیمیہ فرماتے ہیں:

(۱) بلیک مارکیٹ کرنا کیسا ہے۔

(سوال۔ ۲۶۴) حکومت سے چوری چھپے بیرون ممالک کا سامان بیچنا جس کو ہمارے یہاں بلیک مارکیٹ اور دونمبر کا دھندہ کہتے ہیں یہ تجارت جائز ہے یا نہیں۔

جواب: اگر وہ مال نجس ممنوع الاستعمال اور ممنوع البیع نہ ہو اور مالک سے خریدا ہوا ہو تو اسکی تجارت فی نفسہ حلال ہے لیکن چونکہ حکومت کے قانون کے خلاف ہے اور مجرم سزا کا مستحق اور ذلیل ہوتا ہے اور اپنے آپ کو ذلیل کرنا جائز نہیں،اس لئے ایسا معاملہ اختیار نہ کیا جائے،فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاوی رحیمیہ ۹/ ۲۲۲)۔

حضرت مفتی تقی عثانی صاحب اس طرح کے ایک سوال کا جواب دیتے ہیں

اسمگلنگ کی شرعی حیثیت:

سوال: (۱) اسمگلنگ جائز ہے یا ناجائز؟ بعض حضرات اسکو جائز کہتے ہیں جبکہ حکومت کی طرف سے یہ کاروبار بند ہے اور عزت کا بھی خطرہ ہے

(۲) اگر ملک کے اندر یہ چیزیں پہنچ جائیں تو بعد میں ملک کے اندر علی الاعلان اسکی تجارت کی جاتی ہے کیا ایسا سامان خریدنا جائز یا ناجائز۔

(۳) بعض لوگ ملک کی سرحدوں پر رہتے ہیں مثلاً ایران کی سرحد پر تو یہ لوگ اپنی ضروریات پاکستان اور ایران دونوں جگہ سے پوری کرتے ہیں انکے جواز کی صورت ہے؟

(۴) اگر کوئی شخص خود ایران نہ جائے بلکہ اپنے ایرانی دوست کو لکھ کر اپنے لئے سامان منگوائے اور وہ خرید کے روانہ کردے،مثلاً ایران سے آج کل موٹر سائیکلیں مکران کے راستے بہت آرہی ہیں لوگ ادھر خرید کر مجبوراً کراچی میں اسکے کاغذات بنواتے ہیں چونکہ بغیر کاغذات کے چلانا منع ہے۔کراچی میں نمبر حاصل کرنے کے لئے ہزار ڈیڑھ ہزار خرچ ہوتا ہے عوام وخواص سب

اس میں مبتلا ہیں۔ کیا یہ جائز ہے۔

جواب: ۱ تا ۴۔ اصل یہ ہے کہ شرعاً ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے مملوک روپے سے اپنی ضروریات یا پسند کا جو مال جہاں سے جو چاہے خرید سکتا ہے، لہذا کسی بیرونی ملک سے مال خریدنا یا وہاں سے لے جا کر بیچنا شرعاً مباح ہے، لیکن ایک صحیح اسلامی حکومت اگر مسلمانوں کے مفاد کی خاطر کسی مباح چیز پر پابندی عائد کرے تو اس کی پابندی کرنا شرعاً بھی ضروری ہوجاتا ہے، اب موجودہ مسلمان حکومتوں نے چونکہ اسلامی قوانین کو ترک کر کے غیر اسلامی قوانین نافذ کررکھے ہیں، لہذا انکو وہ اختیارات نہیں دیئے جاسکتے جو صحیح اسلامی حکومت کو حاصل ہوتے ہیں، لیکن ان کے احکام کی خلاف ورزی میں چونکہ بہت سے منکرات لازم آتے ہیں، مثلاً اکثر جھوٹ بولنا پڑتا ہے، نیز جان ومال یا عزت کو خطرے میں ڈالنا پڑتا ہے، لہذا ان کے جائز قوانین کی پابندی کرنی چاہئے، اس کے علاوہ جب کوئی شخص کسی ملک کی شہریت اختیار کرتا ہے تو وہ قولاً یا عملاً معاہدہ کرتا ہے کہ وہ اس حکومت کے قوانین کا پابند رہے گا، اس معاہدہ کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ جب تک حکومت کا حکم معصیت پر مشتمل نہ ہو اس کی پابندی کی جائے، اسمگلنگ کا معاملہ بھی یہ ہے کہ اصلاً باہر کے ملک سے مال لے کر آنا یا یہاں سے باہر لے جانا شرعی اعتبار سے جائز ہے، لیکن چونکہ حکومت نے اس پر پابندی لگا رکھی ہے اور اس پابندی کی خلاف ورزی میں مذکورہ مفاسد پائے جاتے ہیں اس لئے علماء نے اس سے منع فرمایا ہے اور اس سے اجتناب کی تاکید کی گئی ہے، واللہ سبحانہ وتعالی اعلم (فتوی نمبر ۲۸/۷۷۸، فتاوی عثمانی ۳/۸۹-۹۱)۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحب علیہ الرحمہ سونے چاندی ہی کے اسمگلنگ سے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

جائز ہے، مگر عزت بچانے کے لئے اسکا بھی وہی حکم ہے جو جواب نمبر ایک کا ہے، یعنی اگر قانوناً جرم ہو تو چونکہ عزت کا بچانا واجب ہے اپنی عزت بچانے کے لئے قانون کی خلاف ورزی کی بھی اجازت نہ ہوگی (منتخبات نظام الفتاوی ۳/۲۸)۔

اسمگلنگ کی شرعی حیثیت:

(۴) آپ کے مسائل اور انکے حل میں مولانا یوسف صاحب لدھیانوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

شرعاً تو کاروبار اور خرید وفروخت جائز ہے لیکن جو چیزیں حکومت کے قانون کی رو سے ممنوع ہے وہ صحیح نہیں۔

دوسرا جواب: اس کاروبار میں جو رشوت وغیرہ دینا پڑے گی وہ گناہ ہے، اور مشہور حدیث ہے کہ رشوت لینے والا اور دینے والا دوزخ میں ہیں، ''الراشی والمرتشی فی النار'' (کنز العمال ج۔۶: ۱۱۳۔ حدیث نمبر ۱۵۰۷۷، آپ کے مسائل اور انکا حل محقق ۷/۲۴۶)۔

نیز ''فتاوی احیاء العلوم'' میں ہے:

(۵) باعزت طریقہ سے غیر ملک سے مال لانا:

سوال: دوسرے ملک سے اپنے ملک میں باعزت طریقہ سے مال لانا کیسا ہے۔

جواب: خطرہ سے محفوظ رہنے کا یقین ہو تو یہ فی نفسہ جائز ہے، ورنہ قانون کے خلاف کر کے قانون کی زد میں آنے کی

صورت میں حکومت کی مخالفت خطرناک ہے، پتہ لگنے پر مال وعزت دونوں کا خطرہ ہے، پس ایسا خطرہ مول لینے سے بچنا چاہئے (فتاوی احیاء العلوم ۱/ ۲۷۲، بحوالہ جامع الفتاوی ۴/ ۴، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: فتاوی عثانی ۳/ ۸۸، احسن الفتاوی ۸/ ۹۵، ۹۴، کفایت المفتی ۷/ ۳۹۴ محمودیہ، ۲۳/ ۴۸۶-۴۸۸ ڈابھیل، جدید فقہی مسائل ۱/ ۳۵۵ وغیرہ)۔

۸- سونے کو پلاٹینم کے ساتھ ایک مخصوص مقدار میں ملا کر سفید سونا یا وہائٹ گولڈ کا نام دیا جاتا ہے، دنیا کے کچھ ممالک میں وہائٹ گولڈ کے زیورات کا رواج ہے، پلاٹینم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ سونے سے بھی زیادہ ایک قیمتی دھات ہوتی ہے جو حقیقتاً سونا نہیں ہوتی، بلکہ سفید سونا بنانے کے لئے سونے میں اسکی آمیزش کی جاتی ہے۔

اب رہا یہ مسئلہ کے اس کو حقیقی سونے کے حکم میں ہوگا یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں احقر کی رائے یہ ہے کہ یہ جب حقیقتاً سونا نہیں تو محض سونے جیسا قیمتی ہونے کی وجہ سے اسکو حقیقی سونے کے حکم میں نہیں رکھا جاسکتا ہے، اور جب یہ سونا نہیں ہے تو دوسرے عقود اور زکوٰۃ وغیرہ میں اس پر سونے کے احکام منطبق بھی نہیں ہوں گے، کیونکہ سونے چاندی کے علاوہ دوسرے جواہرات جیسے یاقوت، فیروز، موتی اور مرجان وغیرہ میں زکوٰۃ واجب نہیں، چنانچہ درمختار میں ہے: " **ولاتجب فیما سواهما من الجواهر أو کالیاقوت والفیروز واللؤلوء ومهرجان**" (درمختار ۲/ ۳۴)۔

ہاں البتہ جو ہیرے جواہرات وغیرہ تجارت کی نیت سے خریدے گئے ہوں انکی زکوٰۃ واجب ہوگی اور چونکہ پلاٹینم بھی ہیرے جواہرت کی طرح ایک قیمتی دھات ہے اور اسکے بھی زیورات وغیرہ بعض ممالک میں رائج ہیں اس لئے احقر پلاٹینم کو ہیرے جواہرات پر قیاس کر کے کہتا ہے کہ پلاٹینم اور اسکے زیورات جو تجارت کے لئے خریدے گئے ہوں ان پر زکوۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں، لیکن یہاں ایک اور رجحان پایا جاتا ہے کہ لوگ بڑی بڑی رقمیں ہیرے جواہرات وغیرہ کی خرید پر صرف کرتے ہیں اور اپنی نقد رقوم کو ہیرے جواہرات میں بدل کر مختلف مصالح کے تحت محفوظ کر لیتے ہیں۔

نومبر ۱۹۹۲ میں اعظم گڑھ میں منعقد ہونے والے مجمع الفقہ الاسلامی کے سمینار میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ اس صورت میں لاکھوں لاکھ نقد رقم ہیرے جواہرات کی صورت میں انکے پاس محفوظ ہوجاتی ہے جو کسی بھی وقت نقد کی صورت میں منتقل ہوسکتی ہے، بحث کی روشنی میں بات سامنے آئی کہ اس مسئلہ میں ایک جہت تو یہ ہے کہ ہیرے جواہرات سونا چاندی نہیں ہیں جو خلقۃ نامی تسلیم کئے گئے ہیں اور اس شخص کا کام ہیرے جواہرات کی تجارت بھی نہیں ہے۔ اور نہ فوری طور پر خریدتے وقت باضابطہ تجارت کی نیت کی گئی ہے، تاکہ بہ سبب مال تجارت ہونے کے اُسے نامی قرار دیا جائے۔ اس لئے اس جہت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس پر زکوۃ واجب نہ ہو۔

دوسری جہت یہ ہے کہ ہیرے جواہرات ضروریات زندگی میں داخل نہیں اور اصحاب سرمایہ اپنے خاص مصالح کے لئے اپنے روپیوں کو جنکی مقدار غیر معمولی حد تک زائد ہوتی ہے ہیرے اور جواہرات کی صورت میں محفوظ کر کے مختلف فوائد بھی حاصل کرتے ہیں اور انہیں اس طرح کا اطمینان بھی رہتا ہے کہ ان ہیرے اور جواہرات کی صورت میں گویا زر نقد ہر دم انکے پاس محفوظ رہتا ہے اور اسکے نتیجہ میں فقراء کو شدید نقصان ہوتا ہے۔ کہ نقد رقوم میں زکوۃ واجب ہوتی ہے جو عام حالات میں ہیرے جواہرات کی صورت میں عام اصول کے پیش نظر واجب نہیں ہوتی۔

سمینار میں شریک علماء واصحاب افتاء میں ایک خاصی تعداد نے پہلی جہت کو شامل رکھتے ہوئے یہ رائے دی کہ اس خاص صورت میں محفوظ ہیرے جواہرات کی مالیت پر زکوۃ واجب نہیں۔ جن میں سرفہرست مولانا نعمت اللہ صاحب اور مولانا خالد سیف اللہ صاحب وغیرہ تھے۔ جب کہ دوسری بڑی تعداد ان علماء اور اصحاب افتاء کی تھی جنہوں نے دوسری جہت کو سامنے رکھتے ہوئے اس خاص صورت میں ذخیرہ کئے ہوئے ہیرے جواہرات کو حکماً مال تجارت تسلیم کیا۔ اور اس پر زکوۃ واجب قرار دیا۔ جن میں سرفہرست اکیڈمی کے باوقار صدر مشہور فقیہ اور معتبر عالم دین مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ تھے (ماخوذ جدید فقہی تحقیقات رص: ۲۸، ۲۹، مع حذف واضافہ)۔

مذکورہ بالا بحث اگرچہ ہیرے جواہرات سے متعلق ہے لیکن اگر یہ دیکھا جائے کہ پلاٹینم ہیرے جواہرات کی طرح ایک قیمتی دھات ہے اور اسکے بھی زیورات بنائے جاتے ہیں اور اسکو بھی بطور ذخیرہ خرید کر لوگ محفوظ کرتے ہیں تو اسکا حکم بھی ہیرے جوہرات کی طرح ہونا چاہئے۔ اور اسکے اندر بھی سونا چاندی کی طرح جمع کرنے کی صورت میں زکوۃ واجب ہونی چاہئے۔

کیونکہ اگر یہ غور کیا جائے کہ جو لوگ انکم ٹیکس اور دیگر سرکاری قوانین سے نیز شرعی وجوب زکوۃ سے بچنے کے لئے نقد روپیوں یا سونے چاندی کی صورت میں اپنے سرمایہ کو محفوظ کرنے کے بجائے پلاٹینم یا اسکی مصنوعات لاکھوں روپئے کی خرید کر محفوظ کر دیتے ہیں یہ نیت کس زمرے میں آئے گی۔ احقر کا خیال ہے کہ یہ نیت درحقیقت تجارت ہی کی نیت ہے کہ ضرورت کے موقع پر اُسے فروخت کر کے پھر اسے روپیہ بنالیں گے اور نفع بھی ہاتھ آئے گا۔ اسی لئے ایسے قیمتی اور اعلی قسم کی دھات پلاٹینم پر بھی زکوۃ واجب ہوگی۔

نیز اس سلسلے میں ڈاکٹر یوسف القرضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیں: مناسب ہے کہ یہی حکم موتیوں یاقوت الماس اور تمام نفیس پتھروں اور قیمتی جواہر کا ہو کہ ان میں جو بطور زینت یا زیور استعمال کئے جائیں اور جو حد اسراف میں داخل نہ ہوں ان پر زکوۃ نہیں ہوگی۔ اور جو کھلم کھلا عادت کے طور پر استعمال ہونے والی مقدار سے زائد ہوں تو وہ اسراف اور حرام ہے اور اسکو زکوۃ سے چھوٹ دینا درست نہ ہوگا۔ اسی طرح جو کنز کے طور پر رکھے گئے ہوں ان پر بھی زکوۃ عائد ہوگی اس لئے کہ یہ صورت مال پر عائد ہونے والے حق معلوم سے بچنے کی ایک صورت بن جائے گی۔ (فقہ الزکاۃ ۱/۴۱۱)

اور ظاہر ہے کہ صورت مسئولہ میں ہیرے جواہرات اور پلاٹینم وغیرہ بطور کنز جمع کئے گئے ہیں لہذا ان پر زکوۃ واجب ہونا چاہئے۔

نیز مولانا عمر عثمانی تحریر فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک امام ابو یوسفؒ اور امام عنبری کا قول زیادہ صحیح ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تمام جواہرات یا تو معدنیات سے تعلق رکھتے ہیں، یا سمندری برآمدات سے، معدنیات کے متعلق تمام صحیح روایات میں خمس کے وجوب کا حکم آیا ہے سمندری برآمدات مثلاً مروارید، مونگا وغیرہ بھی معدنیات ہی کے مثل ہیں۔ لہذا ان میں خمس واجب ہونا چاہئے لیکن یہ خمس ان لوگوں پر واجب ہوتا ہے جو ان چیزوں کو زمین سے یا سمندر سے برآمد کرتے ہیں جو ان کو خرید کر اپنے پاس ذخیرہ کرتے ہیں یا بہ طور زیورات کے انہیں استعمال کرتے ہیں ان پر زکوۃ واجب ہونی چاہئے کیونکہ یہ مال متقوم ہیں اور سرمایہ کو محفوظ کر لینے کا ایک

ذریعہ ہیں ہم سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ہمارے فقہاء کرام نے یہ فیصلہ فرماتے وقت کہ جواہرات وغیرہ میں زکوٰۃ نہیں ہوتی اس نکتہ کو کیوں نظرانداز فرمادیا۔ کہ یہ بھی سرمایہ کو محفوظ کرلینے کا ہی ایک ذریعہ ہے جہاں تک ہمارا خیال ہے فقہاء کے دور میں ان چیزوں کو ذخیرہ کرنے اور انکے ساتھ اپنے سرمایہ کو محفوظ کرنے کا رواج نہیں تھا۔ خال خال کچھ لوگ دو چار موتی زمرد و یاقوت وغیرہ کے نگینے اپنی انگوٹھی وغیرہ میں لگوالیتے تھے اس لئے انہوں نے یہ فیصلہ فرمایا ورنہ ظاہر ہے کہ ہمیں کوئی معقولیت نظر نہیں آتی کہ آدمی اپنے سرمایہ کو سونے اور چاندی کی شکل میں جمع کرے تو اس پر زکوۃ واجب ہوجاتی ہے اور اگر اسی سرمایہ کو جواہرات کی شکل میں محفوظ کرے تو اسے زکوۃ سے چھٹکارامل جاتا ہے حالانکہ سرمایہ دونوں جگہ موجود ہے۔ محض اسکے حفاظت کے طریقے مختلف ہیں اس طرح تو ہم سرمایہ دار طبقے کو زکوۃ سے بچنے کے طریقے بتلاتے ہیں، پھر وہ اپنے سرمایہ کو محفوظ کرنے کے لئے سونے چاندی کو ذخیرہ نہ کریں بلکہ جواہرات کو ذخیرہ کریں اسکا ثبوت کہ فقہاء کے عہد میں جوہرات کی صورت میں سرمایہ کو ذخیرہ کرنے کا عام رواج نہ ہوا تھا یہ ہے۔

قرآن کریم کی آیت: **"والذین یکنزون الذھب، والفضۃ ولاینفقونھافی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم"** (سورۂ توبہ ۳۴) (یقیناً جولوگ سونے چاندی کے خزانہ جمع کرتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ اے پیغمبر علیہ السلام آپ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجئے) اس آیت میں سونے اور چاندی کے ذخیرہ کرنے کا ذکر فرمایا ہے جس سے صاف نظر آتا ہے کہ عہد قدیم میں جواہرات کو ذخیرہ کرنے اور سرمایہ کو اس شکل میں محفوظ کرنے کا طریقہ رائج نہیں تھا اس لئے اگر فقہاء کرام کے عہد تک بھی یہی صورتحال تھی تو بڑی حد تک انہیں معذور سمجھا جاسکتا ہے لیکن آج وہ صورتحال باقی نہیں رہی ہے اس لئے ان ارشادات کو حرف آخر قرار دیکر سرمایہ دار طبقہ کو زکوۃ سے بچنے کے لئے اس طریقہ کو اپنانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی (فقہ القرآن ۲۶۴ بحوالہ جدید فقہی تحقیقات ۶/ ۵۳۰۔۵۳۱)۔

مذکورہ بالاتحریرات کی روشنی میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ علماء کی ایک جماعت کی رائے ہیرے جواہرات پر زکوۃ کے وجوب کی رائے ہے ایسے ہی اگر پلاٹینیم کے سلسلے میں اس زمانے کے لوگوں کے خیانتوں کو دیکھتے ہوئے تغیر زمان کی بنا پر وجوب زکوۃ کے قول کو اختیار کیا جائے تو شاید بہتر ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

خلاصۂ جوابات

۱۔ اگر روپیہ سے سونا چاندی خرید اجائے تو یہ بیع صرف نہیں ہوگی اس لئے!

الف: یہ بات درست ہوگی کہ سونا چاندی اور روپیہ میں سے ایک نقد ہو اور دوسرا ادھار۔

ب: اور یہ بات بھی شرعاً درست ہوگی کہ سونے چاندی کی متعینہ قیمت سے کم یا زیادہ قیمت پر خرید وفروخت کرے اگر چہ مخصوص حالات میں حکومتوں کی طرف سے متعین کردہ قیمت کی پابندی ضروری ہوجاتی ہے۔ تاہم سونا چاندی اور روپئے کے ایک جنس نہ ہونے کی وجہ سے اس پر ربا تفاضل کا اطلاق نہ ہوگا۔

۲۔ الف: سونے کے ذرات کے عوض زیورات بنانے کی شکل میں سونے کے لین دین میں مقدار کے فرق پر بیع کا اطلاق مختلف مفاسد کی وجہ سے درست نہ ہوگا بلکہ اسے اجارہ تصور کیا جائے گا۔ سونے کے ذرات کو اجرت ماننے کی صورت میں اجرت

العامل من جزء العمل ہونالازم آئے گا جو قیاس پر عرف ورواج کی ترجیح نیز مختلف نظائر کے جائز ہونے کی وجہ سے جائز ہوگا۔

۳- پرانے سونے کے زیورات کا سونے کے نئے زیورات سے تبادلہ بیع صرف ہے اور بیع صرف میں کمی زیادتی سود میں داخل ہے اس لئے صورت ناجائز ہوگی۔

۴- کمیوڈیٹیز ایکسچینج کے ذریعہ سونے چاندی کے خرید وفروخت کی شکل میں آرڈر کردہ شئے اس کے نام سے محفوظ کردی جاتی ہے اس کی دو شکلیں ہیں:

الف: اس صورت میں ایک کلوگرام سونا دوسوافراد کوفروخت کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں پہلے ۲۰ کے لئے مبیع اگرچہ مبیع موجود ہے لیکن مفرز اور الگ تھلگ نہیں جس کی وجہ سے بعض مواقع میں یہ صورت مفضی الی المنازعہ ہوکر بیع فاسد ہوگی۔ اور ۲۱ سے دوسوتک کے لئے مبیع کے معدوم ہونے کی وجہ سے بیع باطل ہوگی۔

(ب) اس صورت میں اگر خریدی ہوئی مقدار کا سکہ الگ سے موجود ہے اور اسکو کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں اس کے نام درج کردیا گیا تو مشتری کے ضمان اور رسک میں آجانے کی وجہ سے مال حکماً مشتری کے قبضہ میں مان کر قبضہ کے متحقق ہوجانے کی بناء پر یہ بیع جائز ہوگی۔

۵- روپئے کے عوض اگرچہ سونا چاندی کی خرید وفروخت جائز ہے لیکن شرط ہے کہ ایک جانب سے قبضہ پایا جائے جو یہاں مفقود ہے۔ یہ اور اس طرح کے دیگر مفاسد کی بنا پر یہ صورت ناجائز اور حرام ہوگی۔

٦- سوال میں ذکر کردہ صورت احتکار میں داخل ہوکر ناجائز ہوگی (کیونکہ سونے کو روکنے کی صورت میں سونے کی قیمت بڑھتی ہے اور اس گرانی کا اثر دوسری اشیاء پر بھی پڑتا ہے۔ جسکا ضرر ہر خاص وعام کولاحق ہوتا ہے)

۷- اسمگلنگ یعنی باہر کے ملک سے مال لانا یا یہاں سے باہر لے جانا اگرچہ شرعاً جائز ہے ہے لیکن ملکی قانون کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے مختلف مفاسد کو مشتمل ہونے کی بنا پر اجتناب اور احتیاط ضروری ہے۔

۸- پلاٹینم حقیقتاً سونا نہ ہونے کی وجہ سے سونے کے حکم سے خارج ہے۔ البتہ ایک قیمتی دھات ہونے کی وجہ سے کثرت سے ذخیرہ اندوزی کی صورت میں اس پر ہیرے جواہرات کی طرح زکوۃ واجب ہونی چاہئے۔

☆☆☆

سونے چاندی کی تجارت کی موجودہ شکلیں اوران کے شرعی احکام

(مفتی) محمد سعید اسعد قاسمی☆

ا-الف: روپئے کے ذریعہ سونے، چاندی کی خرید وفروخت بیع صرف میں داخل نہیں ہے، لہذا بدلین پر مجلس واحد میں قبضہ ضروری نہیں ہے بلکہ بدلین میں سے ایک پر قبضہ کافی ہے اس لئے کہ شریعت اسلامیہ میں روپئے کی حیثیت ثمن اصطلاحی کی ہے اور فقہاء کرام نے ثمن خلقی اور ثمن اصطلاحی میں اس مسئلہ میں فرق کیا ہے یعنی سونا، چاندی کی خرید وفروخت ایک دوسرے کے بدلہ کی جائے تو ایک ہی مجلس میں بدلین پر قبضہ ضروری ہے جبکہ سونا یا چاندی کو فلوس نافقہ کے ذریعہ خریدا یا بیچا جائے تو بدلین پر ایک مجلس میں قبضہ ضروری نہیں ہے جیسا کہ ''فتاویٰ عالمگیری'' میں ہے:

''وإن اشترى ختم فضة أو ختم ذهب فيه فص أو ليس فيه فص بكذا فلساً وليست الفلوس عنده فهو جائز تقابضا قبل التفرق أم لم يتقابضا لأنّ هذا بيع ليس بصرف'' (فتاویٰ ہندیہ ۳؍ ۲۲۴)۔

(اور اگر چاندی یا سونے کی انگوٹھی جس میں نگینہ ہو یا نہ ہو، ایک متعینہ فلوس کے ذریعہ خریدی اور فلوس اس شخص کے پاس موجود نہ ہو تو بیع جائز ہے جدا ہونے سے قبل دونوں نے قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہو اس لئے کہ یہ بیع صرف نہیں ہے)۔

علامہ شامی نے حانونی سے اس کے جواز کا قول نقل کیا ہے:

''سئل الحانونی عن بيع الذهب بالفلوس نسئة فأجاب بأنه يجوز إذا قبض أحد البدلين'' (ردالمحتار ۷؍ ۴۱۴)۔

(حانونی سے سوال کیا گیا سونے کی بیع فلوس کے ذریعہ ادھار کے سلسلہ میں تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ جائز ہے بشرطیکہ بدلین میں سے ایک پر قبضہ ہو جائے)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب کا فتویٰ بھی جواز ہی کا ہے، چنانچہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''وذكرت أنّها ليست قائمة مقام الذهب فی جميع الأمور فلا تجری فيها أحكام الصرف ولذالک يجوز عندی أن يشتری الذهب أو الفضة بالنقود ويجوز أيضا أن يشتری الذهب نسئية الأوراق النقدية ولكن يجب أن يكون تقابض أحد البدلين فی المجلس'' (فتاویٰ عثمانی ۳؍ ۱۵۹)۔

☆ دار القضاء امارت شرعیہ، آسنسول۔

(اور میں نے (اپنے رسالہ میں) ذکر کیا ہے کہ روپئے تمام احکام میں سونا کے قائم مقام نہیں ہیں، بس اس میں صرف کے احکام جاری نہیں ہوں گے اور اسی وجہ سے میرے نزدیک سونا روپئے کے بدلہ ادھار خریدنا جائز ہے، لیکن بدلین میں سے ایک پر قبضہ مجلس میں ضروری ہے)۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحبؒ کا رجحان بھی جواز ہی کا ہے، چنانچہ وہ ایک استفتاء کے جواب میں رقمطراز ہیں۔

رائج نوٹ اور سکے سونے، چاندی کے حکم میں نہیں، نہ ہی سونے یا چاندی کی رسید ہیں، لہذا ان سے بیع ذھب وفضۃ بہر کیف جائز ہے تفاضل ونسیئہ بھی جائز ہے (احسن الفتاویٰ ۶/۵۱۸)۔

لہذا اس سلسلہ میں میرا نظریہ ہے کہ روپئے کے ذریعہ سونا و چاندی کی خرید و فروخت ادھار شرعا جائز درست ہونی چاہیے اور یہ بیع صرف نہیں ہے۔

(ب) فقہاء کرام نے یہ صراحت کی ہے کہ سونا اور چاندی کی خرید و فروخت ایک دوسرے سے کمی بیشی کے ساتھ جائز ودرست ہے اس لئے کہ دونوں کی جنس مختلف ہے۔

"وإن باع الذهب بالفضة جاز التفاضل لعدم المجانسة" (ہدایہ ۳/۱۰۵)۔

(اور اگر سونے کو چاندی کے بدلہ فروخت کیا جائے تو زیادتی جائز ہے جنس ایک نہ ہونے کی وجہ سے)۔

اور روپیہ اور سونا یا چاندی یہ دونوں ہم جنس نہیں ہیں بلکہ دونوں مختلف جنس ہیں۔

لہذا سونا اور چاندی کا جو نرخ حکومت یا سونے کی مارکیٹ جیسے انٹرنیشنل سطح پر میکس گولڈ مارکیٹ یا ہندوستانی سطح پر ایم سی نے طے کیا ہو اس سے زیادہ یا کم قیمت پر خرید وفروخت کر سکتے ہیں، شرعا جائز ودرست ہے، اس پر ربا الفاضل کا اطلاق نہیں ہوگا، اس لئے کہ تفاضل ربا میں اس وقت داخل ہے جبکہ دونوں کا قدر وجنس ایک ہو لیکن اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک مفقود ہو یعنی قدر ایک ہو، جنس ایک نہ ہو، یا جنس ایک ہو، قدر ایک نہ ہو، تو اس صورت میں تفاضل ربا نہیں ہے، بلکہ جائز وحلال ہے۔

"وعلته أى علة تحريم الزيادة القدر المعهود بكيل أو وزن مع الجنس فإن وجدا حرم الفضل أى الزيادة ...... وإن وجد أحدهما أى القدر وحدة أو الجنس حل الفضل" (الدر المختار کتاب البیوع باب الربا ۷/ ۴۰۴،۴۰۳)۔

(اور زیادتی کی حرمت کی علت قدر یعنی کیلی یا وزنی جنس کے ساتھ ہو تو جب دونوں پایا جائے تو فضل یعنی زیادتی حرام ہے اور اگر دونوں میں سے ایک یعنی صرف قدر یا صرف جنس پایا جائے تو زیادتی حلال ہے)۔

۲-الف: تاجر کا زیور بنانے کے لئے سونا کاریگر کو دینا اور کاریگر کا زیور بنا کر واپس کرنا اور آمیزش کے بقدر بچے ہوئے سونے کے ذرات کو اپنے پاس رکھ لینا یہ بیع نہیں ہے بلکہ یہ اجارہ ہے، اس لئے کہ بیع کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی ہے، بیع کی تعریف ہے، "مبادلة المال بالمال بالتراضى" (فتاویٰ ہندیہ ۳/۲)۔

(باہمی رضامندی سے مال کا تبادلہ مال کے ذریعہ) اور یہاں مال کا تبادلہ مال کے ذریعہ نہیں ہو رہا ہے۔

ب- رہا یہ سوال کہ زیورات بنانے میں جو ذرات بچ جائیں وہی اجرت قرار پائے اس طرح کی اجرت جائز ہے یا نہیں؟
جب مذکورہ صورت پر ہم غور کرتے ہیں تو بظاہر دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔

۱۔ اجرت مجہول ہے۔

۲۔ اجرت عامل کے عمل (جزء عمل) سے قرار پائی ہے۔

اور اصولاً یہ دونوں چیزیں مفسد اجارہ ہیں۔

لیکن جہاں تک اجرت کے مجہول ہونے کی بات ہے تو میری سمجھ کی حد تک یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ تاجر اور کاریگر دونوں اپنے اپنے مشاہدے وتجربے کی وجہ سے جانتے ہیں کہ زیور بنانے کی صورت میں کتنی مقدار میں سونے کے ذرات بچ جائیں گے، تو گویا دونوں کے نزدیک وہ ذرات معلوم ومتعین ہیں، اور اگر اجرت کے مجہول ہونے کی بات تسلیم کرلی جائے تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ اجرت کے مجہول ہونے کی صورت میں مفسد اجارہ ہونے کی علت فقہاء نے مفضی إلی النزاع لکھی ہے، یعنی جب اجرت متعین نہ ہوگی مجہول ہوگی تو جھگڑا پیدا ہوگا۔

"وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة" (الدر المختار علی صدر رد المحتار ۹/۷)۔

(اجرت کی شرط یہ ہے کہ اجرت اور منفعت معلوم ہو اس لئے کہ ان دونوں کی جہالت جھگڑے کا سبب ہے)۔

علامہ علاء الدین کاسانی نے اجرت کی جہالت کے سلسلہ میں بڑی ہی اہم اور قیمتی بات تحریر فرمائی ہے کہ ایسی جہالت جو جھگڑے کا سبب نہ ہو وہ صحت اجارہ کیلئے مانع نہیں ہے اس لئے کہ اس صورت میں اجرت کی حوالگی جو اجارہ کا مقصد ہے ممکن ہے۔

"منها أن يكون المعقود عليه والمنفعة معلوماً علماً يمنع من المنازعة فإن كان مجهولاً ينظر إن كانت تلك الجهالة مفضية إلى المنازعة تمنع صحة العقد وإلا لا۔ لأن الجهالة المفضية إلى المنازعة تمنع من التسليم والتسليم فلا يحصل المقصود من العقد فكان العقد عبثاً لخلوه عن العاقبة الحميدة وإذا لم تكن إلى المنازعة يوجد التسليم والتسليم فيحصل المقصود" (بدائع الصنائع ۴/ ۲۵، ۲۴)۔

(اس میں (صحت اجارہ کے شرائط) سے یہ ہے کہ معقود علیہ یعنی منفعت ایسا معلوم ومتعین ہو کہ جھگڑے کو روک دے، پس اگر مجہول ہو تو دیکھا جائے گا کہ اگر وہ جہالت مفضی إلی النزاع ہے تو عقد کی صحت کے لئے مانع ہوگا ورنہ نہیں، اس لئے کہ جو جہالت مفضی إلی النزاع ہو وہ تسلیم کو روک دے گی اور اس صورت میں عقد کا مقصد حاصل نہ ہوگا، لہذا اچھے انجام سے خالی ہونے کی وجہ سے عقد لغو ہوگا اور جب (جہالت) منازعت کا سبب نہ ہو تو تسلیم پایا جائے گا، اور جب تسلیم پایا جائے گا تو مقصود حاصل ہوجائے گا)۔

مذکورہ صورت میں چونکہ تاجر اور کاریگر کے درمیان کوئی نزاع پیدا نہیں ہوتا ہے اس لئے یہ جہالت صحت اجارہ کے لئے مانع نہیں ہونا چاہئے۔

رہی بات اجرت عامل کے عمل سے قرار پائی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عرف وعادت وہ اصول ہیں جن پر بے شمار احکام کی بنیاد ہے، اسی میں سے مزارعت کا مسئلہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مزارعت جائز نہیں ہے، البتہ عرف ورواج کو دیکھتے ہوئے

احناف نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا حالانکہ کھیتی بٹائی پر کرنے کی صورت میں بٹائی کرنے والے کو پیداوار کا ایک حصہ ہی بطور اجرت ملتا ہے، جو عامل کے جز عملی کو اجرت بنانے کی واضح نظیر ہے۔

”قال أبو حنيفة المزارعة بالثلث والربع باطلة ...... وقالا جائزة ...... أن الفتوىٰ على قولهما لحاجة الناس إليها ولظهور تعامل الأمة لها والقياس يترک بالتعامل“(ہدایہ کتاب المزارعۃ ۴/ ۴۲۵، ۴۲۴)۔

اسی طرح فقہاء نے پھلوں میں بٹائی داری کو جائز قرار دیا ہے، جبکہ یہاں بھی صراحۃً عامل کے عمل سے اجرت قرار پائی ہے۔

اسی سے جڑا ہوا مسئلہ جانور بٹائی پر دینے کا بھی ہے، اس سلسلہ میں ہمارے اکابر حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا رجحان عموم بلویٰ کی وجہ سے جواز کا معلوم ہوتا ہے۔

”لیکن بنابر نقل بعض اصحاب امام احمد کے نزدیک اس میں جواز کی گنجائش ہے، پس تحرز احوط ہے اور جہاں ابتلاء شدید ہو، توسع کیا جاسکتا ہے“(امداد الفتاویٰ ۳/ ۳۴۳)۔

اور بعض مستند ادارے سے بھی جانور بٹائی پر دینے کے جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

لہذا مذکورہ دلائل کی بنیاد پر بندہ کی رائے میں یہ عرف ورواج ہے کہ زیور بنانے کے بعد جو ذرات بچ جاتے ہیں وہی کاریگر کی اجرت ہوتی ہے تو اس کو جائز ہونا چاہئے۔

۳- سونا، سونا ہے خواہ نیا ہو یا پرانا، پرانا یا نیا ہونے سے سونے کی ذات پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے، کیونکہ نیا اور پُرانا ہونا وصف ہے اور وصف میں فرق کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اس لئے نئے سونے کے زیور کا تبادلہ پرانے سونے کے زیور سے کمی بیشی کے ساتھ شرعاً ناجائز وحرام ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ فقہاء کرام نے یہ صراحت کی ہے کہ عمدہ سونے کی خرید وفروخت ردّی سونے کے ذریعہ کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ عمدہ اور ردّی وصف ہے اور وصف میں تفاوت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

”لا يجوز بيع الجيد بالردى مما فيه الربوٰ إلا مثلاً بمثلٍ لانهدار التفاوت فى الوصف“ (ہدایہ کتاب البیوع باب الربا ۳/ ۷۹)۔

(جید کی بیع ردّی کے ذریعہ ان اشیاء میں جو اموال ربویہ میں سے ہیں جائز نہیں ہے، الّا یہ کہ برابر سرابر ہو، وصف میں تفاوت کے باطل ہونے کی وجہ سے)۔

علامہ علاء الدین حصکفی نے یہ صراحت کی ہے کہ اموال ربویہ میں جید اور ردی برابر ہے۔

”وجيد مال الربوا .... ورديئه سواء“(الدر المختار علی صدر المختار ۷/ ۴۱۲؛ کتاب البیوع باب الربا)۔

علامہ شامی نے اس کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ جید کی بیع ردی کے ذریعہ ان چیزوں میں جن میں ربا ہے جائز نہیں ہے مگر یہ کہ برابر سرابر ہو۔

”قوله (وجيد مال الربا ورديئه سواء) أى فلا يجوز بيع الجيد بالردئ مما فيه الربا إلا مثلا بمثل“ (۷/ ۴۱۲)۔

۴- اس سوال کے جواب سے قبل قبضہ کی حقیقت شریعت کی نگاہ میں کیا ہے؟ اس کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اس لئے جواب سے قبل قبضہ کی حقیقت لکھی جارہی ہے۔

کتاب وسنت میں قبضہ کی کوئی خاص صورت ونوعیت متعین نہیں ہے اور اصول یہ ہے کہ جن چیزوں کی شریعت اسلامیہ اور لغت میں کوئی تحدید نہ ہو وہ چیزیں عرف وعادت پر محمول ہوں گی۔ ''الأشباہ والنظائر'' میں ہے:

''کل ما ورد به الشرع مطلقاً ولا ضابط له فيه ولا في اللغة يرجع فيه إلى العرف ومثلوه بالحرز في السرقة والتفرق في البيع والقبض'' (الأشباہ والنظائر للسیوطی: ۱۹۶)۔

(شریعت میں جو لفظ مطلق وارد ہوا ہو اور اس کی بابت نہ تو شریعت میں کوئی ضابطہ مقرر ہو اور نہ ہی لغت میں، تو اس میں عرف کی طرف لوٹایا جائے گا اور فقہاء نے اس کی مثال چوری کے مسئلہ میں حرز (حفاظت) بیع میں تفرق اور قبضہ سے دی ہے)۔

اور صاحب درمختار قبضہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ بائع اور مشتری کے درمیان ایسا تخلیہ جس سے قبضہ پر قدرت ہو جائے اور کوئی چیز رکاوٹ اور حائل نہ ہو یہ تخلیہ قبضہ سمجھا جائے گا۔

''ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع وحائل'' (الدر المختار علی صدر رد المحتار ۷/ ۹۴)۔

اور تخلیہ مبیع کی حالت وکیفیت کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے، چنانچہ علامہ محمد بن عابدین شامیؒ **''على وجه يتمكن من القبض''** کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں، تخلیہ بھی حکماً قبضہ ہے اور ہر چیز کا قبضہ اسی کے حساب سے ہے، مثلاً اگر کسی گھر میں گیہوں وغیرہ ہے تو اس کا تخلیہ یہ ہے کہ کنجی مشتری کے حوالہ کر دی جائے اور وہ بغیر تکلف وپریشانی کے مکان کھولنے پر قادر ہو اور اگر مکان ہے تو اس کا تخلیہ یہ ہے کہ اس کے بند کرنے پر مشتری قادر ہو اور جانوروں میں اس کا تخلیہ یہ ہے کہ چراگاہ میں جانور دکھلا دیا جائے اور اس کی جانب اشارہ کر دیا جائے اور کپڑا ہے تو اتنا قریب ہو کہ مشتری جب ہاتھ اس کی جانب بڑھائے تو ہاتھ اس تک پہنچ جائے، کسی مکان میں بند گھوڑے اور پرندے پر قبضہ اس وقت متصور ہوگا جبکہ مشتری بغیر کسی کی مدد کے ان کو پکڑ سکے وغیرہ (رد المحتار مطلب فی شروط التخلیۃ ۷/ ۹۶)۔

علامہ کاسانیؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب بدائع الصنائع میں قبضہ کی حقیقت ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:

''لا يشترط بالبراجم لأن من القبض هو التمكين والتخلية وارتفاع الموانع عرفا وعادة حقيقة'' (بدائع الصنائع ۴/ ۳۴۲)۔

(انگلیوں سے قبضہ شرط نہیں ہے اس لئے کہ قبضہ کا مطلب تمکین تخلیہ اور عرف وعادت وحقیقت کے اعتبار سے رکاوٹ کا ختم ہو جانا ہے)۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ مبیع اور مشتری کے درمیان ایسا تخلیہ جس سے قبضہ پر قدرت ہو جائے اور کوئی چیز رکاوٹ اور حائل نہ ہو قبضہ سمجھا جائے گا، لہٰذا مذکورہ بالا مباحث کی روشنی میں راقم الحروف کے نزدیک یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ پہلی صورت جب تمام خریدار کا خریدا ہوا سونا سونے کی اینٹ کی شکل میں ہے تو اس کو خریدار کا قبضہ نہیں سمجھا جائے گا، اس لئے کہ مبیع ممیّز وممتاز نہیں ہے، جس کی وجہ

کر تمام خریدار اپنے اپنے حصہ کے بقدر مبیع کے قبضہ کرنے پر قادر نہیں ہیں، البتہ دوسری صورت میں جبکہ ہر خریدار کے لئے سونے کا سکہ علاحدہ علاحدہ رکھا ہوا ہے اور اس کو کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں اس کے نام پر درج کر دیا گیا اور قبضہ سے کوئی چیز مانع ورکاوٹ نہیں ہے مشتری جب چاہے اس پر قبضہ کرسکتا ہے تو اس کو مشتری کا قبضہ تصور کیا جائے گا، اس لئے کہ اس پر قبضہ کی تعریف صادق آتی ہے۔

۵- مذکورہ صورت میں جبکہ معاملہ آپس کے قبضہ کے بغیر طے ہوتا ہے کہ نہ تو خریدار مبیع پر قبضہ کرتا ہے اور نہ ہی بیچنے والا ثمن (قیمت) پر قبضہ کرتا ہے، یعنی مبیع بائع کے پاس اور ثمن مشتری کے پاس رہتا ہے گویا مبیع اور ثمن دونوں ادھار ہیں، اور جب مبیع اور ثمن دونوں ادھار ہوں تو حدیث شریف میں ایسے بیع کی ممانعت آئی ہے۔

"عن ابن عمر أن النبی ﷺ نهی عن بیع الکالی بالکالی" (الدارقطنی ۶۰/۳ کتاب البیوع)۔

(حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی ﷺ نے ادھار کی بیع ادھار کے ذریعہ سے منع فرمایا ہے)۔

لہذا مذکورہ طریقہ پر کاروبار شرعاً جائز نہیں ہے۔

۶- احتکار کی لغوی تعریف: لغت میں گراں فروشی کی نیت سے غلہ کی ذخیرہ اندوزی احتکار ہے۔

"الاحتکار لغة حبس الطعام إرادة الغلاء" (الموسوعۃ الفقہیۃ ۹۰/۲)۔

(غلہ اور اس جیسی ضروریات زندگی خرید کر گرانی کے زمانہ تک روکے رہنے کو احتکار کہتے ہیں)۔

"أما فی الشرع فقد عرفه الحنفیة بأنه اشتراء الطعام ونحوه وحبسه إلی الغلاء" (حوالہ سابق)۔

کن اشیاء کا احتکار ممنوع ہے اس سلسلہ میں فقہاء کرام کے تین اقوال ہیں۔

پہلا قول امام ابوحنیفہ، امام محمد، شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک یہ ہے کہ صرف غذائی اشیاء میں احتکار کا تحقق ہوگا۔

دوسرا قول مالکیہ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف کا ہے احتکار ان تمام چیزوں میں ہوسکتا ہے جو انسانی زندگی کے لئے ضروری ہو، اور جن کے روکنے سے عوام الناس کو ضرر لاحق ہو مثلاً غلہ، سالن، لباس وغیرہ۔

تیسرا قول: امام محمد بن حسن کا ہے کہ احتکار کا ثبوت صرف غذائی اشیاء اور کپڑوں میں ہوتا ہے (دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ ۹۲/۲)۔

جمہور فقہاء کی دلیل وہ احادیث ہیں، جن میں ذخیرہ اندوزی کے ممنوع ہونے کے سلسلہ میں غلہ کی صراحت موجود ہے۔ ابن ماجہ میں ہے۔

"عن عمر بن الخطاب قال سمعت رسول الله ﷺ يقول من احتکر علی المسلمین طعامهم ضربة الله بالجذام والإفلاس" (السنن لابن ماجہ)۔

(حضرت عمرؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جو شخص مسلمانوں سے ان کا غلہ روک دے اللہ تعالیٰ اسے جذام اور تنگی میں مبتلا کرے گا)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت میں ہے:

"عن أبی أمامة أن رسول الله ﷺ قال من احتکر طعاما أربعین یوماً یرید به الغلا فقد برئ من الله

وبرئ الله منه رواه رزین"(مشکوۃ المصابیح:۲۵۱)۔

(حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے چالیس دنوں تک غلہ کو گراں فروشی کے ارادہ سے روکے رکھا اس کا رشتہ اللہ سے ٹوٹ گیا، اور اللہ تعالیٰ اس سے بیزار رہا)۔

مالکیہ اور امام ابویوسفؒ کا استدلال ان روایات سے ہے جن میں مطلق احتکار سے منع کیا گیا ہے اور احتکار کرنے والے کو خاطی وملعون قرار دیا گیا ہے، حدیث شریف میں ہے:

"قال رسول الله ﷺ: من احتكر فهو خاطئ"(الصحیح لمسلم باب تحریم الاحتکار فی الأقوات ۲/۳۱)۔

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے احتکار کیا وہ گنہگار ہے)۔

دوسری روایت میں ہے:

"عن عمر عن النبی ﷺ قال الجالب مرزوق والمحتكر ملعون"(الصحیح لمسلم باب تحریم الاحتکار فی الأقوات ۲/۳۱)۔

(حضرت عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تاجر کو رزق دیا جاتا ہے اور احتکار کرنے والا ملعون ہے)۔

امام محمد بن الحسن نے کپڑوں کو غذائیات پر محمول کیا ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں انسان کے حوائج ضروریہ میں سے ہیں:

"فإنه حمل الثياب على القوت باعتبار أن كلامنهما من الحاجات الضرورية"(الموسوعۃ الفقہیۃ ۲/۹۳)۔

راجح قول:

جمہور فقہاء کا قول راجح معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ جب ایک مسئلہ میں نصوص مختلف ہوں ایک عام اور دوسرا خاص تو ایسی صورت میں عام کو خاص پر محمول کیا جائے گا۔ تو گویا جن احادیث میں مطلق احتکار کی ممانعت وارد ہوئی ہے، وہ بھی غذائی اجناس پر ہی محمول ہے۔

"وإذا اجتمعت نصوص عامة وأخرى خاصة فی مسألة واحدة حمل العام على الخاص والمطلق على المقيد"(حوالہ سابق)۔

علامہ نووی نے مسلم شریف کی شرح نووی میں یہ صراحت کی ہے کہ احتکار کی ممانعت صرف غذائی اجناس ہی میں خاص ہے، اس کے علاوہ دیگر چیزوں میں احتکار ممنوع نہیں ہے۔

"قال أصحابنا الاحتكار المحرم هوالاحتكار فی الأقوات خاصة وهو ان يشترى الطعام فی وقت الغلاء للتجارة ولا يبيعه فی الحال بل يدخره ليغلو ثمنه ...... وأما غير الأقوات فلا يحرم الاحتكار فيه بكل حال" (نووی مسلم شریف ۲/۳۱)۔

الغرض احتکار صرف غذائی اجناس میں ممنوع ہے اس کے علاوہ میں نہیں، لہذا احقر کی رائے میں گراں فروشی کی نیت سے سونے کی ذخیرہ اندوزی ممنوع نہیں ہونا چاہیے اور یہ احتکار کے دائرہ میں نہیں آئے گا۔ گرچہ اس کی وجہ سے گرانی کا اثر دوسری اشیاء پر

بھی پڑتا ہو، اس لئے کہ فقہاء کرام نے یہ صراحت کی ہے کہ غلہ جس میں احتکار ممنوع ہے اگر کوئی شخص اپنی زمین کے غلہ کی ذخیرہ اندوزی کرے اور اس کی وجہ سے لوگوں کو نقصان ہو تو بھی یہ ذخیرہ اندوزی ممنوع نہیں ہے، بلکہ جائز ہے۔

"ولا یکون محتکرا بحبس غلة أرضه بلا خلاف" (الدر المختار علی صدر رد المحتار ۹/۵۷۲)۔

غلہ جس کی ذخیرہ اندوزی ممنوع ہے جب اپنی زمین کے غلہ کے ذخیرہ اندوزی کی اجازت ہے گرچہ اس کی کی وجہ سے لوگ پریشانی میں مبتلا ہوں اور غلہ گراں ہو جائے تو اگر جس کی ذخیرہ اندوزی ممنوع نہیں ہے، مثلاً سونے کی ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے دوسری اشیاء کی قیمت گراں ہو جائے تو بھی اس کے جواز میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟

۷- اسمگلنگ فی نفسہ جائز وحلال ہونی چاہیے اور اس طریقہ سے آنے والے سونے کی خرید وفروخت بھی شرعاً جائز و درست ہونی چاہیے، اس لئے کہ ہر شخص کو اپنے روپۓ سے اپنی ضرورت اور پسند کے مطابق سامان خریدنے کا حق حاصل ہے۔

"لا یمنع أحد من التصرف فی ملکه أبدا" (رد المحتار ۵/۴۴۸)۔

البتہ چونکہ یہ حکومت کے قانون کے خلاف ہے، پکڑے جانے پر ہتک عزت کا اندیشہ ہے نیز جس ملک میں ہم رہتے ہیں قولاً یا عملاً ہمارا یہ معاہدہ ہے کہ جب تک حکومت کا حکم معصیت پر مشتمل نہ ہو اس کی پابندی کریں گے تو اس قانون کی پابندی ہم پر لازم ہے۔

"کل من یسکن دولة فإنه یلتزم قولا أو عملا بأنه یتبع قوانیها وحینئذ یجب علیه اتباع أحکامها" (فی بحوث قضایا فقہیۃ معاصرۃ ص ۱۶۶)۔

لہذا اسمگلنگ کا کاروبار نہ کیا جائے، یہی رائے حضرت مولانا مفتی نظام الدینؒ، حضرت مولانا عبد الرحیم لاجپوریؒ اور مفتی تقی عثمانی صاحب کی ہے (ملاحظہ ہو: منتخبات نظام الفتاویٰ ۳/۲۸، فتاویٰ رحیمیہ ۶/۲۷۸، فتاویٰ عثمانی ۳/۹۰)۔

۸- اصول یہ ہے کہ سونا اور چاندی یا مختلف کرنسیاں جو ثمن کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں، اور سائمہ جانوروں کے علاوہ کسی بھی مال میں خواہ وہ کتنا ہی قیمتی کیوں نہ ہو، جب تک اس میں تجارت کی نیت نہ کی جائے، زکواۃ واجب نہیں ہوتی ہے، جیسا کہ فقہاء کرام نے یہ صراحت کی ہے کہ ہیرے اور جواہرات پر زکواۃ واجب نہیں ہے۔

"لا زکواة فی اللآلیو الجواهر و إن ساوت ألفاً إلا أن تکون للتجارة" (الدر المختار علی صدر رد المحتار قبیل باب السائمۃ ۳/۱۹۴)۔

لہذا پلاٹینیم کا شمار اگرچہ قیمتی دھاتوں میں ہوتا ہے پھر بھی اس پر عقود اور زکواۃ کے سلسلہ میں سونے کے احکام جاری نہیں ہونگے۔

☆☆☆

سونا چاندی کی تجارت سے متعلق مسائل موجودہ تناظر میں

مفتی عمران بن دین محمد فلاحی، پالنپوری☆

۱- الف: رائج الوقت کاغذی نوٹ، سکے اور روپے سونے چاندی کے حکم میں نہیں ہے، بلکہ ان کی حیثیت ثمن اصطلاحی کی ہے، اور ثمن اصطلاحی سے مراد وہ شئی ہے جو لوگوں کے عرف اور اتفاق کی وجہ سے ثمن کے درجہ میں آ گئی ہو، جبکہ سونا کی حیثیت ثمن حقیقی کی ہے جیسا کہ دوسرے فقہی سیمنار کی تجاویز سے معلوم ہوتا ہے، نیز دونوں کی اجناس بھی مختلف ہیں، لہذا ان کے ذریعہ سونا چاندی خریدنا جائز ہے، چاہے زیورات خریدیں یا اشرفی یا دراہم، ان پر بیع صرف کے احکام جاری نہیں ہوں گے، کیونکہ بیع صرف کی تعریف امام قدوریؒ نے ان الفاظ میں کی ہے:

"**الصرف هو البيع إذا كان كل واحد من عوضيه من جنس الأثمان......فإن با ع فضة بفضة أو ذهبا بذهب لم يجز الخ**" (المختصر القدوری/۸۵)۔

بیع صرف وہ بیع ہے: جس میں ثمن اور مبیع دونوں سونا چاندی کی جنس سے ہوں، نیز یہ بات بھی درست ہوگی کہ سونا چاندی اور روپئے میں سے ایک نقد ہو اور دوسرا ادھار اس لئے کہ روپئے سے سونے چاندی کا لین دین بیع صرف کے حکم میں داخل نہیں ہے، اس لئے ادھار خرید وفروخت جائز ہے بشرطیکہ عوضین میں سے کسی ایک پر مجلس عقد میں قبضہ ہوجائے، تا کہ بیع الکالی بالکالی لازم نہ آئے۔

"**لما قال العلامة ابن عابدين الشامیؒ: (تنبيه) يجوز إذا قبض أحد البدلين**" (ردالمحتار ۴/۲۰۵، باب الربوا، کتاب البیوع)۔

"**وفی الهندية: قال: وروى الحسن عن أبی حنيفة إذا اشترى فلوسا بدراهم وليس هذا فلوس ولا عند الآخر دراهم ثم إن أحدهما دفع وتفرقا جاز وإن لم ينقد واحد منهما حتى تفرقا لم يجز كذا فی المحيط**" (الفتاوی الہندیہ ۳/۲۲۴، الفصل الثالث فی بیع الفلوس)۔

☆ استاذ مدرسہ کنز مرغوب، فیض صفا، پٹن، شمالی گجرات۔

ب- گولڈ مارکیٹ یا حکومتی نرخ سے کم وبیش میں سونے چاندی کی خرید وفروخت:

آج کل سونا اور چاندی کا کاروبار بہت ہی عروج پر ہے، اس کے لئے باقاعدہ مارکیٹ وجود میں آ گئی ہے، اب اس میں حکوت یا سونے کی مارکیٹ جیسے انٹرنیشنل سطح پر ''کومیکس گولڈ مارکیٹ'' یا ہندوستان کی طرح پر یہاں کی مارکیٹ MC نے اس کا نرخ طے کیا ہے، لیکن لوگ بلیک مارکیٹ میں یا نجی معاملات میں حکومتی ریٹ کے بجائے اپنی مرضی سے ریٹ لگا کر خرید وفروخت کرتے ہیں جو حکومت کے ریٹ سے کم وبیش ہوتا ہے، اس بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ جب یہ عقد فریقین (بائع ومشتری) کے مابین باہمی رضامندی سے طے پائے تو جائز ہے بشرطیکہ دھوکہ اور فریب نہ ہو۔

''من مناهج الشريعة العامة فى الصفقات التجارية ، وكافة العقود والاتفاقات أن لا يتم ابرام العهود إلا بمرضاة الطرفين وأن يكون لهما التحرر والاختيار حتى لا يتضرر به الآخر'' (فقہ الحلال والحرام ۳۳۲)۔

''والبائع أن يبيع بضاعته بما شاء من ثمن ولا يجب عليه أن يبيعه بسعر السرق دائما، وللتجار ملاحظة مختلفة فى تعيين الأثمان وتقديرها......الخ'' (قضایا فقہیہ معاصرہ:۸)۔

لیکن اس طرح کا معاملہ کرنا چونکہ اس قانون کی خلاف ورزی ہے جو اجتماعی مفاد کے لئے حکومت کی طرف سے نافذ ہے، اس لئے اس خارجی سبب کی وجہ سے اس طرح کے معاملات کی اجازت نہ ہوگی، کیونکہ فقہ اسلامی کا قاعدہ ہے کہ جائز امور میں حکومتی قوانین کی پابندی واجب ہے، چنانچہ ''الاشباہ والنظائر'' میں ہے:

''إذا كان فعل الإمام مبنيا على المصلحة فيما يتعلق بالأمور العامه لم ينفذ أمره شرعا إلا إذا واقفه فإن خالفه لم ينفذ'' (الأشباہ والنظائر ۴۱۲، تحت القاعدہ الخامسہ)۔

البتہ اس آمدنی کو حرام نہیں کہا جائے گا، بایں وجہ کہ نفس عقد میں کوئی قباحت نہیں پائی جاتی۔

''وعرف بهذا أنه لا يكره بيع مالم تقم المعصية به كبيع الجارية المغنية والكبش النطوح والحمامة الطيارة والعصير والخشب ممن يتخذ منه المعازف'' (شامی ۴۲۱/۶ باب البغاۃ)۔

واضح رہے کہ یہ اضافہ ربا تفاضل کی فہرست میں نہیں آئے گا، کیونکہ عام طور پر فقہاء نے ربا تفاضل کی جو تعریف کی ہے وہ یہ ہے:

''وفى الشرع عبارة عن فضل مالايقابله عوض فى معاوضة مال بمال'' (عنایہ علی ہامش الفتح ۱۴۷/۶ طبع احیاء التراث)۔

ایسا اضافہ جس کے عوض معاملہ کے دوسرے فریق کی طرف سے کچھ نہ ہو، اس تعریف پر غور کرنے سے معلوم ہو رہا ہے کہ جب عاقدین باہمی رضامندی سے عقد کر رہے ہیں نیز دونوں کی جنس بھی مختلف ہے، لہذا اس پر ربا تفاضل کا اطلاق نہیں ہوگا۔

۲-الف: زیور بنانے والے کاریگر کا متعینہ وزن میں لینا-شرعی نقطہ نظر:

زیور بنانے والے کاریگر کے زیورات کے تاجروں سے ایک متعینہ وزن میں سونا لینے کی جوصورت سوال نامہ میں درج ہے

وہ اجارہ تصور کی جائے گی، کیونکہ اجارہ کی تعریف اس پر منطبق ہوتی ہے، چنانچہ ابوالحسین احمد بن ابوبکر بغدادی القدوری تحریر فرماتے ہیں:

"الإجارة عقد على المنافع بعوض" (قدوری، ص ۱۰۰)۔

اجارہ اس معاملہ کو کہا جاتا ہے جس میں ایک فریق کی طرف سے منفعت کی پیش کش ہو اور دوسرے کی طرف سے معاوضہ اور اجرت کی۔

نیز اجارہ کی مزید تفصیلات کو ذکر کرتے ہوئے امام قدوری لکھتے ہیں:

"وتارة تصير المنافع معلومة بالمدة......وتارة تصير معلومة بالعمل والتسمية كمن السأجر رجلا على صبغ ثوب أو خياطة ثوب الخ" (حوالہ سابق)۔

منافع کی تعیین اور وضاحت کبھی مدت کے ذریعہ ہوگی اور کبھی وقت، جگہ، مسافت یا کام اور صنعت کے ذریعہ، اس عبارت کے تجزیہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مذکورہ صورت اجارہ منافع بالعمل کی ہے۔

ب- عامل ہی کے عمل کے ایک جز کو اجرت بنانا:

اجرت کے سلسلہ میں آپ ﷺ نے ہمیں جو ہدایات دی ہیں ان میں ایک ایسا جامع اصول بھی بیان کیا ہے جو حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اونٹ کی جفتی کی اجرت اور قفیز طحان سے منع فرمایا ہے، چنانچہ سنن کبری میں ہے:

"عن أبى سعيد الخدرى: قال: نهى عن عسب الفحل وعن قفيز الطحان" (السنن الکبری للبیہقی ۵/۳۳۹ طبع دارالمعرفۃ)۔

قفیز طحان سے کیا مراد ہے؟ اس کی وضاحت یہ ہے کہ قفیز ایک پیمانہ تھا جس سے چیزوں کی مقدار متعین کی جاتی تھی اور طحان کے معنی ہے آٹا پیسنے والا، رواج یہ تھا کہ لوگ آٹا پیسنے والے کو گندم وغیرہ دیتے اور کہتے کہ اسی میں سے اتنے قفیز تمہاری اجرت ہوگی، حضور ﷺ نے اس صورت کو منع فرمایا۔

فقہاء نے اسی حدیث کی روشنی میں جزئیات کا احاطہ کرتے ہوئے کہا کہ عامل ہی کے عمل کے ایک جز کو اجرت بنانا قفیز طحان کے دائرہ میں آتا ہے، جس سے آپ ﷺ نے منع کیا ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعی اور بعض فقہاء اس کی ممانعت کے قائل ہیں (اعلاء السنن ۱۶/ ۱۸۳)۔

البتہ عرف کی رعایت کرتے ہوئے مشائخ بلخ نے اس طرح کی صورت میں اس کی اجازت دی ہے، چنانچہ فتاوی ہندیہ میں ہے: "ومشائخ بلخ جوز واهذه الإجارة لمكان الضرورة والتعامل" (الفتاوی الہندیہ ۴/ ۵۰۳، باب بیان مایجوز عن الإجارۃ)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کا قول بھی جواز ہی کا معلوم ہورہا ہے، چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں: "ہندو پاک کے علاقہ میں جانوروں کے معاملہ میں جس طرح یہ طریقہ مروج ہے، اس کے تحت عرف کی رعایت کرتے ہوئے اس کی اجازت ہونی چاہئے (جدید فقہی مسائل ۴/ ۱۹۶)۔

نیز مولانا رحمانی صاحب حدیث قفیز طحان کی حقیقت کو واشگاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قفیز طحان والی روایت معلول اور متکلم فیہ ہے، قفیز طحان والی روایت کی تاویل اس طرح ممکن ہے کہ اس کو اس صورت پر محمول کیا جائے جبکہ مقدار مقرر نہ کی گئی ہو......شریعت میں مزارعت، مساقات اور مضاربت کی صورت میں ایسی نظیریں موجود ہیں اور صحت اور صراحت کے ساتھ ثابت ہیں جو عامل کے جزِ عمل کو اجرت مقرر کرنے کو درست قرار دیتی ہیں، پس ہمارے زمانہ میں کاروبار اور معاملات میں ایسی صورتیں جو قفیز طحان کی قبیل سے ہیں اور کثرت سے مروج و معمول ہیں جائز ہونی چاہئیں (حوالہ سابق ۴/۱۹۸، طبع زم زم)۔

تاہم ''فتاوی ہندیہ'' میں جمہور فقہاء ہی کے قول کے معتبر و صحیح قرار دیا گیا ہے: ''**والصحیح جواب الکتاب لأنه فی معنی قفیز الطحان**'' (الفتاوی الہندیہ ۴/۵۰۳، باب بیان ما یجوز من الإجارة)۔

چنانچہ جمہور ہی کے قول کا اعتبار کرتے ہوئے سوال نامہ میں دو صورت (سونا متعین وزن میں اجرت کے طور پر دینا اور لینا) قفیز طحان کی رو سے ناجائز ہوگی۔

جائز شرعی متبادل:

مذکورہ حدیث کے اختلافات سے بچتے ہوئے کاریگر کا سونا اجرت کے طور پر طے کرنے کے بجائے بہتر اور افضل یہ ہے کہ رقم طے کی جائے، اور اگر کاریگر چاہے تو اسی رقم کے بدلے ان لوگوں (زیورات کے تاجروں) سے بعد میں سونا خرید لے۔

۳- نیا زیور نئی خرابی:

آپ ﷺ نے حرمت ربا کا ایک جامع اصول بیان فرمایا ہے، چنانچہ بخاری، مسلم میں یہ حدیث موجود ہے:

''**الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والتمر بالتمر والشعیر بالشعیر والملح بالملح مثلا بمثل سواء بسواء یدا بید فمن زاد أو استزاد فقد أربی أی دخل فی الربا المحرم، الآخذ والمعطی فیه سواء**'' (اخرجہ البخاری: رقم: ۴/۲۱۷، مسلم: رقم: ۱۵۸۴ والترمذی: ۱۲۴۰، وقال: حسن صحیح)۔

آپ ﷺ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ سونے کو سونے کے عوض میں یا چاندی کو چاندی کے عوض میں، گندم کو گندم کے عوض میں، کھجور کو کھجور کے عوض میں، جو کو جو کے عوض میں، نمک کو نمک کے عوض میں فروخت کرنا ہو تو اس کے جواز کے لئے دو شرطیں ہیں:

۱- برابر وزن میں فروخت کیا جائے، کسی طرف سے کمی زیادتی نہ ہو۔

۲- نقد فروخت کیا جائے، ایک طرف یا دونوں طرف سے ادھار نہ ہو، اس میں جس نے زیادہ کیا یا زیادتی کا مطالبہ کیا تو وہ سود خوری کے حرام طریقہ کا اختیار کرنے والا ہوگا، اس میں سود دینے والا اور لینے والا دونوں گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔

فقہاء کرام نے بھی اسی اصول حدیث کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی تصانیف میں بیع تصرف کے احکام کو زیر قرطاس کیا ہے، چنانچہ امام قدوریؒ لکھتے ہیں:

''**فإن باع فضة بفضة أو ذهبا بذهب لم یجز إلا مثل بمثل وإن اختلفا فی الجودة والصیاغة ولا بدمن قبض العوضین قبل الإفتراق**'' (المختصر القدوری ص ۸۵ باب الصرف)۔

خلاصہ کلام یہ کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے تجارت میں سود ثابت ہونے کے لئے دو چیزیں کو علت قرار دیا ہے: ۱-جنس، ۲-قدر، اب ایک چیز کو دوسری چیز کے عوض فروخت کرنے میں اگر دونوں وصف پائے جائیں تو عوضین کا مساوی ہونا اور نقد ہونا ضروری ہے، خواہ دونوں کے مابین جودت اور زرگری میں تفاوت کیوں نہ ہو، اب اگر کمی زیادتی کے ساتھ فروخت کرے یا ادھار فروخت کرے تو دونوں صورتوں میں سود لازم آنے کی وجہ سے حرام ہے۔

اصول پر غور وخوض کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سوال نمبر ۳ میں تحریر کردہ صورت بھی بیع صرف کی قبیل سے ہے، اور بیع صرف کے جواز کی بنیادی شرائط جنس اور قدر میں سے یہاں قدر مفقود ہے، لہذا تاجر حضرات کا سونے کا پرانا زیور زیادہ وزن کا لینا اور سونے کا نیا زیور کم وزن میں اس کے بدلہ ادا کرنا شرعا درست نہیں ہے، جبکہ ایک ہی عقد میں یہ تبادلہ ہو، ہاں اگر دونوں عقد الگ الگ ہو مثلاً سونا کم قیمت میں خریدنا اور دوسرے سے زیادہ قیمت میں فروخت کرنا جائز ہے، بشرطیکہ باہمی رضامندی سے یہ عقد طے پایا ہو۔

۴-الف: مشترک چیز میں خریدار کا قبضہ:

احناف کے یہاں قبضہ کا مفہوم وسیع ہے، کیونکہ عندالاحناف قبضہ کا حاصل صرف تخلیہ ہے اور تخلیہ کا مطلب یہ ہے کہ مبیع اور مشتری کے درمیان باعتبار حقیقت یا باعتبار عرف و عادت ایسا کوئی مانع اور حائل نہ ہو جو مشتری کو عرفی قبضہ کرنے سے اور اس میں تصرف کرنے سے روک سکے، بلکہ مبیع اس حال میں ہو کہ مشتری اگر اس میں تصرف کرنا چاہے تو آزادی کے ساتھ اس میں تصرف کر سکے، اگرچہ مبیع ابھی بائع کے پاس ہی موجود ہو، چنانچہ علامہ کاسانیؒ رقم طراز ہیں:

”**وأما تفسير التسليم والقبض فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي و هو أن يخلي البائع بين المبيع وبين المشترى برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشترى من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشترى قابضا له**“(بدائع الصنائع ۵/۲۴۴)۔

نیز دوسری جگہ یہ عبارت مسطور ہے:

”**ولا يشترط القبض بالبراجم لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفا وعادة حقيقة**“(حوالہ سابق ۵/۱۴۸)۔

حاصل یہ کہ کتاب وسنت نے قبضہ کی کوئی خاص صورت تو متعین نہیں کی ہے، لیکن ایسے اصول وقواعد اور اس کی مثالیں ضرور بیان کردی ہیں، جن سے ہر زمانہ میں اس کی تعیین کر سکتے ہیں، اور اس کا زیادہ تر مدار عرف و عادت پر ہے، لیکن اس میں عرف کی حیثیت شرعیہ ملحوظ رکھتے ہوئے اعتبار ہوگا، مطلقا عرف کا اعتبار نہیں ہوگا۔

آج کل کموڈیٹیز ایکسچینج میں دوسری اشیاء کے ساتھ سونے چاندی کی بھی خرید وفروخت ہوتی ہے، تو اگر سونا فروخت کرنے والے ادارے کے پاس مثلاً ایک کلو سونا ہو اور وہ دو سو افراد کو پچاس پچاس گرام سونا فروخت کردے، لیکن ان سب کا خریدا ہوا سونا سونے کی اینٹ میں شامل ہو، ان کے الگ الگ بسکٹ یا سکے نہیں بنائے جاتے ہوں، اس طرح کی صورت حال میں عقدا گر مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ ہو تو درست ہے، اور قبضہ متحقق ہوگا۔

۱-فوری طور پر قیمت ادا کی جاتی ہو اور مبیع (سونے) کے حقوق خریدار سے متعلق ہوجاتے ہوں، کیونکہ کموڈیٹیز ایکسچینج میں

عام طور پر بعض انتظامی مجبوریوں کی وجہ سے مبیع کی حوالگی میں تاخیر ہوجاتی ہے، تو اس عقد کی بیع کالی بالکالی سے بچانے کے لئے فوری قیمت ادا کرنا ضروری ہے، اور مبیع (سونا) کے حقوق خریدار سے متعلق ہونا اس لئے ضروری ہے تاکہ قبضہ کا تحقق ہو سکے۔

۲- مبیع موجود ہو اور بیچنے والے کی ملکیت میں ہو، جو چیز اپنی ملکیت میں نہ ہو اس کی بیع درست نہیں چنانچہ ''قدوری'' میں ہے: ''ولا یجوز بیع السمک فی الماء قبل أن یصطادہ، ولا بیع الطائر فی الھواء'' (المختصر القدوری ص ۷۸)۔

۳- مبیع اس طرح متعین ہو کہ وہ دوسرے کی ملکیت سے ممتاز ہو خواہ اس طور پر کہ اسے الگ کر دیا گیا ہو یا نمبر کے ذریعہ اس کو ممتاز کر دیا گیا ہو (جدید مالیاتی ادارے: ص ۹۰)۔

ب- کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں خریدار کے نام کا اندراج قبضہ متصور ہوگا:

اس سلسلہ میں حضرات فقہاء نے جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ بائع مبیع کو اپنے مال سے الگ کر کے اس طرح رکھ دے کہ خریدار اپنے سامان کو اپنے اختیار سے جب لے جانا چاہے یا اس میں تصرف کرنا چاہے تو بائع کی طرف سے کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے (بدائع ۵/ ۱۴۸)۔

فقہاء کی آراء کو سامنے رکھتے ہوئے یہی بات قرین انصاف معلوم ہوتی ہے کہ اگر ہر خریدار کے لئے اس کی خریدی ہوئی مقدار کا سکہ الگ سے موجود ہو اور اس کو کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں اس کے نام سے درج کر دیا گیا ہو تو قبضہ کے ثبوت کے لئے قبضہ بالید کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اسی اندراج کو قبضہ شمار کیا جائے گا، اس بات کی تصدیق میں رابطہ عالم اسلامی کے تحت قائم ''المجمع الفقہی الإسلامی'' مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے کی ایک قرارداد بھی مؤید ہوسکتی ہے، جس کا اقتباس یہاں نقل کیا جا رہا ہے:

''بینک کے رجسٹر میں اندراج اس شخص کے حق میں قبضہ کے لئے معتبر ہوگا جو ایک کرنسی کو دوسری کرنسی میں تبدیل کرانا چاہتا ہو'' (المجمع الفقہی الاسلامی مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے: ص ۳۲۶)۔

۵- عقد مستقبلیات:

سوال نمبر ۵ میں ایکسچینج کے ذریعہ کاروبار کی جو نئی صورت درج ہے اسے انگریزی میں Future Sale اور عربی میں ''مستقبلیات'' کہا جاتا ہے، یہ صورت قطعاً جائز نہیں ہے، کیونکہ اس معاملہ کی صورت میں نہ تو بائع کی طرف سے مال دینا پایا جاتا ہے، اور نہ اس کے مقابلہ میں مشتری کی طرف سے ثمن، بلکہ مقررہ تاریخ پر بڑھتے ہوئے دام کی صورت میں منافع اور گھٹتے ہوئے دام کی صورت میں خسارہ ادا کیا جاتا ہے، گویا دونوں طرف سے ادھار ہے، اور آپ ﷺ نے ایسی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے، چنانچہ صاحب مشکوۃ المصابیح نے ابن عمرؓ کی حدیث نقل کی ہے:

''عن ابن عمرؓ أن النبی ﷺ نھی عن بیع الکالی بالکالی'' (مشکوۃ المصابیح ص ۲۴۸)۔

نیز اس میں قمار اور جوا بھی ہے کہ حقیقت میں خرید وفروخت مفقود ہے، اور محض ایک کاغذی کارروائی کی بنیاد پر نفع یا نقصان ہوتا ہے، اس لئے یہ صورت شرعاً جائز نہیں ہے، بلکہ اس سے احتراز لازم ہے، کیونکہ اس کی حرمت نص قرآنی اور احادیث نبویہ وفقہاء کی آراء سے معلوم ہوتی ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے: ''یا ایھا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس

من عمل الشيطان فاجتنبوه" (المائدہ:۹۰)۔

احادیث کے ذخیرہ پر سرسری نظر دوڑانے سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے زمانہ جاہلیت کے جو قمار آمیز معاملات تھے مثلاً بیع ملامسہ، بیع منابذہ، بیع حصاۃ، بیع عربان وغیرہ ان پر پابندی لگاتے ہوئے اسلامی نظام معیشت کو پیش کیا۔

ہمارے سلف المحدثین شاہ ولی اللہؒ نے خرید وفروخت کی ان صورتوں کا اصولی وتفصیلی تجزیہ کیا ہے جن کو آپ ﷺ نے منع فرمایا تھا اور بتایا ہے کہ اسباب ممانعت میں سے ایک وہ ہے جس میں قمار کی کیفیت پائی جاتی ہو۔

"**واعلم أن من البيوع ما يجرى فيه معنى الميسر، وكان أهل الجاهلية يتعاملون بها فيما بينهم فنهى عنها النبى ﷺ**" (رحمۃ اللہ الواسعۃ شرح حجۃ اللہ البالغۃ: کتاب البیوع: ۵۶۰/۴)۔

خلاصہ کلام یہ کہ ان مندرجہ بالا اصولی وتفصیلی باتوں سے ایکسچینج کی اس نئی صورت کا ممنوع ہونا بالکل واضح ہے۔

۶-سونا اور احتکار-شرعی نقطہ نظر:

ذخیرہ اندوزی کو عربی زبان میں احتکار کہا جاتا ہے، لغوی معنی: غلہ کو اس نیت سے ذخیرہ کر لینا کہ جب مہنگا ہو جائے گا، فروخت کروں گا، اور شرعاً اشیاء ضروریہ کو خرید کر اس طرح روک رکھنا جس سے اہل شہر کو مشقت لاحق ہو، چنانچہ "فتاوی ہندیہ" میں ہے:

"**وذلك أن يشترى طعاما فى مصر ويمتنع من بيعه وذلك يضر بالناس**" (الفتاوی الہندیہ ۲۱۳/۳)۔

(یہ گرانی اگر اس لئے کہ مارکیٹ گراں ہوگا تب فروخت کریں گے تو بھی گناہ ہے اور اگر اس لئے کہ قحط پڑنے کے بعد مال بازار میں لائیں گے تب تو سنگین گناہ ہے) (حوالہ سابق ۲۱۴/۳)۔

حاصل یہ کہ جب ضرورت پڑنے لگے اور روکنے سے ضرر ہونے لگے، احتکار ہو جاتا ہے (امداد الفتاوی ۱۹/۳)۔

امام محمدؒ کے نزدیک احتکار صرف غذائی اشیاء میں ممنوع ہے، لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تمام اشیاء مایحتاج اس میں داخل ہیں، امام مالکؒ کی یہی رائے ہے، چنانچہ "ہندیہ" میں ہے:

"**والاحتكار فى كل يضر بالعامة فى قول أبى يوسف وقال محمدؒ: الاحتكار ب ما يتقوت به الناس والبهائم كذا فى الحاوى**" (ہندیہ ۲۱۳/۳)۔

"**والاحتكار يحرم فى غير الطعام أيضا عند الضرورة عن المالكية وأبى يوسف من الحنفية**" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵۸۶/۳)۔

احتکار کی مذمت:

آپ ﷺ نے بڑے سخت الفاظ میں اس طرز عمل کی مذمت فرمائی ہے، چنانچہ مسلم شریف کی روایت ہے: "**من احتكر فهو خاطى**" (مسلم: باب تحریم الاحتکار ۱۲۲۸) (جس نے ذخیرہ اندوزی کی وہ گنہگار ہے)، ایک روایت میں آپ نے محتکر کو ملعون قرار دیا ہے (ابن ماجہ ۱۵۶/۱)۔

فقہاء نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ ایسے ذخیرہ اندوز اور خود غرض تاجروں کے خلاف اقدام کرتے ہوئے ان کو اپنا

مال بازار میں لانے کے لئے مجبور کرے، چنانچہ ''ہندیہ'' میں ہے:

''قال محمدؒ: للإمام أن يجبر المحتكر على البيع إذا خاف الهلاك على أهل المصر ويقول للمحتكر بع بما يبيع الناس'' (ہندیہ ۳/ ۲۱۴)۔

اور اگر وہ اشیاء بہت گراں قیمت پر فروخت کریں تو قیمتوں کا تعین اصحاب رائے سے مشورہ کے بعد کردے اور ان کو اسی قیمت پر بیچنے پر مجبور کرے، چنانچہ ''الاشباہ والنظائر'' میں ہے:

''ومنها بيع طعام المحتكر جبرا عليه عند الحاجة وامتناعه من البيع دفعا للضرر العام'' (الأشباہ والنظائر ۳۱۳)۔

فتاوی محمودیہ میں ایک سوال کے جواب میں درج ہے:

''اگر اس کے خریدنے سے بستی والوں کو ضرر ہوتا ہے کہ وہ چیز نایاب ہوجاتی ہے یا گراں ہوجاتی ہے تو یہ احتکار میں داخل ہوکر ممنوع ہے، اگر ضرر نہیں ہوتا تو ممنوع نہیں ہوتا'' (فتاوی محمودیہ ۱۶/ ۲۳۵ فصل فی الاحتکار)۔

تاہم احادیث اور فقہاء کی تصریحات سے یہی بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ سونے کے تاجروں کا سونا روک لینا تاکہ قیمت بڑھنے کے بعد اسے فروخت کریں، یہ احتکار میں داخل ہے، کیونکہ سونا تو ثمن خلقی ہونے کی وجہ سے اس کو روک لینے کی صورت میں سونے کی قیمت تو بڑھتی ہی ہے، اس کے ساتھ ساتھ اس گرانی کا اثر دوسری اشیاء پر بھی پڑتا ہے، جس کی بنا پر اہل شہر اور پبلک مشقت کا شکار ہوتی ہیں، جبکہ شریعت اسلامی کا ایک اہم قاعدہ ہے: ''الضرر يزال'' (فتاوی محمودیہ ۱۶/ ۲۳۵ فصل فی الاحتکار)، نقصان اور دشواری کا ازالہ کیا جائے گا۔

لہذا اسی اصول کے پیش نظر، نیز امام ابو یوسف اور مالکیہ کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے لوگوں کی پریشانی کا ازالہ بایں معنی ہو کہ احتکار نہ کرکے اسے مارکیٹ میں لاکر لوگوں کی حاجت روائی کی جائے۔

۷-اسمگلنگ کے راستے سے آنے والا سونا اور خرید وفروخت:

ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے مملوک روپے سے اپنی ضروریات یا پسند کا جو مال جہاں سے چاہے خریدے، لہذا کسی بیرونی ملک سے مال خریدنا یا وہاں لے جاکر بیچنا شرعا مباح ہے۔

''وللبائع أن يبيع بضاعته بما شاء من ثمن ولا يجب عليه أن يبيعه بسعر السوق دائما، وللتجار ملاحظة مختلفة فى تعيين الأثمان وتقديرها......'' (قضایا فقہیہ معاصرہ: ۸)۔

لیکن مختلف ممالک اپنے ملک کی معاشی مصالح کے پیش نظر دوسرے ملکوں کی برآمدات پر پابندی لگاتے ہیں، تاکہ ملکی معاشی نظام توازن کے ساتھ چلتا رہے، کیونکہ ان کے آنے کی وجہ سے ملکی مصنوعات کو نقصان پہنچ سکتا ہے، اور Value ڈاؤن ہوسکتی ہے۔

اب بیرونی سامان معیشت کو ملک میں آنے کے دو ہی راستے ہیں: ۱-یا تو قانونی طریقہ اور اس سے متعلق واجبات (ٹیکس) ادا کرکے لانا، ۲-دوسرا طریقہ اسمگلنگ کا ہے، یہ طریقہ غیر قانونی ہے، اس میں سونا وغیرہ لانے والا ان واجبات کو ادا نہیں کرتا جو حکومت نے سونے کی درآمد سے متعلق مقرر کئے ہیں، بچند وجوہ یہ اسمگلنگ کا عمل جائز نہیں ہے۔

۱-اس لئے کہ اس میں ایک تو اس معاہدہ کی خلاف ورزی لازم آتی ہے جو اس ملک کا شہری ہونے کے لحاظ سے اس کے قانون کا پالن کرنا ضروری ہے۔

"لأن طاعة الإمام فيما ليس بمعصية فرض" (الدر مع رد المحتار ۶/۴۱۶ باب البغاۃ)۔

"أمر السلطان إنما ينفذ إذا وافق الشرع وإلا فلا" (حوالہ سابق ۸/۱۱۷ کتاب الفقہاء)۔

۲-دوسرے اس طرح وہ پوری قوم اور ملک کے افراد انسانی کو اپنی حرکت کے ذریعہ نقصان پہنچاتا ہے جو کہ ایک غیر اسلامی عمل ہونے کے ساتھ ساتھ غیر انسانی حرکت بھی ہے۔

۳-بعض دفعہ بہت سے منکرات لازم آتے ہیں، مثلاً اکثر جھوٹ بولنا پڑتا ہے، نیز جان و مال یا عزت کو خطرے میں ڈالنا پڑتا ہے، لہذا حکومت کے جائز قوانین کی پابندی میں ہی بھلائی ہے۔

مفتی تقی عثمانی صاحب اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی رائے بھی یہی ہے کہ یہ طریقہ درست نہیں ہے، بلکہ اس سے اجتناب لازم ہے (فتاوی عثمانی ۳/۸۸، جدید فقہی مسائل ۱/۳۷۸)۔

معاشی مصالح کے پیش نظر اس قسم کی ملکی پابندیوں کی گنجائش ہے، اس کی نظیر کتب فقہ میں "تلقی جلب" اور بیع حاضر للبادی ہے جسے مکروہ قرار دیا ہے۔

تاہم اسمگلنگ کے طریقہ سے حاصل شدہ سونے کی خرید وفروخت میں اگر جھوٹ بولنا یا کسی گناہ کا ارتکاب نہ کرنا پڑے تو اس کی خرید وفروخت جائز ہوگی، چنانچہ مفتی تقی عثمانی صاحب ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: اگر اسمگلنگ کی گھڑیوں کی خرید میں جھوٹ بولنا یا کسی اور گناہ کا ارتکاب نہ کرنا پڑے تو خریدنا جائز ہے (حوالہ سابق)۔

۸-سفید سونا حقیقت کے آئینہ میں:

حقیقت میں سونا زرد رنگ کا ہوتا ہے، اسی طرح غالبا اس میں تانبا ملانے کے سبب سے اسے سرخ کا وصف بھی دیا جاتا ہے، لوگوں کے ہاں سونے کے بارے میں تو یہی معروف ہے، اور لغت، کتب احادیث و معدنیات اور فقہاء کے اقوال وغیرہ سے یہی معلوم ہو رہا ہے، چنانچہ "المعجم الوسیط" میں درج ہے:

"الذهب: عنصر فلزى أصفر اللون" (المعجم الوسیط ص ۳۱۷)۔

"وفى لسان العرب: والأصفران: الذهب والزعفران" (لسان العرب ۴/۴۶۰ مادہ: ص، ف، ر)۔

"قال فى دائرة المعارف من القرن العشرين: الذهب جسم لماع نحو لونه أصفر" (دائرۃ المعارف القرن العشرین: لمحمد فرید وجدی ۴/۱۳۵)۔

"وفى الحديث ان النبى ﷺ صالح أهل خيبر على الصفراء والبيضاء والحاقة، الصفراء : الذهب لو البيضاء: الفضة و الحلقة: الدروع" (ابوداؤد: کتاب الخراج والإمارۃ: باب ما جاء فی حکم ارض خیبر)۔

"وروى الطحاوى من طريق طعمة بن عمرو قال: رأبت صفرة الذهب بين ثنايا أو قال بين ثنيتى موسى بن طلحة" (شرح معانی الآثار ۴/۲۵۸)۔

"**وقال الشيخ عبد الله بن سليمان المنيع: ولا يعرف للذهب لون غير الصفرة**" (مجموع فتاوی وبحوث الشیخ عبداللہ المنیع ۱/۳۱۶)۔

زیورات بنانے اور سونا ڈھالنے والے تجربہ کار افراد سے سوال کرنے کے بعد ان کا یہ کہنا ہے کہ:

"وائٹ گولد کا اطلاق کئی ایک اشیاء پر ہوتا ہے"۔

اول: پلاٹین کی دھات پر وائٹ گولڈ کا اطلاق ہوتا ہے۔

"**هناک معدن نفيس هو البلاتين تصنع منه أنواع من الحلی، قد يطلق عليه بعض الناس من غير الصاغة**" (الذہب الأبیض: عبدالرحمٰن بن فہد الودعان ص ۲۳)۔

دوم: White Gold کا اطلاق معروف زرد رنگ کے سونے پر ہوتا ہے، لیکن اس کے اوپر پلاٹین کی پالش چڑھی ہوتی ہے، چنانچہ شیخ عبدالرحمٰن الودعان لکھتے ہیں: "**الذهب الأبيض منه ما هو ذهب أصفر خلط ببعض المواد بنسب قليلة الکسبته اللون الأبيض...... ومنه ما هو ذهب اصفر طلبی بمادة جعلت ظاهره باللون الأبيض**" (حوالہ سابق)۔

سوم: White Gold کا اطلاق معروف زرد سونے پر ہوتا ہے لیکن ایک معین تناسب کے ساتھ اس میں پلاڈیم یا کوئی اور مادہ ملایا جاتا ہے، یہ کیرٹ کے حساب سے کم وبیش ہوتا ہے، جتنے کیرٹ کا مطلوب ہوگا اسی حساب سے اسے شامل کیا جائے گا، اور سونے کی دوکانوں میں یہی اطلاق مشہور ہے، چنانچہ شیخ الذہب العالم یوسف العطیر لکھتے ہیں:

"**ان الذهب الأبيض هو الذهب المعروف الأصفر، وما يجعله أبيض هی مادة تضاف عليه عند السبک من البلاد يوم ومعدن آخر**" (حوالہ سابق)۔

ماہرین معدنیات اور زیور بنانے والے تجربہ کار افراد کے اقوال کا جائزہ لینے کے بعد اگر ہم اطلاق اول (پلاٹین کی دھات پر وائٹ گولڈ کا اطلاق) کا اعتبار کریں جیسا کہ سمینار کے سوال سے بھی یہی واضح ہو رہا ہے تو اس صورت میں اس پر سونے کا حکم مرتب نہیں ہوگا، نیز عقود زکوۃ وغیرہ میں اس پر سونے کے احکام منطبق نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ مستقل ایک الگ دھات ہے، اور اسے White Gold کہنا صرف ایک اعتباری اصطلاح ہے، اور حقیقت میں یہ سونا نہیں، جس طرح پیٹرول کو BlackGold (سیاہ سونا) کا نام دیا جاتا ہے، حالانکہ وہ سونا نہیں، بلکہ قیمتی ہونے میں مشابہت ہے (الذہب الأبیض حقیقۃ ص ۲۷)۔

یہی رائے شیخ عبداللہ بن سلیمان المنیع اور شیخ محمد ناصر الدین البانی کی ہے، چنانچہ شیخ عبداللہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"**......ولا يعرف للذهب لون غير الصفرة، فإذا کان هناک معدن يسمى اصطلاحا: الذهب الأبيض؛ کالبلاتين ونحوها؛ فلا يظهر لی الحاق هذا النوع بالذهب المحرم على الرجال التحلی به، ولو ترک الرجل التحلی بهذا النوع اتقا للشبهة؛ لکان فی ذلک استبراء للدين والعرض**" (حوالہ سابق ص ۳۰)۔

علامہ البانیؒ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"**الذهب الأبيض نوعان: النوع الأول: هو البلاتين فهذا لا شئ فيه؛ لأنه لم يات نص فی الشرع**

يحرم المعادن الثمينة غير الذهب والفضة، فالبلاتين يدخل تحت قاعده: الأصل فی الأشياء الإباحة"(حوالہ سابق/ص ۳۰)۔

پلاٹین میں وجوب زکوۃ کا مسئلہ:

اللہ تعالی نے معدنی اشیاء میں سے صرف سونا چاندی پر زکوۃ کو واجب کیا ہے، حالانکہ ان کے علاوہ دوسری معدنی اشیاء کئی ساری ہیں، ان میں زکوۃ واجب نہیں ہے تو من جملہ ان کے ایک پلاٹین بھی ہے، اس میں بھی زکوۃ واجب نہیں ہوگی، الا یہ کہ وہ تجارت کے لئے ہو تو اس میں مال تجارت ہونے کی بنا پر زکوۃ واجب ہوگی، چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

"**ولا شئ فی البغال والحمير......إلا أن يكون للتجارة، لأن الزكوة حينئذ تتعلق بالمالية كسائر أموال التجارة**"(ہدایہ ۱/۱۹۱ کتاب الزکوۃ)۔

البتہ سعودی اور ہمارے صوبہ گجرات ک مشہور شہر" پٹن" کے بعض زیور بنانے والے تجربہ کار افراد کا کہنا ہے: اصل میں سونا تو زرد رنگ ہی کا ہوتا ہے، اور اصلا وائٹ گولڈ کا کوئی وجود ہی نہیں، لیکن س میں کچھ مواد شامل کر کے اسے سفید رنگ میں تبدیل کیا جاتا ہے، چنانچہ وائٹ گولڈ تو زرد سونا ہی ہے، لیکن اس میں چاندی اور تانبے کے بجائے پلاڈیم شامل کرنے سے وائٹ گولڈ بن جاتا ہے، اسی لئے سونے کی دو کانوں پر زرد سونے کی طرح وائٹ گولڈ بھی کئی کیرٹ کا پایا جاتا ہے، اور یہ تو معلوم ہے کہ سونے میں چاندی یا تانبا ملانے سے وہ سونے سے خارج نہیں ہوجاتا، کیونکہ معمولی غش تو ہوتا ہی ہے تب جا کر زیور تیار ہوتا ہے، چنانچہ ہدایہ میں ہے:

"**لأن الدرهم لا تخلو عن قليل غش، لأنها لا تنطبع إلابه**" (ہدایہ ۱/۱۹۵)۔

اس سے معلوم ہوا کہ وائٹ گولڈ تو حقیقی سونا ہے، اسی بنا پر وائٹ گولڈ مردوں کے لئے پہننا حرام ہے کیونکہ یہ حقیقتا یہ زرد سونا ہی ہے، لیکن اس میں ایسا مادہ ملا یا گیا ہے جو اس کے رنگ کو تبدیل کر کے سفید کر دیتا ہے، شیخ عبدالرحمٰن الودعان نے بھی اس سلسلہ میں کچھ تفصیلات ذکر کی ہیں (دیکھئے: الذہب الأبیض حقیقۃ/ص ۲۲)۔

سعودی کی فتوی کمیٹی سے وائٹ گولڈ کی حقیقت کے متعلق دریافت کیا گیا تو کمیٹی کا یہ جواب تھا:

"اگر واقعی ایسا ہی ہے جیسا سوال میں بیان کیا گیا ہے تو پھر سونے کو کسی دوسری چیز کے ساتھ ملانے سے، سونے کی جنس سے ہی اسے فروخت کرنے میں کم اور زیادہ کے ساتھ فروخت کرنے کی حرمت کے احکام سے خارج نہیں ہوجاتا، اور مجلس عقد میں اپنے قبضہ میں کرنے کے وجوب، میں فرق نہیں آتا، چاہے وہ اسی جنس سے فروخت کیا گیا ہو یا پھر چاندی یا نقدی روپیوں میں، اور مردوں کے لئے پہننے کی حرمت سے بھی خارج نہیں ہوتا، اور اسی طرح اس کے برتن بنانے بھی حرام ہی رہیں گے (فتاوی اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والإفتا ۲۴/۶۰)۔

اور اسے وائٹ گولڈ کا نام دے دینا اسے ان احکام سے خارج نہیں کرے گا۔

☆☆☆

سونا اور چاندی کی تجارت سے متعلق مسائل

مفتی سلمان پالنپوری☆

۱- بیع صرف کی تعریف اور ثمن کی قسمیں:

بیع صرف اگرچہ ثمن کی بیع کا نام ہے، لیکن ہر قسم کے ثمن کی بیع، بیع صرف نہیں کہلاتی، ثمن کی دو قسمین ہیں ۱- ثمن خلقی (حقیقی)، ۲- ثمن اصطلاحی (عرفی واعتباری) ثمن خلقی جسے نقدین سے تعبیر کیا جاتا ہے، صرف دو ہیں: سونا اور چاندی- ثمن اصطلاحی: نقدین کے علاوہ کوئی بھی چیز جسے ثمن کی حیثیت دے دی گئی ہو۔

عبارات فقہیہ سے پتہ چلتا ہے کہ بیع صرف کا اطلاق صرف اس بیع پر ہوگا جہاں دونوں طرف ثمن خلقی سونا چاندی ہو، خواہ وہ فی الوقت ثمن کی صورت میں ہو مثلا دراہم یا دنانیر یا فی الوقت ثمن کی صورت میں نہ ہو، مثلاً سونا اور چاندی کے برتن، زیورات وغیرہ، گویا سونے کی بیع سونے کے ساتھ، چاندی کی بیع چاندی کے ساتھ یا سونا اور چاندی کی بیع ایک دوسرے کے ساتھ بیع صرف ہے، یہ سونا اور چاندی خواہ جس شکل میں بھی ہوں، درہم ودینار کی صورت میں یا ظروف وزیورات کی صورت میں۔

صاحب ہدایہ نے ''صرف'' کی تعریف یوں کی ہے:

''**الصرف هو البيع إذا كان كل واحد من عوضيه من جنس الأثمان**''(ہدایہ ۳/۱۰۴)(صرف وہ بیع ہے جس میں عوضین (ثمن ومبیع) میں سے ہر ایک اثمان کی جنس سے ہوں) اس کی شرح میں امام ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

''**وإنما قال من جنس الأثمان ولم يقتصر على قوله بيع ثمن بثمن ليدخل بيع المصوغ بالمصوغ أو بالنقد، فإن المصوغ بسبب ما اتصل من الصنعة به لم يبق ثمنا صريحا، ولهذا يتعين في العقد ومع ذلك بيعه صرف**''(فتح القدیر ۷/۱۳۶)۔

(ماتنؒ نے جنس اثمان کہا- اس پر اکتفا نہیں کیا کہ وہ ثمن کی ثمن سے بیع ہے، تاکہ اس صورت کو بھی صرف میں داخل کر دیں، جب (سونے اور چاندی کی) ڈھلی ہوئی اشیاء کی بیع ڈھلی ہوئی اشیاء یا نقود (بے ڈھلے سونا یا چاندی) سے ہو، اس لئے کہ ڈھلی ہوئی اشیاء صنعت متصل ہوجانے کی وجہ سے اگرچہ صراحۃ ثمن باقی نہیں رہیں، اسی لئے وہ عقد بیع میں متعین بھی ہوجاتی ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کی بیع بھی بیع صرف ہے)۔

☆ مفتی مدرسہ جامعہ خلیلیہ ماہی، پالنپور، گجرات۔

"شرعا بيع الثمن بالثمن أى ما خلق للثمنية ومنه المصوغ جنسا" (درمختار ۲/۵۵)، صاحب درمختار نے بیع صرف کی تعریف میں ثمن کو ماخلق للثمنیۃ (جو خلقۃ ثمن ہوں) کہہ کر بات اس قدر واضح کردی کہ کسی قسم کا ابہام اور الجھاؤ باقی نہیں رہا۔

اب وہ عبارتیں ملاحظہ کیجئے کہ جن سے پتہ چلتا ہے کہ اگر عوضین ثمن خلقی نہ ہوں تو اگر چہ ان میں سے ایک ثمن خلقی ہی سہی بیع صرف نہیں اور بیع صرف کے احکام بھی اس پر لاگو نہیں۔

شمس الائمہ علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

جب کوئی آدمی فلوس کو دراہم سے خریدے اور ثمن کو نقد سے دے، لیکن فلوس بائع کے پاس نہ ہوں تو بیع جائز ہے، اس لئے کہ فلوس رائجہ نقود کی طرح ثمن ہیں اور ہم بتا چکے ہیں کہ ثمن میں عقد بیع کا حکم ایک ساتھ اس کا وجوب وجود ہے، لیکن عقد بیع کے صحیح ہونے کے لئے اس کا بائع کی ملکیت میں قائم ہونا شرط نہیں۔صرف میں دونوں طرف سے قبضہ اس لئے شرط ہوتا ہے کہ اس کے نام کا مقتضی ہی یہی ہے، لیکن فلوس کی بیع دراہم سے صرف نہیں ہے)۔

"وإنما يجب التقابض فى الصرف بمقتضى اسم العقد وبيع الفلوس بالدراهم ليس بصرف" (المبسوط ۱۴/۲۴)۔

چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

"وإذا كان الخيار مشروطا لأحدهما فتفرقا بعد التقابض جائز، لأن التسليم يتم ممن لم يشترط الخيار فى البدل الذى من جانبه وقبض أحد البدلين هنا يكفى بخلاف الصرف" (حوالہ سابق)۔

(فلوس و دراہم کی بیع میں) جب خیار شرط بائع اور مشتری میں سے کسی ایک کے لئے ہو اور قبضہ کے بعد دونوں الگ الگ ہو گئے ہوں تو بیع جائز ہے، کیونکہ بدل کی حوالگی اس کی طرف سے مکمل ہو جائے گی، جس نے اپنے لئے اختیار نہیں رکھا ہے اور بدلین میں سے ایک پر قبضہ یہاں کافی ہے، لیکن صرف میں کافی نہیں)۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"لو باع فضة بفلوس، فإنه يشترط قبض أحد البدلين قبل الافتراق لا قبضهما كما فى البحر عن الذخيرة" (شامی مع الدر ۴/۲۳۵)۔

علامہ شامیؒ دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"سئل الجانوتى عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة فإجاب بأنه يجوز إذا قبض أحد البدلين، لما فى البزازية لو اشترى مأه فلس بددهم يكفى التقابض من أحد الجانبين، قال ومثله لو باع فضة أو ذهبا بفلوس كما فى البحر عن المحيط" (شامی ۴/۱۸۴)۔

(سونے کی بیع فلوس سے ادھار کے متعلق جانوتیؒ سے سوال کیا گیا، انہوں نے جواب دیا کہ اگر بدلین میں سے کسی ایک پر قبضہ ہو جائے تو جائز ہے، اس لئے کہ بزازیہ میں ہے کہ اگر سو فلوس کو ایک درہم میں خریدے تو دونوں جانب میں سے ایک طرف سے قبضہ کافی ہے اور اسی کے مثل یہ صورت بھی ہے کہ اگر چاندی یا سونے کو فلوس سے بیچا جائے جیسا کہ بحر میں محیط سے منقول ہے)۔

مذکورہ بالا عبارات فقہیہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نقدین کے سوا دوسرے اثمان رائجہ کی بیع سونا اور چاندی سے بیع صرف نہیں، لہذا سونا یا چاندی اور روپئے میں ایک نقد ہو اور دوسرا ادھار ہو، تو بیع جائز ہے، دونوں کا دست بدست ہونا ضروری نہیں، لیکن دونوں ادھار نہ ہوں، ایک کا نقد ہونا ضروری ہے جیسا کہ عبارات فقہیہ گزریں، مزید یہ روایت بھی:

"عن ابن عمر أن النبي ﷺ نهى عن بيع الكالي بالكالي "(رواہ دارقطنی مشکوۃ شریف ۱/۲۴۸)۔

سونا چاندی اور روپئے میں ربا کا تحقق؟

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک علت، ربا قدر مع الجنس ہے یعنی کیلی یا وزنی ہونا اور ہم جنس ہونا یہ دو وصف مل کر ربا کی علت ہے، پہلا وصف قدر موجود نہیں ہے، کیونکہ سونا چاندی موزونی ہے اور روپئے عددی ہیں۔

"فليس الزرع والعدبربا"(درمختار ۴/۱۷۷)(پیائش اور عدد علت ربا نہیں)۔

"ہدایہ" میں ہے:"وإذا عدم الوصفان الجنس والمعنى المضموم إليه حل التفاضل والنساء لعدم العلة المحرمة، والأصل فيه الإباحة وإذا وجد أحدهما وعدم الآخر حل التفاضل وحرم النساء"(ہدایہ ۳/۷۹ باب الربا)(اگر جنس اور قدر دونوں معدوم ہوں تو زیادتی بھی جائز ہے اور ادھار بھی، کیونکہ علت محرمہ موجود نہیں اور اصل اس میں اباحت ہے، جب دونوں اوصاف پائے گئے تو تفاضل اور ادھار دونوں حرام ہیں، علت کے پائے جانے کی وجہ سے اور جب دونوں میں سے ایک پایا جائے اور دوسرا معدوم ہو تو تفاضل حلال ہے، ادھار حرام ہے)۔

اور سونا چاندی اور روپئے اگرچہ ثمن ہیں، لیکن وصف ثمنیت میں من کل وجہ متفق نہیں، گویا کہ ایک وصف بھی من کل وجہ موجود نہیں ہے۔

حاصل یہ کہ سونا اور چاندی کا جو نرخ حکومت یا سونے کے مارکیٹ نے طے کیا ہے اس سے زیادہ یا کم قیمت میں خرید و فروخت کی جائے تو یہ جائز ہے اس پر ربا الفضل کا اطلاق نہیں ہوگا، کیونکہ سونا چاندی اور روپئے قدر میں متحد نہیں اور جب سود کی علت کے دو وصفوں میں سے ایک وصف فوت ہو جائے تو تبادلہ میں کمی زیادتی جائز ہے۔

۲- زیورات بنانے کی اجرت میں بچا ہوا سونا لینا:

الف- درحقیقت یہ معاملہ صفقۃ فی صفقۃ ہے، کیونکہ اس میں زیور بنانے کے اجارہ کے ساتھ دوسری دھات جس کی آمیزش کی جاتی ہے اس کی بیع بھی ہے، لیکن اجارہ اصالۃ ہے اور بیع تبعا ہے، اس لئے اس کو اجارہ ہی تصور کیا جائے گا، چنانچہ فقہاء کرام نے اپنے زمانہ میں رائج اس قسم کے کئی معاملات کا ذکر کیا ہے، مثلاً صباغ کو کپڑا رنگنے کے لئے اجرت پر دینا، اس میں رنگ کی بیع ہے اور رنگنے کا اجارہ ہے، خیاط کو کپڑا سینے کے لئے دینا، اس میں دھاگے اور اس کے متعلقات کی بیع ہے اور سینے کا اجارہ ہے، سقہ سے پانی منگوانا، اس میں پانی کی بیع ہے اور پانی لانے کا اجارہ ہے، ان سب صورتوں میں صفقۃ فی صفقۃ ہے اور سقہ سے پانی لینے کی صورت میں بیع مالیس عندہ بھی ہے، فقہاء نے تعامل اور عرف کی وجہ سے ان سب معاملات کو جائز قرار دیا ہے، اور صفقۃ فی صفقۃ والی نص کو عام مخصوص منہ البعض قرار دیا ہے، اور چونکہ یہ سب معاملات اصالۃ اجارہ ہی ہے، اسی لئے فقہاء نے ان کی اصلی حیثیت کا ہی اعتبار کر

کے ان کا حکم شرعی بیان کیا ہے اوران کا ذکر کتاب الاجارۃ میں فرمایا ہے، اورعرف میں بھی ان کو اجارہ ہی سمجھا جاتا ہے، یہ بیع مقصود ہوتی ہے اور نہ ان کو کوئی بیع سمجھتا ہے، جیسا کہ ابن نجیمؒ نے فرمایا (ملاحظہ ہو: البحر الرائق ۲۱/۸ کتاب الاجارۃ)۔

عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

”فإن القياس لا يجوس استيجار الصباغ لصبغ الثوب لأن الجارة عقد على المنافع لا الأعيان وفيه عقد على العين وهو الصبغ لا الصبغ وحده لكن جوز التعامل جواز الاستصناع“ (العنایۃ مع فتح القدیر ۸۵/۶)۔

حاصل یہ کہ ہمارے مسئلہ میں سونے کے لین دین میں مقدار کا جو فرق ہورہا ہے، اس کو بیع نہیں، بلکہ اجارہ تصور کیا جائے گا، اور زیورات بنانے میں دوسری دھات کی جو آمیزش ہوتی ہے، اس کی بیع اس اجارہ میں تبعاً ہے اور تابع کو اصل کا درجہ دے کر اس معاملہ کو بیع نہیں قرار دیا جاسکتا۔

ب- جب یہ صورت اجارہ کی ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ کیا اجرت کی یہ شکل درست ہوگی کہ زیورات کے بنانے میں سونے کے جو ذرات بچ جائیں، وہی اجرت قرار پائے؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اجارہ میں تین خرابیاں ہیں:

۱- یہ معاملہ صفقۃ فی صفقۃ ہے، کمامر، ۲- اجرت جزء عمل سے ہے جو قفیز الطحان کی ممانعت میں داخل ہے، ۳- اگر آمیزش کی جانے والی دھات کی مقدار متعین نہ ہو تو اجرت بھی مجہول ہے، کیونکہ آمیزش کی جانے والی دھات کی کمی بیشی سے سونے کے بچے ہوئے ذرات میں کمی بیشی ہوگی، جسے اجرت ٹھہرایا گیا ہے۔

کتب فقہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء نے عرف وتعامل کی وجہ سے ”نهى عن صفقة فى صفقة“ والی نص عام میں تخصیص کر کے کئی معاملات کو جائز قرار دیا ہے، جن کی مثالیں ماقبل میں گزر چکی ہیں، اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کپڑے بننے والے کو روئی دے کر، بننے کی اجرت اسی سے طے کرے تو یہ بھی قفیز طحان کی نظیر ہونے کی بنا پر ممنوع ہونا چاہئے، مگر مشائخ بلخ نے ان کے عرف وتعامل کی بنیاد پر اس کو جائز قرار دیا ہے، مگر اس سے نص عام کا ترک نہیں، بلکہ صرف تخصیص ہوئی ہے، علامہ شامیؒ نے ”الذخيرة البرهانية“ سے نقل کیا ہے:

(مشائخ بلخ جیسے نصیر بن یحیی اور محمد بن مسلمہ وغیرہ کپڑوں میں اس طرح کے اجرت کے معاملہ کو ان کے اہل شہر کے تعامل کی بنا پر جائز قرار دیتے تھے اور تعامل ایسی حجت ہے جس کی وجہ سے قیاس کو ترک کیا جاتا ہے اور حدیث کی تخصیص کی جاتی ہے اور اس اجرت کے معاملہ کو تعامل کی بنا پر جائز قرار دینا اس نص کی تخصیص کے معنی میں ہے جو قفیز طحان کے بارے میں وارد ہوئی ہے، اس لئے کہ نص تو قفیز طحان کے بارے میں ہے نہ کہ کپڑا بننے والے کے بارے میں، ہاں کپڑا بننے والا اس کی نظیر ہے، لہذا یہ نص باعتبار دلالت کے اس کے بارے میں وارد ہوئی ہے، پس جب ہم اس نص کی دلالت پر عمل کر کے کپڑا بننے والے کے بارے میں ترک کردیں اور قفیز طحان کے بارے میں اس نص پر عمل کرلیں تو یہ تخصیص ہوئی نہ کہ بالکلیہ اس کا ترک) (رسائل شامی ۱۱۶/۲)۔

پس معلوم ہوا کہ عرف عام وتعامل اس معنی کر معتبر ہے کہ وہ نص عام کی تخصیص کرسکتا ہے اور اجارہ میں اگر اجرت مجہول ہو، لیکن اجرت کی جہالت عرف وتعامل کی وجہ سے باعث نزاع نہ ہو، تو اس کو بھی امام اعظمؒ نے جائز قرار دیا ہے، جیسے دودھ پلانے والی عورت کو کھانے اور کپڑوں کے عوض دودھ پلانے کے لئے اجرت پر رکھنا، علامہ ابن نجیم تحریر فرماتے ہیں:

"وبطعامها وكسوتها وهذا عند الإمام وقالا لا يجوز وهو القياس......والجهالة لا تفضى إلى المنازعة لان العادة جرت بالتوسعة عليها شفقة على الأولاد بل يعطيها ما طلبت ويوافقها على مرادها والجهالة انما تمنع اذا افضت الى المنازعة" (البحر الرائق ۸/۲۲)۔

لیکن ہمارے زیر بحث مسئلہ میں اجرت کا مجہول ہونا باعث ہے یا ہوسکتا ہے، حاصل یہ کہ یہ اجارہ دوشرطوں کے ساتھ درست ہے:

۱-اس کا عرف عام اور تعامل ہو۔

۲-آمیزش کی جانے والی دھات کی مقدار متعین ہو، تاکہ اس کے مقابلہ میں سونے کے بچ جانے والے ذرات کی مقدار طے ہوکر اجرت معلوم ہوجائے۔

۳-سونے کے پرانے زیورات کا نئے زیورات سے تبادلہ:

ربا کی حرمت کے بارے میں جو مشہور حدیث ہے اس میں ہے: "جيدها ورديها سواء" سونا چاندی میں کبھی پیدائشی کھوٹ ملی ہوئی ہوتی ہے جس کو گھٹیا سونا چاندی کہا جاتا ہے اور جس میں کھوٹ ملی ہوئی نہ ہو وہ عمدہ سونا چاندی کہا جاتا ہے، حدیث شریف میں سونے کی سونے کے عوض بیع میں مماثلت کو لازم قرار دیا ہے اور کمی بیشی کو ربا قرار دیا ہے اگرچہ ان میں سے ایک عمدہ اور دوسرا گھٹیا ہو، اسی طرح فقہاء کرام نے کھوٹ ملے ہوئے دنانیر (جس میں کھوٹ کم اور سونا زیادہ ہو) کو خالص سونے کے دنانیر کے حکم میں قرار دیا ہے اور ان کھوٹ ملے ہوئی دنانیر کی خالص دنانیر کے عوض بیع میں مماثلت کو شرط قرار دیا ہے اور کمی بیشی کو ناجائز کہا ہے۔

"ہدایہ" میں ہے:

"لقوله عليه السلام جيدها ورديها سواء" (ہدایہ ۳/۶۱)، "وإذا كان الغالب على الدنانير الذهب فهى ذهب ويعتبر فيهما من تحريم التفاضل ما يعتبر فى الجياد حتى لا يجوز بيع الخالصة بها ولا بيع بعضها ببعض إلا متساويا فى الوزن" (ہدایہ ۳/۹۲)۔

عام طور پر سونے کے تاجر حضرات پرانے زیور کی قیمت کم متعین کرتے ہیں، تو اگر سونے کے پرانے زیور کا سونے کے نئے زیور سے تبادلہ ہو اور اس کمی کو ملحوظ رکھتے ہوئے سونے کا پرانا زیور زیادہ وزن کا لیا جائے اور سونے کا نیا زیور کم وزن میں اس کے بدلہ ادا کیا جائے تو یہ صورت ناجائز اور ربا میں داخل ہے۔

جواز کی یہ صورت سونے کا پرانا زیور قیمت سے خریدا جائے اور سونے کا نیا زیور قیمت سے دیا جائے۔

۴-سونا فروخت کرنے والے ادارہ سے سونا خریدنا:

حقیقت یہ ہے کہ قبضہ کا مصداق نہ کتاب وسنت میں متعین ہے اور نہ فقہاء نے اس کا کوئی قطعی مفہوم مقرر کیا ہے، بلکہ یہ ہر دور کے عرف اور خرید کی ہوئی اشیاء کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہوسکتا ہے، البتہ کتب فقہ کے مطالعہ سے اتنی بات تو وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتی ہے کہ قبضہ کے تحقق کے لئے تخلیہ حقیقی یا حکمی کا پایا جانا ضروری ہے، علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

"ولا يشترط القبض بالبراجم لأن معنى القبض هو التمكن والتخلي وارتفاع الموانع عرفا وعادة حقيقة" (بدائع الصنائع ۵/۲۴۴)۔

(انگلیوں سے قبضہ شرط نہیں، اس لئے کہ قبضہ کے معنی تمکن وتخلی اور عرف وعادت اور حقیقت کے اعتبار سے موانع کا ختم ہوجانے کے ہیں)۔

اور جس طرح قبضہ میں ہر عہد کے عرف کا اعتبار ہے، اسی طرح ہر شئی کا قبضہ اسی کے لحاظ سے ہوگا، علامہ شامیؒ کے الفاظ میں "يختلف بحسب المبيع" (ردالمحتار ۴/۴۸)۔

"أجمعوا على أن التخلية في البيع الجائز تكون قبضا" (فتاوی قاضی خاں ۲/۲۷۴)۔

خلاصہ الفتاوی میں ہے کہ اگر مبیع دوری پر بھی واقع ہو پھر بھی تخلیہ قبضہ کے لئے کافی ہوگا، "إن بالتخلية يقع القبض وإن كان المعقود عليه يبعد عنه" (خلاصۃ الفتاوی ۳/۸۹)۔

معاییر شرعیہ نامی کتاب جس کو ستائیس محققین ارباب فتوی نے مرتب کیا ہے اس میں مرقوم ہے:

"يتحقق القبض بحصوله حقيقة أو حكما وتختلف كيفية قبض الأشياء بحسب حالها واختلاف الأعراف وبما يكون قبضا لها، إذا أودع في حساب العميل مبلغ من المال مباشرة أو بحوالة مصرفية الى آخر ما قال" (معاییر شرعیۃ ص ۱۲۲)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کسی کے کھاتے میں رقم کا اس طرح منتقل کردینا کہ وہ اس میں تجارت کرسکتا ہو قبضہ حکم ہے۔

شرح عنایہ میں ہے: "إن الفائدة المطلوبة بالعقد إنما هي التمكن من التصرف وذلک يترتب على التعيين فلا يحتاج الى قبض" (شرح العنایۃ علی ہامش فتح القدیر ۷/۱۸)۔

عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل میں مرقوم ہے:

بینک کے رجسٹر میں اندراج اس شخص کے حق میں قبضہ کے حکم کے لئے معتبر ہوگا جو ایک کرنسی کو دوسری کرنسی میں تبدیل کرنا چاہتا ہو، خواہ یہ تبدیلی اس کرنسی میں مطلوب ہو جسے وہ شخص بینک کو دے رہا ہے یا بینک میں جمع کرنسی میں ہو (عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل ص ۲۳۲)۔

عطر ہدایہ میں ہے:

پھر اس امر میں کہ قبضہ معتبر کس طور کا قبضہ ہے، فقہاء کے اقوال مختلف ہیں جن سب کا مرجع عرف پر ہے اور یہ بھی یہ بات کہ قبضہ کوئی شرعی ایجاد نہیں جسے لوگ قبضہ سمجھتے آئے وہی شرع میں بھی قبضہ سمجھا گیا ہے، خصوصا اس زمانہ میں اعتبار قبضہ کو وسعت دینے کی سخت ضرورت ہے مثلاً چھکڑے بالوں سے بھرے آتے ہیں اور کھڑے کھڑے کئی کئی بار بک کر آخر کار مال اتارا جاتا ہے تو ہر بار کسی قسم کے نقل وحرکت میں غالبا مصارف اصل کے قریب یا زیادہ بڑھ جائیں گے، پس ضرور ہے ۱-بلٹی، ۲-قول قبضہ سمجھ لیا جائے، مثلاً مال کی بلٹی دستخط کرکے حوالے کردے یا بیچ کر کہہ دیا کہ تم لے لو یہ قبضہ ہے، کیونکہ عرف موجودہ میں یہ تمام امور قبضہ جائز

متصور ہوتے ہیں اوران سے مشتری کو باقاعدہ تصرف کا اختیار ہوجاتا ہے اورظرف یعنی جہاز، کشتی، چھکڑا وغیرہ اگر ملک بائع ہے یا بائع اس کا کرایہ ادا کر چکا ہے تو مشتری نے گویا ایک وقت تک کے لئے جو صراحۃ یا عرفا یا ضرورۃ مذکور سمجھا جائے مستعار لیا (عطر ہدایہ رص ۴۸)۔

بدائع الصنائع میں ہے:

”وأما تفسير التسليم والقبض فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلى البائع بين المبيع وبين المشترى برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشترى من التصرف فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشترى قابضا له وكذا تسليم الثمن من المشترى الى البائع“ (۵ر۲۴۴ فی حکم البیع)۔

ردالمحتار میں ہے: ”إن التخلية قبض حكما لو مع القدرة بلا كلفة......وفي نحو بقر في مرعى فكونه بحيث يرى ويشار اليه قبض“ (ردالمحتار ۴ر۵۶۲)۔

وفی الدر المختار: ”والتمكن من القبض كالقبض“ (۵ر۶۹۰)۔

امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ حسی قبضہ ضروری نہیں، بلکہ تخلیہ کافی ہے، تخلیہ کے معنی ہیں کہ مشتری کو اس بات پر قدرت دے دی جائے کہ وہ جب چاہے آ کر مبیع پر قبضہ کر لے جب قبضہ کرنے میں مانع باقی نہ رہے تو سمجھیں گے کہ تخلیہ ہوگیا۔

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں زیر بحث جزئیات کا جواب اس طرح ہے:

الف- اگر سونا فروخت کرنے والا ادارہ ایک کلو سونا دو سو افراد کو پچاس پچاس گرام سونا فروخت کرے، لیکن ان سب کا خریدا ہوا سونا سونے کی اینٹ میں شامل ہو، ان کے الگ الگ بسکٹ یا سکے نہیں بنائے جاتے ہوں، تو اس کو خریدار کا قبضہ نہیں سمجھا جائے گا، کیونکہ اس صورت میں ہر خریدار کے خریدے ہوئے سونے کی تمیز وتعیین نہیں پائی جاتی ہے، اس لئے تخلیہ متحقق نہیں ہوسکتا جو حکمی قبضہ کے مترادف ہے۔

ب- اگر ہر خریدار کے لئے اس کی خریدی ہوئی مقدار کا سکہ الگ سے موجود ہو اور اس کو کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں سونا خریدار کے نام سے درج کر دیا گیا ہو اور اس اندراج کا مقصد یہ ہو کہ خریدار کو اتنی مقدار متعین سونا دیا جارہا ہے وہ جب چاہے آ کر اس پر قبضہ کر لے اور وہ اس میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے، اب یہ سونا مکمل اس کی ملکیت واختیار میں ہے، تو یہ اندراج عصر حاضر کے عرف کے اعتبار سے تخلیہ حکمی کے مترادف ہے، لہذا اس کو قبضہ کے لئے کافی تصور کیا جانا چاہئے، فقہاء کرام نے التمکن من القبض کو کالقبض قرار دیا ہے، چراگاہ میں چرنے والی گائے دور سے بائع نے مشتری کو بتادی تو اس کو بھی قبضہ شمار کیا ہے، نیز عرف عام میں کسی کے کھاتے میں رقم کا منتقل کر دینا قبضہ حکمی سمجھا جاتا ہے، اسی طرح ہمارے مسئلہ میں ریکارڈ رجسٹر میں اندراج کے بعد ادارہ کی طرف سے مشتری کو اس کے خریدے ہوئے سونے میں تصرف کی قدرت دے دی جاتی ہے اور مشتری بھی اپنے آپ کو تصرف کرنے پر قادر سمجھتا ہے اور عرف عام میں بھی اسکو تسلیم وتسلم شمار کیا جاتا ہے۔

۵- ڈیفرنس برابر کرنا سٹہ بازی ہے:

ایکسچینج کے ذریعہ کاروبار کی ایک اور صورت جو آجکل رائج ہے، یہ ہے کہ مثلا ایک مہینہ کے لئے ادھار ایک مخصوص

مقدار جیسے دس تولے سونے کا سودا کرلیا جاتا ہے، خریدار سونے پر قبضہ نہیں کرتا، جب ادائیگی کی تاریخ آتی ہے تو سونے کے اس دن کے نرخ کو دیکھ لیا جاتا ہے، خرید کے دن اور ادائیگی کے دن سونے کے نرخوں میں جو فرق ہوتا ہے، اس کی ادائیگی کردی جاتی ہے اس صورت میں سونے کا لین دین بالکل مقصود نہیں ہوتا، بلکہ آخر میں جا کر آپس کا فرق (ڈیفرنس) برابر کرلیا جاتا ہے اور سونے پر نہ تو قبضہ ہوتا ہے اور نہ ہی قبضہ پیش نظر ہوتا ہے، لہٰذا جہاں یہ صورت ہو کہ قبضہ بالکل نہ ہو اور سونے کا نہ لینا مقصود ہو اور نہ دینا مقصود ہو، بلکہ اصل مقصد یہ ہو کہ اس طرح سٹہ بازی کر کے آپس کا فرق برابر کرلینا مقصود ہو، تو یہ صورت بالکل حرام ہے اور شریعت میں اس کی اجازت نہیں۔

٦-متوقع اضافہ کی وجہ سے سونے کو روک لینا:

احتکار کے معنی ہیں کسی چیز کی ذخیرہ اندوزی اس نیت سے کرنا کہ میں اس وقت نکالوں گا جب بازار میں اس کی قلت بہت ہوجائے گی اور اس کی وجہ سے لوگوں سے زیادہ قیمت وصول کرسکوں گا، اس کو احتکار اور ذخیرہ اندوزی کہتے ہیں، یہ ذخیرہ اندوزی انسان کی ضرورت کی اشیاء میں بھی ہوتی ہے، اور جانوروں کے کھانے کی اشیاء میں بھی ہوتی ہے، ایک حدیث میں حضور ﷺ نے ذخیرہ اندوزی کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے، چنانچہ فرمایا: "**المحتکر ملعون**"۔

کن اشیاء کا احتکار جائز نہیں؟

کھانے پینے کی اشیاء میں تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان میں احتکار جائز نہیں، لیکن ان کے علاوہ دوسری اشیاء میں احتکار جائز ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک غذائی اجناس کے علاوہ دوسری اشیاء میں احتکار جائز ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک احتکار ہر ضرورت کی چیز میں ناجائز ہے، لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ احتکار کی ممانعت اسی وقت ہے جبکہ ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے عوام کو ضرر پہنچے، عوام کو اس چیز کی ضرورت ہو اور یہ شخص اس کو فروخت کرنے کے لئے نہ نکالے، لیکن اگر اس شخص کی ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے عوام کو ضرر نہیں پہنچ رہا ہے، بلکہ بازار میں اس چیز کی فراوانی ہے تو اس صورت میں ذخیرہ اندوزی کرنے کی ممانعت نہیں، گناہ اس وقت ہے کہ جب لوگ ضرورت مند ہوں اور یہ شخص گرانی پیدا کرنے کے لئے ذخیرہ اندوزی کررہا ہو۔

"**والاحتکار فی کل ما یضر بالعامة فی قول أبی یوسفؒ و قال محمدؒ الاحتکار بما یتقوت به الناس والبھائم کذا فی الحاوی**" (الفتاویٰ الہندیہ ۳/ ۲۱۴)۔

بہت سی دفعہ سونے کی قیمت میں متوقع اضافہ کا سونے اور چاندی کے تاجروں کو علم ہوجاتا ہے، ایسی صورت میں وہ سونے کو روک لیتے ہیں، تاکہ قیمت بڑھنے کے بعد سے فروخت کریں، تو یہ صورت احتکار کے دائرہ میں مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر داخل نہیں۔

۱-تاجروں نے قیمت میں متوقع اضافہ کی وجہ سے سونا روکا ہے، گرانی پیدا کرنے کے لئے سونا نہیں روکا ہے، اور نہ سونا روکنے کی وجہ سے قیمت میں اضافہ ہوا ہے، بلکہ وہ تو ہونے والا تھا، یہی وجہ ہے کہ اگر تاجر سونا نہ روکیں تو بھی کئی دفعہ دیکھا گیا ہے کہ متوقع اضافہ ہوکر رہتا ہے۔

۲-موجودہ مارکیٹوں کے حالات کے پیش نظر سونے کی قیمت بڑھنے سے اس کی گرانی کا اثر دوسری اشیاء پر پڑنا بھی یقینی نہیں رہا، کیونکہ بسا اوقات سونے کی قیمت جوں کی توں ہوتی ہے اور دیگر کئی اشیاء کے نرخ آسمان سے باتیں کرتے ہیں اور کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے، اور کئی دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ مارکیٹ میں سونے کی فراوانی ہوتی ہے جتنا سونا خریدنا چاہیں مارکیٹ میں بہ آسانی دستیاب ہوتا ہے، لیکن سونے کی قیمت اور دیگر اشیاء کے نرخ غیر معمولی زیادہ ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ سونے کی قلت یا ذخیرہ اندوزی پر نرخ بڑھنے اور گرانی کا انحصار نہیں، بلکہ اب تو سونے اور اشیاء کی فراوانی کے باوجود مصنوعی گرانیاں پیدا کی جارہی ہیں، حالانکہ حقیقی احتکار تو اس کو کہتے ہیں کہ لوگوں کو کسی چیز کی ضرورت ہو اور بازار میں اس کی قلت ہو اور ذخیرہ اندوزی کرنے والے اس کو فروخت کرنے کے لئے نہ نکالیں، جس کی وجہ سے گرانی پیدا ہورہی ہو، لہذا مذکورہ صورت احتکار میں داخل نہیں۔

۳-سونے کی مارکیٹ میں ملکی و عالمی پیمانہ پر غیر مسلموں کی اکثریت ہے، بلکہ مارکیٹ ہی ان کے قبضہ میں ہے اور اس مارکیٹ میں مسلم تاجروں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے اور سونے کی تجارت میں ملکی و عالمی پیمانہ پر ذخیرہ اندوزی اور سٹہ بازی عام ہے، ایسے میں اگر اس صورت کو احتکار کے دائرہ میں داخل کرکے مسلم تاجروں کو اس سے روکا جائے تو سوائے مسلم تاجروں کے نقصان کے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا، کیونکہ اکثریت یعنی غیر مسلم تاجروں کی ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے اشیاء کی گرانی جوں کی توں رہے گی، چند فیصد مسلم تاجروں کے ذخیرہ اندوزی سے باز رہنے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ ایسے حالات میں احتکار کے بارے میں طرفینؒ کے قول کو ترجیح دینا مناسب ہے۔

۷-اسمگلنگ کا حکم:

اصل یہ ہے کہ شرعاً ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے مملوک روپے سے اپنی ضرورت یا پسند کا جو مال جہاں سے چاہے خرید سکتا ہے، لہذا کسی بیرونی ملک سے مال خریدنا یا وہاں لے جاکر بیچنا شرعاً مباح ہے، بشرطیکہ معاملہ شریعت کے دائرہ میں ہو، بریں بنا از روئے شرع اسمگلنگ کی آمدنی بھی حلال ہے، لیکن چونکہ اس کام میں حکومتی سخت قوانین اور گرفت کی بنا پر بہت سے منکرات لازم آتے ہیں، مثلاً اکثر جھوٹ بولنا پڑتا ہے، ہلاکت جان و مال کا قوی اندیشہ رہتا ہے اور عزت کو خطرے میں ڈالنا پڑتا ہے، اس لئے اس طرح کے کاموں سے احتراز لازم ہے۔

ارشاد ربانی ہے: "ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة" (سورۂ بقرہ:۱۹۵)۔

اسمگلنگ کے طریقہ پر آنے والے سونا کا خریدنا اور پھر اس کو فروخت کرنا فی نفسہ جائز ہے، بشرطیکہ خریدنے اور فروخت کرنے میں کسی گناہ کا ارتکاب نہ کرنا پڑے، اگر اس میں بھی بے عزتی کا خطرہ ہو تو اس سے بھی احتراز لازم ہے۔

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

اگر وہ مال نجس، ممنوع الاستعمال اور ممنوع البیع نہ ہو اور مالک سے خریدا ہو تو اس کی تجارت فی نفسہ حلال ہے، لیکن چونکہ حکومت کے قانون کے خلاف ہے، اور مجرم سزا کا مستحق اور ذلیل ہوتا ہے، اور اپنے آپ کو ذلیل کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے ایسا معاملہ اختیار نہ کیا جائے (فتاوی رحیمیہ ۹/۲۲۲)۔

جدید معاملات کے شرعی احکام میں ہے:

اسمگلنگ کے معاملہ کی حقیقت یہی ہے کہ باہر ممالک سے مال لے کرآنا یا باہر ممالک مال لے کر جانا حلال مال ہو شرعی اعتبار سے جائز ہے، لیکن چونکہ حکومت نے اس پر پابندی لگا رکھی ہے، اس پابندی کی خلاف ورزی میں بہت سے گناہوں کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، مثلاً اکثر جھوٹ بولنا پڑتا ہے، رشوت دینی پڑتی ہے، جان مال یا عزت وآبرو کو خطرے میں ڈالنا پڑتا ہے، جس کی حفاظت کا شریعت میں بڑا خیال رکھا گیا ہے اور بسا اوقات جسمانی تکلیف اور قید و بند کی صعوبت برداشت کرنی پڑتی ہے، اس لئے حکومت کے قانون کی پابندی کرنی چاہئے اور ایسے کاروبار سے اجتناب کرنا چاہئے، تاہم اسمگل ہو کرآنے والی حلال ومباح چیزوں کی خرید وفروخت جائز ہے اور ان کو اپنے استعمال میں لانا درست ہے اور آمدنی بھی حلال ہے (جدید معاملات کے شرعی احکام ۱/۱۰۵)۔

۸-کیا پلاٹین سونے کے حکم میں ہے؟

پلاٹین لوہے کی ایک قیمتی قسم ہے اور دوسری دھاتوں سے زیادہ سخت ہے جلد پگھلنے والی نہیں ہے، اس کا رنگ سفید چاندی کی طرح چمکدار رہتا ہے، اسی وجہ سے اسے سفید سونا بھی کہا جاتا ہے، اب اس کا شمار مہنگی دھاتوں میں ہوتا ہے اور اس کے زیورات بنائے جاتے ہیں، لیکن ان سب کے باوجود لغت، حقائق اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سونا سے الگ ایک قسم کی دھات ہے جو بہت سخت ہوتی ہے اور سونا تو بالکل نرم ہوتا ہے، اسی لئے زیورات بناتے وقت دوسری دھات کی آمیزش کی جاتی ہے، تاکہ کچھ سختی آجائے، لہذا اگرچہ عرف میں اس کو سفید سونا کہا جاتا ہے، لیکن جب تک محقق طور پر اس کا سونا ہونا ثابت نہ ہوجائے تب تک وہ حقیقی سونے کے حکم میں نہیں ہوگا، اور عقود، زکوۃ وغیرہ میں اس پر سونے کے احکام منطبق نہیں ہوں گے۔

"وکل شئ فهو عرض سوی الدراهم والدنانير" (فتح القدیر ۲/۲۱۷)۔

☆☆☆

سونا چاندی کی تجارت سے متعلق شرعی احکام

مولانا نعمان انور اعظمی، مئو

۱-الف: سونا چاندی اور روپے میں سے ایک ادھار ہو اور دوسرا نقد ہو تو یہ بیع درست ہے؛ لیکن اصطلاح شرع میں اس خرید وفروخت کو بیع صرف نہیں کہا جاسکتا۔

نوٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس سلسلے میں علماء کرام کی مختلف رائیں ہیں:

ماضی قریب کے علمائے ہند میں اکثر کی رائے یہ ہے کہ نوٹ خود مال نہیں ہے بلکہ دین کی رسید ہے کسی کو نوٹ دینا دین کا حوالہ ہے اور اس پر کئی مسائل متفرع ہوتے ہیں مثلاً نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی جب تک ایک فقیر اس سے کوئی چیز نہ خرید لے، نوٹوں سے سونا چاندی کی خریداری درست نہیں ہوگی، اس لئے کہ نوٹ بھی سونے کی نمائندگی کرتے ہیں، لہٰذا یہ بیع صرف ہوئی، جس نے نوٹ لئے اس نے سونے پر قبضہ نہیں کیا لہٰذا تقابض فی المجلس نہیں ہوا جو بیع صرف کے جواز کی شرط ہے؛ بلکہ اس رائے کے مطابق دو نوٹوں کا آپس میں تبادلہ بھی جائز نہیں اس لئے یہ بیع الدین بالدین ہے (بیع الکالی بالکالی ہے) جو ناجائز ہے، یہ نقطۂ نظر کسی زمانے میں درست تھا، مگر اب بہ چند وجوہ درست نہیں رہا؛ اس لئے کہ اب نوٹ کے پیچھے سونا نہیں ہوتا؛ بلکہ خود انھیں کو ثمن قرار دے دیا گیا ہے (اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۷ ص ۳۴-۲۳۳)۔

اکثر علماء عرب کی رائے یہ ہے کہ نوٹ ذہب اور فضہ کے قائم مقام ہیں، جو احکام سونے کے ہیں وہی نوٹوں کے بھی ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ سونا چاندی تو آلۂ تبادلہ نہیں رہے، سونا چاندی کی جگہ اب نوٹوں نے لے لی ہے، لہٰذا زکوٰۃ، بیع صرف اور ربوا وغیرہ تمام مسائل میں نوٹوں کا حکم سونے چاندی والا ہوگا۔

علامہ ساعاتی فرماتے ہیں:

”**فالذی أراہ حقا وادین اللہ علیه أن حکم الورق المالی کحکم النقدین**“ (شرح الفتح الربانی للساعاتی آخر باب زکوۃ الذہب والفضۃ ۸/ ۲۵۱)۔

(میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ جس پر میں اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہ ہوں کہ زکوٰۃ کے وجوب اور اس کے ادائیگی کے مسئلے میں ان کاغذی نوٹوں کا حکم بھی بعینہ سونے چاندی کے حکم کی طرح ہے)۔

مولانا تقی عثمانی کے نزدیک بہ چند وجوب یہ موقف درست نہیں (فتاویٰ عثمانی ۳/ ۱۴۳)۔

۱-کرنسی نوٹوں کا ثمن ہونا تو اب واضح ہو چکا ہے لیکن یہ بات غور طلب ہے کہ ان کو ثمن خلقی کہا جائے گا یا ثمن اعتباری اور

ثمن عرفی، ظاہر ہے کہ انھیں ثمن خلقی قرار دینے کا کوئی راستہ نہیں، لازماً انھیں ثمن اعتباری یا ثمن عرفی کہا جاسکتا ہے۔لہٰذا ان کا حکم فلوس جیسا ہوگا کیونکہ وہ بھی ثمن اعتباری ہے۔

۲-اگر کرنسی نوٹوں کے باہم تبادلے کو بیع صرف کہا جائے تو لازم آئے گا کہ جن اشیاء میں صرف جاری ہوتا ہے ان میں ایک چیز کا اضافہ ہوگیا، حالانکہ یہ نصوص کے خلاف ہے۔

۳-اگر ان میں صرف جاری کیا جائے اور ساتھ ہی سونے چاندی میں بھی صرف کو بدستور جاری سمجھا جائے تو سوال یہ ہے کہ کرنسی نوٹ سے سونا چاندی خریدنے کو صرف کہا جائے گا یا نہیں؟ اگر کہا جائے گا تو عجیب بات یہ ہے کہ غالب الغش سکوں سے سونے یا چاندی کے تبادلے کو کلی طور پر صرف کہا جائے جب کہ غالب الغش سکوں میں کچھ نہ کچھ سونا یا چاندی ہوتا ہے اور صرف انھیں کی حد تک ان میں تقابض شرط ہے، زیادہ میں نہیں اور کرنسی نوٹوں کے تبادلے کو صرف کہا جائے جب کہ ان میں سونا چاندی بالکل موجود نہیں ہے (الدر المختار ۵/۱۷۹، تکملہ فتح الملہم ۱/۵۸۷)۔

صحیح نقطہ نظر یہ ہے کہ نوٹ رسید نہیں ہے بلکہ خود مال ہے، سونے چاندی کی طرح ثمن حقیقی نہیں بلکہ ثمن عرفی ہے، ان کا حکم وہی ہوگا جو فلوس کا ہوتا ہے لہٰذا اگر نوٹ کے ذریعہ سونا خریدا جائے تو یہ بیع صرف نہیں اس لئے تقابض فی المجلس ضروری نہیں، البتہ بدلین میں سے ایک پر قبضہ مجلس میں ضروری ہے تاکہ بیع الدین بالدین لازم نہ آئے لہٰذا یہ بات درست ہوگی کہ سونا چاندی اور روپے میں سے ایک نقد اور دوسرا ادھا۔

اس دور کے اکثر علماء کی یہی رائے ہے کہ روپے سے سونا اور چاندی ادھا خریدا جاسکتا ہے بشرطیکہ ایک نقد اور دوسرا ادھار ہو۔

(ب): جدید سائنسی ایجادات نے پوری دنیا میں انقلاب برپا کردیا ہے اور پوری دنیا کو ایک گاؤں کی شکل میں تبدیل کردیا ہے۔مشرق ومغرب ہر وقت باہم رابطے میں رہتے ہیں اور پل پل کی خبریں پوری دنیا بیک وقت موبائل اور نٹرنیٹ کے ذریعہ معلوم کرتی ہے جس کے نتیجے میں ایک جگہ سے حالات کا دوسری جگہ پر پڑنا لازمی ہے۔اور پوری دنیا تجارتی منڈی کی شکل میں تبدیل ہوگئی ہے، تمام ملکوں کی منڈیاں ایک دوسرے سے مربوط ہیں، انٹرنیشنل مارکیٹ میں اشیاء کا جو نرخ ہوتا ہے وہ چھوٹے شہروں اور دیہاتوں تک اسی وقت تک پہنچ جاتا ہے، اس کے باوجود پوری دنیا میں کسی سامان کا نرخ ایک ہی رہے یہ ناممکن ہے۔

شریعت بھی بیچنے اور خریدنے والے کو اس کا مکلّف نہیں بناتی، خود ہمارے ملک میں سونے چاندی کا بھاؤ ہندوستان کے مختلف شہروں میں مختلف رہتا ہے، روزانہ اخباروں میں جو نرخ شائع ہوتا ہے اس میں ہر شہر کا بھاؤ الگ ہوتا ہے، اسی طرح ہندوستان کے دوسرے چھوٹے بڑے شہروں کی مختلف بازاروں کے نرخ میں قدرے اختلاف رہتا ہے۔

لہٰذا انٹرنیشنل مارکیٹ ہو یا ہندوستان کے سطح کی مارکیٹ، ان بازاروں میں جو بھاؤ طے کئے گئے ہیں ان سے اختلاف کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور اسے ربوا تفاضل قرار نہیں دیا جاسکتا، اس لئے کہ شریعت میں بیع کی تعریف ہے "**مبادلة المال بالمال بالتراضی**" یعنی مال کا مال سے رضامندی کے ساتھ تبادلہ کرنا، لہٰذا بائع اور مشتری جب ایک بھاؤ پر آپس میں رضامند ہیں تو بیع بالکل درست ہوگی خواہ ان کے درمیان طے شدہ نرخ انٹرنیشنل مارکیٹ یا MC کے بھاؤ سے کم وبیش ہو۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''إن الله هو المسعر القابض الباسط الرازق وإنى لأرجوا أن القى الله تعالیٰ وليس أحد منكم يطالبنى بمظلمة من دم ولا مال وصحح الترمذى وابن حبان''

(رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ ہی تعالیٰ بھاؤ طے کرنے والا ہے اور رزق میں تنگی اور فراخی دینے والا ہے، میں امید کرتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملوں کہ تم میں سے کوئی شخص مجھ سے خون یا مال کے سلسلے میں ظلم وزیادتی کا مطالبہ نہ کرے)۔

اس لئے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چیزوں کا بھاؤ متعین کرنا شریعت کے مزاج کے خلاف ہے، اور لوگ اپنے سامانوں کے مالک ہیں اور انھیں اپنے مملوکہ اشیاء میں بھاؤ طے کرنے کا اختیار ہے، شریعت اس میں کوئی دخل اندازی نہیں دیتی۔

اس لئے انٹرنیشنل مارکیٹ یا اندرون ملک کسی بھی سامان کا بھاؤ متعین کرنا خلاف شرع ہے، کسی مارکیٹ کے متعین کئے ہوئے بھاؤ کو ایسی حیثیت حاصل نہیں ہے کہ بائع اور مشتری کو اس کا پابند بنایا جائے بہت مجبوری کے حالات میں عوام کو ظلم وزیادتی سے بچانے کے لئے تسعیر کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ ہدایہ اور فقہ کی دوسری کتابوں میں اس کی صراحت ہے، عام حالات میں تسعیر فقہاء کے یہاں مکروہ ہے۔

''ولا ينبغى للسلطان أن يسعر على الناس'' (حاشیہ ہدایہ ۴/۴۵۵) (بادشاہ کے لئے لوگوں پر بھاؤ طے کرنا مناسب نہیں)۔

اسلام آزادنہ تجارت کا قائل ہے اور مشتری اور بائع کی آپسی رضامندی کے ساتھ خرید وفروخت کی تعلیم دیتا ہے۔

۲-الف: سونے کے لین دین میں مقدار کا جو فرق ہورہا ہے اسے بیع نہیں کہا جاسکتا ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ بیع صرف میں سونے کا لین دین سونے سے ہوتا ہے جس کے اندر کمی زیادتی کے فرق کے ساتھ بیع ناجائز ہے اور **مثلا بمثل يدا بيد** کی شرط مختلف احادیث سے معلوم ہوتی ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

''عن عبادة بن الصامت قال: قال رسول الله ﷺ:الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل سواء بسوا يدا بيد. عن عمرو عن أبى المنهال قال: باع شريک لی ورقا بنسيئة إلى الموسم أو الحج فجاء إلى فأخبرنى فقلت هذا أمر لايصلح قال قد بعته فى السوق فلم ينكر ذلک على أحد فأتيت البراء بن عازب فقال قدم النبى ﷺالمدينة ونحن نبيع هذا البيع فقال ماكان يدا بيد فلا باس به وماكان نسيئة فهو ربوا''۔

دوسری حدیث میں زید بن ارقم اور براء ابن عازب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

''نهى رسول الله ﷺعن بيع الورق بالذهب دينا'' (صحیح مسلم ۲/۲۵، بخاری شریف ۱/۲۹۱)۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم اور صحاح ستہ کی تمام کتابوں میں یہ حدیث مروی ہے۔ اس لئے سونے کے تاجر اور زیور بنانے والے

کاریگر کے درمیان جس معاملے کا سوال میں ذکر کیا گیا ہے اس کو بیع بنانا جائز اور درست نہیں ہوسکتا۔

دوسرے یہ کہ سونے کا تاجر اپنا مال دے کر زیور کی شکل میں واپس لے رہا ہے اس صورت میں سونا دینے والے تاجر ہی کو بائع اور مشتری دونوں ماننا لازم آئے گا۔

تیسرے یہ کہ بیع اپنی ملک کی ہوتی ہے اگر اس کو بیع مانا جائے تو زیور بنانے والے کاریگر کو زیور کا مالک ماننا ہوگا اور پھر اسے اس بات کا پابند نہیں بنایا جاسکتا کہ اسی تاجر کے ہاتھ بیچے، مالک ہونے کی صورت میں کسی اور کے ساتھ بھی بیع کرنے کا اس کو اختیار ہوگا، حالانکہ یہاں ایسا نہیں ہے۔لہٰذا یہ معاملہ بیع کے بجائے اجارہ ہے۔

(ب): عقد اجارہ کے صحیح ہونے کے لئے فقہاء کے یہاں مختلف شرائط ہیں، انھیں میں ایک اجرت کا متعین ہونا ہے۔

اللہ کے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

”من استاجر أجيرا فليعلمه أجره۔ قال المحشي رواه محمد بن الحسن في كتاب الآثار“ (ہدایہ ۲۷۷/۴، کتاب الاجارہ)۔

(رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص کسی مزدور کو اجرت پر رکھے تو چاہئے کہ اس کو اس کی اجرت بتادے)۔

ہدایہ میں مذکور ہے: **”ولا يصح حتى تكون المنافع معلومة والأجرة معلومة“** (ہدایہ ۲۷۷/۴، کتاب الاجارہ)۔

(اور عقد اجارہ صحیح نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ منافع معلوم ہوں اور اجرت معلوم ہو)۔

صاحب ہدایہ نے اس کی ایک دلیل یہ ذکر کی ہے کہ معقود علیہ کی جہالت اور اس کے بدل یعنی اجرت کی جہالت مفضی الی النزاع ہے جس طرح عقد بیع کے اندر ثمن اور مبیع کی جہالت کی وجہ سے بیع فاسد ہوجاتی ہے، اسی طرح عقد اجارہ میں اجرت کی جہالت کی وجہ سے عقد اجارہ فاسد ہوجائے گا۔

ہدایہ میں مذکور ہے: **”ولأن الإجارة في المعقود عليه في البدله تفضي إلى المنازعة كجهالة الثمن“** (حوالہ مذکورہ)۔

(اور اس لئے کہ معقود علیہ اور اس کے بدل میں جہالت مفضی الی المنازعہ ہے جیسے کہ عقد بیع میں ثمن کی جہالت)۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء کے یہاں عقد اجارہ کے صحیح ہونے کے لئے اجرت کی تعیین ضروری ہے۔ مسئلہ مذکورہ میں سونے کے بچے ہوئے ذرات کو اجرت قرار دینا ایک غیر متعین چیز ہے، زیور بنانے والے کاریگر دوسری دھاتوں کی آمیزش کرنے کے بعد سونے کے ذرات کو زیادہ مقدار میں بچا کر موقع کا ناجائز فائدہ اٹھا سکتے ہیں، ظاہر ہے ایسا کرنا چوری اور خیانت کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہوگا، اس لئے زیورات بنانے کی مزدوری الگ سے طے ہونا ضروری ہے، جس دھات کی آمیزش اس میں ہورہی ہے تاجر کی طرف سے اس دھات کو فراہم کرنا یا اس کی قیمت ادا کرنا ضروری ہے۔سونے کے بچے ہوئے ذرات کا مالک تاجر ہی ہے، اور اس میں تصرف کرنے کا حقدار ہے۔

۳- سونے کی خرید وفروخت جب اسی کی جنس سے کیا جائے ایسی صورت میں کمی زیادتی کے ساتھ خریدنا اور بیچنا جائز اور درست نہیں ہے:

رسول اللہ علیہ السلام کا ارشاد ہے: **”الذهب بالذهب مثلا بمثل وزناً بوزنٍ والفضل ربو“**۔

سونا رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں وزن سے بکتا تھا اور آج بھی وزن ہی سے بکتا ہے، پس سونے کی خرید وفروخت کرنا سونے کے ساتھ اس صورت میں ربوا تفاضل اور ربوانسیہ ناجائز ہے، اگر چہ ایک طرف جید مال ہو اور دوسری طرف ردی مال ہو۔

"جیدھا وردیھا سواء" (نصب الرایہ ۴/۳۷، درایہ علی حاشیۃ الہدایۃ ۳/۸۸)۔

اس مفہوم کی احادیث صحاح ستہ میں متعدد جگہ موجود ہیں (صحیح مسلم ۲، کتاب البیوع۔ سنن ترمذی باب ماجاء فی الصرف ۱/۱۴۹)۔

لہذا براہ راست سونے کے پرانے زیورات کو نئے زیورات سے کمی بیشی کے ساتھ خریدنا اور بیچنا جائز نہیں، کیونکہ مذکورہ حدیث میں اموال ربویہ کو کمی بیشی کے ساتھ بیچنے سے منع فرمایا ہے، چاہے ایک طرف جید مال ہو اور دوسری طرف ردی مال ہو۔

اموال ربویہ میں اچھا اور خراب بیع کے معاملہ میں یکساں مانا جاتا ہے اس کی بہت واضح دلیل بخاری شریف کی یہ روایت ہے جو ابوسعید خدری اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک شخص کو خیبر کا عامل بنایا وہ آپ کے پاس جنیب کھجور لایا اللہ کے رسول ﷺ نے پوچھا کہ کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی ہوتی ہیں تو اس نے کہا نہیں اللہ کی قسم ہم دوصاع کھجوریں دے کر ایک صاع کھجور لیتے ہیں یا تین صاع کھجور کے بدلے دوصاع لیتے ہیں، تو آپ ﷺ نے کہا ایسا نہ کرو، اور ارشاد فرمایا کہ اپنی کھجوروں کو پہلے دراہم کے ذریعہ بیچو اور پھر دراہم سے جنیب کھجور خریدو اللہ کے رسول ﷺ نے کھجوروں کے تبادلہ میں کمی بیشی کو منع کیا اور سود کا دروازہ بند کرنے کے لئے آپ نے جائز اور حلال طریقے پر رہنمائی فرمائی ہے (بخاری شریف ۲/۶۰۹)۔

۴- **الف:** فتاویٰ ہندیہ ۳/۱۶ پر مذکور ہے کہ مبیع کو تسلیم کرنے میں اس بات کا اعتبار ہے کہ اس کو الگ کردیا جائے دوسرے کا حق اس میں شامل نہ ہو اور فقہاء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جائز بیع میں یہی تخلیہ قبضہ ہوتا ہے۔

"ویعتبر فی السلم أن یکون المبیع مفرزاً غیر مشغول بحق غیره هکذا فی الوجیز لکردری، وأجمعوا علی أن التخلیة فی البیع الجائز تکون قبضاً.

بدائع ۵/۲۴۴ پر مذکور ہے: **"فالتسلیم والقبض عندنا هو التخلیة والتخلی وهو أن یخلی البائع بین المبیع وبین المشتری برفع الحائل بینهما علی وجه یتمکن المشتری من التصرف فیه فیجعل البائع مسلما للمبیع والمشتری قابضا له"**۔

یعنی تسلیم اور قبضہ کی حقیقت ہمارے نزدیک تخلیہ اور تخلی ہے اور اس کی شکل یہ ہے کہ بائع مشتری اور مبیع کے درمیان ہر طرح کی رکاوٹ کو دور کردے اور مشتری مبیع کے اندر تصرف کرنے پر قادر ہو جس کا نتیجہ اس شکل میں ظاہر ہوگا کہ بائع مشتری کو مبیع حوالہ کرے اور اس پر قابض بنائے۔

سوال میں جو صورت حال بیان کی گئی ہے اس میں مشتری کا قبضہ ثابت نہیں ہوگا، اس لئے کہ مشتری کا خریدا ہوا پچاس گرام سونا اینٹ میں شامل ہے اس کو مجموعہ سے الگ نہیں کیا گیا ہے اور وہ اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ بائع اگر فوری طور پر اس پر قبضہ کرنا چاہے تو قبضہ کرسکے یا اس میں کوئی تصرف کرنا چاہے تو تصرف کرسکے۔

بدائع میں آگے یہ بھی تحریر ہے کہ دراہم ودنانیر عقد سے متعین نہیں ہوتے بلکہ قبضہ سے متعین ہوتے ہیں سونا بھی دراہم

ودنانیر کی قبیل سے ہے۔ فتح القدیر سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔

محیط برہانی میں اس کی مزید وضاحت ہے کہ دراہم اور دنانیر عقد معاوضات میں قبضہ کے وقت متعین ہوتے ہیں۔ لہٰذا متعاقدین کے درمیان عقد اسی وقت مفید ملک ہوگا جب قبضہ کے ذریعہ اس کی تعیین ہوجائے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فقہاء کی عبارتیں اس بارے میں بہت واضح ہیں کہ سوال میں پوچھی ہوئی صورت حال میں پچاس گرام سونے کو اینٹ سے الگ کئے جانے سے پہلے خریدار کا قبضہ نہیں سمجھا جائے گا۔

(ب): دراہم و دینار اور دوسری اجناس کی تعیین میں یہ فرق ہے کہ دوسری اجناس اشارے یا علامتوں سے متعین ہوسکتی ہیں لیکن دراہم و دینار اس وقت متعین نہیں ہوسکتے جب تک اس پر کوئی شخص خود یا اپنے کسی نمائندے کے ذریعہ قبضہ نہ کرے۔ مذکورہ صورت میں صرف کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں خریدار کے نام سے پچاس گرام سونا یا خریدی ہوئی مقدار کا سکہ درج کیا گیا ہے اسی اندراج کو قبضہ کے لئے کافی تصور نہیں کیا جائے گا۔

بدائع ۲۱۸/۵ پر مذکور ہے: ''إن الدراهم والدنانير وإن كانت لا تتعين بالعقد ولكنها تتعين بالقبض وقبضها واجب''۔

اسی کے آگے ص ۲۱۹ پر مذکور ہے: ''إن الدراهم والدنانير لا تتعين بالتعيين وإنما تتعين بالقبض فشرطنا التقابض للتعيين لا للقبض'' (بدائع ۲۱۹/۵-۲۱۸ طبع سعید)۔

دونوں عبارتوں سے اس بات کی پورے طور پر وضاحت ہوتی ہے کہ محض بسکٹ الگ ہونے سے یا خریدار کے نام کا اندراج کردینے سے سونے پر قبضہ متحقق نہیں ہوگا، کیونکہ اتنے سے دراہم و دنانیر متعین نہیں ہوتے، تعیین کے لئے خریدار یا اس کے نائب کا قبضہ ضروری ہے بدائع کی دوسری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دراہم و دنانیر میں تقابض کی شرط دراصل تعیین کے لئے ہے۔

فتح القدیر ۱۶۰/۶ پر مذکور ہے: ''فإن الدراهم والدنانير لا تتعين مملوكة بالعقد إلا بالقبض'' (طبع رشیدیہ کوئٹہ)۔

محیط برہانی میں اس کی مزید وضاحت ہے کہ دراہم و دنانیر عقد معاوضات میں قبضہ کے وقت متعین ہوتے ہیں۔ لہٰذا متعاقدین کے درمیان عقد اسی وقت مفید ملک ہوگا جب قبضہ کے ذریعہ اس کی تعیین ہوجائے۔

۵- ایکسچینج کے ذریعہ کاروبار کی جس صورت کا سوال میں تذکرہ کیا گیا ہے بیع کی یہ شکل متعدد وجوہ سے ناجائز ہے:

پہلی وجہ یہ ہے کہ یہاں ثمن اور مبیع دونوں ادھار ہیں، مشتری نے دس تولہ سونے کا ادھار سودا کرلیا اور اس پر قبضہ نہیں کیا، ادائیگی کی تاریخ آنے پر صرف قیمت کے تفاوت کا لین دین کرلیا اگر سونے کا بھاؤ پانچ ہزار ایک سو روپے تولہ ہوگیا تو بائع خریدار کو ایک سو روپیہ فی تولہ دے دیتا ہے اور اگر اس دن چار ہزار نو سو روپے بھاؤ ہوگیا تو خریدار بائع کو ایک سو روپے فی تولہ ادا کردیتا ہے، ناجائز ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہاں ثمن اور مبیع دونوں ادھار ہیں اور یہ حدیث شریف کی رو سے جائز نہیں ہے جیسا کہ حاکم اور بیہقی رحمہما اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔

''نهى رسول الله ﷺ من بيع الكالي بالكالي'' (السراج المنیر للعزیزی ۳۷۲/۴)۔

(حضور اقدس علیہ السلام نے ادھار کو ادھار کے بدلہ بیچنے سے منع کیا ہے)۔

مولانا تقی عثمانی اپنے مقالہ (مستقبل کی تاریخ پر خرید وفروخت) میں تحریر فرماتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ فیوچر مارکیٹ میں جو معاملات ہوتے ہیں ان سے تجارت مقصود نہیں ہوتی بلکہ نفع کی امید پر اپنا روپیہ داؤ پر لگانا مقصود ہوتا ہے اور یہ مقصد اس عقد کو بیع کے بجائے قمار (جوا) سے زیادہ مشابہ کر دیتا ہے'' (فقہی مقالات ۲/ ۲۱۳)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب کی یہ بات حقیقت پر مبنی ہے اس لئے کہ اگر تجارت مقصود ہوتی تو مشتری سامان پر قبضہ کرتا اور وقت پر اس کی قیمت ادا کرتا یا بائع وقت پورا ہونے پر کہتا اپنا سامان لے جاؤ ہمارا پیسہ ادا کرو۔ لیکن دونوں طرف سے مبیع اور ثمن کے لین دین کا تقاضہ نہیں ہوتا صرف خرید اور ادائیگی کے دن کی قیمت کے تفاوت پر دونوں کی توجہ مرکوز ہوتی ہے۔

اس طرح کی فرضی خرید وفروخت کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ چیزوں کا دام چڑھتا ہے اور بازار میں گرانی پیدا ہوتی ہے اور اس کا ضرر عوام الناس کو اٹھانا پڑتا ہے۔

۶ - امام ابوحنیفہ کے نزدیک احتکار آدمی اور جانوروں کی غذاؤں میں مکروہ ہے بشرطیکہ احتکار کا عمل ایسے شہر میں کیا جائے جہاں احتکار کی وجہ سے شہر والوں کو ضرر لاحق ہو۔ امام ابو یوسف کے نزدیک احتکار غذاؤں کے ساتھ خاص نہیں ہے، ہر وہ چیز جس کا روکنا عامۃ الناس کے لئے ضرر کا باعث ہو وہ احتکار ہے چاہے وہ سونا چاندی ہو یا کپڑا ہو۔ امام محمدؒ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ کپڑوں میں احتکار نہیں ہے ائمہ ثلاثہ کی ان آراء کو سامنے رکھئے تو یہی مفہوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جو چیز کراہت میں موثر ہے وہ حقیقت ضرر ہے اس لئے انھوں نے احتکار کو غذاؤں کے ساتھ مخصوص نہیں کیا۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ضرر معہود معتبر ہے اور اس کا تعلق کھانے پینے کے سامانوں سے ہے (دیکھئے: ہدایہ، کتاب الکراہیۃ ۴/ ۴۵۳)۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں شوافع اور حنابلہ کا قول وہی نقل کیا گیا ہے جو امام ابوحنیفہ کا ہے لا إحتكار إلا في القوت خاصة اور الموسوعة الفقهية سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک بھی ان تمام چیزوں میں احتکار مکروہ ہے جس سے عام لوگوں کو ضرر لاحق ہو احتکار صرف غذا کے ساتھ خاص نہیں ہے گویا مالکیہ کا قول امام ابو یوسف کے قریب ہے (الموسوعۃ الفقہیۃ ۲/ ۹۲)۔

حدیث پاک میں رسول اللہ علیہ السلام کا ارشاد ہے:

''**الجالب مرزوق والمحتكر ملعون ابن ماجه، حاكم، دارمي**'' (الدرایہ علی حاشیۃ الہدایۃ ۴/ ۴۵۴)۔

حدیث کے الفاظ اشیاء ضروریہ میں احتکار کی ممانعت پر دلالت کرتے ہیں آج کے دور میں تاجروں کا ایک طبقہ غلہ کے علاوہ مختلف چیزوں میں ذخیرہ اندوزی کر کے عام انسانوں کا استحصال کرتا ہے، ذخیرہ اندوزی پیاز کی کرتے ہیں، کبھی دال کی اور کبھی گھی تیل کی، اس لئے سرکار نے دوکانداروں کے لئے اسٹاک کی ایک حد متعین کر دی ہے، سارے دوکانداروں کو علی العموم اور مسلمان دوکانداروں کو بالخصوص اس حد کا لحاظ کرنا چاہئے۔ صاحب ہدایہ نے احتکار کی بحث میں حدیث کی مذکورہ لعنت سے بچنے کے لئے یہ کہا ہے: **والحاصل ان التجارة فى الطعام غير محمودة**۔ یعنی شریعت کے مزاج کو دیکھتے ہوئے اور حدیث کی بددعا سے بچنے کے لئے آدمی کو چاہئے کہ وہ غلہ کی تجارت نہ کرے، غلوں کی تجارت ناپسندیدہ ہے لیکن ہندوستان جیسے ملک میں ہم مسلمان تاجروں کو غلہ کی تجارت کرنے سے نہیں روک سکتے ہیں، اس لئے کہ فساد زدہ علاقوں میں اگر مسلمانوں کے پاس غلہ کی دوکانیں نہ ہوں تو

غیر دوکانداروں کے لئے مسلمانوں کو ستانے کا ایک بڑا موقع ہاتھ آجائے گا بہر حال ذخیرہ اندوزی آج کے اس دور میں غلوں کے ساتھ ساتھ تمام اشیاءِ ضروریہ سے متعلق ہے یہاں تک کہ اس کا گہرا تعلق دواؤں سے بھی ہے۔ اس لئے اگر سونے چاندی کی ذخیرہ اندوزی اس حد تک ہونے لگے کہ اس کا اثر دوسری اشیاء کی گرانی پر پڑے تو لوگوں کو اس سے روکا جائے گا ابھی نوٹ بندی کے زمانہ میں سرکار نے سب کے لئے سونا رکھنے کی ایک حد متعین کردی ہے اس حد کی رعایت کرنا اور اس مقدار کے اندر سونا رکھنا احتکار کے دائرے کے باہر ہے۔ اور اگر سونے کی اس سے زیادہ مقدار ملکی معیشت کے لئے ضرر رساں ہو اور دوسری چیزوں کو متاثر کر رہی ہو تو یقیناً یہ فعل ناپسندیدہ ہوگا۔

۷ – بیع کے صحیح ہونے کے لئے عاقد اور محل بیع یعنی مبیع کے اندر بیع کے قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہونا لازمی ہے۔

آدمی اپنے مملوک روپیوں سے جہاں سے چاہے اپنی پسند کی چیزیں خرید سکتا ہے، لہٰذا کسی بیروی ملک سے خریدنا اور وہاں مال لے جا کر بیچنا شرعاً مباح ہے۔ ”لا يمنع احدا من التصرف فی ملكه أبدا إلا إذا كان ضرره لغيره“ (وفی الشرح المجلی للاتاسی رقم المادہ: ۱۱۹۲، ۲/ ۱۳۲، شرح ردالمحتار ۵/ ۴۴۸ طبع سعید، ہدایہ ۴/ ۴۲۷، بدائع الصنائع للکاسانی ۵/ ۱۲۹)۔

آج دنیا کے حالات پچھلے زمانہ سے مختلف ہیں، پہلے ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانے کے لئے ویزا یا سپورٹ کی پابندیاں نہیں تھیں، بیسویں صدی میں دنیا کے حالات دھیرے دھیرے بدلتے گئے اور تقریباً ہر ملک نے اس طرح کی پابندیاں عائد کردی، اسی طرح سے پچھلے زمانہ میں ساری دنیا میں تاجروں کے لئے اپنا مال دوسرے ملک میں لے جا کر بیچنے کی اور وہاں سے مال خریدنے کی کھلی چھوٹ تھی، پوری دنیا تاجروں اور سوداگروں کے لئے ایک آزاد منڈی تھی، لیکن بیسویں صدی میں دنیا کے معاشی حالات بدل گئے اور خرید وفروخت میں طرح طرح کی پابندیاں لاگو کردی گئیں۔ آج بھی بعض ملکوں میں آزاد منڈی ہے اور باہر سے جانے والے تاجروں اور بیرون ملک سے درآمد کئے جانے والے مال پر کوئی محصول نہیں ہے، بعض عرب ملکوں میں اب بھی یہ سہولت موجود ہے لیکن اکثر ملکوں میں ایکسپورٹ اور امپورٹ پر طرح طرح پابندیاں ہیں اور ان کا الگ قانون ہے ہم جس ملک میں رہتے ہیں وہاں کے قوانین کے پابند ہیں خاص طور پر وہ قانون جو شریعت سے متصادم نہیں ہیں اس کی رعایت کرنا ہمارے لئے ضروری ہے اس لئے باہر سے سونا یا دوسرے سامان لانے کا جو قانون ہمارے ملک میں جاری ہے ہمیں اس کا پابند رہنا چاہئے اس کی خلاف ورزی کرنے میں بہت سے منکرات لازم آتے ہیں جن سے ہمیں منع کیا گیا ہے مثلاً اسمگلنگ کے ذریعہ مال لانے میں جھوٹ بولنا پڑتا ہے، جان و مال کو خطرہ میں ڈالنا پڑتا ہے اور ملک کے جن قوانین کی پابندی کا ہم نے وعدہ کیا ہے ان کی خلاف ورزی کا ارتکاب ہوتا ہے شریعت میں عہد و پیمان کی رعایت کا حکم بہت تاکید کے ساتھ دیا گیا ہے ان منکرات سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس عمل سے اجتناب کریں ورنہ اصولی طور پر باہر کے ملک سے مال لانا اور یہاں سے لے جا کر دوسرے ملک میں بیچنا شرعی اعتبار سے بالکل جائز ہے لیکن چونکہ حکومت نے اس پر پابندی لگا رکھی ہے اور اس پابندی کی خلاف ورزی میں بہت سارے مفاسد پائے جاتے ہیں اس لئے علماء کرام اس سے بچنے کی تاکید کرتے ہیں۔

مولانا تقی عثمانی صاحب نے فتاویٰ عثمانی جلد سوم اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے جدید فقہی مسائل میں اس مسئلے سے مدلل بحث کی ہے۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ اسمگلنگ کرنے والا پوری قوم اور باشندگان ملک کو اپنی

حرکت کے ذریعہ نقصان پہنچاتا اور زیر بار کرتا ہے جو غیر اسلامی ہونے کے علاوہ غیر انسانی حرکت بھی ہے۔ معاشی مصالح کے پیش نظر اس قسم کی پابندیوں کی گنجائش ہے، اس کی نظیر تلقی جلب ہے جس کو مکروہ قرار دیا گیا ہے تلقی جلب سے مراد یہ ہے کہ باہر سے آنے والے تجارتی قافلے کے شہر میں آنے سے پہلے ہی کوئی شخص جا کر ان سے غلہ خرید لے اور شہر میں آ کر اس سے زیادہ میں فروخت کردے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کیوں کہ اس کی وجہ سے گرانی بڑھتی ہے اور شہر کے باشندوں کو زک پہنچتی ہے، یہی صورت اسمگلنگ سے بھی پیدا ہوتی ہے کہ غیر ملکی مصنوعات کی آمد کی وجہ سے اس ملک کی صنعت اور یہاں کا معاشی توازن بگڑتا اور متاثر ہوتا ہے (جدید فقہی مسائل ۱/ ۲۴۹)۔

۸- سونا چاندی ثمن خلقی ہیں اور ان کو پیدائشی طور پر نامی تسلیم کیا گیا ہے، ہیرے جواہرات جو سونے چاندی سے زیادہ قیمتی ہیں انھیں استعمال کرنے میں اور مسئلہ زکوۃ میں سونے چاندی کے حکم میں نہیں رکھا گیا ہے۔ سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال شریعت میں جائز نہیں ہے، جبکہ قیمتی پتھروں کے برتن کے استعمال کی اجازت ہے۔ ہدایہ میں مذکور ہے: ''**ولا بأس باستعمال آنية الرصاص والزجاج والبلور والعقيق**'' (ہدایہ ۴/ ۴۳۴، فتاوی تاتارخانیہ ۱۸/ ۱۲۵، مجموعۃ الفتاویٰ الشرعیۃ کویت ۲/ ۲۶۵)۔

(اور کوئی حرج نہیں رصاص، شیشہ، بلور اور عقیق کے برتنوں کے استعمال میں) اسی طرح سے مرد کے لئے سونے کی انگوٹھی پہننا جائز نہیں ہے لیکن انگوٹھی میں ہیرے کا اور قیمتی پتھر کا استعمال بطور نگ کے جائز ہے حالانکہ بہت سے پتھر سونے سے زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔ ''**والتختم بالذهب على الرجال حرام والحلقة هي المعتبرة لأن قوام الخاتم بها فلا معتبر بالفص حتى يجوز أن يكون من حجر**''۔

(مردوں کے لئے سونے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے اور انگوٹھی کے باب میں حلقہ کا اعتبار ہے، اس لئے کہ انگوٹھی کا وجود حلقے ہی سے ہے اور نگ کا اعتبار نہیں ہے وہ پتھر کا بھی ہوسکتا ہے)۔

لہٰذا صرف عرف کو دیکھتے ہوئے پلاٹین پر سونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا اور عقود اور زکوۃ کے باب میں اس پر سونے کے احکام منطبق نہیں ہوں گے آج کے زمانہ میں زمین اور فلیٹ وغیرہ غیر معمولی قیمتوں پر مشتمل ہوتے ہیں لیکن ان پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی پانچویں فقہی سمینار میں یہ بات طے ہوچکی ہے کہ جو ہیرے جواہرات زیورات کے لئے خریدے گئے ہوں ان کی زکوۃ مالک پر واجب نہیں البتہ جو ہیرے جواہرات تجارت کی نیت سے خریدے گئے ہوں ان کی زکوۃ مالک پر واجب ہوگی، یہی حکم پلاٹین کا بھی ہوگا اب اگر کوئی شخص زکوۃ سے فرار کے لئے بڑی رقم پلاٹین میں پھنساتا ہے تو وہ اپنی نیت کے حساب سے عنداللہ جواب دہ ہوگا۔

مولانا تقی عثمانی فقہی مقالات میں لکھتے ہیں: ''اموال زکوۃ کون کون سے ہیں'' ......

استعمالی زیور پر بھی زکوۃ واجب ہے البتہ صرف سونے اور چاندی کے زیور پر زکوۃ واجب ہے، لیکن اگر سونے اور چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کا زیور ہے چاہے پلاٹینم ہی کیوں نہ ہو اس پر زکوۃ واجب نہیں جب کہ تجارت کے لئے نہ ہو بلکہ ذاتی استعمال کے لئے ہو (فقہی مقالات ۲/ ۱۴۸)۔

☆☆☆

سونے چاندی کی تجارت- فقہی نقطۂ نظر

مفتی عمر امین الٰہی☆

سوالوں کے جوابات عرض کرنے سے پہلے چند چیزیں بطور تمہید ذکر کی جاتی ہیں:

بیع صرف کسے کہتے ہیں:

صرف کے لغوی معنی: زیادتی اور اضافہ کے ہیں، نیز کسی چیز کو پھیرنے یا تبدیل کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے (دیکھئے: لسان العرب ۳/ ۲۴۳۵، المصباح المنیر، المعجم الوسیط ۱/ ۵۱۳، بحوالہ حاشیہ شامی ۷/ ۵۲۰)۔

چونکہ لوگوں کو سونے چاندی میں رغبت اسی لیے ہوتی ہے کہ اس سے مال میں زیادتی واضافہ ہوتا ہے، اس لیے اس معاملہ کو صرف کہا جاتا ہے (الکفایۃ مع الفتح ۷/ ۳۶)۔

یا بیع صرف میں متعاقدین اثمان کو تبدیل کرتے ہیں، اس لیے اسے بیع صرف کہا جاتا ہے (المقدمات الممہدات ۴/ ۱۳۵)۔

صرف کی اصطلاحی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

"**الصرف هو البيع إذا كان واحد من عوضيه من جنس الأثمان**" (ہدایہ ۳/ ۱۰۴)۔

(صرف وہ بیع ہے جس میں عوضین (ثمن ومبیع) میں سے ہر ایک اثمان کی جنس سے ہوں)۔

اس کی شرح میں علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

"**وإنما قال من الأثمان ولم يقتصر على قوله بيع ثمن بثمن ليدخل بيع المصوغ بالمصوغ أو بالنقد فإن المصوغ بسبب ما اتصل من الصنعة به لم يبق ثمنا صريحا ولهٰذا يتعين في العقد و مع ذلک بيعه صرف**" (فتح القدیر ۷/ ۱۲۶)۔

(صاحب ہدایہ نے جنس اثمان کہا، اس پر اکتفاء نہیں کیا کہ وہ ثمن کی ثمن سے بیع ہے، تاکہ اس صورت کو بھی صرف میں داخل کریں، جب (سونے اور چاندی کی) ڈھلی ہوئی اشیاء کی بیع ڈھلی ہوئی اشیاء یا نقود (بے ڈھلے سونا چاندی) سے ہو، اس لیے کہ ڈھلی ہوئی اشیاء صنعت سے متصل ہوجانے کی وجہ سے اگرچہ صراحتاً ثمن باقی نہیں رہیں، اسی لیے وہ عقد بیع میں متعین بھی ہوجاتی ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کی بیع بھی بیع صرف ہے)۔

☆ دار العلوم الٰہیہ شاہ فیصل کالونی صورہ سری نگر کشمیر۔

درمختار میں بیع صرف کی تعریف اس طرح ہے:

"بیع الثمن بالثمن ای ماخلق للثمنیة و منه المصوغ جنسا"(الدرالمختار مع الشامی ۷/۵۲۰)۔

صرف شرعاً ثمن سے ثمن کی بیع ہے یعنی وہ ثمن جو خلقۃً ثمن ہوں، انہیں میں ڈھلی ہوئی اشیاء ہیں جنس کے اعتبار سے۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"الصرف فی متعارف الشرع اسم لبیع الاثمان المطلقة بعضها ببعض وهو بیع الذهب بالذهب و الفضة بالفضة و احد الجنسین بالآخر"(بدائع الصنائع ۴/۴۵۳)۔

(شرع میں بیع صرف مطلق اثمان کی آپس میں بیع کا نام ہے یعنی سونے کی سونے سے اور چاندی کی چاندی سے اور ایک کی دوسری جنس سے)۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

"هو تبایع ذهب أو فضة"(لغۃ الفقہ/۱۷۵)(یہ سونے یا چاندی کی آپس میں بیع ہے)۔

علامہ زرکشیؒ فرماتے ہیں:

"بیع الأثمان بعضها ببعض"(شرح الزرکشی علی مختصر الخرقی ۳/۲۷۴)(اثمان کی آپس میں بیع صرف کہلاتی ہے)۔

مالکیہ کی مشہور کتاب "الفواکہ الدانی" میں ہے:

"بیع الذهب بالفضة أو الفضة بالذهب أو أحدهما بالفلوس"(۲/۷۹)(سونے کی چاندی یا چاندی کی سونے سے یا ان دونوں کی فلوس سے بیع کا نام صرف ہے)۔

علامہ عبدالرحمٰن جزیریؒ فرماتے ہیں:

"الصرف هو بیع الذهب بالذهب و الفضة بالفضة أو بیع أحدهما بالآخر"(کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ۲/۲۷۰)(صرف وہ سونے سے سونے اور چاندی سے چاندی کی بیع یا ان دونوں میں سے ایک کی دوسرے کے ساتھ بیع ہے)۔

معلوم ہوا کہ بیع صرف ایسی بیع کو کہا جائے گا جس میں دونوں جانب سے ثمن ہو اور درمختار کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ ثمن خلقتاً ثمن ہو جس کی وضاحت علامہ کاسانیؒ اور علامہ جزیریؒ کی عبارات میں آ گئی کہ بیع صرف کی تین صورتیں ہیں: (۱) سونے کی بیع سونے سے، (۲) چاندی کی بیع چاندی سے (۳) اور ان دونوں میں سے ایک کی دوسرے کے ساتھ

علامہ ابن ہمامؒ کے کلام سے یہ بھی واضح ہوا کہ سونا اور چاندی میں بیع صرف کے لیے سونا چاندی کا ڈھلا اور بے ڈھلا ہونا برابر ہے، یعنی دونوں صورتوں میں اسے بیع صرف کہا جائے گا، دیگر فقہاء کے ہاں بھی اس میں کوئی فرق نہیں کہ سونا اور چاندی ڈھلے ہوئے ہوں یا بغیر ڈھلے دونوں صورتوں میں اگر ان کا تبادلہ ہو رہا ہے تو اسے بیع صرف کہا جائے گا، چنانچہ مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

"أجمع الفقهاء أن الذهب و الفضة إن کا نا فی صورة التبر أو کانا مسکوکین فی صورة الدینار و الدرهم فان تبادلهما صرف سواء وقع التبادل بجنسها مثل الدینار بالدینار و تبر الذهب بتبر الذهب أو بخلاف جنسها مثل الدینار بالدرهم و تبر الذهب بتبر الفضةاما اذا کان الذهب و الفضة مصوغین مثل

الحلی و الاوانی المصوغة من الذهب و الفضة فالجمهور علی انه صرف وھو فی حکم التبر و المسکوک سواء بسواء ...... وھو المختار فی المذاھب الأربعة و جماھیر العلماء"(فقہ البیوع ۲/ ۷۰۸)۔

(فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ سونا چاندی اگر ڈھلے کی شکل میں ہوں یا دینار و درہم کی صورت میں نوٹ بنائے گئے ہوں تو ان کا آپسی تبادلہ بیع صرف ہے، یہ تبادلہ اسی جنس کے ساتھ ہو جیسے دینار کو دینار اور سونے کے ڈھیلے کو سونے کے ڈھیلے کے ساتھ یا خلاف جنس کے ساتھ جیسے دینار کو درہم اور سونے کے ڈھیلے کو چاندی کے ڈھیلے کے ساتھ بہر حال جب سونا اور چاندی ڈھلے ہوئے ہوں جیسے سونے چاندی کے زیورات یا برتن تو جمہور کے ہاں یہ صرف ہے، یہ ڈھیلے اور بنے ہوئے کے حکم میں ہیں برابر برابر ہونے میں...... مذاہب اربعہ اور جمہور علماء کے ہاں یہی مختار و پسندیدہ ہے)۔

نوٹ: لیکن مالکیہ کی کتاب الفواکہ الدانی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر سونا چاندی کی بیع فلوس سے ہو تو وہ بھی صرف ہے لیکن مالکیہ کے مشہور محققین علامہ دسوقی مالکیؒ اور ابن جزیریؒ نے بیع صرف کی تعریف میں فلوس کا اضافہ نہیں کیا ہے (دیکھئے: حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/ ۴۱، القوانین الفقہیۃ/ ۱۶۵)۔

بیع صرف کی شرائط:

بیع صرف بھی دیگر بیوعات کی طرح ہے، لہٰذا اس میں بھی وہی شرائط و قیود ہیں جو دیگر بیوعات میں ہیں، لیکن چوں کہ یہ ایک خاص قسم کی بیع ہے، اس لئے اس میں کچھ مزید شرطیں بھی ہیں، چنانچہ "درمختار" میں ہے:

"**ویشترط عدم التاجیل و الخیار و التماثل ای التساوی وزنا و التقابض بالبراجم لا بالتخلیة قبل الافتراق**"(الدرالمختار ۷/ ۵۲۱)۔

(بیع صرف میں تاجیل اور خیار کا نہ ہونا اور تماثل یعنی وزن میں برابری اور جدائیگی سے پہلے تقابض بالفعل شرط ہے نہ کہ محض تخلیہ)۔

"ہندیہ" میں ہے:

"**و اما شرائطه فمنھا: قبض البدلین قبل الافتراق ...... و منھا: ان لایکون فی ھذا العقد خیار الشرط لاحدھما و منھا: ان لا یکون فی ھذا العقد اجل**" (الفتاوی الہندیہ ۳/ ۲۰۳)۔

(اور بیع صرف کی شرطیں، تو ان میں سے جدائیگی سے پہلے عوضین پر قبضہ کرنا ہے، اور یہ کہ اس عقد میں خیار شرط نہ ہو، اور یہ کہ اس عقد میں تاجیل نہ ہو)۔

علامہ حصکفیؒ نے چار شرطیں ذکر فرمائی ہیں یعنی تقابض، تماثل، عدم خیار شرط اور عدم تاجیل، لیکن بعض حضرات نے تین شرطیں جبکہ دیگر کچھ حضرات نے زائد شرطیں ذکر فرمائی ہیں، ہم ان شرطوں کی مختصر وضاحت کرتے ہیں۔

پہلی شرط: متعاقدین کا عوضین پر مجلس عقد میں قبضہ کرنا:

بیع صرف کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے کہ متعاقدین مجلس عقد میں ہی اپنے عوض پر قبضہ کریں، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ

کا ارشاد ہے:

"**الذهب بالذهب ربا الا ها ء وهاء**" (بخاری کتاب البیوع حدیث:۲۱۷۴،عمر بن الخطاب) (سونا سونے کے بدلہ میں اگر نقد نہ ہو تو سود ہے)۔

"**لا تبیعوا الذهب بالذهب الا مثلا بمثل و لا تشفوا بعضها علی بعض و لا تبیعوا الورق بالورق الا مثلا بمثل و لا تشفوا بعضها علی بعض و لا تبیعوا غائبا بناجز**" (بخاری کتاب البیوع عن ابی سعید، حدیث نمبر:۲۱۷۷)۔

(سونے کو سونے کے بدلے اس وقت تک نہ بیچو جب تک دونوں طرف سے برابر برابر نہ ہو اور ان میں کمی زیادتی نہ کرو اور چاندی کو چاندی کے بدلے اس وقت تک نہ بیچو جب تک دونوں طرف سے برابر برابر نہ ہو اور ان میں کمی زیادتی نہ کرو اور نقد کو ادھار کے بدلے نہ بیچو)۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

"**ولا بد من قبض العوضین قبل الافتراق باجماع الفقهاء**" (فتح القدیر ۷/۱۲۹، ومثلہ فی البنایۃ للعینی ۷/۵۰۳)۔

(جدائیگی سے پہلے عوضین پر قبضہ کرنا فقہاء کے اجماع کی وجہ سے ضروری ہے)۔

علامہ باجیؒ فرماتے ہیں:

"**فاما التفرق قبل القبض فلا خلاف فیه بین الفقهاء نعلمه فی انه یفسد العقد**" (المنتقی ۴/۲۷۱)۔

(قبضہ سے پہلے متعاقدین کا جدا ہوجانا عقد کو فاسد کردے گا اس میں فقہاء کے کسی بھی اختلاف کا علم ہمیں نہیں ہے)۔

معلوم ہوا کہ بیع صرف کے لیے ایک شرط یہ ہے کہ متعاقدین مجلس عقد میں ہی عوضین پر قبضہ کریں، اس شرط کے ضمن میں دو باتیں قابل غور ہیں۔

۱- متعاقدین کا ایک ہی مجلس عقد میں ہونا ضروری ہے، اگر متعاقدین میں سے کوئی دوسری جگہ ہو جیسے آج کل کے زمانے میں فون کے ذریعے، فیکس یا انٹرنیٹ کے ذریعہ تو اسے ایک ہی مجلس تصور نہیں کیا جائے گا، چنانچہ علامہ کاسانیؒ صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں:

"**ولو نادیٰ احدهما صاحبه من وراء جدار او ناداه من بعید لم یجز الصرف لانهما مفترقان بابدانهما عند العقد**" (بدائع الصنائع ۴/۴۵۳، ۴۵۴)۔

(اگر متعاقدین میں سے ایک نے اپنے ساتھی کو دیوار کے پیچھے سے آواز دی یا دور سے آواز دی تو بیع صرف جائز نہیں کیوں کہ متعاقدین عقد کے وقت اپنے جسم کے اعتبار سے جدا ہیں)۔

"ہندیہ" میں ہے:

"**وكذلك لو تصارفا بالرسالة لانهما متفرقان بابدانهما كذا فی محیط السرخسی**" (۳/۲۰۳)۔

(اسی طرح اگر متعاقدین نے خط وکتابت کے ذریعے بیع صرف کی تو جائز نہیں کیوں کہ متعاقدین آپس میں جدا ہیں)۔

معلوم ہوا کہ یہاں اتحاد مجلس سے اتحاد ابدان مراد ہے، اگر اتحاد مجلس نہیں ہے یا متعاقدین میں سے کوئی ایک اٹھ کر چلا گیا

تو بیع باطل ہوگی، علامہ جزیریؒ فرماتے ہیں:

"فان افترقا بابدانهما قبل القبض فقد بطل العقد" (کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ۲/۲۷۱)۔

(اگر متعاقدین قبضہ سے پہلے جدا ہو گئے تو عقد باطل ہوگا)۔

۲- درمختار کی عبارت میں "التقابض بالبراجم" کی عبارت لاکر "تقابض فی المجلس" کو مزید مؤکد کر دیا کیوں کہ احناف کے ہاں بلکہ تمام حضرات فقہاء کے ہاں تخلیہ کافی ہے، حالانکہ تخلیہ میں حقیقی قبضہ ضروری نہیں، لیکن بیع صرف میں بالفعل تقابض کو شرط قرار دیا گیا ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"قوله :لا بالتخلية اشار الى ان التقييد بالبراجم للاحتراز عن التخلية و اشتراط القبض بالفعل لا خصوص البراجم حتى لو وضعه فى كفه او فى جيبه صار قابضا" (شامی ۷/۵۲۱)۔

(ماتن کا یہ کہنا کہ محض تخلیہ سے قبضہ نہیں ہوگا، یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ہاتھوں سے قبضہ کی قید تخلیہ سے احتراز کے لیے ہے اور بالفعل قبضہ شرط ہے نہ کہ ہاتھوں (کی انگلیوں کے جوڑ) سے، یہاں تک کہ اگر اس کی ہتھیلی میں رکھا یا جیب میں تو یہ بھی قبضہ ہے)۔

علامہ ابن قدامہ مقدسیؒ فرماتے ہیں:

"اذا كان المبيع دراهم او دنانير فقبضها باليد" (الشرح الکبیر علی المقنع مع المغنی ۴/۱۳)۔

(جب مبیع دراہم یا دنانیر ہو تو ان کا قبضہ بالید ہوگا)۔

معلوم ہوا کہ بیع صرف میں قبضہ بالفعل یعنی حقیقی قبضہ شرط ہے صرف تخلیہ معتبر نہیں، حالاں کہ دیگر بیوعات میں تخلیہ بھی کافی ہو جاتا ہے۔

تقابض صحت عقد کی شرط یا بقاء عقد کی:

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیع صرف میں متعاقدین کا مجلس عقد میں عوضین پر قبضہ کرنا شرط ہے، لیکن یہ صحت عقد کی شرط ہے یا بقاء عقد کی؟

اس میں اختلاف ہے، جمہور علماء اسے بقاء عقد کی شرط قرار دیتے ہیں، جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ صحت عقد کی شرط ہے۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"وشرط القبض هنا هو شرط بقائه على الصحة" (بدائع الصنائع ۵/۲۱۹)۔

(قبضہ کی شرط یہاں بقاء عقد کے صحیح ہونے کی شرط ہے)۔

علامہ رملیؒ فرماتے ہیں:

"التقابض شرط لدوام العقد" (نہایۃ المحتاج ۳/۴۲۵) (تقابض دوام عقد کی شرط ہے)۔

اس اختلاف کا ثمرہ یہ ہوگا کہ اگر ہم اسے صحت عقد کی شرط قرار دیں تو عقد کے فوراً بعد قبضہ شرط ہوگا اور اگر کچھ دیر بعد قبضہ

کیا گیا تو وہ صحیح نہیں ہوگا اس لیے ہمیں یہاں قبل الافتراق کی قید کا اضافہ کرنا پڑتا ہے، تاکہ متعاقدین کے لیے آسانی ہو ورنہ حرج لاحق ہوگا۔ اور اگر ہم اسے بقاء عقد کی شرط قرار دیتے ہیں تو پھر اس قید کا اضافہ نہیں کرنا پڑے گا (تبیین الحقائق ۴/۲۳۵)۔

دوسری شرط: مقدار میں برابری:

بیع صرف میں دوسری شرط یہ ہے کہ اگر سونے کو سونے اور چاندی کو چاندی کے بدلے بیچا جا رہا ہے تو مقدار میں برابری ہو، اگر وزن میں برابری نہیں تو عقد صحیح نہیں ہوگا، ہاں اگر عمدگی اور ساخت میں کمی بیشی ہو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، چنانچہ حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں اس کی صراحت گزر چکی ہے۔

نیز حضرت ابورافعؓ کی روایت ہے:

"عن ابی رافعؓ قال: خرجت بخلخال فضة لامرأتی ابیعه فلقینی ابوبکرؓ فاشتراه منی ، فوضعته فی كفة الميزان و وضع ابوبكرؓ دراهمه فی كفة الميزان و كان الخلخال اثقل منها قليلا، فدعا بمقراض ليقطعه فقلت : يا خليفة رسول الله ﷺ هو لک، فقال: يا ابا رافعؓ انی سمعت رسول الله ﷺ قال: الذهب بالذهب وزنا بوزن و الزائد و المستزيد فی النار" (مصنف عبدالرزاق ۳/۱۲۴، مصنف ابن ابی شیبہ ۸/۲۹۹)۔

(میں اپنی بیوی کا چاندی والا پازیب بیچنے نکلا، مجھے حضرت ابوبکرؓ مل گئے تو انہوں نے وہ مجھ سے خریدا تو میں نے اسے ترازو کے ایک پلڑے میں اور حضرت ابوبکرؓ نے اپنے دراہم دوسرے پلڑے میں رکھے، پازیب دراہم سے تھوڑا وزن میں زیادہ تھا، تو حضرت ابوبکرؓ نے اسے کاٹنے کے لیے ایک قینچی منگائی، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ کے خلیفہ! یہ آپ لے لیں تو انہوں نے فرمایا: اے ابورافعؓ! میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: سونا سونے کے بدلے برابر وزن میں بیچا جائے، زائد اور زیادتی طلب کرنے والا دوزخ میں ہوں گے)۔

علامہ مرغینانیؒ فرماتے ہیں:

"فان باع فضة بفضة او ذهبا بذهب لايجوز الا مثلا بمثل و ان اختلفا فی الجودة و الصياغة" (ہدایہ ۳/۱۰۴)۔

(پس اگر چاندی کو چاندی یا سونے کو سونے کے بدلے بیچا تو جائز ہے، مگر برابر برابر اگرچہ عمدگی اور ساخت میں مختلف ہوں)۔

علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ فرماتے ہیں:

"واجمع العلماء على ان الذهب تبره و عينه سواء لايجوز التفاضل فی شیء منه و كذلک الفضة تبرها و عينها و مصنوع ذلک كله و مضروبه لا يحل التفاضل فی شیء منه" (الاستذکار ۱۹/۱۹۳)۔

(تمام علماء کا اجماع ہے کہ سونا ڈھیلا ہو یا عین دونوں برابر ہیں، ان میں سے کسی میں تفاضل جائز نہیں، اسی طرح چاندی ڈھیلے یا عین اور ڈھلا ہوا اسی طرح سکہ ان تمام میں کمی بیشی حلال نہیں)۔

معلوم ہوا کہ سونا یا چاندی، ڈھیلے کی شکل میں ہوں یا زیورات وکرنسی کی شکل میں تمام صورتوں میں مقدار کی برابری شرط ہے، اگر عمدگی اور ساخت میں اختلاف ہوتو کوئی حرج نہیں۔

تیسری شرط: خیار شرط کا نہ ہونا:

بیع صرف کی ایک شرط خیار شرط کا نہ ہونا بھی ہے کیوں کہ اس عقد میں مجلس میں قبضہ کرنا شرط ہے اور خیار شرط کی صورت میں قبضہ مکمل نہیں ہوتا اور جب قبضہ نہیں پایا گیا تو عقد ہی فاسد ہوگیا، ہاں البتہ خیار عیب اس میں مخل نہیں اس لیے عقد صرف میں اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں:

"ولا یجوز فی شیء من الصرف تاخیر ساعة فما فوقها، و لا ان یتواری احدهما عن صاحبه قبل التقابض ولا تجوز فیه حوالة ولا ضمان و لا خیار و لا عدة و لا شیء من النظرة ولا یجوز الا هاء وهاء و یتقابضان فی مجلس واحد و وقت واحد" (الکافی فی فقہ اہل المدینۃ ۳۰۳)۔

(صرف میں ایک گھڑی کی تاخیر یا اس سے زیادہ جائز نہیں اور نہ ہی یہ کہ تقابض سے پہلے متعاقدین میں سے کوئی اپنے ساتھی سے چھپا ہو، اور بیع صرف میں حوالہ، ضمان، خیار اور وعدہ اور کسی بھی قسم کی مہلت جائز نہیں، اور بیع صرف جائز نہیں مگر نقد اور متعاقدین ایک ہی وقت میں مجلس عقد میں عوضین پر قبضہ کریں)۔

معلوم ہوا کہ عقد صرف میں عدم خیار شرط بھی ضروری ہے، نیز بعض علماء نے عدم تاجیل کا اضافہ بھی بطور شرط فرمایا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ اصل حقیقی شرطیں دو ہی ہیں یعنی تقابض فی المجلس اور تماثل کیوں کہ خیار اور تاجیل عدم تقابض کی وجہ سے ہی جائز نہیں، جب خیار شرط ہوگا یا تاجیل تو تقابض فی المجلس حقیقتاً مفقود ہوگا۔

بیع صرف میں وکالت:

احناف، شوافع اور حنابلہ کے یہاں بیع صرف میں قبضے اور ادائیگی کے لیے توکیل جائز ہے، کیوں کہ یہ بھی دیگر بیوعات کی طرح ہے، نیز احادیث میں بھی اس کی صراحت ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے بیع صرف میں دوسرے شخص کو وکیل بنایا ہے، نیز بیع صرف میں توکیل کے جواز پر امت کا اجماع بھی ہے (فتح الباری ۴/۴۸۱)۔

بیع صرف میں توکیل کی دو صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ مجلس عقد مکمل ہونے کے بعد متعاقدین قبضہ کے لیے کسی کو وکیل بنائیں اور خود جدا ہو جائیں اور یہ وکیل ان کی جدائیگی کے بعد قبضہ کرے یہ صورت جائز نہیں کیوں کہ یہ پہلی شرط کے منافی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مجلس عقد میں ہی متعاقدین کی موجودگی میں وکیل قبضہ کرے یہ درست ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: المبسوط للسرخسی ۴/۶۰، روضۃ الطالبین ۳/۳۸۱، کشاف القناع ۳/۲۶۶)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر دو شخص انٹرنیٹ یا فون کے ذریعہ عقد کر رہے ہوں اور عقد کے دوران ہی ان کے وکیل بدلین پر قبضہ کریں تو یہ جائز ہے۔

کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت:

چونکہ سونے اور چاندی کے کچھ مسائل کرنسی نوٹ سے جڑے ہوئے ہیں، اس لیے مناسب ہے کہ کرنسی نوٹ کی حقیقت و حیثیت مختصراً بیان کردی جائے، نیز کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت جاننے کے لیے اس کا تاریخی پس منظر سامنے رکھنا نہایت ہی ضروری ہے۔

جن حضرات نے نوٹ کی تاریخی حیثیت سے اس پر حکم لگایا تو انہوں نے کرنسی نوٹ کو"حوالہ کا وثیقہ وسند" قرار دیا، جن میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ (امداد الفتاوی ۲/۵)، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانیؒ (آلات جدیدہ ص ۲۰۰)، حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحبؒ (قاموس الفقہ ۳/۵۸)، اور علامہ سید احمد بیگ حسینیؒ وغیرہ ہیں (فقہ البیوع ۲/۷۲۵)۔

اور جن حضرات نے اس حیثیت سے اس پر غور کیا کہ کرنسی نوٹ پہلے سند اور وثیقہ تھے لیکن اب عرف وقانون کی بنا پر یہ خود ثمن کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں، تو انہوں نے کرنسی نوٹ کو"ثمن اصطلاحی" قرار دیا، ان حضرات میں علامہ فتح محمد صاحب لکھنویؒ اور ان کے فرزند مفتی سعید احمد لکھنویؒ ہیں اور علامہ فتح محمد صاحبؒ نے اپنے استاذ حضرت علامہ عبدالحیی لکھنویؒ کی طرف بھی یہ منسوب کیا ہے، جس کی تائید ان کے فتاوی سے بھی ہوتی ہے (دیکھئے: الناس إلی رفع الحوائج بسکۃ القرطاس مطبوعہ مع عطر ہدایہ ص ۲۱۷ تا ۲۲۳، بحوالہ فقہ البیوع ۲/۷۲۶)۔

اپنے اپنے زمانے کے اعتبار سے یہ دونوں اقوال درست ہیں، کیوں کہ شروع میں یہ نوٹ بطور وثیقہ اور رسید دئے جاتے تھے، لیکن پھر جب سرمایہ داروں نے دیکھا کہ اب لوگ ہماری رسیدوں سے ہی خرید وفروخت کرتے ہیں تو انہوں نے رسیدیں بکثرت دیدیں یہاں تک کہ حکومتوں کو اسے اپنے اختیار میں لینا پڑا اور بطور ثمن عرفی اس کو رائج کرنا پڑا، پہلے پہل تو لوگوں نے اور پھر حکومتوں نے اسے باضابطہ ثمن قرار دیا، اور اسے قبول کرنا عوام پر لازم کردیا گیا، تو جن حضرات نے اس کی پہلی حیثیت کی بنا پر اپنے زمانہ میں ان کے وثیقہ ہونے کا فتوی دیا وہ بھی صحیح تھے اور جنہوں نے اس کے آخری دور کے اعتبار سے فتوی دیا وہ بھی درست ہیں، چنانچہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

"والظاهر ان كلا القولين مصيب بالنظر الى ازمنة مختلفة فلا شک ان هذه الاوراق كانت سندات دين فى مبدأ الامر و لم تاخذ صفة الاثمان قانونا و حينئذ كان القول الاول هو المتعين اما بعد ما اكتسبت هذه الاوراق صفة قانونية بحيث يُجبر الناس على قبولها فى افتقاء حقوقهم المالية فالقول الثانى هو الراجح" (فقہ البیوع ۲/۷۲۶-۷۲۷)۔

(ظاہر بات یہ ہے کہ دونوں قول مختلف زمانوں کے اعتبار سے درست ہیں، کیوں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ شروع میں یہ نوٹ دین کی رسیدیں تھیں اور قانونی حیثیت اختیار نہیں کی تھی تو اس وقت پہلا ہی قول متعین تھا، لیکن جب نوٹوں نے قانونی حیثیت اختیار کی کہ لوگوں کو اپنے مالی حقوق کے حصول کے لیے ان کے لینے پر مجبور کیا گیا تو دوسرا قول راجح ہوگیا)۔

ثمن کی قسمیں:

ثمن کی دو قسمیں: (۱) ثمن حقیقی (خلقی) (۲) ثمن اصطلاحی۔

ثمن خلقی وہ ثمن جس کی پیدائش ہی بطور ثمن ہو یہ سونا اور چاندی ہیں، اور ثمن اصطلاحی کا مطلب یہ ہے کہ سونا چاندی کے علاوہ کسی زمانے میں لوگ کسی چیز کو ثمن قرار دینے پر متفق ہوجائیں یا کوئی حکومت کسی چیز کو ثمن قرار دے جیسے فلوس (دیکھئے: قاموس الفقہ ۵۹/۳)۔

کرنسی نوٹ ثمن حقیقی ہیں یا اصطلاحی؟

اس وقت تقریباً تمام علماء عرب وعجم کا اتفاق ہے کہ نوٹ ثمن کی حیثیت اختیار کر چکا ہے، لیکن یہ ثمن کی کون سی قسم ہے، اس میں اختلاف ہے۔

پہلا قول:

بعض علماء فرماتے ہیں: چوں کہ آج پورا کاروبار صرف نوٹ ہی کے ذریعے ہوتا ہے، لہٰذا کرنسی نوٹ نے آج کے زمانے میں سونا چاندی کی حیثیت اختیار کی ہے، اسی لیے ان میں زکوۃ واجب بھی ہوتی ہے اور ادا بھی، بیع سلم میں راس المال بھی بن سکتے ہیں اور اس میں بیع صرف کے احکام بھی جاری ہوں گے، یعنی ان حضرات کے یہاں کرنسی نوٹ ثمن حقیقی کی ایک مستقل قسم کی حیثیت رکھتے ہیں، اب یہ سونا اور چاندی کے علاوہ تیسرا ثمن حقیقی ہے، چنانچہ مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ نے اپنے پانچویں اجلاس کی قرارداد میں تحریر کیا ہے:

''ان مجلس الفقه الاسلامی یقرر ان العملة الورقیة نقد قائم بذاته له حکم النقدین من الذهب و الفضة فتجب الزکوة فیها و یجری الربا علیها بنوعیه فضلا و نسیئا کما یجری ذلک فی النقدین من الذهب و الفضة تماما باعتبار الثمنیة فی العملة الورقیة قیاسا علیها و بذلک تاخذ العملة الورقیة احکام النقود فی کل الالتزامات التی تفرضها الشریعة فیها'' (قرارات مجمع الفقہ الاسلامی الدورۃ الخامسۃ القرار السادس ص ۱۰۰-۱۰۱)۔

(اسلامی فقہ اکیڈمی طے کرتی ہے کہ کرنسی نوٹ بذات خود نقد ہے اور اس پر سونے چاندی کا حکم جاری ہوگا، چنانچہ اس پر زکوۃ واجب ہوگی اور اس میں زیادتی اور ادھار دونوں قسم کے سود جاری ہوں گے، جیسے کہ یہ سب ہی کچھ نقدین سونے اور چاندی میں جاری ہوتے ہیں، کرنسی نوٹ کو اس کے وصف ثمنیت کا اعتبار کرتے ہوئے اسی نقدین پر قیاس کریں گے اور اسی وصف ثمنیت کی وجہ سے کرنسی نوٹ سونے چاندی کے وہ سارے احکام لے لے گا جو اس سلسلے میں شریعت ضروری قرار دیتی ہے)۔

دوسرا قول:

علماء کی ایک جماعت بلکہ برصغیر کے جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ نوٹ ثمن عرفی واصطلاحی ہیں۔

چونکہ ثمن عرفی کے سلسلے میں متقدمین کا مشہور اختلاف ہے، جس میں ایک طرف جمہور شوافع، حنابلہ اور شیخین ہیں اور دوسری طرف امام محمدؒ ہیں۔ جمہور فلوس کی آپسی بیع میں تفاضل کو جائز قرار دیتے ہیں، جبکہ امام محمدؒ عدم جواز کے قائل ہیں، اس لیے ہمارے زمانہ کے علماء میں بھی اس سلسلے میں اختلاف ہوا، کچھ حضرات جمہور کی روایت کے مطابق فلوس کے احکام کرنسی نوٹ پر جاری کرتے ہیں جبکہ دیگر حضرات امام محمدؒ کی روایت کے مطابق۔

اس اختلاف کا ثمرہ یہ ہوگا کہ جمہور والے قول کے قائلین کے ہاں کرنسی نوٹوں کی آپسی بیع میں تفاضل جائز ہوگا اور امام محمدؒ کی روایت کے مطابق ناجائز۔

کیا کرنسی نوٹ پر بیع صرف کے احکام جاری ہوں گے؟

کرنسی نوٹ پر صرف کے احکام جاری ہوں گے یا نہیں؟ اس سلسلے میں وہ حضرات جو نوٹ کو حقیقی ثمن قرار دیتے ہیں، ان کے ہاں اس پر بیع صرف کے احکام جاری ہوں گے۔

لہٰذا ان کے ہاں کرنسی نوٹ کی آپسی بیع میں تقابض فی المجلس اور تماثل بھی ضروری ہوگا اور اختلاف جنس کے وقت مثلاً ایک ملک کی کرنسی کا اگر دوسرے ملک کی کرنسی سے یا سونے چاندی سے تبادلہ ہو تو تقابض شرط ہوگا البتہ کمی بیشی جائز ہوگی، چنانچہ ''مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ'' نے اپنے پانچویں اجلاس کی قرارداد میں تحریر فرمایا:

''لا يجوز بيع الورق النقدى بعضه ببعض أو بغيره من الاجناس النقدية الاخرى من ذهب أو فضة أو غيرهما نسيئة مطلقا'' (قرارات المجمع الفقہ الاسلامی الدورۃ الخامسۃ القرار السادس ص ۱۰۱)۔

(کرنسی نوٹ کا باہمی تبادلہ یا دوسری جنس کے نقود جیسے سونے چاندی کے ساتھ ادھار تبادلہ قطعاً جائز نہیں)۔

اور اگر کرنسی کو ثمن اصطلاحی قرار دیا جائے اور اس پر فلوس کے احکام جاری کئے جائیں تو شوافع، حنابلہ اور شیخین کی روایت کے مطابق اس میں بیع صرف کے احکام جاری نہ ہوں گے نہ ہی تقابض و تماثل کی شرط ہوگی نہ ہی عدم خیار شرط اور عدم تاجیل ضروری۔

اور امام محمدؒ کی روایت کے مطابق بھی بیع صرف کے احکام جاری نہ ہوں گے البتہ اگر اسے اپنی جنس کے ساتھ بیچا جائے تو تماثل و تقابض ضروری ہوگا، اس لیے نہیں کہ یہ بیع صرف ہے بلکہ اتحاد جنس کی وجہ سے کیوں کہ احناف کے ہاں اتحاد جنس علت ربا ہے، اور اگر اپنی جنس کے علاوہ دوسرے ملک کی کرنسی کے ساتھ بیچا جائے تو نہ تو تماثل ضروری ہے نہ ہی تقابض البتہ احد العوضین پر قبضہ لازم ہوگا، چنانچہ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

''و لو لم يوجد القبض الا من احد الجانبين دون الآخر فافترقا مضى العقد على الصحة لان المقبوض صار عينا بالقبض فكان افتراقا عن عين بدين'' (بدائع الصنائع ۴/ ۴۸۷)۔

(اگر قبضہ صرف ایک جانب سے پایا گیا پھر متعاقدین جدا ہوگئے تو عقد صحیح ہوگا کیوں کہ مقبوض قبضہ کی وجہ سے متعین ہوگیا اور یہ جدائیگی ادھار لے بدگے نقد والی ہوگی)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

''فالحاصل ان بيعت الفلوس بجنسها يشترط التقابض لا لكونه صرفا بل لوجود احد علتى الربا وهو الجنس، اما اذا بيعت بخلاف جنسها جاز بقبض احد البدلين فى المجلس و لم يجز بدون ذلك'' (فقہ البیوع ۲/ ۷۲۲، ۷۲۱)۔

(حاصل بحث یہ ہے کہ اگر فلوس کا تبادلہ اپنی جنس کے ساتھ ہو تو تقابض شرط ہوگا، اس لیے نہیں کہ صرف ہے بلکہ ربا کی دو

علتوں میں سے ایک کے پائے جانے کی وجہ سے اور وہ جنسیت ہے، بہر حال جب خلاف جنس کے ساتھ تبادلہ ہو تو احد البدلین پر مجلس میں قبضہ کر کے جائز ہوگا اس کے بغیر جائز نہیں)۔

اگر پہلے موقف کو اختیار کیا جائے تو اس میں کئی مشکلات ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نوٹ کے ذریعہ سونا چاندی خریدنے کی صورت میں تقابض فی المجلس شرط ہوگا، لہٰذا نوٹ کے ذریعہ سونا چاندی کی بیع ادھار جائز نہیں ہوگی، نیز اس کے علاوہ لوگوں کو اس میں بہت سی مشکلات بھی پیش آتی ہیں، لیکن اس موقف کے قائلین نے اس کو جائز قرار دینے کے لیے دور کی تاویلات کا سہارا لیا ہے۔

دوسرے موقف میں اگر جمہور کی رائے کو اختیار کیا جائے تو اس میں ربا کا چور دروازہ کھل جائے گا، کیوں کہ ان کے زمانے میں تو فلوس کے ذریعہ تجارت بہت ہی محدود تھی اور ہمارے زمانے میں کرنسی نوٹ ہی ذریعہ تجارت ہیں، لہٰذا آج کے زمانے کے لحاظ سے اس میں بڑی مشکلات ہیں، چنانچہ ماضی میں بھی علماء ماوراء النہر جمہور کے قول کو چھوڑ کر حرمت تفاضل کے قائل ہو گئے ہیں، ان کے زمانہ میں عدالی اور غطارفہ کی مثال ہمارے لئے کافی ہے، یہ وہ سکے تھے جن میں کھوٹ زیادہ تھا تو اس میں تفاضل اس طور پر درست تھا کہ اسے خلاف جنس کی طرف پھیرا جائے لیکن علماء ماوراء النہر نے اس کے عدم جواز کا فتوی دیدیا اور دلیل دی۔

"انہا اعز الاموال فی دیارنا فلو ابیح التفاضل فیہ یفتح باب الربا"۔

(یہ ہمارے یہاں عزیز ترین اموال میں سے ہیں تو اگر اس میں تفاضل مباح قرار دیا جائے تو سود کا دروازہ کھل جائے گا)۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

"فان الناس حینئذ یعتادون التفاضل فی الاموال النفیسۃ فیتدرجون الی ذلک النقود الخالصۃ فمنع ذلک حسما لمادۃ الفساد" (فتح القدیر ۶/۲۷۵)۔

کیونکہ لوگ تب اموال نفیسہ میں کمی بیشی کے عادی ہوں گے اور پھر اس میں خالص نقود کو بھی داخل کریں گے تو مادہ فساد کو ختم کرنے کے لیے اس کو ممنوع قرار دیا گیا۔

لہٰذا آج کے زمانہ کے لحاظ سے امام محمدؒ ہی کا قول راجح معلوم ہوتا ہے، نیز اس کے اختیار کرنے میں یہ پیچیدگیاں بھی نہیں ہیں، لہٰذا اگر کرنسی نوٹ کے ذریعہ سونا چاندی خریدا جائے تو ایک طرف فلوس ہونے کی وجہ سے اس پر بیع صرف کے احکام جاری نہیں ہوں گے، چنانچہ امام سرخسیؒ فرماتے ہیں:

"وا ن اشتری خاتم فضۃ او خاتم ذہب فیہ فص او لیس فیہ فص بکذا فلوسا، ولیست الفلوس عندہ فہو جائز ان تقابضا قبل التفرق او لم یتقابضا، لان ہذا بیع و لیس بصرف فانما افترقا عن عین بدین لان الخاتم یتعین بالتعیین بخلاف ما سبق فان الدراہم و الدنانیر لا تتعین بالتعیین فلہٰذا شرط ہناک قبض احد البدلین" (المبسوط باب البیع بالفلوس ۱۴/۲۵)۔

(اگر کچھ فلوس میں چاندی یا سونے کی انگوٹھی خریدی اس میں نگینہ ہو یا نہ ہو، اور اس کے پاس فلوس نہ ہوں تو جدا ہونے سے پہلے دونوں قبضہ کریں یا نہ کریں دونوں صورتوں میں جائز ہے، کیوں کہ یہ (عام) بیع ہے، صرف نہیں ہے، کیوں کہ وہ عین و دین کے

ساتھ جدا ہوگئے، کیوں کہ انگوٹھی تعیین سے متعین ہوتی ہے، برخلاف گزشتہ صورت کے کیوں کہ دراہم اور دنانیر تعیین سے متعین نہیں ہوتے ہیں اسی وجہ سے یہاں احدالبدلین کے قبضہ کی شرط ہے)۔

چنانچہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے بھی امام محمد کے قول کو ترجیح دی ہے۔

سونا چاندی ادھار خریدنے کا حکم:

جیسا کہ اوپر واضح ہوا کہ کرنسی نوٹ نہ تو ثمن حقیقی ہیں نہ ہی رسیدیں بلکہ یہ ثمن اصطلاحی ہیں، لہٰذا اگر نوٹ کے ذریعے سونا چاندی ادھار خریدا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن عوضین میں سے ایک پر قبضہ کرنا ضروری ہوگا تا کہ بیع الکالی بالکالی کے زمرہ میں نہ آئے، شامی میں ہے:

تنبیہ: "**سئل الحانوتی عن بیع الذهب بالفلوس فاجاب بانه یجوز اذا قبض احد البدلین**"(ردالمحتار ۷/۴۱۴)۔

(علامہ حانوتیؒ سے فلوس کے ذریعہ سونے کی بیع کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ جائز ہے جب بدلین میں سے ایک پر قبضہ کرے)۔

"ہندیہ" میں ہے:

"**روی الحسنؒ عن ابی حنیفةؒ اذا اشتری فلوسا بدراهم و لیس عند هذا فلوس و لا عند الآخر دراهم ثم ان احدهما دفع و تفرقا جاز، و ان لم ینقد واحد منها حتی تفرقا لم یجز کذا فی المحیط**"(الفتاوی الہندیہ ۳/۲۲۴)۔

(امام حسنؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کیا ہے کہ جب دراہم سے فلوس خریدے اور اس کے پاس فلوس نہ ہوں اور نہ ہی دوسرے کے پاس دراہم لیکن ان میں سے ایک نے مجلس میں عوض دیدیا اور جدا ہوگئے تو جائز ہے اور اگر ایک عوض نقد نہ دیں یہاں تک کہ جدا ہوجائیں تو جائز نہیں ہے)۔

"**لم یشترط فی بیع الفلوس بالدراهم او الدنانیر قبض البدلین قبل الافتراق و یکتفی بقبض احد البدلین**"(الفتاوی الہندیہ ۳/۲۰۹)۔

(فلوس کی دراہم ودنانیر سے تبادلہ میں بدلین پر قبضہ کرنا شرط نہیں ہے اس میں ایک بدل پر قبضہ کرنا کافی ہے)۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ کرنسی نوٹ اور سونے چاندی کی خرید وفروخت میں احدالعوضین پر قبضہ ضروری ہے اگر ایک چیز پر قبضہ نہ کیا تو پھر یہ بیع جائز نہیں نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ وقت عقد کی قیمت متعین اور طے ہونی چاہئے تا کہ اس کے ذریعہ ربا کا اندیشہ نہ رہے)۔

سونا چاندی کی مقررہ نرخ سے کم یا زیادہ خرید وفروخت:

اگر نوٹ کے ذریعہ سونا یا چاندی خریدا جائے اور اس میں مقامی یا بین الاقوامی یا حکومتی نرخ سے کمی یا زیادتی کے ساتھ خرید

وفروخت کی جائے تو یہ سود شمار ہوگا یا نہیں؟

اس سلسلے میں شریعت کے حکم تسعیر کو سمجھنا ہوگا تسعیر یعنی حکومت کی طرف سے نرخ مقرر کرنا۔

تسعیر کے بارے میں اصلاً تمام علماء کا اتفاق ہے کہ یہ جائز نہیں، کیوں کہ یہ ایسا عمل ہے جسے حضور پاک ﷺ نے مطالبہ کے باوجود نہیں کیا، چنانچہ علامہ کاسانیؒ نے تین دلائل سے تسعیر کے عدم جواز پر استدلال کیا ہے۔

۱-ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یاایھا الذین امنوا لا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم" (سورۂ نساء:۲۹)۔

(اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طریقے سے نہ کھاوالا یہ کہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے وجود میں آئی ہو(تو وہ جائز ہے))۔

۲-حضور پاک ﷺ کا فرمان ہے

"لا یحل ما امرء مسلم الا بطیب نفس منه" (أخرجہ احمد ۵/۷۲)(کسی مسلمان کا مال اس کی خوشی کے بغیر حلال نہیں)۔

۳-حضرت انسؓ کی روایت ہے:

"غلا السعر فی المدینة علی عهد رسول الله ﷺ فقال الناس: یا رسول الله ﷺ! غلا السعر فسعر لنا، فقال رسول الله ﷺ: ان الله هو المسعر القابض الباسط الرازق وانی لارجو ان القی الله و لیس احد منکم یطالبنی بمظلمة فی دم ولا مال" (أخرجہ أبوداؤد کتاب البیوع باب فی التسعیر حدیث:۳۴۵۳، الترمذی کتاب البیوع باب ما جاء فی التسعیر حدیث:۱۳۱۴)۔

(حضور پاک ﷺ کے زمانے میں مدینہ منورہ میں بھاؤ بڑھ گیا تو لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! بھاؤ بڑھ گیا ہے، آپ ﷺ ہمارے لئے بھاؤ متعین کردیں، تو حضور پاک ﷺ نے فرمایا: بھاؤ متعین کرنے والا، روکنے والا، کھولنے والا اور رزق دینے والا اللہ تعالیٰ ہے، اور میں اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملنا نہیں چاہتا ہوں کہ تم میں سے کوئی مجھ سے خون یا مال کے ظلم کے بارے میں مطالبہ کرنے والا ہو)۔

"فتاوی عالمگیری" میں ہے

"ولا یسعر بالاجماع الا اذا کان ارباب الطعام یتحملون و یتعدون عن القیمة و عجز القاضی عن صیانة حقوق المسلمین الا بالتسعیر فلا بأس به بمشورة اهل الرأی و البصر هو المختار و به یفتی" (۳/۲۰۰)۔

(تسعیر بالاجماع جائز نہیں، مگر جب غلے والے قیمت میں زیادتی کریں اور قاضی مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت سے بغیر تسعیر عاجز ہو تو اہل رای و دانش کے مشورہ سے تسعیر میں کوئی حرج نہیں، یہ پسندیدہ اور مفتی بہ ہے)۔

موسوعہ فقہیہ کویتیہ میں ہے:

"اختلف الفقهاء فی التسعیر فذهب الحنفیة و المالکیة الی ان لولی الامر ذلک اذاکان الباعة یتعدون القیمة و عجز القاضی عن صیانة حقوق المسلمین الا بالتسعیر بمشوة اهل الرای و البصروذلک لفعل عمرؓ حین مر بحاطب فی السوق فقال له : اما ان ترفع السعر واما ان تدخل بیتک فتبیع کیف شئت" (موسوعہ فقہیہ ۲۷/۹)۔

(تسعیر کے سلسلے میں فقہاء کا اختلاف ہے، احناف اور مالکیہ اس طرف گئے ہیں کہ اولی الامر کو اس کا اختیار ہے، جب کہ تجار قیمت میں زیادتی کرتے ہوں اور قاضی مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت سے بغیر تسعیر کے عاجز ہو تو اہل رای و دانش سے مشورہ کر بھاؤ متعین کرے گا، اور اس کی وجہ حضرت عمرؓ کا عمل ہے، جب وہ حضرت حاطبؓ کے پاس سے بازار میں گزرے (اور وہ چیزیں سستی بیچ رہے تھے) تو حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا: یا تو قیمت بڑھا دو یا اپنے گھر میں داخل ہو کر جیسے چاہو بیچو)۔

تسعیر کی اجازت کے بعد احناف میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا تسعیر ہر چیز میں جائز ہے یا کھانے کی اشیاء کے ساتھ خاص ہے، علامہ حصکفیؒ نے علامہ عتابیؒ سے نقل فرمایا ہے کہ صرف طعام اور جانوروں کے چارہ میں تسعیر ہوگی، دیگر اشیاء میں اس کی اجازت نہیں، لیکن پھر علامہ قہستانیؒ سے نقل فرمایا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق دیگر اشیاء میں بھی اس کی اجازت ہونی چاہئے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"قلت: وافاد ان التسعیر فی القوتین لا غیر وبه صرح العتابیؒ وغیره لکنه اذا تعدی ارباب غیر القوتین وظلموا علی العامة فیسعر علیهم الحاکم بناء علی ما قال ابو یوسفؒ ینبغی ان یجوز ذکره القهستانیؒ"۔

(میں کہتا ہوں: اس سے بطور فائدہ یہ بھی معلوم ہوا کہ تسعیر قوتین میں ہی ہوگا نہ کہ ان کے علاوہ میں، علامہ عتابیؒ وغیرہ نے اس کی صراحت کی ہے، لیکن جب تجار قوتین کے علاوہ (دیگر چیزوں میں) عام لوگوں پر تعدی وظلم کریں تو حاکم امام ابو یوسفؒ کے قول کی بناء پر تسعیر کرے گا، اس کا جواز (اس صورت میں) مناسب ہے، اسے علامہ قہستانیؒ نے ذکر فرمایا ہے)۔

علامہ شامیؒ اس کے تحت فرماتے ہیں:

(میں کہتا ہوں: ہاں! لیکن یہ مسئلہ قیاس واستنباط کے ذریعے ان سے مفہوماً ماخوذ ہے، یہی وجہ ہے کہ ماتنؒ نے بناء علی ما قال ابو یوسفؒ فرمایا اور اسے امام ابو یوسفؒ کا قول نہیں بنایا، پیچھے یہ بات گزر چکی ہے کہ جب ضرر عام ہو تو امام صاحبؒ حجر کے قائل ہیں، جیسے مفتی ماجن، مکاری مفلس اور طبیب جاہل کے سلسلے میں، یہ تو عام قضیہ ہے، ہمارا یہ مسئلہ بھی اس میں داخل ہوگا کیوں کہ تسعیر بھی معنوی طور پر حجر ہی ہے کیوں کہ یہ زیادت فاحشہ کے ساتھ بیع کو روکنا ہے تو اس بناء پر یہ مسئلہ صرف امام ابو یوسفؒ کے قول پر مبنی نہ ہوگا) (بلکہ جمہور احناف کا ہوگا)۔

معلوم ہوا کہ امام ابو یوسف کی احتکار والی روایت پر قیاس کر کے اور ضرر عام کی عمومی علت کی بناء پر قوتین کے علاوہ میں بھی تسعیر جائز ہے، لہٰذا سونے چاندی میں بھی اگر حکومت تسعیر چاہے تو کر سکتی ہے، لیکن اگر کوئی شخص حکومت کے مقررہ نرخ کی خلاف ورزی کرے اور کمی بیشی کے ساتھ اشیاء کی خرید وفرخت کرے تو یہ بھی جائز ہے، شامی میں ہے:

"وظاهره انه لو باعه باکثر یحل و ینفذ البیع و لا ینافی ذلک ماذکره الزیلعیؒ وغیره من انه لو تعدی رجل وباع باکثر اجازه القاضی لان المراد ان القاضی یمضیه و لا یفسخه" (ردالمحتار ۹/۵۷۴)۔

اوراس سے ظاہر ہے کہ اگراس نے زیادہ کرکے بیچا تو حلال بھی ہے اور بیع نافذ بھی ہوگی، یہ اس بات کے منافی نہیں جس کا تذکرہ امام زیلعیؒ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص نے تعدی وظلم کرکے زیادہ میں کوئی چیز بیچی تو قاضی اسے نافذ کردے گا، کیوں کہ یہاں (نفاذ قاضی سے) مراد یہ ہے کہ قاضی اسے برقرار رکھے گا اور فسخ نہیں کرے گا۔

موسوعہ فقہیہ میں ہے:

"ذهب الحنفية والحنابلة و الشافعية فی الاصح الی ان من خالف التسعیر صح بیعه" (۱۱/۳۱۰)۔

(احناف، حنابلہ اور شوافع صحیح قول کے مطابق اس جانب گئے ہیں کہ جس نے تسعیر کی مخالفت کی تو اس کی بیع صحیح ہوگی)۔

معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص مقررہ نرخ سے کمی یا زیادتی کرکے کسی چیز کی خرید وفروخت کرے تو بیع بالکل درست ہے، البتہ ملکی قانون اور عوامی مفاد کی بنا پر اسے سزا دی جاسکتی ہے، لیکن اس کی بیع صحیح ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص سونے چاندی کی خرید وفروخت مقررہ نرخ سے کمی بیشی کے ساتھ کرے تو یہ بھی جائز ہے، لہٰذا یہ سود نہیں ہوگا۔

احتکار کا حکم:

اشیاء ضروریہ کو خرید کر اس طرح روکے رکھنا کہ اس سے اہل شہر کو مشقت ہو اسے احتکار کہتے ہیں، احتکار کے سلسلے میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ مکروہ ہے، بعض نے حرام جب کہ بعض حضرات نے گناہ کبیرہ بھی قرار دیا ہے، علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"یتعلق بالاحتکار احکام (منها) الحرمة لما روی عن رسول الله ﷺ انه قال المحتکر ملعون و الجالب مرزوق و لا یلحق اللعن الا بمباشرة المحرم، وروی عنه علیه الصلاة والسلام انه قال من احتکر طعاما اربعین لیلة فقد بریء من الله و بریء الله منه و مثل هذا الوعید لا یلحق الا بارتکاب الحرام و لان الاحتکار من باب الظلم لان ما بیع فی المصر فقد تعلق به حق العامة فاذا امتنع المشتری عن بیعه عند شدة حاجتهم الیه فقد منعهم حقهم و منع الحق عن المستحق ظلم و انه حرام" (بدائع الصنائع ۵/۱۲۹)۔

(احتکار سے چند احکام متعلق ہیں: ان میں سے احتکار کا حرام ہونا ہے کیوں کہ حضور پاک ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: غلہ روکنے والا ملعون ہے اور لانے والا مرزوق، اور لعنت حرام کام کے ساتھ لاحق ہوتی ہے، اور آپ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے چالیس روز غلہ روکا تو وہ اللہ سے اور اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے، اور اس جیسی وعید حرام کے ارتکاب پر ہوتی ہے، اور اس لیے بھی کہ احتکار ظلم کے قبیل سے ہے، کیوں کہ جو چیز شہر میں بیچی جاتی ہے اس سے عام لوگوں کا حق متعلق ہوتا ہے تو جب لوگوں کی سخت حاجت کے وقت اس کے بیچنے سے مشتری رکا رہا تو گویا اس نے ان کا حق روک لیا اور مستحق سے حق کا روک لینا ظلم بھی ہے اور حرام بھی)۔

معلوم ہوا کہ احتکار ممنوع، قابل لعنت اور گناہ کبیرہ ہے، احتکار کا اطلاق کن چیزوں کے روکنے پر ہوگا؟ اس سلسلے میں

احناف سے تین روایتیں ہیں:

۱-صرف انسانوں کے طعام اور جانوروں کے چارہ پر۔

۲-قوتین کے علاوہ کپڑوں پر بھی۔

۳-ہر اس چیز کا روکنا احتکار کے دائرہ میں آئے گا جس سے لوگوں کو ضرر ہو۔

پہلا قول طرفین کا ہے، دوسرا امام محمدؒ کی ایک روایت ہے اور تیسرا امام ابو یوسفؒ کا ہے، ''ہندیہ'' میں ہے:

''والاحتکار فی کل مایضر بالعامة فی قول ابی یوسفؒ و قال محمدؒ الاحتکار بما یتقوت به الناس و البھائم کذا فی الحاوی'' (ہندیہ ۳/۲۰۰)۔

(اور امام ابو یوسفؒ کے قول میں احتکار ہر اس چیز میں ہوگا جس سے عام لوگوں کو ضرر ہو اور امام محمدؒ فرماتے ہیں: احتکار لوگوں کے طعام اور چوپایوں کے چارہ میں ہوگا)۔

''بدائع'' میں ہے:

''الاحتکار یجری فی کل ما یضر بالعامة عند ابی یوسفؒ قوتا کان اولا و عند محمدؒ لا یجری الاحتکار الا فی قوت الناس و علف الدواب من الحنطة و الشعیر و التبن و القت (وجه) قول محمدؒ ان الضرر فی الاعم الاغلب انما یلحق العامة بحبس القوت و العلف لا یتحقق الاحتکار الا به (وجه)قول ابی یوسفؒ ان الکراھة لمکان الاضرار بالعامة وھذا لا یختص بالقوت و العلف'' (بدائع ۵/۱۲۹)۔

(امام ابو یوسفؒ کے نزدیک احتکار ہر اس چیز میں ہوگا جس سے عام لوگوں کو ضرر ہو وہ قوت ہو یا نہ ہو اور امام محمدؒ کے نزدیک احتکار صرف لوگوں کے قوت اور چاپایوں کے چارہ میں جاری ہوگا یعنی گیہوں، جو، بھوسہ اور خشک یا تر گھاس، امام محمدؒ کے قول کی وجہ ہے کہ عمومی اور غالب طور پر عوام کو قوت اور جانوروں کے چارہ کے روکنے کی وجہ سے ضرر ہوتا ہے، لہٰذا احتکار اسی کے ساتھ متحقق ہوگا، امام ابو یوسفؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ کراہت عام لوگوں کو ضرر لاحق ہونے کی وجہ سے ہے اور یہ ضرر قوت و چارہ کے ساتھ خاص نہیں)۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل بظاہر قوی ہے کیوں کہ احتکار کی علت لوگوں کو ضرر لاحق ہونا اور اس کی ممانعت کی حکمت لوگوں سے ضرر کو دور کرنا ہے، اور یہ قوتین کے علاوہ دیگر اشیاءِ ضروریہ میں بھی ہوسکتا ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں:

''والحکمة فی تحریم الاحتکار رفع الضرر عن عامة الناس'' (شرح النووی علی مسلم ۱۱/۴۳ باب تحریم الاحتکار فی الأقوات)۔

(احتکار کو حرام قرار دینے کی حکمت عام لوگوں سے ضرر کو دور کرنا ہے)۔

معلوم ہوا کہ اس کی حکمت عام لوگوں سے ضرر کو دور کرنا ہے لہٰذا جن اشیاء میں روک کی وجہ سے لوگوں کو ضرر لاحق ہوتا ہو ان تمام کا روکنا احتکار کے دائرہ میں آئے گا، اسی وجہ سے امام محمدؒ کی ایک روایت کپڑوں میں احتکار کی ممانعت والی بھی ہے، لیکن علامہ شامیؒ نے کافی سے طرفین کے قول پر فتوی نقل فرمایا ہے، تحریر کرتے ہیں:

"والتقييد بقوت البشر قول ابی حنيفةؒ ومحمد وعليه الفتوى كذا فی الكافی و عن ابی یوسفؒ كل ما اضر بالعامة حبسه فهو احتكار وعن محمدؒ الاحتكار فی الثياب ابن كمال"(۵۷۱/۹)۔

(قوت بشر کے ساتھ مقید کرنا طرفین کا قول ہے اور اسی پر فتوی ہے، ایسا کافی (نامی کتاب) میں ہے اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ جس کا روکنا عام لوگوں کو ضرر دے تو وہ احتکار (کے دائرہ میں) ہے اور امام محمدؒ سے (ایک روایت میں) مروی ہے کہ احتکار کپڑوں میں بھی ہوگا)۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ سونا چاندی میں ذخیرہ اندوزی اور اس کو بازار میں نہ لانا احتکار میں داخل نہ ہوگا، لیکن چوں کہ اس کی ذخیرہ اندوزی کی بنا پر خود اس کی قیمت نیز دیگر اشیاء کی قیمت بھی بڑھتی ہے، جس سے عوام کو ضرر لاحق ہوتا ہے اور احتکار کی اصل علت بھی ضرر ہی ہے اور قاعدہ کلیہ ہے الضرر یزال اس لیے احقر کی رائے میں اگر امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتوی دیا جائے تو اس کی گنجائش ہونی چاہئے، نیز قضاء بیوعات وغیرہ میں عام طور پر امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتوی دیا جاتا ہے۔

علامہ شامیؒ امام ابو یوسفؒ کے قول کی وضاحت فرماتے ہیں:

"ان كل من اضر بالعامة حبسه فهو احتكار ولو ذهبا او فضة او ثوبا"(۵۷۴/۹)۔

(جس کا روکنا عام لوگوں کو ضرر دے تو وہ احتکار (کے دائرہ میں) ہے، اگر چہ سونا چاندی یا کپڑے ہوں)۔

نیز امام مالکؒ کا بھی یہی مسلک ہے کہ ہر وہ چیز جس کے روکنے سے عوام الناس کو ضرر لاحق ہو وہ احتکار میں داخل ہے، علامہ حطابؒ امام مالکؒ سے نقل فرماتے ہیں:

"والحكرة فی كل شیء ...... فما كان احتكاره يضر بالناس منع محتكره من الحكرة"(مواہب الجلیل ۲۲۷/۴)۔

(اور احتکار ہر چیز میں ہے،......جس چیز کے روکنے سے لوگوں کو ضرر ہو تو اس کے روکنے والے کو احتکار سے روکا جائے گا)۔

سوالوں کے جوابات اب اخیر میں سوالوں کے جوابات ترتیب وار ذکر کئے جاتے ہیں:

۱- اگر روپئے یا کسی بھی کرنسی نوٹ سے سونا خرید اجائے تو کرنسی نوٹ فلوس کے حکم میں امام محمدؒ کی روایت کے مطابق ثمن عرفی و اصطلاحی ہوگا، لہٰذا کرنسی نوٹ کی سونے یا چاندی سے خرید وفروخت کو بیع صرف نہیں کہا جائے گا۔

الف: اگر کرنسی نوٹ سے سونا یا چاندی خرید اجائے تو اس میں تفاضل بھی جائز ہوگا اور ادھار بھی، البتہ احد البدلین پر قبضہ ضروری ہوگا تا کہ یہ بیع ادھار در ادھار نہ ہو۔

ب: اگر سونے یا چاندی کو حکومتی یا بین الاقوامی مقررہ نرخ سے کم یا زیادہ کر کے خرید ا یا بیچا جائے تو یہ بھی درست ہے اور اس پر سود کا اطلاق نہیں ہوگا، لیکن ملکی یا بین ملکی قانون کی پاسداری اور مفاد عامہ کی بنا پر اس سے احتراز ہی کرنا چاہئے۔

۲- زیور بنانے والے کاریگر زیورات کے تاجروں سے ایک متعینہ وزن میں سونا لیتے ہیں اور چند دنوں میں اس کے بدلے سونے سے بنائے ہوئے زیورات انہیں واپس کرتے ہیں، انہیں الگ سے کوئی اجرت نہیں دی جاتی بلکہ زیورات کی شکل میں سونے کی

اتنی ہی مقدار انہیں واپس کرنی ہوتی ہے، جتنی انہوں نے لی تھی، البتہ سونے کا زیور بنانے میں دوسری دھاتوں کی آمیزش ضروری ہوتی ہے، اس آمیزش کے بقدر سونا ان کو بچ جاتا ہے اور زیور بنانے میں سونے کے کچھ ذرات نکل آتے ہیں، یہی ان کی اجرت ہوتی ہے، یہ جائز نہیں، کیوں کہ اگر اسے بیع کہا جائے تو بیع صرف ہے اور بیع صرف میں عوضین کے متحد الجنس ہونے کے وقت تقابض وتماثل شرط ہے، یہاں نہ تو تقابض پایا گیا نہ ہی تماثل، اس لیے یہ درست نہیں۔

اور اگر اسے اجارہ کہا جائے تو اس اعتبار سے بھی یہ عقد جائز نہیں کیوں کہ یہاں جو چیز اجرت قرار دی جا رہی ہے وہ مجہول ہے اور اس میں ایسی جہالت ہے جو مفضی الی النزاع ہے، کیوں کہ کاریگر تو یہ چاہئے گا کہ دوسری دھات کا استعمال زیادہ کرے تا کہ سونے کے ذرات زیادہ مقدار میں بچ جائیں اور تاجر چاہئے گا کہ کم دھات استعمال کرے تا کہ سونے کے ذرات کم رہیں اور زیورات میں زیادہ سونا استعمال ہو، اور جو جہالت مفضی الی النزاع ہو وہ مفسد عقد ہوتی ہے، البتہ اگر سونے یا روپئے کی کوئی متعین مقدار بطور اجرت پہلے ہی طے کر دی جائے اور پھر زیورات بنانے کے بعد بچے ہوئے ذرات کی مقدار فریقین کی رضا مندی سے اس میں محسوب کر لی جائے تو جائز ہے۔

۳- سونے کے تجار اگر بیع کے وقت پرانا سونا لیں اور اس کے عوض نیا سونا دیں تو یہ بیع صرف ہے لہٰذا تماثل بھی ضروری ہوگا اور تقابض بھی، اس میں کمی بیشی جائز نہیں، البتہ اس کی جائز صورت یہ ہو سکتی ہے کہ پہلے تاجر پرانا سونا خریدے اور اس کی قیمت کچھ کم طے کر کے سونے پر قبضہ کرے اور پھر نئے سونے کی قیمت نئے عقد کے ساتھ کچھ زیادہ کر کے بیچے، تو یہ صورت جائز ہے کیوں کہ روپئے کی بیع سونے سے ہو رہی ہے تو تفاضل بھی جائز ہے اور ادھار بھی، لہٰذا پہلی صورت میں تاجر پرانے سونے پر قبضہ کرے اور پیسے ادھار رکھے اور دوسری بیع میں نیا سونا پیشگی قیمت پر دیدے۔

۴- کمیوڈیٹی ایکسچینج کے ذریعے جو سونا چاندی یا دیگر اشیاء کی خرید وفروخت ہوتی ہے، اس کی عمومی صورت یہ ہوتی ہے کوئی انسان اس مارکٹ میں اپنا ایک اکاونٹ کھولتا ہے اور اس کے کچھ روپئے اسے ادا کرنے پڑتے ہیں، اس کے بعد اسے کمیوڈیٹی ایکسچینج میں خرید وفروخت کی اجازت ہوتی ہے، اگر کوئی اکاؤنٹ نہ کھولے تو اسے بغیر دلال کے خرید وفروخت کی اجازت نہیں ہوتی، اس کے بعد کوئی شخص مستقبل میں وجود میں آنے والے سامان کو بیچنا چاہتا ہے، اور دوسرا شخص اسے خرید لیتا ہے، لیکن اسے پوری قیمت ادا نہیں کرنی پڑتی بلکہ ثمن کا ایک حصہ سات یا دس فیصد دینا پڑتا ہے، اور ان دونوں کے درمیان یہ معاہدہ تحریراً بھی ہو جاتا ہے، اس کے بعد یہ دوسرا شخص اس مبیع کو فروخت کرنا چاہتا ہے، تو اس سے تیسرا شخص خرید لیتا ہے، اور اس سے چوتھا اور یہ سلسلہ برابر اس تاریخ تک چلتا رہتا ہے جو پہلے بائع نے مبیع سپرد کرنے کے لیے طے کی تھی، اس متعین تاریخ کے آنے تک اس کی خرید وفروخت کئی بار ہو چکی ہوتی ہے، اب جب متعین تاریخ آ جاتی ہے تو اب پہلا بائع مبیع سپرد کرنا چاہتا ہے، لہٰذا اس وقت جو اس مبیع کا آخری مشتری ہوگا اسے مطلع کیا جاتا ہے کہ آپ اس چیز پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں یا آگے فروخت کرنا چاہتے ہیں، اگر یہ قبضہ کرنا چاہئے تو اس کی بھی متعین صورت ہوتی ہے اور اگر یہ فروخت کرنا چاہئے تو اسے بائع اول کو فروخت کرنا پڑتا ہے، اور پھر اس کا تصفیہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ بائع اول کے فروخت کرنے کے وقت کی قیمت اور وقت سپردگی کی قیمت کے درمیان جو فرق ہوگا، اس کی ادائیگی کر دی جاتی ہے۔

اس پورے کھیل میں کچھ ماہرین معاشیات آنے والے دنوں میں اس چیز کے بھاؤ کی پیش گوئیاں کرتے رہتے ہیں، جس کی بنیاد پر ہر خریدنے والا اسے فروخت کرنا چاہتا ہے، اور پورا سلسلہ اسی مدار میں گھومتا رہتا ہے، ظاہری بات ہے کہ یہ بیع ہی نہیں بلکہ یہ سٹہ کی ایک قسم ہے، کیوں کہ نہ تو اس میں مبیع موجود ہوتی ہے، اور نہ ہی مشتری کا مقصد اسے خریدنا ہوتا ہے، اور کسی چیز کی بیع کے لیے مبیع کا ملکیت میں ہونا ضروری ہے، کیوں کہ بیع مالا یملکہ الانسان جائز نہیں۔

اب اگر کسی چیز کا وجود حقیقتاً ہوتا ہے، لیکن جب اسے مشتری اول خریدتا ہے تو وہ چیز اس کے لیے متعین اور الگ نہیں کی جاتی بلکہ صرف اس کے اکاونٹ میں تحریر کردی جاتی ہے، حالاں کہ مبیع کے لئے شرط ہے کہ وہ فارغ ہو کسی کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو، ''ہندیہ'' میں ہے:

''ویشیر فی التسلیم ان یکون المبیع مفرزا غیر مشغول بحق غیرہ ھکذا فی الوجیز للکردی'' (۱۹/۳) (اور تسلیم میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مبیع الگ ہو کسی غیر کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو)۔

لیکن اگر کوئی شخص واقعی کوئی چیز خریدنا چاہتا ہو اس کا ارادہ سٹہ بازی یا قمار بازی نہ ہو یعنی صرف بھاؤ کے اتار چڑھاؤ پر بیع نہ ہو، مبیع موجود ہو اور مشتری کے لیے اس کی مبیع رجسٹر میں لکھ لی گئی اور اس کے نام سے الگ محفوظ کردی گئی اور اس نے اس کی قیمت ادا کردی تو یہ صورت جائز ہے، کیوں کہ مبیع کا موجود ہونا، مشتری کے لیے مبیع کا الگ، غیر کے حق سے جدا ہونا اور احد البدلین پر قبضہ کرنا یہ ساری چیزیں ضروری تھیں اور یہ پائی گئیں، لیکن پھر بھی یہ مشتری اس مبیع کو آگے تب تک نہیں بیچ سکتا جب تک کہ قبضہ نہ کرے یا تخلیہ ہی پایا جائے کیوں کہ تخلیہ بھی معتبر ہے'' ہندیہ'' میں ہے:

''و اجمعوا علی ان التخلیۃ فی البیع الجائز تکون قبضا'' (۱۹/۳) (اور فقہاء کا اجماع ہے کہ بیع جائز میں تخلیہ قبضہ شمار ہوگا)۔

لیکن تخلیہ کا مطلب یہ ہے کہ مبیع پر خریدار کا ایسا استیلاء ہو کہ اس کے مبیع پر تصرف کرنے میں کوئی مانع نہ ہو اور ضمان بھی مشتری کی طرف لوٹے، چنانچہ'' ہندیہ'' میں ہے:

''وتسلیم المبیع ھو ان یخلی بین المبیع و بین المشتری علی وجہ یتمکن المشتری من قبضہ بغیر حائل و کذا التسلیم فی جانب الثمن کذا فی الذخیرۃ'' (۱۹/۳)۔

(اور مبیع کا سپرد کرنا وہ یہ ہے کہ مبیع اور مشتری کے درمیان سے اس طرح الگ ہو جائے کہ مشتری بغیر کسی حائل کے قبضہ پر قادر ہو اسی طرح ثمن کی جانب میں سپردگی شرط ہے)۔

حالانکہ کمیوڈیٹی ایکسچینج اور دیگر عالمی مالیاتی اداروں میں ایسا نہیں ہوتا، کیوں کہ مشتری تو اسے آگے فروخت کرسکتا ہے، لیکن اگر اس کے قبضہ سے پہلے ہی وہ چیز ہلاک ہوگئی تو وہ بائع کے ضمان سے ہلاک ہوتی ہے حالاں کہ اس میں تو مشتری کی طرف ضمان آنا چاہئے تھا (کچھ کمپنیوں نے اب ضمان کو مشتری کی طرف بھی عائد کیا ہے، لیکن اس کے مال کو ہلاکت کی صورت میں بچانے کے لئے انہوں نے انشورنس کی شرط لگا رکھی ہے، یعنی ان کو مارکٹوں میں جب بھی کوئی شخص خرید وفروخت کرے گا تو اسے اپنی بیع کا انشورنس کرانا پڑتا ہے، جو بذات خود ناجائز ہے)، اور یہ ربح مالم یضمن کے قبیل سے ہے کیوں کہ وہ آگے تو بیچ سکتا ہے لیکن ضمان اس کی

طرف عائدنہیں، لہٰذاان مارکٹوں کی چیزیں خرید تو سکتے ہیں لیکن قبضہ حقیقی یا حسی سے پہلے اسے آگے نہیں بیچ سکتے، خلاصہ یہ ہے کہ اگر کو موڈیٹی مارکٹ سے سونا یا چاندی خریدا جائے تو اس کے جواز کی کچھ شرطیں ہیں:

۱-متعاقدین بیع کرنا چاہتے ہوں سٹہ اور قمار بازی مقصود نہ ہو۔

۲-مبیع حقیقتاً موجود ہو۔

۳-احدالبدلین پر مجلس میں قبضہ ہو تا کہ بیع ادھار در ادھار نہ ہو

۴-مبیع اس کے نام سے رجسٹر پر دیگر ذخیرے سے الگ کر کے محفوظ کر دی جائے۔

۵-مبیع کی ہلاکت کی صورت میں ضمان مشتری کی طرف لوٹے۔

۶-اگر چوتھی شرط نہ پائی جائے تو مشتری قبضہ سے پہلے آگے نہیں بیچ سکتا کیوں کہ یہ ربح مالم یضمن کے قبیل سے ہے۔

الحاصل! اگر یہ شرطیں پائی جائیں تو اس کی خرید وفروخت کی اجازت ہوگی، لیکن یہ جواز کی امکانی صورتیں ہیں، کیوں کہ احقر کی معلومات کے مطابق جیسا کہ احقر نے ماہرین سے اس سلسلے میں گفتگو کی، ان کے ہاں یہ ساری حدود وقیود نہیں ہیں، نہ ہی یہ شرطیں پائی جاتی ہیں، بلکہ ان کا بھی یہی ماننا تھا کہ کوموڈیٹی ایکس چینج میں خرید وفروخت مقصود ہی نہیں ہوتی صرف بھاؤ کی کمی بیشی سے فائدہ اٹھانا مقصود ہوتا ہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اس جیسے ایک مسئلہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

"وکذلک حکم شراء السلع المخزونةبواسطة البورصات العالمية و كثير من بياعات بوصات السلع لا يقصد منها التسليم و التسلم و انما يقصد بها المضاربات من خلال تذبذب اسعارها، و ان هذه العمليات بالمقامرة اشبه منها بالبيوع الحقيقة، ولا شک فی حرمتها و لكن قد يقصد بها البيوع و حينئذ لا بد من توافر الشروط الشرعية فی ذلک" (فقہ البیوع ۱/ ۴۱۴)۔

۵- اگر کوئی شخص کسی تاجر سے سونے یا چاندی کی کسی مقدار پر ادھار بیع کرلے اور پھر چند دن بعد جب ادائیگی کی تاریخ آئے تو اس وقت بیع کے وقت اور موجودہ نرخ میں تفاوت کے اعتبار سے اتنے روپئے لے یا تاجر کو دے یہ جائز نہیں کیوں کہ سونے چاندی کی روپے سے بیع کے وقت احدالعوضین پر قبضہ بھی شرط ہے اور یوم عقد کی قیمت بھی متعین اور یہ دونوں مفقود ہیں، لہٰذا یہ درست نہیں یہ تو صرف نرخ کی کمی بیشی کی بیع ہے، جو کہ سٹہ اور قمار کی ایک قسم ہے۔

۶- اگر کوئی شخص یا تاجر سونے یا چاندی کو اسی نیت سے ذخیرہ کر کے رکھے کہ اس کی قیمت بڑھے گی تو پھر مارکیٹ میں لے آئے گا تو یہ احتکار کی ممانعت میں داخل ہوگا، ہاں اگر کوئی شخص بغیر اس نیت کے سونا یا چاندی ذخیرہ کر کے رکھے تا کہ کبھی حاجت کی بنا پر اسے فروخت کرے تو یہ احتکار کے دائرہ میں نہیں آئے گا۔

۷- ہر کسی انسان کو چاہئے کہ جس ملک میں رہائش اختیار کر رہا ہے وہاں کے قوانین (جب کہ شریعت سے متصادم نہ ہوں) کی پاسداری کرے تا کہ نہ اس کی وجہ سے کسی فرد یا ادارہ کو تکلیف پہنچے اور نہ ہی اسے، اسمگلنگ غیر قانونی ہے، نیز اس میں دیگر غیر شرعی

امور بھی داخل ہوجاتے ہیں، جیسے دھوکہ، جھوٹ، اپنی جان و مال کو خطرے میں ڈالنا وغیرہ، اس لیے یہ مناسب نہیں بلکہ کچھ علماء کرام اسے ناجائز بھی فرماتے ہیں، لیکن اگر کوئی شخص کوئی حلال چیز غیر قانونی طور پر درآمد کرتا ہے تو اس کی خرید و فروخت پر اس کا اثر نہیں پڑے گا اس کی خرید و فروخت درست ہے اور اس کی کمائی حلال ہے۔

☆☆☆

سونا چاندی کی تجارت سے متعلق جدید مسائل

قاضی عبدالجبار طیب ندوی☆

اللہ رب العزت نے بندوں کے آپسی تصرفات ولین دین کے احکامات کو کافی شرح وبسط کے ساتھ ذکر کیا ہے، عدل وانصاف پر مبنی ایسا کامل ومکمل نظام عطا کیا ہے جس کا کوئی مساوی نظام دنیا میں نہیں ہے، لہذا اس نظام میں عدول وانصاف کے دامن چھوڑنے کی ممانعت اور مفاد کے پیش نظر معاملات میں کمی وزیادتی کو ربوا اور سود کہہ کر مسلمانوں کو اس سے بچنے اور دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے؛ چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

”یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ وَذَرُواْ مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبَا إِن کُنتُم مُّؤْمِنِیْنَ “(البقرۃ:۲۷۸)۔

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو)۔

”یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ لاَ تَأْکُلُواْ الرِّبَا أَضْعَافاً مُّضَاعَفَةً “(آل عمران:۱۳۰)۔

(اے ایمان والو! کئی گنا بڑھا کر سود مت کھاؤ)۔

”الَّذِیْنَ یَأْکُلُونَ الرِّبَا لاَ یَقُومُونَ إِلاَّ کَمَا یَقُومُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطَانُ مِنَ الْمَسِّ “(البقرۃ:۲۷۵)۔

(جو لوگ سود کھاتے ہیں کھڑے نہیں ہوں گے (قیامت میں قبروں سے) مگر جس طرح ایسا شخص جس کو شیطان خبطی بنا دے لپٹ کر)۔

حضور نبی کریم ﷺ نے سود کھانے اور کھلانے والے اور اس کے لکھنے والے پر لعنت بھیجی ہے؛ چنانچہ ترمذی شریف میں ہے:

”عن ابن مسعود قال : لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربوا وموکله، وشاهدیه وکاتبه “(ترمذی: باب ماجاء فی أکل الربوا:۱۲۰۶)۔

(حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے اور اس کے گواہ بننے والے اور اس کے لکھنے والے پر لعنت فرمائی ہے)۔

سونا اور چاندی کی تجارت میں چونکہ سود اور ربوا کا زیادہ اندیشہ ہوتا ہے، اس لئے اس باب میں احتیاط کو ملحوظ رکھنا اور شریعت کی پابندی کرنا ضروری ہے، سود کا حکم واضح ہو جانے کے بعد اب میں ان سوالات کے جوابات اللہ کی مدد اور اس کی توفیق سے

☆ قاضی دارالقضاء، آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ، کڑپہ زیر انتظام: کڑپہ اسلامک ویلفیر سوسائٹی، کڑپہ ۔

لکھنا شروع کرتا ہوں، جو اسلامک فقہ اکیڈمی کے چوبیسواں سالانہ سیمینار کیلئے منتخب کردہ چار عنوانوں میں سے ایک ہے۔

۱- الف: کیا یہ بات درست ہوگی کہ سونا چاندی اور روپۓ میں سے ایک نقد ہو اور دوسرا ادھار ہو؟

سونا چاندی اور روپۓ میں سے ایک نقد اور دوسرا ادھار ہو یہ جائز نہیں کہ کیوں کہ سونے کو سونے سے اور چاندی کو چاندی سے یا اس کے قائم مقام دوسرے کسی اور ثمن سے خرید وفروخت جائز ہونے کے لئے فریقین کی طرف سے اپنے عوض پر الگ ہونے سے پہلے قبضہ حاصل کرنا ضروری ہے؛ چنانچہ مسلم شریف ہے:

"عن عبادة بن صامت رضی الله عنه قال: قال رسو ل الله ﷺ: الذهب بالذهب والفضة بالفضة مثلاً بمثلٍ، سواءً بسواءٍ يداً بيدٍ ...... فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذا كانت يداً بيدٍ"(مسلم: ۱۵۸۷،نصب الرایہ ۴/ ۴۳-۴۴)۔

(حضرت عبادہ ابن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سونا، سونے سے اور چاندی، چاندی سے یا ایک ہی صنف کی چیز دونوں طرف سے ہوتو ان کا برابر ہونا ضروری ہے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں طرف سے نقد معاملہ ہو اور صنفین مختلف اور الگ ہوں تو تب بھی نقد ہونا ضروری ہے)۔

مذکورہ بالا حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سونا چاندی کے علاوہ دوسرا کوئی ثمن ہو تو تب بھی خرید وفروخت کے جائز ہونے کے لئے مجلس میں نقد معاملہ کرنا ضروری ہے، اس طرح کی بیع میں ادھار جائز اور درست نہیں ہوگا، جبکہ آج ورقی نوٹوں اور کرنسیوں (جس کے پیچھے اب نہ تو کوئی سونا چاندی ہے اور نہ یہ ان کی نمائندگی کرتے ہیں) کو ثمن عرفی مان لیا گیا ہے، گویا اس کا حکم ثمن حقیقی کے حکم کی طرح ہی ہے؛ لہذا "فتاوی اللجنۃ الدائمۃ" میں اس طرح کی بیع کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

"إذا كان الثمن الذی اشتری به مصاغ الذهب ذهباً أو فضة أو ما يقوم مقامهما من الأوراق النقدية أو مستنداتها لم يجز، بل هو حرام، لما فيه من ربا النسيئة" (فتاوی اللجنۃ ۱۳/ ۴۶۶)۔

لہذا سونا چاندی اور کرنسی مختلف الاجناس ہوئے، جب جنس مختلف ہو تو اس وقت مجلس میں کم سے کم ایک طرف سے قبضہ ضروری ہوتا ہے، اس لئے اس طرح کی بیع جائز نہیں ہوگی، تاہم خرید وفروخت میں عوض اگر کوئی عروض/ اشیاء ہو تو ثمن کو ادھار رکھنا جائز اور درست ہوگا۔

ب: سونا اور چاندی کا جو نرخ حکومت یا سونے کی مارکیٹ جیسے انٹرنیشنل سطح پر کومیکس گولڈ مارکیٹ یا ہندوستان کی سطح پر یہاں کی مارکیٹ ایم سی وغیرہ نے طے کیا ہو اس سے زیادہ یا کم قیمت میں خرید وفروخت بھی کرنا جائز نہیں ہوگا اور اس صورت میں میرے نزدیک کوئی ربوا تفاضل کا اطلاق نہیں ہوگا، کیوں کہ سرکار کی طرف سے سونا چاندی کی قیمت متعین کرنے سے یہ سونا چاندی اور کرنسی نوٹ ہم جنس نہیں ہوجاتے ہیں، بلکہ جنس مختلف ہی رہتی ہے، اور جب جنس مختلف اور الگ ہو تو شریعت نے تفاضل کو جائز قرار دیا ہے، لہذا اب فریقین آپس میں جو بھی نرخ متعین کرلیں، شریعت نے اس کی اجازت دی ہے اس کو ربوا قرار نہیں دیا ہے، البتہ اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ ثمنین میں سے کم از کم ایک پر بالفعل مجلس عقد میں قبضہ کرلے؛ کیوں کہ اگر مجلس میں کسی بھی ایک ثمن پر قبضہ نہیں کیا تو دونوں ادھار ہوجائیں گے، اور ادھار کی بیع ادھار سے لازم آئے گی جو شریعت مطہرہ میں ممنوع وحرام ہے، اسی کو فقہ کی

اصطلاح میں بیع الکالی بالکالی کہتے ہیں، صاحب تحفۃ الاحوذی رقمطراز ہیں:

”وإذا كانت النسيئة من الطرفين فهى من بيع الكالى بالكالى، وهو لا يصح عند الجمع“ (تحفۃ الاحوذی ۳۶۶/۴)۔

اس سے معلوم ہوا کہ حکومت کی طرف سے مقرر کردہ نرخ سے کم یا زیادہ قیمت میں سونا چاندی کی خرید وفروخت میں ربوا تفاضل کا اطلاق نہیں ہوتا ہے۔

اب بات رہ جاتی ہے کہ حکومت کے مقرر کردہ نرخ کے خلاف خرید وفروخت کرنے پر بیع کا کیا حکم ہوگا، یعنی بیع کی شرعی حیثیت کیا ہوگی۔

حکومت کا اشیاء کی قیمت (نرخ) متعین کرنا:

حکومت کی طرف سے کسی بھی شئ کی قیمت کے متعین کرنے کو عربی میں ”تسعیر“ کہتے ہیں؛ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت انسؓ کی ایک مرفوع حدیث نقل کی جاتی ہے:

”عن أنس قال الناس : يا رسول الله ﷺ غلا السعر فسعر لنا، فقال رسول الله ﷺ : إن الله هو المسعر القابظ، الباسط، الرازق وإنى لأرجو أن القى الله وليس أحد منكم يطالبنى بمظلمة فى دمٍ ولا مال“ (سنن أبی داؤد: ۳۴۵۶، ترمذی: ۱۳۱۴)۔

(حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ قیمتیں بڑھ گئیں ہیں، آپ ہمارے لئے قیمتوں کو متعین کر دیجئے، تو رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیمت متعین کرنے والا صرف اللہ ہے اور وہی قیمتوں کو گھٹانے اور بڑھانے والا اور رزق عطاء کرنے والا ہے، میری خواہش ہے کہ میں اللہ رب العزت سے اس حال میں ملاقات کروں کہ تم میں سے کوئی بھی مجھ سے ظلم کی بنیاد پر کسی مال اور خون کے بارے میں مطالبہ نہ کرے)۔

مذکورہ حدیث سے صاف واضح ہوجاتا ہے کہ اگر بازار میں قیمتیں بڑھ جائیں تو قیمتوں کو متعین کرنا ظلم ہے، اور ظلم حرام ہے، تسعیر قرآن کے حکم کے خلاف بھی معلوم ہوتی ہے؛ کیوں کہ قرآن نے خریدنے اور بیچنے والے کو اپنے مال اور قیمتوں پر مکمل حق تصرف دیا ہے، اب وہ دونوں جس قیمت میں چاہیں خریدیں اور جیسے چاہیں بیچیں، اگر حکومت تسعیر کا کام کرتی ہے تو گویا بائع ومشتری کے حق تصرف کو چھیننے کا کام کر رہی ہے، ایسی خرید وفروخت پر مجبور کر رہی ہے جس سے وہ راضی نہیں؛ چنانچہ حکومت کا یہ اقدام قرآن کریم کے اصول کے خلاف ہوگا، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

”إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم“ (النساء: ۲۹) (لین دین آپسی رضامندی سے ہو)۔

احناف فقہاء کرام نے تسعیر کو مکروہ (تحریمی) قرار دیا ہے؛ چنانچہ علامہ آفندیؒ لکھتے ہیں:

”ويكره التسعير لقوله عليه السلام: لا تسعروا فإن الله هو المسعر القابض الباسط الرازق“ (مجمع الانہر ۵۴۸/۲)۔

(نرخ متعین کرنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: قیمتیں متعین مت کرو، اللہ رب العزت ہی قیمت متعین

کرنے والا ہے، وہی قیمتوں کو گھٹانے اور بڑھانے والا اور رزق عطاء کرنے والا ہے)۔

لیکن بازار کی قیمتیں حد سے زیادہ بڑھ گئی ہوں، اور ارباب اشیاء جان بوجھ کر قیمتیں زیادہ وصول کرر ہے ہوں تو اس وقت اس ظلم وتعدی کو روکنے کے لئے حکومت کو تسعیر کی اجازت ہے اور اسی میں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت بھی ہے؛ چنانچہ علامہ آفندیؒ نے لکھا ہے:

"إذا تعدى أرباب الطعام في القيمة تعدياً فاحشاً فلا بأس به أي بالتسعير" (مجمع الانہر ۲/۵۴۸)۔

(جب صاحب سامان قیمتوں میں کھلی زیادتی کرر ہا ہو، (سامان کو ذخیرہ بنا کر رکھ رہا ہو) تو پھر نرخ متعین کرنے میں کوئی حرج نہیں)۔

اس بحث سے معلوم ہوا کہ اگر حکومت کی طرف سے اشیاء کا کوئی نرخ متعین کردیا جاتا ہے کہ اس سے زیادہ میں فروخت نہیں کر سکتے تو یہ کرنسی کی تسعیر ہوئی، نہ کہ سرکاری ریٹ سے کم وزیادہ میں بیچنا رہا ہوا، ہاں اگر کوئی شخص سرکاری ریٹ سے کم وزیادہ پر بیچتا ہے تو تسعیر کی خلاف ورزی ہوگی، اور اولی الامر کے حکم کے خلاف ہوگا جبکہ اللہ نے ان کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے:

"أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم" (النساء:۵۹)۔

(اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہیں)۔

حتی الوسع تسعیر کی پابندی کرنی چاہئے اس سے کم وزیادہ پر بیچنا مناسب نہیں ہوگا تاہم معاملہ اگر وجود میں آ گیا ہے تو معاملہ کے منعقد ہونے میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔

۲- الف: اس طرح کی خرید وفروخت کو بیع ہی کہیں گے، اجارہ نہیں، بیع میں بھی بیع مؤجل ہوگی؛ کیوں کہ یہاں تاجر کے زیورات بنانے میں سونے کے ذرات ایک طرف ہیں اور دوسری طرف کاریگر کے دھات جسے وہ سونے کے زیور بنانے میں استعمال کرتا ہے، اور پھر زیور تیار ہوتا ہے، کاریگر کے دھات کو ثمن مان لیں تو بیع مؤجل کی صورت ہوجائے گی؛ کیوں کہ بیع مؤجل کہتے ہی ہیں ایسی بیع کو جس میں مبیع نقد ہو اور ثمن ادھار ہو (تفصیلات کے لئے دیکھئے: ردالمحتار ۴/۳)۔

اجارہ نہیں کہہ سکتے ہیں، اجارہ میں ضروری ہوتا ہے کہ ایک طرف مال اور دوسری طرف نفع ہو یعنی کوئی مادی شئ نہ ہو، جیسے تعلیم پر اجرت کہ اس میں معلم کی طرف سے منعفت ہوتی ہے مال نہیں ہوتا ہے، مذکورہ سوال میں ہی اگر زیور بنانے والا کاریگر اپنی طرف سے کوئی دھات نہ ملاتا اور اس کے عوض اپنے پاس سونے کے ذرات نہ رکھتا؛ بلکہ وہ صرف اپنی طرف سے منفعت (نفع) دیتا تو پھر یہ صورت اجارہ کی ہوسکتی تھی؛ لیکن ظاہر ہے کہ کاریگر کی طرف سے دھات ہوتے ہیں اور اسی کے بقدر اسے سونا کے ذرات ملتے ہیں؛ اس لئے یہ بیع کی صورت ہوگئی، بیع میں بھی بیع مؤجل کی صورت ہوگئی۔

الغرض میرے نزدیک سونے کے لین دین میں مقدار کا جو یہ فرق ہے وہ بیع ہے نہ کہ اجارہ۔

ب: اس مسئلہ میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اجرت کے طور پر سونا (سونے کے ذرات) ہی ادا کیا جار ہا ہے، جو کہ صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ تاجر زیور کے لئے سونا دیتا ہے اور کاریگر اس کو زیور بنا کر دیتا ہے جس میں کاریگر کو دوسرے کچھ دھات ملانا پڑتا ہے، اس دھات کے بقدر سونا وہ رکھ لیتا ہے اور وہی اس کی اجرت ہوتی ہے، اس کے علاوہ اسے کچھ بھی نہیں دیا جاتا ہے، غور کرنے والی بات یہ

ہے کہ اس میں کاریگر کو دھات کا عوض ملتا ہے، گویا تاجر کاریگر کو سونا دیتا ہے اور کاریگر بدلہ میں تاجر کو دھات دیتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ ایک بیع کی شکل ہوگئی، تاجر کی طرف سے سونے کو ثمن اور دھات کو بیع مان لیا تو معاملہ درست ہوجائے گا؛ لیکن کاریگر کی جو محنت ہے اس محنت کو یہاں کاریگر کی طرف سے تاجر کے لئے پیشکش (آفر) ماننا پڑے گا، اس لئے کاریگر سونے کے ذرات کو لے سکتا ہے اور اس میں اس کے لئے کوئی حرج نہیں ہے۔

۳- سونے کے پرانے زیو کا سونے کے نئے زیور سے اگر تبادلہ ہو تو اس میں بھی برابری ضروری ہے، سونے کا پرانا زیور زیادہ وزن کا لینا اور اس کے بدلہ میں سونے کا نیا زیور کم وزن ہیں دینا جائز نہیں ہوگا، گویا کہ عمدگی اور ساخت میں فرق ہی کیوں نہ ہو، فقہاء کرام نے حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی حدیث سے یہ بات مستنبط کی ہے کہ سونے کا سونے سے اور چاندی کا چاندی سے اگر تبادلہ ہو تو برابری ضروری ہے اور یہ برابری، عمدگی اور بناوٹ میں بھی ضروری ہے، عمدگی اور بناوٹ کے فرق سے لین دین میں تفاضل کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا ہے؛ چنانچہ علامہ مرغینانیؒ رقمطراز ہیں:

"فإن باع فضة بفضة أو ذهباً بذهبٍ لا يجوز إلا مثلاً بمثلٍ وإن اختلفا فى الجودة والصياغة" (ہدایہ ۸۱/۲)۔

(چاندی کو چاندی سے اور سونے کو سونے سے بیچنا جائز نہیں مگر برابر سرابر، اگرچہ کہ عمدگی اور بناوٹ میں فرق ہو)۔

۴- اگر سونا فروخت کرنے والے ادارے کے پاس مثلاً ایک کیلو سونا ہو اور وہ دوسو افراد کو پچاس پچاس گرام سونا فروخت کرے، لیکن ان سب کا خریدا ہوا سونا سونے کی اینٹ میں شامل ہو ان کے الگ الگ بسکٹ یا سکے نہیں بنائے جاتے ہوں تو اس کو خریدار کا قبضہ نہیں سمجھا جائے گا؛ کیوں کہ سوال میں سونا سونے کی اینٹ کی شکل میں ہے، اور پھر خریدار کی خریدی ہوئی مقدار کے مطابق سونے کو سونے کی اینٹ سے الگ بھی نہیں کیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ خریدار کو اس کا خریدا ہوا اگر سونا چاہئے تو اسے الگ کر کے نہیں دیا جائے گا، ایسی صورت میں اس کو قبضہ نہیں کہہ سکتے ہیں، قبضہ دراصل کہتے ہیں تخلیہ کو یعنی مالک اور شئ کے درمیان کوئی مانع تصرف امر باقی نہ رہے، جب چاہے مالک شئ کو استعمال میں لاسکتا ہے اور جب چاہے اسے فروخت کرسکتا ہے، یہ صورت اس مسئلہ میں نہیں ہے؛ لہذا اس کو خریدار کا قبضہ تصور نہیں کیا جائے گا، ہاں اگر خریدار کو اس کا خریدا ہوا سونا دیدیا جائے تو اس صورت میں اس کو قبضہ تصور کیا جائے گا۔

ب: جیسا کہ جزب میں ہے کہ اگر ہر خریدار کے لئے اس کی خریدی ہوئی مقدار کا سکہ الگ سے موجود ہو اور اس کو کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں اس کے نام سے درج کردیا گیا ہو اور اسے مکمل حق تصرف بھی حاصل ہو تو اسے قبضہ تصور کیا جائے گا؛ کیوں کہ قبضہ کے لئے کسی بھی شئ کو ہاتھ میں لینا ضروری نہیں ہے بلکہ قبضہ کی نوعیت مختلف ہوسکتی ہے، اور یہ ہر دور کے عرف اور ہر عہد کے رواج اور طور طریقوں سے متعین ہوسکتی ہے؛ لہذا آج قبضہ کا عرف اگر یہی ہے اور عوام میں اسے رواج ملا ہوا ہے تو پھر کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں اس کے نام سے درج کردیا جانا ہی قبضہ تصور کیا جائے گا، اس طرح خریدار کا سامان پر قبضہ متصور ہوگا۔

۵- سوالنامہ میں ایکسچینج کے ذریعہ کاروبار کی جو صورت بتائی گئی ہے کہ ایک مہینہ کے لئے ادھار ایک مخصوص مقدار جیسے: ایک تولہ سونے کا سودا کرلیا جاتا ہے، خریدار سونے پر قبضہ نہیں کرتا ہے اور نہ بائع قیمت پر قبضہ کرتا ہے، بس نرخ میں کمی بیشی سے جو فرق

آ تا ہے اس کا لین دین کر لیتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ صورت ناجائز اور حرام ہے اور شریعت کی روح کے بالکل مغایر ہے، اس طرح کی خرید وفروخت کے لئے حضور اکرم ﷺ نے جو اصول مقرر فرمایا ہے اس اصول کے خلاف ہے وہ اصول یہ ہے:

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے چند اشیاء کا نام لیا جن میں سونا اور چاندی بھی شامل ہے اور فرمایا کہ اگر ایک ہی صنف کی چیز دونوں طرف سے ہو تو ان کا برابر بھی ہونا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں طرف سے نقد معاملہ ہو اور صنفین الگ ہوں تو تب بھی نقد ہونا ضروری ہے (دیکھئے، مسلم:۱۵۸۷)۔

اس حدیث سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ:

۱۔ اگر دونوں طرف سے ایک جنس کی شئ ہو تو دونوں کا برابر ہونا ضروری ہے۔

۲۔ فریقین کی طرف سے اپنے عوض پر الگ ہونے سے پہلے قبضہ حاصل کرنا۔

۳۔ اگر صنفین الگ ہو تب بھی نقد ہونا ضروری ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جنس الگ بھی تو تب بھی ثمنین میں سے کسی ایک پر مجلس عقد میں ہی قبضہ ضروری ہے، اور یہاں وہ شکل مفقود ہے؛ لہذا اس طرح کی بیع جائز نہیں ہوگی۔

۷- اس سوال میں دو شقوں پر بات کی جائے گی (۱) سونے کی درآمد کے لئے اسمگلنگ کا عمل جائز ہے یا نہیں، (۲) اسمگلنگ کے ذریعہ درآمد کیا ہوا سونے کو خریدنا اور اس کو بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

دوسری شق کا پہلے جواب تحریر کرتا ہوں کہ اس طرح کے درآمد کئے ہوئے سونے کا خریدنا و بیچنا دونوں جائز ہے؛ کیوں کہ یہاں نفس شئ میں کوئی معصیت نہیں ہے، ہاں اگر نفس شئ میں ہی معصیت ہو تو پھر اس کی خرید وفروخت مکروہ تحریمی ہے، جیسا کہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"**لا یکرہ مالم تقم المعصیة به**" (ردالمحتار مع الدر ۴/ ۲۶۸)۔

البتہ مشتری کو چاہئے کہ وہ اس طرح کے سونے کی خرید وفروخت نہ کرے، کیوں کہ اس کے ساتھ خرید کا معاملہ کرنا اس کی معصیت میں تعاون کرنا ہے، اور اللہ رب العزت نے معصیت کے کاموں میں تعاون کرنے سے منع کیا ہے؛ چنانچہ قرآن میں ہے:

"**وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَان**" (المائدۃ:۲)۔

دوسری شق کا جواب یہ ہے کہ اسمگلنگ کا یہ عمل جائز نہیں ہے، کیوں کہ حکومت کی طرف سے سونے کے درآمد پر جو بھی واجبات تھے اس کی ادائیگی اس کے لئے ضروری تھی، اس نے وہ ادا نہیں کیا، اس نے حکومت کی خلاف ورزی کی اور یہ اس کے لئے جائز نہیں کیوں کہ اللہ رب العزت نے اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے؛ چنانچہ قرآن میں ہے:

"**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ**" (النساء:۵۹)۔

اور حضور اکرم ﷺ نے امیر کی اطاعت کو اپنی اطاعت بتایا ہے؛ چنانچہ بخاری شریف میں ہے:

"**من أطاعنی فقد أطاع الله ومن عصانی فقد عصی الله ومن یطع الأمیر فقد أطاعنی ومن یعص الأمیر فقد عصانی**" (بخاری:۲۹۵۷، مسلم:۱۸۳۵)۔

ہندوستان یا اس جیسے ملکوں میں رہنے والے مسلمانوں کے لئے بھی اس ملک کے قانون کا ادب واحترام کرنا اور اس کی پیروی کرنا ضروری ہے، (اگر شریعت اسلامیہ سے متصادم نہ ہو) کیوں کہ اس ملک میں مسلمان عہد و پیمان کے ساتھ رہتے ہیں؛ اور عہد و پیمان پورا کرنا ہمارے لئے ضروری ہے؛ کیوں کہ اللہ رب العزت اسے پورا کرنے کا حکم فرماتا ہے: ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَوْفُواْ بِالْعُقُودِ'' (المائدۃ:۱)، ''وَأَوْفُواْ بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُولاً'' (الاسراء:۳۴)، نیز جو لوگ اسمگلنگ کا عمل کرتے ہیں وہ پوری قوم اور باشندگان ملک کو اپنی اس حرکت کے ذریعہ نقصان پہونچاتے ہیں اور زیر بار کرتے ہیں، جو غیر اسلامی ہونے کے علاوہ غیر انسانی حرکت بھی ہے؛ لہذا اسگلنگ کے عمل کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا، اسی طرح اس کے ذریعہ درآمد کئے ہوئے سونے چاندی کی خرید وفروخت بھی ممنوع ہوگی تاہم اگر خرید وفروخت کا معاملہ کرہی لیتا ہے تو معاملہ درست ہوگا۔

۸- اس سوال کا جواب تحریر کرنے سے پہلے ایک ہلکی نظر اس کی تاریخ پر ڈالتے چلیں:

پلاٹین اسپینی زبان کا ایک لفظ ہے، اس کا معنی ہے چھوٹا سونا، اور یہ ایک قیمتی معدنیات میں سے ہے، اس کا رنگ سفیدی مائل ہوتا ہے، اس میں سونے کی طرح لچک ہوتی ہے۔

۱۵۵۷ء میں پہلی مرتبہ ایٹالین سائنسدان نے اس کا پتا لگایا اور اس نے دنیا کے سامنے انکشاف کیا، شروع میں قیمت بہت معمولی تھی، اس وقت دنیا کو اس کی قمت کا انکشاف نہیں ہوا تھا، جب سے اس کی خوبیوں کو دنیا نے پایا اور اس کے استعمال کرنے والوں کی طرف سے اس کی طلب میں اضافہ ہوا اس وقت سے اس کی قیمت مزید بڑھتی ہی رہی۔

زیورات میں اس کا استعمال اس کی صلابت اور قوت کی وجہ سے شروع ہوا، اور اب دانتوں اور عمل جراحی کے سامانوں کی تیاری میں بھی اس کا استعمال عام ہوگیا ہے۔ (مراجعت کے لئے: mawdoo3.com)۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات اس کی قیمت سونے سے بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے، اور عالمی پیمانے پر اس کی خرید وفروخت ہوتی ہے، پلاٹین کو اسی وجہ سے لوگوں نے سفید سونا کہنا شروع کردیا، سوال یہ ہے کہ کیا یہ حقیقی سونے کے حکم میں ہوگا، نیز عقود اور زکوۃ وغیرہ میں اس پر سونے کے احکام منطبق ہوں گے؟

پلاٹین کا عرف اور رواج ایک سونے کی حیثیت سے ہی ہے، لوگوں کا پلاٹین کو سفید سونا کہنا اس بات کی دلیل ہے، لیکن اس کے باوجود پلاٹین کو حقیقی سونا نہیں کہا جاسکتا ہے، نیز عقود اور زکوۃ وغیرہ میں اس پر سونے کے احکام منطبق نہیں ہوسکتے ہیں، دلیل یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے یہ حکم قرآن میں ذکر نہیں کیا ہے، اس کی حیثیت بس ایک مباح شئ کی ہے، جس کا استعمال صنف کی تقسیم کئے بغیر مرد وعورت دونوں کے لئے جائز ہے۔

نیز لوگوں کے عرف کی وجہ سے بھی پلاٹین حقیقی سونے کے حکم میں نہیں ہوسکتا، کیوں کہ یہ عرف اب صرف پلاٹین کے ساتھ ہی خاص نہیں رہا؛ بلکہ دوسری دیگر اشیاء کو بھی عرف میں سونا کہا جاتا ہے، مثال کے طور پر قطن یعنی کارٹن کو عوام نے اس کے قیمتی ہونے کی وجہ سے سفید سونا کہنا شروع کردیا ہے۔ اسی طرح پٹرول کی دولت آج کی حکومتوں کے لئے ایک بڑی دولت ہوتی ہے، ملک کی معیشت کا براہ راست اس سے تعلق ہوتا ہے، عوام نے پٹرول کو بھی کالا سونا کہنا شروع کردیا ہے، پس اگر اس عرف کی بنیاد پر پلاٹین کو حقیقی سونا تصور کرلیا گیا تو پھر قطن اور پٹرول کو بھی حقیقی سونے کے حکم میں ماننا پڑے گا؛ لہذا میرے نزدیک عرف کی بنیاد پلاٹین سونے

کے حکم میں نہیں ہوگا، نیز عقود اور زکوۃ وغیرہ میں اس پر سونے کے احکام بھی منطبق نہیں ہوں گے۔

چوں کہ اس کے زیورات دوطرح سے بنائے جاتے ہیں:

۱- خالص پلاٹین سے۔

۲- سونے چاندی اور دیگر معدنیات کے ساتھ ملا کر۔

لہذا خالص پلاٹین کا بنا زیور کا استعمال مرد وعورت دونوں کے جائز ہوگا اور عقود وزکوۃ وغیرہ میں حقیقی سونے کے احکام منطبق نہیں ہوں گے، اگر سونا چاندی کے ساتھ بنایا گیا ہو تو پھر اس کا استعمال عورتوں کے لئے تو جائز ہوگا مردوں کے جائز نہیں ہوگا، نیز اس زیور کی خرید وفروخت یا استعمال میں وہی سارے احکام نافذ ہوں گے جو سونا چاندی کے ہیں۔

☆☆☆

سونا چاندی کی خرید وفروخت اور جدید مسائل

مفتی عبدالباسط قاسمی پالنپوری☆

۱-روپیہ کی شرعی حیثیت:

(الف) موجودہ کرنسی (کاغذی نوٹ، سکے) سونے چاندی کے حکم میں نہیں ہے، بلکہ ان کی حیثیت ثمن اصطلاحی وعرفی ہے، اور ثمن اصطلاحی سے مراد وہ شیء ہے جو لوگوں کے عرف واتفاق کی وجہ سے ثمن کے درجہ میں آ گئی ہو، جب کہ سونا چاندی کی حیثیت ثمن حقیقی کی ہے، نیز دونوں کی اجناس مختلف ہیں، لہذا موجودہ کرنسی کے ذریعہ سونا چاندی کی خرید جائز ہے، چاہے زیورات خریدیں یا بسکٹ یا دراہم وغیرہ، لیکن ذریعۂ تبادلہ کی صورت میں کرنسی نوٹ احکام میں ثمن حقیقی کے مشابہ ہے، لہذا ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ اسی ملک کی کرنسی سے کمی بیشی کے ساتھ نہ تو نقد جائز ہے نہ ادھار، البتہ دو ملکوں کی کرنسیاں دو اجناس ہیں، اس لئے ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ دوسرے ملک کی کرنسی سے کمی بیشی کے ساتھ حسب رضائے فریقین جائز ہے، روپے سے سونا چاندی خریدنے کی صورت میں ایسی بیع کو بیعِ صرف تصور نہ کیا جائے گا، ان پر بیع صرف کے احکام جاری نہیں ہوں گے، کیوں کہ بیع صرف کی تعریف امام قدوریؒ نے ان الفاظ میں کی ہے:

"الصرف هو البيع إذا كان كل واحد من عوضيه من جنس الأثمان فإن با ع فضة بفضة أو ذهبا بذهب لم يجز الخ" (المختصر القدوری:۸۵)۔

بیع صرف وہ بیع ہے: جس میں ثمن اور مبیع دونوں سونا چاندی کے جنس سے ہوں، سونا چاندی اور روپے میں ایک نقد اور دوسرا ادھار ہونے کی صورت میں بھی بیع درست ہوگی، اس لئے کہ روپے سے سونے چاندی کا لین دین بیع صرف کے حکم میں داخل نہیں ہے، بشرطیکہ عوضین میں سے کسی کا ایک مجلسِ عقد میں قبضہ ہوجائے تا کہ بیع الکالی بالکالی لازم نہ آئے۔

"لما قال العلامة ابن عابدين الشامي (تنبيه) سئل الحانوتي عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة فأجاب بأنه يجوز إذا قبض أحد البدلين" (ردالمحتار ۴/۲۰۵ باب الربٰوا)۔

"و في الهندية: قال: و روى الحسن عن أبي حنيفة إذا اشترىٰ فلوسا بدراهم و ليس هذا فلوس و لا عند الآخر دراهم ثم إن أحدهما دفع و تفرقا جاز و إن لم ينقد واحد منهما حتى تفرقا لم يجز كذا في المحيط" (الفتاویٰ الہندیہ ۳/۲۲۴ فی بیع الفلوس)۔

☆ مفتی واستاذ مدرسہ کنز مرغوب، پٹن۔

(ب): کومیکس گولڈ مارکیٹ یا حکومت کے مقرر کردہ نرخ پر سونے چاندی کی خرید وفروخت میں کمی بیشی اختیار کرنا:

آج کل سونا اور چاندی کی تجارت بہت ہی عروج پر ہے، اس کے لئے با قاعدہ مارکیٹ کا وجود ہے، اب اس میں حکومت یا سونے کی مارکیٹ جیسے انٹرنیشنل سطح پر کومیکس گولڈ مارکیٹ یا ہندوستانی مارکیٹ Mc نے اس کا نرخ طے کیا ہے، لیکن لوگ بلیک مارکیٹ میں یا ذاتی معاملات میں حکومت کے مقرر کردہ ریٹ کے بجائے اپنی مرضی سے ریٹ لگا کر خرید وفروخت کرتے ہیں، جو حکومت کے مقرر کردہ بھاؤ سے کم وبیش ہوتا ہے، اس بارے میں حکم شرع یہ ہے کہ جب بائع ومشتری باہمی رضامندی سے یہ عقد کرے تو جائز ہے، بشرطیکہ یہ عقد دھوکہ اور فریب سے خالی ہو۔

"من مناهج الشريعة العامة الصفقات التجارية و كافة العقود و الاتفاقات ان لا يتم ابرام العهود الا بمرضاة الطرفين و أن يكون لهما التحرر و الاختيار حتى لا يتضرر به الآخر" (فقہ الحلال والحرام:۳۳۲)۔

"وللبائع أن يبيع بضاعته بما شاء من ثمن و لا يجب عليه أن يبيعه بسعر السوق دائما، و للتجار ملاحظة مختلفة فی تعيين الاثمان و تقريرها الخ" (قضایا فقہیۃ معاصرۃ:۸)۔

لیکن یہ معاملہ اس قانون کی خلاف ورزی ہے جو مفاد عامہ کے لئے حکومت نے نافذ کیا ہے، اس لئے اس خارجی سبب کی بنا پر اس طرح کے معاملات کی اجازت نہ ہونی چاہئے، کیوں کہ فقہ اسلامی کا قاعدہ ہے کہ جائز ومباح امور میں قوانینِ حکومت کی پابندی واجب ہے۔

جیسا کہ ''الاشباہ والنظائر'' میں ہے:

"إذا كان فعل الإمام مبنيا على المصلحة فيما يتعلق بالأمور العامة لم ينفذ أمرهٗ شرعا إلا إذا وافقه فإن خالفه لم ينفذ" (الاشباہ والنظائر:۴۱۲)۔

البتہ اس آمدنی کو حرام نہ کہا جائے گا، کیوں کہ نفسِ عقد میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ جیسا کہ شامی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس عقد میں معصیت نہ ہو وہ مکروہ نہیں ہے۔

"و عرف بهذا أنه لا يكره بيع ما لم يقم المعصية به كبيع الجارية المغنية و الكبش النطوح و الحمامة الطيارة و العصير و الخشب ممن يتخذ منه المعازف" (شامی ۴۲۱/۶ باب البغاۃ)۔

حکومت کے مقرر کردہ نرخ کی خلاف ورزی میں ربا تفاضل کا اطلاق نہ ہوگا، کیوں کہ عموماً فقہاء نے ربا تفاضل کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے، جیسا کہ علامہ شامیؒ کے الفاظ ہیں:

"فالظاهر من كلام المصنف تعريف ربا الفضل، لأنه هو المتبادر عند الإطلاق و لذا قال فی البحر فضل أحد المتجانسين، نعم هذا يناسب تعريف الكنز بقوله فضل مال بلا عوض فی معاوضة مال بمال" (ردالمحتار ۳۹۹/۷ باب الربوٰ ازکریا)۔

اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جب عاقدین باہمی رضامندی سے معاملہ کررہے ہیں، نیز دونوں کی جنس بھی مختلف ہے، لہذا یہ اضافہ ربا تفاضل کی فہرست میں نہیں آئے گا۔

۲-الف: سونار کا متعینہ وزن میں بعوض مزدوری سونا لینا، شرعی نقطۂ نظر:

زیور بنانے والے کاریگر کے زیورات کے تاجروں سے ایک متعینہ وزن میں سونے لینے کی جوصورت سوال نامہ میں درج ہے وہ اجارہ تصور کی جائے گی، کیوں کہ اس پر اجارہ کی تعریف کا اطلاق ہوتا ہے، اور اجارہ منافع بالعمل کی صورت ہے، مندرجہ ذیل قدوری کی عبارت سے اجارہ کی تعریف وتفصیلات معلوم ہوتی ہے۔

چنانچہ ابوالحسن القدوری تحریر فرماتے ہیں:

"الإجارة عقد على المنافع بعوض"۔

"و تارة تصير المنافع معلومة بالمدة و تارة تصير معلومة بالعمل و التسمية كمن استاجر رجلا على صبغ ثوب أو خياطة ثوب الخ "(قدوری:۱۰۰)۔

مذکورہ عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ سوال میں مذکورصورت اجارہ منافع بالعمل ہے۔

(ب) عامل کے جزءعمل ہی کو اجرت بنانا:

عامل کے جزءعمل کو اجرت بنانا قفیز طحان کے دائرہ میں آتا ہے، جس سے آپ ﷺ نے منع کیا ہے، جیسا کہ سنن کبریٰ کی روایت حضرت ابوسعید خدریؓ سے ہے کہ آپ ﷺ نے اونٹ کی جفتی کی اجرت اور قفیز طحان سے منع فرمایا ہے:

"عن أبي سعيد الخدريؓ قال نهى عن عسب النحل و عن قفيز الطحان"(السنن الکبریٰ للبیہقی ۵/۳۳۹)۔

یہ مسئلہ متفق علیہ نہیں ہے، بلکہ فقہاء کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ اس طرح اجرت کی تعیین درست ہوگی یا نہیں؟ جمہور فقہاء نے اس کو منع کیا ہے، اور بعض مالکیہ اور امام مزنیؒ جائز قرار دیتے ہیں، جیسا کہ الفقہ الاسلامی کی عبارت ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/ ۵۴۳، الہدی دیوبند)۔

البتہ ضرورت وتعامل ناس کی بنا پر مشائخ بلخ نے اس طرح کی صورت کو جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ "الفتاویٰ الہندیہ" میں مذکور ہے:

"و مشائخ بلخ جوزوا هذه الإجارة لمكان الضرورة و التعامل" (فتاوی ہندیہ ۴/۴۴۵)۔

نیز مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے جدید فقہی مسائل میں قفیز طحان کے مسئلہ میں تفصیلی کلام کیا ہے، جس کو خلاصہ کے طور پر یہاں پیش کیا جارہا ہے:

اس سلسلہ میں مختلف نظائر پیش کئے ہیں، مثلاً: ۱-مزارعت، اس میں مزارع کو پیداوار کا ایک حصہ ہی اجرت پر دیا جاتا ہے، جو صریحا عامل کے جزءعمل کو اجرت بنانے کی نظیر ہے۔

۲-مساقاۃ کا مسئلہ ہے، جس میں بھی کھیتی کی طرح پھلوں میں بھی بٹائی داری کی فقہاء نے اجازت دی ہے۔

۳-مضاربت ہے، اس میں جو بھی نفع حاصل ہوتا ہے وہ ایک خاص تناسب کے ساتھ دونوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، یہاں بھی تاجر و مضارب کو اس کا جزء عمل ہی اجرت کے طور پر ملتا ہے، حالاں کہ اس کے جواز پر فقہاء کا اتفاق ہے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے پوری تفصیلی بحث کے بعد خلاصۂ بحث کو ذکر کیا ہے، اور قیمتی نکات کو بیان کیا ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

پس اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ

۱-قفیز طحان والی روایت معلول اور متکلم فیہ ہے۔

۲-قفیز طحان والی روایت کی اس طرح تاویل ممکن ہے کہ اس کو اس صورت پر محمول کیا جائے جب کہ مقدار مقرر نہ کی گئی ہو۔

۳-اگر تاویل نہ کی جائے اور سمجھا جائے کہ عامل کے جزء عمل کو اجرت نہ بنایا جائے تو ایسے تمام جزئیات پر اس حکم کا انطباق قیاس کی قبیل سے ہوگا۔

۴-قیاس کے ذریعہ جو احکام ثابت ہوں، اور عرف و رواج اس کے خلاف ہو تو مروج و معروف عمل جائز قرار دیا جاتا ہے، اور قیاس چھوڑ دیا جاتا ہے۔

۵-ہمارے زمانہ میں کاروبار اور معاملات کے مختلف ایسے طریقے مروج ہیں جن میں عامل کے جزء عمل کو ہی اجرت بنایا جاتا ہے۔

۶-ایسی صورتوں میں گو قطعی مقدار مقرر نہیں کی جاتی لیکن ایسا تناسب مقرر کیا جاتا ہے جو اجرت کی مقدار مآلاً متعین کر دیتا ہے اور نزاع پیدا نہیں ہوتا، اور کسی معاملہ میں ایسی جہالت اور عدم تعیین جو نزاع کا باعث نہ ہو مضر نہیں ہے۔

۷-شریعت میں مزارعت، مساقات اور مضاربت کی صورت میں ایسی نظیریں موجود ہیں اور صحت اور صراحت کے ساتھ ثابت ہے جو عامل کے جزء عمل کو اجرت مقرر کرنے کو درست قرار دیتی ہیں، پس ہمارے زمانہ میں کاروبار اور معاملات میں ایسی صورتیں جو قفیز طحان کی قبیل سے ہیں اور کثرت سے مروج و معمول ہیں جائز ہونی چاہئیں (جدید فقہی مسائل ۴/ ۳۳۴)۔

مذکورہ کتاب کی عبارت اور مشائخ بلخ کے مذہب کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ سوال (۲) میں مذکور صورت میں ضرورت اور تعامل ناس اور عرف و رواج کی بناء پر جواز کا حکم ہوگا۔

۳-سونے کا پرانہ زیور زیادہ وزن کا لے کر سونے کا نیا زیور کم وزن والا دینا:

آپ ﷺ نے حرمت ربا کا ایک جامع اصول بیان فرمایا ہے، چنانچہ جامع بخاری و مسلم کی روایت ہے:

"الذهب بالذهب و الفضة بالفضة و البر بالبر و التمر بالتمر و الشعير بالشعير و الملح بالملح مثلاً بمثل سواءً بسواءٍ يداً بيد، فمن زاد أو استزاد فقد أربىٰ أى دخل فى الربا المحرم، الآخذ و المعطى فيه سواءٌ" (البخاری: رقم ۲۱۷۴ و مسلم: رقم ۱۵۸۴)۔

حدیث پاک میں آپ ﷺ نے اشیاء ستہ میں کسی کو اسی جنس کے عوض فروخت کرنا ہو تو اس کے جواز کے لئے دو شرطیں بیان فرمائی ہیں:

۱- برابر وزن میں فروخت کیا جائے، کسی طرف کمی بیشی نہ ہو۔

۲- نقد فروخت کیا جائے، ایک طرف یا دونوں طرف سے ادھار نہ ہو۔

اس میں زیادتی کرنے والا اور زیادتی کا مطالبہ کرنے والا سودخوری کے حرام طریقہ کو اپنانے والا ہوگا، اس میں لینے والے اور دینے والے دونوں گناہ میں برابر شریک ہوں گے۔

فقہاء کرام نے حدیث میں بیان کردہ اصول کو سامنے رکھتے ہوئے بیع صرف کے احکام تحریر فرمائے ہیں، چنانچہ امام قدوریؒ تحریر فرماتے ہیں:

”**فإن با ع فضة بفضة أو ذهبا بذهب لم يجز إلا مثلا بمثل وإن اختلفا فى الجودة و الصياغة و لا بد من قبض العوضين قبل الافتراق**“ (قدوری:۸۵) (تفصیل کے لئے دیکھئے: الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/۴۴۶، ۴۷۷)۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ فقہاء نے تجارت میں سود ثابت ہونے کے لئے دو چیزوں کو علت قرار دیا ہے، ۱- جنس ۲- قدر اب ایک چیز کو دوسری چیز کے عوض فروخت کرنے میں اگر دونوں وصف پائے جائیں تو عوضین کا مساوی ہونا اور نقد ہونا ضروری ہے، خواہ دونوں کے درمیان جودت اور زرگری میں تفاوت کیوں نہ ہوں، اب اگر کمی بیشی کے ساتھ یا ادھار فروخت کرے تو دونوں صورتوں میں سود لازم آنے کی وجہ سے حرام ہے۔

اوپر بیان کردہ اصول سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سوال نمبر (۳) میں تحریر کردہ صورت بھی بیع صرف کی قبیل سے ہے، اور بیع صرف کے جواز کی بنیادی شرطیں جنس اور قدر ہیں، یہاں قدر مفقود ہے، لہذا تاجروں کا سونے کے پرانے زیور زیادہ وزن کے لینا اور سونے کے نئے زیور کم وزن والے دینار با تفاضل کے پائے جانے کی وجہ سے شرعاً جائز نہیں ہے۔ جب کہ ایک ہی عقد میں یہ تبادلہ ہو، البتہ اگر دونوں عقد الگ الگ ہوں کہ پرانا زیور کم قیمت میں خریدا جائے اور نیا زیور زیادہ قیمت میں فروخت کیا جائے تو یہ جائز ہے، بشرطیکہ عاقدین رضامند ہوں۔

۴- مشترک چیز میں خریدار کا قبضہ:

الف- احناف کے یہاں قبضہ کا مفہوم وسیع ہے، عندالاحناف قبضہ کا حاصل صرف تخلیہ ہے، اور احناف نے تخلیہ کے مفہوم میں وسعت پیدا کی ہے، اور تخلیہ حقیقی وحکمی کی دوصورتیں کر کے استیلاء کی تمام صورتوں کو سمیٹ لیا ہے، اور تخلیہ کا مطلب ہے کہ مبیع اور مشتری کے درمیان باعتبار حقیقت یا باعتبار عرف و عادت ایسا کوئی مانع اور حائل نہ ہو جو مشتری کو عرفی قبضہ کرنے سے اور اس میں تصرف کرنے سے روک سکے خواہ اموال منقولہ ہوں یا غیر منقولہ، بلکہ مبیع اس حال میں ہو کہ مشتری اگر اس میں تصرف کرنا چاہے تو آزادی کے ساتھ تصرف کر سکے، اگرچہ مبیع ابھی بائع کے پاس ہی موجود ہو، چنانچہ علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

”**و أما تفسير التسليم و القبض فالتسليم و القبض عندنا هو التخلية و التخلى و هو أن يخلى البائع بين المبيع و بين المشترى برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشترى من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع و المشترى قابضا له**“ (بدائع الصنائع ۵/۲۴۴)۔

نیز ایک دوسرے مقام میں تحریر فرماتے ہیں:

”ولا یشترط القبض بالبراجم لأن معنی القبض ھو التمکین و التخلی و ارتفاع الموانع عرفا و عادة حقیقة“ (بدائع الصنائع ۵/۱۴۸)۔

نیز مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے بیع قبل القبض کی بحث کرتے ہوئے قبضہ کے متعلق تفصیل تحریر فرمائی ہے، اس کو جدید فقہی مسائل میں دیکھا جاسکتا ہے (جدید فقہی مسائل ۴/۲۱۴)۔

حاصل یہ ہے کہ قبضہ کا مصداق نہ کتاب وسنت میں متعین ہے اور نہ فقہاء نے اس کا کوئی قطعی مفہوم مقرر کیا ہے، بلکہ یہ ہر دور کے عرف ورواج اور خرید کی گئی اشیاء کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہوسکتا ہے۔

آج کل کموڈیٹیز ایکسچینج میں دوسری اشیاء کے ساتھ سونے چاندی کی خرید وفروخت ہوتی ہے، اور سوال میں مذکور جو صورت بیان کی گئی ہے، اگر مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ ہے تو معاملہ درست ہوگا، اور قبضہ ثابت ہوگا۔

۱- فوری طور پر قیمت ادا کی جاتی ہو اور سونے کے حقوق خریدار کے متعلق ہوجاتے ہوں، کیوں کہ کموڈیٹیز ایکسچینج میں عام طور پر بعض انتظامی مجبوریوں کی وجہ سے مبیع کی حوالگی میں تاخیر ہوجاتی ہے، تو اس عقد کو بیع کالی بالکالی سے بچانے کے لئے فوری طور پر قیمت ادا کرنا ضروری ہے، اور مبیع (سونا چاندی) کے حقوق خریدار سے متعلق ہونا اس لئے ضروری ہے تاکہ قبضہ متحقق ہوسکے۔

۲- مبیع موجود ہو اور بائع کی ملکیت میں ہو، جو چیز اپنی ملکیت میں نہ ہو اس کی بیع درست نہیں، چنانچہ قدوری میں ہے:

”و لا یوز بیع السمک فی الماء قبل ان یصطادہ و لا بیع الطائر فی الھواء“ (۷۸)۔

۳- مبیع اس طرح متعین ہو کہ وہ دوسرے کی ملکیت سے ممتاز ہو، خواہ اس طرح اسے الگ کردیا گیا ہو یا نمبر کے ذریعہ اس کو الگ کردیا گیا ہو (جدید مالیاتی ادارے: ۹۰)۔

ب- کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں مشتری کا نام درج کرنا قبضہ کے لئے کافی تصور کیا جائے گا:

اس سلسلہ میں حضرات فقہاء کی تحریر کا حاصل یہ ہے کہ بائع مبیع کو اپنے مال سے الگ کرکے اس طرح رکھ دے کہ مشتری اپنے سامان کو اپنے اختیار سے جب لے جانا چاہے، یا اس میں اپنے اختیار سے تصرف کرنا چاہے تو بائع کی طرف سے کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔

”و لا یشترط القبض بالبراجم لأن معنی القبض ھو التمکین و التخلی و ارتفاع الموانع عرفا و عادة حقیقة“ (بدائع الصنائع ۵/۱۴۸)۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اصل چیز ضمان میں آجانا ہے، اس ضمان میں آجانے کے لئے حسی قبضہ کوئی ضروری نہیں بلکہ اگر اس نے حساً قبضہ نہیں کیا لیکن بائع نے تخلیہ کردیا تو تخلیہ کرنے کے معنیٰ یہ ہوتے ہیں کہ بھائی میں نے تمہیں قدرت دے دی ہے جب چاہو اس پر قبضہ کرلینا، پھر بھی اگر وہ میرے پاس ہی رہی تو بطور امانت ہوگی نہ کہ بطور ضمان، کیوں کہ اب ضمان بائع سے مشتری کی طرف منتقل ہوگیا ہے، تو اب قبضہ کا حکم بھی متحقق ہوگیا (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/۱۰۰)۔

فقہاء کرام کی آراء کو سامنے رکھتے ہوئے یہی بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ اگر ہر مشتری کے لئے اس کی خریدی ہوئی مقدار کا سکہ الگ سے موجود ہو، اور اس کو کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں اس کے نام سے درج کیا گیا ہو تو اس اندراج کو قبضہ کے لئے کافی تصور کیا جائے گا۔

جیسا کہ رابطہ عالم اسلامی کے تحت قائم ''المجمع الفقهي الاسلامي'' مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے میں ایک کرنسی کو دوسری کرنسی میں تبدیل کرنے کی صورت میں قرارداد تحریر کی ہے:

بینک کے رجسٹر میں اندراج اس شخص کے حق میں قبضہ کے لئے معتبر ہوگا (ص:۳۲۶)

۵- مستقبل کی تاریخ پر خرید وفروخت:

آج کل بازار میں تجارت کی ایک خاص قسم رائج ہے، جس کو عربی میں المستقبليات (Futures) کہا جاتا ہے۔

مستقبلیات وہ عقد تجارت ہے، جس کا مقصد کسی چیز کی معین مقدار کو مستقبل کی کسی معین تاریخ میں بیچنا یا خریدنا ہوتا ہے، عام طور پر جو لوگ اس قسم کے معاملات میں حصہ لیتے ہیں، وہ دو قسم کے ہوتے ہیں، ان دونوں کے اغراض الگ الگ ہوتے ہیں، بعض لوگ وہ ہوتے ہیں جو نفع کی امید پر اپنا روپیہ داؤ پر لگاتے ہیں، جن کو اصطلاح میں مخاطر (Speculator) کہا جاتا ہے، ان لوگوں کا مقصد اس معاملہ کے ذریعہ نہ بیچنا ہوتا ہے، نہ خریدنا، نہ مبیع مقصود ہوتی ہے اور نہ ہی ثمن، بلکہ ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ قیمتِ خرید اور قیمتِ فروخت کے درمیان جو فرق ہے اس کو بطور نفع کے وصول کریں، چنانچہ یہ لوگ عام طور پر قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کے ماہرین کی بات پر اعتماد کرتے ہوئے مستقبل کا معاملہ اس امید پر کر لیتے ہیں کہ کچھ عرصہ کے بعد جب دام بڑھے گا اس وقت اس کو زیادہ قیمت پر فروخت کر لیں گے۔ اور اس عقد کے نتیجہ میں ان کو مبیع پر قبضہ اور اس کی سپردگی کی تکلیف میں پڑے بغیر ہی خالص نفع حاصل ہو جائے گا، اب بعض اوقات ان کی یہ امیدیں کامیاب ہو جاتی ہیں اور بعض اوقات ناکام ہو جاتی ہیں۔

اور بعض لوگوں کا اس عقد کے ذریعہ یہ مقصد ہوتا ہے کہ وہ جو عقد فی الحال کر رہے ہیں، آئندہ زمانۂ مستقبل میں اس کے نفع کی حفاظت کر لی جائے، تاکہ آئندہ نقصان سے بچ جائیں، جس کو اصطلاح میں تامین الربح (Hedging) کہا جاتا ہے، یہ فیوچر ٹریڈنگ کا مختصر خلاصہ ہے (اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۳/ ۲۵۵ تا ۲۶۰)۔

سوال (۵) میں مذکور صورت پہلی قسم کی قبیل سے ہے، اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ اس طرح کا معاملہ شرعاً حرام اور ناجائز ہے اور شریعت کے بہت سے احکام سے متصادم ہے، نیز اس میں قمار اور جوا بھی ہے، حقیقت میں خرید وفروخت مقصود نہیں ہے، محض نفع نقصان مدنظر ہوتا ہے، دونوں طرف سے عوضین ادھار ہے، اور یہ بیع الکالی بالکالی کی قبیل سے ہے، اور آپ ﷺ نے ایسی خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ صاحبِ مشکوٰۃ نے ابن عمرؓ کی روایت نقل کی ہے:

''عن ابن عمرؓ أن النبي ﷺ نهى عن بيع الكالي بالكالي'' (مشکوٰۃ: ۲۴۸)۔

نیز قمار، جوا کا حرام ہونا نص قطعی سے ثابت ہے۔

''يايها الذين اٰمنوا انما الخمر و الميسر و الانصاب و الازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه'' (المائدہ: ۹۰)۔

آپ ﷺ نے زمانۂ جاہلیت کے جو قمار آمیز معاملات تھے، مثلاً بیع ملامسہ، بیع منابذہ، بیع حصاۃ، بیع عربان وغیرہ سے منع فرمایا ہے، حضرت شاہ ولی اللہؒ نے آپ ﷺ کی ممنوع کردہ صورتوں کا اصولی و تفصیلی تجزیہ کیا ہے، اور واضح کیا ہے کہ اسبابِ ممانعت میں سے ایک وہ ہے جس میں قمار کی کیفیت پائی جاتی ہو۔

”واعلم أن من البیوع ما یجری فیه معنی المیسر، و کان أهل الجاهلیة یتعاملون بها فیما بینهم فنهی عنها النبی ﷺ“ (رحمۃ اللہ الواسعہ ۵۶۰/۴)۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ سوال (۵) میں مذکور صورت کسی بھی صورت میں جائز نہ ہوگی، کیوں کہ وہ قمار جوا ہے، حقیقت میں خرید وفروخت مفقود ہے، اور محض ایک کاغذی کارروائی ہے، اسی کی بنیاد پر نفع یا نقصان ہوتا ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔

۶-سونا چاندی کا احتکار اور اس کا شرعی حکم:

احتکار کا لغوی معنی ذخیرہ اندوزی یعنی غلہ کو اس نیت سے ذخیرہ کر لینا کہ جب ریٹ بھاؤ بڑھے گا تو فروخت کروں گا، اور شریعت کی اصطلاح میں اشیاءِ ضروریہ کو خرید کر اس طرح روک لینا جس سے اہل شہر کو مشقت لاحق ہو۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

”و ذلک أن یشتری طعاما فی مصر و یمتنع من بیعه و ذلک یضر بالناس“ (۲۱۳/۳)۔

احتکار کے معاملہ میں ائمہ فقہاء کی آراء مختلف ہیں، امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک صرف غذائی اشیاء میں ممنوع ہے، چاہے وہ انسانی غذائی اشیاء ہوں یا جانوروں کی، اور امام محمدؒ کے نزدیک ہر اس چیز میں جو عوام الناس کو نقصان پہنچائے، چنانچہ ہدایہ میں ہے:

”و تخصیص الاحتکار بالأقوات کالحنطة و الشعیر و التبن و القت قول أبی حنیفةؒ و قال أبو یوسفؒ کل ما أضر بالعامة حبسه فهو احتکار و إن کان ذهبا أو فضة أو ثوباً“ (ہدایہ ۴۷۰/۴)۔

امام مالکؒ کی بھی رائے امام ابو یوسفؒ کی طرح ہے، چنانچہ ”فتاویٰ ہندیہ“ میں مذکور ہے:

”و الاحتکار فی کل ما یضر بالعامة فی قول أبی یوسفؒ و قال محمدؒ: الاحتکار بما یتقوت به الناس و البهائم کذا فی الحاوی“ (الہندیہ ۲۱۳/۳)۔

اور جب ضرورت لاحق ہو، اور روکنے سے ضرر ہونے لگے تو کراہیت کا حکم ہوگا، چنانچہ الفقہ الاسلامی میں مذکور ہے:

”إنهم اتفقوا علی أن الاحتکار یکون فی حال الضیق و الضرورة لا فی وقت السعة، ...... و یحرم الاحتکار أیضا عند المالکیة و أبی یوسفؒ فی غیر الطعام فی وقت الضرورة، لا فی وقت السعة، فلا یجوز عندهم الاحتکار فی الطعام وغیره من الکتان و القطن و جمیع ما یحتاج الیه الإنسان أو کل ما أضر بالناس حبسه قوتا کان أو لا و لو ثیابا أو دراهم“ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵۸۸/۳)۔

آپ ﷺ نے بڑے سخت الفاظ میں محتکر کی مذمت فرمائی ہے، چنانچہ مسلم شریف کی روایت ہے:

”من احتکر فهو خاطی“ (رقم: ۱۲۲۸)۔

نیز ایک دوسری روایت میں ہے:

"الجالب مرزوق و المحتكر ملعون" (نصب الرایہ ۴/۲۶۱، البنایہ ۱۱/۲۳۸)۔

فقہاء کرام نے حکومت اور انتظامیہ کو اس بات کا حقدار گردانا ہے کہ وہ ضروری سمجھے تو بالجبر ایسا مال نکال کر فروخت کرادے، چنانچہ "فتاوی ہندیہ" میں لکھا ہے:

"قال محمدؒ: للإمام أن يجبر المحتكر على البيع إذا خاف الهلاك على أهل المصر و يقول للمحتكر بع بما يبيع الناس" (الہندیہ ۳/۲۱۴)۔

"ومنها بيع طعام المحتكر جبراً عليه عند الحاجة و امتناعه من البيع رفعا للضرر و العام" (الأشباہ والنظائر: ۲۱۳)۔

احادیث نبویہ اور فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ سونے کے تاجروں کا سونا روک لینا تاکہ ریٹ بڑھنے کے بعد اس کو فروخت کریں گے، یہ احتکار میں داخل ہے، کیوں کہ سونا ثمن خلقی ہونے کی وجہ سے اس کو روک لینے کی صورت میں سونے کی قیمت تو گراں ہوتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ اس گرانی کا اثر دوسری چیزوں پر بھی پڑتا ہے، جس کی وجہ سے عوام الناس مشقت کے شکار ہوتے ہیں، جب کہ فقہ اسلامی کا ایک قاعدہ ہے: "الضرر يزال"۔

لہذا احتکار میں امام ابو یوسفؒ کی رائے زیادہ قرین قیاس ہے، سونے کا احتکار نہ کرکے اس کو بازار میں لایا جائے اور احتکار سے بچا جائے تاکہ لوگوں کی پریشانی کا ازالہ ہوسکے، اور لوگوں کی ضرورتیں پوری ہوسکیں۔

۷- اسمگلنگ کے راستہ سے آنے والا سونا، اور اس کی خرید وفروخت:

ہر آدمی کو اپنے روپیوں پیسوں کے ذریعے اپنی ضرورت یا پسند کی اشیاء جو بھی ہو، اور جہاں سے چاہے خریدنے کا حق حاصل ہے، لہذا بیرونی ممالک سے مال خریدنا یا وہاں فروخت کرنا شرعاً مباح اور درست ہے۔

"و للبائع أن يبيع بضاعه بما شاء من ثمن و لا يجب عليه أن يبيعه بسعر السوق دائماً و للتجار ملاحظة مختلفة فى تعيين الأثمان و تقديرها" الخ (قضایا فقہیۃ معاصرۃ ص ۸)۔

لیکن مختلف ممالک اپنے ملک کی معاشی مصالح کے پیش نظر دوسرے ملکوں کی برآمدات پر پابندی عائد کردیتے ہیں کہ ان کے آنے کی وجہ سے ملکی مصنوعات اور ان کی نکاسی کو نقصان پہنچ سکتا ہے، اور ملک کا معاشی نظام عدم توازن کا شکار ہوسکتا ہے۔

بیرونی ممالک سے اشیاء کے آمد کے دو راستے ہیں: ۱- ملک کے قانون کے مطابق ان اشیاء سے متعلق واجبات (ٹیکس وغیرہ) ادا کرکے لانا۔ ۲- دوسرا طریقہ اسمگلنگ کا ہے، یہ طریقہ غیر قانونی ہے۔

سوال (۷) میں مذکور طریقہ یہ دوسرا اسمگلنگ کا طریقہ ہے، یہ چند وجوہ سے ناجائز ہے، چنانچہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے جدید فقہی مسائل میں وضاحت کی ہے،

۱- ایک تو اس معاہدہ کی خلاف ورزی ہے جو اس ملک کا شہری ہونے کے لحاظ سے اس کے قانون کے احترام کے سلسلہ میں ضروری ہے۔

۲- دوسرے اس طرح پوری قوم اور باشندگان ملک کو اپنی حرکت کے ذریعہ نقصان پہنچاتا ہے اور زیر بار کرتا ہے جو غیر اسلامی ہونے کے علاوہ غیر انسانی حرکت بھی ہے۔

معاشی مصالح کے پیش نظر اس قسم کی پابندیوں کی گنجائش ہے، اس کی نظیر 'تلقی جلب' اور 'بیع حاضر للبادی' ہے۔ جس کو مکروہ قرار دیا گیا ہے، وہ کیوں کہ اس کی وجہ سے گرانی بڑھتی ہے، اور اس شہر کے باشندوں کو زک پہنچتی ہے، یہی مضرت اسمگلنگ سے بھی پیدا ہوتی ہے کہ غیر ملکی مصنوعات کی آمد کی وجہ سے اس ملک کی صنعت اور یہاں کا معاشی توازن بگڑتا اور متاثر ہوتا ہے (جدید فقہی مسائل ۱/۳۷۸)۔

تاہم اسمگلنگ کے طریقے سے حاصل شدہ سونے کی خرید وفروخت میں اگر جھوٹ بولنا نہ پڑے یا کسی گناہ کا ارتکاب لازم نہ آئے تو اس کی خرید وفروخت جائز ہونی چاہئے، چنانچہ حضرت مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے، اگر (اسمگلنگ) کی گھڑیوں کی خرید میں جھوٹ بولنا یا کسی گناہ کا ارتکاب نہ کرنا پڑے تو خریدنا جائز ہے (فتاویٰ عثمانی ۳/۸۸)۔

۸-سفید سونا کی حقیقت:

حقیقت میں سونا زرد رنگ کا ہوتا ہے، اور اس میں غالبًا تانبا ملانے کی وجہ سے سرخ نام دیا جاتا ہے، اور عوام الناس کے نزدیک یہی معروف ہے، اور لغت، کتب احادیث ومعدنیات اور فقہاء کرام کے اقوال وغیرہ سے یہی معلوم ہو رہا ہے، چنانچہ ''المعجم الوسیط'' میں مذکور ہے:

''**الذهب : عنصر فلزی اصفر اللون** ''(ص:۳۱۷)۔

''**و فی الحديث ان النبی ﷺ صالح أهل خيبر على الصفراء و البيضاء و الحقلة، الصفراء: الذهب، و البيضاء: الفضة، و الحلقة: الدروع**''(ابوداؤد: باب ماجاء فی حکم ارض خیبر)۔

''**و روى الطحاوی من طريق طعمة بن عمرو قال: رأيت صفرة الذهب بين ثنايا او قال ثنيتی موسیٰ بن طلحة**''(طحاوی ۴/۲۵۸)۔

زیورات بنانے والوں کا کہنا ہے وائٹ گولڈ کا اطلاق بہت سی چیزوں پر ہوتا ہے۔

۱- پلاٹین کی دھات پر وائٹ گولڈ کا اطلاق ہوتا ہے۔

''**هناک معدن نفيس هو البلاتين تصنع منه أنواع من الحلى، قد يطلق عليه بعض الناس من غير الصاغة**''(الذھب الابیض للشیخ عبدالرحمٰن بن فھد الودعان: ص ۲۳)۔

۲- وائٹ گولڈ کا اطلاق معروف زرد رنگ کے سونے پر ہوتا ہے، لیکن اس کے اوپر پلاٹین دھات کی پالش چڑھی ہوتی ہے، چنانچہ شیخ عبدالرحمٰن بن فہد الودعان وضاحت کرتے ہیں:

''**الذهب الأبيض منه ما هو ذهب أصفر خلط ببعض المواد ينسب قليلة اكتسبته اللون الأبيض...... و منه ما هو ذهب اصفر ظلى بمادة جعلت ظاهره باللون الأبيض**''(حوالہ سابق)۔

۳-وائٹ گولڈ کا اطلاق معروف زرد سونے پر ہوتا ہے، لیکن ایک معین تناسب کے ساتھ اس میں پلاٹین یا کوئی اور مادہ ملایا

جا تا ہے، یہ کیرٹ کے حساب سے کم وبیش ہوتا ہے، اور سونے کی دو کانوں میں یہی اطلاق مشہور ہے، چنانچہ شیخ الذھب العالم یوسف العطیر لکھتے ہیں:

”ان الذهب الأبيض هو الذهب المعروف الأصفر، و ما يجعله أبيض هع مادة تضاف عليه عند السبک من البلاد يوم و معدن آخر“(حوالہ سابق)۔

ماہرین معدنیات اور زیور بنانے والے تجربہ کار افراد کے اقوال کا جائزہ لینے کے بعد اگر ہم اطلاق اول (پلاٹین کی دھات پر وائٹ گولڈ کا اطلاق) کا اعتبار کرتے ہیں تو اس پر سونے کا حکم مرتب نہ ہوگا، نیز عقود، زکوٰۃ وغیرہ میں اس پر سونے کے احکامات ثابت نہ ہوں گے، کیوں کہ یہ مستقل ایک الگ دھات ہے، اور اسے وائٹ گولڈ کہنا صرف ایک اختیاری اصطلاح ہے، اور حقیقت میں یہ سونا نہیں، جس طرح پیٹرول کو بلیک گولڈ (سیاہ سونا) کا نام دیا جاتا ہے، حالانکہ وہ سونا نہیں، بلکہ قیمتی ہونے میں مشابہت ہے۔

”ذهب بعض شيوخنا وغيرهم و بعض طلبة العلم الى ان ما يسمى بالذهب الأبيض ليس ذهبا حقيقيا. بل هو شيء آخر لا يأخذ أحكام الذهب المعروفة و قالوا: تسمية بالذهب غير حقيقة، بل هو كما يسمى البترول بالذهب الأسود تجوّزاً من باب التشبيه، أو كما يسمى الحرير الصناعى بالحرير و ليس كذالک، و رتبوا على هذا انه لا يأخذ احكامه الشرعية“ (الذہب الأبیض حقیقتہ:۲۷)۔

یہی رائے شیخ عبداللہ بن سلیمان المنیع اور شیخ محمد ناصر الدین البانی کی بھی ہے، وہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

و لا يعرف للذهب لون غير الصفرة، فإذا كان هناک معدن يسمى اصطلاحا: الذهب الأبيض، كالبلاتين و نحوها، فلا يظهر لى الحاق هذا النوع بالذهب المحرم على الرجال التحلى به، و لو ترک الرجل التحلى بهذا النوع اتقاءً للتشبهة لكان فى ذلک استبراء للدين و العرض“(الذہب الابیض حقیقتہ:۳۰)۔

اور علامہ البانی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

”الذهب الأبيض نوعان: النوع الأول هو البلاتين فهذا لا شيء فيه، لانه لم يات نص فى الشرع يحرم المعادن الثمنية غير الذهب و الفضة فالبلاتين يدخل تحت قاعدة: الاصل فى الاشياء الاباحة“(حوالہ سابق)۔

رہا زکوٰۃ کا حکم تو اللہ تعالیٰ نے معدنی اشیاء میں سے صرف سونا، چاندی میں زکوٰۃ کو واجب کیا ہے، اس کے علاوہ دوسری معدنی چیزوں میں واجب نہیں فرمائی ہے، تو من جملہ ان کے ایک پلاٹین بھی ہے، اس میں بھی زکوٰۃ کا وجوب نہ ہوگا، ہاں اس کی تجارت کرنے کی صورت میں دیگر تجارتی چیزوں کی طرح اس میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

البتہ بعض سعودی ماہرین معدنیات کا کہنا ہے کہ اصل میں سونا تو زرد رنگ کا ہی ہوتا ہے اور اصلاً وائٹ گولڈ کا کوئی وجود ہی نہیں ہے، لیکن سونے میں کچھ مواد شامل کرکے اسے سفید رنگ میں تبدیل کیا جاتا ہے، چنانچہ وائٹ گولڈ تو زرد سونا ہی ہے، لیکن اس میں چاندی اور تانبے کے بہ جائے پلاٹین شامل کرنے سے وائٹ گولڈ بن جاتا ہے، اسی لئے وائٹ گولڈ بھی کئی کیرٹ کا پایا جاتا ہے اور یہ بات تو معلوم ہے ہی کہ سونے میں چاندی یا تانبا وغیرہ ملانے سے وہ سونے سے خارج نہیں ہوتا کیوں کہ معمولی غش تو ہوتا ہی ہے، تب جا کر زیور تیار ہوتا ہے، جیسا کہ ”ہدایہ“ میں ہے:

”لأن الدرهم لا تخلو عن قليل غش، لأنها لا تنطبع الا به“ (ہدایہ ۱/۱۹۵)۔

اس سے معلوم ہوا کہ وائٹ گولڈ حقیقی سونا ہے، اسی بناء پر وائٹ گولڈ مردوں کے لئے پہننا حرام ہے، کیوں کہ حقیقتاً یہ زرد سونا ہی ہے، لیکن اس میں ایسا مادہ ملایا گیا ہے جو اس کے رنگ کو تبدیل کر کے سفید کر دیتا ہے، چنانچہ شیخ عبد الرحمن الودعان تحریر فرماتے ہیں:

”يتحقق الجميع على أن يسمى بالذهب الأبيض هو ذهب حقيقيٌ“(الذہب الابیض حقیقۃ:۱۹)۔

آگے خلاصہ کے طور پر لکھتے ہیں:

”و الخلاصه: أن الذهب فى أصله أصفر اللون، و لا يوجد ذهب أبيض فى أصله، لكن قد يضاف إليه مواد تغير لون الذهب الأصفر فيكون أبيض، أو أحمر، أو غير ذلک بحسب المادة يخلط...... أما ما يوجد فى الأسواق الآن و يسمى بالذهب الأبيض فهو ذهب أصفر حقيقى، خلط ببعض المواد الخ“(الذہب الابیض حقیقۃ:۲۲)۔

وائٹ گولڈ کی حقیقت کے متعلق دریافت کئے گئے سوال کے بارے میں سعودی کمیٹی کا جواب نقل کیا جاتا ہے، اگر واقعی ایسا ہی ہے جیسا کہ سوال میں بیان کیا گیا ہے تو پھر سونے کو کسی دوسری چیز کے ساتھ ملانے سے سونے کی جنس سے ہی اسے فروخت کرنے میں کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنے کی حرمت کے احکام سے خارج نہیں ہو جاتا، اور مجلس عقد میں اپنے قبضہ میں کرنے کے وجوب میں فرق نہیں آتا، چاہے وہ اسی جنس سے فروخت کیا گیا ہو یا پھر چاندی یا نقدی روپیوں میں، اور مردوں کے لئے پہننے کی حرمت سے بھی خارج نہیں ہوتا، اور اسی طرح اس کے برتن بنانے بھی حرام ہی رہیں گے (فتاویٰ اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیہ والافتاء:۲۴/۶۰)۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وائٹ گولڈ حقیقی سونا ہے، سونے کے تمام احکام اس میں جاری ہوں گے۔

☆☆☆

سونا چاندی کی تجارت سے متعلق چند اہم اور جدید مسائل

مفتی جنید محمد پالنپوری☆

۱- کاغذی نوٹ اور روپئے سے سونا خریدنا بیع صرف میں داخل نہیں کیونکہ یہ کرنسی اور کاغذی نوٹ ثمن خلقی نہیں بلکہ ثمن عرفی اور ثمن اعتباری ہے، لہذا ان کا حکم فلوس جیسا ہوگا کیوں کہ وہ بھی ثمن اعتباری ہے۔

دوسری وجہ: اگر کرنسی نوٹوں سے سونے، چاندی کے تبادلہ کو ''صرف'' کہا جائے تو لازم آئے گا کہ جن اشیاء میں ''صرف'' جاری ہوتا ہے، ان میں ایک چیز کا اضافہ ہوگیا، یعنی نصوص سے صرف سونے چاندی میں صرف جاری ہونا ثابت ہے، اب لازم آئے گا کہ کرنسی نوٹوں میں بھی سونے چاندی کے علاوہ صرف جاری ہو، ''ما یجزی فیه الصرف'' میں اس اضافہ کی کوئی بنیاد نصوص یا کلام فقہاء میں نہیں ملتی۔

تیسری وجہ: نوٹوں کی پشت پر اب نہ کوئی سونا ہے نہ چاندی ہے، لہذا ان کو سونے چاندی کا نمائندہ قرار دے کر بھی ان پر صرف کے احکام جاری کرنا مشکل ہے۔

چوتھی وجہ: عجب بات یہ ہے کہ غالب الغش سکوں سے سونے چاندی کے تبادلہ کو کلی طور پر صرف نہ کہا جائے جبکہ غالب الغش سکوں میں کچھ نہ کچھ سونا چاندی ہوتا ہے اور صرف ان ہی کے وزن کی حد تک ان میں تقابض شرط ہوتا ہے، زیادہ میں نہیں اور کرنسی نوٹوں کے تبادلہ کو کلی طور پر صرف کہا جائے جبکہ ان میں سونا چاندی بالکل نہیں ہے (فتاوی عثمانی ۳/ ۱۴۲-۱۴۵ ملخصا)۔

الف- بدلین ہر مجلس عقد میں تقابض ضروری نہیں بلکہ احد البدلین پر قبضہ کافی ہے۔

''وإذا اشترى الرجل فلوسا بدراهم ونقدا لثمن ولم تكن الفلوس عندالبائع فالبيع جائز لأن الفلوس الرائجة ثمن كالنقود قد بينا أن حكم العقد فی الثمن وجوبهاووجودها معا ولا يشترط قيامها فی ملک بائعها لصحة العقد كما لا يشترط ذلک فی الدراهم والدنانير'' (المبسوط للسرخسی ۱۴/ ۲۴)۔

''قال العلامة ابن عابدينؒ: (تنبيه) سئل الحانوتی عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة فأجاب بأنه يجوز إذا قبض أحدا البدلين'' (شامی ۴/ ۲۰۵)۔

ب- سونے اور چاندی کا جو نرخ حکومت نے یا سونے کی مارکیٹ جیسے انٹرنیشنل سطح پر کومیکس گولڈ مارکیٹ یا ہندوستانی سطح پر یہاں کی مارکیٹ MC نے طے کیا ہو اس سے کم یا زیادہ قیمت پر خرید و فروخت کرنا جائز ہے، البتہ جن ملکوں میں سرکاری طور پر مقرر

☆ دارالافتاء والارشاد مجلس البرکہ ممبئی۔

کردہ نرخ کی مخالفت قانوناً جائز نہیں ہے تو وہاں اس نرخ سے کمی بیشی کرنا سود تو نہیں ہوگا لیکن ملکی قوانین کی مخالفت اور اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنے کی بنا پر جائز نہ ہوگا۔

"وفی أحكام القرآن للمحدث العلامة ظفر أحمد العثمانیؒ(۲/ ۲۹۱)وهذا الحكم أی وجوب طاعة الأمير يختص بما إذا لم يخالف أمره الشرع يدل عليه سياق الأية فإن الله تعالى أمر الناس بطاعة أولی الأمر بعدما أمرهم بالعدل فی الحكم تنبيها علی أن طاعتهم واجبة ماداموا علی العمل اه "(وکذا فی تفسیر المظہری ۲/ ۱۵۲ والجامع لأحکام القرآن ۵/ ۲۵۹)۔

"تجب طاعة الإمام فيما ليس بمعصية"(الدر المختار ۲/ ۱۷۲)۔

"وفی شرح الجواهر تجب اطاعته فيما أباحه الشرع وهو ما يعود نفعه علی العامة"(أیضا، تکملۃ فتح الملہم ۳/ ۳۲۳، ۳۲۴، مستفاد فتاوی عثمانی ۳/ ۱۴۸)۔

۲- الف: اس معاملہ پر بیع کی تعریف صادق نہیں آتی، لہٰذا اسے بیع تصور نہیں کیا جائے گا۔

"البيع: مبادلة مال بمال علی سبيل التمليک عن تراض"(معجم لغۃ الفقہاء)۔

ب-صورت مسئولہ میں اس دیگر دھات کی ملاوٹ کی شرح اور ذرات کی مقدار متعین نہ ہو تو یہ اجرت مجہول ہے، لہٰذا اس صورت میں یہ بچا ہوا سونا اور ذرات زیورات کے تاجر کا ہوگا اور کاریگر کو اجرت مثل ملے گی، یہ معاملہ اجارہ فاسدہ کا ہوگا،"والواجب فی الإجارة الفاسدة أجر المثل الخ"(ہدایہ)۔

"وشرطها: كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضی إلی المنازعة"(الدر المختار)۔

"تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضی العقد، فكل ما أفسدالبيع يفسدها كجهالة ماجوز أو أجرة"(الدر المختار ۶/ ۴۶ باب الإجارۃ الفاسدۃ)۔

البتہ آج کل مارکیٹ میں زیورات کے تاجروں کی طرف سے کاریگروں کو دیگر دھات کی ملاوٹ کی شرح بھی بتلائی جاتی ہے اور اسی دھات کے بقدر بچا ہوا سونا اس کی اجرت قرار پاتی ہے، یہ صورت قفیز الطحان کی ہوگی جو ناجائز ہوگی۔

"لأنه جعل الأجر بعض ما يخر من عمله فيصير فی معنی قفيز الطحان وقد نهی النبی ﷺ"(الہدایۃ ۳/ ۳۰۵)۔

البتہ مشائخ بلخ نے یہ فرمایا کہ اگر کسی چیز کے بارے میں عرف ہو جائے یعنی اس طرح اجارہ کا عام رواج ہو جائے تو عرف نص کے لئے مخصص بن سکتا ہے، چنانچہ انہوں نے "اجارة الحائک ببعض الغزل"کو جائز قرار دیا ہے، یعنی بنکر کو اجرت پر لے لیا کہ کپڑے کا جو حصہ تم بناؤ گے اس میں سے اتنا حصہ تمہارا ہے تو یہ جائز ہے۔

اسی طرح اجتناء القطن مثلاً بالنصف کہتے ہیں تو بھی جائز ہے، کیونکہ ہمارے یہاں اس کا تعامل اور عرف ہو گیا ہے اور جب عرف ہو جائے تو وہ نص میں تخصیص پیدا کرتا ہے، تو قفیز الطحان والی نص میں تخصیص کر کے یہ چیزیں اس سے نکل جائیں گی، یعنی اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ نص قفیز ان ہی تک محدود رہیں گی، اس کو دوسری اشیاء کی طرف متعدی نہیں کیا جائے گا کیونکہ عرف جاری نہیں۔

لہذا مشائخ بلخ کے قول پر یہ جائز ہے اور جو حسن بصری اور امام محمد کا قول ہے وہی مشائخ بلخ کا بھی ہے، ''وقال إبراهيم وابن سيرين وعطاء والحكم والزهري وقتادة: لا بأس أن يعطى الثوب بالثلث أو الربع نحوه'' (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/ ۲۴۲)۔

''قال الشامي: مطلب يحض القياس والأثر بالعرف العام دون الخاص، قال في التبيين: ومشائخ بلخ والنسفي يجيزون حمل الطعام ببعض المحمول ونسيج الثوب ببعض كمنسوج لتعامل أهل بلادهم بذلك، ومن لم يجوزه قاسه على قفيز الطحان'' (شامی ۹/ ۸۰ مکتبہ زکریا)۔

زیر بحث مسئلہ میں بھی کاریگر کے لئے زیورات بناتے وقت سونے یا چاندی کے علاوہ ملائی جانے والی دھات کی شرح کی بقدر سونا اسی ڈلے ہوئے سونے میں سے لینے کا عرف ہے، لہذا مشائخ بلخ کے قول کے مطابق جائز ہوگا، اسی میں سہولت ہے۔

البتہ امام ابوحنیفہؒ کا اصل مذہب میں ناجائز ہے، لہذا متفق علیہ طور پر جواز کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے کہ کاریگر سے یہ کہا جائے کہ ملائی جانے والی دھات کی شرح کی بقدر (جو معلوم و متعین ہوتی ہے) سونا آپ کو اجرت میں دیا جائے گا یعنی اسی دیئے ہوئے سونے میں سے دیا جائے گا یہ شرط نہ ہو تو جائز ہوجائے گا، پھر بعد میں زیورات کا تاجر اسی شرح کی بقدر الگ سے سونا دے دے یا اسی سے دے دے تو کوئی حرج نہیں، یہ جائز ہوگا۔

''(وسئلت) فيمن استاجر أرضا بيضا للزراعة بكذا وكذا قفيزا من الفلة هل يجوز ذلك؟ ''فالجواب''نعم!يجوز إذا كانت الأجرة مشاراليها، أو موصوفة في ذمته، ولا تكون من الغلة التي تخرج من ذرع الأرض المستاجرة كذا في فتاوى قاري الهدايه'' (الفتاوی الکاملیۃ، کتاب الاجارۃ ص ۱۹۱، مستفاد فتاوی محمودیہ جدید ۲۳/ ۳۵۹)۔

۳- ان زیورات میں غالب سونا ہوتا ہے، لہذا نیا زیور کم وزن کا دے کر پرانا زیور زیادہ وزن کا لینا جائز نہیں۔

''قال: فإن باع فضة بفضة أو ذهبا بذهب لا يجوز إلا مثلا بمثل وإن اختلفا في الجودة والصياغة لقوله عليه الصلوة والسلام: الذهب بالذهب مثلا بمثل وزنا بوزن يدا بيد والفضل ربا، الحيث: وال عليه الصلوة والسلام ''جيدها ورديئها سواء'' وقد ذكرنا في البيوع'' (الہدایہ ۳/ ۱۰۴ کتاب الصرف)۔

۴- الف، ب: شرعی اعتبار سے سونا چاندی اور دوسری اجناس کی تعیین میں فرق ہے کہ دوسری اجناس اشارے یا علامتوں سے متعین ہوسکتی ہے، لیکن سونا چاندی اس وقت تک متعین نہیں ہوتی جب تک کہ اس پر کوئی شخص خود یا اپنے کسی نمائندہ کے ذریعہ قبضہ نہ کرلے۔

''أن الدراهم والدنانير وإن كانت لا تتعين بالعقد ولكنها تتعين بالقبض وقبضها واجب'' (بدائع ۵/ ۲۱۸)۔

''وفيه ايضا: أن الدراهم والدنانير لا تعيين بالتعيين وإنما تعين بالعقد فشرطنا التقابض للتعيين لا للقبض'' (۵/ ۲۱۹)۔

''فإن الدراهم والدنانير لا تعيين بالعقد إلا بالقبض'' (فتح القدیر ۶/ ۱۶۰)۔

اوپر کی عبارات سے معلوم ہوا کہ سونے چاندی میں قبضہ کے لئے ضروری ہے کہ خریدا ہوا سونا چاندی غیر خرید سونے چاندی سے بالکل ممتاز اور الگ کرلیا جائے اور خریدار یا تو خود قبضہ کرے یا اس کا کوئی وکیل اس کی طرف سے اپنی تحویل میں اس طرح لے لے کہ وہ متعینہ سونا چاندی چوری ہوجائے تو نقصان خریدار کے ذمے سمجھا جائے۔

ظاہر ہے کہ یہ صورت قبضہ کی مذکورہ کاروبار میں نہیں ہوتی کہ سونا چاندی خریدار کے کسی نمائندہ کی تحویل میں دے دیا گیا (فتاوی عثمانی ۳/ ۱۵۷ ملخصاً)۔

۵- اس طرح کے کاروبار میں جب کوئی سونا خریدتا ہے تو وہ خریدار کو متعین اور الگ کر کے حوالہ نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے اکاؤنٹ میں تحریر کردیا جاتا ہے پھر وہ خریدار اسے آگے کسی شخص کو فروخت کرتا ہے تو اس وقت اگر اسے نفع ہو تو صرف نفع واپس کردیا جاتا ہے، خلاصہ یہ کہ پوری خرید کردہ لاٹ تحویل میں نہیں دی جاتی بلکہ کاغذی طور پر اس کے اکاؤنٹ میں منتقل کردی جاتی ہے اور آخیر میں نفع ونقصان کا فرق برابر کرلیا جاتا ہے جو سٹے کی ایک قسم ہے (الفتاوی الہندیہ ۳/ ۱۶، رد المحتار ۹/ ۵۷۷)۔

۲- عدم جواز کی دوسری وجہ یہ ہے کہ کاروبار کی اس صورت میں سونے پر قبضہ نہیں ہوتا، نہ خریدار کا نہ اس کے نمائندہ کا کہ یہ خریدا ہوا سونا ہلاک ہوجائے تو ضمان خریدار پر نہیں آتا بلکہ بائع پر ہی آتا ہے، لہذا بغیر قبضہ کے آگے بیچنا ہوا جو ''ربح مالا یضمن'' کی وجہ سے سود اور ناجائز ہے۔

''أن الدراهم والدنانير وإن كانت لا تتعين بالعقد ولكنها تتعين بالقبض وقبضها واجب'' (بدائع ۵/ ۲۱۸)۔

۳- عدم جواز کی تیسری وجہ یہ ہے کہ کاروبار کے اس طریقہ میں خریدار ثمن (قیمت) کا معمولی حصہ ادا کرتا ہے، اگرچہ باقی رقم بہ طور ضمانت کمپنی جمع کراتی ہے، مگر رقم درحقیقت خریدار کے ذمے دین ہوتی ہے اور دوسری طرف سونا چاندی پر بھی شرعی طریقہ پر قبضہ نہیں ہوتا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معاملہ دونوں طرف سے ادھار ہوا جو بیع الکالی بالکالی میں داخل ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔

''عن ابن عمرؓ أن النبي ﷺ نهى عن بيع الكالي بالكالي هو النسيئة بالنسية'' (مستدرک للحاکم ۲/ ۶۵، ۶۶)۔

۴- عدم جواز کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ درمیانی کمپنی جو کمیشن وصول کرتی ہے وہ یا تو ضمانت کی مد میں ہے یا اس رقم کا معاوضہ ہے جو وہ خریدار کی طرف سے بیچنے والے کو ادا کرتی ہے، پہلی صورت میں یہ ''اجرت علی الکفالة'' ہے اور دوسری صورت میں یہ قرض پر سود ہے اور یہ دونوں طریقے ناجائز ہیں (مستفاد فتاوی عثمانی ۳/ ۱۵۷-۱۵۸)۔

حاصل یہ کہ اس طرح کا کاروبار سود، قمار، بیع الکالی بالکالی اور ربح مالا یضمن نیز اجرت علی الکفالة یا قرض پر سود کو متضمن ہونے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے۔

۶- اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ سونے کو بڑی مقدار میں روک لینے کی وجہ سے روپے کی قدر یقینی طور پر گھٹتی ہے اور روپے میں گراوٹ کی وجہ سے روزمرہ کی ضروری اشیاء میں گرانی کا آنا یقینی ہوتا ہے کہ جو چیز پہلے سو روپے میں آتی تھی اب وہ ایک سو بیس روپے میں آرہی ہے۔

حاصل یہ کہ بڑی مقدار میں سونا روک لینے کی وجہ سے روپے کی قدر گھٹتی ہے، جس سے عوام الناس کو نقصان ہوتا ہے، لہذا

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ بھی احتکار میں داخل ہے اور مکروہ ہے(تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع الصنائع وہدایہ)۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گیہوں، جو نیز کھانے پینے کی اشیاء میں احتکار ممنوع ہے، صورت مسئولہ میں بہ نظر غائر دیکھا جائے تو سونے کی بڑی مقدار روکنے کا اثر روپے کی قدر گھٹنے سے براہ راست کھانے پینے کی اشیاء پر پڑتا ہے کہ اشیاء خوردونوش میں گرانی آجاتی ہے، گویا اشیاء خوردنی میں احتکار کا جو نتیجہ ہوتا ہے وہی سونے کی بڑی مقدار کے روکنے سے ہوتا ہے۔

حاصل یہ کہ سونے اور اشیائے خوردونوش میں احتکار کا نتیجہ ایک ہی ہے کہ اشیاء مہنگی ہوجاتی ہے، لہذا امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق براہ راست اور امام ابوحنیفہؒ کے قول کے بہ موجب بالواسطہ اشیاء خوردنی ہی میں احتکار رہوا۔

لہذا سونے کی بڑی مقدار روکنا کہ روپے کی قدر گھٹ کر ضروری اشیاء میں مہنگائی بڑھ جائے احتکار کے حکم میں ہوگا۔

۷-اصل یہ ہے کہ شرعاً ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے مملوک روپے سے اپنی ضروریات یا پسند کا جو مال جہاں سے چاہے خرید سکتا ہے، لہذا کسی بیرونی ملک سے مال خریدنا یا وہاں لے جاکر بیچنا شرعاً مباح ہے۔

"وفی شرح المجلة للأتاسی ۱۳۲/۳: کل یتصرف فی ملکه کیف شاء نح وفی صفحة أخری لا یمنع أحد من التصرف فی ملکه ابدا إلا اذا کان ضرره لغیره" (۱۴۰/۴)۔

البتہ اسمگلنگ کا عمل حکومت کے قوانین کی خلاف ورزی ہے اور حکومتی احکام کی خلاف ورزی میں چونکہ بہت سے منکرات لازم آتے ہیں، مثلاً جھوٹ بولنا پڑتا ہے، نیز جان ومال یا عزت کو خطرے میں ڈالنا پڑتا ہے، لہذا ان کے جائز قوانین کی پابندی کرنی چاہئے۔

اس کے علاوہ جب کوئی شخص کسی ملک کی شہریت اختیار کرتا ہے تو قولاً یا عملاً یہ معاہدہ کرتا ہے کہ وہ اس حکومت کے قوانین کا پابند رہے گا، اس معاہدہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جب تک حکومت کا حکم معصیت پر مشتمل نہ ہو اس کی پابندی کی جائے۔

اسمگلنگ پر چونکہ حکومت نے پابندی لگارکھی ہے اور اس پابندی کے خلاف ورزی میں مذکورہ مفاسد پائے جاتے ہیں، اس لئے علماء نے اس سے منع فرمایا ہے اور اس سے اجتناب کی تاکید کی گئی ہے۔

"وهذا الحکم أی وجوب طاعة الأمیر یختص بما إذا لم یخالف أمره الشرع یدل علی سیاق الآیة فإن الله تالی أمر الناس بطاعة أولی الأمر بعد ما أمرهم بالعدل فی الحکم تنبیها علی أن طاعتهم واجبة ما داموا علی العمل" (احکام القرآن للمحدث العلامۃ ظفر احمد عثمانیؒ ۲۹۱/۲، نیز الدر المختار، رد المختار بحوث قضایا فقہیہ معاصرۃ ص ۱۶۶)۔

۸- سوال میں پلاٹینم (Platinum) اور سفید سونا (White Gold) کو ایک ہی چیز بتائی گئی ہے، جبکہ احقر کی تحقیق کے مطابق یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں۔

پلاٹینم یہ سونا چاندی کے علاوہ کوئی اور دھات اور کیمیکل سے بنتا ہے، جو بہت ہی مہنگا ہوتا ہے، البتہ چونکہ اس میں سونا اور چاندی نہیں ہوتا ہے اس لئے اس پر سونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، چاہے یہ سونے سے مہنگا ہی کیوں نہ ہو۔

اس پر سونے کے احکام منطبق کرنا گویا ثمن خلقی میں اضافہ کرنا ہوگا اور پھر عقود کے اعتبار سے اس میں بھی بیع کے احکام جاری ہوں گے، جبکہ ثمن خلقی میں اضافہ کی کوئی بنیاد نصوص یا کلام فقہاء میں نہیں ملتی (بدائع الصنائع)۔

سفید سونا(White Gold) یہ پیلے سونے (Yellow Gold) کے ساتھ دیگر دھات جیسے چاندی، زنک، نکل اور کوپر وغیرہ کو ملا کر بنایا جاتا ہے، جس میں مندرجہ ذیل حساب سے دیگر دھات کی آمیزش ہوتی ہے۔

۱- 22 کیریٹ میں 91.6 فی صد سونا اور 8.4 فی صد دوسری دھات ہوتی ہے۔

۲- 21 کیرٹ میں 87.5 فیصد سونا اور 12.5 فی صد دوسری دھات ہوتی ہے۔

۳- 18 کیرٹ میں 75.0 فی صد سونا اور 25.0 فی صد دوسری دھات ہوتی ہے۔

۴- 12 کیرٹ میں 50 فیصد سونا اور 50 فی صد دوسری دھات ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ ۱۲ کیرٹ کو چھوڑ کر بقیہ تین میں سونا ہی غالب ہوتا ہے، لہذا سونے کے تمام احکامات (زکوۃ، صرف وغیرہ) جاری ہوں گے، اور ۱۲ کیرٹ میں چونکہ سونا اور دوسری دھات برابر سرابر ہے، لہذا اس میں سونے کے ساتھ چاندی کی آمیزش ہوگی تو صرف کے احکام یقینی طور پر جاری ہوں گے اور زکوۃ میں احتیاطا سونے کا دام پکڑا جائے گا، اور اگر سونے کے ساتھ چاندی کے علاوہ دیگر دھات مثلاً زنک، نکل اور کوپر وغیرہ کی آمیزش ہے تو احتیاطا سونے ہی کے تمام احکام جاری ہوں گے (الفتاوی الہندیہ ۱/۱۷۹)۔

☆☆☆

سونے چاندی کے احکام

مفتی فیاض احمد محمود برمارے حسینی ☆

۱-سونے چاندی کی روپیوں کے عوض ادھار بیع:

(الف) سونا چاندی کو اگر روپیوں کے بدلہ خرید اجارہا ہے تو روپیوں اور کرنسی کی حیثیت سونے اور چاندی کی ہی ہوگی جیسا کہ زکوۃ کے باب میں روپیوں کو سونے چاندی کے قائم مقام مان کر روپیوں پر زکوۃ واجب ہوتی ہے، تو پھر سونے کو روپیوں کے عوض خریدنے کی صورت میں عوضین میں سے کسی ایک کا ادھار رکھنا درست نہیں ہوگا، اس لئے کہ سونا چاندی کی جب سونے چاندی سے بیع ہو تو نقد ہونا ضروری ہے، لیکن اگر روپیوں اور کرنسی کو سونے اور چاندی کے طور پر تسلیم نہ کیا جائے تو روپیوں کے عوض سونے اور چاندی کی بیع پر نہ بیع صرف کا اطلاق ہوگا اور نہ اس میں بیع صرف کی شرائط کی رعایت ضروری ہوگی۔ چوں کہ فقہاء نے کرنسی اور اور روپیوں کو سونے چاندی کے طور پر تسلیم نہیں کیا ہے بلکہ اصل نقدین کو ہی ربا کے باب میں معیار قرار دیا ہے، اس لئے کرنسی میں ربا کی علت پائی نہیں جاتی، اس اعتبار سے اگر کوئی روپیوں کے بدلے سونا خریدتا ہے اور قیمت ادھار رکھتا ہے تو اس کی گنجائش ہے۔

(ب) سونے اور چاندی کا نرخ اور قیمت حکومت یا انٹرنیشنل اور ملکی سطح پر قائم ادارے طے کرتے ہیں، عام طور پر وہ قیمت دکانوں اور تجارتی منڈیوں کی قیمت کے مقابلہ میں کم ہوتی ہے، اگر دکانوں سے سونا خریدتے وقت حکومتی اور ملکی سطح پر متعینہ مقدار کے مقابلہ میں کچھ کمی زیادتی کے ساتھ خریدا جائے تو اس میں ربا تفاضل کا اطلاق نہیں ہوگا اس لئے کہ جب روپیوں کو سونا چاندی کے طور پر تسلیم نہیں کیا جارہا ہے تو ظاہر ہے عوضین میں سے ایک ربوی ہے اور دوسرا غیر ربوی ہے، کیوں کہ فلوس میں علت ربا نہیں پائی جارہی ہے۔

علامہ خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں:

”وعلة الربا فی الذهب والفضة جنسية الأثمان غالباً كما صححه فی المجموع ويعبر عنها ايضاً بجوهرية الأثمان غالباً، وهی منتفية عن الفلوس وغيرها من سائر العروض لأنها قيم الأشياء كما جرى عليه صاحب التنبيه،لأن الأوانی والتبر والحلی تجری فيها الربا كما مر وليست ممايقوم بها، واذحترز ب غالبا عن الفلوس إذاراجت فإنه لاربافيها كماتقدم ولا أثر لقيمة الصنعة فی ذلک حتی لواشتری بدنانير ذهبا

☆ جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور کرناٹک۔

مصوغا قيمته أضعاف الدنانير اعتبرت المماثلة ولانظر إلى القيمة"(مغنی المحتاج ۳۸۶/۲)۔

آرڈر کے ذریعہ زیورات بنانے اورادھار خرید وفروخت کا حکم:

آج کل اس ترقی یافتہ دور میں وقت کی ضرورت کے پیش نظر پرانے سونے چاندی کے زیورات دیکر یا روپیوں کے بدلے نئے زیورات آرڈر اور پسند کے مطابق لینے کا رواج عام ہے جس میں یہ معاملہ سونے کے بدلے سونے یا چاندی کے بدلے چاندی سے ہوتو دونوں طرف سے معاملہ میں برابری، نقد اور فوری قبضہ لازمی ہے، لیکن عام طور پر اس طرح کا معاملہ جب بھی ہوتا ہے تو نقد کے بجائے ادھار ہوتا ہے کہ مشتری اپنا پرانا سونا دیکر نئے زیورات بنانے کا آرڈر دیا جاتا ہے یا یوں ہی رقم کے بدلے زیورات خریدے جاتے ہیں اور رقم فوراً ادا نہیں کی جاتی یا رقم ادا کی جاتی ہے اور زیورات بعد میں حاصل کئے جاتے ہیں جس کی وجہ سے معاملہ نقد اور فوری قبضہ کی شرط پائی نہیں جاتی، لاعلمی میں اس طرح معاملہ کرنے کی وجہ سے سود اور حرام کا ارتکاب لازم آتا ہے جس سے احتیاط ضروری ہے، لیکن فقہاء نے اس ضرورت کے پیش نظر اور امت کو حرام کے ارتکاب سے بچانے کیلئے ایک آسان ترکیب بتلائی کہ اپنا زیور فروخت کر کے اس کی قیمت لے لے پھر اس قیمت سے جو زیور چاہے آرڈر کے ذریعہ ادھار خرید لے اس لئے کہ یہاں یہ تبادلہ پیسوں کی شکل میں ہونے کی وجہ سے ربا کی فہرست میں داخل نہیں ہوگا اور اس طرح سود کی نحوست سے نجات ملے گی۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"الذهب بالذهب، والفضة بالفضة مثلاً بمثلٍ، سواء بسواء يداً بيدٍ"(مسلم:۴۰۶۳)۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:" وأجمعوا على أنه لا يجوز بيع الربوى بجنسه، وأحدهما مؤجل" (المنہاج فی شرح مسلم:۱۹۵/۴)۔

علامہ مزجدؒ فرماتے ہیں:"الربويان إن كان بعلة واحدة: فإن اتحدا جنسا كبيع ذهب بذهب، وحنطة بحنطة، يشرط فيه: التساوى قدراً، والحلول، والتقابض قبل التفرق"(العباب:۲۲/۲،البیان:۱۶۱/۵)۔

علامہ خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں:

"وعلة الربا فى الذهب والفضة جنسية الأثمان غالباً كما صححه فى المجموع ويعبر عنها ايضاً بجوهرية الأثمان غالباً، وهى منتفية عن الفلوس وغيرها من سائر العروض لأنها قيم الأشياء كما جرى عليه صاحب التنبيه،لان الاوانى والتبر والحلى تجرى فيها الربا كما مر وليست ممايقوم بها، واذحترز ب غالبا عن الفلوس إذاراجت فإنه لاربافيها كماتقدم ولا أثر لقيمة الصنعة فى ذلک حتى لواشترى بدنانير ذهبا مصوغا قيمته اضعاف الدنانير اعتبرت المماثلة ولانظر إلى القيمة"(مغنی المحتاج ۳۸۶/۲)۔

۲- حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابوسعید فرماتے ہیں :من استاجر أجيرا فليعلمه أجره (المصنف لابن ابی شیبہ: ۲۱۵۱۳)،شریعت میں عقد اجارہ کے صحیح ہونے کے لئے بنیادی شرط اجرت کی تعیین ہے، علامہ خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں:"ويشترط كون الأجرة معلومة جنساوقدراوصفة"(مغنی المحتاج:۴۰۴/۲)،اس وقت مارکیٹ اور ہمارے ملک میں تاجر اور کاریگر کے

درمیان پہلے ہی سے سونے کی شکل میں فی صد کے اعتبار سے اجرت طے ہوتی ہے،لہذا زیور بنانے کی مسؤلہ صورت عقد اجارہ ہی ہے،اس لئے کہ اجرت جنس،مقدار اور صفت کے اعتبار سے متعین ہے۔ چنانچہ اس وقت سونے کا تاجر کاریگر کو ۱۰۰رگرام سونا دے کراس کے زیورات بنانے کہتا ہے،البتہ زیورات کتنے کیاریڈ کے بنانے ہیں اس کی بھی وضاحت ہوجاتی ہے،مثلاً ۲۲رکیاریڈ کے زیور بنانے ہیں تو اس میں تقریبا ۹۲رفیصد سونا استعمال ہوتا ہے اور ۸رفیصد کسی اور دھات کی آمیزش ہوتی ہے، نیز کاریگری کی اجرت بھی اصل سونے میں ہی سے فیصد کے اعتبار سے متعین ہوجاتی ہے،اب اس صورت میں اگر ۵رفیصد اجرت متعین ہوئی ہے تو ۸رگرام اصل سونا اور سونے کے ذرات کل ملا کر ۹رگرام یا ۸رہی گرام بچ جائے تو کاریگر ۵رگرام اپنی اجرت رکھ کر باقی سونا تاجر کو واپس کردیتا ہے،ایک سونے کے تاجر سے اس تفصیل کے حاصل ہونے کے بعد اس عقد کو عقد اجارہ ہی کہنا چاہئے،نہ کہ بیع،اس لئے کہ بیع کے شرائط میں سے مبیع کی رویئت شرط ہے،اور جو دھات ملائی جاتی ہے گو یا وہ مبیع ہے اور اس کے بقدر سونا اس کا ثمن ہے،چونکہ مبیع کی رویئت پائی نہیں جاتی اس لئے اس کو بیع نہیں قرار نہیں دیا جاسکتا۔اور اس طرح کا معاملہ کرنے میں تاجر کا بہت زیادہ نقصان ہوگا،اسی لئے مارکیٹ میں اس طرح کا معاملہ عقد اجارہ کے طور پر ہی رائج ہے۔

۳- پرانے زیورات کے بدلے نئے زیورات خریدنا:

آج کل عوام الناس میں پرانے زیورات دیکر نئے زیورات خریدنے کا رواج بالکل عام ہے،جس میں صرف پرانا سونا شمار ہوتا ہے اور نئے زیورات میں سونے کے نئے ہونے کے ساتھ کاریگر کی بناوٹ اور کاریگری کا بھی اعتبار ہوتا ہے جس کی بناء پر پرانے سونے کے مقابلہ میں نیا سونا کم ملتا ہے اس طرح کمی بیشی کے ساتھ خرید وفروخت ہوتی ہے جس کی شکل سود کی ہے اور یہ شرعاً حرام ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "**لا تبيعوا الذهب بالذهب، ولا الورق بالورق، إلا وزناً بوزن ، مثلاً بمثلٍ ، سواء بسواء**" (مسلم:۱۵۸۴)۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:"**قال العلماء هذا يتناول جميع أنواع الذهب والورق من جيد وردی وصحيح ومكسور، وحلى وتبر، وغير ذلک ، وسواء الخالص والمخلوط بغيره وهذا كله مجمع عليه**"(المنہاج فی شرح مسلم:۴ر۱۹۵)۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

"**إذا بيع الطعام بالطعام إن كانا جنسا اشترط الحول والمماثلة، والتقابض قبل التفرق ...والنقد بالنقد كطعام بطعام**"(منہاج مع السراج الوہاج:۷-۱۳-۱۳۸)۔

علامہ عمرانیؒ فرماتے ہیں: "**إذا ثبت هذا : فسواء كانا مصوغين أو كان أحدهما مصوغا أو مضروباً والآخر تبراً فانه لا يجوز بيع الجنس بجنسه متفاضلا**" (البیان ۵ر۱۶۱)۔

پرانے سونے کے بدلے نیا سونا خریدنے کا جائز طریقہ:

پرانا سونا دیکر نیا سونا خریدنا وقت کی ضرورت اور انسانی حاجت وعادت بن گئی ہے، جب کہ اس طرح کی خرید وفروخت کو

شریعت کی روشنی میں حرام قرار دیا گیا ہے، لیکن چوں کہ اسلام انسانی حاجات اور ضروریات کا پورا خیال رکھتا ہے اور اسلامی علوم کے ماہرین نے اسلام کی آسانی اور سہل پسندی کو اپنے اجتہادات کی روشنی میں ثابت کر دکھایا ہے۔ لہذا مذکورہ مسئلہ میں بھی فقہاء نے کچھ ایسے طریقہ نقل کئے ہیں جن پر عمل کرنے کی صورت میں پرانے سونے کو نئے سونے کے بدلے جائز طریقہ سے خریدنا آسان ہوگیا ہے۔

پہلی صورت: پرانے سونے کی قیمت لگائی جائے، سنار اور پرانے سونے کے مالک درمیان جتنی قیمت طے ہو اس قیمت کے بدلے پرانا سونا فروخت کیا جائے اس کے بعد نئے سونے کی قیمت لگائی جائے اور پرانے سونے کا مالک اتنی قیمت ادا کر کے نیا سونا خریدے۔ اس صورت میں سونے کی بیع سونے سے نہیں ہوتی بلکہ سونے کی بیع روپیوں سے ہوتی ہے اور فقہاء نے اس مسئلہ میں سونے کے قائم مقام نہیں مانا ہے اس لئے اس طرح بیع جائز ہوگی۔

دوسری صورت: یہ ہے کہ ہر ایک اپنا سونا اپنے ساتھی کو قرض دے پھر اس سے بری کر دے یا پھر زیادتی کو ھبہ کر دے اور یہ درست ہے (مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۷، اعانۃ الطالبین ۳/ ۳۵، حاشیۃ قلیوبی مع کنز الراغبین ۲/ ۱۴۶۶)۔

۴-سونے پر قبضہ کے بغیر خرید وفروخت:

(الف-ب) کسی بھی چیز کو خریدنے کے بعد قبضہ سے پہلے مشتری کی ملکیت کمزور ہوتی ہے، اسی لئے قبضہ سے پہلے اس مبیع کو فروخت کرنا درست نہیں ہے، اور مشتری کے قبضہ سے پہلے اس پر بائع کا ہی قبضہ شمار ہوتا ہے، اسی لئے اگر وہ مبیع مشتری کے قبضہ سے پہلے تلف ہوجائے تو اس کا ضمان بائع پر ہی واجب ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں نبی کریم ے فرمایا جو شخص طعام خریدے تو اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کو فروخت نہ کرے (مسلم: ۱۵۲۶)، نیز نبی کریم ﷺ نے حضرت حکیم بن حزامؓ سے فرمایا تھا کہ تم کسی چیز کو قبضہ کرنے سے پہلے نہ بیچو (سنن بیہقی: ۱۹۱۸)، ان دلائل کی روشنی میں امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ **"ولایصح بیع المبیع قبل قبضه"** (منہاج الطالبین مع مغنی المحتاج ۲/ ۶۸)، نیز فرماتے ہیں: **"المبیع قبل قبضه من ضمان البائع بمعنی انفساخ البیع بتلفه وثبوت الخیار بتعیبه، وبإتلاف الأجنبی له لبقاء سلطنته علیه"** (منہاج مع مغنی المحتاج ۲/ ۶۵)، اور سونا چونکہ اشیاء منقولہ میں سے ہے اس لئے اس پر قبضہ کی شکل یہ ہے کہ سونا بائع کی ملکیت سے منتقل ہو کر مشتری کی ملکیت میں آجائے جس کے لئے نقل ضروری ہے۔ سوال میں الف کے ضمن میں پوچھی گئی صورت میں چوں کہ تمام گاہکوں کو سونا ایک ہی اینٹ میں شامل ہے اس لئے مشتری کے لئے مبیع پر قبضہ کرنا دشوار ہے اس لئے اس صورت میں قبضہ شمار نہیں کیا جائے گا۔ اور ب کے ضمن میں پوچھی گئی صورت میں جس جگہ خریدار کے نام سے کمپوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں درج کیا جارہا ہو، چوں کہ یہاں پر حقیقی قبضہ یعنی مبیع کی منتقلی پائی نہیں جارہی ہے اس لئے مشتری کا قبضہ متصور نہیں ہوگا، بلکہ اس پر بائع ہی کا قبضہ معتبر ہوگا۔

"وقبض منقول من سفینة اوحیوان بنقله إلی محل آخر مع تفریغ السفینة ،ویحصل القبض ایضا بوضع البائع للمنقول بین یدی المشتری بحیث لومدالیه یده لناله وإن قال لا أرید ه" (فتح المعین مع اعانۃ الطالبین: ۳/ ۴۷)۔

۵-مبیع (سونا) پر قبضہ کئے بغیر صرف نرخ کی کمی زیادتی کا لین دین:

بیع کی تکمیل کے بعد اس کے متعلق کسی قسم کا ردوبدل یا قیمت میں کمی زیادتی کا اختیار مجلس عقد سے جدا ہونے سے پہلے یا خیار شرط کی صورت میں تین دن یا اس سے کم مدت کے اندر باقی رہتا ہے، لیکن جب یہ دونوں اختیار باقی نہ ہوں تو ایک مرتبہ عقد ہونے کے بعد، ثمن کی تعیین کے بعد ادائیگی کے وقت نرخ کی کمی زیادتی کی بنا پر متعینہ قیمت میں کمی زیادتی شرعا کیسے درست ہوسکتی ہے، اس لئے مجلس عقد سے جدا ہونے کے بعد یا خیار شرط کی صورت میں تین کے بعد کسی بھی قسم کی کمی زیادتی کا امکان باقی نہیں رہتا، اس لئے یہ صورت درست نہیں ہے (مغنی المحتاج ۲/ ۷۲، منہاج مع مغنی المحتاج ۲/ ۴۳-۴۸)۔

۶-سونے کی متوقع زیادہ قیمت کی بنا پر ذخیرہ اندوزی:

حضرت سعید ابن مسیّب حدیث بیان کرتے ہیں کہ معمر نے فرمایا: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ذخیرہ اندوزی کی تو وہ خطا کار اور گنہگار ہے، حضرت سعیدؒ سے پوچھا گیا کہ آپ بھی تو ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں، تو حضرت سعیدؒ نے کہا: کہ معمر جو یہ حدیث بیان کرتے تھے وہ بھی ذخیرہ اندوزی کرتے تھے۔ مذکورہ حدیث کے تحت شارح مسلم امام نوویؒ رقمطراز ہیں کہ حدیث میں جو خاطی آیا ہے اہل لغت نے اسکے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ مراد گنہگار ہے، اور اس حدیث میں ذخیرہ اندوزی کرنے پر صریح حرمت ہے۔ ہمارے اصحاب فرماتے ہیں کہ جو ذخیرہ اندوزی حرام ہے اس سے وہ ذخیرہ اندوزی مراد ہے جو خاص طور پر غذائی اشیاء میں ہو، اور اس سے مراد یہ ہے کہ مہنگائی کے زمانہ میں غلہ اور کھانے کو تجارت کی غرض سے خریدلے اور اسکو فوراً نہ بیچے بلکہ اسکو ذخیرہ کر کے رکھے تاکہ اس کی قیمت میں مزید ہوجائے تو یہ صورت حرام احتکار میں داخل ہے۔ اگر کوئی غلہ کو سستائی کے زمانہ میں خرید کر ذخیرہ کرے، یا مہنگائی کے وقت میں خود کے لئے خریدے یا غلہ خریدے تاکہ اس کو اس کے وقت میں بیچے تو یہ احتکار میں داخل نہیں ہے، اور نہ یہ حرمت کی صورت میں داخل ہوئی۔ جہاں تک غذائی اشیاء کے علاوہ میں ذخیرہ اندوزی کا مسئلہ ہے تو اس صورت میں کسی بھی وقت ذخیرہ کرنا حرام نہیں ہے، علماء نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ عوام سے ضرر کو دور کرنا ہے، جہاں تک راوی حدیث کا احتکار کرنے کا مسئلہ ہے، تو ابن عبدالبر وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ حضرات تیل کا ذخیرہ کرتے تھے اور یہ حضرات حدیث کو حاجت اور مہنگائی کے وقت غذائی اشیاء کی ذخیرہ اندوزی پر محمول کرتے ہیں۔ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ اور دیگر حضرات نے بھی اس کو اسی پر محمول کیا ہے، کہ حاجت اور مہنگائی کے وقت ذخیرہ کرنا مراد ہے اور یہی قول راجح ہے، مذکورہ تفصیل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر سونا چاندی کو قیمت کے اضافہ کی خاطر روکا جائے تو یہ فی نفسہ مباح اور جائز ہے، اگرچہ اس کا اثر دیگر اشیاء میں سرایت کرجائے، اس لئے کہ سونا چاندی ذخیرہ کرنے والے کا مقصود فقط سونے چاندی میں قیمت کا اضافہ ہے، نہ کہ دیگر اشیاء میں اور دیگر اشیاء میں قیمت کا اضافہ ہونا اتفاقی چیز ہے، مزید یہ کہ سونا چاندی کی ذخیرہ اندوزی غذائی اشیاء کی مہنگائی کے وقت نہیں ہے، نیز یہ کہ غذائی اشیاء کی فراہمی ہے صرف یہ کہ قیمت میں اضافہ ہوا ہے، لیکن ان سب کے باوجود مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ اپنی ذات سے کوئی ایسا کام نہ کرے جسکی وجہ سے عوام الناس مشقت اور تکلیف میں مبتلا ہوجائے (المنہاج فی شرح مسلم ۴/ ۲۱۹، ۲۲۰، اسنی المطالب ۳/ ۷۰-۷۱، روضۃ الطالبین ۳/ ۷۸)۔

۷-غیر قانونی سونے کی آمد ورفت:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں (مسلم:۱۰۱)،اس حدیث کے عموم کو دیکھتے ہوئے ہر قسم کا دھوکہ ممنوع ہے، چاہے انفرادی ہو یا اجتماعی، دھوکہ کسی فرد کو دیا جائے یا جماعت کو، کسی ادارہ کو دیا جائے یا حکومت کو، جن ممالک میں ملکی معاشی مصالح کے پیش نظر دیگر ممالک سے سونا لانے کے جو اصول متعین ہیں، ان کی خلاف ورزی بھی ایک قسم کی دھوکہ دہی ہے، چونکہ غیر قانونی طور پر سونا لانے میں تمام مراحل سے دھوکہ دہی اور غرر کے ساتھ ہی گذرنا ناگزیز ہوتا ہے، نیز غیر قانونی طور پر سونا لانے والے جب پولیس اور حکومتی کارندوں کے ہاتھ پکڑے جاتے ہیں تو بھاری مقدار میں مالی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے اور ذلت ورسوائی بھی مقدر ہو جاتی ہے، اسی لئے علماء نے اس طرح کے دھوکہ دہی کے معاملات کو نادرست قرار دیا ہے، جیسا کہ شرعا بہت سے معاملات فی نفسہ درست ہیں، لیکن غرر اور دھوکہ دہی کی بنا پر ان بیوعات کو شرعا منع کیا گیا ہے، بیع حاضر لباد، تلقی رکبان، نجش، جیسے عقود اسی ضمن میں داخل ہیں۔

”فإذا منعت الدولة تهريب الذهب، أونحوه من الأشياء المباحة لمصالح تعودعلى البلد والناس ولمفاسد معتبرة تدفع، فيجب الالتزام بهذالقر اروالكف عن التهريب“(اسلام ویب:۲۵۴۷۸۲)۔

”ومن المنهى عنه مالايبطل لرجوعه يعود الى النهى لدلالة المنهى عليه إلى معنى يقترن به لا إلى ذاته لأن النهى ليس للبيع بخصوصه ،بل لأمر آخر..فجميع مافيه من الصور يصح فيها البيع ويحرم..كبيع حاضرلباد ...وتلقى الركبان ...“(منہاج مع المغنی المحتاج ۲/۳۶)۔

۸-پلاٹین پر سونے کا اطلاق اور اس پر زکوۃ کا حکم:

پلاٹینم یہ زمین سے حاصل ہونے والی ایک قیمتی دھات ہے، جس سے سونے چاندی کے زیورات کی طرح زیورات بنائے جاتے ہیں، نیز دیگر اشیاء میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے، جب کہ سفید سونے کو سونے اور دوسری دھات کے ملاپ سے تیار کیا جاتا ہے، چنانچہ نیٹ پر دستیاب معلومات کے مطابق پلاٹینم اور سفید سونا دونوں الگ الگ ہیں۔

platinum.naturally.occuring.metals.
white.gold.mad.by.alloying.naturally.occuring.yellow.gold.with.other.metals.
{www.diffen.com}

پلاٹینم چونکہ الگ دھات ہے، اور سونا چاندی کے قبیل سے نہیں ہے، اس لئے سونا چاندی کے احکام کا پلاٹینم پر اطلاق نہیں ہوگا، اور نہ اس پر زکوۃ واجب ہوگی، رہا مسئلہ پلاٹینم کے قیمتی ہونے کا تو زکوۃ کے وجوب میں اصل نقدین کا اعتبار ہے کہ کسی قیمتی چیز کا، یہی وجہ ہے کہ بعض ہیرے جواہرات جو سونے سے زیادہ قیمتی ہیں۔اس کے باوجود ان پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی، اس لئے پلاٹینم پر بھی زکوۃ واجب نہیں ہوگی اور نہ اس پر سونے کا اطلاق ہوگا۔

علامہ ابن حجر ہیثمیؒ فرماتے ہیں: ولازكاة فى سائر الجواهر كاللؤلؤواليا قوت، لعدم ورودها فى ذلك، والانها معدة للاستعمال كالماشية العاملة“(تحفۃ المحتاج ۱/۲۷۰،المجموع:۶/۵،اسلامی ویب:۴۵۱۱۳)۔

تیسرا باب

مختصر تحریریں

سونا چاندی کی تجارت-صورتیں اور احکام

قاضی عبدالجلیل قاسمی☆

۱- اگر روپے سے سونا چاندی خریدا جائے تو اس پر بیع صرف کے احکام جاری ہوں گے۔

الف- یہ بات درست نہ ہوگی کہ سونا چاندی اور روپے میں سے ایک نقد ہو، دوسرا ادھار ہو۔

ب-حکومت کی طرف سے سونا چاندی کی مقرر کردہ قیمت سے کم وبیش میں خریدنا، فروخت کرنا صحیح ہوگا۔

۲- الف، ب یہ اجارہ ہے اور فاسد ہے، اس لیے کہ اجرت مجہول ہے، نیز نزاع کا سبب ہے، اس لیے کہ کاریگر دوسری دھات زیادہ سے زیادہ ملانے کی کوشش کرے گا تا کہ اس کو زیادہ سے زیادہ سونا (اجرت میں) حاصل ہو سکے اور اس سے جھگڑا پیدا ہوگا۔

۳- اگر نئے پرانے دونوں قسم کے زیورات میں کوئی دوسری دھات شامل ہے تو دھات کو منہا کر کے دونوں میں برابری ضروری ہوگی، مثلاً اگر پرانا زیور دس گرام کا ہے، اور اس میں سونا آٹھ گرام ہے اور دوسرا نیا زیور بھی دس گرام کا ہے اور اس میں بھی سونا آٹھ گرام ہے، باقی دوسری دھات ہے تو کمی بیشی میں میں فروخت کرنا ناجائز ہوگا، کم وبیش کرنے میں ربا الفضل ہوگا۔

۴- الف: اس صورت میں سونا پر خریدار کا قبضہ نہیں سمجھا جائے گا۔

ب: رجسٹر میں اندراج قبضہ کے لیے کافی نہیں ہوگا۔

۵- سوال نامہ میں ذکر کردہ صورت اقالہ کی ہے اور اقالہ میں ثمن اول میں اضافہ یا کمی کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے سوال میں مذکور صورت جائز نہیں ہے۔

"الإقالة جائزة في البيع بمثل الثمن الاول...... فإن شرط أكثر منه أو أقل فالشرط باطل و يرد مثل الثمن الأولى" (ہدایہ ۶۹/۳)۔

(بیع میں ثمن اول کے مثل سے اقالہ جائز ہے ......اگر اس سے کم وبیش کی شرط لگائی جائے تو شرط باطل ہوگی اور ثمن اول کا مثل ہی واپس کرنا ہوگا) (یعنی اگر ثمن پر قبضہ کرلیا ہو)۔

نیز اس صورت میں سود کا دروازہ کھل جانے کا اندیشہ بھی ہے، لوگ سود پر قرض دینے کے بجائے یہ حیلہ اختیار کریں گے کہ ضرورت مند سے اس کی کوئی چیز کسی مقرر قیمت پر خرید لیں گے، ثمن ادا کردیں گے اور سامان پر قبضہ نہیں کریں گے، پھر سال بھر کے

☆ قاضی شریعت، مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ

بعد وہ سامان اسی کو فروخت کر کے پہلی قیمت سے زیادہ وصول کر لیں گے، یعنی پہلے ایک ہزار میں خریدا تھا اور اب بارہ سو میں فروخت کر دیں گے، بیع کا تلفظ تو ہوگا، حقیقت میں ایک ہزار روپے دے کر بارہ سو روپے وصول کر لیں گے، اس لیے بھی اس صورت کو ممنوع ہونا چاہیے۔

۶- سونا کو قیمت میں اضافہ کے لیے روک لینا احتکار میں داخل نہیں ہے، احتکار صرف کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں میں ہوتا ہے، جن کے بغیر زندگی دشوار ہے، سونا کے بغیر زندگی دشوار نہیں ہوتی ہے۔

"الاحتکار لغة : حبس الطعام إرادة الغلاء ...... أما في الشرع فقد عرفه الحنفية بأنه اشتراء طعام و نحوه و حبسه إلى الغلاء و عرفه المالكية بأنه رصد الأسواق انتظار ا لارتفاع الأثمان و عرفه الشافعية بأنه اشتراء القوت وقت الغلاء و إمساكه و بيعه بأكثر من ثمنه للتضييق و عرفه الحنابلة بأنه اشتراء القوت و حبسه انتظارا للغلاء" (الموسوعۃ الفقہیۃ ۲/۹۰)۔

لغت میں احتکار کا معنیٰ گرانی کی نیت سے کھانے کی چیز کو روک کر رکھنا ہے، شریعت میں حنفیہ نے یہ تعریف کی ہے، کھانے وغیرہ کو خریدنا اور گرانی تک کے لیے اس کو روک رکھنا، مالکیہ نے تعریف کی ہے، قیمتوں کے بڑھنے کے انتظار میں بازار کی نگرانی کرنا، شافعیہ نے تعریف کی ہے، مہنگائی کے زمانہ میں غلہ کو خریدنا اور اس کو روک رکھنا اور تنگی کی وجہ سے اس کی قیمت سے زیادہ میں فروخت کرنا، حنابلہ نے تعریف کی ہے، غلہ کو خریدنا اور گرانی کے انتظار میں اس کو روک رکھنا۔

الموسوعہ میں اس پر فقہاء کی بحث نقل کی گئی ہے کہ کن چیزوں میں احتکار ہوتا ہے، ان اشیاء میں سونا کا ذکر نہیں ہے۔

کن اشیاء میں احتکار ہوسکتا ہے:

"و هناک ثلاثة اتجاهات : الاول : ما ذهب إليه أبو حنيفة و محمد و الشافعية و الحنابلة أنه لا احتكار إلا في القوت خاصة و الاتجاه الثاني : ان الاحتكار يجري في كل ما يحتاجه الناس و يتضررون من حبسه من قوت و إدام و لباس و غير ذلک و هذا ما ذهب إليه المالكية و أبو يوسف من الحنفية و الاتجاه الثالث : أنه لا احتكار إلا في القوت و الثياب خاصة و هذا قول لمحمد بن الحسن" (الموسوعۃ الفقہیۃ ۲/۹۲)۔

یہاں تین نقطہ نظر ہیں، امام ابوحنیفہ امام محمد، شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ صرف غلہ میں احتکار ہوسکتا ہے، دوسرا مذہب امام مالک کا ہے، ان کی رائے ہے کہ ہر اس چیز میں احتکار ہوسکتا ہے جس کے محتاج لوگ ہوں، اور اس کو روک لینے سے ان کو ضرر ہو، خواہ غلہ ہو، سالن ہو، یا لباس وغیرہ ہو، حنفیہ میں امام ابو یوسف کا مذہب بھی یہی ہے، تیسرا مذہب ہے کہ صرف غلہ اور کپڑا میں احتکار ہوسکتا ہے یہ امام محمد کا ایک قول ہے۔

اس لیے گرانی کی امید میں سونا کو روک کر رکھنا جائز نہ ہوگا۔

۷- اس سوال کا جواب زبانی دیا جاسکتا ہے، تحریر میں لانا مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے۔

۸- پلاٹین خواہ جتنا بھی قیمتی ہو وہ سونا چاندی کے حکم میں نہیں ہوسکتا ہے، اس کی خرید وفروخت کو صرف میں شمار نہیں کیا جاسکتا ہے، نہ اس پر سونا کے احکام جاری ہوں گے۔

سونا چاندی کی تجارت کے احکام

ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی ☆

۱- الف- کرنسی ثمن خلقی نہیں ثمن اصطلاحی یا عرفی ہے، البتہ ثمن خلقی کی طرح تداول ہوگیا ہے، لہذا روپے سے سونا چاندی خریدنا بیع صرف نہیں کیونکہ بیع صرف کے احکام صرف خلقی ثمن میں جاری ہوتے ہیں، مجلس عقد میں دونوں طرف سے قبضہ شرط نہیں بنا بریں ان میں سے ایک کا نقد ہونا اور دوسرے کا ادھار ہونا درست ہے، مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''کرنسی نوٹ حقیقتاً ثمن نہیں ہیں بلکہ یہ ثمن عرفی یا ثمن اصطلاحی ہیں اور بیع صرف کے احکام صرف خلقی اثمان (سونا، چاندی) میں جاری ہوتے ہیں، معلوم ہوا کہ جب جنسیں مختلف ہوں تو ایسا کرنا درست ہے، چنانچہ شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں: ''**وإذا اشترى الرجل فلوسا بدراهم ونقد الثمن ولم تكن الفلوس عند البائع بالبيع جائز**'' (فقہی مقالات ۱/۴۰-۴۱)، مفتی صاحب ایک جگہ اور لکھتے ہیں: ''صرف کے اندر ضروری ہے کہ دونوں طرف حقیقی سونا ہو یا چاندی اور نوٹ کی پشت پر سونا یا چاندی نہیں ہے، لہذا یہ بیع صرف نہ ہوگی اس لئے حقیقی تقابض فی المجلس شرط نہیں''۔

ب- ''چونکہ اتحاد جنس نہیں اس لئے متعینہ قیمت سے کم وبیش میں خرید اجاسکتا ہے اور اس پر ربا تفاضل کا اطلاق نہ ہوگا'' (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/۶۷، نیز دیکھئے: فتاوی عثمانی ۳/۱۵۹)۔ مولانا عثمانی کہتے ہیں: ''اتحاد جنس نہیں اور اس کی کمی زیادتی کی شرعاً کوئی حد نہیں یہ فریقین کی رضامندی پر موقوف ہے'' (فقہی مقالات ۱/۴۳۳)۔

۲- الف: یہ معاملہ اجرت کا معلوم ہوتا ہے زیورات کے بنانے میں جو ذرات بچ جائیں وہ سونار کی اجرت ہی ہوں گے۔

قفیز طحانی والی روایت سے یہی سمجھ میں آتا ہے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں: ''قفیز طحانی یعنی آٹا پیسنے والے کو گیہوں وغیرہ دے اور کہے کہ اسی میں سے اتنے قفیز تمہاری اجرت ہوگی، رسول اللہ ﷺ نے اس صورت کو منع فرمایا، فقہاء نے اس ممانعت کے دائرہ کو وسیع کیا اور یہ کہا کہ عامل ہی کے عمل کے ایک جزء کو اجرت بنانا درست نہیں، چنانچہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور بعض فقہاء اس کی ممانعت کے قائل ہیں، امام احمدؒ، امام اوزاعیؒ اور بعض فقہاء اس کے جواز کے قائل ہیں، امام مالکؒ سے دونوں طرح کے اقوال نقل کئے گئے ہیں، جن حضرات نے اس روایت کو قبول نہیں کیا ہے ان کے پیش نظر یہ حدیث پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی، ابن حجرؒ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، اور علامہ ابن قدامہ مقدسیؒ نے ابن عقیل سے نقل کیا ہے کہ یہ درجہ استدلال کو نہیں پہنچتی ''**هذا الحديث لا**

☆ سابق شیخ الحدیث، دار العلوم مئو۔

نعرفه ولا يثبت عندنا حجيته......" بعدہ مولانا رحمانی صاحب بنکر، قصاب، درزی وغیرہ کی مثال دے کر کہتے ہیں کہ احناف میں سے مشائخ بلخ نے عرف کی رعایت کرتے ہوئے جواز کا قول فرمایا ہے" (قاموس الفقہ ۱/ ۴۹۹)، اس لئے عرف کا لحاظ کرتے ہوئے ان ذرات کو بطور اجرت لیا جاسکتا ہے، "**إنما تعتبر العادة إذا اطردت**" (الاشباہ والنظائر للسیوطی/ ۶۴)، "**العادة محكمة-اعلم ان اعتبار العادة والعرف راجع اليه فى الفقه مسائل لاتعد كثرة**" (الاشباہ والنظائر للسیوطی/ ۶۳، نیز دیکھئے: غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر للسید احمد بن محمد الحنفی الحمویؒ ۱/ ۲۹۵ القاعدۃ السادسہ)، نیز مولانا رحمانی صاحب نے اپنی دوسری کتاب "نوازل فقهيه معاصرة" (۱/ ۴۵۳ تا ۴۶۴) پر قفیز طحان سے متعلق تفصیلی بحث فرمائی ہے، اولاً اس روایت پر محدثانہ کلام پیش فرمایا ہے، بعدہ فقہاء کے آراء مع ان کے دلائل نقل فرمائے ہیں، موصوف جواز کی رائے ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں: "**فارى ان الجهالة التى تفضى إلى المنازعة بين المتعاقدين هى التى تمنع صحة الإجارة وأما فى هذه الصور المتداولة فليس كذلک، بل هنا يتعين أنهم يستحقون الاجرة بنسبة ما يجمعون الخ**" میرے خیال میں جو جہالت مفضی الی المنازعت ہو وہ صحت اجارہ سے مانع ہوگی اس لئے قفیز طحان اور اس پر قیاس کردہ دیگر مسائل ایسے نہیں جس کی جہالت اسی تک مفضی ہو، نیز مولانا موصوف تحریر فرماتے ہیں: قفیز طحان پر قیاس کردہ دیگر مسائل ثابت بالقیاس ہیں ثابت بالنص نہیں......"**وما يثبت من الأحكام بالقياس ويخالفها العرف والعادة فيجوز العمل بالعادة دون القياس، وفى زماننا كثير من العقود والمعاملات و طرق التجارة التى يجعل فيها جزء عمل الأجير أجرة، وفى مثل هذة الصورة وإن كان لا تبعين مقدار الأجرة بجميع اعتباريها تحدد بالنسبة التى تكون كالمعلومه آلا ولا تقضى إلى النزاع فالجهالة اليسيرة التى لا تؤدى إلى النزاع لا تضرفى صحة العقد**" ۔

شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں: "**جاز عندى ديانة دون بقى فاسد افضاء لارتفاع عنه الفساد وهى المنازعة**" تکملہ فتح الملہم ۱/ ۴۴۰ مکتبہ اشرفیہ دیوبند پر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کی تحریر ملاحظہ ہو: "**وقال شيخ مشائخنا الانورؒ فى فيض البارى ۳/ ۲۹۵ تحت هذا الباب "حكم المزارعت وكراء الأرض" من صحيح البخارى "ولم أكن أفهم دهرامافى الهدايه فى أول باب المزارعة لا تجوز المزارعة والمساقاة عند أبى حنيفه، ثم أراه ......الخلاف بينه وبين صاحبه وكنت التعجب ان المزارعة إذا لم تجز عنده فمن ابن الملك التفريات والمسائل الخ**" عامل ہی کے عمل کے ایک جز کو اجرت بنانے کے جواز پر شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ میں بہت دنوں تک ہدایہ کے باب لا تجوز المزارعة والمساقاة عند ابی حنیفہ کی بابت سوچتا رہا اور پھر یہ بھی دیکھتا رہا کہ اس کے تحت فقہاء مسائل میں امام صاحب اور صاحبین کے درمیان اختلاف بھی نقل کرتے ہیں اگر یہ درست نہیں تو پھر جزئیات وتفریعات کیا معنی؟ پھر لوگوں کا یہ جواب دینا کہ عدم جواز کے باوجود اگر لوگ معاملہ کرلیں تو پھر اس کا کیا حکم ہوگا؟ اس غرض سے اس کا بیان ہے لیکن مجھے اس جواب پر انشراح نہیں ہوتا تھا، پھر جب میں حاوی القدسی میں دیکھا کہ امام صاحب کے یہاں یہ مکروہ ہے تشدید فی النہی نہیں ہے تو میرا خلجان دور ہوگیا کبھی شی باطل ہوتی ہے

لیکن اس کا ارتکاب معصیت نہیں ہوتا بنابریں احکام وتفریعات کا بیان درست ہے، نیز مزارعت کا ثبوت احادیث اورامت متواترہ کا تعامل ہے اوروہ روایتیں جن سے مزارعت کی نہی ہورہی ہے وہ دوحال سے خالی نہیں یاتو وہ مزارعت کی کوئی خاص کروہی دفع الارض بقدرسبھی غیرشائع من الخارج ہے یاعلی سبیل الارشادالمشورہ ہے نہ کہ علی سبیل الحرمۃ اوران دونوں تاویلوں پر دلائل موجود ہیں، اس سے بھی تائید ہورہی ہے کہ بچے ہوئے ذرات کواجرت بنایا جاسکتا ہے۔

اسی کے تحت ہدایہ علی شرح فتح القدیر ۸/ ۳۴ کتاب المزارعۃ کی تحریر پیش ہے:''**إلا أن الفتوى على قولهما لحاجة الناس اليها ولظهور تعامل الأمة بها والقياس يترک بالتعامل كما فی الاستصناع**''،نیز فتاوی عالمگیری ۴/ ۴۴۵ الفصل الثالث فی قفیز الطحان وما ہوفی معناہ کے تحت بہت ساری مثالوں کوپیش کرنے کے بعدمشائخ بلخ کے یہاں اس مسئلہ کے جواز کی علت لمکان الضرورۃ والتعامل نقل کی ہے، ہاں یہ بات اور ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ'' زیادہ صحیح اس کا عدم جواز ہے''، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے یہاں بھی جائز ہے،''**لا بأس ان يحصد الزرع ويوم النخل بسدس ما يخرج منه وهواجب الى من المقاطعة انما جاز ههنالانه معلوم بالمشاهدة وهو اعلى طرق العلم ومن علم شيئا علم جزاه المشاع فيكون اجراه معلوما الخ**''(المغنی والشرح الکبیر ۶/ ۱۳ الطبعہ المنارمصر)،حنابلہ کے یہاں دلیل جواز یہی ہے کہ جب اس نے یہ چیز دیکھ لیں تو مشاہدہ کے ذریعہ اس کوعلم ہوگیااورسب سے قوی ترین ذریعہ علم ہے۔

مولانا محمدتقی عثمانی صاحب اخراج مقاسمہ کے تحت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جن روایتوں میں''**بشطر ما يخرج منها**'' آیاہے جن میں نہی وارد ہوئی ہے تو وہ نہی تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی (اسلام اورجدید معاشی مسائل ۲/ ۲۳۶)۔

۳- بہترتو یہ ہے کہ اولا پرانا زیورفروخت کردیا جائے اوراس کی قیمت سے نیا زیورلے لیا جائے لیکن یہ معاملہ بایں طوردرست ہوسکتا ہے کہ پرانے اور نئے دونوں زیورات کابٹہ (ٹانکہ) چھوڑکرآٹھ گرام کا اصل سونا پرانے زیورکے اتنے ہی سونے کے بالمقابل ماناجائے اورنئے کاٹانکہ پرانے کے مابقیہ کے بالمقابل مان لیاجائے،مزید وضاحت یوں ہے:

(نیازیور)۸/گرام سونا-ٹانکہ(پرانازیور)۸/گرام-ٹانکہ-مابقیہ

نئے زیورکاٹانکہ = پرانے زیورکامابقیہ

چنانچہ سوناسونے کے برابرہوگیااس میں کمی وبیشی درست نہیں جیدہاوردتیہاسواء

نئے زیورکابٹہ دوسری طرف کے سونے وبٹہ کے برابرہوگیا، اتحادجنس نہیں اس لئے تفاضل درست ہوا۔اور بٹے میں ربا ہے ہی نہیں۔

انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی جدہ کے فقہی فیصلے ص۲۶۵ پر مذکور ہے:''خالص سونے کی فروخت ایسے سونے کے ساتھ جس کے ساتھ کوئی اورجنس ملی ہوئی ہوکمی وزیادتی کے ساتھ درست ہے اور یہ اس لئے کہ ایک جانب سونے کی زائدمقدار دوسری جانب کی دوسری جنس والی چیز کے بالمقابل سمجھی جائے گی''۔

''**ولو قال اعطنى نصف درهم فلو ساونصفا الاحبة جاز لانه قابل الدرهم بما يباع من الفلوس بنصف درهم وبنصف درهم الاحته فيكون نصف درهم الاحته بمثله وماوراه بازاء الفلوس**''(شرح فتح القدیر ۵/ ۳۸۸دار

عالم الکتب ریاض)،مولانا محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ایک ہار ذہب وغیر ذہب سے مرکب ہے اور اس ہار میں پانچ تولہ سونا ہے اب اس ہار کو چھ تولہ سونے یا ساڑھے پانچ تولہ سونے کے عوض فروخت کرنا جائز ہے تاکہ پانچ تولہ سونا ۵ تولہ سونے کے مقابل ہوجائے اور ثمن میں......اس لئے معاملہ درست ہوجائے گا(اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/۶۶)۔

۴- الف: مذکورہ صورت سے قبضہ نہ ہوگا۔

ب-کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں خریدار کے نام کا اگر اندراج ہوجاتا ہے تو یہ قبضہ محسوب ہونا چاہئے (دیکھئے: فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے، ص ۳۲۶)۔

۵- یہ بیع الکالئی بالکالئی ہے (دوطرفہ ادھار خرید وفروخت) جو ناجائز ہے، نیز ربح مالم یضمن کی بھی صورت ہے، ساتھ ہی قمار کی بھی صورت معلوم ہورہی ہے (یعنی تعلیق التملیک بالخطر) پے بہ پے خرابیوں کے باعث یہ معاملہ فاسد ہے۔

۶- اولا احتکار کے تعلق سے ائمہ کے اقوال پیش ہیں، امام محمدؒ کے نزدیک احتکار اور ذخیرہ اندوزی صرف غذائی اشیاء میں ممنوع ہے (کمافی ردالمحتار وتکملہ فتح الملہم ۱/۶۵۶-۶۵۷، نیز دیکھئے: ردالمحتار علی الدر ۱/۵۷۱)۔

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کی درج ذیل تحریر سے موصوف کا عندیہ معلوم ہورہا ہے، آپ لکھتے ہیں:"**والذی یبدد الهذا العبد الضعیف عفا الله عنه ان حرمة احتکار الطعام ثابتة بالحدیث من غیر شکل فکان امراتشریعها معمر لانه الی الا بدلان حاجة الناس الی الطعام اکثر منها الی غیره واما احتکار الاشیاء الاخری فیفوض الی رأی الحاکم فان رأی فی احتکار حاضر راشدید انظر الضرر فی الطعام منعه والاجازه، والله سبحانه اعلم**"(تکملہ فتح الملہم ۱/۶۵۸ مکتبہ اشرفیہ دیوبند)۔

احتکار کی حرمت تو بدون کسی شک ثابت ہے اور بہ طور شریعت اس پر عمل قیامت تک رہے گا کیونکہ لوگوں کی حاجت بہ نسبت دیگر اشیاء کے اس تک زیادہ ہے لیکن دیگر اشیاء میں ثبوت احتکار حاکم کی رائے کی طرف سونپ دینا چاہئے، اگر حاکم دیگر اشیاء میں بھی غذائی اشیاء کی طرح ضرر شدید محسوس کرتا ہے تو احتکار سے روک دے گا ورنہ اجازت دے گا۔

عاجز کی رائے یہی ہے کہ احتکار کو طعام میں محصور نہ کیا جائے، احتکار کو عام رکھا جائے۔

۷- حضرت مفتی نظام الدین اعظمی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں: اگر قانونا جرم ہو تو چونکہ عزت بچانا واجب ہے، اپنی عزت بچانے کے لئے قانون کی خلاف ورزی کی بھی اجازت نہ ہوگی (منتخبات نظام الفتاوی ۳/۲۸ ایفا)۔

۸- پلاٹین کو ثمن خلقی نہیں مانا جاسکتا ہے، کیونکہ سونا چاندی ہی کو منصوص طور پر ثمن قرار دیا گیا ہے، نیز اس میں تداول بھی نہیں پایا جاتا۔

☆☆☆

سونے چاندی کی تجارت-اسلامی نقطہ نظر

مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی☆

۱- الف-فقہاء کے نزدیک ثمن کی دو قسمیں ہیں: ایک ثمن خلقی اور دوسرا ثمن اصطلاحی، ثمن خلقی اور حقیقی سے مراد سونا چاندی ہے، اس کی ثمنیت کسی حال میں ختم نہیں ہوتی، جبکہ ثمن اصطلاحی کا تعلق حکومت کے مقرر اور متعین کردہ کرنسی اور فلوس سے ہے، اور حکومت کی تعیین ہی کی وجہ سے عوام میں لین دین میں اس کا چلن ہوتا ہے، حکومت نے اپنی منظوری واپس لے لی تو اس کی کرنسی کی حیثیت کاغذ کی رہ جاتی ہے، اور بینک بھی اس کے لئے روادار نہیں ہوتا، اس کی موٹی مثال وزیر اعظم ہندوستان کے ذریعہ ایک ہزار اور پانچ سو کے نوٹوں کے بند کرنے کا فیصلہ ہے، اس فیصلے کے بعد ثمن اصطلاحی کی قدر و قیمت ختم ہوگئی اور کاروباری ادارے ہی نہیں عوام بھی اسے لینے سے انکار کرنے لگی! حالانکہ یہی کرنسی جب ممنوع نہیں تھی تو اس کے قبول کرنے سے انکار قانونی جرائم زمرے میں آتا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ ثمن خلقی اور ثمن اصطلاحی ایک جنس کے نہیں ہیں، بلکہ دونوں کی جنس الگ ہے، ایک کی ثمنیت کبھی ختم نہیں ہوتی اور دوسرے کی ثمنیت حکومت کی مرہون منت ہوا کرتی ہے، علامہ سرخسیؒ کا یہی موقف ہے، مبسوط میں ہے:

"إن صفة الثمنية فى الفلوس عارضة باصطلاح الناس فأما الذهب والفضة فثمن بأصل الخلقة" (المبسوط ۱۲/۷ ۱۳)۔

فلوس میں ثمنیت عارضی ہے، اور سونا چاندی اصل خلقت کے اعتبار سے ثمن ہیں، اس لئے سونے چاندی کی خرید و فروخت روپے سے بیع صرف نہیں ہے، کیونکہ بیع صرف ثمن خلقی کی بیع ثمن خلقی سے ہے، نہ کہ ثمن خلقی کی بیع ثمن اصطلاحی سے، اور جب یہ بیع صرف نہیں ہے تو بدلین میں سے ایک پر قبضہ کافی ہوگا، دوسرا ادھار ہوسکتا ہے، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے چوتھے فقہی سمینار میں بھی علماء کرام کی ایک رائے یہی تھی کہ:

"مجلس عقد میں ہر دو عوض پر فوری قبضہ ضروری نہیں، ایک عوض پر قبضہ کافی ہے، کیونکہ نوٹوں کی حیثیت کلی طور پر سونے چاندی جیسی نہیں کہ یہ اعتباری اور اصطلاحی اثمان ہیں (نئے مسائل اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے فیصلے/ص ۱۶۷)۔

اس مسئلہ پر مفتی محمد تقی عثمانی صاحب (فتاوی عثمانی ۳/ ۱۵۴)، حضرت مفتی محمود الحسن صاحبؒ (فتاوی محمودیہ ۲۳/ ۵۴۰)، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب (کتاب الفتاوی ۹/ ۴۲۴، قاموس الفقہ ۳/ ۶۵)، (فتاوی حقانیہ ۶/ ۲۴، جدید معاملات کے شرعی احکام ۱/ ۱۲۹)،

☆ نائب ناظم امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

مولانا مفتی سلمان منصوری (کتاب النوازل ۱۱/۹۱)، مفتی شبیر احمد قاسمی (فتاوی قاسمیہ ۱۹/۱۵۷۵)، اور فتاوی دار العلوم زکریا میں بھی حضرات مفتیان کرام نے اسے بیع صرف نہیں مانا ہے۔

ب- جہاں تک حکومت کے مقرر کردہ نرخ سے کم یا زیادہ پر سونے چاندی کی خریداری کا تعلق ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اس پر ربا الفضل کا اطلاق نہیں ہوگا، ”وإن باع الذهب بالفضة جاز التفاضل لعدم المجانسة“ (ہدایہ کتاب الصرف ۳/۱۰۴)۔

۲- زیور بنانے والے کاریگر کا زیور بنانے کے بدلے دوسری دھاتوں کی آمیزش کرنے کے عوض جو سونے کے ذرات مل جائیں، اسی کو اجرت کے طور پر قبول کرنا بیع نہیں، اجرت ہے اور عرف میں ایسا ہی چلن ہے جس کی وجہ سے یہ معاملہ مفضی الی النزاع نہیں ہوتا، اس لئے اس اجرت کو اجرت مجہولہ اور عامل کے جز وعمل ہونے کی وجہ سے اسے ناجائز قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ اجرت مجہولہ کے ممنوع ہونے کی وجہ نزاع ہے، اور تعامل کی وجہ سے نزاع کی صورت باقی نہیں رہتی، ہر دو فریق کو اندازہ ہوتا ہے کہ کتنے ذرات بچیں گے اور دوسری دھات کی آمیزش کس قدر ہوگی۔

۳- بازار میں پرانے زیور کی قیمت کم لگائی جاتی ہے اور نئے کی زیادہ یہ درست نہیں ہے، کیونکہ ثمن خلقی ہونے کی وجہ سے دونوں ایک جنس کے ہیں، زیادہ سے زیادہ مستعمل اور غیر مستعمل کے فرق کو اچھے اور کم تر درجہ سے تعبیر کر سکتے ہیں، لیکن اس سے اصل معاملہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اس معاملہ میں فقہاء کی صراحت ملتی ہے کہ وصف کا اثر اس کے معاملہ پر نہیں پڑے گا، ہدایہ میں ہے:

”فإن باع فضة بفضة وذهبا بذهب لا يجوز إلا مثلا بمثل وإن اختلف في الجودة والصياغة“ (۳/۱۰۴)۔

۴- الف- کمپیوٹر کے ذریعہ سونا کی خرید وفروخت اس طرح کرنا کہ مبیع خریدار کے پاس نہ آئے اور خریداری کو مکمل سمجھا جائے اور قیمت بڑھنے پر اسی تاجر یا ایجنسی کے ذریعہ اسے فروخت کر کے زائد قیمت اصول کر لی جائے، ناجائز اور حرام ہے، کیونکہ سونے چاندی میں قبضہ بالید مطلوب ہے، علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

”المراد بالقبض هنا القبض بالبراجم، ولا بالتخلية“ (فتح القدیر ۷/۱۳۵) (یہاں قبضہ سے مراد ہاتھوں کے ذریعہ حقیقی قبضہ ہے، صرف تخلیہ کافی نہیں ہے)۔

ب- اسی وجہ سے اگر ہر خریدار کے نام بنام خریدی ہوئی مقدار کمپیوٹر میں درج ہو اور اتنی قدر کا سکہ الگ سے موجود ہو تو بھی یہ شکل جائز نہیں ہوگی۔

۵- ایکسچینج کے ذریعہ مخصوص مقدار میں سونے کی ادھار خرید وفروخت کے بعد ادائیگی کے دن کی قیمت کی کمی وبیشی کی ادائیگی شرعا ناجائز ہے، اس لئے کہ یہ بیع کالی بالکالی ہے جو ممنوع ہے، اس کے علاوہ مقصد اس معاملہ کا بڑھتی گھٹتی قیمت سے فائدہ اٹھانا ہے، اس لئے قمار ہے، نیز اس میں سونے چاندی کی تجارت میں جو قبض بالبراجم ضروری ہے وہ بھی مفقود ہے، اس معاملہ میں ثمن مجہول اور معاملہ وقتی ہے، ان تمام وجوہات سے اس قسم کی خرید وفروخت کی شرعا گنجائش نہیں ہے۔

۶- سونے کی ذخیرہ اندوزی شریعت کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہے، کیونکہ ذخیرہ اندوزی سے مال نامی کی گردش رک جاتی ہے، اور بازار پر اس کا اثر پڑتا ہے، اس کے باوجود اس کی ذخیرہ اندوزی احتکار ممنوع کے دائرہ میں نہیں آئے گی، کیونکہ ذخیرہ اندوزی غذائی اجناس میں ممنوع ہے، دوسری چیزوں میں نہیں، جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے، ابن رشد قرطبی لکھتے ہیں:

"لا اختلاف في أنه لا يجوز احتكار شئ من الطعام ولا غيره" (البیان والتحصیل ۷/۳۶۰)۔

۷- اسمگلنگ کے ذریعہ جو سونے کی تجارت کی جاتی ہے، وہ درست نہیں ہے، کیونکہ غیر اسلامی ملکوں میں بھی مسلمانوں پر ان ملکی قوانین کی پابندی ضروری ہے، جو شرعی احکام سے متصادم نہ ہوں، اسمگلنگ میں ضرر اور ضرار، دونوں ہے، اس سے ملکی معیشت کو نقصان پہنچتا ہے اور پکڑے جانے کی صورت میں مالی جرمانہ کے ساتھ قید و بند کی صعوبت اس پر مستزاد، اس لئے اسمگلنگ مطلقاً جائز نہیں ہے، خواہ وہ سونے چاندی کی ہو یا کسی اور شئی کی۔

۸- پلاٹین چاندی سے مشابہ قیمتی دھات ہے، لیکن اسے ثمن اصلی کے حکم میں نہیں رکھا جاسکتا، کیونکہ ثمن اصلی منصوص ہے اور پلاٹین اس میں شامل نہیں ہے، اس لئے عقود اور زکوۃ وغیرہ اس پر سونے کے احکام نہیں نافذ ہوں گے، کیونکہ کسی چیز کا قیمتی ہونا اسے ثمن اصلی نہیں بنادیتا، جیسے ہیرے جواہرات وغیرہ، جو انتہائی قیمتی ہیں لیکن اس پر زکوۃ نہیں ہے، اور اس معاملہ میں احناف، شوافع اور مالکیہ کا قول یکساں ہے کہ سونے چاندی کے علاوہ دیگر جواہرات میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔

محمد عبدالقادر رازی حنفی نے تحفۃ الملوک رص ۱۲۸، مالک بن السنن مالکی نے المدونۃ الکبری میں اور امام نووی نے شرح مسلم میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہی ہے کہ "لا زكوة فيما سوى الذهب والفضة من الجواهر" سونے چاندی کے علاوہ جواہرات میں زکوۃ نہیں ہے۔

☆☆☆

سونا چاندی کی تجارت شریعت کی نگاہ میں

مفتی محمد نعمت اللہ قاسمی☆

۱- الف: یہ تو طے ہو چکا ہے کہ کاغذی نوٹ قرض کے لئے سند اور دستاویز نہیں ہے بلکہ ایک مستقل زرقانونی ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ نوٹ سونا چاندی نہیں ہے اور نہ سونا چاندی کے حکم میں ہے گرچہ بہت سے عرب علماء نے کاغذی نوٹ کو سونا اور چاندی کے حکم میں قرار دیا ہے، لیکن حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اس نظریہ کا رد فرمایا ہے، اور مضبوط دلائل سے ثابت کیا ہے کہ نوٹ فلوس نافقہ کے حکم میں ہے نہ کہ سونا چاندی کے حکم میں (دیکھا جائے: فقہ البیوع ص ۷۱۶ تا ۷۴۲، اور فقہی مقالات ۱۳/۱ تا ۱۴)۔

پس جب یہ کاغذی نوٹ سونا چاندی نہیں ہے اور نہ سونا چاندی کے حکم میں ہے تو ان نوٹوں کے ذریعہ سونے چاندی کی تجارت کو بیع صرف نہیں کہا جائے گا اور نہ ہی بیع صرف کے احکام ان پر جاری ہوں گے، یعنی روپے کے ذریعہ سونے چاندی کی تجارت کے جائز و درست ہونے کے لئے مجلس عقد میں بدلین پر قبضہ ضروری نہیں ہوگا، احد البدلین پر قبضہ کافی ہوگا بلکہ یہ بھی کافی ہوگا کہ سونے چاندی کی صرف تعیین ہو جائے، خواہ اس پر قبضہ ہو یا نہ ہو، "المبسوط للسرخسی" میں ہے:

"وإن اشترى خاتم فضه أو خاتم ذهب فيه فص أو ليس فيه فص بكذا فلوسا وليست الفلوس عنده فهو جائز إن تقابضا قبل للتفريق أو لم يتقابضا لأن هذا بيع وليس بصرف فإنما افترقا عن عين بدين لأن الخاتم يتعين بالتعيين بخلاف ما سبق فإن الدراهم والدنانير لا تتعين بالتعيين فلهذا اشترط هناک قبض أحد البدلين" (المبسوط للسرخسی باب البیع بالفلوس ۲۵/، بحوالہ فقہ للبیوع ۲/ ۷۶۳)۔

لیکن اگر خریدا ہوا سونا چاندی غیر خریدے ہوئے سونے چاندی کے ساتھ مخلوط ہو تو پھر اس معاملہ کے جائز و درست ہونے کے لئے ضروری ہوگا کہ مجلس عقد میں روپے پر قبضہ ہو جائے ورنہ بیع الکالی بالکالی کی صورت ہو جائے گی جو جائز نہیں ہے اور ساتھ ہی یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ مبیع مخلوط غیر متعین خواہ وہ سونا چاندی ہو یا کوئی اور شئ جب تک اس کو غیر مبیع سے ممتاز و ممیّز اور علاحدہ کر کے بائع یا اس کا وکیل اپنے قبضہ میں نہ کر لے اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا، مفتی محمد تقی عثمانی صاحب "فقہ البیوع" میں چلپی کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

"ولكن للواقع أن التخلية إنما تعتبر قبضا حكما إذا كان المبيع متعينا متميزا عن غير المبيع أما

☆ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم ملیا، کھگڑیا، بہار۔

التخلية بدون التعيين فإنه ليس تخلية في الواقع وإنما هو حق للأخذ بعد التعيين وليس في حكم القبض لأنه إن هلكت كمية بقدر كمية المبيع والباقي في المخزن كمية أخرى مثلها وجب على البائع أن يعطى المشتري منها كما ذكره الشلبي عن الجامع"(فقہ البیوع ۱/۴۱۱ مکتبہ دار المعارف دیوبند)۔

ب-ملکی یا بین الاقوامی سطح پر سونے چاندی کی جو قیمت مقرر ہے اس سے کم یا زیادہ میں اس کی خرید وفروخت جائز ہے، اس لئے کہ کاغذی کرنسی اور سونا چاندی متحد الجنس نہیں ہیں پس ربا الفضل کا اطلاق نہیں ہوگا البتہ اگر ملکی یا بین الاقوامی سطح پر مقررہ قیمت کی پابندی ضروری ہو اور اس کے خلاف کرنے میں باز پرس کی جاتی ہو تو پھر ملکی اور بین الاقوامی قوانین کی پابندی کرنی چاہئے، یہ ربا الفضل کا مسئلہ نہیں تسعیر کا مسئلہ ہوگا، اگر حکومت کسی معصیت کا حکم نہ کرے تو حکومت کے قوانین کی پابندی کرنی چاہئے۔

۲-الف، ب: یہ معاملہ سونے کے لین دین کا نہیں ہے، یہ اجارہ کا مسئلہ ہے اس لئے کہ زیور بنانے والا کاریگر اسی سونے کو واپس کرتا ہے جو سونا زیورات کے تاجر سے اس نے لیا تھا، البتہ پورا سونا واپس نہیں کرتا ہے بلکہ سونے کے کچھ ذرات اپنی اجرت میں اور ان دھاتوں کے بدلے رکھ لیتا ہے جو دھات اس نے زیورات میں ملائے ہیں اور اجرت میں کچھ ایسی جہالت بھی نہیں ہے جو مفضی إلی المنازعۃ ہو، زیورات کے تاجر اور زیورات کے کاریگر دونوں کو ان ذرات کا اندازہ رہتا ہے، اور دونوں راضی بھی رہتے ہیں اس لئے اس معاملہ اجارہ میں شرعا کوئی قباحت نہیں ہے۔

۳- یہ صورت بالکل ناجائز ہے، صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں:"**فإن باع فضة بفضة أو ذهبا بذهب لا يجوز إلا مثلا بمثل وإن اختلفت في الجودة والصياغة لقوله عليه السلام :"الذهب بالذهب مثلا بمثل وزنا بوزن يدا بيد والفضل ربوا " وقال عليه السلام :"جيدها ورديها سواء**"(ہدایہ کتاب الصرف ۳/۸۸)۔

ہاں اگر پرانے زیور کو پہلے روپے کے بدلے فروخت کرلیا جائے پھر روپے کے ذریعہ نیا زیور خریدا جائے تو یہ صورت جائز ہے، خواہ نیا زیور وزن میں پرانے زیور سے کم ہو یا زیادہ۔

۴- بذریعہ ایکسچینج سونے اور چاندی کے اس کاروبار میں سب سے اہم اور قابل غور دو باتیں ہیں: اول یہ کہ خریدا ہوا سونا غیر خریدے ہوئے سونے سے ممتاز وممیّز اور علاحدہ ہو کر مشتری یا مشتری کے وکیل کے قبضہ میں آتا ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ اگر مبیع غیر مبیع کے ساتھ مخلوط ہو تو تصرف کا راختیار ملنے کے باوجود شرعی قبضہ کا تحقق نہیں ہوتا ہے جیسا کہ سوال نمبر ا کی شق الف کے جواب میں فقہ البیوع کے حوالہ سے تحریر کیا گیا اور جب تک شرعی قبضہ کا تحقق نہ ہو مبیع کو آگے فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

دوم یہ کہ مجلس عقد میں ثمن یا مبیع پر اصالۃ یا وکالۃ قبضہ ہوتا ہے یا نہیں؟

پس اگر خریدا ہوا سونا غیر خریدے ہوئے سونے سے ممتاز وممیّز ہو کر مجلس عقد کے اندر مشتری یا اس کے وکیل کے قبضہ میں آ گیا تو یہ معاملہ جائز اور درست ہے اور مبیع کو آگے فروخت کرنا بھی جائز ہے خواہ ثمن پر قبضہ ہوا یا نہ ہوا ہو اور اگر مجلس عقد کے اندر اصالۃ یا وکالۃ مبیع پر تو قبضہ نہیں ہوا لیکن ثمن پر قبضہ ہو گیا تب بھی یہ معاملہ جائز اور درست ہے لیکن اس صورت میں خریدے ہوئے سونے کو آگے فروخت کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہوگا جب تک کہ اس کو غیر مبیع سے ممتاز وممیّز نہ کرلیا جائے اور اگر مجلس عقد کے اندر

اصالۃ یاوکالۃ نہ ثمن پر قبضہ ہوانہ مبیع پر شرعی قبضہ ہوسکا تو یہ بیع الکالی بالکالی ہے جو قطعاً صحیح نہیں ہے۔

۵- جب مجلس عقد کے اندر ثمن ومبیع میں سے کسی پر قبضہ نہیں ہواتو یہ بیع الکالی بالکالی ہے جو قطعاً صحیح نہیں ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔

۶- گراں فروشی کے لئے سونے کو روکے رکھنا بھی احتکار ہے، امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ ہر وہ چیز جس کے روکنے سے لوگوں کو نقصان پہنچے وہ احتکار ہے، ”وعن أبی یوسف کل ما أضر بالعامة حبسه فهو احتكار“ (ردالمحتار ۹/۵۷۱ مکتبہ زکریا دیوبند)۔

اور آج کل تو پوری دنیا ایک شہر کی مانند ہے اور دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک کاروبار ہوتا ہے اس لئے یہ بھی نہیں دیکھنا ہے کہ کتنی دوری سے مال لایا گیا ہے، امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر ایسے شہر سے مال لاکر روکا گیا ہے جس شہر سے لوگ عادتاً مال لایا کرتے ہیں تو یہ بھی احتکار ہے، ”وعن محمد إن كان يجلب منه عادة كره وهو المختار“ (الدر المختار مع ردالمحتار ۹/۵۷۳)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا رجحان بھی اسی طرف ہے (فقہ البیوع ۲/۹۹۸)۔

۷- اس سوال کے جز ہیں: الف- اسمگلنگ اور خفیہ کاروبار کا شرعی حکم کیا ہے؟ ب- اسمگلنگ کے راستے آئے سونے کی خریداری کا کیا حکم ہے؟

جہاں تک اسمگلنگ کے راستے آئے سونے کی خریداری کا سوال ہے تو وہ سونا خریدنے والے کی ملکیت قرار پائے گا اور اس سونے کا مصرف لینا بھی اس کے لئے جائز ہوگا۔

رہ گیا اسمگلنگ کا معاملہ تو اسمگلنگ کا معاملہ ٹیکس سے جڑا ہوا ہے، آج کل حکومتیں ملکی اخراجات اور ترقیات کے نام پر مختلف قسم کے بھاری بھرکم ٹیکس عوام پر لادتی چلی جارہی ہیں جبکہ ان ٹیکسوں سے حاصل ہونے والے سرمائے کا بیشتر حصہ ارکان حکومت کی تنخواہوں، مراعات اور رفاہی کاموں کے نام لوٹ کھسوٹ کی نظر ہو جاتا ہے، بمشکل تمام عوامی سرمائے کا ایک چوتھائی حصہ ہی عوام پر یا ترقیات ورفاہی کاموں پر خرچ ہو پاتا ہے، اگر ارکان حکومت کی شاہ خرچیاں اور رفاہی کاموں کے نام پر لوٹ کھسوٹ نہ ہو تو مختلف قسم کے بھاری بھرکم ٹیکس عائد کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی، ہلکے پھلکے ٹیکس سے وہ سارے کام انجام پاجائیں گے جو بھاری بھرکم ٹیکس سے بھی انجام نہیں پاتے ہیں اور ہلکے پھلکے ٹیکس کو عوام بخوشی قبول کرنے اور ادا کرنے کو تیار ہوں گے، اور ٹیکس سے بچنے کی تدبیریں تلاش کرنے کے درپے نہ ہوں گے، گویا حکومت واجب اخراجات سے زیادہ عوام سے ٹیکس وصول کرتی ہے جو ظلم ہے اور ظلم سے بچنے کی تدبیریں کرنا ہر کسی کا حق ہے، پس اگر کچھ لوگ حکومت کی نظروں سے بچ بچا کر کاروبار کرتے ہیں تو انہوں نے کوئی خدائی حکم نہیں توڑا، البتہ ڈرتے ہوئے ظالم حکمرانوں کے حکموں کو توڑا اور اپنی روزی روٹی کا انتظام کیا یا اپنی معیشت اور ملکی معیشت کو مضبوط اور مستحکم کیا، میرے خیال سے یہ خفیہ کاروبار ملکی مفاد کے خلاف نہیں ہے، البتہ ظالم حکمرانوں کے مفاد کے خلاف ضرور ہے تاہم اس خفیہ کاروبار میں خود کی عزت داؤ پر لگی رہتی ہے بلکہ جان و مال کو شدید نقصان پہنچنے کا اندیشہ رہتا ہے اور حدیث شریف میں آتا

ہے:"علی المرأ أن لا یذل نفسہ"، نیز حدیث شریف میں ہے کہ تمہارے او پر تمہاری جان اور تمہارے اعضاء آنکھ وغیرہ کا بھی حق ہے اس لئے کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے جس سے جسم وجان کو نقصان پہنچے یا عزت وآبرو خطرے میں پڑے، یہ بھی ایک حکم شرعی ہے، پس اس نقطۂ نظر سے اپنے آپ کو اسمگلنگ اور خفیہ کاروبار میں ملوث نہیں کرنا چاہئے۔

۸- ہیرے جواہرات سونے کے حکم میں ہیں یا نہیں؟

حضرت قاضی صاحب نور اللہ مرقدہ کے زمانے میں پانچویں فقہی سمینار منعقد اعظم گڑھ میں ہیرے جواہرات سے متعلق بحث ہو چکی ہے، کہ انہیں سونے کی طرح خلقتا یا مال تجارت کی طرح حکما نامی تسلیم کیا جائے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علماء کی دو جماعت بن گئی، ایک جماعت کی رائے یہ تھی کہ انہیں خلقتا یا حکما مال نامی تسلیم کیا جائے اور ان پر بھی زکوۃ واجب ہو خواہ وہ تجارت کے لئے نہ ہو جبکہ دوسری جماعت کی رائے اس کے برعکس تھی اب اس سمینار میں بھی اسی قضیہ کو دوسرے عنوان سے اٹھایا گیا ہے کہ پلاٹین کو حکما سونا تسلیم کیا جائے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ پلاٹین کے بارے میں بھی حسب سابق دو رائیں ہوں گی:

ہیرے جواہرات کو سونے کے حکم میں تسلیم کرنے والی جماعت کی رائے اگرچہ مضبوط اور عقل کے مطابق معلوم ہوتی ہے لیکن وہ ذات اقدس جو خالق ارض وسموات کی نمائندہ بن کر دنیا میں آئی اور جس کے بارے میں قرآن نے کہا:"وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی" ﷺ اس ذات اقدس نے ہیرے، جواہرات کو معیار غنی بنانے کی طرف توجہ مبذول نہیں فرمائی جبکہ اس زمانے میں بھی ہیرے، جواہرات کا وجود تھا اور ہیرے جواہرات رکھنے والے لوگ بھی موجود تھے تو اب ہم لوگوں کو بھی ہیرے جواہرات کو معیار غنی بنانے کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہئے، نہیں معلوم کیا مصلحت تھی کہ ہیرے جواہرات کو نظر انداز کیا گیا۔

پلاٹین کا مسئلہ- پلاٹین اور فلوس نافقہ:

تاہم پلاٹین جس کا وجود اب سامنے آیا ہے اور جس کے بارے میں سوال میں کہا گیا ہے کہ اب اس کا شمار مہنگی دھاتوں میں ہوتا ہے اور اس کے زیورات بھی بنائے جاتے ہیں، پس اگر اس کا چلن سونے کی طرح ہو گیا ہے اور لوگ کاروبار میں اس کو ثمن کی جگہ قبول کرنے لگے ہیں تو پھر اس کو فلوس نافقہ کے درجے میں تسلیم کیا جانا چاہئے اور جس طرح فلوس نافقہ کی قیمت سونے سے لگا کر اس کی زکوۃ نکالی جاتی ہے اسی طرح پلاٹین کی بھی سونے سے قیمت لگا کر زکوۃ نکالی جانی چاہئے۔

☆☆☆

سونے اور چاندی کی تجارت اسلام کی روشنی میں

مولانا عبدالحی مفتاحی☆

چند باتیں بطور تمہید ذکر کی جاتی ہیں:

۱-''صرف'' کا لغوی معنی زیادتی اور اضافہ ہے، اسی لیے حدیث شریف میں نفل عبادت کو''صرف'' سے تعبیر کیا گیا ہے:

''**عن عمرو بن عوف ﷺ قال قال رسول الله ﷺ من تولى غير مواليه، فعليه لعنة الله، ومن انتمى إلى غير أبيه، لايقبل الله منه صرفاً ولاعدلاً. أي لانفلاً ولافرضاً**''(الصحیح لمسلم ۱/۴۴۲)۔

اور فقہ کی اصطلاح میں: سونے کو سونے کے بدلے، یا چاندی کو چاندی کے بدلے، یا سونے کو چاندی کے بدلے خرید وفروخت کرنے کو بیع صرف کہا جاتا ہے،''**وشرعاً هو بيع النقد بالنقد جنساً بجنس أوبغير جنس، أي بيع الذهب بالذهب، أوالفضة بالفضة، أوالذهب بالفضة، مصوغاً أونقداً**''(فتح القدیر مع العنایۃ ۵/۲۸۴، ۳۶۸، رد المحتار ۴/۲۴۴، بحوالہ الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۵/۳۶۵۹)۔

بیع صرف کے صحیح ہونے کے لیے چار شرطیں ہیں، جن کو اجمالی طور پر تحریر کیا جاتا ہے:

(۱) فریقین کی طرف سے اپنے عوض پر الگ ہونے سے پہلے قبضہ کرلینا، (۲) اگر دونوں طرف سے ایک ہی جنس کی شئی ہو تو دونوں کا برابر ہونا، (۳) فریقین یا ان میں سے کسی ایک کا اپنے لیے غور وفکر کی مہلت حاصل نہ کرنا، (۴) فریقین میں سے کسی کی جانب سے معاوضہ کی ادائیگی کے لیے کوئی خاص مدت مقرر نہ کرنا، جیسا کہ الفقہ الاسلامی وادلتہ (۵/۳۶۶۰) پر ہے:''**وشرائطه إجمالاً التقابض قبل افتراق المتعاقدين والتماثل وأن لايكون فيه خيار ولاتأجيل**''۔

۲-ثمن کی دو قسمیں ہیں: ثمن حقیقی اور ثمن عرفی یا اصطلاحی۔

ثمن حقیقی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی ثمن بننے کے لیے کیا ہے۔ جیسے سونا اور چاندی۔

ثمن اصطلاحی وہ جو رواج اور عرف کی وجہ سے یا کسی قانون کی وجہ سے ثمن بنا دیا گیا ہو۔ جیسے: فلوس، روپئے اور کرنسی وغیرہ۔

اگر سونے کا تبادلہ سونے یا چاندی کا تبادلہ چاندی یا سونے کا تبادلہ چاندی سے ہو تو بیع صرف ہوگا، اور اس پر صرف کے

☆ (ناظم اعلیٰ) مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیرآباد ضلع مئو (یوپی)۔

احکام جاری ہوں گے اور اگر سونے چاندی کا تبادلہ روپئے اور نوٹوں سے ہو تو یہ صرف نہ ہوگا، اور نہ ہی صرف کے احکام جاری ہوں گے؛ اس لیے تقابض فی المجلس کی شرط نہیں ہوگی۔

"واعلم أن الفلوس ليست بثمن في الأصل وإنما ضربت لتقام مقام الكسور من الفضة، لحاجة الناس إلى ذلک فی شراء المحضرات" (الدر المنتقی مع مجمع الأنہر جلد سوم) **"إن الاوراق النقدية ثمن عرفي، ليست ثمنا حقيقياً، والرباء تجری فی الثمن الخلقی الذاتی"** (التبیان فی زکوۃ الاثمان، بحوالہ مجلّہ فقہ اکیڈمی ۴/ ۵۹، مطبوعہ اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)۔

۳- قبضہ کی دو قسمیں ہیں: قبضہ حسی اور قبضہ معنوی یا قبضہ تقدیری، احناف کے نزدیک قبضہ کے معتبر ہونے کے لیے حسی ہونا ضروری نہیں، بلکہ تخلیہ بھی کافی ہے، تخلیہ کے معنی یہ ہیں کہ مشتری کو اس بات پر قدرت دے دی جائے کہ وہ جب چاہے آ کر مبیع پر قبضہ کر لے، جب قبضہ کرنے میں کوئی مانع باقی نہ رہے تو سمجھیں گے کہ تخلیہ ہوگیا۔ مثلاً کوئی بکس ہے اس کے اندر کئی چیزیں رکھی ہوئی ہیں، اس کی چابی اس کے حوالے کردی، تو جب چابی حوالے کردی، اب چاہے وہ اٹھائے یا نہ اٹھائے قبضہ متحقق ہوگیا، تخلیہ کے کافی ہونے پر امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مبیع پر مشتری کا قبضہ ضروری ہے، تاکہ مشتری کو اتنی قدرت حاصل ہوجائے کہ وہ اس کو آگے بیچ سکے اور جس چیز پر اس نے قبضہ ہی نہیں کیا اس کو آگے بیچ بھی نہیں سکتا، اس نہی کی علت ربح مالم یضمن ہے، یعنی اگر وہ قبضہ نہیں کرے گا تو مشتری کے ضمان میں نہیں آئے گی، نہ آنے کے معنی یہ ہیں کہ اگر وہ ہلاک ہوجائے تو بائع کا نقصان سمجھا جائے گا، لیکن اگر مشتری نے قبضہ کرلیا تو اب ہلاک ہونے کی صورت میں مشتری کا نقصان ہوگا، اگر مبیع بائع کے پاس ہے اور ابھی تک مشتری کے ضمان میں نہیں آئی اب اگر مشتری اس کو بغیر قبضہ کے تیسرے شخص کو فروخت کرے اور اس پر نفع کمائے تو یہ ربح مالم یضمن ہوجائے گی، یعنی اس چیز پر نفع کمانا جو اس کے ضمان میں نہیں آئی اور یہ ناجائز ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اصل چیز ضمان میں آجانا ہے، اس ضمان میں آجانے کے لیے حسی قبضہ کوئی ضروری نہیں، بلکہ اگر اس نے حساً قبضہ نہیں کیا لیکن بائع نے تخلیہ کردیا تو تخلیہ کرنے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ بھائی میں نے تمہیں قدرت دیدی جب چاہو اس پر قبضہ کرلینا، پھر بھی اگر وہ میرے پاس ہی رہے تو بطور امانت ہوگی نہ کہ ضمان، کیوں کہ اب ضمان بائع سے مشتری کی طرف منتقل ہوگیا ہے، تو قبضہ کا حکم بھی متحقق ہوگیا، اب اگر مشتری اسے آگے فروخت کرنا چاہے تو ربح مالم یضمن نہیں لازم آئے گا (مستفاد: اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/ ۹۹، ۱۰۰)۔

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ اگر روپے سے سونا اور چاندی خرید لیا جائے تو سونے چاندی کے مقابلے میں روپے کی حقیقت فلوس کی ہوگی، لہذا اس بیع کو بیع صرف تصور نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس پر صرف کے احکام لاگو ہوں گے، کیوں کہ بیع صرف میں ضروری ہوتا ہے کہ دونوں طرف نقد ہو، یعنی دونوں طرف سونا چاندی میں سے کوئی ایک ہو، اور سونا چاندی کے روپے سے بیع میں ایک طرف نقدین میں سے کوئی نہیں ہے، لہذا یہ بیع صرف نہیں ہے، جیسا کہ تمہید کے ذیل میں صرف کی تعریف گذر چکی ہے۔

الف: چنانچہ سونا چاندی اور روپے میں سے ایک نقد ہو اور دوسرا ادھار تو یہ معاملہ جائز ہوگا، **"سئل الحانوتی عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة فأجاب بأنه يجوز إذا قبض أحد البدلين، لما فی البزازية لو اشترى مائة فلس بدرهم**

يكفي التقابض من أحد الجانبين" (شامی کتاب البیوع باب الربو مطلب فی استقراض الدراہم عدداً زکریا ۷/ ۴۱۴)۔

"فتاویٰ عالمگیری" میں ہے:

"**وإن اشترى خاتم فضة أو خاتم ذهب فيه فص أو ليس فيه فص بكذا فلساً وليست الفلوس عنده فهو جائز تقابضا قبل التفرق أولم يتقابضا لأن هذا بيع وليس بصرف**" (عالمگیری کتاب الصرف الباب الثانی الفصل الثالث فی بیع الفلوس زکریا قدیم ۳/ ۲۲۴)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فلوس کی تشریح کے ذیل میں فرماتے ہیں: "اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان میں تفاضل تو حرام ہے یعنی ایک کے بدلے مثلاً دو لینا تو حرام ہے، لیکن اگر اس کے ذریعہ سے سونے کی بیع کی جائے تو بیع صرف نہیں ہوگی، کیوں کہ بیع صرف کے اندر ضروری ہے کہ دونوں طرف حقیقی سونا ہو یا چاندی ہو اور نوٹ کی پشت پر سونا چاندی نہیں ہے، لہذا یہ بیع صرف نہیں ہوگی، اس لیے حقیقی تقابض فی المجلس شرط نہیں ہے" (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/ ۷۸)۔

ب: حکومت یا سونے کی مارکیٹ کی طرف سے سونے چاندی کا طے شدہ نرخ سے زیادہ یا کم قیمت پر خرید وفروخت کرنا جائز ہے،"**المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء**" (بیضاوی شریف ۱/ ۷، سورہ فاتحہ)، اس پر ربو تفاضل کا اطلاق نہیں ہوگا کیوں کہ روپے کی حیثیت فلوس کی ہے، سونے چاندی کی نہیں ہے۔ اس لیے روپے کے عوض سونا چاندی کی خرید وفروخت کی جائے نرخ سے کمی زیادتی کے ساتھ تو ربو تفاضل نہیں ہوگا، ہاں اگر روپے سونا چاندی کے حکم میں ہوتے تو ربوا تفاضل کا تحقق ہوسکتا تھا، البتہ اگر حکومت نے سونا چاندی کا نرخ طے کیا ہے تو اس کے خلاف کرنا مناسب نہیں، کیوں کہ اس صورت میں اپنی عزت اور جان ومال کو خطرہ میں ڈالنا ہے، حکومت کی جانب سے سزا ہوسکتی ہے اور حکومت کے قانون کے خلاف کر کے اپنی عزت اور جان ومال کو خطرے میں ڈالنا دانشمندی نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے: "**لاينبغي للمؤمن أن يذل نفسه**" (ترمذی شریف ۲/ ۵۰، مطبوعہ رشیدیہ دہلی)۔

۲- سونا چاندی کے تاجر لوگ زیورات بنانے والوں کو جو سونا دیتے ہیں اور ان کو کچھ دوسری دھات کی آمیزش کر کے زیورات تیار کر کے اتنی ہی مقدار واپس کرنی ہوتی ہے اور آمیزش کے بقدر بچے ہوئے سونے کے ذرات کو ان کی اجرت قرار دے دیا جاتا ہے تو اس کے جواز اور عدم جواز میں تفصیل یہ ہے کہ اگر سونا اور آمیزش کی جانے والی دھات دونوں ہی چیزیں تاجر کی ہیں تو اس صورت میں سونے کے بچے ہوئے ذرات کو اجرت قرار دینا درست نہیں، کیوں کہ یہ قفیز طحان کی صورت ہے جو بنص حدیث ناجائز ہے۔"**عن أبي سعيد قال نهى عن عصب الفحل وعن قفيز الطحان**" **راوه الدار قطني**۔ اور اگر آمیزش کی جانے والی دھات زیورات بنانے والے کاریگروں کی طرف سے ہے تو یہ ایک قسم کی بیع ہے گویا کہ دھات کے بدلے میں سونے کے ذرات ہیں اور یہ صورت جائز ہونی چاہئے۔

۳- سونا چاندی کے پرانے زیورات کے تبادلے کے وقت کمی بیشی ناجائز ہے، کیوں کہ اس صورت میں ربو متحقق ہے۔

"**فإن باع فضة بفضة أو ذهبا بذهب لايجوز إلا مثلاً بمثل ، وإن اختلفت في الجودة والصياغة، وإن**

باع الذهب بالفضة جازت التفاضل، لعدم المجانسة"(ہدایہ کتاب الصرف اشرفی ۳/ ۱۰۴)۔

۴- قبضہ وہی معتبر ہوتا ہے جو حساً ہو یا حکماً جس کی وجہ سے مبیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں چلی جائے یعنی مشتری کے لیے ایسا قبضہ ثابت ہوجائے کہ اگر وہ شئ ہلاک ہوجائے تو مشتری کا نقصان سمجھا جائے اور اگر وہ بائع کے پاس ہو تو ہلاک ہونے پر بائع کا نقصان سمجھا جائے، ادارے نے جو سونا چاندی چند افراد کو فروخت کیا ہے چاہے سب کا سونا سونے کی ایک اینٹ میں شامل ہوجائے چاہے بسکٹ کی شکل میں سب کا الگ الگ ہو اور کمپیوٹر یا ریکارڈ میں ان کا فارم درج ہو، چونکہ وہ سونا ابھی ادارے کے ہی ضمان میں ہے خریدنے والے حضرات اس میں کوئی تصرف نہیں کرسکتے ہیں، گوکہ وہ مالک ہیں، اس لیے اس کو قبضہ نہیں مانا جائے گا، کیوں کہ قبضہ یا حساً ہوتا ہے یا حکماً، حکماً قبضہ یہ ہے کہ مشتری کا وکیل قبضہ کرے یا بائع مشتری اور مبیع کے درمیان تخلیہ کردے، تخلیہ یہ ہے کہ مشتری کو اس بات پر قدرت دے دی جائے کہ وہ جب چاہے آکر مبیع پر قبضہ کرلے، اگر اس کو بیچنا چاہے تو اس کو بیچ سکے یا اور کوئی تصرف کرنا چاہے تو کرسکے، کمپیوٹرائز اکس چینج کی طرف سے جو بیع ہورہی ہے اس میں اس طرح کا کوئی قبضہ نہیں ہورہا ہے، لہذا یہ قبضہ معتبر نہیں ہوگا (مستفاد: اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/ ۹۸، ۹۹)۔

۵- سوال نامہ میں ایکسچینج کے ذریعہ کاروبار کی رائج صورت جو ذکر کی گئی ہے وہ جائز نہیں، کیوں کہ بیع الکالی بالکالی کی صورت ہے جو کہ ناجائز ہے۔ بیع الکالی بالکالی یہ ہے کہ مبیع اور ثمن دونوں ادھار ہوں اور یہاں یہی صورت ہے، اس لیے بائع جو کہ ادارہ ہے نہ وہ ثمن پر قبضہ کررہا ہے اور نہ مشتری مبیع پر قبضہ کررہا ہے۔

"عن ابن عمر أن النبی ﷺ نهیٰ عن بیع الکالی بالکالی"راوہ الدار قطنی۔

۶- سونا اور چاندی کی قیمتوں میں متوقع اضافہ کا علم ہوجانے پر ان کو روک لینا اور قیمت بڑھنے کے بعد فروخت کرنا احتکار کے دائرے میں نہیں آئے گا، کیوں احتکار صرف قوت یعنی اشیاء خوردنی میں جاری ہوتا ہے، اس کے علاوہ میں نہیں، جیسا کہ یہی امام ابوحنیفہ، شوافع اور حنابلہ کا مذہب ہے، ان ائمہ نے اپنے مذہب پر استدلال یوں کیا کہ اس باب میں جو روایات آئی ہیں ان میں بعض عام ہیں اور بعض خاص، مثلاً: "قال رسول الله ﷺ من احتکر فهو خاطئ"(رواہ مسلم وابوداؤد)، اسی طرح ایک دوسری روایت جس کو امام مسلم اور امام احمد نے نقل کیا ہے: "لایحتکر الا خاطئ"، اسی طرح اور دوسری روایات ہیں، یہ روایات عموم پر دلالت کرتی ہیں، یعنی احتکار ہر چیز میں جاری ہوتا ہے۔

اور جو روایات خصوص پر یعنی احتکار صرف مطعومات میں جاری ہوتا ہے دلالت کرتی ہیں وہ یہ ہیں: "من احتکر علی المسلمین طعامهم ضربه الله بالجذام والإفلاس. أخرجه أحمد وابن ماجة والحاکم. من احتکر الطعام أربعین لیلة فقد برئ من الله وبرئ الله منه"۔ رواہ احمد والحاکم وابن أبی شیبة اور ضابطہ یہ ہے کہ ایک مسئلے میں عام اور خاص نصوص جمع ہوجائیں تو عام کو خاص پر اور مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے: "وإذا اجتمعت نصوص عامة وأخریٰ خاصة فی مسئلة واحدة حمل العام علی الخاص والمطلق علی المقید"(الموسوعۃ الفقہیہ ۲/ ۹۳)۔

۷- اسمگلنگ کے راستے سے آنے والے سونے کا خریدنا اور بیچنا جائز اور درست ہے، اس کی آمدنی حلال ہے، "المالک

هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء“ (بیضاوی شریف ۱/۷،سورہ فاتحہ) تاہم اسمگلنگ کا عمل غیر مناسب ہے، کیوں کہ عزت اور جان و مال کو خطرہ میں ڈالنا ہے،خلاف قانون ہونے کی وجہ سے حکومت کی جانب سے سزا ہوسکتی ہے اور دانشمند کا کام نہیں کہ اپنی عزت اور جان و مال کو خطرے میں ڈالے۔

حدیث شریف میں ہے: ”**لاينبغي للمؤمن أن يذل نفسه**“ (ترمذی شریف ۲/۵۰،مطبوعہ رشیدیہ دہلی)۔

۸- پلاٹین گو کہ مہنگی دھات ہے اور اس سے زیورات بنائے جاتے ہیں پھر بھی اس پر سونے کے احکام نہیں جاری ہوں گے، چنانچہ مذکورہ دھات اگر مال تجارت ہے تو جیسے اور اموال تجارت میں زکوۃ واجب ہوتی ہے اس پر واجب ہوگی، اور اگر اس دھات سے زیورات بنالئے گئے ہیں تو جس طرح سونے چاندی کے علاوہ پیتل المونیم تانبے سے بنے ہوئے زیورات میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی ہے ایسے ہی اس میں بھی واجب نہیں ہوگی۔اسی طرح پلاٹین کا تبادلہ پلاٹین سے یا سونے چاندی کا تبادلہ پلاٹین سے ہو تو اس پر صرف کے احکام مثلاً تقابض فی المجلس جاری نہیں ہوں گے، کیوں کہ بیع صرف میں ضروری ہے کہ سونے کا سونے سے، چاندی کا تبادلہ چاندی سے یا سونے کا تبادلہ چاندی سے ہو،جیسا کہ تمہید میں یہ بات گذر چکی ہے اور یہاں یہ صورت نہیں ہے۔

☆☆☆

سونے چاندی کی تجارت کے احکام

مفتی محمد اشرف ☆

۱- روپے یعنی موجودہ رائج کرنسی جو سونے / چاندی سے بنی ہوئی نہیں ہے اس سے اگر سونا یا چاندی خرید ا جائے تو یہ اصطلاحی بیع صرف نہیں ہے، اس لئے کہ بیع صرف سے مراد وہ بیع ہے جو سونے چاندی کے درمیان میں ہو، بیع صرف ہونے کے لئے ثمن ہونا ضروری نہیں ہے، بيع المصوغ بالمصوغ او بالنقد بيع صرف ہے لیکن مصوغ ثمن کے حکم میں نہیں ہے اور وہ متعین ہو جاتا ہے (الدر المختار ۴ / ۲۶۱)۔

الف- سونے / چاندی کی روپے کے عوض ادھار بیع جائز ہے، عوضین پر قبضہ ضروری نہیں ہے۔

ب- روپیہ اور موجودہ کرنسی سونا / چاندی نہیں ہے، لہذا روپے کے عوض سونے / چاندی کی فروخت میں ربا کے احکام جاری نہیں ہوں گے، سونے / چاندی کی جو قیمت حکومت نے طے کی ہے، اس کے خلاف فروخت کرنے سے ربا الفضل ثابت نہیں ہوگا۔

۲- اس شکل کو بیع قرار دینا مشکل ہے، اس لئے کہ یہاں عوضین پر ایک مجلس میں قبضہ نہیں ہوتا بلکہ پہلے کاریگر قبضہ کرتا ہے، کچھ مدت کے بعد بنے ہوئے زیور پر تاجر قبضہ کرتا ہے، اس لئے اسے اجارہ کی تاویل کے ساتھ جائز قرار دینا آسان ہوگا۔

کاریگر دو کام کرتا ہے، سونے کو مطلوبہ شکل کے مطابق ڈھالتا اور اس مقصد کے لئے اپنی طرف سے سونے / چاندی کے علاوہ کوئی دوسری دھات اپنی طرف سے ملاتا ہے اس عمل کے دوران کاریگر کے پاس معلوم مقدار کے ساتھ سونے کے جو ذرات رہ جاتے ہیں وہ کاریگر کے عمل کی اجرت اور اس کی طرف سے لگائی ہوئی دھات کی قیمت متصور کئے جائیں گے، جیسا کہ صباغ کے عمل کی فقہاء نے تاویل کی ہے، اس میں صفقة فی صفقة ہے لیکن تعامل کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے مزید یہ کہ بیع اس میں تبعا ہے اصل میں اجارہ ہی ہے، مرضعہ کا اجارہ بھی اسی قبیل سے ہے، منی آرڈر کو حضرت تھانویؒ نے صباغ کی تاویل سے جائز قرار دیا ہے، یہاں جہالت یسیرہ اور منجملہ ہے (والتفصیل لصفقة فی صفقة مذکور فی فقہ البیوع للشیخ العثمانی ر ص ۵۰۶ تا ۵۱۴)۔

۳- لیکن اگر سونے کے عوض روپیہ ہو تو پھر یہ جائز ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے کھجوروں کے تبادلے کو جائز طریقے سے کرنے کی شکل بیان کی۔

☆ دار الافتاء جامعہ محمودیہ، سپرنگز ساؤتھ افریقہ۔

۴- کمپیوٹرائز ایکسچینج ایک ادارہ ہے، اس میں سونے چاندی کی خرید وفروخت کا عمل ایسا ہی ہے جیسے بازار حصص میں حصص کی خرید وفروخت ہوتی ہے، اس میں خرید وفروخت ایجنٹ (بروکر) یعنی وکیل کے واسطے سے ہوتی ہے، ادارہ کے پاس سونا موجود ہوتا ہے اور یہ تمام سونا زیورات کی مخصوص شکل میں نہیں بلکہ بڑی اینٹ کی شکل میں ہوتا ہے گویا کہ وہ متساوی الاجزاء ہونے کی وجہ سے ذوات الامثال کے حکم میں ہے، ایک کلو سونے کی اینٹ میں مثلاً دس گرام اینٹ کے کسی بھی حصے میں ایک ہی قیمت کا ہوگا، اینٹ کے مختلف اجزاء کی قیمتوں میں کوئی فرق نہیں ہے، لہذا:

الف: ایک کلو سونے کی اینٹ میں سے پچاس گرام سونا خریدنا بروکر کے واسطے سے صحیح ہے اگر چہ پچاس گرام سونے کو الگ کر کے نہ رکھا جائے، یہ پچاس گرام ایک کلو میں مشاع ہے اور یہ بیع سہم من السہام کے قبیل سے ہے، بروکر وکیل ہے لہذا اس کا قبضہ خریدار کا قبضہ کہلائے گا، قبضے سے مراد اس رسید یا ثبوت پر قبضہ جو دلالت کر رہی ہے کہ اتنی مقدار کا سونا حامل رسید کی ملکیت ہے۔

چونکہ یہ بیع صرف نہیں ہے، لہذا دوسرے عوض یعنی رقم پر اسی مجلس میں قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے۔

مزید یہ کہ آج کل رقم کی ادائیگی انٹرنیٹ کے واسطے سے ایک اکاؤنٹ میں سے دوسرے اکاؤنٹ میں منتقل کی جاتی ہے، محقق علماء عصر نے کسی کے اکاؤنٹ میں رقم کے آجانے کو حامل اکاؤنٹ کا قبضہ قرار دیا ہے، لہذا سونا خریدتے وقت جب تاجر سونے کی معین مقدار خریدنے کا آرڈر کرے گا تو اس سے رقم کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے گا، جب یہ تاجر خریدار انٹرنیٹ کے ذریعہ رقم منتقل کرے گا تو دوسری جانب میں سونا فروخت کرنے والے کا رقم پر قبضہ بنک کی وکالت سے متصور ہوگا اور بروکر کے واسطے سے سونے پر خریدار کا قبضہ معتبر ہوگا، اس طرح ایک مجلس میں جانبین سے عوضین پر قبضے کی شکل بھی پائی گئی، شریعت کے مطابق بنکاری اور اقتصادی معاملات کے لئے ضوابط مقرر کرنے کی تنظیم AAOIFI نے اپنے لئے معیار نمبر ۵۷ میں اس صورت کو جائز قرار دیا ہے، بشرطیکہ رقم کی ادائیگی فوری کی جائے، کیونکہ یہ ان کے نزدیک بیع صرف کے حکم میں ہے۔

ب- اسے قبضہ تصور کیا جائے گا اور یہ مزید اچھی شکل ہے۔

۵- سوال میں جو صورت مذکور ہے وہ بیع المستقبل کی صورت ہے اور مستقبل کی طرف نسبت کر کے بیع کرنا صحیح نہیں ہے، لہذا یہ صورت جائز نہیں ہے، جو علماء روپے سے سونے کی خرید وفروخت کو بیع صرف کہتے ہیں، ان کے نزدیک بدرجہ اولی جائز نہیں ہے۔

۶- آج کل رائج کرنسی کا تعلق سونے سے نہیں ہے اور سونے کا استعمال ثمن کے اعتبار سے بھی نہیں ہے، سونے کا ذخیرہ کرنے سے اگر قیمتوں پر اثر واقع ہوتا ہے تو وہ بین الاقوامی تجارت پر واقع ہوتا ہے، اندرون ملک تیار ہونے والی چیزوں پر اثر واقع نہیں ہوتا۔

مزید یہ کہ احتکار مذموم کا تعلق کھانے پینے اور عام لوگوں کی ضروریات سے متعلق ہے بشرطیکہ ذخیرہ کرنے سے عام آدمی کو نقصان پہنچے، سونے کا ذخیرہ کرنے سے عام لوگوں کی ضروریات پر معتد بہ اثر واقع نہیں ہوتا، لہذا سونے کا ذخیرہ کرنا احتکار مذموم میں داخل نہیں ہے۔

۷- اسمگلنگ کے ذریعہ جو فرد سونا لاتا ہے وہ بھی حکومت کی نظر میں سونے کا مالک کہلاتا ہے، حکومت اس سے اپنے واجبات کا

مطالبہ کرتی ہے، لہذا جو شخص سونے کے مالک سے شرعی طریقہ کے مطابق سونا خرید تا ہے تو وہ شرعاً سونے کا مالک کہلائے گا۔

اگر حکومت کے اضافی قوانین مفاد عامہ کے لئے ہیں اور اسمگلنگ کے ذریعہ خریدنے میں مفاد عامہ کا نقصان ہے تو پھر نہی عن تلقی الجلب وعن بیع الحاضر للبادی کی تفصیل کی روشنی میں مکروہ بیع ہوگی۔

مزید یہ کہ حکومت کی مخالفت کرنے کی وجہ سے ضرر لاحق ہوسکتا ہے اور عاقل کی شان یہ ہے کہ وہ ایسے عمل سے بچے جس سے وہ ضرر میں مبتلا ہوسکتا ہو، حکومت کی مخالفت کرنے کے بھی درجات ہیں، اس کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔

۸- پلاٹینم (Platinum) سونا نہیں ہے بلکہ یہ مستقل الگ دھات ہے، اس پر سونے کے احکام بیع صرف وزکوۃ وغیرہ جاری نہیں ہوں گے، اگرچہ عوام اسے سونا سمجھیں، زکوۃ وغیرہ کے احکام امر تعبدی ہیں، قیاس سے اس کو ثابت نہیں کرسکتے جیسا کہ ہیرے جواہرات بھی قیمتی ہیں، لیکن ان پر زکوۃ فرض نہیں ہے، گھوڑا قیمتی جانور ہے جیسا کہ بکری، گائے اور اونٹ وغیرہ لیکن گھوڑے پر زکوۃ نہیں ہے، اگر وہ مال تجارت نہ ہو۔

نوٹ: حوالہ جات منسلکہ دس صفحات میں ہیں اور ہر جواب کے لئے دلیل کا اشارہ درج ذیل ہے:

سوال نمبر ۱- اس کے جواب کا مدار اس اصول پر ہے کہ جب ثمن حقیقی یا عرفی کے مقابلے میں عروض ہوں تو ادھار جائز ہے اور فی الحال سونا چاندی ثمن کی حیثیت سے مستعمل نہیں ہے، مزید کہ ثمن عرفی (کرنسی نوٹ) اور سونا چاندی دونوں جنس وقدر میں مختلف ہیں، دلیل کے لئے ملاحظہ ہو عبارت نمبر: ۱، ۳، ۴، ۵، ۷، ۸، ۹، ۱۱۔

۲- دلیل کے لئے عبارت ۱، ۹، ۱۴، ۱۵، 25

۳- دلیل کے لئے عبارت ۱، ۲

۴- دلیل کے لئے عبارت ۱۲، ۱۳(7/2,8/2)17,19,20,21,22,24

۵- دلیل کے لئے عبارت نمبر ۱۷(9/2)، ۱۸، 20,23

۶- دلیل کے لئے عبارت ۷، ۱۰

۷- دلیل کے لئے عبارت ۱۱

۸- دلیل کے لئے عبارت ۱۶

حوالہ جات:

۱- "قال رسول الله ﷺ: الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل سواء بسواء يدابيد فاذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم اذا كان يدا بيد" (رواہ مسلم وفی روایۃ: لا تبيعوا الذهب بالذهب ولا الورق بالورق إلا وزنا بوزن، مشکوۃ ص ۲۴۴ طبع قدیمی)۔

۲- "وعن ابی سعید وابی هريرة أن رسول الله ﷺ استعمل رجلا على خيبر فجاء ه بتمر جنيب، فقال: أكل تمر خيبر هكذا؟ قال: لا والله يا رسول الله، إنا لناخذ الصاع من هذا بالصاعين والصاعين بالثلاث، فقال: لا تفعل بع الجمع

بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنيبا وقال فی الميزان مثل ذلک، متفق عليه"(مشکوۃ ص۲۴۵)۔

۳-"وعن ابن عمر قال كنت أبيع الإبل بالنقيع بالدنانير فاخذ مكانها الدراهم وابيع بالدراهم فاخذ مكانها الدنانير، فاتيت النبی ﷺ فذكرت ذلک له، فقال: لا بأس ان تاخذها بسعريومها مالم تفترقا وبينكما شئ" (رواہ الترمذی وابوداؤد، مشکوۃ ص۲۴۸)۔

۴-"فقال رسول الله ؟ﷺ: من أسلف فی شئ فليسلف فی كيل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم"(متفق علیہ)۔

۵-"عن عائشة قالت اشتری رسول الله ﷺ طعاما من يهودی الی أجل ورهنه درعاله من حديد"(متفق علیہ)۔

۶-"وفی الحديث: من احتكر علی المسلمين طعامهم ضربه الله بالجذام والافلاس رواه ابن ماجه"(الاحادیث، ماخوذۃ من المشکوۃ ص۲۵۰،۲۵۱)۔

۷-"وفی الدرالمختار:باب الصرف هو بيع الثمن بالثمن: أی ما خلق للثمنية ومنه المصوغ (جنسا بجنس أو بغير جنس) كذهب وفضة (قوله أی ما خلق للثمنية) ذكر نحوه فی البحر ثم قال وانما فسرناه به ليدخل فيه بيع المصوغ بالمصوغ أو بالنقد فان المصوغ بسبب ما اتصل به من الصنعة لم يبق ثمنا صريحا ولهذا يتعين فی العقد ومع ذلک بيعه صرف اه"(الدر المختار ۴/۲۶۱ طبع کوئٹہ)۔

۸-"وفی الدر المختار: ويصح السلم فی عددی متقارب كجوز وبيض وفلس"(۴/۲۲۶)۔

۹-"وفی الدر المختار: ومن اعطی صيرفيا درهما فقال اعطنی به نصف درهم فلوسا ونصفا إلاحبة صح ويكون النصف إلا حبة بمثله وما بقی بالفلوس (والاموال ثلاثة، ثمن بكل حال وهو النقدان ومبيع بكل حال كالثياب والدواب وثمن من وجه ومبيع من وجه كالمثليات، فان اتصل بها الباء فثمن وإلا فمبيع وأما الفلوس فإن رائجة فكثمن وإلا فكسلع(و)الثن (من حكمه عدم اشتراط وجوده فی ملک العاق عند العقد وعدم بطلانه بهلاكه) أی الثمن۔

قوله وأما الفلوس: يستفاد من البحر أنها قسم رابع حيث قال و ثمن بالاصطلاح وهو سلعة فی الأصل كالفلوس فإن كانت رائجة فهی ثمن و الافسلعة اه ط"(الدرالمختار ۴/۲۷۰،۲۷۱)۔

۱۰-"(و)كره (احتكار قوت البشر) كتبن وعنب ولوز(والبهائم) كتبن وقوت(فی بلد يضر باهله) لحديث الجالب مرزوق والمحتكر ملعون فان لم يضرلم يكره ومثله تلقی الجلب"۔

قال العالمة الشامیؒ: والتقييد بقوت البشر قول أبی حنيفة و محمد وعليه الفتوی كذا فی الكافی وعن أبی يوسف كل ما أضر بالعامة حبسه فهو احتكار وعن محمد الاحتكار فی الثياب ابن كمال(قوله يضر باهله) بان كان البلد صغيرا هداية"(الدرالمختار ۵/۲۸۲، کتاب الکراہیۃ)۔

۱۱-"وفی الدر: (ولا يسعر حاكم) لقوله عليه الصلاة والسلام: لا تسعروا فإن الله هو القابض الباسط الرازق (الا اذا تعدی الارباب عن القيمة تعديا فاحشا فيسعر بمشورة أهل الرأی......وأفاد أن التسعير فی القوتين ال غير وبه صرح العتابی وغيره لكنه اذا تعدی ارباب غير القوتين وطلموا علی العامة فيسهر عليهم الحاكم بناء علی ما قال أبويوسف ينبغی أن يجوز ذكره القهستانی فان ابا يوسف يعتبر حقيقة الضرر كما تقرر فتدبر"(الدرالمختار ۵/۲۸۳ کتاب الکراہیۃ)۔

۱۲-"وفی الدر: (لا) يفسد بيع عشرة(اسهم) من مائة سهم اتفاقا لشيوع السهم(قوله لشيوع السهم) لأن السهم

اسم للجزء الشائع فکان المبیع عشرة اجزاء شائعة من مائة سهم کما فی الفتح أی فهو کبیع عشرة قراریط مثلا من أربعة وعشرین فانه جزء شائع فی کل جزء من اجزاء الدار(الدر المختار ۳۵/۴، ایضا فقه البیوع للشیخ العثمانی ۳۷۵)"۔

۱۳-"وفی الهدایة: ویجوز التوکیل بعقد الصرف والسلم لانه عقد یملکه بنفسه فیملک التوکیل به دفعا للحاجة علی مامر......فان فارقه الوکیل صاحبه قبل القبض بطل العقد ولا یعتبر مفارقة الموکل لانه لیس بعاقد والمستحق بالعقد قبض العاقد وهو الوکیل فیصح قبضه وان کان لا یتعلق به الحقوق کالصبی والعبد المحجور علیه" (*ہدایہ کتاب الوکالۃ* ۱۸۲/۳)۔

۱۴-"وفی الدر فی بحث البیع بشرط:(استحسانا) للتعامل بلا نکیر(قوله استحسانا للتعامل) أی یصح البیع ویلزم الشرط استحسانا للتعامل والقیاس فساده لأن فیه نفعا لأحدهما وصار کصبغ الثوب مقتضی القیاس منعه لأنه اجارة عقدت علی استهلاک عین الصبغ مع المنفعة ولکن جوز للتعامل ومثله اجارة الظئر وللتعامل جوزنا الإستصناع مع أنه بیع المعدوم ومن انواعه شراء الصوف المنسوج علی أن یجعله البائع قلنسوة أو قلنسوة علی أن یجعل البائع لها بطانة من عنده وتمامه فی الفتح"(*الدرالمختار* ۱۳۸/۴)۔

۱۵-حضرت تھانویؒ نے منی آرڈر کے بارے میں آخری فیصلہ یہ دیا کہ منی آرڈر مرکب ہے دومعاملے سے، ایک قرض جو اصل رقم سے متعلق ہے دوسرے اجارہ جو فارم کے لکھنے اور روانہ کرنے پر بنام فیس کے دی جاتی ہے، اور دونوں معاملے جائز ہیں، پس دونوں کا مجموعہ بھی جائز ہے، اور چونکہ اس میں ابتلائے عام ہے، اس لئے یہ تاویل کرکے جواز کا فتوی مناسب ہے(امدادالفتاوی ۱۴۶/۳)۔

۱۶-"وفی الدر:(لا زکوة فی اللآلی والجواهر) وان ساوت الفا اتفاقا (إلا أن تکون للتجارة) والاصل أن ماعدا الحجرین والسوائم إنما یزکی بنیة التجارة......وفی الشامیة:(قوله والجواهر) کاللعل والیاقوت أمثالها درر (قوله وان ساوت الفا) فی نسخة الوفا(قوله ماعدا الحجرین)هذا علم بالغلبة علی الذهب والفضة"(*الدرالمختار* ۱۵/۲)۔

"وفی الدر: (ولا شیٔ فی خیل) سائمة عندهما وعلیه الفتوی خانیة و غیرها (و) لا فی (بغال وحمیر لیست للتجارة

وفی الشامیة:(قوله عندهما) لما فی الکتب الستة من قوله علیه الصلاة والسلام: "ولیس علی المسلم فی عبده وفرسه صدقة(قوله وعلیه الفتوی) قال الطحاوی: هذا أحب القولین الینا"(*الدرالمختار* ۲۱/۲)۔

۱۷-"وفی المعاییر الشرعیة:

6/2القبض فی بیع العملات

3/6/2یتحقق القبض بحصوله حقیقة أو حکما، وتختلف کیفیة قبض الاشیاء بحسب حالها واختلاف الأعراف فیما یکون قبضالها۔

یتحقق القبض الحکمی اعتبارا وحکما بالتخلیة مع التمکین من التصرف ولو لم یوجد القبض حسا، ومن صور القبض الحکمی المعتبرة شرعا وعرفا ما یاتی: القید المصرفی لمبلغ من المال فی حساب العمیل فی الحالات الآتیة:

۱-اذا اودع فی حساب العمیل مبلغ من المال مباشرة أو بحوالة مصرفیة

۳-اذا اقتطعت المؤسسة بأمر العمیل مبلغا من حساب له لتضمه الی حساب آخر بعملة أخری فی المؤسسة نفسها أو لمستفید اخر، وعلی المؤسسة مراعاة قواعد عقد الصرف فی الشریعة الاسلامیة ویغتفر تاخیر القید المصرفی بالصورة التی یتمکن المستفید بها من التسلیم الفعلی الی المدة المتعارفة علیها فی اسواق التعامل۔

7/2يجوز توكيل الغير بابرام عقد بيع عملات مع توكيله بالقبض والتسليم۔

8/2التعاقد جوسائل الاتصال الحديثة بين طرفين فى مكاتين متباعدين تنشأعته نفس الآثار المترتبة على اجراء العقد فى مكان واحد۔

9/2تحرم المواعدة فى المتاجرة فى العملات اذا كانت ملزمة للطرفين ولو كان ذلک لمعالجة مخاطرهبوط العملة أما الوعد من طرف واحد فيجوز ولو كان ملزما۔

(المعايير الشرعية المرتبة من هيئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الاسلامية بسنة 2010م المعيار الشرعى رقم(۱) المتاجرة فى العملات ص4,5

۱۸–"وفى الدر: البيع ينعقد بالايجاب والقبول بلفظين ما ضيين أو حالين–وأما المتمعض للاستقبال فكالامر لا يصح أصلا"(الدرالمختار ۴/۱۰)۔

"وفى كتاب الصرف من الهداية: ولأنه لا بد من قبض احدهما ليخرج العقد عن الكالى بالكالئى"(ہدایہ ثالث ۳/۱۰۵)۔

"وفى بيع السلم: ولا يصح السلم حتى يقبض رأس المال قبل ان يفارقه فيه اما اذا كان من النقود فلانه افتراق عن دين بدين"(ہدایہ ۳/۹۲،وایضاعقودالمستقبلیات للشیخ محمد تقی العثمانی)۔

"عن ابن عمران النبى ﷺ نهى عن بيع الكالئى بالكالئى"(مشکوۃ ص۲۴۸)۔

۱۹–"ويصح بيع صاع من صبرة تعلم صيعانها للمتعاقدين، وينزل على الإشاعة فإذا علما أنها عشرة اصع، فالمبيع شرعها، فلو تلف بعضها، تلف بقدره من المبيع"(شرح المنہاج للمحلی مع القیوبی وعمیرۃ ۲:۱۶۱)۔

وعلى هذا القول، لو علمت الكمية المجموعة فى المخزن انها عشرة أطنان مثلا، وبيعت منها كمية، مثل طن واحد، فإن الكمية المذكورة على الوثيقة تمثل حصة مشاعة فى مجموع ما فى المخزن، ويعتبر البيع أنه بيع عشر ما فى المخزن، فلو هلک طن منه، فإنه ينقص قدر العشر من الطن المبيع ولكنه مشروط بأن يعلم المتعاقدان مجموع الكمية، وأن يتحمل المشترى هلاک حصته فيها، والعادة فى أسواق السلع أن المشتري لا يعرف الكمية المجموعة فى المخزن، ولا يعتبر المشترى ضامنا عند هلاک بعضها بقدر حصته فيها فلا تنطبق عليه هذه الجزئية

وكذلک حكم شراء السلع المخزونة بواسطة البورصات العالمية"(البورصة كلمة معربة من الكلمة الطالية Bourse ومرادفها الأنكليزى Exchange وقد يقال لها بالعربية "المثابة" أو "الندوة المالية" وهى عبارة عن إدارة للسماسرة تنظم عمليات التجارة فى السلع أو أسهم الشركات أو النقود والأوراق المالية راجع لتاريخها دائرة المعارف للبستانى ۵/۶۷۹)،وكثير من بياعات بورصات السلع لا يقصد منها التسليم والتسلم، وإنما يقصد بها المضاربات من خلال تذبذب أسعارها، وإن هذه العمليات بالمقامرة أشبه منها بالبيوع الحقيقة، ولا شک فى حرمتها(وقد ذكرت بعض أقسام هذه العمليات فى بحثى على "عقود المستقبليات فى السلع" انظر "بحوث فى قضايا فقهية معاصرة"للمؤلف ۱:۱۲۷)ولكن قد يقصد بها البيوع الحقيقة، وحينئذ لا بد من توافر الشروط الشرعية فى ذلک ومنها أن المشترى من تلک المخازن لا يجوز له أن يبيعها إلى آخر حتى يقبضها بالطريق الذى ذكرناه۔

۱۸۱–قبض العدديات:

أما العدديات، فالشافعية والمالكية يشترطون العد لتمام القبض(المجموع شرح المهذب ۲۷۸/۹، الشرح الكبير للدر دير مع الدسوقى۱۴۴/۳)، كما يشترطون اكليل فى المكيلات، والوزن فى الموزونات أما الحنفية فيكفى عندهم التخلية(بدائع الصنائع ۴۹۹/۴)، وكذلك المكيلات والموزونات التى بيعت مجازفة، وهو رواية عن الإمام أحمد رحمه الله تعالى، وذكر ابن قدامة من مذهب الحنابلة أن مجرد التخلية لا يعتبر قبضا حتى تنقل من مكانها، وكذلك الحكم فى ما بيع مجازفة(المغنى لابن قدامه۲۲۰/۴)، واستدلوا فى ذلك بما أخرجه مسلم فى صحيحه عن عبد الله بن عمر رضى الله تعالى عنهما قال: كنا نشترى الطعام من الركبان جزافا، فنهانا رسول الله ﷺ أن نبيعه حتى ننقله من كمانه(صحيح مسلم، باب بطلان بيع المبيع قبل القبض حديث ۳۸۱۹)، ولكن المختار عند الحنابلة أن القبض فى العدديات يحصل بالعد، كما هو مذهب الشافعية والمالكية، فقال البهوتى: "فلا يشترط نقله"(كشاف القناع۲۳۴/۳، شرح منتهى الإرادات۱۹۰/۲)، وقال فى شرح منتهى المرادات: "ولا يعتبر نقله بعا".

The second type: where the percentage of pure gold is 50% less, in which case it is not deemed a sale of gold, unless it is sold for gold, silver or currencies, in which case spot exchange of counter-values is required.

3/3/1/2The second type: where gold is mixed with a substance not intended per se; rather the substance is intended for the purposes of standardizing or coloring gold, etc. For example, when a substance is added to told in specific proportions to render it of a certain standard (Karatage), such as 21K or 18K. In this case, the substances added to the gold are not intended per se. Therefore, the exchange of one counter value for the other must be spot and the weight of pure gold in each of the two counter values must be equal.

3/3/1/3The third type: where a proportionately insignificant amount of gold, not intended per se, is mixed with a large quantity of non gold element/substance that is intended per se. Examples include gilding gold and decoration of non-gold articles. The sale of such items/articles is not subject to the Shariah rulings for sale of gold.

3/4Sale of Gold Ingots for Currencies

When gold ingots are sold for currencies, the counter values must be exchanged during the contracting session. Possession of the ingot by the buyer, or his agent, is realized either physically or constructively. constructive possession is realized by allocation of the ingot and by enabling the buyer to dispose of it, or by holding a certificate that represents ownership of a specified ingot that is distinguishable (an allocated ingot) from others, by

serial numbers or other distinct marks from other ingots, provided the certificate is issued the day the contract is concluded (Trade DAte "T+0"), by officially or customarily recognized agencies, enabling the buyer to take physical possession of the purchased ingot at his request. Hence, it is not permissible to sell an unspecified ingot (technically known in the market as unallocated ingot) without physical possession.

3/5Shariah Rulings for Joint Ownership of Gold

3/5/1It is permissible to jointly own gold where each partner owns an undivided share of a specified percentage in the pool of gold. Such ownership is subject to the rulings set out in item 3.4 above.

3/5/2The owner of the undivided share may request the segregation of his share, if possible, without prejudice to the other partners. He may sell his undivided share without segregation.

3/5/3In case of loss or damage, each co owner shall bear the losses damages pro rata.

3/5/4Ingots stored in a ware house and not distinguishable by serial numbers are considered unallocated and are thus subject to the Shariah rulings for joint ownership. However, if the ingots have distinguishing serial numbers, each owner shall own his allocated ingots and be liable for their loss, unless they allo agree that the ownership of the stored ingots shall be joint and undivided, in which case the rulings of joint ownership shall apply. In the event of loss or damage of thejointly owned ingots, each owner shall bear the loss pro rata, provided that the overall amoint in storage is specified at all times.

4.Gold in contracts of Musharakah and Modern Corporations and companies

4/1The use of gold as capital in Musharakah, Mudharabah and investment Wakalah is permissible provided that gold is valuated and its monetary value in the currency of capital is determined at the contract date by mutaual agreement of the contracting parties. This valuation is carried out for the purpose of determining the shares of the partners in Musharakah or the capital of Mudharabah and investment Wakalah. If valuation of the Gold is not possible, the use of gold as capital is not permissible.

4/2It is permissible for the parties to distribute the profit in gold provided it is at the market value of gold at the time of profit distribution.

4/3It is permissible for the parties to redeem their capital in gold, upon liquidation, provided it is at the market value of gold at the time of redemption.

4/4It is permissible to buy the shares of a company that operates in extraction of Gold provided that the relevant Shariah parameters are complied with See Shariah Standar No.(21) on Financial papers.

5.Gold in commutative contracts (Muawadhat)

5/1Gold in sale contract

5/1/1It is permissible for an institution to purchase gold from a supplier at spot, and sell it at spot by way of Murabahah or Musawamah, provided the Shariah requirements set out in items (3) and (2/2/6) in Shariah Standard No. (8) on al-Murabahah are complied with.

5/1/2 It is not permissible to purchase gold by way of documentary credit unless Shariah requirements set out in item (3) are complied with, including payment of the price of the documentary credit without deferment, See item (3/1/3) of Shariah Standard No. (14) on DocumentaryCredit.

5/1/3 It is permissible to appoint an agent to purchase and take possession of Gold (Wakalah). After purchase and taking possession, it is permissible for the agent to purchase from the principal the gold purchased by way of Wakalah through an exchange of Offer (Ijab) and Acceptance (Qabul). In that case, liability for the purchased gold is transferred to the agent as parchaser in the latter contract. See item (6.1.4) of Shariah Standard No (23), on "Agency and the Act of an Uncommissioned Agent (Fodooli)"; and also item (3/1) of Shariah Standard No (8) on Murabahah.

5/2Gold in the Contracts of Salam and Istisnaa

5/2/1It is permissible to use gold as capital of Salam, provided that the subject matter of Salam sale (alMuslam Fehi) is not gold, silver or currencies.

5/2/2It is permissible to purchase gold through a Salam Contract, provided the capital of Salam is not gold, silver or currencies.

5/2/3It is permissible to execute an Istisnaa contract in gold, provided the price of Istisnaa is not gold, silver or currencies.

5/3 Gold in Ijarah (Lease and Services) Contract

5/3/1It is permissible to lease gold whether in the form of jewelry or ingots provided the corpus of the leased asset is not consumed during the lease. The rent may be payable in advance or in arrears, and whether the lease contract is for an identified asset or it is Ijarah Mawsufah Fi Zhimmah.

5/3/2it is permissible for the lessee to purchase the (leased) Gold from the lessor at a spot price agreed upon at the time of purchase.

5/3/3It is permissible to pay the rent amount (Ujrah) in gold, even if the leased asset is gold. See 5.3.1.above.

5/3/4Ijarah is permissible in gold smithery, where gold is provided by the hirer [service recipient] and work is provided byteh goldsmith [service provider]; the remuneration (Ujrah) may be in advance or in arrears. The laborer's remuneration (Ajr) can be paid out in gold.

5/4Gold in Deposit Contract (Wadiah)

5/4/1Deposits of gold shall be held in trust with the depository. It is not permissible for the depository to use or dispose of deposits of gold (gold deposited with it), or commingle them with its gold or any other gold held in its safekeeping without allocation. In case the depositor permits that his gold deposits are commingled with gold held in his depository's safekeeping, item (3.5) shall apply.

5/3/2 It is permissible for the depository to charge fees for safekeeping the gold. The fees may be charged as lump sum amount or as a percentage of the value of the deposeted gold. If the gold is deposited as collateral against a loan borrowed by the depositor.

☆☆☆

سونا چاندی کی تجارت کے متعلق چند مسائل

مفتی محمد سلطان القاسمی ☆

۱- اگر روپے سے سونا خرید کیا جائے تو اس میں روپے کی حیثیت فلوس کی ہوگی ؛ کیونکہ آجکل روپے کا چاندی یا سونے سے کوئی تعلق نہیں ؛لہذا:

الف-سونا چاندی اور روپے میں سے ایک نقد ہو اور دوسرا ادھار تو بیع صحیح ہوگی؛لیکن سودے کے وقت ایک جانب قبضہ ضروری ہے؛ چنانچہ فتح القدیر میں شرح الطحاوی کے حوالہ سے مرقوم ہے:

"لواشتری مائة فلس بدرهم وقبض الفلوس أو الدراهم ثم افترقا،جاز البيع لأنهما افترقا عن عين بدين"(فتح القدیر ۲۷۸/۶)۔

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:**"وإذا اشترى الرجل فلوساًبدراهم ونقد الثمن ولم تكن الفلوس عند البائع فالبيع جائز ،لأن الفلوس الرائجة ثمن كالنقود ،وقد بيناأن حكم العقد فى الثمن وجوبها ووجودها معاً ،ولا يشترط قيامها فى ملك بائعهالصحة العقد كما لايشترط ذلك فى الدراهم والدنانير"**(المبسوط :طبع بیروت، دارالمعرفہ ۱۴۱۴ھ، ۲۴/۱۴)۔

البتہ دونوں طرف ادھار جائز نہیں چاہے مختصر وقت کیلئے ہی کیوں نہ ہو؛ کیونکہ یہ بیع الکالی بالکالی ہے جو کہ ممنوع ہے۔

ب-سونے اور چاندی کا جو نرخ حکومت نے یا سونے کی مارکیٹ جیسے کومیکس گولڈ یا میکس گولڈ نے طے کیا ہو،اس سے کم یا زیادہ قیمت میں خرید و فروخت درست ہوگی اور اس صورت پر ربا الفضل کا اطلاق نہیں ہوگا ؛ کیونکہ یہاں بیع صَرف نہیں ہو رہی ہے۔بیع صَرف اس وقت ہوتی جب سونے چاندی کا باہم تبادلہ ہوتا؛ یہاں سونے چاندی کا تبادلہ ثمن عرفی سے ہو رہا ہے اور بیع صرف کیلئے ثمن خلقی کا ہونا ضروری ہے جو کہ یہاں نہیں پایا جا رہا ہے: چنانچہ بیع صرف کی تعریف میں علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

" وشرعاً بيع الثمن بالثمن أى ماخلق للثمنية ، ومنه المصوغ جنساً بجنسٍ أو بغير جنس" (الدرالمختار مع ردالمحتار ۴۰۲/۷)۔

علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:**" قوله ولايتعين بالتعيين لكونها أثماناً يعنى ما دامت تروج لأنها بالاصطلاح صارت أثماناً فمادام ذلك الاصطلاح موجوداً،لاتبطل الثمنية لقيام المقتضى "**(کنز الدقائق مع البحر، ط بیروت، ۳۳۵/۶)۔

☆ مفتی واستاذ سراج العلوم، سری نگر، جموں کشمیر۔

”صاحب ہدایہ کی یہ بات کہ یہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے کیونکہ یہ اثمان ہیں یعنی جب تک مروج ہوں، اس لئے کہ یہ لوگوں کی اصطلاح سے اثمان بنے ہیں، سو جب تک یہ اصطلاح باقی رہے گی، اس کی یہ ثمنیت باقی رہے گی، اس کے لئے مقتضی موجود ہے“۔

اس سے یہ بات صاف ہوتی ہے کہ اس میں ثمن کا مقابلہ ثمن سے ہے لیکن چونکہ یہ خلقی نہیں ہے اسلئے اسکو بیعِ صرف سے نکالا اور اس میں وحدتِ جنس کے باوجود تفاضل کو جائز قرار دیا۔

شوافع وحنابلہ کے ہاں بھی مصارفہ سے مراد ثمن خلقی کی باہمی بیع ہے:

”فصل فی المصارفة ،وهی بيع نقد بنقد اتحد الجنس أو اختلف “(کشف القناع ۳/ ۲۵۳)۔

(مصارفہ زر کے مقابلہ زر کی خرید و فروخت کو کہتے ہیں چاہے جنس ایک ہو یا مختلف)۔

” (النقد بالنقد)والمراد به الذهب والفضة مضروباً كان أو غير مضروب “(مغنی المحتاج للشربینی، بیروت، ط: احیاء التراث: ۲/ ۲۴)۔

(بیع صرف نقد کے مقابلہ نقد کی خرید و فروخت کو کہتے ہیں اور اس سے مراد سونا چاندی ہے، چاہے سکہ کی شکل میں ہو یا نہ ہو)۔

علامہ ابن تیمیہؒ امام احمدؒ کی دوسری روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

” والثانية لا يشترط الحلول والتقابض ،فان ذلک معتبر فی جنس الذهب والفضة سواء كان ثمناً أو كان صرفاً أو كان مكسوراً بخلاف الفلوس ولأن الفلوس هی فی الأصل من باب الأعراض والثمنية عارضة لها “(مجموعۃ الفتاوی: ۲۹/ ۴۵۹)۔

ان عبارتوں سے یہی بات واضح ہوتی ہے کہ ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک عقد صرف کیلئے ثمن کا خلقی ہونا ضروری ہے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ کھوٹ کی صورت میں سونا چاندی غالب ہوں، اسلئے فلوس (موجودہ دور میں نوٹ) کی بیع صرف میں داخل نہیں بلکہ سونے یا چاندی میں اگر کھوٹ غالب ہو اور بحیثیت سکہ کے یہ سونا چاندی رائج ہوں تو بھی اسکی بیع صَرف نہیں کہلائے گی؛ چنانچہ حافظ الدین نسفیؒ ”کنز الدقائق“ میں رقمطراز ہیں :

”وغالب الغش ليس فی حكم الدراهم والدنانير فيصح بيعها بجنسها متفاضلاً والتبايع والاستقراض بما يروج عددا أو وزناً أو بهما ولايتعين بالتعيين لكونها أثماناً“(کنز الدقائق مع البحر، ط بیروت: ۶/ ۳۳۵)۔

۲- زیور بنانے والے کاریگر زیورات کے تاجر سے ایک متعین وزن میں جو سونا لیتے ہیں اور چند دنوں بعد اسکے بدلے سونے سے بنائے ہوئے زیورات انہیں واپس کردیتے ہیں، تو اس معاملہ میں زیور بنانے والے کاریگر کی حیثیت اجیر کی ہوگی اگر وہ انہی کے دئے ہوئے زیور کو کام میں لاتے ہیں۔

اور اگر وہ اپنے سونے سے زیور بنا کر انکو دیتے ہیں تو پھر یہ بیع ہے؛ دونوں صورتوں میں حکم الگ الگ ہوگا۔

اجیر ہونے کی صورت میں اجرت الگ سے طے ہونی چاہئے کیونکہ بچنے والے ذرات کی مقدار مجہول ہوتی ہے اور مجہول

کا ثمن کے طور پر مقرر کرنا صحیح نہیں۔

اگر وہ اپنے سونے سے زیور بنا کر انکو دیتے ہیں اور اسکے مقابلہ میں سونا لیتے ہیں تب تو تقابض اور تماثل واجب ہے۔

۳- یہ صورت جائز نہیں ہوگی بلکہ یہ تو عین ربا ہوگا۔

اس سلسلہ میں صاحب اعلاء السنن نے کئی روایات جمع کی ہیں؛ چنانچہ ایک روایت میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت رافعؓ کے آپسی معاملہ کا تذکرہ ہے جس میں حضرت رافعؓ نے چاندی کے پازیب بیچے اور حضرت ابوبکرؓ نے بدلہ میں چاندی دی اور جب ترازو میں تولا تو پازیب کا وزن زیادہ تھا، حضرت ابوبکرؓ نے پازیب سے زائد وزن کو الگ کیا۔ ابورافعؓ نے کہا: اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ! یہ آپ کے لئے حلال ہے، تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: اے ابورافع! اگر تم اس کو حلال کردو تو اللہ اسکو حلال نہیں کرتا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ سونے کو سونے کے بدلہ میں ہم وزن، اور چاندی کو چاندی کے بدلہ میں ہم وزن بیچو، زائد دینے والا اور زائد لینے والا دونوں جہنم میں ہونگے (دیکھئے اعلاء السنن: ۱۴/ ۲۸۸، ۲۸۹)۔

اس کو درست کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ پہلے پرانی چاندی کو روپے کے بدلہ بیچا جائے، پھر نئی چاندی/ زیور کو خریدا جائے۔

۴- (الف) ان سب نے مشترکہ طور پر خریدا ہے؛ لہذا سونے کی اینٹ انکی مشترکہ ملکیت ہوگی؛ البتہ اس صورت میں مکمل قیمت کو ادا کرنا ضروری ہے ورنہ بیع الکالی بالکالی ہوجائے گی جو کہ حرام ہے۔

(ب) خریدار نے جو سونا خریدا وہ جبکہ سکہ کی صورت میں موجود ہے اور اس نے کمپنی کو اپنا وکیل بنایا ہے تو کمپنی کی طرف سے اس کو کمپیوٹر یا رکارڈ رجسٹر میں اس کے نام سے درج کردینا قبضہ کیلئے کافی ہوگا، جیسے کہ الیکٹرانک ذرائع کے ذریعہ سے کی جانے والی دوسری بیوع کا معاملہ عام ہے۔

۵- یہ صورت حرام ہے کیونکہ یہ بیع الکالی بالکالی ہے؛ البتہ اگر خریدار باضابطہ قیمت ادا کر کے سونا خریدے، پھر اس کو تجارت کے لئے دے تو اس صورت میں یہ معاملہ درست ہوجائے گا۔

۶- سونے کو اس طرح کے حالات کی واقفیت کے ساتھ روکے رکھنا یقیناً احتکار ہے؛ کیونکہ احتکار اشیاء ضروریہ کو خرید کر ان کو اس طرح روکے رکھنے کا نام ہے، جس سے اہل شہر کو مشقت ہو؛ اگرچہ امام محمدؒ کے نزدیک احتکار صرف غذائی اشیاء میں ممنوع ہے: لیکن شیخین کے نزدیک تمام اشیاء مایحتاج الیہ اس میں داخل ہیں (قاموس الفقہ: ۱/ ۳۹۰)۔

راقم کے نزدیک بھی اس کو احتکار میں شامل ماننا چاہئے کیونکہ آجکل سونے چاندی کو روکے رکھنے کی وجہ سے تمام دوسری اشیاءِ ضروریہ حتی کہ مطعومات بھی گراں ہوجاتی ہیں۔

۷- اگر اسکو قانون کی طرف سے کسی خطرے کا یقین ہو تو پھر یہ اقدام درست نہیں ہوگا؛ اگر وہ مطمئن ہے تو اس صورت میں دفع ضرر کے طور پر اس طریقہ پر درست ہوگا؛ بلکہ موجودہ احوال اس کی درستگی کے زیادہ مؤید ہیں۔

۸- لوگوں کے عرف کو دیکھتے ہوئے پلاٹین کو حقیقی سونے کے حکم میں نہیں رکھا جائے گا؛ بلکہ فلوس کی طرح اس کی بھی حیثیت ثمنِ عرفی جیسی ہوگی؛ اور زکوۃ وغیرہ کے سلسلہ میں یہ سونے چاندی کے تابع رہے گا۔

سونا چاندی کی تجارت کا شرعی حل

مولانا ابوسفیان مفتاحی☆

۱- صورت مسئولہ میں یہ درست نہیں، ایک نقدی اور دوسرا ادھار، کتاب النوازل (۹۰۶/۱۱) میں ہے: بیع صرف یعنی سونے چاندی کی آپس میں بعینہ یا بالمقابل خرید وفروخت کرتے وقت ادھار جائز نہیں، بلکہ بدلین پر مجلس عقد میں ضروری ہے، اب اگر سونے کی بیع سونے کے بدلہ، یا چاندی کی بیع چاندی کے بدلہ ہو رہی ہے تو قبضہ کے ساتھ دونوں وزن میں برابری بھی ضروری ہے، اور اگر سونے کی بیع چاندی سے ہو یا چاندی کی بیع سونے سے ہو رہی ہو تو وزن میں برابری ضروری نہیں لیکن دونوں جانب قبضہ لازم ہے۔

صحیح مسلم (۲۵/۲) میں روایت ہے: "عن عبادة بن الصامت رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: الذهب بالذهب والفضة بالفضة مثلا بمثل سواء بسواء، یدابید، فإذا اختلفت هذه الأصناف فبیعوا کیف شئتم إذا کان یدابید" (تکملۃ فتح الملہم ۵۹۷/۱)۔

الہدایہ باب الصرف (۱۰۴/۳) "فإن با ع فضة بفضة أو ذهبا بذهب لا یجوز إلا مثله بمثل إلی قوله ولا بدمن قبض العوضین قبل الافتراق"، اور البحر الرائق کتاب الصرف (۱۹۲/۶) میں ہے: "فلو تجانساشرط التماثل والتقابض أی النقدان بأن یبیع أحدهما بجنس الآخر فلا بد لصحته من التساوی وزنا ومن قبض البدلین قبل الافتراق"، اور الہدایۃ کتاب الصرف (۱۰۴/۳) میں ہے: "وإن با ع الذهب بالفضة جاز"، اور فتاوی الہندیہ (۲۱۸/۳) میں ہے: "وإن لم یکونا من جنس واحد بان با ع الذهب بالفضة بشترط التقابض ولا یشترط التساوی کذا فی التبیین"۔

ب-صورت مسئولہ میں یہ درست نہیں ہے کہ سونا اور چاندی کا جو نرخ حکومت نے یا سونے کی مارکیٹ جیسے انٹرنیشنل سطح پر کومیکس گولڈ مارکیٹ، یا ہندوستان کی سطح پر یہاں کی مارکیٹ MC نے طے کیا، اس سے زیادہ یا کم قیمت میں خرید وفروخت کی جائے، اور اس صورت پر ربا تفاضل کا اطلاق ہوگا؟

خلاصہ کلام: یہ کہ صورت مسئولہ میں روپیہ کی حیثیت ثمن کی ہوگی اور اس بیع کو بیع صرف کہا جائے گا۔

الف- یہ کہ صورت مسئولہ میں یہ درست نہیں کہ ایک نقد ہو اور دوسرا ادھار اور دونوں جانب سے مجلس عقد ہی میں قبضہ لازم ہے۔

☆ مفتاح العلوم، مئو۔

ب- یہ کہ صورت مسئولہ میں یہ درست نہیں ہے، اور اس صورت پر ربا تفاضل کا اطلاق ہوگا۔

۲- الف- صورت مسئولہ میں: سونے کے لین دین میں مقدار کا جو فرق ذکر کیا گیا ہے، اسے بیع نہیں بلکہ اجارہ تصور کیا جائے گا۔

ب- صورت مسئولہ میں اجرت کی یہ شکل درست نہیں کہ زیورات کے بنانے میں جو ذرات بچ جائیں وہی اجرت قرار پائیں، بلکہ اس بچے ہوئے ذرات کو تاجر کو واپس کرنا لازم ہوگا، اب اس کی اجرت الگ سے دی جائے گی۔

۳- عام طور پر سونے کے تاجر حضرات پرانے زیور کی قیمت کم متعین کرتے ہیں، مثلاً دس گرام سونے کو آٹھ گرام کے درجہ میں رکھتے ہیں، تو اگر سونے کے پرانے زیور کا سونے کے نئے زیور سے تبادلہ اور اس کمی کو ملحوظ رکھتے ہوئے سونے کا پرانا زیور زیادہ وزن کا لیا جائے اور سونے کا نیا زیور کم وزن میں اس کے بدلے ادا کیا جائے تو یہ صورت جائز نہ ہوگی، استدلال اس حدیث سے کیا جائے گا (تفصیل کے لئے دیکھئے: تکملہ فتح الملہم ۱/ ۵۹۲ تا ۵۹۶)۔

لہذا صورت مسئولہ میں مذکورہ صورت ناجائز ہے، کمی بیشی ہونے کی وجہ سے سود لازم آئے گا۔

۴- الف: اگر سونا فروخت کرنے والے ادارے کے پاس مثلاً ایک کیلو سونا ہو اور دو سو افراد کو پچاس پچاس گرام سونا فروخت کرے لیکن ان سب کا خریدا ہوا سونا سونے کی اینٹ میں شامل ہو، ان کے الگ الگ بسکٹ یا سکے نہیں بنائے جاتے ہوں تو اس کو خریدار کا قبضہ نہیں سمجھا جائے گا۔

ب- اگر ہر خریدار کے لئے اس کی خریدی مقدار کا سکہ الگ سے موجود ہو اور اس کو کمپیوٹر پر یا ریکارڈ رجسٹر میں اس کے نام سے درج کر دیا گیا ہو تو اس اندراج کو قبضہ کے لئے کافی اس شرط کے ساتھ تصور کیا جائے گا جب کہ خریدار کا اس کو اپنے تصرف میں لے کر خود ہی کمپیوٹر میں یا ریکارڈ رجسٹر میں اپنے نام سے درج کر دے اور اپنا دستخط کر دے۔

۵- صورت مسئولہ میں اس صورت کا حکم درست نہ ہونا ہے۔

۶- اکثر فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ حرمت احتکار خاص ہے، اقوات یعنی غذا کی چیزوں کے ساتھ، لہذا احتکار حرام نہیں، غیر اقوات میں ہی ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا قول ہے (دیکھئے: تکملہ فتح الملہم ۱/ ۶۵۶ تا ۶۵۹، اور اس کو دیکھئے: رد المحتار ۵/ ۲۸۲، اور مغنی ابن قدامہ ۴/ ۲۴۴، وشرح النووی والابی تحت ہذا الحدیث)۔

علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں: احتکار وہ حرام ہے، جس میں تین شرطیں جمع ہوں: ۱- یہ کہ خرید ہے پس اگر کوئی چیز لائے یا اس کو اپنے سامان میں داخل کرے، پھر اس کی ذخیرہ اندوزی کرے تو وہ محتکر نہ ہوگا، ۲- یہ کہ خریدی ہوئی چیز قوت وغذا پھر بہر حال سالن اور حلوا، شہد، زیتون، اور چوپایوں کے چارے میں احتکار حرام نہیں ہے، ۳- یہ کہ لوگوں پر تنگی وحرج آجائے اس کے خریدنے سے اور حرج کا حصول دو باتوں سے ہوگا:

۱- ایسے ملک وشہر میں ہو کہ تنگی میں ڈال دے اس کے باشندوں کو احتکار جیسے حرمین اور وسیع وعریض شہر، جیسے بغداد وبصرہ اور مصر اور ہندوستان میں دلی، کولکاتا اور ممبئی وغیرہ ان میں احتکار حرام نہیں اس لئے کہ غالباً ان میں احتکار اثر نہیں ڈالتا،............ پھر

فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کا روک لینا جو عام لوگوں کو نقصان پہنچائے تو وہ احتکار ممنوع ہے (کمافی ردالمحتار ۵/ ۲۸۲)۔

پھر علامہ تقی عثمانی تکملہ ۱/ ۶۵۷ میں اپنی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ طعام کا حرمت احتکار حدیث سے ثابت ہے بغیر شک کے، تو طعام کا احتکار امر تشریعی معمولی ہوگا ابد تک اس لئے کہ لوگوں کا طعام کا محتاج ہونا بہت زیادہ بنسبت دوسری اشیاء کے اور طعام کے علاوہ دوسری چیزوں پر احتکار کا حکم لگانا حاکم کی رائے کے حوالہ کیا جاتا ہے، تو اگر دیکھے کہ طعام کے علاوہ دوسری چیزوں کے احتکار شدید ضرر طعام میں ضرر کی طرح ہو تو حاکم اس کو منع کردے گا ورنہ اس کی اجازت دے دے گا۔

تو معلوم ہوا کہ اقوات وغذائی چیزوں میں حرمت احتکار ہوگی بس اور دوسری چیزوں میں احتکار حرام حاکم کی رائے کے حوالہ ہے اگر دوسری چیزوں کی ذخیرہ اندوزی میں ضرر شدید دیکھے طعام میں ضرر کی طرح تو منع کردے گا ورنہ اجازت دے دے گا۔

اب دیکھئے: تکملہ (۱/ ۶۵۶ تا ۶۵۹) میں حدیث اور علامہ تقی عثمانی صاحب کی عبارت اور فیصلہ المحقق۔

"**باب تحریم الاحتکار فی الاقوات: عن یحیی وھو ابن سعید قال: کان سعید بن المسیب یحدث ان معمر قال: قال رسول اللہ ﷺ: من احتکر فھو خاطئی** "(رواہ مسلم)، علامہ تقی عثمانی صاحب تکملہ (۱/ ۶۵۴ تا ۶۵۹) میں تحریر فرماتے ہیں: "**قولہ: من احتکر: الاحتکار لغۃ: احتباس الشئ انتظارا لغلائہ**"(ردالمحتار ۵/ ۲۸۲، مغنی ابن قدامہ ۴/ ۲۴۴)۔

خلاصہ کلام یہ کہ صورت مسئولہ میں احتکار حرام خاص ہے اقوات وغذائی اشیاء کے ساتھ اور اقوات کے علاوہ دوسری اشیاء احتکار حرام حاکم کی رائے کے حوالہ ہے اگر دوسری اشیاء کی......۔

۷- ملک میں جو سونا آتا ہے اس میں بڑا حصہ قانونی طریقہ پر آتا ہے، اور سونا لانے والا اس سے متعلق واجبات کو ادا کرتا ہے، دوسرا راستہ اسمگلنگ کا ہے یہ طریقہ غیر قانونی ہے اس میں سونا لانے والا ان واجبات کو ادا نہیں کرتا جو حکومت نے سونے کی درآمد سے متعلق مقرر کئے ہیں تو یہ اسمگلنگ کا عمل جائز نہ ہوگا اس طریقہ پر آنے والے سونے کا خریدنا اور پھر اس کو فروخت کرنا درست نہ ہوگا۔

۸- پلاٹین جس کو سفید سونا بھی کہا جاتا ہے اور اس کا شمار مہنگی دھاتوں میں بھی ہوتا ہے اور اس کے زیورات بھی بنائے جاتے ہیں، تو لوگوں کے عرف کو دیکھتے ہوئے یہ حقیقی سونے کے حکم میں نہ ہوگا اور عقود، نیز زکوۃ وغیرہ میں اس پر سونے کے احکام منطبق نہ ہوں گے۔

☆☆☆

سونا چاندی کی تجارت اور شرعی طریقہ کار

ڈاکٹر مولانا محی الدین غازی فلاحی☆

تمہید:

موجودہ دور میں سوق منظّم کا تصور عام ہوا ہے، اس سوق میں تداول کی خصوصیت یہ ہے کہ متداول بہ شیء کسی مخزن میں رہتی ہے اور لوگوں کے درمیان اس کا لین دین ہوتا رہتا ہے، معاصر فقہاء نے سوق منظّم کے تداول کو قبض حکمی میں شمار کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سوق منظّم میں لین دین گوکہ کاغذ اور کمپیوٹر پر ہوتا ہے، لیکن اس کے نتیجہ میں بائع کا حق تصرف مکمل طور سے مشتری کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔ ہر چیز ریکارڈ میں ہوتی ہے، اور سارے ریکارڈ کی نگرانی حکومت کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس کا امکان نہیں کے برابر ہوتا ہے کہ بائع کسی شئ کو فروخت کرنے کے بعد بھی اس پر کسی طرح کا تصرف کرسکے۔ سوق منظّم کی مثال بینک اور اسٹاک ایکسچینج ہیں۔ آن لائن رقم ٹرانسفر کردینے کے فوراً بعد اس رقم پر سے رقم کے مالک کا تصرف ختم ہوجاتا ہے، اسی طرح آن لائن شیئرز کی فروخت کے بعد فوراً ہی ان شیئرز پر سے شیئرز کے مالک کا تصرف ختم ہوجاتا ہے۔

یہ وضاحت ضروری ہے کہ محض بائع کے رجسٹر یا کمپیوٹر میں ریکارڈ رکھنے سے سوق منظّم کے احکام لاگو نہیں ہوسکتے ہیں، کیونکہ اگر مکمل طور پر حکومتی سطح کی نگرانی نہیں ہو، تو ریکارڈ رکھنے کے باوجود، بائع فروخت شدہ شیء میں تصرف کرسکتا ہے۔ سونے چاندی اور دھاتوں کی خرید وفروخت کے بازاروں کے سلسلے میں یہ کہنا بہت مشکل اور تحقیق طلب ہے کہ ان میں سوق منظّم کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ اور یہ کہ وہاں ہونے والا تبادل قبض حکمی کی تعریف میں شامل ہوسکتا ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد مذکورہ سوالوں کے جوابات پیش ہیں:

۱- الف- یہ درست نہیں ہوگا، کیونکہ ایسا کرنا بیع صرف کے ضابطے کے خلاف ہوگا۔

ب- کسی مارکیٹ میں متعین نرخ سے کم یا زیادہ قیمت پر سونا یا چاندی خریدا اور بیچا جاسکتا ہے، بلکہ مختلف جنس کی کرنسی بھی خریدی اور بیچی جاسکتی ہے، یہ معاملہ تسعیر کے باب کے تحت تو آسکتا ہے، ربا تفاضل کے باب میں نہیں آئے گا۔ ربا تفاضل تو اس وقت ہوگا جب سونے کے عوض سونا لیا جائے، لیکن سونے کو اگر کسی کرنسی کے عوض لیتے ہیں تو اس کا وہ حکم ہوگا جو سونے کو چاندی کے عوض لینے کا ہے، یعنی اس میں ربا نسیئہ کی بات تو آسکتی ہے اگر مجلس میں تقابض نہ ہو، لیکن ربا تفاضل کا کوئی محل نہیں ہے۔

☆ ممبر مجمع فقہاء الشریعۃ (امریکہ)، عمید کلیۃ القرآن الجامعۃ الاسلامیہ شانتاپرم (کیرلا)۔

۲- الف، ب-اجرت کی یہ شکل درست نہیں ہے، کیونکہ اس میں غرر کثیر ہے، اجرت متعین ہونا چاہئے، اس کے علاوہ دوسری دھاتوں کی آمیزش کی وجہ سے جو سونا بچ جائے وہ یا اس کی قیمت اصل مالک کو لوٹانا ضروری ہے۔ ہاں ذرات کے سلسلے میں رعایت کی جاسکتی ہے کہ وہ کاریگر کو عرف عام کے تحت دے دیا جائے۔ لیکن اس کی حیثیت ہبہ کی ہونا کہ اجرت کی۔

ویسے اب میری معلومات کی حد تک اجرت کی سوال میں مذکور صورت رائج نہیں ہے۔ زیورات بنانے کا سارا کام متعین اجرت کی بنا پر ہوتا ہے۔

۳- جن لوگوں کے نزدیک ربا تفاضل جائز نہیں ہے، ان کے نزدیک یہ صورت بھی جائز نہیں ہوگی۔

۴- الف، ب: اگر ہر خریدار کے لئے اس کی خریدی ہوئی مقدار کا سکہ الگ سے موجود ہو اور اس کو کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں اس کے نام سے درج کر دیا گیا ہو تو اس اندراج کو قبضہ تصور کیا جاسکتا ہے۔ اگر کئی خریداروں کا سونا ایک اینٹ میں شامل ہو، اور اس اینٹ کا اندراج رجسٹر میں ہو تو وہ بھی قبضہ کے تحت مانا جاسکتا ہے، لیکن اس کے لئے سب سے بنیادی شرط یہ ہے کہ قانونی لحاظ سے اس قدر سونے پر سے بائع کا تصرف یکسر ختم ہو جائے، اور خریدار یا اس کے وکیل کا تصرف قائم ہو جائے۔

ایسا قبضہ اسی وقت تصور کیا جاسکتا ہے جبکہ ایسا سوق منظّم میں ہو۔ سوق منظّم سے مراد ایسی مارکیٹ ہے کہ جہاں بیچنے والے کا قانونی تصرف اس پر سے ختم ہو جائے، اور وہ چاہ کر بھی کسی اور کو نہیں بیچ سکے۔ اور خریدار کا تصرف قائم ہو جائے، اور وہ اپنا حصہ جب جس کو چاہے فروخت کر سکے۔ اسٹاک ایکسچینج اور بینک وغیرہ ایسی سوق منظّم کی مثال ہیں۔

لیکن یہ کہ سونا فروخت کرنے والا ایک ایسا ادارہ ہو جس کی ہر چیز قانون کی نگرانی میں نہیں ہو، اور وہ اپنے رجسٹر میں اندراج تو کر رہا ہو، لیکن اس اندراج کی قانونی طور پر پابندی اور نگرانی کا کوئی انتظام نہ ہو تو اس صورت میں اندراج کو قبضہ تصور نہیں کیا جاسکتا۔

واضح رہنا چاہئے کہ رجسٹر اور سسٹم میں اندراج کی صورت میں قبضہ کو فقہاء کی اصطلاح میں قبض حکمی کہا جاتا ہے، اور سونے چاندی کے سلسلے میں قبض حکمی کی اجازت اسی صورت میں ہوگی جب کہ قبض حکمی میں قبض حقیقی کے بنیادی عناصر پائے جائیں، جن میں سب سے اہم یہ ہے کہ بائع کا حق تصرف عملاً ختم ہو جائے، اور خریدار کا حق تصرف عملاً قائم ہو جائے۔

بعض رپورٹس کے مطابق دھاتوں کی خرید و فروخت کے سلسلے میں جو بازار ہیں، وہاں اس کا قوی امکان ہوتا ہے کہ معدوم اشیاء کی خرید و فروخت بھی ہو۔

۵- یہ دراصل قمار کی ایک شکل ہے، اس میں بیع صرف اور شرط تقابض سے جڑے مسائل تو اپنی جگہ ہیں ہی، جنہیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، ساتھ ہی یہ ایک طرح کا جوا ہے، جو مارکیٹ کے اتار چڑھاؤ کی بنا پر کھیلا جاتا ہے۔ یہ صورت شرعاً جائز نہیں ہے۔

۶- یہ امر قابل تحقیق ہے کہ سونے کے احتکار سے اشیاء ضروریہ کی قیمتوں پر ضرر کی حد تک اثر پڑتا ہے۔ میری رائے ہے کہ سونے کو ان اشیاء میں رکھنا چاہئے جن کی ذخیرہ اندوزی شرعاً ممنوع نہیں ہے۔

۷- تجارت کے غیر قانونی طریقے اختیار کرنے میں شرعی کراہیت بھی کسی درجے میں ضرور ہوتی ہے، خواہ وہ طریقہ فقہی نقطہ نظر سے درست نظر آتا ہو۔

۸- میری رائے ہے کہ تمام مہنگی دھاتوں کو زکاۃ کے حوالے سے سونے کے حکم میں ہونا چاہئے۔

سونا چاندی کی تجارت کے نئے مسائل

مفتی عبدالرحیم قاسمی☆

۱- الف: نوٹ کے ذریعہ سونا چاندی خریدا جائے تو وہ بیع صرف نہیں ہوگی کیونکہ صرف کے اندر ضروری ہے کہ دونوں طرف حقیقی سونا ہو یا چاندی ہو اور نوٹ کی پشت پر سونا چاندی نہیں، لہذا یہ بیع صرف نہیں ہوگی اسی لئے حقیقی تقابض فی المجلس شرط نہیں (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/۷۸)۔

نوٹ فلوس کے حکم میں ہیں اس کا نتیجہ ہے کہ ان میں تفاضل تو حرام ہے یعنی ایک کے بدلے دو لینا تو حرام ہے لیکن اگر اس کے ذریعہ سونے کی بیع کی جائے تو وہ بیع صرف نہیں ہوگی (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/۷۹)۔

علامہ سرخسی نے فرمایا ہے: "وان اشتری خاتم فضة أو خاتم ذهب فيه فص أو ليس فيه فص بكذا فلوسا وليست الفلوس عنده فهو جائز أن تقابضا قبل التفرق أو لم يتقابضا لأن هذا بيع وليس بصرف فإنما افترقا عن عين بدين لأن الخاتم يتعين بالتعيين بخلاف ما سبق فان الدراهم والدنانير لا تتعين بالتعيين فلهذا اشترط هناک قبض أحد البدلين فی المجسل ولم يشترط هنا"۔

(اگر چاندی یا سونے کی انگوٹھی جس میں نگینہ ہے یا نہیں ہے پیسوں کے بدلے خریدی اور اس کے پاس پیسے نہیں تو یہ معاملہ جائز ہے اور اگر وہ جدا ہونے سے پہلے قبضہ کرلیں یا قبضہ نہ کریں اس لئے کہ یہ بیع صرف نہیں تو وہ خاص چیز کی دین کے بدلے بیع کرنے سے علاحدہ ہوئے ہیں، اس لئے کہ انگوٹھی متعین کرنے سے متعین ہو جاتی ہے، بخلاف دراہم ودنانیر کہ وہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے اس لئے وہاں احد البدلین پر قبضہ کرنا شرط ہے اور یہاں نہیں) (المبسوط ۱۴/۲۵)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے تحریر فرمایا ہے: "علی مذهب الإمام محمد رحمه الله تعالی فإنه يجوز شراء حلی الذهب والفضه بالنقود الورقية نسيئة بشرط أن يكون بسعر يوم العقد ولا يشترط فيه التقابض بل لا يشترط قبض الحلی الحقيقی وانما يكفی تعيين الحلی لأن النقود الورقية فی حكم الفلوس فی أحكام الصرف فقط وشراء الحلی بالفلوس لا يشترط فيه التقابض"۔

(امام محمدؒ کے نزدیک سونے چاندی کے زیورات کو کاغذی نوٹوں سے ادھار میں خریدنا جائز ہے اس شرط کے ساتھ کہ عقد کے دن مارکیٹ ریٹ کے مطابق قیمت متعین کی جائے اور اس میں قبضہ کرنا شرط نہیں بلکہ زیور پر حقیقی قبضہ بھی شرط نہیں صرف زیور کو

☆ امیر مرکز دعوت وارشاد وافتاء ناظم جامعہ خیر العلوم نور محل روڈ، بھوپال۔

متعین کرنا کافی ہے، اس لئے کہ کاغذی نوٹ صرف بیع صرف کے احکام میں پیسوں کے درجہ میں ہیں اور پیسوں سے زیور خریدنے میں قبضہ کرنا شرط نہیں)(فقہ البیوع ۲/ ۷۶۳)۔

ب-بیچی جانے والی دوسری چیزوں کی دوسری قسم وہ چیزیں ہیں جن کی اکائیاں مختلف نہیں ہوتیں اور بازار کے ریٹ ان کے درمیان مختلف نہیں ہوتے اور معلوم متعین معیار کے ساتھ وہ منضبط ہوجاتی ہیں اور معاملہ کرنے والے اس معیار کو پہچانتے ہیں اور اس کے مطابق معاملہ کرنے میں غلطی ہونے اور جھگڑا ہونے کا احتمال نہیں رہتا تو اس قسم میں بازار کے ریٹ سے بیچنا جائز ہے، اس لئے کہ اس جیسے معیار منضبط کو ذکر کرنا یہ ثمن کو ذکر کرنے کے قائم مقام ہے اس میں ایسی جہالت نہیں جو جھگڑے تک پہنچادے ظاہر ہے کہ یہ قول سب سے زیادہ معتدل اور قواعد کے سب سے زیادہ موافق ہے اور یہاں دوسری چیزیں بھی ہیں جن کی قیمتیں ہر دن بلکہ بعض حالات میں ہر وقت بدلتی رہتی ہیں، جیسے سونا اور چاندی ہیں اور کمپنیوں کے حصص ہیں، لیکن یہ منضبط ہیں تاجروں کے بدلنے سے نہیں بدلتے اور ان کی قیمت وقتوں کے مطابق لکھی ہوتی ہیں تو یہ چیزیں اگر بازار ریٹ کے مطابق بیچی جائیں تو عقد کرتے وقت قیمت لگانے کے وقت کو ذکر کرنا ضروری ہے (فقہ البیوع ۱/ ۴۳۰)۔

سونے چاندی کو نوٹوں کے بدلے ادھار خریدنے کے لئے مارکیٹ ریٹ پر خریدنا شرط ہے اس سے سود کے حیلے کا دروازہ بند ہوجائے گا۔

"وأما ما يخشى من الاحتيال على الربا فی جواز النسيئة فقد ينسد بابه باشتراط سعر المثل يوم العقد كما بينا" (فقہ البیوع ۲/ ۷۴۸)۔

(سونا چاندی کو نوٹوں کے بدلے ادھار خریدنے کے عقد کے دن مارکیٹ ریٹ کی شرط لگانے سے سود کے حیلے کے اندیشے کا دروازہ بند ہوجائے گا)۔

۲- الف-سونا ان کو نہیں بیچا ہے بلکہ زیور بنانے کے لئے دیا ہے، یہ بیع نہیں عاقدین اس اجرت پر متفق ہوں تو یہ اجارہ ہے۔

ب-زیورات کے تاجروں اور زیور بنانے والے کاریگروں کے درمیان اگر یہ عرف ہو کہ زیور بنانے میں جو ذرات بچ جائیں وہی اجرت متعین ہوں اور اس میں کوئی لڑائی جھگڑا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اس طرح اجرت کا معاملہ کرنا شرعاً جائز ہے۔

۳- سونے کو سونے کے بدلے کم یا زیادہ لینا دینا سود ہے، حدیث شریف میں ہے: **"لا تبيعوا الذهب بالذهب إلا مثلا بمثل"** (رواہ مسلم ۲/ ۲۴)۔

اور سود کا لینا دینا حرام ہے، البتہ یہ کیا جاسکتا ہے کہ سونے کے پرانے زیور کو نوٹوں کے ذریعہ فروخت کردیا جائے اور ان نوٹوں میں کچھ اور زیادہ نوٹوں کو شامل کرکے سونے کا نیا زیور خریدلیا جائے تو یہ صورت جائز ہوگی۔

حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک صاحب کو خیبر پر عامل بنایا وہ خیبر سے آئے تو حضور ﷺ کے لئے کچھ جنیب کھجوریں لے کر آئے، جنیب کھجور اچھی قسم کی ہوتی ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کیا خیبر کی ساری کھجوریں ایسی اچھی ہوتی ہیں، انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ساری کھجوریں ایسی نہیں ہوتیں لیکن ہوتا یہ ہے کہ ہم دو صاع کے عوض اس قسم کی ایک صاع کھجور خریدتے ہیں یعنی عام قسم کی دو صاع کھجور دے کر اعلیٰ قسم کی ایک صاع کھجوریں لیتے ہیں تو آپ ﷺ نے

فرمایا کہ ایسا نہ کرو (دوسری جگہ فرمایا عین الربا یعنی یہ عین ربا سود ہے) بلکہ ایسا کرو کہ ملی جلی اچھی بری کو ملا کر ان کو دراہم سے بیچو پھر دراہم سے جنیب خرید لو، یعنی پہلے طریقہ کو ناجائز قرار دیا پھر اس کا متبادل جائز طریقہ بتا دیا کہ دو صاع ادنی درجہ کی کھجوریں دراہم کے عوض بیچ دو پھر ان دراہم سے جنیب خرید لو تو یہ جائز ہے کیونکہ جب دراہم سے جنیب خریدی جائے گی تو جنس مختلف ہونے کی وجہ سے تفاضل جائز ہوگا (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۶۲/۴)۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "**بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنيبا**" (مجموعی ملی جلی کھجوروں کو دراہم کے بدلے بیچ دو پھر دراہم سے جنیب خرید لو) (رواہ مسلم ۲۶/۲)۔

۴- الف: سونے کی اینٹ میں سے دوسو افراد کو پچاس پچاس گرام جو سونا بیچا گیا اس میں سے خریداروں کے حصے الگ الگ نہیں کئے گئے اور خریدار کے سپرد نہیں کئے گئے بلکہ اینٹ کی شکل میں یکجا ہیں اس لئے یہ بیع درست نہیں کیونکہ سونے کی خرید وفروخت کے لئے یہ شرطیں ہیں:

۱- یہ کہ بیع قطعی ہو اور ثمن متعین ہو مذبذب نہ ہو۔

۲- یہ کہ سونے اور خریدار کے درمیان بائع تخلیہ کر دے کہ خریدار جب چاہے اپنے سونے پر قبضہ کر لے۔

۳- یہ کہ بیچا ہوا سونا بغیر بیچے ہوئے سے علاحدہ کر دیا جائے اور وہ خریدار کے ضمان میں ہو کہ اگر ضائع ہو یا چوری ہو تو خریدار کے مال میں سے ضائع ہوگا بیچنے والے کے مال میں سے نہیں۔

"**انما تجوز هذه المعاملة بشروط تاليه**"۔

الف- "أن يقع البيع باتا ويكون الثمن متعينا غير مذبذب"۔

ب- "أن يخلي البائع بين الذهب والمشترى بحيث يمكن للمشترى أن يقبض الذهب المبيع متى شاء"۔

ج- "أن يكون الذهب المبيع مفصولا عن غير المبيع ويكون فى ضمان المشترى بحيث إن هلك أو سرق فإنه يهلك من مال المشترى وليس من مال البائع" (فتاوی عثمانی ۵۴/۳)۔

ب- صرف کمپیوٹر یا رجسٹر میں خریدار کے حصہ کو متعین ومحفوظ کرنے سے اس کا قبضہ نہیں مانا جائے گا کیونکہ مجموعہ میں غیر معین سامان وصول کرنے کا اس کو حق دیا گیا ہے اور بیچا ہوا سامان بغیر بیچے ہوئے سے عملی طور پر وصول کرنے سے پہلے علاحدہ نہیں کیا جاتا ہے، تو سپرد کرنے کے حکم ڈلیوری آرڈر کو اس صورت میں قبضہ کے لئے معتبر نہیں مانا جائے گا کیونکہ یہ مخصوص بیچی ہوئی چیز کی نمائندگی نہیں کرتا ہے یہ اس وجہ سے کہ بیچی ہوئی چیز اگر مخصوص متعین نہ ہو تو صرف کاغذ سپرد کرنے سے بیچنے والے سے خریدنے والے کی طرف اس کی ذمہ داری منتقل نہیں ہوگی اگر اس مجموعہ میں سے بعض حصہ ضائع ہو جائے تو قطعی حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ ضائع شدہ حصہ خریدا ہوا تھا یا بغیر خریدا ہوا تھا اور بیچنے والے پر واجب ہوگا کہ ضائع ہونے کے بعد باقی رہنے والے سامان میں سے خریدار کو اس کا حصہ دے اور اس میں خریدار کی ذمہ داری میں نہ آنا نشاندہی کرتا ہے کہ مبیع پر قبضہ نہیں ہوا کیونکہ قبضہ کے بعد ہی ذمہ داری منتقل ہوتی ہے اگر خریدار اس حالت میں یہ اپنا خریدا ہوا حصہ دوسرے کو بیچے تو ربح مالم یضمن ہونے کی وجہ سے جائز نہیں (دیکھئے: فقہ البیوع ۴۱۱/۱)۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مبیع پر مشتری کو قدرت حاصل ہو جائے کہ وہ اس کو آگے بیچ سکے اور جس چیز پر ابھی اس نے قبضہ ہی

نہیں کیا اس کو آگے بیچ بھی نہیں سکتا اس نہی کی علت ربح مالم یضمن ہے یعنی اگر وہ قبضہ نہیں کرے گا تو وہ مشتری کے ضمان میں نہیں آئے گی نہ آنے کے معنی یہ ہیں کہ اگر وہ ہلاک ہوجائے تو بائع کا نقصان سمجھا جائے گا لیکن اگر مشتری نے قبضہ کرلیا تو اب ہلاک ہونے کی صورت میں مشتری کا نقصان ہوگا اگر مبیع بائع کے پاس ہے اور ابھی تک مشتری کے ضمان میں نہیں آئی اور یہ ناجائز ہے، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اصل چیز ضمان میں آجانا ہے اس ضمان میں آجانے کے لئے حسی قبضہ کوئی ضروری نہیں بلکہ اگر اس نے حساً قبضہ نہیں کیا لیکن بائع نے تخلیہ کردیا تو تخلیہ کرنے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ خریدار کو قدرت دے دی ہے کہ جب چاہو اس پر قبضہ کرلینا پھر بھی اگر وہ میرے پاس ہی رہی تو بطور امانت ہوگی نہ کہ ضمان کے ساتھ کیونکہ اب ضمان بائع سے مشتری کی طرف منتقل ہوگیا تو قبضہ کا حکم بھی متحقق ہوگیا اب اگر مشتری اسے آگے فروخت کرنا چاہے تو ربح مالم یضمن نہیں لازم آئے گا (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/۱۰۰)۔

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ تخلیہ بھی قبضہ کے قائم مقام ہے، صرف کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں خریدار کا نام لکھنے سے تخلیہ متحقق نہیں ہوگا اس لئے ضروری ہے کہ دیگر بسکٹوں میں سے ایک بسکٹ علاحدہ کرکے اس کو پیکٹ وغیرہ میں بند کرکے اس پر خریدار کا نام لکھ کر الگ رکھ دیا جائے اور اس کو مطلع کردیا جائے کہ اس پر جب چاہے قبضہ کرسکتا ہے اور اب یہ بسکٹ بائع کے پاس صرف بطور امانت موجود ہے اس کا ضمان بائع کو منتقل کردیا گیا ہے اور خریدار اس کا ضمان لے تو یہ قبضہ کی شکل بن سکتی ہے (فقہ البیوع ۱/۴۱۱)۔

۵- اس بیع میں عقد کے دن کے بازاری ریٹ نرخ پر معاملہ نہیں کیا جاتا بلکہ ادائیگی والے دن کے ریٹ پر معاملہ کیا جاتا ہے، اس کی مدت اور وقت متعین نہیں اور اس وقت کیا قیمت ہوگی یہ بھی معلوم نہیں اور اس معاملہ میں سونا لینا دینا مقصود نہیں بلکہ ادائیگی کے وقت جو فرق ہوگا صرف اس کا لین دین مقصود ہے، لہٰذا شرعاً یہ بیع جائز نہیں۔

"**إن هذه الصورة أشد حرمة لأنه قد ازداد فيها محظور آخر غير الجهالة والغرر وهو أنه ليس هناک بيع حقيقي يراد به التسليم والتسلم وإنما المقصود دفع فروق الثمن فهو أشبه بالمضاربة القمارية الرائجه فى البرصات ولا يجوز بحال**" (فتاوی عثمانی ۳/۱۵۳)۔

اسی جیسے معاملہ پر عدم جواز کا حکم لگاتے ہوئے مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے تحریر فرمایا: "**الشراء على السعر المفتوح لا يجوز أصلا لأن هذا البيع فيه غرر بجهالة الثمن عند العقد فإن المراد من السعر ليس سعر يوم العقد وإنما المراد السعر الذى تنتهى إليه السوق بعد العقد إلى مدة مجهولة فلا شک فى أن هذه الجهالة مفسدة للعقد ولا يجوز البيع بهذا الطريق**" (فتاوی عثمانی ۳/۱۵۳)۔

جہاں یہ صورت ہو کہ قبضہ بالکل نہ ہو نہ لینا مقصود ہو نہ دینا مقصود ہو بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ اس طرح سٹہ بازی کرکے آپس کے ڈیفرنس کو برابر کرلینا مقصود ہو تو یہ صورت بالکل حرام ہے اور شریعت میں اس کی اجازت نہیں (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۳/۲۴)۔

۶- حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ "**لا يحتكر الا خاطئى، الجالب مرزوق والمحتكر ملعون**" (مشکوۃ)، جو سامان فروخت کرنے کے لئے بازار میں لے آئے اس کو اللہ تعالی کی طرف سے رزق دیا جاتا ہے اور جو روک کر رکھے گرانی بڑھانے کے لئے وہ ملعون ہے، یہ جو حضور ﷺ نے احتکار کو منع فرمایا اس کے معنی یہ نہیں کہ کسی بھی شخص کو کسی بھی حال میں سامان تجارت گھر میں رکھنا جائز نہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ جب عامۃ الناس کو کسی چیز کی ضرورت ہو اور وہ بازار میں نہیں مل رہی ہو ان حالات میں اگر کوئی شخص اپنے

گھر میں چھپا کر رکھے تا کہ جب گرانی بڑھ جائے تو پھر بازار میں لے جا کر فروخت کرے تو وہ ملعون ہے اور یہ احتکار حرام ہے، لیکن جب عام انسان کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو تو احتکار ممنوع نہیں، امام ابوحنیفہؒ کا یہی مسلک ہے احتکار کے بارے میں قول فیصل بھی یہی ہے کہ اس کی ممانعت اسی صورت میں ہے کہ جب کہ اس سے عامۃ الناس کو ضرر ہو پھر اس میں کلام ہوا ہے کہ احتکار کا یہ حکم صرف کھانے پینے کی اشیاء میں ہے یا دوسری اشیاء میں بھی یہی حکم ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا مشہور مسلک یہ ہے کہ احتکار کی ممانعت طعام اور اقوات بہائم میں ہے لیکن دوسری اشیاء میں احتکار ممنوع نہیں، امام ابو یوسفؒ کا ارشاد ہے کہ ہر وہ چیز جو لوگوں کی ضرورت کی ہو چاہے کھانے پینے سے متعلق ہو یا کسی بھی شئ سے متعلق ہو ہر چیز پر احتکار کے احکام عائد ہوتے ہیں، امام ابو یوسف کے قول کا حاصل یہ نکلا کہ احتکار تو ہر چیز میں ہے لیکن اس کی ممانعت انہی حالات پر ہوگی جب اس کو روک کر رکھنے سے عامۃ الناس کو ضرر پہنچے اگر ضرر نہ ہو تو احتکار ممنوع نہیں جب ضرر لاحق ہو تو اس وقت منع ہے (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/ ۹۰)۔

لیکن میرے خیال میں کھانے پینے کی چیزوں کی کمی اور فقدان کے وقت ان چیزوں کو روک کر رکھنے سے عام لوگوں کو نقصان اور ضرر لاحق ہوتا ہے، لہذا کھانے پینے کی چیزوں کو ایسے وقت روکنا منع ہوگا اور سونے کو روکنے سے عام لوگوں کو نقصان ہے کیونکہ عام لوگ نوٹوں کے ذریعہ روزمرہ کی ضروریات کا سامان خریدتے ہیں اور وہ ان کے پاس موجود ہیں جو لوگ سونے کو روک کر رکھتے ہیں اور وہ اس کی زکوۃ بھی ادا کرتے ہیں تو سونے کو روک کر رکھنے میں عام لوگوں کو ضرر و نقصان نہیں ہے، لہذا سونے کو روک کر رکھنا منع نہیں ہوگا اور احتکار ممنوع میں داخل نہیں ہوگا۔

''الاحتكار في كل ما يضر بالعامه في قول أبي يوسف وقال محمد الاحتكار بما يتقوت به الناس والبهائم'' (فتاوی عالمگیری ۳/ ۲۱۴)۔

۷- اصل یہ ہے کہ شرعاً ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے مملوک روپے سے اپنی ضروریات یا پسند کا جو مال جہاں سے چاہے خرید سکتا ہے، لہذا کسی بیرونی ممالک سے مال خریدنا یا وہاں لے جا کر بیچنا مباح ہے۔ لیکن حکومت کے احکام کی خلاف ورزی میں چونکہ بہت سے منکرات لازم آتے ہیں مثلاً اکثر جھوٹ بولنا پڑتا ہے، نیز جان و مال یا عزت کو خطرے میں ڈالنا پڑتا ہے، لہذا ان کے جائز قوانین کی پابندی کرنی چاہئے اس کے علاوہ جب کوئی شخص کسی ملک کی شہریت اختیار کرتا ہے تو وہ قولاً یا عملاً معاہدہ کرتا ہے کہ وہ اس حکومت کے قوانین کا پابند رہے گا اس معاہدہ کا تقاضہ بھی ہے کہ جب تک حکومت کا حکم معصیت پر مشتمل نہ ہو اس کی پابندی کی جائے، اسمگلنگ کا معاملہ بھی یہی ہے کہ اصلاً باہر کے ملک سے مال لے کر آنا یا یہاں سے باہر لے جانا شرعی اعتبار سے جائز تو ہے لیکن چونکہ حکومت نے اس پر پابندی لگا رکھی ہے اور اس پابندی کی خلاف ورزی میں مذکورہ مفاسد پائے جاتے ہیں اس لئے علماء نے اس سے منع فرمایا ہے اور اس سے اجتناب کی تاکید کی گئی ہے (فتاوی عثمانی ۳/ ۹۰)۔

۸- جواہر اور موتیوں کے بھی زیورات بنائے جاتے ہیں اور وہ بہت قیمتی ہوتے ہیں اس کے باوجود علماء نے جواہر اور موتیوں کو سونے کے درجہ میں نہیں مانا اور ان پر زکوۃ کو فرض نہیں کیا **''لا زكوة في اللآلي والجواهر وإن ساوت ألفافي نسخة الوفا إلا أن تكون للتجارة''** (درمختار علی ہامش ردمحتار ۲/ ۱۴)۔

اس لئے عقود اور زکوۃ وغیرہ میں پلاٹین کو سونے کے حکم میں نہیں مانا جا سکتا۔

سونا چاندی کی تجارت سے متعلق سوالات کے جوابات

قاضی محمد ذکاء اللہ شبلی☆

۱- الف: چاندی کے سلسلہ میں اس وقت اہل علم کا رجحان یہ ہے کہ اس کی حیثیت ایک دھات کی ہوگئی ہے (اس کی گرتی قیمت اور حکومت کی نظر میں ثمن نہ ہونے کی بنا پر) اس لئے اس میں ادھار کی بیع وشراء درست ہونی چاہئے۔

ب-ضرورت منداپنی ضرورت کے تحت مارکیٹ MC کے طے شدہ قیمت سے کم یا زیادہ پر اگر بیچتا خرید تا ہے تو جائز ہوگا، اس لئے موجودہ حالت میں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ زیور کہاں سے آیا کیسے خریدا، آمدنی کے حساب وکتاب اور دیگر سرکاری مراحل کی الجھن سے بچنے نیز بازار جانے اور سیل ٹیکس والوں کے ناروا چنگل سے بچنے اور دیگر زحمت اور وقت کی بربادی کو ذہن میں رکھتے ہوئے کم قیمت پر صاحب مال بیچ رہا ہو تو خریدنا جائز ہوگا۔

۲- الف: اجارہ کی صورت تصور کی جائے گی۔

ب: اجرت کی یہ شکل چونکہ مروج بھی ہے، لہذا باہمی رضامندی سے یہ طے ہو تو درست ہوگا۔

۳- دونوں قسم کے سونے میں اگر حقیقی فرق ہو تو جائز ہے۔

۴- چونکہ وعدہ کے تحت اس کا اس قدر حصہ طے ہے اس لئے جائز ہوگا۔

۵- کافی سمجھا جائے گا۔

۶- بیع کی یہ صورت جائز نہیں۔

۷- احتکار کے زمرہ میں نہیں آئے گا۔

۸- شرعی اعتبار سے درست ہے، البتہ ملکی معاہدہ کے تحت مناسب نہیں۔

☆☆☆

☆ دار القضاء، مسجد چھوٹی گوال ٹولی، اندور (ایم پی)۔

سونا چاندی کی تجارت سے متعلق اہم مسائل

مولانا عبدالحمید قاسمی دیناجپوری☆

۱- روپے سے سونا چاندی خریدنے کو بیع صرف کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟

کافی بحث وتحقیق کے بعد اکثر مفتیان کرام کی تحقیقی رائے یہی ہے کہ روپے یا کسی بھی کرنسی کے ذریعہ سونا چاندی کے خرید وفروخت پر بیع صرف کا اطلاق نہیں ہوگا لہٰذا بیع صرف کے احکام اس پر لاگو نہیں ہوں گے۔

الف: اگر روپے سے سونا یا چاندی خریدی جائے تو ایک نقد اور دوسرا ادھار درست ہے فقہ کی تمام کتابوں میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ وہ فلوس جن میں سونے یا چاندی کی مقدار کم ہو اور کھوٹ زیادہ ہو تو ان کو عروض کے درجے میں رکھا جائے گا اور اس میں بیع صرف کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔ حالانکہ ان میں سونا یا چاندی کی ایک مقدار ہوتی ہے پھر کاغذی نوٹ جن پر سونا چاندی کا ایک حبہ بھی نہیں ہوتا کس طرح بیع صرف کے احکام لے سکتے ہیں (تکملہ فتح الملہم ۱/۵۸۶)۔

(ب) بائع اور مشتری باہمی رضامندی سے اصل مارکیٹ سے کم وبیش ثمن مقرر کرسکتے ہیں اس پر ربا تفاضل کا اطلاق نہ ہوگا اپنی رضامندی سے ثمن طے کرنا بائع اور مشتری کا حق ہے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: "**ولا ينبغي للسلطان أن يسعر على الناس لقوله عليه السلام لا تسعروا فإن الله هو المسعرا لقابض الباسط الرازق**" (الہدایہ ۴/۴۷۲، بدائع الصنائع ۵/۱۶۸)۔

۲- زیورات بنانے کے دوران زیورات سے گرنے والے ذرات کو اجرت قرار دینا:

زیور بنانے والے کاری گر کی حیثیت اجیر کی ہے اسے زیور تیار کرنے پر جو مزدوری دی جاتی ہے اس کا متعین ہونا ضروری ہے صورت مسئولہ میں سنار کے لئے بچنے والے ذرات کی مقدار بھی متعین نہیں اس لئے یہ اجرت مجہولہ ہے دوسری بات کہ زیور بنانے میں وہ دوسری دھاتوں کی کتنی مقدار اس میں ملائے گا یہ بھی طے نہیں، ایسے میں نزاع کا اندیشہ ہے، بلکہ واقعہ بھی ہے سنار اس بات کی کوشش کرے گا کہ سونے کے زیادہ سے زیادہ ذرات گرے اور اس میں دوسری دھاتوں کی آمیزش کردی جائے بہتر ہے کہ یہ طے کردیا جائے کہ سونے کی اصل مقدار باقی رہے گی اور اس میں لگنے والے دھات اور زیور بنانے کی اجرت الگ سے طے کیا جائے گا۔

☆ ادارہ فیض القرآن محمود چوک ٹھکری باڑی، ضلع اتر دیناجپور مغربی بنگال۔

۳-سونا چاندی کے پرانے زیورات کے عوض نئے زیورات لینے میں کمی زیادتی کرنا:

خرید وفروخت یا تبادلہ کی یہ صورت قطعاً ناجائز ہے حدیث مشہور کے بموجب یہ عین ربوا ہے اتحاد جنس وقدر کی صورت میں ربوا نسیئہ اور ربوا تفاضل دونوں ہی ناجائز ہیں، لیکن موجودہ دور میں اس کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے لوگ پرانے زیورات کے بدلے نئے ڈیزائن کے زیورات خریدتے ہیں اس لئے اس ضرورت کے تحت جواز کی یہ صورت اپنائی جاسکتی ہے کہ، مثلاً پچاس گرام پرانے زیورات کے بدلے اگر ۴۵ گرام سونے کے نئے زیورات دئے جاتے ہیں تو اولاً پرانے زیورات کی قیمت طے کرلی جائے اوراس قیمت پر نئے زیورات لے لئے جائیں پھر روپے کے بجائے سنار کو پرانے زیورات ہی دے دئے جائیں۔اس حیلے سے مقصد بھی حاصل ہوجائے گا اور سودی لین دین سے بھی نجات مل جائے گی۔

۴-سونے کی اینٹ سے مختلف لوگوں کا ایک متعین مقدار خریدنا:

(الف) بیع کی مذکورہ صورت درست ہے مشترک مال میں کئی لوگ شریک ہوسکتے ہیں فقہاء نے عبد مشترک اوراس میں متعدد لوگوں کے حصوں کا تذکرہ کتب فقہ میں کیا ہے رہی بات قبضے کی تو اس کی کوئی متعین شکل نصوص میں موجود نہیں ہے، قبضہ کو عرف پر چھوڑ دیا گیا ہے، عرف عام میں جس کو قبضہ سمجھا جائے وہ شرعاً قبضہ کہلائے گا نیز اشیاء کے اختلاف سے قبضے کی شکلیں بھی بدل جاتی ہیں، فقہاء نے حسی قبضہ کو ضروری قرار نہیں دیا ہے بلکہ قبضے کی تعریف میں توسع سے کام لیا ہے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے تخلیہ کو قبضہ قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بائع نے مشتری کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں رکھی ہے بلکہ اسے تصرف پر پورا اختیار دے دیا ہے بہ الفاظ دیگر مبیع مشتری کے ضمان میں داخل ہوچکی ہے کہ اب اگر وہ ضائع ہوجائے تو بائع اس کا ذمہ دار نہ ہوگا۔فقہائے کرام نے قبضے کے مفہوم میں اسی وسعت سے استفادہ کرتے ہوئے چند شرائط کے ساتھ کمپنی کے شیئرز خریدنے کو درست قرار دیا ہے حالانکہ وہ حصہ ایسا نہیں کہ شیئر ہولڈر کمپنی میں جاکر اپنا حصہ وصول کرلے اوراس پر قبضہ کرلے، ایسا کرنا تو ممکن ہی نہیں، لہٰذا اصل حصے کے مالک بننے کا مطلب یہ ہے کہ اس حصے کے فوائد اور نقصانات، اس حصے کی ذمہ داریاں اوراس کے منافع کا ذمہ دار بن گیا۔قاضی خاں تحریر فرماتے ہیں: **"أجمعوا علی ان التخلیه فی البیع الجائز تکون قبضا"** خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے: **"ان بالتخلیه یقع القبض وإن کان المعقود علیه یبعد عنها"** (خلاصۃ الفتاوی ۳/۸۹، مستفاد فقہی مقالات ۱/۱۵۴)۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ: **"یجوز بیع العقار قبل القیض عند أبی حنیفه وأبی یوسف إلی ان قال ولا غرر فیه لأن الهلاک فی العقار نادر بخلاف المنقول والغرر المنهی عنه غرر الانفساخ والحدیث معلول ای بغرر انفساخ العقد فیما قبل القبض بهلاک المعقود علیه فیکون مخصوصاً بالمنقول"** (ہدایہ ۳/۷۴)۔جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث میں قبضہ سے پہلے بیع وشراء کی ممانعت فسخ کے اندیشے کی بنیاد پر ہے اور جہاں یہ احتمال نہ ہو وہاں بیع درست ہوگی۔" **وقال شیخ الإسلام العلامه تقی العثمانی" ثم القبض عرفه الفقهاء بعبارات مختلفه فجاء فی القوانین الفقهیه لابن جزی القبض عبارة عن حیاز ة الشئی والتمکن منه سواء کان ممایمکن تناوله بالید أولم یکن**

وقال الكا ساني معنى القبض التخلي وارتفاع الموانع عرفا وعادة''(فقہ البیوع رص ۳۹۷) **وفي موضع آخر- قال العلامه الكاساني أي يخلي البائع بين المبيع والمشتري برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتري من التصرف فيه**'' (فقہ البیوع رص ۳۹۸، وہکذا قال: خالد سیف اللہ رحمانی فی جدید فقہی مسائل ۴ر ۲۱۹)۔

لہٰذا بیع کی مذکورہ صورت درست ہے اور جب مشترک اینٹ میں ایک متعین مقدار کی بیع درست ہے تو اگر خریدار کے حصے کو سکہ یا بسکٹ کی شکل میں الگ کر دیا جائے تو اس کی بیع وشراء بدرجہ اولیٰ درست ہوگی، دراصل شریعت نے قبضے کی کوئی شکل متعین نہ کر کے بڑا احسان کیا ہے اس کا مدار عرف پر رکھنے کی وجہ سے کافی سہولتیں پیدا ہوگئی ہیں (جدید فقہی مسائل ۴ر ۲۱۵)۔

۵- محض نرخ کی کمی بیشی سے لین دین کرنا:

سوال نامے میں مذکورہ بیع کی صورت دراصل بیع ہی نہیں ہے نہ تو حقیقتاً یہاں مبیع ہے نہ ثمن، نہ مشتری سونے پر قبضہ کرتا ہے نہ بائع ثمن پر بس بھاؤ میں کمی بیشی سے جو فرق آتا ہے اس کا سودا کر لیتے ہیں، اس فرضی معاملے میں ایک تو ثمن مجہول ہے دوسرا اس میں غرر اور خطر بھی ہے اس لئے یہ قمار کی ایک شکل ہے اس کے جواز کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

۶- اشیاء خورد ونوش کے علاوہ کیا باقی چیزوں پر بھی احتکار کا اطلاق ہوگا:

کائنات کی ہر چیز کا اصل مالک تو اللہ تعالیٰ ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: ''**لله ما في السموات ومافي الأرض**'' (سورۂ بقرہ: ۲۸۴)، اس لئے اسے ہی ان چیزوں پر تصرف کا اختیار ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے عارضی طور پر انسان کو بھی مالک بنا کر انہیں تصرف کرنے کا اختیار دیا ہے مگر اس کے ساتھ ہی اسے مطلق آزاد نہیں چھوڑا کہ اصل مالک کو کوئی اختیار ہی نہ ہو اسی اصول کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر بعض پابندیاں عائد کی ہیں۔

احتکار کے معنی ذخیرہ اندوزی یعنی روک کر رکھ لینا ہے حدیث میں مطلقاً احتکار سے منع کیا گیا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا مال بازار میں لاکر فروخت کرنے والوں کو دعا دی ہے اور روک کر رکھنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ اللہ کی رحمت سے دور ہے۔ فرماتے ہیں: ''**لا يحتكر الا خاطي**''، نیز فرمایا: ''**الجالب مرزوق والمحتكر ملعون**'' (نصب الرایہ ۴ر ۲۶۱)، حدیث میں اگرچہ کسی خاص چیز کا ذکر نہیں ہے کہ اس کا احتکار منع ہے لیکن فقہاء نے انسانوں اور جانوروں کے اشیاء خورد ونوش پر اس کا اطلاق کیا ہے اور مخصوص حالات میں اسے ناجائز قرار دیا ہے مثلاً لوگوں کو ذخیرہ اندوزی سے سخت مشکلات کا سامنا ہو اور تاجر اپنا مال زیادہ نفع خوری کی لالچ میں بازار میں نہ لائے پھر ممانعت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مال اس کا ذاتی نہ ہو اور نہ اس نے دوسرے شہر سے برآمد کیا ہو اگر وہ اناج یا چارہ خود اس کے کھیت کا ہے یا اس نے دوسرے شہر سے اس کو برآمد کیا ہے تو پھر اس پر ممانعت کا اطلاق نہیں ہوگا امام اعظم ابوحنیفہؒ کا یہی قول ہے۔

لیکن احناف میں سے امام محمد، امام ابو یوسفؒ نے اس میں عموم رکھا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ احتکار صرف اشیاء خورد ونوش کے ساتھ خاص نہیں، ہر وہ چیز جو لوگوں کی ضرورت ہو چاہے کھانے پینے سے متعلق ہو یا کسی بھی شئی سے متعلق اس پر احتکار کے احکام عائد

ہوتے ہیں، امام ابو یوسفؒ کے قول کا حاصل یہ نکلا کہ احتکار تو ہر چیز میں ہے، لیکن اس کی ممانعت انہیں حالات میں ہوگی جب اس کو روکے رکھنے سے عامۃ الناس کو ضرور پہونچے اگر ضرر نہ پہونچے تو احتکار ممنوع نہیں ہے (عمدۃ القاری ۸/۴۱۶)۔

حدیث کا اطلاق، ممانعت احتکار کی وجوہات اور پھر امام ابو یوسف کا قول سامنے رکھا جائے تو یہی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ سونا کی ذخیرہ اندوزی بھی احتکار کے دائرے میں آئے خصوصاً موجودہ حالت میں جبکہ کاغذی نوٹوں پر سے لوگوں کا اعتماد اٹھتا جارہا ہے اور سونا جو کہ ثمن خلقی ہے پھر معیشت میں فیصلہ کن مقام حاصل کرتا جارہا ہے، اس کی قیمتوں میں کمی بیشی کا اثر دیگر تمام اشیاء پر ظاہر ہوجاتا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ دیتے ہوئے سونے کو بھی احتکار کے دائرے میں لایا جائے۔

۷- اسمگلنگ اور اس راہ سے آنے والی چیزوں کی خرید وفروخت کا حکم:

شریعت نے ہر شخص کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنے مملوک روپے سے اپنی ضرورت اور پسند کا سامان باہمی رضامندی سے جس سے اور جس قیمت پر بھی چاہے خریدے، لہٰذا اگر جھوٹ یا کسی دوسرے گناہ کا ارتکاب نہ کرنا پڑے تو اس راہ سے آنے والی چیزوں کی بیع وشراء درست ہے کیونکہ بیع کی تعریف کی گئی ہے مبادلۃ المال بالمال بالتراضی صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: **"البیع ینعقد بالایجاب والقبول إذا کانا بلفظی الماضی"**(ہدایہ ۴/۱۸)۔

(ب) لیکن اس میں جان ومال اور عزت وآبرو کو خطرے میں ڈالنا پڑتا ہے، لہٰذا ملکی قوانین کی پابندی کرنی چاہئے، جب کوئی شخص کسی ملک کی شہریت حاصل کرتا ہے تو وہ قولاً یا عملاً یہ معاہدہ کرتا ہے کہ وہ اس حکومت کے قوانین کا پابند رہے گا، اس معاہدے کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ جب تک حکومت کا حکم گناہ پر مشتمل نہ ہو اس کی پابندی ضروری ہوگی۔ لہٰذا چونکہ حکومت نے اسمگلنگ پر پابندی لگا رکھی ہے اور اس پابندی کی خلاف ورزی میں بہت سے مفاسد ہیں، اس لئے علماء نے اس سے منع فرمایا ہے اور اس سے اجتناب کی تاکید کی گئی ہے (فی الدر المختار تجب اطاعۃ الامیر فیما لیس بمعصیۃ ۲/۱۷۲)۔

"وقریباً منه فی ردالمحتار (۵/ ۲۵۹) وفی بحوث فی قضا یا فقهیه معاصرة (ص:۱۶۶) کل من یسکن دولة فإنه یلتزم قولا وعملاً بانه یتبع قوانینها وحنیئذ یجب علیه اتباع احکامها"۔

۸- کیا پلاٹین یا دیگر دھاتوں کو سونا کا حکم دیا جاسکتا ہے؟

سونا چاندی اثمان اصلیہ یا خلقیہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا ہی ثمن بننے کے لئے کیا ہے، ان کا ثمن بننا اور ان میں حرمت تفاضل وحرمت نسیئہ ہونا نص حدیث سے ثابت ہے: **"لاتبیعوا الذهب بالذهب إلا سواء بسواء والفضة بالفضة إلا سواء بسواء"** (صحیح بخاری حدیث: ۲۱۷۵)، اگر عرف ان کی ثمنیت کو ختم کرنا چاہے، تو بھی ان کی ثمنیت ختم نہیں ہوگی، اس لئے فقہاء کا اتفاق ہے کہ حدیث میں مذکورہ اشیاء کی جو حیثیت متعین کردی گئی ہے وہ ہمیشہ باقی رہے گی، ان کے علاوہ باقی چیزوں میں عرف کا اعتبار ہوگا مثلاً سیب بعض علاقوں میں کیلی ہے اور بعض میں عددی اس میں ان علاقوں کے عرف کا اعتبار ہوگا چنانچہ جہاں کیلی ہے وہاں

ایک کیلوسیب کے بدلے دوکلوسیب خرید فروخت کرنے کی اجازت نہ ہوگی اور جہاں عددی ہے وہاں ربا کی دونوں علت قدر وجنس میں سے ایک کے نہ ہونے کی وجہ سے کمی زیادتی درست ہوگی۔

سونا چاندی کے علاوہ دوسری چیزیں جن کورواج کی وجہ سے یا کسی قانون کے ذریعہ ثمن بنادی گئی ہیں ان کوثمن اعتباری یا ثمن عرفی کہا جاتا ہے ان کوثمن خلقی قرار دینے کا کوئی راستہ نہیں کیوں کہ نصوص سے صرف سونا چاندی میں بیع صرف کا اطلاق ہوتا ہے اگر دوسری چیزوں کوثمن خلقی قرار دیا جائے تو اس میں اضافہ لازم آتا ہے۔

اس تفصیل کے بعد اب پلاٹین کے متعلق مندرجہ ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں۔

سونا چاندی کے علاوہ دوسری چیزیں مثلاً پلاٹین اگر عرف یا قانون کے ذریعہ ثمنیت کا درجہ حاصل کرلے تو اس پر ثمن عرفی یا اعتباری کا اطلاق ہوگا اور کرنسی نوٹوں کے احکام اس پر لاگو ہوں گے لیکن مکمل طور پر سونے کے احکام اس پر لاگو نہیں ہوں گے۔ مثلاً سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے اور چاندی کا ساڑھے باون تولہ اگر پلاٹین کو ثمنیت کا درجہ مل جائے تو نصاب زکوٰۃ کے لئے ساڑھے سات تولہ یا ساڑھے باون تولہ معتبر نہ ہوگا بلکہ عروض تجارت کی طرح اس کا بھی حکم وہی ہوگا۔

☆☆☆

سونا چاندی سے متعلق مسائل

مفتی محمد مقصود فرقانی ☆

الف- چونکہ سونا و چاندی اور نوٹ کی قیمت عرف عام میں مترادف ہے اس لئے اس بیع کو بیع صرف تصور کیا جائے گا اور اس میں ایک نقد ہو اور دوسرا ادھار تو یہ بیع درست نہیں ہے، کیونکہ نوٹ ثمن کے حکم میں ہے اور ثمن پر بیع صرف کے احکام جاری ہوں گے۔

ہدایہ رص ۸۸ پر ہے: "الصرف هو البيع إذا كان كل واحد من عوضيه من جنس الأثمان- والثمن عند الحرب ما كان دينا في الذمة" اور رص ۶۴ پر ہے: "وعقد الصرف ما وقع على جنس الأثمان يعتبر فيه قبض عوضيه في المجلس"۔

ب- سونے اور چاندی کی جو قیمت سونے چاندی کی مارکیٹ نے مقرر کی ہے یا حکومت نے مقرر کی ہے اس میں کمی و زیادتی رباہوگی۔

۲- الف: مذکورہ صورت میں سونے کے لین دین میں مقدار کا جو فرق آرہا ہے اسے اجارہ تصور کیا جائے گا اور سونار کو الگ سے اجرت لینی چاہئے۔

ب- سونار کو زیورات کے بچے ہوئے ذرات اجرت میں نہیں لینا چاہئے، بلکہ ان ذرات کی قیمت متعین کی جائے اور وہی قیمت اجرت قرار دی جائے۔

۳- یہ صورت بھی جائز نہیں ہے بلکہ اس کے جواز کی شکل یہ ہے کہ پرانا زیور فروخت کیا جائے اور اس کی قیمت سے دوسرا زیور خرید لیا جائے۔

۴- الف، ب: یہ صورت بھی خرید و فروخت کی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ مفضی الی المنازعۃ ہے اور جس صورت میں یہ شکل ہو وہ درست نہیں ہے اور چونکہ مذکورہ صورت قبضہ منقولہ کی ہے اور فقہاء نے منقولہ اشیاء کے لئے جو قواعد مقرر کئے ہیں وہی برقرار رہیں گے اور کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں اندراج کو قبضہ نہیں سمجھا جائے گا۔

۵- یہ صورت بھی درست نہیں ہے کیونکہ اس میں مشتری کا قبضہ نہیں ہے۔

☆ خادم دارالافتاء جامع العلوم فرقانیہ رامپور۔

۶- احتکار کا اطلاق ان چیزوں پر ہوتا ہے جن پر انسانی زندگی کا انحصار ہو سونے اور چاندی پر انسانی زندگی کا انحصار نہیں ہے، اس لئے ان پر احتکار کا حکم جاری نہیں ہوگا۔

۷- قانونی طریقے سے اس سونے کا لانا درست نہیں ہے، لیکن فی نفسہ اس سونے کا لانا جائز ہے کیونکہ وہ اپنی مملوکہ چیز کو لا رہا ہے، البتہ اسے قانون پر بھی عمل کرنا چاہئے، اور حکومت کے واجبات ادا کرنے چاہئیں۔

۸- جو چیز سونے اور چاندی کی جنس سے نہیں ہے اس پر سونے چاندی کا حکم جاری نہیں ہوگا، پلاٹین ان دونوں چیزوں کی جنس سے نہیں ہے اس لئے اس پر سونے چاندی کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

الجواب صحیح: فقط احقر محبوب علی عفی عنہ، مفتی مدرسہ ہذا

☆☆☆

سونا اور چاندی کی تجارت سے متعلق چند مسائل

مفتی عبدالمنان☆

۱- روپئے (کاغذی نوٹ) نے آج کل لوگوں کی اصطلاح میں ثمن کی حیثیت اختیار کرلیا ہے جس کو اصطلاحی یا عرفی ثمن کہا جاتا ہے، چونکہ حضور ﷺ کے زمانہ میں سونا اور چاندی ہی بطور ثمن استعمال ہوتا تھا جو درہم و دینار کی شکل میں ہوتا تھا، بعد میں درہم و دینار کا عام رواج بند ہوگیا اگرچہ بعض اسلامی ممالک میں اب بھی رائج ہے لیکن ہمارے ملک میں کاغذی نوٹ جس کو گورنر کی طرف سے تصدیق کرکے بطور ثمن قبول کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے اجبار ہے اور درہم و دینار کی جگہ آج کل کاغذی نوٹ نے لے لیا ہے، لہذا اس کو فلوس نافقہ کی طرح ثمن اصطلاحی یا عرفی کہا جائے گا، اسی وجہ سے اگر روپئے سے سونا چاندی خریدا جائے تو اس کو ثمن اصطلاحی کہا جائے گا، لیکن ثمن کی بیع ثمن سے جس کو بیع صرف کہا جاتا ہے، مگر یہاں تبدیل جنس کی وجہ سے مجلس میں قبضہ ضروری نہیں اور اس میں ادھار خرید وفروخت بھی درست ہوگی۔

الف- اگر روپئے سے سونا، چاندی خرید کیا جائے تو اس میں سے ایک نقد اور ایک ادھار بھی درست ہوگی۔

ب- سونا چاندی کا جو نرخ حکومت نے یا سونے کی مارکیٹ جیسے انٹرنیشنل سطح پر ہو کومیکس گولڈ مارکیٹ یا ہندوستان کی سطح پر یہاں کی مارکیٹ MC نے طے کیا ہو اس سے کم یا زیادہ قیمت میں خرید وفروخت بھی درست ہوگی، ربوا تفاضل کا اطلاق نہیں ہوگا۔

۲- الف: دوسری دھاتوں کی آمیزش کتنی مقدار میں ہوگی یہ طے نہیں ہے، لہذا اجرت مجہول ہونے کی وجہ سے یہ اجارہ فاسدہ ہے اور اجرت کی یہ شکل درست نہیں ہے۔

۳- عام طور پر سونے کے تاجر حضرات پرانے زیور کی قیمت کم متعین کرتے ہیں، مثلاً: دس گرام سونے کو آٹھ گرام کے درجہ میں رکھتے ہیں، تو اگر سونے کے پرانے زیور کا سونے کے نئے زیور سے تبادلہ ہو اور اس کمی کو ملحوظ رکھتے ہوئے سونے کا پرانا زیور زیادہ وزن کا لیا جائے اور سونے کا نیا زیور کم وزن میں اس کے بدلہ ادا کیا جائے تو یہ صورت درست ہوگی۔

۴- آج کل کمیوڈیٹیز ایکسچینج میں دوسری اشیاء کے ساتھ سونے چاندی کی بھی خرید وفروخت ہوتی ہے، جس میں خریدار آرڈر دیتا ہے اور جو کچھ اس نے آرڈر دیا ہے، اس کے آرڈر کے بقدر وہ شئی اس کے نام سے محفوظ کردی جاتی ہے، اس سلسلہ میں چند باتیں قابل غور ہیں:

الف: اگر سونا فروخت کرنے والے ادارے کے پاس مثلاً ایک کلو سونا ہو اور وہ دوسو افراد کو پچاس پچاس گرام سونا فروخت

☆ مفتی دارالحدیث، پرمائی، نوگاؤں، آسام۔

کرے، لیکن ان سب کا خریدا ہوا سونا سونے کی اینٹ میں شامل ہو، ان کے الگ الگ بسکٹ یا سکے نہیں بنائے تو اس کو خریدار کا قبضہ نہیں سمجھا جائے گا۔

ب: اگر خریدار کے لئے اس کی خریدی ہوئی مقدار کا سکہ الگ سے موجود ہو اور اس کو کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں اس کے نام سے درج کر دیا گیا ہو تو اس اندراج کو قبضہ تصور کیا جا سکتا ہے، کیونکہ خلاصۃ الفتاوی میں ہے کہ: "**ان بالتخلية يقع القبض وإن كان المعقود عليه يبعد عنها**" (۸۸/۳)، مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو قبضہ مانا جا سکتا ہے۔

۵- ایکسچینج کے ذریعہ کاروبار کی ایک اور صورت جو آج کل رائج ہے، یہ ہے کہ مثلاً ایک مہینے کے لئے ادھار ایک مخصوص مقدار جیسے ۱۰ تولے سونے کا سودا کر لیا جاتا ہے، خریدار سونے پر قبضہ نہیں کرتا، جب ادائیگی کی تاریخ آتی ہے تو سونے کے اس دن کے نرخ کو دیکھ لیا جاتا ہے، خرید کے دن اور ادائیگی کے دن سونے کے نرخوں میں جو فرق ہوتا ہے، اس کی ادائیگی کر دی جاتی ہے، مثلاً خرید نے کے دن سونے کا نرخ پانچ ہزار روپے فی تولہ تھا، ادائیگی کے دن پانچ ہزار ایک سو روپے تولہ ہو گیا تو خریدار بائع کو ایک سو روپے دے گا، اور اگر اس دن چار ہزار نو سو تھی تو بائع خریدار کو ایک سو روپے ادا کرے گا، نہ تو مشتری سونے پر قبضہ کرتا ہے اور نہ بائع قیمت پر قبضہ کرتا ہے، بس نرخ میں کمی بیشی سے جو فرق آتا ہے، اس کا لین دین کر لیتے ہیں تو اس صورت کی بیع ناجائز ہے چونکہ اس میں سود بھی ہے اور قبل القبض فروختگی بھی ہے، لہذا اس قسم کی بیع جائز نہیں ہوگی۔

۶- بہت سی دفعہ سونے کی قیمت میں متوقع اضافہ کا سونے چاندی کے تاجروں کو علم ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں وہ سونے کو روک لیتے ہیں؛ تاکہ قیمت بڑھنے کے بعد اسے فروخت کریں، سونا اس پہلو سے اشیاء ضروریہ میں شامل ہے کہ ثمن خلقی ہونے کے لحاظ سے وہ ذریعہ تبادلہ ہے، اس کو روک لینے کی وجہ سے سونے کی قیمت تو بڑھتی ہی ہے، اس گرانی کا اثر دوسری اشیاء پر بھی پڑتا ہے، سونے کی یہ ذخیرہ اندوزی اور گرانی فروشی کے لئے روکے رکھنا جبکہ یہ اشیاء ضروریہ میں شامل ہیں اور اس کے روکنے کی وجہ سے جب دوسری اشیاء میں بھی گرانی ہوتی ہے تو یہ احتکار کے دائرہ میں آنا چاہئے۔

۷- ملک میں جو سونا آتا ہے، اس میں بڑا حصہ تو قانونی طریقہ پر آتا ہے، اور سونا لانے والا اس سے متعلق واجبات کو ادا کرتا ہے، دوسرا راستہ اسمگلنگ کا ہے، یہ طریقہ غیر قانونی ہے، اس میں سونا لانے والا ان واجبات کو ادا نہیں کرتا، جو حکومت نے سونے کی درآمد سے متعلق مقرر کئے ہیں، یہ اسمگلنگ کا عمل جائز نہیں ہوگا کیونکہ اگر پکڑا گیا تو بے عزتی ہوگی اور حدیث میں ہے کہ: "**لا ينبغي للمؤمن أن يذل نفسه**" اور اس کی خرید و فروخت بھی کراہت سے خالی نہیں ہوگی۔

۸- آج کل 'پلاٹین' کو سفید سونا کہا جاتا ہے، اب اس کا شمار مہنگی دھاتوں میں ہوتا ہے، اور اس کے زیورات بھی بنائے جاتے ہیں، اب اس پلاٹین کو حقیقی سونا کے حکم میں لانے کی کوئی وجہ خاص نہیں نظر آتی، صرف قیمتی ہونا اور زیور بنانے اور لوگوں کا منہ بولا سونا کہنے سے وہ حقیقی سونے کے حکم میں نہیں ہو سکتا، نیز عقود اور زکوۃ میں اس پر سونے کے احکام بھی جاری نہیں ہوں گے۔

☆☆☆

سونا چاندی کی تجارت سے متعلق مسائل کا شرعی حل

مفتی نثار احمد گودھروی ☆

۱- الف- حضرات حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک بیع صرف کی تعریف درج ذیل ہے۔

ثمن یا زر کے مقابلہ میں ثمن یا زر کی خرید وفروخت خواہ دونوں جنس ایک ہو یا مختلف ہو۔

لیکن باب صرف میں دونوں جانبوں میں ثمن سے مراد ثمن خلقی ہے یعنی سونا اور چاندی خواہ سونا یا چاندی کسی بھی شکل میں ہو درہم یا دینار یا سونے چاندی کا برتن یا زیور یا ڈلی ہو۔

لھذا اگر کسی ایک جانب یا دونوں جانبوں میں عوضین ثمن عرفی ہو مثلا کرنسی نوٹ یا فلوس تو اس کو بیع صرف نہیں کہا جائے گا اور اس پر صرف کے احکام جاری نہ ہوں گے۔

علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

”وشرعًا بيع الثمن بالثمن اى ماخلق للثمنية ومنه المصوغ جنسا بجنس و بغير جنس“۔

فقہائے احناف کی تصریحات سے یہ بات صاف طور پر سامنے آتی ہے کہ بیع صرف کے لئے ثمن کا ہونا کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ وہ ثمن خلقی ہو البتہ ثمن خلقی کسی بھی شکل میں ہوسکتا ہے، البتہ عدم تعین کے لئے کسی ایک شئی کا صرف ثمن ہونا کافی ہے۔

”فتاوی دارالعلوم“ زکریا میں ہے:

کاغذی نوٹ یعنی مروجہ کرنسی ثمن حقیقی نہیں ہے بلکہ ثمن عرفی ہے، لہذا اس کی تجارت میں بیع صرف کے احکام جاری نہ ہونگے بنا بریں اُدھار خرید وفروخت جائز ہے ہاں عوضین میں سے کسی ایک پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے تاکہ بیع الدین بالدین لازم نہ آئے (دارالعلوم زکریا جلد ۵)۔

جدید معاملات کے شرعی احکام میں ہے۔

سونے یا چاندی اس طرح فروخت کرنا کہ مثلاً سونے کے زیورات خرید لے اور رقم کچھ ابھی دے دی اور کچھ بعد میں دینے

☆ مفتی جامعہ رحمانیہ گودھرا، گجرات۔

کا وعدہ کیا یا کل رقم ادھار ہے، شرعاً اس کا حکم یہ ہے کہ چونکہ کاغذی نوٹ کے ذریعہ سے سونے چاندی کا لین دین بیع صرف کے حکم میں داخل نہیں ہے اس لئے ادھار خرید وفروخت جائز ہے۔ شرط یہ ہے کہ عوضین میں سے کسی ایک پر مجلس عقد میں قبضہ ہو جائے تاکہ بیع الکالی بالکالی لازم نہ آئے (جدید معاملات کے شرعی احکام ۱/۸۲۱)۔

''احسن الفتاوی'' میں ہے:

رائج نوٹ اور سکے سونے چاندی کے حکم میں نہیں، نہ ہی سونے چاندی کی رسید ہے لھذا ان سے بیع ذہب وفضہ بہر کیف جائز ہے تفاضل اور نساء بھی جائز ہے (احسن الفتاوی ۶/۸۱۵، فتاوی حقانیہ ۶/۴۲۱)۔

مولانا تقی عثمانی صاحب ''فقہ البیوع'' میں فرماتے ہیں:

''ثم إن الدراهم المضروبة بالفضة والدنانير المضروبة بالذهب يجرى فيها الصرف بالإجماع فإن بيعت بجنسها وجب التماثل والتقابض وإن بيعت بغير جنسها لم يجب التماثل ولكن وجب التقابض۔

اما الأثمان العرفيه او الإصطلاحية المسكوكة بغير الذهب والفضة مثل الفلوس فاختلف الفقهاء فى حكمها۔ ثم إن الائمة الحنفية بالرغم من اختلافهم المذكور فى جواز التفاضل فيها كلهم متفقون على ان بيع الفلوس بالفلوس صرفًا ومن هذه الجهة أفتى بعضهم بانه لا يجب فيها التقابض فى المجلس بل يشترط ان يقع بين احد البدلين فى المجلس لئلا يلزم الافتراق عن دين بدين۔

فالحاصل أنه إن بيعت الفلوس بجنسها يشترط التقابض لا لكونه صرفًا بل لوجود احد علتى الربا وهو الجنس أما إذا بيعت بخلاف جنسها جاز بقبض احد البدلين فى المجلس ولم يجز بدون ذالک'' (فقہ البیوع ۲/۶۱۷)۔

حاصل کلام یہ نکلتا ہے کہ موجودہ کرنسی کے ذریعہ سونے اور چاندی کی خرید وفروخت بیع صرف نہیں ہے اس لئے بدلین پر قبضہ ضروری نہیں بلکہ احد البدلین پر قبضہ کافی ہے۔

ب-سونا اور چاندی کا جو نرخ حکومت نے مقرر کیا ہے اس کی مخالفت کرتے ہوئے نرخ کے ذریعہ کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، اس سے سود لازم نہیں آئے گا اس لئے کہ سونا اور چاندی ثمن حقیقی اور خلقی ہے جب کہ آج کی کرنسی ثمن عرفی ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ کرنسیاں جنس کے اعتبار سے مختلف ہو تو کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ جائز ہے اور اس کمی زیادتی کی شرعاً کوئی حد مقرر نہیں بلکہ فریقین کی باہمی رضامندی پر موقوف ہے البتہ اس پر تسعیر کے احکام جاری ہوں گے نیز حکومت کے قانون کی خلاف ورزی لازم آئے گی اور عزت نفس ضروری ہے اگر عزت نفس کا خطرہ ہو تو ایسا کام نہیں کرنا چاہیے، لیکن اس زیادتی کو سود کہہ کر حرام کہنا درست نہیں اور اس پر ربوا الفضل کا اطلاق نہ ہوگا (فقہی مقالات ۱/۴۰، فتاوی دار العلوم زکریا ۵/۵۴۳، زر کا تحقیقی مطالعہ از ڈاکٹر مولانا عصمت اللہ صاحب کراچی)۔

۲- الف: زیور بنانے والے کاریگر زیورات کے تاجروں سے ایک متعین وزن میں سونا لیتے ہیں اور چند دنوں کے بعد اس کے بدلہ سونے کے زیورات واپس کرتے ہیں سوال کی عبارت سے یہ مسئلہ اجارہ کا معلوم ہو رہا ہے۔ اس لئے کہ کاریگروں کو الگ سے

اجرت نہیں دی جاتی۔ اس صورت میں کاریگر اجیر ہے اور اس کو اپنے کام کی اجرت ملتی ہے اس لئے زیورات بنانے میں جو ذرات (چھچھت) بچ جائے اس کا اعتبار کرتے ہوئے اجرت طے کی جاسکتی ہے۔ البتہ ذرات کو (چھچھت) اجرت کا جزؤ (حصہ) نہیں بنایا جاسکتا ہے کیونکہ ذرات میں کمی بیشی ہوتی ہے اور اجرت مجہول ہونے کی صورت میں اجارہ درست نہیں ہوتا۔

آثار وروایت سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوتی ہے سونے کے تیار زیور کو زائد سونے کے عوض میں اور چاندی کے تیار زیور کو زائد چاندی کے عوض میں فروخت کرنا درست نہیں اگر چہ اس اضافے کو مزدوری کا نام دیا جائے اور مزدوری کے طور پر لیا جائے، مزدوری کی بہتر صورت یہ ہے کہ نقد رقم لے لی جائے (اعلاء السنن)۔

ب-البتہ زیور بنانے میں جو ذرات نکلتے ہیں اگر کاریگر اس کی امانت داری کے ساتھ شرح بتادے اور کاریگر سے متعین شرح کے ساتھ مثلا ایک تولہ کے زیور بنانے میں بطور اجرت ایک ماشہ ذرات سونے کے دئے جائیں گے تو پھر اس طرح جبکہ اجرت معلوم ومتعین ہوجائے یہ ذرات کا اجرت کی شکل میں لینا درست ہوگا۔ اگر کاریگر اپنے پاس سے زیور بنا کر تاجر کے پاس سے پورا سونا لیتا ہے تو اگر چہ اس میں کچھ کھوٹ ملی ہوئی ہوتی ہے لیکن مغلوب ہوتی ہے اس لئے اس کا وہی حکم ہوتا ہے جو خالص سونے کا ہوتا ہے چونکہ اس میں دونوں طرف سونا ہے لھذا یہ بیع صرف ہوئی تو اسمیں تقابض فی المجلس اور برابری بھی ضروری ہوگی (زرکا تحقیقی مطالعہ از ڈاکٹر مولانا عصمت اللہ صاحب کراچی)۔

۳- سونے کا پُرانا یا نیا زیور بشرطیکہ اس میں سونا غالب ہو خالص سونے کے حکم میں ہے۔ اگر اس کا آپس میں تبادلہ ہو تو کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا درست نہیں۔ البتہ اگر پرانے زیور کی قیمت سوناراور تاجروں کے عرف وعادت اور تعامل میں کم شمار ہوتی ہو تو اس صورت میں پہلے پرانے زیور کی ان کی عرف وعادت کے اعتبار سے قیمت لگا کر اس قیمت سے نیا زیور خریدنا درست ہوگا اور لین دین میں جو قیمت کے اعتبار سے کمی زیادتی ہوگی وہ آپس میں سمجھ لی جائیگی۔

خلاصہ یہ کہ زیورات کے تاجروں کے عرف وعادت اور تعامل کے پیش نظر پرانے زیور کم قیمت میں اور نیا زیور مارکیٹ قیمت کے اعتبار سے بیچنے کا معمول ہو تو یہ صورت درست ہوگی (زرکا تحقیقی مطالعہ از ڈاکٹر مولانا عصمت اللہ صاحب کراچی)۔

۴- الف: سونا خریدنے والا اگر کمپنی کو آڈر دیتا ہے اور ثمن کی ادائیگی نہیں کرتا تو یہ صورت بیع الدین بالدین کی بنتی ہے، لہذا یہ ناجائز ہے۔

البتہ اگر سونا ثمن کی ادائیگی کے ساتھ خریدا گیا ہے تو یہ سونا اگر مشترکہ اینٹ میں شامل ہوتا ہے اور اس کا الگ سے قبضہ نہیں پایا جاتا ہے بلکہ اس کے اکاونٹ میں تحریر کردیا جاتا ہے پھر جب وہ خریدار اُسے آگے کسی شخص کو فروخت کرتا ہے تو اس وقت اگر اسے نفع ہو تو صرف نفع واپس کیا جاتا ہو اور نقصان ہو تو اس سے وہ نقصان طلب کرلیا جاتا ہے بلکہ کاغذی طور پر اس کے اکاونٹ میں منتقل کر دی جاتی ہے اور آخر میں نفع اور نقصان برابر کردیا جاتا ہے۔ تو اس طرح فقط اکاونٹ میں منتقل کرنا قبضہ شمار نہ ہوگا۔

واضح رہے شرعی اعتبار سے ثمن (سونا چاندی) اور دوسری اجناس کی تعیین میں یہ فرق ہے کہ دوسری اجناس اشارے یا علامتوں سے متعین ہوسکتی ہیں لیکن ثمن چاہے حقیقی ہو یا عرفی اس وقت تک متعین نہیں ہوتا جب کہ اس پر کوئی شخص خود یا اپنے نمائندے

کے ذریعہ قبضہ نہ کرے۔

ب-اگرخریدار کے لئے خریدا ہوا سونا سکے کی شکل میں الگ سے موجود ہو اور کمپیوٹر ریکارڈ رجسٹر میں اس کے نام سے درج کر دیا گیا ہو تو فقط اندراج کرنا قبضہ کے لئے کافی نہ ہوگا بلکہ خود خریدار کا یا اس کے وکیل کا قبضہ کرنا اور انہیں تحویل میں لینا ضروری ہوگا۔الثمن لایتعین بالتعین بل یتعین بالقبض (فتاوی عثمانی ۱۵۷/۳،زرکا تحقیقی مطالعہ از ڈاکٹر مولانا عصمت اللہ صاحب کراچی)۔

۵- کاروبار کا یہ طریقہ جس میں سونے پر نہ مشتری کا قبضہ ہوتا ہے اور نہ بائع قیمت پر قبضہ کرتا ہے فقط قیمت کی کمی بیشی میں جو فرق آتا ہے اس کا لین دین کرتے ہے کاروبار کی یہ شکل بالکل ناجائز اور حرام ہے کیونکہ اس صورت میں یہ بیع الکالی بالکالی لازم آرہا ہے جو احادیث کی رو سے ممنوع ہے۔" **عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ نهی عن بیع الکالی بالکالی**"(زرکا تحقیقی مطالعہ از ڈاکٹر مولانا عصمت اللہ صاحب کراچی)۔

۶- احتکار شریعت میں اشیاءِ ضروریہ کو خرید کر اس طرح روک کر رکھنے کا نام ہے جس سے اہل شہر کو مشقت ہو اور ان کے لئے باعث ضرر بنیں۔یہ گرانی اس لئے ہو کہ مارکیٹ گراں ہوگا تب فروخت کرینگے تو یہ گناہ ہے اور اگر اس لئے ہو کہ قحط پڑنے کے بعد مال بازار میں لائیں گے تب تو یہ سنگین گناہ ہے۔

احتکار کا دائرہ:

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ اور فقہاءِ شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں احتکار صرف غذائی اشیاء میں ہوگا۔دوسرا رجحان یہ ہے کہ احتکار ان تمام چیزوں میں ہوگا جن کو روکنے سے عوام الناس کو ضرر لاحق ہو۔

جمہور علماء کے یہاں احتکار اور ذخیرہ اندوزی کا تعلق غذائی اشیاء کے ساتھ ہے اور وہ اس شرط کے ساتھ کہ جس سے اہل شہر کو مشقت اور ضرر لاحق ہو اور جمہور کا مذہب مفتی بہ ہے جس پر علامہ شامیؒ نے فتوی دیا ہے۔

"**قال فی در المختار : وکره احتکار قوت البشر والبهائم فی بلد یضر بأهله. وفی الشامی والتقید بقوت البشر قول أبی حنیفة و محمدؒ وعلیه الفتوی**"(شامی ۹/۵۷۶)۔

"فقہ البیوع"میں ہے:

"**وخصّ معظم الفقهاء النهی بالأقوات وعلف الدواب إن أضر ذالک بأهل البلد**"(فقہ البیوع ۸۹۹/۲)۔

اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے سونا اور چاندی کی ذخیرہ اندوزی احتکار کے دائرہ میں نہیں آتی۔

البتہ زیادہ مقدار میں احتکار کرنے سے اس کی گرانی کا اثر دوسری اشیاء پر پڑتا ہو اور اس سے عوام الناس کو حد سے زیادہ مشقت اور ضرر لاحق ہوتا ہو تو حضرت امام ابویوسفؒ اور امام مالکؒ کے قول کے مطابق وہ احتکار کے دائرہ میں آسکتا ہے۔

"**وعن أبی یوسفؒ أنه ممنوع فی کل ما أضر بالعامة وهو مذهب المالکیه**" (فقہ البیوع ۸۹۹/۲)۔

"وفی رد المحتار : وعن أبی یوسف کل ما اضر بالعامة حبسه فهو احتکار" (شامی ۹/۱۷۵)۔

۷- اسمگلنگ کا طریقہ غیر قانونی طریقہ ہے، اگرچہ شرعًا کسی بیرونی ملک سے مال خریدنا اور وہاں لے جا کر بیچنا مباح اور جائز ہے لیکن اس سے ملک کے احکام کی خلاف ورزی لازم آتی ہو اور بہت سے منکرات اور مفاسد مثلاً جھوٹ بولنا، جان مال اور عزت کو خطرے میں ڈالنا وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ اس لئے علماء نے اس کو منع کیا ہے۔ اس کے علاوہ جب کوئی شخص کسی ملک کی شہریت اختیار کرتا ہے تو وہ قولاً اور عملاً یہ معاہدہ کرتا ہے کہ وہ اس حکومت کے قوانین کی پابندی کریگا اس معاہدے کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ جب تک حکومت کا حکم معصیت پر مشتمل نہ ہو اس کی پابندی کی جائے۔ اس لئے اس غیر قانونی طریقہ پر عمل کرنا بہتر معلوم نہیں ہوتا اس سے بچنا ہی اولی ہوگا (فتاوی عثمانی ۳/۱۹)۔

۸- سونا اور چاندی یہ ثمن حقیقی ہے اور اللہ تعالی نے اس کو ثمن کا درجہ دیا ہے، پلاٹین کا شمار اگرچہ مہنگی دھاتوں میں ہوتا ہے اور اس کے بھی زیورات بنائے جاتے ہیں اور لوگ اس کو عرف میں سونے کی طرح سمجھتے ہیں، لیکن اس کے باوجود پلاٹین کو اصلی سونے کا درجہ نہیں دیا جا سکتا ہے اور عقود اور زکوۃ وغیرہ میں سونے کے احکام اس پر منطبق نہیں ہو سکتے، البتہ اس پر عروض کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

☆☆☆

سونا چاندی کی تجارت شرعی تناظر میں

مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی ☆

۱- الف: صورت مسؤلہ میں یہ بات جائز نہیں ہوگی کہ سونا چاندی اور روپے میں سے ایک نقد ہو اور دوسرا ادھار۔ اس لئے کہ بیع صرف میں ادھار جائز نہیں ہے، بلکہ نقد ہونا، فوراً فوراً ادا کرنا ضروری ہے۔

ب: صورت مسؤلہ میں ثمن میں تفاوت جائز ہے، یعنی بائع اور مشتری کے مابین ثمن کے سلسلہ میں تفاوت جائز ہے۔

۲- الف: سونے کے لین دین میں مقدار کا جو یہ فرق ہو رہا ہے، اسے اجارہ ہی تصور کیا جائے گا، لیکن سونے میں دیگر دھاتوں کی آمیزش کی مقدار کا متعین ہونا بھی لازم ہے تاکہ تراشیدہ سونے کی متعین مقدار بطور اجرت طے سمجھی جائے اور جہالت باقی نہ رہے، معاملہ واضح ہونا ضروری ہے۔

ب- کہ زیورات کے بنانے میں جو ذرات بچ جائیں، اسی اجرت قرار دینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، جب کہ مقدار بھی متعین ہو، جہالت نہ ہو۔

۳- مذکورہ صورت میں جو تفاوت اور تفاضل ہے جائز نہیں ہے، نیز نئے اور پرانے سونے میں بھی برابری اور فوری طور پر لین دین میں ادائیگی ضروری ہے، عام طور پر معاملات میں نئے اور پرانے سونے میں لین دین میں فرق ضرور کیا جاتا ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے۔

۴- الف خریداری کے وقت جو رسید دی جاتی ہے، اس کو قبضہ شمار کیا جائے گا۔

ب- صورت مسؤلہ میں ہر خریدار کے لئے اس کی خریدی ہوئی مقدار کا سکہ الگ سے موجود ہو اور اس کو کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں اس کے نام سے درج کر دیا گیا ہو تو اس اندراج کو قبضہ کے لئے کافی تصور کیا جائے گا۔

۵- صورت مسؤلہ میں جو معاملہ مذکور ہے وہ بیع صرف کے خلاف ہے لہذا اس صورت میں ادھار کا معاملہ درست نہیں ہے، یعنی اس بیع میں سونے پر قبضہ بھی نہیں ہے، لین دین میں فوری طور پر ادائیگی بھی نظر نہیں آتی، لہذا یہ بیع صرف کے خلاف معاملہ ہے جو جائز نہیں ہے۔

☆ استاذ ومفتی جامعہ دار السلام، عمر آباد۔

۶- اشیاء ضروریہ کی ذخیرہ اندوزی جائز نہیں ہے لیکن سونے کی ذخیرہ اندوزی کے سلسلہ میں اہل علم کے مابین اختلاف کے باوجود مناسب قول جواز کا ہے، اس لئے کہ یہ احتکار کے باب میں داخل نہیں ہے جیسا کہ فتاوی اللجنۃ الدائمۃ میں بھی یہ فتوی ہے:

"یجوزشراء الذهب بعملة اخرى غير الذهب يدا بيد وادخاره وبيعه بعد باقل او اكثر من سعره الماضى ولا يعتبر ذلک کنزا منهيا عنه" (فتاوی اللجنۃ الدائمۃ ۱۳/ ۴۸۳)۔

۷- صورت مسؤلہ میں مذکورہ طریقہ یعنی خلاف قانون (اسمگلنگ کے راستہ سے لین دین) سونے کا لین دین جائز نہیں ہوگا، بلکہ ہر شہری کو چاہیے کہ وہ ملک کے قوانین کا پاس ولحاظ رکھے، غیر قانونی حرکات وسکنات سے اجتناب کرے۔

۸- پلاٹین حقیقی سونے کے حکم میں نہیں ہے، عام طور پر لوگ زیب وزینت یا زیبائش کے طور پر خریدتے ہیں اور اسے محفوظ کرتے ہیں، اور اس پر سونے کے احکامات (عقود، نیز زکوۃ وغیرہ میں) جاری نہیں ہوں گے بلکہ زیادہ سے زیادہ اگر کوئی مال تجارت کے طور پر خریدے یا بیچے تو اس پر مال تجارت کے احکام مرتب ہوں گے، زکوۃ بھی واجب ہوگی۔

☆☆☆

سونے چاندی کی تجارت سے متعلق مسائل

مفتی ظہیر احمد کانپور

۱- الف- روپیہ ثمن اصطلاحی ہے اور سونا ثمن خلقی ہے دونوں الگ الگ جنس کے درجہ میں ہیں، اس لئے روپے سے سونے کی خرید وفروخت کو بیع صرف نہیں کہا جائے گا، لہذا ایک کو نقد یا ادھار خرید اجاسکتا ہے (دیکھئے: فتاوی محمودیہ ۲۴/۲۶۱)۔

ب- سونے یا چاندی کا جو نرخ حکومت نے یا سونے کی مارکیٹ وغیرہ مثلاً کومیکس گولڈ مارکیٹ یا MC وغیرہ نے طے کیا ہو اس سے کم زیادہ میں بیچنے میں بھی کوئی ربوا الفضل لازم نہیں آئے گا، اسی وجہ سے مختلف جگہوں پر مختلف ریٹ ہوتے ہیں، اسی ضابطے سے ثمن اصطلاحی کا تبادلہ ثمن خلقی سے ہورہا ہے، حتی کہ ایک ثمن اصطلاحی کا تبادلہ تفضلا دوسرے ثمن اصطلاحی سے بھی جائز ہے، جیسے روپئے کہ بیع ڈالر سے یا ریال و درہم وغیرہ (دیکھئے فتاوی محمودیہ ۲۴/۲۶۶-۲۶۸۸)۔

۲- الف: دونوں شکلوں میں شرعا اس طرح کا معاملہ درست نہیں۔

اگر بیع بھی تصور کیا جائے تو پھر سونے کی بیع سونے سے تفضلا ناجائز ہے اگر اسمیں کوئی دوسری دھات ملائی بھی جائے گی تو وہ نصف سے کم ہی ہوگی اور وہ شرعا سونے ہی کے حکم میں ہوگی، تو دونوں طرف سونا ہوگیا اور کمی زیادتی کے ساتھ ہوگا جو جائز نہ ہوگا۔

البتہ اگر پہلے سونے کو کاریگر الگ سے خریدے اور پھر زیور بنا کر دوبارہ اتنی قیمت پر فروخت کردے تو یہ جواز کی شکل ہوجائے گی، ڈائریکٹ اس طرح کا معاملہ کرنا درست نہ ہوگا۔

ب- اجازہ کی شکل میں محمول کرنا بھی درست نہیں، قفیز طحان اور مقدار متعین نہ ہونے کی صورت میں جہالت کی وجہ سے اجرت مجہول ہوگی۔

۳- اگر نئے اور پرانے زیورات کی قیمت مستقل روپے میں متعین کردی جائے اور پھر نئے پرانے زیورات کو خریدا، بیچا جائے تو اس کی شرعا اجازت ہوگی چونکہ پھر یہ بیع سونے کی روپے کے ساتھ ہوگی، سونے کی بیع سونے کے ساتھ نہ ہوگی، جو ناجائز ہے، لیکن ڈائریکٹ پرانے سونے کو نئے سونے کے ساتھ کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز نہ ہوگا۔

جیسا کہ حدیث میں خراب اور اچھی کھجوروں کے تفاضلا تبادلہ سے منع فرمایا گیا لیکن خراب کھجوروں کو بیچ کر پھر اچھی کھجوروں کو خریدا جائے تو درست ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے طریقہ بتایا۔

۴- اس مسئلہ کا تعلق قبضہ سے متعلق بحث سے بظاہر بیع قبل القبض معلوم ہوتی ہے حنفیہ کے یہاں اشیاء منقولہ میں بیع قبل القبض درست نہیں، لیکن اگر قبضہ کا حکم عرف و عادت کے مطابق تسلیم کرلیا جائے اور محض کسی چیز کے نقصان وغیرہ کے ہونے پر وہ اپنے کو

ضامن تسلیم کر لے یعنی کوئی شخص اگر کسی چیز کو اپنے قبضہ میں تسلیم کر کے اس کے Risk کا ذمہ دار ہو جائے تو یہی اس کا قبضہ ہے، تو پھر ایسی صورت میں ''الف'' اور ''ب'' دونوں شکلوں کے جواز میں کوئی شبہ نہ ہوگا، آج کل اسی طرح لوگ انٹرنیٹ پر سودے کرتے ہیں اور اس میں کوئی نزاع نہیں ہوتا ہے تو اس کو قبضہ مانا جانا چاہئے۔

۵ - اس کا حکم بھی جواز کا ہوگا، بشرطیکہ اس میں کوئی شکل مفضی الی النزاع نہ بنے سارے قاعدے اور ضابطے بالکل واضح ہوں۔

۶ - سونے کی ذخیرہ اندوزی بظاہر احتکار کے دائرہ میں نہیں آتی لیکن اس کا بیجا اثر اگر کھانے پینے کی ضروری اشیاء پر بھی پڑنے لگے تو پھر یہ احتکار کے حکم میں ہوگا۔

۷ - اسمگلنگ سونے کی قانونا منع ہے، قانون میں تغیر ہوتا رہتا ہے آج منع ہے کل اجازت ہو جائے، اس کا امکان ہے، لیکن شریعت کا حکم دائمی ہے، یہ جائز ہے، بشرطیکہ اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کا خیال رکھا کرے ورنہ مال کی خاطر اپنی عزت و آبرو کو خطرہ میں ڈالنا کوئی دانشمندی نہیں، حفظ مال پر حفظ العزۃ کا مقام مقدم ہے، شرعا بھی اور عقلا بھی۔

۸ - پلاٹین کو حقیقی سونے کا درجہ شرعا نہیں دیا جا سکتا ہے، اور نہ اس پر سونے کے احکام کا انطباق ہوگا، اگر اس کی قیمت چاندی کے نصاب کے بقدر ہو جائے گی تو وہ صاحب نصاب مانا جائے گا، اور سال گذرنے پر زکوۃ ادا کرنا لازم ہو جائے گا۔

☆☆☆

چوتھا باب

اختتامی امور

سونے چاندی سے متعلق کاروبار کے مسائل

مولانا عتیق احمد بستوی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میں دو باتیں مناقشے سے پہلے عرض کرنا چاہتا ہوں، کئی سوالات اس میں اٹھائے گئے ہیں اور سارے سوالات اہم ہیں، اس وقت جو کاروبار چل رہا ہے، سونے چاندی کا ان مروجہ کاروبار کے تعلق سے سوالات ہیں اور کچھ اصولی سوالات ہیں کہ کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت اصلاً کیا ہے؟ آپ کو معلوم ہے کہ کرنسی نوٹ کو مکمل طور پر سونے یا چاندی کا قائم مقام قرار دینا یہ بھی ایک نقطہ نظر ہے اور کئی عرب علماء اور بعض اکیڈمیوں نے اس کا فیصلہ کیا ہے اور برصغیر کے علماء اور اصحاب افتاء کی اکثریت اب تک اسی کی قائل ہے کہ اسے مکمل طور پر سونے چاندی کا حکم نہیں دیا جائے گا، یعنی صرف کے احکام اس پر جاری نہیں ہوں گے، یہ بڑا اہم موضوع ہے، اسی ضمن میں یہ مسئلہ بھی آتا ہے کہ یہ جو بار بار ہم تذکرہ میں لاتے ہیں اور کتابوں کے اندر بھی ہے کہ سونا اور چاندی یہ ثمن خلقی ہیں، تو کیا اس کے بارے میں کوئی نص موجود ہے، اگر مسئلہ منصوص ہے تو اس کا انکار نہیں ہوسکتا، انکار کرنے کی گنجائش نہیں ہے اور اگر مسئلہ منصوص نہیں ہے تو دو رائے ہوسکتی ہے، اور احکام پر غور کیا جاسکتا ہے، یہ نکتہ ان دونوں کا ثمن خلقی ہونا، نہ ہونا اس بارے میں نصوص میں کوئی چیز ہو صراحۃً ہو اشارتاً ہو، اس کو ہمیں ضرور دیکھنا چاہئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ علت ربوا کے تعلق سے جو ہم گفتگو کرتے ہیں کتب فقہ میں جو ہم طلباء کو پڑھاتے ہیں تو حنفیہ کے یہاں علت ربوا کیل مع الجنس یا وزن مع الجنس یا دونوں کو جمع کرکے قدر مع الجنس ہم ذکر کرتے ہیں، فقہاء نے اس کو لکھا ہے، ثمن کے علت ربوا ہونے کی بات امام محمدؒ کے قول سے...... کے بارے میں مسئلہ آتا ہے، لیکن آج جو صورت حال ہے، علماء جس طرح مسئلہ پر غور کررہے ہیں تو پوری دنیا میں تقریباً گویا ثمنیت کو ایک علت ربوا قرار دیا جارہا ہے، امام شافعیؒ کے یہاں علت ربوا ثمنیت اور طعمیت ہے، ثمن کو ثمنیت کی علت ربوا قرار دیتے ہیں، تو لیکن مجھے یاد پڑتا ہے کہ شاید ان کے یہاں بھی وہ علت ناقصہ ہے، غیر متعدیہ ہے، اس میں تعدی نہیں ہوگی، پھر آج جو صورت حال ہے، علماء جس انداز سے گفتگو کررہے ہیں، اور مباحث فقہیہ، نیز ادارے، اکیڈمیاں سب نے گویا کرنسی کو (جو آج کاغذ کے نوٹ ہیں یا جیسے بھی نوٹ ہوں) ان کو ہم جنسی کی صورت میں تفاضل و کمی بیشی کو ربوا قرار دے رہے ہیں، اس کی ضرورت ہے کہ ہم جب فقہ پڑھائیں اپنے طلبہ کو تو نئے رجحانات، نئی چیزیں بھی طلبہ کے سامنے رکھیں، تاکہ ہمارے طلبہ بصیرت کے ساتھ ان معاملات میں تیار ہوں، تو یہ موضوع اور یہ نکتہ بہت اہم ہے۔

ایک سوال زیورسازی کے بارے میں ہے کہ سونے چاندی کے زیورات کے لئے سونا و چاندی کاریگر کے حوالے ہوجاتا ہے، اور وہ اس سے سونے وچاندی کا زیور بنا کر لاتا ہے، الگ سے کوئی اس کی اجرت طے نہیں ہوتی ہے، جو ذرات زیورسازی میں نکلتے ہوں گے اسی کو گویا اس کی اجرت مان لیا جاتا ہے، اس کو اجارہ کہیں کہ بیع کہیں، جو معاملہ چل رہا ہے وہ یہ ہے معاملہ کی صورت

درست ہے یا نہیں، آپ کو طے کرنا ہے کہ جو صورت حال چل رہی ہے اور جو مروج ہے ابھی کہ الگ سے کوئی اجرت نہیں سونا اسی مقدار میں دیا گیا، لیا گیا، آپ نے سونا آدھا کلو، ایک کلو، دس کلو حوالے کیا، اور بنے ہوئے زیورات سنار سے لیا یا کاریگر سے، یہ سمجھا گیا کہ جو اسمیں ذرات نکلے تو وہی ذرات اس کی اجرت ہے، محنتانہ ہے، معاملہ کی یہ صورت درست ہے کہ نہیں، اگر درست نہیں ہے، گنجائش نہیں ہے تو کیا شکل ہوسکتی ہے؟ ایسی کیا تبدیلی ہوسکتی ہے جس سے یہ معاملہ شرعاً درست ہوجائے، یہ ایک اہم سوال ہے اس کے بارے میں بھی انشاء اللہ آپ فیصلہ کریں گے۔

پرانے زیورات کے بدلے میں نئے زیورات خریدنا یہ مسئلہ بھی آپ کے ان مسائل میں سے ہے جو زیر بحث ہے، تو ظاہر ہے کہ اس کا حل بھی آسان اور اس کا راستہ بتانا بھی آسان ہے، پرانے زیورات کو آپ بیچ کر نئے زیورات خرید لیجئے، سیدھا مسئلہ ہے، ڈائیریکٹ جب خریداری ہوگی تو وہاں شرعی محظور لازم آئے گا، ممانعت کی بات پائی جائے گی، تو سارے مسائل جو زیر گفتگو ہیں ان میں کئی مسائل تجارت کے ہیں......وغیرہ کے ہیں آپ حضرات مسئلے کے ان پہلوؤں کو جواب تک سامنے نہیں آسکے ہیں اس پر اظہار خیال فرمائیں گے، ایک بات میں ضرور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ جو عرض پیش کیا گیا ہے یا تلخیص مقالات جو آپ کے پاس پہنچی ہے اگر اس میں کسی کی رائے غلط نقل ہوگئی ہو تو باقاعدہ اس کو لکھ کر دے دیں اس لئے کہ عرض اور یہ تلخیص مقالات مجلّہ میں کتابی صورت میں شائع ہوتی ہے، اس میں بھی اس طرح کی کچھ غلطیاں ہیں، اس کی تصحیح بہت ضروری ہے آپ باقاعدہ لکھ کر کے کاغذ پر دیجئے کہ عرض میں یا تلخیص میں یہ خامی ہے، اس کی تصحیح کردی جائے، اشاعت سے پہلے پہلے۔ میں سب سے پہلے مولانا اختر امام عادل صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مناقشے کا آغاز کریں۔

مولانا اختر امام عادل قاسمی صاحب:

مجھے صرف دو باتیں عرض کرنی ہے، ایک عرض کے تعلق سے اور ایک مسئلہ کے تعلق سے، عرض کے تعلق سے یہ کہنا ہے کہ تلخیص اور عرض میں تعارض ہے، سوال نمبر ۲ میں زیور بنانے کی صورت میں جو ذرات بچ جاتے ہیں وہ اس کو اجرت کہیں گے یا بیع؟ اس سلسلہ میں تلخیص میں تین رجحانات نقل کئے گئے ہیں اور عارض نے سوال ۲ میں ۹ رجحانات نقل کئے ہیں، بلکہ دس کہا جائے، دسواں رجحان یہ ہے کہ کوئی رجحان نہیں ہے، اور دلچسپ بات یہ ہے کہ چوتھا رجحان بھی میرا ہے، اور ساتواں رجحان بھی میرا، عرض کے سلسلہ میں یہی بات مجھے کہنی تھی، دوسری بات ہے مسئلہ کے تعلق سے سوال نمبر ۱۱ اس زمانے کا بہت اہم ترین مسئلہ ہے، اس لئے کہ جب کرنسی نوٹوں کا رواج شروع ہوا تو یہ دنیا کے اور علماء کے سامنے ایک نیا مسئلہ تھا، مگر چونکہ اس کو وثیقہ اور دستاویز کی حیثیت دی گئی تھی اس لئے علماء کو آسان یہ معلوم ہوا کہ اس کو اثمان تابعہ سمجھ کر فلوس پر قیاس کرلیں، چونکہ فلوس بھی اثمان تابعہ ہیں اور کرنسی بھی اثمان تابعہ ہیں، لیکن ادھر بیس پچیس سالوں سے جو معاشی دنیا میں تبدیلیاں اور انقلابات آئے ہیں اور ان کی بنیادوں پر تقریباً تمام ہی ماہرین معاشیات کا بشمول مفتی تقی عثمانی صاحب کا اس پر اتفاق ہوچکا ہے کہ یہ اثمان مستقلہ ہیں، اثمان تابعہ نہیں ہیں اسی لئے ہمارے وہ قدیم فتاوی جو پہلی کتابوں میں لکھے جاتے تھے اس میں بہت سارے تبدیل ہوچکے ہیں، اس میں ایک فتوی جس میں یہ ہے کہ اگر فلوس پر یہ قیاس کیا جانا صحیح ہو تو فلوس کے بارے میں فقہاء نے یہ صراحت کی ہے کہ ایک فلس کی بیع دو کے بدلے تفاضل کے ساتھ جائز ہے

چونکہ وہ عددی ہیں اور عددی چیزیں اموال ربویہ میں داخل نہیں ہیں اس لئے ان میں تفاضل جائز ہے، اس کا تقاضا یہ تھا کہ اگر دس روپے کو چینج کرایا جائے یعنی باہم کرنسیوں میں آپس میں تبادلہ ہو، ایکسچینج کیا جائے تو اس میں بھی کمی بیشی جائز ہونا چاہئے چونکہ فلوس پر ہم نے قیاس کیا ہے، لیکن تقریباً ہماری فقہ اکیڈمی نے بھی اس سے پہلے یہی فیصلہ کیا ہے اور دوسری جگہوں پر بھی فیصلہ ہو چکا ہے، کہ آپس میں تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں ہے، ایک ملک کی کرنسیوں کا تبادلہ باہم تفاضل کے ساتھ جائز نہیں ہے، البتہ غیر ملکی کرنسی سے تبادلہ جائز ہے اس لئے کہ اختلاف جنس پایا جاتا ہے، تو وہاں پر ہم نے اس کو بیع صرف مان کر کے تفاضل کو ناجائز قرار دیا ہے، دوسری طرف ہم نے وہی پرانی چیز باقی رکھی ہے جب سونے چاندی کو خریدنے کے لئے ہم جاتے ہیں تو ہم اس کو فلوس مان کر کے اس کو ہم عددی چیز مان لیتے ہیں اور شیخین کا جو مشہور مسلک ہے اس کے مطابق فتوی دے دیتے ہیں کہ تفاضل جائز ہے، اور ادھار جائز ہے چونکہ یہ اموال ربویہ میں داخل نہیں ہے لیکن حضرت امام محمدؒ کے قول کو اگر سامنے رکھا جائے اور اس کے مطابق جس طرح ہم نے دوسری جگہوں پر تبدیلیاں کی ہیں اگر اس مسئلہ پر بھی ہم غور کریں تو میرے خیال سے یہ مناسب ہوگا۔

مولانا ابوالمکارم صاحب:

ابھی مولانا عتیق احمد صاحب نے پہلا نکتہ اٹھایا تھا کہ سونے یا چاندی اثمان خلقی ہیں یا نہیں؟ اس پر دلیل ہے کہ نہیں؟ اس پر یہ دلیل سمجھ میں آتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں جو چیزیں بحیثیت اثمان رائج تھیں، وہ ہمیشہ اثمان ہی شمار ہوں گی، اس لئے کہ نبی پاک ﷺ کے زمانے میں رائج عرف پر حضرات فقہاء نے نص کا حکم لگایا ہے، لہذا بعض حضرات کا یہ کہنا کہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، اس نکتہ پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی صاحب:

یہ مسئلہ ابھی جو آپ فرمارہے ہیں یہ دلیل نہیں ہے یعنی سونے اور چاندی کے خلقی ثمن ہونے کے تعلق سے کوئی اور واضح چیز ہوتا بتائیں، یہ تو آپ استنباط کررہے ہیں کہ ایسا لگتا ہے۔

مولانا عبدالرشید صاحب کانپور:

بات ثمن کی نہیں، کیلی اور وزنی کی ہے، آپ ﷺ کے زمانے میں جو کیلی رہی وہ قیامت تک کیلی رہے گی جو وزنی رہی وہ وزنی رہے گی، مجھے اس وقت یہ کہنا ہے کہ جو عارض نے پلاٹینم یا ہیرے وجواہرات میں زکاۃ نہ ہونے کی بات کو راجح قرار دیا ہے کہ قدیم فقہاء نے اس کو نہیں شمار کیا، وہی رائے راجح ہونا چاہئے، اصل میں دقت تھوڑی سی یہ ہے کہ پہلے ان کی قیمت متعین نہیں تھی بلکہ اعتباری قیمت تھی، کوئی قیمتی ہیرا، جوہر کوئی بھی چیز ہو تو ہوسکتا ہے کہ ایک کی نظر میں بہت قیمتی ہو، اور دوسرے کی نظر میں اس کی کوئی وقعت نہ ہو، ایک بادشاہ اس کو مہنگی ریٹ پر خرید لے اور دوسرے کی نظر میں اس کی کوئی قیمت نہ ہو، تو اس اعتبار سے آدمی جو ہیرے وجواہرات کو رکھتا ہے اس کے لئے رسک بھی تھا اور رسک یہ تھا کہ ہوسکتا ہے آج وہ ہیرے وجواہرات کو رکھے ہوئے ہے کل کو وہ مٹی کی ریٹ میں ہو جائے، لہذا ذخیرہ اندوزی بھی نہیں تھا اور فقہاء نے اس کو اموال ربویہ میں شامل نہیں کیا، آج کل جو صورت حال ہے وہ یہ کہ جو پلاٹینم ہوں یا اس طرح کی دھاتیں ہوں ان کا باقاعدہ ایک ریٹ ہوتا ہے اور جن دکانوں میں یہ چیزیں ملتی ہیں وہ رسید بنا کر

دے دیتے ہیں، کہ جب آپ چاہیں اس کو ہمیں اسی ریٹ پر واپس دے سکتے ہیں یا اتنی مدت کے بعد اتنے پرسینٹ آپ کو نفع دیں گے، تو اب اگر اس میں زکوۃ واجب قرار نہ دی جائے تو کروڑوں روپئے کے لوگ ہیرے جواہرات زکوۃ سے بچنے کے لئے خرید لیں گے، اور پھر جب ان کو مال بنانا ہوگا تو پھر اسی سنار کے یہاں جا کر مہنگے ریٹ میں بیچ دیں گے تو ایک امت کو زکوۃ سے بچانے کا، زکوۃ سے بچنے کا بہت بڑا حیلہ مل جائے گا، کہ وہ لمبی رقموں سے اس طرح کی دھات کو خرید کر کے اپنی رقم کو بھی سیو کر لیں گے اور زکوۃ سے بھی بچ جائیں گے، لہذا آج کے دور میں اس پر اس معنی کر زکوۃ ہونا چاہئے کہ یہ اب با قاعدہ مال بن چکا ہے اور بین الاقوامی سطح پر با قاعدہ اس کا قانون بن چکا ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی صاحب:

مجھے یاد پڑتا ہے کہ ہیرے جواہرات کے تعلق سے اکیڈمی میں پہلے بھی گفتگو ہوئی تھی اور اس میں دو رائے سامنے آئی تھی، اس میں ناموں کے ساتھ دونوں کا اظہار بھی کیا گیا تھا، لیکن بہر حال آپ اس پر غور کیجئے، حالانکہ یہ پہلو ہے مسئلہ کا جو حضرات بھی اس پر زکوۃ لازم ہونے کی بات فرماتے ہیں حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ کا رجحان بھی یہی تھا، وہاں لوگوں کا اختلاف لکھا ہوا ہے، تو یہ ایک پوائنٹ غور کرنے کا ہے جو مولانا نے پیش کیا ہے، اب مفتی سعید الرحمٰن صاحب ممبئ پلاٹینم کے بارے میں کچھ فرمانا چاہتے ہیں۔

مفتی سعید الرحمٰن فاروقی صاحب:

اصل میں پلاٹینم کے سلسلہ میں یہ عرض کرنا ہے کہ واقعی لوگ اس میں بڑی رقمیں روک سکتے ہیں اس لئے قاضی صاحب کی رائے بہت زیادہ مفید اور اچھی معلوم ہوتی ہے، ایسے ہی رقمیں لوگ زمینوں میں روک رہے ہیں، تجارت کی نیت سے نہیں کرتے ہیں بلکہ وہ خرید لیتے ہیں زمین کو تا کہ زکوۃ نہ دینی پڑے اور ہمارے پیسے محفوظ ہو جائیں تو اس میں اور دونوں میں بڑا مسئلہ پیدا ہوگا اس لئے غور یہ کرنا چاہئے کہ یہ رقمیں یہاں پھنس جائیں اور لوگوں کو زکوۃ نہ ملے اس سے امت کو بھی نقصان ہوگا اور لوگوں کو حیلے جواز ملے گا، قاضی صاحب کی رائے زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی صاحب:

مولانا سلطان صاحب نے یہ تحریر بھیجی ہے کہ زیر بحث مسئلہ پر اگر فقہ اکیڈمی کی طرف سے مختصر اور آسان انداز میں کوئی پمفلٹ منظر عام پر آ جائے اور منظم انداز میں اسے تاجروں میں تقسیم کیا جائے تو مجھے امید ہے کہ فائدہ ہوگا، جو تجاویز آپ طے کریں گے جو فیصلے کریں گے اس کو کچھ مزید تمہید کے ساتھ کچھ اور چیزوں کے ساتھ شائع کیا جا سکتا ہے، یہ مناسب بات ہے۔

مولانا اشاعتی صاحب موجود نہیں ہیں، انہوں نے لکھا ہے کہ ''ٹائٹینم'' یہ بھی ایک طرح کی دھات ہے اس کا کیا حکم ہوگا اس لئے کہ عرض مسئلہ میں صرف پلاٹینم کا تذکرہ ہوا ہے، ٹائٹینم کا ذکر نہیں ہوا ہے، تو جو کمیٹی بنے گی اس پر غور کرے گی کہ اس میں کیا ہو سکتا ہے۔

مولانا جنید عالم ندوی قاسمی صاحب:

سوال نمبر ۲ میں دو سوال ہے: پہلا یہ کہ کاریگر حضرات جو زیورات بنا کر کے دیتے ہیں یہ بیع ہے یا اجارہ؟ اس سلسلہ میں

جب بیع اور اجارہ کی تعریف پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیع نہیں ہے اجارہ ہے، اس لئے کہ بیع کی تعریف ہے: ''مبادلة المال بالمال بالتراضي''، اور اجارہ کی تعریف یہ ہے: ''ہی تملیک المنافع بعوض''، یہاں پر کاریگر حضرات جو واپس کرتے ہیں تو وہ مال کے بدلے میں مال نہیں دیتے ہیں بلکہ زیورات بناتے ہیں، اور زیورات بنانے کی اجرت ان کو ملتی ہے، گر چہ اسی سے ملے الگ سے نہ ملے، تو یہ اجارہ ہے، یہ ''تملیک المنافع بعوض'' ہے، ''مبادلة المال بالمال بالتراضي'' نہیں ہے، جہاں تک یہ مسئلہ آیا کہ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں میری رائے یہ ہے کہ یہ صورت جائز ہے، یہ بات آئی ہے کہ اجرت بھی مجہول ہے اور مدت بھی مجہول ہے اور عامل کی اجرت اس کے عمل سے قرار پاتی ہے، جیسے قفیز طحان میں ہے، تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ وہ مدت اور وہ اجرت مجہولہ وہ مفسد اجارہ ہے جو مفضی إلی النزاع ہو، یہاں پر چونکہ یہ صورت رائج ہے عام ہے، اور عرف عام ہے، بہت سارے مسائل ایسے ہیں کہ جن میں عرف عام کی وجہ سے اجرت اور مدت مجہول ہونے کے باوجود اس کو جائز قرار دیا گیا ہے اور جہاں تک یہ بات کہ عامل کی اجرت اس کے عمل سے قرار پاتی ہے تو رات بھی میں نے یہ بات بتائی تھی کہ شرح عقود رسم المفتی میں بہت تفصیل سے یہ بات آئی ہے کہ عرف عام کی وجہ نص کا ترک جائز نہیں ہے لیکن نص کی تخصیص جائز ہے، اگر اس صورت میں عمل کرتے ہیں تو نص کی تخصیص ہے، نص کا ترک نہیں ہے، اس لئے یہ صورت جائز ہونی چاہئے۔

سوال نمبر ۴ میں دو سوال ہیں: ایک تو یہ ہے کہ آرڈر دینے والے کے حصے کے بقدر اس کا سونا، سونے کی اینٹ میں محفوظ کرلیا جاتا ہے اور الگ الگ سکہ نہیں بنایا جاتا، دوسری شکل یہ ہے کہ ہر ایک کا الگ الگ سکہ بنا دیا جاتا ہے، تو ان دونوں صورتوں میں قبضہ مانا جائے گا یا نہیں، اس سلسلہ میں قبضہ کی حقیقت پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ یا تو ایک حقیقی قبضہ ہو باقاعدہ جسے قبضہ کہتے ہیں یا حقیقی قبضہ نہ ہو لیکن ایسا تخلیہ ہو جس سے قبضہ ممکن ہو، یعنی جو حقیقی قبضے کے قائم مقام ہو، یعنی خریدار اور مبیع کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہو، بلکہ خریدار بغیر کسی مشقت، کلفت اور بغیر کسی حائل کے اور بغیر کسی تعاون اور مدد کے اس پر براہ راست قبضہ کرسکے، بہت ساری شکلیں اور بہت سارے جزئیات کتب فقہ میں موجود ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی نے مکان کو بیچا، مکان اگر قریب ہے اور اس نے کہہ دیا ہے کہ مکان میں نے خالی کردیا ہے آپ قبضہ کرلیجئے تو اس کو قبضہ کے قائم مقام قرار دیا جائے گا لیکن اگر مکان بعید ہے دور ہے تو ایسی صورت میں اس کو قبضہ کے قائم مقام قرار نہیں دیا جائے گا، اور قریب اور بعید کی تعریف یہ بتائی گئی ہے کہ اگر اتنا قریب ہو کہ قبضہ آسانی سے کرسکے تو قریب ہے اور اگر آسانی سے قبضہ نہ کرسکے تو یہ بعید ہے، کپڑے کے بارے میں یہ بتایا گیا کہ اگر اتنا قریب ہے کہ ہاتھ اس کا وہاں تک پہنچ سکے، تو قریب ہے اور اگر ہاتھ نہیں پہنچ سکے تو بعید ہے اور بھی بہت سارے جزئیات ہیں، مذکورہ صورت میں چاہے اینٹ کی شکل میں اس کا حصہ ہو یا الگ الگ سکہ بنا دیا گیا ہو، دونوں صورتوں میں بغیر کسی کلفت ومشقت کے، بغیر کسی حائل کے بغیر کسی ممانعت کے، جب چاہے وہ اس کو تصرف میں لائے، استعمال میں لائے یہ ممکن نہیں ہے، اس لئے میری نزدیک دونوں صورتوں میں قبضہ کا تصور نہیں کیا جائے گا، جزاک اللہ۔

مولانا محمد عثمان بستوی صاحب:

رائج کرنسی کے بارے میں مولانا اختر امام عادل صاحب کی طرف سے جو باتیں اٹھائی جارہی ہیں کہ رائج کرنسی اثمان

مستقلہ کے درجہ میں ہے، لہذا ان پر بیع صرف کے تمام احکام اسی طرح سے جاری ہوں گے جس طرح سے سونے چاندی پر جاری ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ بیع صرف سے متعلق جو احکام جاری ہوتے ہیں وہ دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک ربوا فضل دوسرا ربوا نسا، ربوا فضل میں جو علت ہے وہ ربوا حقیقیہ کا تحقق ہے اس لئے وہ حرام ہے، اور وہ جنس بالجنس کی صورت میں ہوتی ہے اور ربوا نساء کی صورت میں یعنی جب جنس مختلف ہو اور اثمان جو ہیں کہ قبیل سے ہو تو وہاں جو حرمت کی علت ہے وہ شبہ ربوا ہے، ربوا حقیقیہ نہیں ہے، تمام فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے، اور ایک بات دوسرے فقہاء کی یہ مسلم شدہ ہے کہ شبہ کا تو اعتبار ہے شبہ الشبہ کا نہیں، اب اگر رائج کرنسیوں کو ثمن تسلیم کیا جائے تو بہر حال یہ جو ثمن تسلیم کیا جائے گا حقیقی نہیں ہوگا بلکہ یہ ایک تسلیمی ہوگا جس میں شبہ ضرور قائم رہے گا اور اس شبہ کی وجہ سے جو ربوا کا تحقق ہوگا وہ شبہۃ الشبہ ہوگا شبہ نہیں ہوسکتا، اس لئے اس سے مسئلہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے اس کو چاہے ثمن مستقلہ مانیں غیر مستقلہ مانیں، بہر حال فقہاء نے صاف صاف اس کی صراحت کی ہے کہ جو سونے چاندی کے علاوہ سکے رائج ہوتے تھے وہ دھاتوں کے ہوتے تھے، سونے چاندی کی طرح سے دھات ہوتے تھے، مستقل ان کا رواج ہوتا تھا، اس طرح اس کی نظیر بھی موجود ہے، جس پر فقہاء نے کبھی بھی اثمان خلقیہ کا حکم نافذ نہیں کیا تو بلا وجہ زبردستی احکام میں تنگی پیدا کرنا، معاملات میں تنگی پیدا کرنا یہ کوئی عقل مندی کی بات معلوم نہیں ہوتی ہے، ''الدین یسر'' معاملات میں آسانی پیدا کرنا یہ شریعت کا حکم ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی صاحب:

بہر حال مولانا عثمان صاحب کی رائے ہے بڑی قوت کے ساتھ بیان کر رہے ہیں، اور مولانا اختر امام عادل صاحب کا جو موقف ہے اس میں بھی وہ قوی ہیں ماشاء اللہ، لیکن یہاں کوئی جواب الجواب نہیں ہونا ہے، انشاء اللہ کمیٹی میں آپ دونوں حضرات کو رکھ دیا جائے گا، پھر توازن پیدا ہو جائے گا، ایک صاحب نے ایک پرچی بھیجی ہے کہ ابھی آپ نے فرمایا کہ سونا اور چاندی کے ثمن خلقی ہونے کی کوئی دلیل نصوص میں موجود ہے اگر ہے تو کوئی کلام نہیں، مولانا عمران ندوی ہیں، تو انہوں نے آیت لکھ کر بھیجی ہے جس کو انہوں نے دلیل سمجھا ہے، ''وشروہ بثمن بخس دراھم معدودۃ'' درہم سے مراد چاندی کے سکے ہیں، اس آیت کو انہوں نے بھیجا ہے گویا یہ دلیل اس طرح کی ہے، میں آپ حضرات سے عرض کردوں، ایک بات یاد دلا دوں کہ جہاں پر ان اشیاء ستہ کے تعلق سے ہمارے فقہاء نے بحث کی ہے اور اس تعلق سے خود حنفیہ میں دو رائے پائی جاتی ہے کہ جن چیزوں کے کیل کا رواج تھا رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں وہ قیامت تک کے لئے کیلی ہیں اگرچہ لوگ کیل کرنا ترک کردیں، طرفین کا مسلک یہی ہے، امام ابوحنیفہؒ وامام محمدؒ کا اور جن چیزوں کے وزن کا رواج رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھا جس کا ذکر احادیث میں قرآن میں آتا ہے وہ قیامت تک کے لئے وزنی ہے، لیکن امام ابو یوسفؒ کا مسلک اس سے مختلف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے زمانہ کا جو عرف تھا چلن تھا اس کے لحاظ سے اس کا ذکر فرمایا، چونکہ اس دور میں فلاں فلاں چیزوں کو کیل کر کے بیچنے کا لین دین کا رواج تھا، تو آپ ﷺ نے صراحت کیل کے حساب سے کی ہے اور جن چیزوں کا لین دین تول کر ہوتا تھا تو وہاں آپ ﷺ نے ذکر کیا ہے کہ ان کا معاملہ وزن سے ہوگا، لیکن اگر آپ ﷺ کے زمانے میں اس کے برعکس ہوتا تو اسی کا لحاظ کرتے یعنی نص میں جو ذکر ہے اس کے کیلی اور وزنی ہونے کا اس

کا مبنی بھی عرف ہے، امام ابو یوسفؒ نے یہ بات ذکر فرمائی ہے اور علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ اس میں سہولت ہے کہ آج آپ گیہوں کا تبادلہ گیہوں سے کریں، اب آپ چاہیں کہ صاحب کیل کر کے اس کو ہم تبادلہ کریں تو مسئلہ آسان نہیں ہے، رواج ہے تولنے کا تول کر لین دین ہوتا ہے تو اس اعتبار سے برابری ہے تو ربوا نہیں ہوگا، تو بہر حال یہ ایک علمی بات ہے جو میں یاد دلا رہا ہوں، اس مسئلہ کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت اس کا بھی ہم لحاظ کریں۔

مفتی ظہیر احمد کانپوری:

یہ میرا جو مسئلہ ہے سوال نمبر ۲ سے متعلق جو عارض صاحب ہیں، ابھی مولانا اختر امام عادل صاحب نے بھی کہا تھا اس میں دوسرا جو موقف ہے کہ بیع ہے اور عقد نا جائز ہے، اور اس کے بعد چوتھا موقف ہے، عقد صرف ہے ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے بلکہ وہ جو نا جائز ہے وہ عقد صرف ہی کی وجہ سے نا جائز ہے، کیا عقد صرف بیع نہیں ہے کیا؟ عقد صرف بھی بیع ہی ہے تو اس لئے یہ موقف میں اضافہ ہے اس وجہ سے بھی ہوا ہے، اسی طرح سے ہمارا، تلخیص جنہوں نے کی ہے اس میں بھی صفحہ ۱۱۹ پر اسی مسئلہ سے متعلق وہ لکھتے ہیں: تیسرا رجحان: مذکورہ معاملہ اجارہ ہے یا بیع اس سلسلہ میں سات مقالہ نگاروں کا رجحان واضح نہیں ہے آگے پھر یہ لکھتے ہیں کہ یہ حضرات یہ لکھتے ہیں کہ اگر اسے بیع کہا جائے تو یہ بیع صرف ہے اس لئے درست نہیں، اور اگر اجارہ کہا جائے تو چونکہ اجرت مجہول ہے اس لئے یہ صحیح نہیں، تو یہ واضح نہیں ہے، مجھے خود یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ ان کو رجحان کیوں نہیں معلوم ہوا، یہ جو حضرات ہیں یہ دونوں کی نفی کر رہے ہیں کہ یہ دونوں نا جائز ہیں، اگر آپ اس کو اجارہ مانتے ہیں تب بھی نا جائز ہے اس کی وجوہات بھی لکھی ہے اگر اس کو آپ بیع مانتے ہیں تو عقد صرف ہی کی بنیاد پر یہ بیع، اس لئے یہ جو ہمارے تلخیص کرنے والے ہیں ان کو یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ان کا رجحان کیا ہے، وہ دونوں چیزوں میں اس کی نفی کر رہے ہیں۔

مولانا عتیق احمد بستوی صاحب:

میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ اس میں اگر کچھ خامیاں ہیں تو اس کو باقاعدہ آپ لوگ لکھ کر کے یہاں جمع کر دیں تا کہ اس کی اشاعت کے وقت اس کی تصحیح کر دی جائے، اور ایک بات میں آپ سے عرض کر دوں کہ بسا اوقات ایسے مقالے بھی آتے ہیں کہ مقالہ نگار کی رائے کیا ہے وہ ظاہر نہیں ہوتی، چند عبارتیں نقل کر دی بس جواب ہو گیا، خود اس کی کیا رائے ہے مسئلہ میں، اس کا اظہار نہیں ہوتا، اسی لئے درخواست کی جاتی ہے کہ اس کا خلاصہ اخیر میں لاحق کر دیں، ایک صفحہ کا کہ ان مسائل میں آپ کی رائے کیا ہے، تفصیلات کے بعد، اس سے آسانی ہوگی تلخیص کرنے والوں کو بھی اور عرض کرنے والوں کو بھی۔

مولانا جنید بن محمد پالنپوری صاحب:

سوال نمبر ۸ میں یہ جملہ آیا ہے کہ آج کل پلاٹین کو سفید سونا کہا جاتا ہے۔ تو گویا پلاٹین اور سفید سونا ایک ہی بات بتلائی گئی ہے، جبکہ میں نے اس معاملہ میں سونا کے بہت بڑے کاروبار کرنے والے سے تحقیق کی تو انہوں نے بتایا کہ پلاٹین الگ چیز ہے اور وہائٹ گولڈ (سفید سونا) الگ چیز ہے دونوں ایک ہی چیز نہیں ہے کہ پلاٹین یہ دھات سے بنتا ہے اس میں سونے چاندی کی آمیزش بالکل نہیں ہوتی ہے لیکن وہائٹ گولڈ جو ہوتا ہے وہ سونا ہی ہوتا ہے Yellow Gold ہی ہوتا ہے، اب اس Yellow Gold کے

اندر زنک ہے، نِکل ہے اور کوپر کو ملا کر بنایا جاتا ہے تو یہ سونا ہی ہوتا ہے گویا کہ سونے سے الگ نہیں ہے، اب ۲۲ کیرٹ کا اگر ہوتا ہے تو ۹۱ اعشاریہ چھ فیصد سونا اور ۸ اعشاریہ ۴ فیصد اس سے زیادہ ہوتی ہے، اسی طرح ۲۱ کیرٹ میں ۸۷ اعشاریہ ۵ فیصد سونا اور ۱۲ اعشاریہ ۵ فیصد دوسری دھات ہوتی ہے، الی آخری...... میں اس طرح ہوتا ہے تو یہ وہائٹ گولڈ کو پلاٹین نہ سمجھا جائے بلکہ یہ سونا ہی ہے، تو سوال جو قائم کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی چیز ہے اور لوگوں نے وہی حکم لگایا تو گویا کہ وہائٹ گولڈ پر وہی حکم ہو گیا، تو مزید تحقیق کر لی جائے اور سوال کی تصحیح کر لی جائے۔

مولانا جمیل احمد نذیری:

سوال نمبر ۱ سے متعلق جو بات میں کہنا چاہتا تھا اس کا آغاز تو ہو چکا ہے، مولانا عتیق صاحب نے اور مولانا اختر امام عادل صاحب نے بھی اس کے متعلق کچھ بات فرمائیں، تو کچھ اشکالات ہیں اور کچھ سوالات ہیں جو میں سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ ایک تو یہی ہے کہ یہ کرنسی جو موجودہ کرنسی ہے یہ ثمن عرفی ہے ثمن اصطلاحی ہے، ثمن خلقی نہیں ہے اور میرا ابھی موقف یہی ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ثمن عرفی کے ذریعہ سونا یا چاندی خریدیں تو یہ بیع صرف نہیں ہے میں بھی اسی کا قائل ہوں تو اگر ہم سو روپئے کو دو سو روپئے سے خریدیں تو یہ ربوا کیسے ہے جبکہ احناف کے یہاں علت ربوا کا جو تحقق ہے وہ ہے نہیں، یعنی قدر مع الجنس، یعنی دونوں کیلی ہوں یا دونوں وزنی ہوں، جنس ایک ہو، تو یہ نہ کیلی ہے نہ وزنی ہے تو کیا جبکہ ہمارا فتوی بھی یہی ہے کہ میں بھی یہی بتاتا ہوں اور عام فتوی یہی ہے کہ کرنسی کو اگر کمی بیشی کے ساتھ بیچا جائے گا تو یہ ربوا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ عملاً ہم ثمنیت کو تسلیم کر چکے ہیں، علت ربوا کے طور پر جو امام شافعیؒ نے علت ربوا کہا ہے یا جو امام محمدؒ کا قول ہے، گویا ہم ثمنیت کو بھی علت ربوا مان چکے ہیں، تو اگر ثمنیت کو مان چکے ہیں تو اس کی تصحیح ہونی چاہئے اور واضح طور پر یہ بات آجانی چاہئے کہ کرنسیوں میں جو تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ ہوگا یہ ربوا ہے اور فلاں علت کی بنیاد پر ربوا ہے اس کی صاف اور صریح بات آجانی چاہئے، اور یہ جو بات کہی جاتی ہے کہ یہ جو موجودہ کرنسی ہے اب اثمان مستقلہ کی حیثیت حاصل کر چکی ہے یہ ثمن عرفی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر ملک خود مختار ہونا چاہئے کہ وہ اپنی کرنسی کی جو چاہے مالیت مقرر کرے اور جو قیمت چاہے مقرر کرے، مستقل کرنسی ہے اس ملک کی، جیسے ہمارے ملک ہندوستان میں جو نوٹ چل رہا ہے مستقل کرنسی ہے، ہمارے ملک کو اختیار ہونا چاہئے کہ ہم اس کی جو مالیت چاہیں مقرر کریں ہر ملک کو اختیار ہونا چاہئے کہ وہ اپنی مالیت جو چاہے مقرر کریں، لیکن آپ حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس معاملہ میں ممالک خود مختار نہیں ہیں کہ وہ اپنی کرنسی کی جو چاہے مالیت مقرر کریں، بلکہ کچھ بین الاقوامی معاملات ہیں ان کے تحت کرنسی کی مالیت اور قیمت مقرر ہوتی ہے اور یہ جو مالیت متعین ہوتی ہے ہم اب اس کو تسلیم بھی کرتے ہیں، جیسے اگر کوئی دینار ہو ہم اگر اس ملک میں اس کا تبادلہ کریں اس ملک کی کرنسی سے تو ہم کو سولہ سترہ دینار اگر ہو تو جیسے کویتی دینار ہے تو دو سو پچیس وغیرہ دو سو تیس اس کے لگ بھگ ملے گا اگر درہم ہے تو ہم کو سولہ سترہ روپئے ملے گا، اور جناب گویا ہماری جو کرنسی ہے وہ کم مالیت کی ہے اور دوسرے ممالک کی کرنسیاں پونڈ ہیں اور دوسری چیزیں ہیں تو ڈالر وغیرہ ہے ہمارے ملک سے اس کی کرنسی اونچی مانی جاتی ہے تو اثمان مستقلہ کی اگر حیثیت ہوتی تو ہر ملک کو اختیار ہوتا جیسے چاہتا کرنسی کی مالیت مقرر کرتا، اس میں ضرور اس کے پیچھے معاملہ ہے اور اسی لئے کسی ملک کو اپنی کرنسی جیسے چاہے مقرر کرنے کا اختیار نہیں، اور جو مالیت چاہے اس کو مقرر

کرنے کا اختیار نہیں ہے اس کے پیچھے زرمبادلہ ہوتا ہے اور اب زرمبادلہ کی بات اخباروں میں آتی بھی رہتی ہے، ابھی زیادہ دن نہیں گزرے، ابھی مدارس میں ہم لوگ اکٹھا ہوئے تھے جو جمعیۃ علماء ہند کے ادارہ المباحث الفقہیہ کا اجتماع ہوا تھا اس میں بھی اس موضوع پر گفتگو ہوئی اور یہ واضح طور پر بات سامنے آئی کہ اثمان مستقلہ ان کو نہیں کہا جاسکتا اور ان کے پیچھے کوئی نہ کوئی چیز ضرور ہے، اقتصادی حالات ہوں اور پیٹرول کی طاقت ہو، سونا چاندی ہو، کوئی نہ کوئی چیز بہرحال ہے اس کو اثمان مستقلہ نہیں ہے تو سونے چاندی کی حیثیت نہیں ہے تو پھر اس میں علت ربوا کا تحقق کیسے ہوگا، اور اگر آپ اس کو صرف کہتے ہیں تو گویا سونا چاندی مان لیتے ہیں، سونا چاندی مان لیتے ہیں تو صرف کہنا چاہئے، اور اگر اس کو ثمن عرفی کہتے ہیں تو اس پر بیع صرف کا تحقق نہیں ہوگا، بہرحال یہ اشکالات ہیں جن کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی صاحب:

جزاک اللہ، بہرحال اتنا تو مان لیا آپ نے کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر امام شافعیؒ کی جو علت ربوا ہے ثمنیت اسے ہم نے قبول کرلیا ہے (ہاں یہ قبول کئے ہوئے ہیں عملاً ہم نے قبول کرلیا) ثمنیت کو گویا علت ربوا ہم مان رہے ہیں، (ہاں مگر اس کا فیصلہ ہونا چاہئے - مولانا جمیل احمد نذیری)، تو گویا آپ اعلان چاہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے اس کو قبول کرلیا ہے (جی بالکل واضح طور پر ورنہ آپ کیسے کہیں گے کہ ربوا ہے - جمیل احمد نذیری)، جہاں تک معاملہ ہے کہ سونے چاندی کے سارے احکامات جاری کئے جائیں نہ کئے جائیں، بیع صرف قرار دیا جائے نہ قرار دیا جائے یہ بہت ہی دور رس مسئلہ ہے اور جو کرنسی نوٹ کی صورتحال ہے ابھی ہمارا ملک ایک ایسے دور سے گزرا جس میں آپ کو نئے تجربے ہوئے ان سے بھی آپ کو روشنی ملے گی ان کرنسی نوٹوں کی حیثیت کے بارے میں.........تو مسئلہ میں عرض کر رہا تھا کہ موجودہ حالات پیش آئے ہمارے ملک میں اس میں عجیب پیچیدگی میں آپ پڑے کہ کرنسی پانچ سو اور ہزار کے نوٹ کینسل کردیئے گئے جو کچھ لوگوں کے پاس پیسے رکھے ہوئے تھے تھوڑے زیادہ وہ سب کینسل ہوگئے، اس زمانے میں بڑے لوگوں نے سوالات کئے، استفتاء آئے، زبانی سوالات کئے کہ بھائی ان کرنسی نوٹوں کو سستا بیچ دینا، اس کا کیا حکم ہے کہ جائز ہے یا ناجائز، اور کئی سوالات پیدا ہوئے ان کرنسی نوٹوں کی جو حیثیت ہے سونے چاندی کی حیثیت تو بالکل نہیں ہے، ظاہر ہے اور سکنڈوں منٹوں میں اس کی حیثیت کیا سے کیا ہوجاتی ہے ہم دیکھ رہے ہیں، اس فرق کو تو ملحوظ رکھنا پڑے گا، اور باقی یہ خود موضوع جو آپ فرمارہے ہیں یہ خود مستقل موضوع ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اگر اکیڈمی ایک ورکشاپ ایسا کرے جس میں کچھ ماہرین اقتصادیات جو زر کے خاص طور سے ماہر ہوں اور کرنسی کیسے شائع ہوتی ہے اور اس کے پیچھے کیا چیزیں ہوتی ہیں، ان پر کوئی اس طرح کا پروگرام ہو تو یہ دلچسپ بھی ہوگا اور معلومات افزاء ہوگا اور اس سے بہت سے مسائل کو حل کرنے میں آسانی ہوگی۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب:

مفتی جمیل احمد صاحب سے خصوصاً اور آپ سب لوگوں سے عموماً اپنی معلومات کے لئے میں ایک بات جاننا چاہتا ہوں کہ یہ جو ہمارے فقہاء نے جنس اور قدر کے اتحاد کو معیار مانا ہے کیا قدر سے کسی شئ کا کیلی اور وزنی ہونا مراد ہے یا کوئی بھی ایسا پیمانہ جو کسی تفاوت کے بغیر اس شئ کی مقدار کو بتادے وہ سب قدر میں شامل ہیں جیسے عددی متقارب ہیں ان کو آپ نے مثلی اشیاء میں مانا، چونکہ

اس میں مقدار کے اعتبار سے اتنی قربت ہوتی ہے تقارب ہوتا ہے کہ وہ اختلاف کا موجب نہیں بنتا ہے تو یہ جو نوٹ ہیں یا سکے ہیں تو کیا اس پہلو سے کہ یہ ایسے عددی غیر متفاوت ہیں متقارب بھی نہیں ہیں، غیر متفاوت ہیں اور عدد ہی ان کے لئے پیمانہ ہے تو کیا نوٹ کے معاملہ میں عدد کو قدر کے درجہ میں نہیں رکھا جا سکتا ہے، نہ میں نے کہیں دیکھا نہیں ہے، لیکن یہ سوال ذہن میں آتا ہے۔

ایک آواز:

......دوسری بات یہ ہے کہ قدر مع الجنس وغیرہ ربوا البیوع اور ربوا الفضل، یہ دو قسم کی ربوا ہے تو ہم لوگ جو نقد کو نقد سے تبادلہ کرتے ہیں تو ربوا البیوع کا تحقق اس میں ہوتا ہے، یا ربوا الفضل کا تحقق ہوتا ہے ربوا الفضل کے لئے تو قدر مع الجنس شرط نہیں ہے، اس مسئلہ پر غور فرمایا جائے، اس لئے ابھی یہ جو مولانا اختر امام عادل صاحب نے فرمایا کہ فلوس کے پیچھے جو ہے سونا اور چاندی ہے تو فلوس کے پیچھے تو کبھی بھی سونا اور چاندی نہیں ہے، عرفی اور اصطلاحی ثمن ہے وہ عرف جب تک ہے اس کے ثمن ہونے کا وہ ثمن ہے ورنہ ثمن نہیں ہے، اسی طریقہ سے یہ جو روپیہ ہے یہ بھی عرفی ثمن ہے اس کے پیچھے ابھی جو کہا جا رہا ہے کہ اس کے پیچھے سونا چاندی نہیں ہے اور یہ پسند نہیں ہے تو یہ پسند ہونا نہ ہونا علاحدہ بات ہے، لیکن اس کے پیچھے ابھی ابھی......کہ عرفی ثمن ہے سونا اور چاندی اس کے پیچھے نہیں ہے، تو اب اگر ایک روپیہ کا تبادلہ دو روپئے سے کریں گے تو یہ بیع ہے یا یہ کہ قرض ہے اگر بیع ہے تو پھر قدر مع الجنس والی بات پیدا ہوگی اور اگر یہ قرض ہے تو پھر ربوا الفضل کا تحقق جو ہے قدر مع الجنس کے بغیر بھی ہوگا۔

مفتی جمیل احمد نذیری:

میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ ہمارے فقہاء کرام نے اس حدیث کو جس میں اشیاء ستہ کا تذکرہ ہے ان ہی چھ چیزوں پر غور کیا، امام ابوحنیفہؒ نے غور کیا، علت ربوا کے لئے، کیونکہ یہ بات متحقق ہے کہ ربوا اشیاء ستہ میں متحقق نہیں، کیونکہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ ہمارے درمیان سے چلے گئے اور ''لم يبين لنا أبواب الربوا'' ابواب ربوا کو کھول کر نہیں بیان کیا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ چھ کے علاوہ میں بھی ربوا ہے تو ہمارے فقہاء مجتہدین نے ان چھ چیزوں پر غور کرنا شروع کیا امام ابوحنیفہؒ نے غور کیا کہ یہ چھ چیزیں ہیں، گیہوں، جو، سونا چاندی، کھجور، نمک ان میں سے کچھ چیزیں وزن کر کے بکتی ہیں کچھ چیزیں کیل کر کے تو انہوں نے کہا کہ یہی علت ربوا ہے اور یہ چیز ایک ہو تو ربوا ہے تو امام ابوحنیفہؒ نے علت ربوا وزن کو اور کیل کو قرار دیا اور جنس کو گویا کہ وجہ بنایا، کہ اگر ہم باہم ایک جنس کا تبادلہ ہو تو، امام شافعیؒ نے ان ہی چھ چیزوں میں غور کیا تو انہوں نے یہ فرمایا کہ اس میں سے کچھ چیزیں تو کھانے کی ہیں طعمیت ہے اور کچھ چیزیں ثمنیت کے قبیل کی ہیں اس لئے انہوں نے علت ربوا کھانے کی چیز کو اور ثمن کو قرار دیا، امام مالکؒ نے ان ہی چھ چیزوں پر غور کیا تو انہوں نے یہ فرمایا کہ اس میں کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں جو ذخیرہ بنا کر رکھی جاتی ہیں کہ آدمی بوقت ضرورت کام لے گا سونا چاندی ہے، گیہوں وغیرہ ہے تو اقتیات اور ادخار کو علت ربوا قرار دیا، تو ہمارے یہاں فقہاء احناف نے جو علت ربوا قرار دیا ہے ان ہی چھ چیزوں پر غور کر کے اور یہ چھ چیزیں یا تو کیلی ہیں یا وزنی ہیں اس پر اور کوئی مثل کا معاملہ نہیں۔

مولانا عتیق احمد بستوی صاحب:

ماشاءاللہ، یہاں جتنے بھی حضرات تشریف فرما ہیں، صرف ہدایہ آخرین پڑھتے پڑھاتے ہوں گے، یہ بحثیں ان کے سامنے

ہیں، غور کرنے کی بات اس کے آگے کی ہے کہ مان لیجئے آپ نے کرنسی کو ثمن مان لیا تو ظاہر ہے وہاں نہ طعمیت ہے، صرف ثمنیت ہے، طعمیت، ثمنیت امام شافعیؒ جو فرماتے ہیں، ہمارے یہاں جو علت ربوا ہے بظاہر اس میں پائی نہیں جاتی، لیکن فتوی اس وقت یہی ہے کہ یہاں تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ ناجائز ہے گویا ہم نے اس بات کو تسلیم کرلیا ہے کہ ثمنیت علت ربوا ہے، تو بہر حال جو مسائل ہیں اصولی، اس پر غور کریں اور ذہن میں رکھیں۔

مفتی عبدالرحیم قاسمی:

روپیوں سے سونا کی خریداری بیع صرف ہے یا نہیں؟ میں نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے کہ وہ بیع صرف نہیں ہے، عارض صاحب نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ رائے واضح نہیں ہے، حالانکہ میں نے واضح طور سے مقالہ میں لکھا ہے کہ وہ بیع صرف نہیں ہے۔

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی:

سوال نمبر ا کے سلسلہ میں میرا جو موقف بیان کیا گیا وہ یہ ہے کہ یہ عقد صرف بھی ہے اور نسا جائز بھی ہے، عقد صرف ہونے کی دلیل تو میں نے علامہ نجیم سے لی ہے، اور اس کی جو دوسری حیثیت ہے وہ بھی ان کی دوسری تحریر منحۃ الخالق سے لی ہے، اسی طرح ایک ہی چیز اگر ایک حیثیت سے صرف ہے اور اس پر صرف کا اطلاق نہ کرتے ہوئے دوسری حیثیت کا اطلاق کرتے ہوئے نسیئاً جائز رکھا جائے تو اس میں اشکال کیا پیش آ رہا تھا عارض کو، ایک بات۔ دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ زیور پرانا ہو یا نیا یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے اگر آپ کسی بھی مسلمان سنار سے جو بڑے کاروباری ہوں معلوم کریں کہ اس کی خرید وفروخت کا طریقہ کیا ہے، زیور جب آپ خریدتے ہیں نیا زیور تو اسمیں وہ کیرٹ کے اعتبار سے دام مقرر کرتا ہے، اور اسی دام کو پرچی پر لکھ کر بھی دیتا ہے سرکاری مہر بھی ہوتی ہے اس پر پھر اس کے بعد جب پرانے زیور لیتے ہیں تو مقرر کرتا ہے کہ وہ اتنے کیرٹ کا ہے، اب پرانے، نئے زیور کے تبادلے میں کیرٹ کا یا جو بنیادی وزن نئے زیور کا تھا وہی بنیادی وزن پرانے زیور میں موجود ہے، کوئی فرق نہیں ہے تفاضل کا ربوا کا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، وہ جو پرانا زیور لے رہا ہے اس پرانے زیور کو لینے کی صورت میں وہ دو تین کام کرتا ہے، پالش کرائے گا اس میں کچھ سونے اس کے مزدور کو بھی ملیں گے، اس کی دکان کا، لیبر کا بھی خرچ ہے، پھر اس میں دھات کی آمیزش بھی ہوگی تو سونے کا وزن دونوں صورتوں میں چاہے زیور پرانا ہو یا نیا، ہر حال میں ایک ہی ہے بلا وجہ ہم لوگ خوانخواہ غور کرتے ہیں کہ ربوا ہو گیا اور کمی بیشی ہو گئی، کمی بیشی کچھ نہیں ہوئی نیا پرانا دونوں اپنی جگہ ہے، نئے میں بھی وہی وزن ہے سونے کا اور پرانے میں بھی وہی وزن ہے اور جو کم قیمت لے رہا ہے وہ صرف اس لئے لے رہا ہے کہ وہ دھات کی آمیزش ہے، لیبر کا خرچ ہے، دکان کا خرچ ہے، اس طرح سے وہ مقرر کر کے تھوڑا سا ریٹ لے لیتا ہے اس لئے اس میں ربوا کا کوئی تحقق نہیں۔

تیسری بات یہ جو ذات کا مسئلہ ہے جب مزدوری وہ مقرر کر کے لے رہا ہے تو یہ بات بھی جاننی چاہئے کہ سنار زیور بنوانے والے کو یہ کہتا ہے میں اتنا وزن تم سے ہر حال میں لوں گا اور تم اس زیور کو اتنے وزن کا مجھے بنا کر دو اور اتنا تم اس میں دھات ملا لو اس لئے جو ذرہ اس کا جھڑتا ہے اس کی مقدار بھی سنار کو معلوم ہوتی ہے اور جو زیور بنوا رہا ہے اس لئے اجرت مجہولہ کا بھی کوئی سوال اس میں

نہیں ہے اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے کہ یہ خالص عقد اجارہ ہے کیونکہ اس کے عمل سے اس کی اجرت کا تعلق ہے تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ اس کو بیع قرار دیا جائے، اس صورت کے بھی ناجائز ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، اس لئے ہمیں مجودہ تعامل کو دیکھتے ہوئے ورنہ کسی کو کوئی زیور دنیا میں مل ہی نہیں سکتا، اگر آپ نے اس کو حرام قرار دیا تو زیور کی خریداری ہر صورت میں حرام ہوجائے گی اور کوئی زیور دنیا میں بنانے والا اس کے بغیر بنا کر دے ہی نہیں سکتا، اس لئے ہمیں بہرحال اس سہولت کو اور عرف عام کو اور سنار کے جو اپنے معمولات ہیں اس کو نظر میں رکھتے ہوئے ہی فیصلہ کرنا چاہئے، اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ تلخیص میں میری طرف سے یہ ایک بات اچھی لکھی ہوئی ہے اور میرے مقالہ سے نقل کی ہوئی ہے، عارض نے اس پر نظر نہیں ڈالی وہ میں نے کئی ماہر سناروں سے ذاتی معلومات حاصل کر کے لکھی ہے، اس لئے میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں اس پر غور کیا جانا چاہئے۔

مولانا جعفر ملی رحمانی:

سونے چاندی کی تجارت کے تعلق سے چوتھا سوال تھا، آج کل انٹرنیٹ کے ذریعہ سونے کی جو خرید وفروخت ہوتی ہے، اس میں بائع یعنی بینک ہر خریدار کے لئے خریدی ہوئی مقدار کا سکہ یا اس کی مقدار الگ نہیں رکھتا نہ اس کو متعین کرتا ہے بلکہ لاعلی التعیین کسی بھی مقدار کی مثلاً دس گرام بارہ گرام پندرہ گرام کو بیچتا ہے اور پھر قیمت کم وبیش ہونے کی صورت میں خود ہی خریدار کی طرف سے اس کو فروخت بھی کرتا ہے اور محض کمپیوٹر پر اندراج ہوتا ہے تو محض کمپیوٹر کسی کے نام سے اندراج کرنے کی صورت میں نہ تو حقیقی قبضہ پایا جاتا ہے نہ حکمی قبضہ پایا جاتا ہے، تو انٹرنیٹ کے ذریعہ سونے کی آج کل جو خرید وفروخت ہو رہی ہے اس میں شرعی اصولوں کا پاس و لحاظ نہیں رکھا جاتا، لہذا اکیڈمی جب بھی اس تجویز کو پاس کرے تو اسمیں اس کا خیال رکھے کہ یہ صورت شرعا جائز نہیں ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب:

ایک منٹ میں ایک بات میں عرض کرنا چاہ رہا ہوں، یہ جو بات ہمارے مولانا جعفر صاحب نے کہی اس پر کوئی گفتگو آج صبح سے نہیں آئی، ایک تو ہمارے یہاں اسٹاک ایکسچینج ہے جس میں شیئرز کی خرید وفروخت ہوتی ہے اور ہمارے علماء نے تقریبا اس کے جواز کا فتوی دیا ہے مشروط طور پر خود حضرت تھانویؒ نے اس کو شرکت عنان کے زمرہ میں رکھا ہے لیکن اسٹاک ایکسچینج سے آپ کوئی چیز خریدتے ہیں تو آپ کو شی کی ڈلیوری نہیں مل سکتی، اگر آپ ٹاٹا کا شیئر خریدیں اور آپ یہ کہیں کہ اس کے بدلے میں آپ اپنے کارخانے کے مصنوعات میں سے کسی چیز کی مجھے ڈلیوری دیں میرے حوالہ کریں یہ آپ کو نہیں مل سکتی، کمیوڈیٹی ایکسچینج جو شروع ہوئی ہے اس میں آپ کو قبضہ مل سکتا ہے چاہے وہ اجناس آپ خریدیں چاہے آپ تانبہ خریدیں، کو پر خریدیں تو سونے کی جو کمیوڈیٹی ایکسچینج کے ذریعہ خرید وفروخت ہوتی ہے اس کی مختلف صورتیں ہیں، ایک صورت تو وہ ہے کہ جس میں نفع نقصان کو برابر کرنا مقصود ہو، وہ تو بالکل جائز نہیں ہے، لیکن ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ آپ کو اختیار دیتے ہیں کہ اگر آپ سونا لینا چاہیں تو سونا لے سکتے ہیں، اور اگر آپ سونا ہمارے پاس رکھنا چاہیں تو ہمارے پاس رکھ سکتے ہیں، اور جتنی مدت آپ ہمارے پاس رکھیں گے ہم اس کی حفاظت کا سروس چارج لیں گے، اور کبھی آپ مجھ کو فروخت کرنے کو کہیں گے تو ہم اس کو فروخت کردیں گے چونکہ میں نے خود اس کو دیکھا ہے، حیدرآباد میں ممبئی کا ایک ادارہ ہے وہ اس کام کو کر رہا تھا انہوں نے مجھ سے خواہش کی کہ اس پر آپ فتوی دیں، تو میں نے کہا کہ جب

تک میں عملاً دیکھ نہ لوں کہ کیا اس میں فیزیکل قبضہ یا نہیں مل سکتا ہے اس وقت تک میں اس بارے میں کچھ نہیں لکھ سکتا، تو ان کے گودام ہوتے ہیں، ہر جگہ ہم نے جا کر دیکھا انہوں نے مختلف مقدار کے سکے رکھے ہیں ایک شکل تو یہ ہوتی ہے کہ آپ نے خریدا اور اس کو بعد میں برابر کرلیا عام طور پر اس میں پیسے بھی پہلے ادا نہیں کرتے ہیں، نفع ونقصان برابر کر لیتے ہیں وہ تو سٹہ ہے، لیکن یہ بھی شکل ہوتی ہے کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کو سونے کا سکہ جو آپ نے خریدا ہے وہ آپ کو اس کی ڈلیوری دے دیتے ہیں، ایک خاص مقدار کی جو کوائن ہوتی ہے ان کے یہاں، سکہ ہوتا ہے وہ اگر لیں تو فوری بھی چاہیں تو وہ آپ کو دے دیں گے، اور اگر آپ اس سے کم لینا چاہیں مثلاً آپ ایک گرام کا لینا چاہیں دو گرام کا لینا چاہیں اس میں آپ سے دو تین دنوں وقت لیتے ہیں اور یہ صرف یہاں کا مسئلہ نہیں ہے چونکہ کمیوڈیٹی ایکسچینج میں سمجھتا ہوں کہ اسٹاک ایکسچینج سے اس لحاظ سے زیادہ بہتر ہے کہ یہاں آپ کو مبیع پر فزیکل قبضہ حاصل ہوسکتا ہے اور وہ ادارہ بحیثیت وکیل آپ کی طرف سے قبضہ کرتا ہے تو میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اس کی تجویز طے کرتے ہوئے چونکہ مغائر شرعیہ کا فیصلہ بھی موجود ہے اور آپ جانتے ہیں اس کے صدر مولانا تقی عثمانی صاحب ہیں اور اس میں اس کی تمام صورتوں کو ناجائز نہیں کہا گیا ہے تو ایسی صورت جس میں حقیقی قبضہ متحقق ہوتا ہو جو شرطیں میں نے آپ سے عرض کی تو اس کے بارے میں غور کرنا چاہئے اور تمام صورتوں کو ایک زمرہ میں نہیں رکھنا چاہئے۔

ایک آواز:

یہ مبیع اگر غیر مبیع کے ساتھ مخلوط ہو تو اس میں وکیل کا قبضہ یا اصیل کا قبضہ جب ہی متحقق ہوگا جب کہ مبیع کو ممتاز کر دیا جائے غیر مبیع سے، ورنہ قبضہ کا تحقق نہیں ہوگا۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب:

سونے کی اینٹ تو مشترک شکل ہے اس کے بارے میں، میں نہیں کہہ رہا ہوں لیکن ہر آدمی کو اس کی مقدار کے لحاظ سے جسے آپ نے پچاس گرام سونا خریدا تو ان کے پاس پچاس گرام کا سکہ ہے اس پر ایک نمبر لکھا ہوا ہے تو آپ کے نام پر وہ سکہ آجاتا ہے اگر چاہیں تو آپ اس کی ڈلیوری حاصل کرلیں اور چاہیں تو آپ ان سے کہیں کہ آپ اپنے پاس رکھیں، جب میں چاہوں گا فروخت کروں گا، یا جب میں چاہوں گا تو اس کی ڈلیوری لے لوں گا، تو اس مسئلہ کی مزید تحقیق کے بغیر بہت عجلت میں اس کے بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کرنی چاہئے۔

مفتی انور علی اعظمی صاحب:

سوال نمبر ۲ میں جہاں زیور بنانے کے لئے سونا دیا جارہا ہے تو اس سلسلے میں ہم لوگوں کا موقف یہی ہے، جو سوال وجواب میں لکھا بھی گیا ہے کہ یہ بیع نہیں ہے اجارہ ہے، لیکن اجارہ کی صورت میں جو ذرات لے لئے جارہے ہیں اس کی اجازت دینے میں چوری کا ایک راستہ کھلے گا، اجرت یہاں پر غیر متعین ہے اور جو زیورات بنا کر دیئے جارہے ہیں اس میں یہ طے نہیں ہے کہ سونا جتنا دیا گیا ہے وہ سارا یا پھر کتنی مقدار سونا لوٹے گا کتنی مقدار بنانے والا اپنے پاس رکھ لے گا، ہم لوگوں کے یہاں جو کپڑے کا کاروبار ہوتا ہے تو کپڑا تیار کرانے والے بھی میٹریل دے دیتے ہیں تیار کرنے والے مزدوروں کو لیکن ان کی طرف سے اگر یہ اجازت دے دی

جائے کہ ہم کو صرف اتنی ساڑی چاہئے، یہ میٹریل آپ کا ہوگا تو ایسی صورت میں چوری کا ایک دروازہ کھلے گا یہاں بھی چوری کا دروازہ کھلنے کا پورا امکان ہے، اس لئے یہاں اجرت متعین ہونی چاہئے، ورنہ یہ معاملہ بہت ہی غیر واضح ہوگا، اور اجرت میں دوسرے اجارے کے معاملات میں طرح طرح کے نقصانات کا اندیشہ ہے۔

مفتی سلمان پالنپوری صاحب:

مجھے ثمن خلقی کے بارے میں ایک بات عرض کرنی ہے کہ جو بات کہی جارہی ہے کہ سونا اور چاندی ثمن خلقی نہیں ہے تو یہ بات احقر کی رائے کے مطابق درست نہیں ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے تمام فقہاء آج تک اس کو ثمن خلقی لکھتے آئے ہیں اور کسی فقیہ نے اس کے خلاف اس کے ثمن عرفی کی رائے قائم نہیں کی ہے، اس لئے یہ تمام فقہاء کا جو اتفاق ہے وہ بہت بڑی دلیل ہے، اور اس کے ثمن عرفی ہونے پر کوئی دلیل بھی موجود نہیں ہے، دوسری بات زکوۃ واجب ہونے کے لئے نصاب کا مال نامی ہونا شرط ہے تو سونے چاندی کے جو زیورات ہیں اس میں زکوۃ جو فقہاء نے واجب کی ہے تو اس کے اندر صفت نمو کو حکما ثابت کیا ہے اور وہ خلقی ثمنیت کی وجہ سے، اگر بالفرض ہم یہ مان لیں کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانے میں سونا اور چاندی ثمن عرفی تھا خلقی نہیں تھا تو اس زمانے میں سونا چاندی ثمن عرفی تو باقی رہا نہیں اور ثمن خلقی کی بھی ہم نفی کر رہے ہیں تو پھر سونے چاندی کے زیورات میں صفت نمو کس طرح ثابت ہوگی۔

مولانا مصطفیٰ عبد القدوس ندوی صاحب:

بہرحال ساری باتیں آچکی ہیں اس لئے اس کا اعادہ مناسب نہیں ہے، اور جیسا کہ سوال نمبر ۲ کے (ب) کے تعلق سے اجرت یا بیع کے تعلق سے بات آچکی ہے اور یہ اجرت تعاطی کے حکم میں آسکتا ہے، اور قفیز طحان کے تعلق سے جو اختلاف پایا جاتا ہے اور اس پر بھی کلام متقدمین فقہاء سے چلا آرہا ہے لیکن جن لوگوں نے جائز قرار دیا ہے ایک تو اس حدیث پر کلام ہے کہ ثابت ہے کہ ثابت نہیں ہے اور اس کو مال...... قرار دیا ہے، یہ سب کو معلوم ہے سوال نمبر ۴ کے اندر جوائنٹ کی بات آئی تو اسکے اندر تقریبا سب کا اتفاق ہی ہے کہ ناجائز ہے اور ناجائز ہونے کی بہت ساری صورتیں اس میں موجود ہیں کہ اس میں غرر بھی پایا جارہا ہے، کہ اس کے اندر، دوسری بات ہے کہ بیع در بیع ہوتے ہوئے معاملہ آگے بڑھے گا تو دوسرے کی مملوک چیز کو بیچنا بھی لازم آئے گا، اور پھر یہ کہ آگے چل کر مسئلہ آئے گا کہ اس پر مشتری کا قبضہ بھی نہیں وہ بیچ بھی نہیں سکتا، یہی تقریبا متفق علیہ بات ہوگی، تیسری بات کہ ابھی جو بحث سب کے درمیان چھڑی ہوئی ہے کہ کرنسی کے تعلق سے۔ اتنی بات معلوم ہے کہ سونا اور چاندی خیر وہ الگ ہے کہ بعد میں طے ہو کہ ثمن خلقی ہے یا نہیں ہے لیکن سونا اور چاندی ثمنیت کے باب میں ایک جنس ہے اور ربوا کے باب میں مختلف جنس ہے، فقہاء نے اس بات کو تسلیم کیا ہے، اسی طرح سے کرنسی کے باب کے اندر اس پر قیاس کرتے ہوئے کہ ثمنیت کے باب میں کرنسی ہو یا سونا ہو یا چاندی ہو سب ایک جنس کے ہوں گے، اور ربوا کے باب میں مختلف جنس کے ہوں گے، جب مختلف جنس کے ہوں گے تو ایسی صورت میں روپے کے ذریعہ سے سونا چاندی کے خریدنے میں تفاوت ہو مالیت کے اعتبار سے جس کو بیع صرف نہیں کہا جاسکتا ہے چونکہ جنس بدل گئی ہے تو اس پہلو سے بھی بہرحال اس پر غور کیا جائے، اور بقیہ باتیں چونکہ آچکی ہیں اس لئے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی صاحب:

یہ کچھ تجویزیں اور آراء تحریری طور پر آئی ہیں، مولانا عمران ندوی، مولانا روح الامین، مولانا اشاعتی، مولانا سیف اللہ قاسمی دھنباد، مولانا علی احمد آسامی، مولانا اسماعیل مظاہری، مولانا ابوالکلام صاحب، ڈاکٹر عمران عالم قاسمی بھوپال وغیرہ، ان حضرات کی ان تجاویز کو کمیٹی کے حوالہ کردیا جائے گا، انشاءاللہ اب گویا اس موضوع پر مناقشہ ہوچکا ہے کل سے آج تک ان سے فارغ ہوچکے ہیں، ان موضوعات کے بارے میں کمیٹیاں ترتیب دے دی گئی ہیں اس کا بھی اعلان ہوگا اور صدر محترم حضرت مولانا محبوب علی وجیہی صاحب دامت برکاتہم جو اپنے بڑھاپے کے باوجود تشریف لائے ہیں اور صدارت فرمارہے ہیں ان کے صدارتی کلمات اور دعا پر انشاءاللہ یہ نشست ختم ہوگی۔

صدارتی کلمات:

مفتی محبوب علی وجیہی صاحب:

نحمدہ ونصلي علی رسولہ الکریم، أما بعد- اب نہ خطاب کا وقت ہے نہ مزید گفتگو کا موقع، تو دو بج رہے ہیں، آج تو ہمارے سکریٹری صاحب نے اتنے پروگرام ہمارے ساتھ لگادیئے کہ پورا کرنا مشکل ہوگیا، پھر مغرب کے بعد پروگرام، صوتی آلودگی فضائی آلودگی، اب تک سونے چاندی میں تھے، اب آلودگی میں جایئے، حضرات کرام علماء عظام، یہ حق تعالی کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے آپ کو ہمیں پھر ایک دینی خدمت کے لئے جمع ہونے کا موقع دیا، اور یہ سمینار اس لئے ہوتا ہے کہ ہم آپ سب جمع ہوکر دین کے جو نئے مسئلہ پیدا ہورہے ہیں یا مسائل تو پرانے ہیں مگر غور طلب ہوگئے ہیں ان میں غور کیا جائے، اور جو نئے پیدا ہورہے ہیں ان کے ضوابط تیار کئے جائیں، بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہر ایک آدمی کو کچھ نہ کچھ اپنے خیال کے مطابق اپنے علم کے مطابق اپنے تجربے کے مطابق کہنے کا موقع ملتا ہے اور اس میں کوئی روک ٹوک نہیں ہوتی۔

☆☆☆